فی الاستغاثۃ بسید الخلق

مسئلہ توسّل و استعانت پر بے مثال کتاب

تصنیف: امام علّامہ یوسف بن اسماعیل نبہانی قدس سرہٗ

ترجمہ: مولانا علّامہ محمد اشرف سیالوی مدّظلہ
شیخ الحدیث دارالعلوم ضیاء شمس الاسلام سیال شریف

تقدیم: محمد عبدالحکیم شرف قادری مدّظلہ

حامد اینڈ کمپنی ○ ۳۸- اردو بازار لاہور ۲

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نام کتاب : شواہد الحق فی الاستغاثۃ بسید الخلق (اردو)
تصنیف : امام علامہ یوسف بن اسمٰعیل نبہانی قدس سرہٗ
ترجمہ : مولانا علامہ محمد اشرف سیالوی مدظلہٗ
تقدیم : مولانا علامہ محمد عبدالحکیم شرف قادری
تصحیح : مولانا محمد عالم مختارِ حق
کتابت : محمد نعیم کیلانی (خوشنویس)
مطبع : رومی پرنٹرز، لاہور
الطبع الاوّل : شعبان 1408ھ / اپریل 1988ء
الطبع الثانی : جمادی الثانی 1422ھ / اگست 2001ء
ہدیہ : -/250 روپے

ناشر
حامد اینڈ کمپنی مدینہ منزل ۳۸ اُردو بازار لاہور

تقسیم کار
فرید بک سٹال (رجسٹرڈ) ۳۸۔ اُردو بازار لاہور
فون نمبر 042-7312173، فیکس نمبر 092-042-7224899
ای۔میل نمبر faridbooks@hotmail.com

فدائے مصطفٰے (صلی اللہ علیہ وسلم)

امام علّامہ یوسف بن اسمٰعیل نبہانی قدّس سرہٗ

دنیا دارِ فنا ہے جو پیدا ہوا اسے ایک نہ ایک دن یہاں سے رختِ سفر باندھنا ہے، کچھ لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں جو خود تو چلے جاتے ہیں لیکن اپنی یاد ہمیشہ کے لیے چھوڑ جاتے ہیں، یہ دلآویزی اور یہ محبوبیت صرف ان بندگانِ خدا کے حصے میں آتی ہے جو اپنی زندگی اللہ تعالیٰ کے حبیبِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت و فرمانبرداری، آپ کے جمال و کردار کے تذکرے اور آپ کے دینِ متین کی حفاظت و تبلیغ میں صرف کر دیتے ہیں۔ علامہ نبہانی قدس سرہٗ اسی قدسی گروہ کے ایک فرد تھے۔

استاذ الاساتذہ مولانا الحاج علامہ عطا محمد گولڑوی مدظلہ العالی نے ایک مرتبہ بیان فرمایا کہ شیخ محقق شاہ عبدالحق محدّث دہلوی، امام احمد رضا بریلوی اور علامہ نبہانی کا وصفِ مشترک یہ تھا کہ انہوں نے اپنی پوری زندگی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عشق و محبت میں بسر کی اور تا حیات عشقِ رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کا درس دیتے رہے۔ دینِ اسلام کی خدمت ان کا سرمایۂ حیات تھا اور حدیث شریف کی تبلیغ و اشاعت ان کا وظیفۂ زندگی تھا۔

حضرت یوسف بن اسماعیل بن یوسف بن اسماعیل بن محمد ناصر الدین بن نبہانی رحمہم اللہ تعالیٰ فلسطین کی شمالی جانب واقع قصبہ جزم میں جو کہ اس وقت حیفا کے حدود میں واقع ہے تقریباً ۱۲۶۵ھ/۹-۱۸۴۸ء میں پیدا ہوئے عرب کے ایک بادیہ نشین قبیلہ بنو نبہان کی نسبت سے نبہانی کہلاتے ہیں، قرآن پاک والدِ ماجد شیخ اسماعیل نبہانی سے پڑھا وہ اسّی کے پیٹے میں تھے اس کے باوجود حواس بالکل صحیح سالم اور صحت بہت عمدہ تھی، اکثر اوقات اللہ تعالیٰ کی عبادت میں صرف کرتے، پہلے وہ ہر روز تہائی قرآن پاک پڑھتے تھے پھر ہر ہفتے میں تین قرآنِ پاک ختم کیا کرتے تھے اور یہ ان پر اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا کرم تھا۔

پھر علامہ نبہانی جامع ازہر مصر میں داخل ہوئے اور محرم الحرام ۱۲۸۳ھ سے رجب ۱۲۸۹ھ تک تحصیل علم

میں مصروف رہے، علامہ فرماتے ہیں میں نے وہاں ایسے ایسے محقق اساتذہ سے استفادہ کیا کہ اگر ان میں سے ایک بھی کسی ولایت میں موجود ہو تو وہاں کے رہنے والوں کو جنت کی راہ پر چلانے کے لیے کافی ہو اور تمام علوم میں لوگوں کی ضروریات کو تن تنہا پورا کر دے، چند اساتذہ کے نام یہ ہیں:-

علامہ[1] سید محمد دمنہوری شافعی (م ۱۲۸۶ھ) علامہ[2] شیخ ابراہیم منتصل الزرو (م ۱۲۸۷ھ) علامہ[3] شیخ احمد الاجہوری شافعی نابینا (م ۱۲۹۳ھ) علامہ[4] شیخ حسن العدوی المالکی (م ۱۲۹۸ھ) علامہ[5] شیخ سید عبدالہادی نجا الابیاری (م ۱۳۰۰ھ) علامہ[6] شیخ شمس الدین محمد الانبابی الشافعی (اس وقت کے شیخ الازہر) علامہ[7] شیخ عبدالرحمٰن الشربینی الشافعی علامہ[8] شیخ عبدالقادر الرافعی الحنفی الطرابلسی (شامی پر التحریر کے نام سے ان کا حاشیہ ہے) علامہ[9] شیخ یوسف برقاوی حنبلی، شیخ[10] المشائخ علامہ ابراہیم السقا الشافعی رحمہم اللہ تعالیٰ۔

علامہ نبہانی سب سے زیادہ اپنے استاذ علامہ ابراہیم السقا کے معترف اور مداح دکھائی دیتے ہیں ان سے شیخ الاسلام زکریا انصاری کی شرح تحریر اور شرح منہج اور ان پر علامہ شرقادی او بجیرمی کے حواشی پڑھے اور تین سال تک ان سے فیض یاب ہوئے انہوں نے علامہ نبہانی کو سند دیتے ہوئے ان القاب سے نوازا ہے:-

الامام الفاضل والہمام الکامل والجہبذ الابر، اللوذعی الاریب والالمعی الادیب ولدنا الشیخ یوسف بن الشیخ اسمٰعیل النبہانی الشافعی ایدہ اللہ بالمعارف ونصرہ[1]

اس سے معلوم ہوا کہ اساتذہ کی نظر میں علامہ کی کتنی قدر و منزلت تھی۔ دوسرا یہ بھی معلوم ہوا کہ علامہ مذہبًا شافعی تھے۔

جب حضرت علامہ نبہانی قدس سرہ کے علم و فضل کا چرچا ہوا تو بیروت میں محکمۃ الحقوق العلیا کے رئیس (وزیرِ انصاف) مقرر کر دیئے گئے ایک عرصہ تک اس منصب پر فائز رہے۔ آخر عمر میں انہوں نے اپنے اوقات عبادت اور تصنیف و تالیف کے لیے وقف کر دیئے، ایک عرصہ مدینہ طیبہ میں قیام پذیر رہے۔

حضرتِ علامہ نبہانی قدس سرہ نے اپنی دیگر مصروفیات کے ساتھ ساتھ تصنیف و تالیف کا سلسلہ جاری رکھا، ان کی تمام تصانیف مفید ہیں اور مقبولیت عامہ کی سند حاصل کر چکی ہیں اور ایسا کیوں نہ ہو جبکہ

[1] یہاں تک کے حالات علامہ نبہانی قدس سرہ کے خود نوشت ہیں جو "الشرف المؤبد لآل محمد" عربی کے آخر اور شواہد الحق کی ابتداء میں ملحق ہیں۔

ان کی تمام تصانیف حدیث شریف اور اس کے متعلقات سے وابستہ ہیں، حدیث شریف کے علاوہ انہوں نے ان موضوعات پر خامہ فرسائی کی ہے۔

سیرتِ مبارکہ، علم الاسانید، اکابرِ علماء و مشائخ کا تذکرہ، درود شریف اور بارگاہِ رسالت میں پیش کیے جانے والے قصائد جو خود علامہ نے لکھے یا مذاہبِ اربعہ کے متقدمین اور متاخرین علماء نے لکھے، ان کی تصانیف کی مقبولیت کا یہ عالم ہے کہ تمام کتابیں چھپ چکی ہیں بلکہ بعض کتابوں کے تو کئی کئی ایڈیشن چھپ چکے ہیں۔

حضرت علامہ نبہانی قدس سرہ نے سات سو پچاس اشعار پر مشتمل قصیدۃ الرائیۃ الکبریٰ لکھا جس میں دین اسلام اور دیگر ادیان کا تقابل پیش کیا ہے، بالخصوص عیسائیت کا تفصیلی رد کیا ہے کیونکہ عیسائی آئے دن دین اسلام کے خلاف ہرزہ سرائی کرتے رہتے تھے، دوسرا قصیدہ الرائیۃ الصغریٰ پانچ سو پچاس اشعار پر مشتمل لکھا جس میں سنتِ مبارکہ کی تعریف و توصیف اور بدعت کی مذمت کی اور ان اہلِ بدعت مفسدین کا بھرپور رد کیا جو اجتہاد کا دعویٰ کرتے ہیں اور خدا کی زمین میں فساد برپا کرتے ہیں۔

ان قصائد کو آڑ بنا کر بعض کفار اور منافقین نے سلطان عبدالحمید سلطان ترکی کے کان بھرے کہ علامہ نبہانی ان قصائد کے ذریعے تمہاری رعایا میں انتشار پھیلا رہے ہیں چنانچہ ۱۳۳۰ھ/۱۹۱۲ء میں جب علامہ مدینہ طیبہ پہنچے تو انہیں شاہی حکم کے تحت نظر بند کر دیا گیا، علامہ فرماتے ہیں:-

حُبِسْتُ فِی الْمَدِیْنَۃِ مُدَّۃَ اُسْبُوْعٍ لٰکِنْ بِالْاِکْرَامِ وَالْاِحْتِرَامِ[1]

"مجھے مدینہ طیبہ میں ایک ہفتے کے لیے نظر بند کر دیا گیا لیکن عزت و احترام کے ساتھ"

قطبِ وقت حضرتِ مولانا ضیاء الدین مدنی رحمہ اللہ تعالیٰ خلیفہ امام احمد رضا بریلوی قدس سرہٗ جو اس واقعہ کے شاہد ہیں، نے یہ واقعہ تفصیل سے بیان فرمایا اور مولانا الحاج محمد منشاء تابش قصوری مدظلہ نے اسے قلمبند کیا، انہی کے الفاظ ملاحظہ ہوں:-

"ایک دفعہ سلطان عبدالحمید نے مدینہ منورہ کے گورنر بصری (پاشا) کو علامہ یوسف نبہانی کی گرفتاری کا حکم دیا۔ گورنر بصری علامہ کا انتہائی معتقد تھا آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور سلطان کا حکم نامہ پیش کیا، علامہ یوسف نبہانی ملاحظہ فرماتے ہی گویا ہوئے:-

سَمِعْتُ وَقَرَأْتُ وَاَطَعْتُ

میں نے سنا، پڑھا اور اطاعت کی

[1] یوسف بن اسماعیل نبہانی، علامہ: الدلالات الواضحات ص ۱۳۹۔

گورنر بصری عرض کرنے لگا حضرت! گرفتاری تو ایک بہانہ ہے، گورنر ہاؤس تشریف لائیے آپ میرے ہاں بحیثیت مہمان ہی ہوں گے اس بہانے مجھے میزبانی کا شرف حاصل ہو جائے گا جو علماء وفضلاء اور مشائخ آپ سے ملاقات کے لیے آئیں گے وہ بھی میرے ہی مہمان ہوں گے آپ کے عقیدت مندوں پر گورنر ہاؤس کے دروازے ہر وقت کھلے رہیں گے۔ آپ کا گورنر ہاؤس میں قیام قید نہیں محض سلطان کے حکم کی تعمیل کے لیے ایک حیلہ ہے۔

حضرت علامہ یوسف نبہانی عالمِ اسلام کی ممتاز شخصیت تھے۔ ہم عصر علماء و مشائخ کے ان کے ساتھ گہرے مراسم تھے۔ ان کی گرفتاری کی خبر جنگل کی آگ کی طرح بڑی تیزی سے عالمِ اسلام میں پھیل گئی، خاص و عام سراپا احتجاج بن گئے مگر علامہ یوسف نبہانی بالکل مطمئن، گھبراہٹ اور پریشانی کا نام تک نہیں تھا پھر بھی علماء و زعماء ملت نے ملاقات کے دوران علامہ سے کہا کہ اگر اجازت ہو تو ہم آپ کی رہائی کے لیے سلطان سے اپیل کرتے ہیں۔ علامہ نے فرمایا اگر آپ کو اپیل کرنا منظور ہے تو سلطانِ وقت کی بجائے سلطانِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہِ اقدس میں صلوٰۃ وسلام کے ساتھ یُوں استغاثہ عرض کریں۔

صَلَّى اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلٰوةً وَّسَلَامًا عَلَيْكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَلَّتْ حِيْلَتِيْ اَنْتَ وَسِيْلَتِيْ اَدْرِكْنِيْ يَا سَيِّدِيْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ۔

حضرتِ قطب الوقت (مولانا ضیاء الدین مدنی رحمہ اللہ تعالیٰ) نے فرمایا، چنانچہ ہم نے ابھی تین دن تک ہی اس درود شریف کے ساتھ استغاثہ پیش کیا تھا کہ سلطان عبدالحمید کے گورنر بصری کو پیغام ملا، حضرت الشیخ یوسف النبہانی کو باعزت بری کر دیا جائے [1]۔"

علامہ نبہانی فرماتے ہیں۔

"جب حکومت پر واضح ہو گیا کہ میں پورے خلوص کے ساتھ دین اسلام کی خدمت کر رہا ہوں اور دینِ متین اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے دفاع کر رہا ہوں تو میری رہائی کا حکم صادر کیا گیا اور حکومت کے ذمہ دار افراد نے گرفتاری پر معذرت کا اظہار کیا [2]۔"

---

[1] محمد منشا تابش قصوری، مولانا: اغثنی یارسول اللہ (مطبوعہ مکتبہ قادریہ لاہور۔ ۱۳۹۵ھ/۱۹۷۵ء) ص ۱۵

[2] یوسف بن اسماعیل نبہانی، علامہ: الدلالات الواضحات، ص: ۱۳۹

ان کی تصانیفِ عالیہ کی فہرست حسبِ ذیل ہے:-

۱۔ الفتح الکبیر فی ضم الزیادات الی الجامع الصغیر، جامع صغیر اور اس کے حاشیہ "زیادۃ الجامع الصغیر" پر مشتمل ہے، یہ دونوں کتابیں چودہ ہزار چار سو پچاس حدیثوں پر مشتمل تھیں علامہ نبہانی نے انہیں حروفِ معجم کے مطابق مرتب کیا ہر حدیث کے بارے میں بتایا کہ کس نے روایت کی ہے اور ان کا اعراب بھی بیان کیا، یہ کتاب مطبوعہ مصطفیٰ البابی الحلبی و اولادہ مصر کی طرف سے تین جلدوں میں علامہ کے وصال کے بعد چھپی۔

۲۔ منتخب الصحیحین: تین ہزار دس حدیثوں پر مشتمل ہے اور اعراب و حرکات مکمل طور پر لگائے گئے ہیں۔

۳۔ قرۃ العینین علی منتخب الصحیحین: منتخب الصحیحین پر حاشیہ

۴۔ وسائل الوصول الی شمائل الرسول صلی اللہ علیہ وسلم

۵۔ افضل الصلوات علی سید السادات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

۶۔ الاحادیث الاربعین فی وجوب طاعۃ امیر المومنین۔

۷۔ النظم البدیع فی مولد الشفیع صلی اللہ علیہ وسلم۔

۸۔ الہمزیۃ الالفیہ (طیبۃ الغراء) فی مدح سید الانبیاء صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

۹۔ الاحادیث الاربعین فی فضائل سید المرسلین۔

۱۰۔ الاحادیث الاربعین فی امثال، فصح العالمین۔

۱۱۔ قصیدہ سعادۃ المعاد فی موازنۃ بانت سعاد۔

۱۲۔ مثال نعلہ الشریف صلی اللہ علیہ وسلم

۱۳۔ حجۃ اللہ علی العالمین فی معجزات سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم۔

۱۴۔ سعادۃ الدارین فی الصلوٰۃ علی سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم۔

۱۵۔ السابقات الجیاد فی مدح سید العباد صلی اللہ علیہ وسلم

۱۶۔ خلاصۃ الکلام فی ترجیح دین الاسلام

۱۷۔ ہادی المرید الی طرق الاسانید ثبتہ الجامع النافع۔

۱۸۔ الفضائل المحمدیۃ ترجمہا لبعض السادات العلویۃ للغۃ الجاویۃ۔

۱۹۔ الورد الشافی یشتمل علی الادعیہ والاذکار النبویۃ۔

۲۰- المزدوجۃ الغرا فی الاستغاثۃ باسماء اللہ الحسنیٰ۔

۲۱- المجموعۃ النبہانیۃ فی المدائح النبویہ واسماء رجالہا۔ (چار جلدوں میں)

۲۲- نجوم المہتدین فی معجزاتہ صلی اللہ علیہ وسلم، والرد علی اعداء اخوان الشیاطین۔

۲۳- ارشاد الحیاری فی تحذیر المسلمین من مدارس النصاری التی اہلکت دین المسلمین۔

۲۴- جامع الثناء علی اللہ وہو یشتمل علی جملۃ من احزاب اکابر الاولیاء

۲۵- مفرج الکروب، ویلیہ حزب الاستغاثات، ویلیہ احسن الوسائل فی نظم اسماء النبی الکامل

۲۶- ویلیہ کتاب الاسماء فیما لسیدنا محمد من الاسماء۔

۲۷- البرہان المسدد فی اثباتِ نبوۃ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم، ودلیل التجار الی اخلاق الاخیار

۲۸- والرحمۃ المہداۃ فی فضل الصلاۃ، وحسن الشرعۃ فی مشروعیۃ صلاۃ الظہر بعد الجمعہ، ورسالۃ

۲۹- التحذیر من اتخاذ الصور والتصویر، وتنبیہ الافکار لحکمۃ اقبال الدنیا علی الکفار

۳۰- سبیل النجاۃ فی الحب فی اللہ والبغض فی اللہ۔

۳۱- القصیدۃ الرائیۃ الکبریٰ فی مجموعۃ منہا سعادۃ الانام فی اتباع دین الاسلام،

۳۲- ومختصر ارشاد الحیاری۔

۳۳- الرائیۃ الصغریٰ فی ذم البدعۃ ومدح السنۃ الغراء۔

۳۴- جواہر البحار فی فضائل النبی المختار صلی اللہ علیہ وسلم (چار جلدوں میں)

۳۵- تہذیب النفوس فی ترتیب الدروس مختصر ریاض الصالحین للنووی

۳۶- اتحاف المسلم جعلہ خاصا بما ذکرہ صاحب الترغیب والترہیب من احادیث البخاری ومسلم۔

۳۷- جامع کرامات الاولیاء ومعہ رسالۃ لہ فی اسباب التالیف (دو جلدوں میں)

۳۸- دیوان المدائح المسمی العقود اللؤلؤیۃ فی المدائح النبویۃ

۳۹- الاربعین، اربعین من احادیث سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم، وہو کتاب نفیس جامع۔

۴۰- الدلالات الواضحات شرح دلائل الخیرات، ویلیہا المبشرات المنامیۃ۔

۴۱- صلوات الثناء علی سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم۔

۴۲- القول الحق فی مدح سید الخلق صلی اللہ علیہ وسلم

۴۳- الصلوات الالفیۃ فی الکمالات المحمدیۃ

۴۴- ریاض الجنۃ فی اذکار الکتاب والسنۃ۔

۴۵- الاستغاثۃ الکبریٰ باسماء اللہ الحسنیٰ۔

۴۶- جامع الصلوات علی سید السادات۔

۴۷- الشرف المؤبد لآل محمد صلی اللہ علیہ وسلم

۴۸- الانوار المحمدیۃ مختصر المواہب اللدنیۃ

۴۹- صلوات الاخیار علی النبی المختار صلی اللہ علیہ وسلم۔

۵۰- تفسیر قرۃ العین من البیضاوی والجلالین۔

۵۱- البشائر الایمانیۃ فی المبشرات المنامیۃ۔

۵۲- الاسالیب البدیعۃ فی فضل الصحابۃ واقناع الشیعۃ۔

علامہ نبہانی اسلام کا درد رکھنے والے اور راسخ العقیدہ مسلمان تھے انہوں نے اپنے زمانے میں دیکھا کہ مسلمان اپنے بچوں کو عیسائی مشنری سکولوں میں داخل کرواتے ہیں جہاں انہیں انگریزی زبان اور کچھ دنیاوی علوم سکھائے جاتے ہیں اس کے ساتھ ساتھ بچے، عیسائیوں کی عبادت میں شریک ہوتے ہیں، اس کیفیت نے انہیں شدید اضطراب میں مبتلا کر دیا، چنانچہ انہوں نے ایک رسالہ ارشاد الحیاری فی تحذیر المسلمین من مدارس النصاریٰ لکھا اور بڑے زوردار انداز میں مسلمانوں کو اس قبیح طریقے سے منع کیا، یہ رسالہ ایک مقدمہ، چالیس فصول اور ایک خاتمہ پر مشتمل ہے۔

اس رسالہ میں انہوں نے اپنا ایک نوٹ بھی نقل کیا ہے جو کئی سال پہلے انہوں نے اپنی تصنیف افضل الصلوات علی سید السادات کے آخر میں لکھا تھا اس کا عنوان تھا۔

عظیم مصیبت جس کا نوٹس لیا جانا ضروری ہے۔

فرماتے ہیں:

فرنگی جو سکول اسلامی ممالک میں کھولتے ہیں ———— ان میں طالب علم کے داخلے کے لیے اہم ترین شرط یہ ہوتی ہے کہ وہ ہر دن عیسائی لڑکوں کے ساتھ عبادت کے لیے گرجا جائے گا اور ان جیسے دینی افعال سرانجام دے گا اگرچہ وہ مسلمان ہی کیوں نہ ہو، اور جسے یہ شرط منظور نہ ہو اسے وہ داخلہ نہیں دیتے۔ بیروت میں بھی ایسے سکول موجود ہیں اور ان میں مسلمانوں کے کچھ بچے بھی تعلیم حاصل کرتے ہیں مثلاً مدرسہ یسوعیہ اور مدرسۃ المطران المارونیہ

ہم اس بناء پر عیسائیوں کو ہدف ملامت نہیں بنا سکتے کیوں کہ وہ اپنے سکولوں میں اپنے مقاصد کے تحت کام کر رہے ہیں اپنی شرائط صاف صاف بیان کر دیتے ہیں اور کسی کو داخلے پر مجبور نہیں کرتے

البتہ وہ مسلمان ضرور عظیم ملامت کے مستحق ہیں جو راضی خوشی اپنے بچوں کو ان سکولوں میں داخل کرواتے ہیں، بچہ وہیں رہتا اور سوتا ہے اور شرط کے مطابق گرجے میں بھی جاتا ہے۔

میں کہتا ہوں کہ سچا مسلمان اپنی اولاد کو اس خطرے میں صرف اسی صورت میں داخل کر سکتا ہے کہ یا تو اسے ان شرائط اور قواعد کا علم نہیں یا پھر اس بارے میں اسے حکم شرعی معلوم نہیں۔ جہاں تک ان کی شرط کا تعلق ہے وہ میں نے بیان کر دی ہے تاکہ ہر شخص کو معلوم ہو جائے۔ رہا حکم شرعی تو وہ شریعت مبارکہ کی کتابوں میں مذکور ہے اور کسی عالم پر مخفی نہیں ہے۔

میں اس جگہ شفاء شریف سے امام قاضی عیاض کی عبارت نقل کرنے پر اکتفا کرتا ہوں تاکہ ہر کسی کو یہ حکم معلوم ہو جائے اور کسی پر مخفی نہ رہے۔ انہوں نے اپنی کتاب کے آخر میں متعدد امور کفریہ بیان کرنے کے بعد فرمایا۔

"اسی طرح ہم اس شخص کو کافر قرار دیں گے جس سے ایسا فعل سرزد ہو جس کے بارے میں مسلمانوں کا اجماع ہو کہ وہ کافر ہی سے صادر ہو سکتا ہے اگرچہ وہ اس فعل کے باوجود مسلمان ہونے کی تصریح کرتا ہو۔ مثلاً بت، سورج، چاند، صلیب اور آگ کو سجدہ کرنا، یہود و نصاریٰ کے ہمراہ ان کی عبادت گاہوں (گرجوں وغیرہ) میں جانا، ان کا خصوصی لباس پہننا۔ مثلاً زنار (جینئو) باندھنا اور سر کا درمیانی حصہ منڈوانا مسلمانوں کا اتفاق ہے کہ یہ افعال کافر ہی سے صادر ہو سکتے ہیں اور یہ افعال کفر کی علامت ہیں اگرچہ ان کا مرتکب مسلمان ہونے کی تصریح کرتا ہو"

اس امام کی عبارت کے ظاہر ہوتے، دین اسلام کے حکم شرعی کے پہچاننے اور ان سکولوں میں داخلے کی شرائط واضح ہو جانے کے بعد کسی مسلمان کے لیے بے خبری کا عذر باقی نہیں رہتا اس کے بعد بھی جو شخص اپنے بچوں کو ان جیسے سکولوں میں رکھے گا وہ یقین سے محروم اور دین کے معاملہ میں بے پروا واقع ہوا ہے۔ ہم اللہ تعالیٰ کے غضب سے اس کی پناہ مانگتے ہیں[1]۔ ایک جگہ عیسائیت کی تبلیغ کے لیے عیسائیوں کے اہتمام، بے پناہ دولت صرف کرنے اور سکولوں کے قیام کے علاوہ دور دراز دیہات میں جا کر بچوں اور جہلاء کو جمع کر کے پادریوں کا عیسائیت کی تبلیغ کرنے کا ذکر کر کے مسلمانوں کی حالت زار پر اظہار افسوس کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"ایک طرف عیسائیوں کی یہ حالت ہے دوسری طرف ہم دیکھتے ہیں کہ اکثر و بیشتر مسلمان اپنے

---

[1] یوسف بن اسمٰعیل نبہانی علامہ: ارشاد الحیارٰی (مطبع حمیدیہ مصر) ص ۶

دین اسلام کی اشاعت کی پروا نہیں کرتے، ان لوگوں کی طرح مال و دولت خرچ نہیں کرتے، اپنے شہروں اور اولاد پر وارد ہونے والے شرک اور شکوک و اوہام کو دور کرنے کی طرف توجہ نہیں دیتے، کیا یہ قبیح ترین رسوائی، شدید ترین خسارہ اور خوفناک محرومیت نہیں ہے؟ خصوصاً اس زمانے میں جبکہ کفر، ایمان پر حملہ آور ہے۔ گمراہی بڑھ چکی ہے اور سرکشی پھیلتی جا رہی ہے[1]"

اللہ تعالیٰ نے علامہ نبہانی کو نظم و نثر میں حیرت انگیز قدرت عطا فرمائی تھی۔ ان کے بعض قصائد تو کئی سو اشعار پر مشتمل ہیں، ایک قصیدۃ "النظم البدیع فی مولد الشفیع صلی اللہ علیہ وسلم" میں عرض کرتے ہیں:

يَا رَبَّنَا بِجَاهِهِ لَدَيْكَا ۔۔۔ إِنَّا تَوَسَّلْنَا بِهِ إِلَيْكَا

مُعْتَمِدِيْنَ رَبَّنَا عَلَيْكَا ۔۔۔ وَطَالِبِيْنَ الْخَيْرَ مِنْ يَدَيْكَا

فَأَلْهِمِ الْكُلَّ سَبِيْلَ الرُّشْدِ

ترجمہ: "اے اللہ! نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی جو عزت و منزلت تیری بارگاہ میں ہے ہم تیری بارگاہ میں اس کا وسیلہ پیش کرتے ہیں۔

تجھ پر بھروسا کرتے ہوئے اور تجھ سے خیر کی دعا کرتے ہوئے (عرض کرتے ہیں کہ) تو سب کو راہ ہدایت عطا فرما"

يَا رَبِّ وَارْحَمْ أُمَّةَ الْمُخْتَارِ ۔۔۔ فِيْ كُلِّ عَصْرٍ وَّبِكُلِّ دَارِ

وَاحْرُسْهُمْ مِنْ سَطْوَةِ الْأَغْيَارِ ۔۔۔ فِيْ سَائِرِ الْبِلَادِ وَالْأَقْطَارِ

فِيْ كُلِّ غَوْرٍ وَّبِكُلِّ نَجْدِ

ترجمہ: "اے اللہ! نبی مختار صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کی امت پر ہر جگہ اور ہر زمانے میں رحم فرما۔ اور انھیں تمام شہروں اور اطراف میں ہر بلند اور پست جگہ غیروں کے تسلط سے محفوظ فرما۔

علامہ نبہانی راسخ العقیدہ سنی مسلمان اور سچے عاشق رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم تھے، کسی شخص یا گروہ کو بارگاہ رسالت میں گستاخ اور بے ادب پاتے تو بے دھڑک اس کی تردید کرتے اور کسی طرح کی رورعایت روا نہ رکھتے، ابن تیمیہ کے علم و فضل اور خدمات کے قائل ہونے کے باوجود اس پر سخت رد کیا، فرماتے ہیں:

"مجھ ایسے چھوٹے سے طالب علم کا ابن تیمیہ اور اس کے دو شاگردوں ابن قیم اور ابن الہادی ایسے ائمہ کبار پر جرأت کرنا ایسا امر ہے کہ اگر اس کا تعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نہ ہوتا تو

---

[1] یوسف بن اسمٰعیل نبہانی علامہ، ارشاد الحیارٰی (مطبع حمیدیہ مصر) ص ۵۱

میں کہتا کہ یہ امر قابلِ ملامت ہے اسی لیے میں ایک عرصہ تردد اور پس و پیش میں مبتلا رہا یہاں تک کہ میں نے اللہ تعالیٰ سے استخارہ کیا جب میں نے دیکھا کہ ان کی کتابیں پھیل رہی ہیں تو مجھے یہی مناسب معلوم ہوا کہ ان کے خلاف قدم اٹھایا جائے۔

اگر میں نے ان کے خلاف جرات کی ہے تو انہوں نے حضور سید الانبیاء اور دیگر انبیاء صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیہم وسلم اور اولیائے کرام کے حقوق پر جرأت کی ہے اور ان کی زیارت کرنے والے اور ان سے استعانت کرنے والے ایمان داروں پر جراءت کی ہے اور انہیں اس بناء پر گروہ مشرکین میں سے شمار کیا ہے ان کی جرات دیدہ دلیری میری جرات سے کہیں بڑی ہے ان میں کوئی نسبت ہی نہیں ہے[1]"

ایک جگہ خود یہ سوال اٹھایا ہے کہ ابن تیمیہ وغیرہ کی علمیت ان کے مخالفین کے نزدیک بھی مسلم ہے اگر ان کے نزدیک انبیاء واولیاء کے مزارات کی زیارت کے لیے جمہور مسلمان کے سفر اور ان سے استعانت کا بطلان ثابت نہ ہوتا تو وہ انہیں مشرک قرار دینے کی جسارت نہ کرتے اور اس کا جواب یہ دیا:۔

"ائمہ بدعت اور اصحابِ بدعت وہوا بھی بڑے بڑے امام اور علماء ہوئے ہیں۔

اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے گمراہی میں رہنے دیتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی تعلیم سے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جانتے تھے کہ آپ کی امت میں دین کے معاملے میں اختلاف ہوگا اس لیے ہمیں حکم دیا کہ ہم سوادِ اعظم کا ساتھ دیں، سوادِ اعظم جمہور مسلمان ہیں یعنی مذاہب اربعہ (مذہب حنفی، شافعی، مالکی اور حنبلی) کے متبعین اور ہمارے مشائخ صوفیہ اور اکابر محدثین امت محمدیہ ہی ہیں اور یہ سب ابنِ تیمیہ کی بدعات کے مخالف ہیں اور ان میں ایسے ایسے حضرات ہیں جن کا علم اس سے زیادہ، سمجھ زیادہ دقیق، ذوق زیادہ سلیم اور معرفت بہت ہی وسیع ہے اور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانہ مبارکہ سے اس وقت تک لاکھوں ایسے حضرات ہوئے ہیں جو علم و عمل میں من کل الوجوہ اس سے زیادہ فضیلت رکھتے ہیں، کیا وہ تمام بزرگ اور ساری امت مسلمہ سفرِ زیارت اور استعانت کے سبب گمراہ ہوگی، ابن تیمیہ اور گروہ وہابیہ حق و ہدایت پر ہوگا؟ یہ ایسی بات ہے جیسے کوئی نرا جاہل، بے عقل اور ذوقِ سلیم سے عاری ہی قبول کرے گا خصوصًا بدعات میں اس کی شدید اور فاش غلطی ظاہر ہے اور از قبیل

---

[1] یوسف بن اسماعیل نبہانی علامہ: شواہد الحق مطبوعہ مصطفےٰ البابی حلبی مصر ۱۳۸۵ھ/۱۹۶۵ء

خیالات و اوہام ہے، ائمہ اسلام کی آراء میں سے نہیں ہے[1]"

محمد بن عبدالوہاب نجدی کے بارے میں فرماتے ہیں:۔

"وہ ابن تیمیہ کے پانچ سو سال بعد آیا اور اس کی بدعت کو زندہ کر کے ایسے فتنے اٹھائے کہ ان کے سبب شر اور بلا عام ہوگئی خون کے سمندر بہا دیئے گئے اور اتنے مسلمانوں کی جانیں تلف کی گئیں کہ ان کی تعداد اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے[2]"

علامہ نبہانی فرماتے ہیں:۔

"میں نے ۲ ربیع الاول ۱۳۲۰ھ پیر کی شب خواب میں دیکھا کہ میں قرآنِ پاک کی آیاتِ مبارکہ بکثرت تلاوت کر رہا ہوں، گویا کوئی لکھوانے والا مجھے لکھوا رہا ہے مجھے اس وقت وہ آیات خصوصیت کے ساتھ یاد نہیں ہیں البتہ اتنا یاد ہے کہ ان میں بعض انبیائے کرام کے اوصاف، دشمنوں کے خلاف اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کی امداد اور انہیں صبر کا حکم تھا، خصوصًا سیدنا محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور سیدنا موسیٰ علیہ السلام کا ذکر تھا بہت دیر تک میں ان آیات کو پڑھتا رہا اور اسی حالت میں بیدار ہوگیا۔ میں نے اس خواب کی تعبیر یہ نکالی کہ یہ ان مبتدعین محمد عبدہ مصری کی جماعت کی طرف اشارہ ہے، میں نے پانچ سو پچاس اشعار پر مشتمل قصیدۃ الرائیۃ الصغریٰ میں ان کی اور ان کے شیخ مذکور (محمد عبدہ) اس کے شیخ جمال الدین افغانی اور محمد عبدہ کے شاگرد جریدہ المنار کے ایڈیٹر اور ان سب سے زیادہ شریر رشید رضا کی مذمت کی ہے، میں نے اس قصیدہ کو صغریٰ (چھوٹا) اس لیے کہا ہے کہ میں نے اس سے ایک بڑا قصیدہ لکھا ہے جو سات سو پچاس اشعار پر مشتمل ہے اس میں ملت اسلامیہ کے اچھے اوصاف اور دوسری (موجودہ) ملتوں کے قبیح اوصاف بیان کیے ہیں نتیجہ یہ نکلا کہ دونوں فریق میری عداوت اور اذیت میں متفق ہوگئے لیکن، اللہ تعالیٰ نے مجھے ان کے شر سے محفوظ رکھا۔

میں نے اس خواب کا اشارہ ان اشرار کی طرف اس لیے سمجھا کہ اس خواب سے تین دن پہلے ان میں سے ایک شخص میرے گھر آیا اور از راہ ہمدردی مجھے کہنے لگا کہ میں محمد عبدہ اور جمال الدین افغانی سے تعرض نہ کروں کیونکہ ان کی جماعت میرے قصیدہ کے سبب ناراض ہے اور

---

[1] یوسف بن اسماعیل نبہانی، علامہ: شواہد الحق ص: ۶۵

[2] یوسف بن اسماعیل نبہانی، علامہ: شواہد الحق ص: ۵۶

مجھے اذیت دینا چاہتی ہے۔"[1]

ان اقتباسات کے نقل کرنے سے مقصد یہ دکھانا ہے کہ علامہ نبہانی کس قدر راسخ العقیدہ تھے اور حق کی حمایت کرنے میں کسی کی پروا نہیں کرتے تھے۔

حضرت علامہ نبہانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اعلیٰ حضرت مولانا شاہ احمد رضا خان بریلوی قدس سرہٗ کے ہم عصر تھے، نہ معلوم آپس میں ملاقات ہوئی یا نہیں البتہ امام احمد رضا بریلوی کی نادرِ روزگار تصنیف الدولۃ المکیہ پر علامہ نبہانی کی زوردار تقریظ موجود ہے، فرماتے ہیں:۔

"سید عبدالباری سلمہ اللہ تعالیٰ (ابن سید امین رضوان مدنی) نے یہ کتاب الدولۃ المکیہ میرے پاس بھیجی میں نے اول سے آخر تک اس کا مطالعہ کیا اور اسے تمام دینی کتابوں میں بہت ہی نفع بخش اور مفید پایا اس کے دلائل بہت قوی ہیں جو بڑے امام اور علامۂ اجل سے ہی ظاہر ہو سکتے ہیں، اللہ تعالیٰ ان سے راضی رہے اور اپنی نوازشات سے انہیں راضی رکھے اور ان کی پاکیزہ امیدوں کو بر لائے۔ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے توسل سے بارگاہِ الٰہی میں دعا ہے کہ وُہ اس کتاب کے مصنف ایسے افراد زیادہ سے زیادہ پیدا فرمائے جو ائمۂ اعلام ہوں اسلام کے حامی ہوں کفار اور اہلِ بدعت کے رد میں مشغول رہیں، ایسے علماء عظیم مجاہد اور دین کی حدود کے محافظ ہیں۔"[2]

حضرت علامہ یوسف بن اسمٰعیل نبہانی قدس سرہ کا وصال بیروت میں ۱۳۵۰ھ/ ۱۹۳۲ء ماہِ رمضان المبارک کی ابتداء میں ہوا، آپ کا آخر عمر تک یہ معمول رہا کہ باقاعدگی سے فرض ادا کرنے کے علاوہ کثرت سے نوافل ادا کرتے اور بارگاہ رسالت میں ہدیۂ درود و سلام پیش کرتے، عبادت اور اتباعِ سنت کا نور آپ کے چہرہ مبارکہ پر جگمگاتا رہتا تھا۔[3]

[1] یوسف بن اسماعیل نبہانی علامہ: ضمیمۃ الدلالات الواضحات شرح دلائل الخیرات (مطبوعہ مطبع مصطفےٰ البابی مصر ۱۹۵۵ء) ص ۱۳۹۔

[2] الدولۃ المکیہ مطبوعہ کراچی ص: ۲۷۷

[3] محمد حبیب اللہ بن مایابی الجکنی: مقدمہ شواہد الحق ص ۱۰

شواهد الحق فی الاستغاثة بسيّد الخلق

ہر مسلمان کا عقیدہ ہے کہ خالق و مالک، نافع و ضار، ملجأ و مأویٰ، اور مقصود و مطلوب حقیقی اللہ تعالیٰ ہی ہے، ذات و صفات اور افعال میں وہی مستقل ہے وہ کسی کا محتاج نہیں ہے، سب اسی کے محتاج ہیں، وہی مؤثر حقیقی ہے، استقلال اور تاثیر حقیقی یہ وہ اوصاف ہیں جن پر مدار توحید ہے، مخلوقات میں سے کسی بھی شخصیت کو مستقل غیر محتاج یا مؤثر حقیقی ماننا شرک ہے۔

مخلوقات میں سے اللہ تعالیٰ کے ہاں مقبول اور محبوب اعمال اور ہستیوں کو بارگاہ الٰہی میں وسیلہ بنانا نہ صرف جائز ہے بلکہ مستحسن ہے، دعاؤں کے مقبول ہونے اور حاجتوں کے بر آنے کا ذریعہ ہے، اسے ناجائز اور حرام قرار دینا عقلاً اور نقلاً باطل اور شرک قرار دینا قطعاً غلط ہے۔ خیال فرمایئے! کیا اللہ تعالیٰ کو وسیلہ بنایا جاسکتا ہے؟ نہیں اور یقیناً نہیں! تو اللہ تعالیٰ کے کسی مقبول بندے کو اگرچہ وصال کے بعد ہی ہو وسیلہ بنانا کیسے شرک ہو سکتا ہے؟

اس میں شک نہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں مخلوقات میں سب سے زیادہ محبوب اور مکرم ہیں، اس لیے آپ کی ذاتِ اقدس اہم ترین اور مقبول ترین وسیلہ ہے، آپ سے توسل کے کئی طریقے ہیں۔

۱۔ آپ کی تعلیمات پر عمل کیا جائے، آپ کے بیان کردہ فرائض و واجبات ادا کیے جائیں، آپ کی سنتوں کو اپنایا جائے آپ نے جن چیزوں سے منع فرمایا ہے ان سے بچا جائے۔

۲۔ آپ کے وسیلے سے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعائیں کی جائیں۔

۳۔ اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرمائے تو حج و عمرہ کی سعادت حاصل کرنے کے ساتھ ساتھ مدینہ طیبہ میں حاضر ہو کر سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہِ قدس میں حاضری دی جائے۔ یہ بھی توسل کا ایک طریقہ ہے۔

علامہ یوسف بن اسماعیل نبہانی فرماتے ہیں:

جس طرح روضۂ اقدس کی زیارت اور اس کے لیے سفر کرنے پر علماء کا اجماع ہے اسی طرح علماء اسلام اور عامۃ المسلمین اس پر عمل پیرا ہونے میں متفق ہیں، کیونکہ صحابۂ کرام رضی اللہ تعالےٰ عنہم کے زمانے سے آج تک لوگ حج سے پہلے اور اس کے بعد نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زیارت کا قصد کرتے رہے ہیں اور اطرافِ عالم سے طویل اور پُر مشقت سفر کر کے آپ کی بارگاہِ ناز میں حاضری دیتے رہے ہیں، اموال کثیرہ خرچ کرتے رہے ہیں اپنی جانوں کو خطرات میں ڈالتے رہے ہیں اور ان کا عقیدہ یہ رہا ہے کہ یہ عمل عظیم ترین عبادات میں سے ہے۔ جس شخص کا یہ عقیدہ ہے کہ ہر زمانے میں سفر کرنے والے کثیر التعداد لوگ خطا پر تھے وہ خود خطا کار اور محروم ہے[1]

اس مسئلے میں مخالفت کرنے والے علامہ ابن تیمیہ، ان کے شاگرد علامہ ابن القیم اور ابن عبدالہادی ہیں، ان کے بعد وہابی اور نجدی علماء ہیں جو نہ صرف ان کے نقش قدم پر چلے بلکہ تشدد میں ان سے بھی آگے بڑھ گئے۔

علامہ نبہانی نے مسئلہ توسل اور زیارت میں ان ہی لوگوں کا رد کیا ہے ان کے اٹھائے ہوئے شبہات کا ازالہ کیا ہے اور انتہائی تفصیل کے ساتھ بتایا ہے کہ مذاہب اربعہ سے تعلق رکھنے والے جمہور علماء کا مذہب کیا ہے؟ اور حق یہ ہے کہ ان مسائل کی تحقیق کا حق ادا کر دیا ہے، علامہ نبہانی نے جا بجا تصریح کی ہے کہ میں علامہ ابن تیمیہ اور ان کے شاگردوں کے علم و فضل کا نہ صرف قائل ہوں بلکہ مداح ہوں لیکن جن مسائل میں ان حضرات نے جمہور علماء اسلام کی مخالفت کی ہے اُن میں اِن کی تائید نہیں کرتا، اگر ان مسائل کا تعلق نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس سے نہ ہوتا تو شاید میں اِن کے خلاف قلم نہ اٹھاتا۔

عالم اسلام کے جلیل القدر علماء نے کس قدر اس کتاب کی تائید و تحسین فرمائی ہے اس کا کسی قدر اندازہ اس کتاب پر لکھی جانے والی تقریظات سے ہوتا ہے۔

جامع ازہر، مصر کے سابق شیخ علی محمد ببلاوی مالکی فرماتے ہیں:

اس ذات نے جس کے قبضۂ قدرت میں خیر اور ہدایت ہے۔ مجھے اس کتاب سے آگاہ فرما کر احسان فرمایا، مجھے امید ہے کہ یہ کتاب اپنے مؤلف فاضل علامہ یوسف آفندی نبہانی

---

[1] یوسف بن اسمٰعیل نبہانی، علامہ: شواہد الحق (عربی) طبع مصر ص ۸۲

کے لیے اُس دن جب کچھ چہرے سفید ہوں گے اور کچھ سیاہ، بلند و بالا درجات تک پہنچنے کا ذریعہ ہوگی، کیونکہ میرے خیال میں اس موضوع پر جس میں ان دنوں بہت اختلاف ہے یہ بہترین تالیف ہے اللہ تعالیٰ اس کے مؤلف کو بہترین جزا عطا فرمائے اور ان جیسے لوگ کثرت سے پیدا فرمائے، بے شک وہ دعا کو سننے والا ہے[1]

مفتیٔ دیار مصریہ، ردّ المحتار للعلامۃ الشامی کے محشی علامہ عبدالقادر رافعی حنفی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:۔

یہ کتاب عین حق و صواب اور کتاب و سنت کی تائید لیے ہوئے ہے، اس کے دلائل محکم اور براہین مضبوط ہیں۔

لہٰذا اس کے گھنے سائے کے نیچے پناہ لینی چاہیئے اور اس پر بجا طور پر اعتماد کیا جا سکتا ہے۔ کیونکہ یہ وہ حق ہے جس کی طرف رجوع کیا جانا چاہیئے[2]

اُس وقت کے شیخ الازہر علامہ عبدالرحمٰن شربینی فرماتے ہیں؛

یہ کتاب شاہد عادل ہے اس کا قول برحق اور کلام فیصلہ کن ہے، یہ صحیح معنوں میں شواہد الحق ہے، گمراہ اور گمراہ گر فرقے پر حجت اور ارباب بدعت ملحدین کی گردن پر تلوار ہے، اس کے ذریعے سنت زندہ ہوگی اور بدعت موت کے گھاٹ اتر جائے گی[3]

حقیقت یہ ہے کہ اس کتاب کے پڑھنے سے اہل سنت و جماعت کو ذخیرۂ دلائل میسر آئے گا اور اہل بدعت انصاف سے پڑھیں گے تو انہیں راہ حق بے غبار نظر آجائے گا ان شاء اللہ تعالیٰ

حضرت مترجم مدظلہ

اس کتاب کا ترجمہ فاضلِ محقق، رئیس الاذکیاء، نابغۂ عصر مولانا علامہ محمد اشرف سیالوی مدظلہ، شیخ الحدیث دارالعلوم ضیاء شمس الاسلام، سیال شریف نے کیا ہے، حضرت علامہ استاذ الاساتذہ ملک المدرسین مولانا علامہ عطا محمد چشتی گولڑوی مدظلہ العالی کے شاگرد رشید اور شہید تحریک آزادی خاتم الحکما علامہ فضل حق خیر آبادی کے سلسلۂ عالیہ کے ممتاز فاضل ہیں، وہ موجودہ دور میں امت مسلمہ کے لیے قدرتِ ربانی کا عظیم عطیہ ہیں،

---

[1] یوسف بن اسمٰعیل نبہانی، علامہ: شواہد الحق، عربی، تقاریظ الکتاب ص ۱۱

[2] ایضاً: ص ۱۲

[3] ایضاً: ص ۱۳-۱۲

وہ بیک وقت متعدد اوصاف جمیلہ کے حامل ہیں، وہ عالم ربانی بھی ہیں اور عبقری محقق بھی، مد مقابل پر چھا جانے والے مناظر بھی ہیں اور دلائل کی فراوانی سے سامعین کے دل و دماغ کو متاثر کرنے والے خطیب بھی، وُہ کتب درسیہ کا گہرا ادراک رکھنے والے مدرس بھی ہیں اور کثیر التصانیف مصنف بھی، وہ جس موضوع پر لکھتے ہیں ان کا قلم سیّال کہیں رکنے کا نام نہیں لیتا، زبان عربی پر اس قدر عبور رکھتے ہیں کہ اردو سے زیادہ روانی کے ساتھ عربی میں لکھتے ہیں۔ بجا طور پر کہا جاسکتا ہے کہ مصنف نبہانی ایسا ہو تو مترجم سیالوی ایسا ہی ہونا چاہیئے

فرید بک سٹال، لاہور کے مالکان جناب سید اعجاز احمد اور جناب ڈاکٹر منیر احمد صاحبان کی خوش قسمتی ہے کہ وُہ دینی لٹریچر کی اشاعت میں ہمہ تن مصروف ہیں اور اب شواہد الحق ایسی جلیل القدر کتاب کا ترجمہ پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں اللہ تعالیٰ انہیں دنیا و آخرت میں اس کار خیر کا اجر عظیم عطا فرمائے۔

محمد عبد الحکیم شرف قادری
جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور
پاکستان

۱۳ جنوری ۱۹۸۸ء

نحمده و نصلّی علیٰ رسوله الکریم وعلیٰ آله واصحابه الکاملین الواصلین والتابعین لهم باحسان الیٰ یوم الدّین

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

تمام تعریفات اور کلمات حسن ثناء اللہ رب العالمین کے لیے ہیں جو سید المرسلین اور دیگر خواص و مقربین کے وسیلہ سے فریادیوں کی فریاد رسی فرمانے والا ہے جن کو اس نے تمام بندوں میں سے منتخب فرمالیا ہے اور منصب خلّت و محبّت پر فائز فرمایا ہے یعنی انبیاء و مرسلین اور عباد صالحین جن میں سے حبیب اعظم سید الخلائق اجمعین سیّدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خصوصی مناصب و مراتب، درجات قرب اور مقصد و مسند صدق پر فائز فرمایا۔ جس نے اپنے رسل کرام کو دین مبین کی تبلیغ احکام کے لیے اپنے اور مخلوق کے درمیان وسائط و وسائل بنایا تو بندوں نے بھی قضاء مرام اور حل مشکلات میں اللہ تعالیٰ کی طرف ان کو وسائط و وسائل بنایا جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو وسائط تبلیغ بنایا تھا۔ لہٰذا بندگان خدا جناب باری میں رسل عظام کو وسائل اجابت اور وسائط قضاء حاجت بنا کر کسی بدعت کے مرتکب نہیں ہوئے بلکہ جن کو اللہ رب العزت نے ان کی طرف وسائط و وسائل بنایا تھا انہیں اس کی بارگاہ والا میں وسائط و ذرائع بنا کر انہوں نے عادت جاریہ کی مخالفت کی ہے اور شریعت مطہرہ کی بھی۔

صلوٰۃ وسلام بے حد و نہایت نازل ہو۔ سیدنا محمد حبیب حق پر جو اللہ اور مخلوق کے درمیان تمام وسائل و وسائط سے افضل ترین وسیلہ اور ذریعہ ہیں اور تمام انبیاء و مرسلین اور ان کی آل و اصحاب پر اور اللہ تعالیٰ کے تمام نیک بندوں پر۔

امابعد! اے مجھ جیسے تقصیر اعمال کے مرتکب اور پہاڑوں کے برابر آثام و ذنوب کا بوجھ اٹھانے والے مومن اس بات کو اچھی طرح ذہن میں رکھ کہ ہم ناقص الاعمال اور خطا کار اہل ایمان کے لیے اللہ رب العالمین کی جناب پاک میں اس کے کرم عمیم محیط عالمین کے بعد اگر کوئی آسرا و سہارا ہے تو وہ صرف اللہ تعالیٰ کے عبد مکرم حبیب معظم سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

لہٰذا ہم اللہ تعالیٰ سے نبی کریم رؤف رحیم صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے میں یہ سوال کرتے ہیں کہ ہمارے ذنوب و آثام سے درگذر فرمائے اور کروب و آلام دور فرمائے اور دنیا و آخرت کے تمام خیرات میں ہمیں مطلوب و مقصود تک رسائی بخشے۔ اور دنیا و آخرت میں ہمیں اپنے ایسے انعامات سے نوازے اور نعم واضحہ سے سرفراز فرمائے جو نہ کسی آنکھ نے دیکھے

جو ہستی مقدس یہ کہے اور صرف کہنے پر اکتفا نہ کرے بلکہ اپنی کتابوں میں جہاں تک ممکن ہو بشرطیکہ اس مسئلہ پر کتاب وسنت میں دلیل موجود بھی ہو، کتاب وسنت سے استدلال نقل کر کے اس کی عملاً تائید وتصدیق بھی کرے۔ تو کیا ایسے شخص کے متعلق یہ کہا جاسکتا ہے کہ وہ دین میں اپنے قیاس اور فکر ورائے سے قول کرتا ہے۔ پناہ بخدا۔ اور یہی حالت باقی ائمہ کرام علیہم الرضوان کی ہے۔

احناف کے نزدیک حدیث ضعیف بھی قیاس پر راجح ہے :

حتیٰ کہ حضرت امام ابو حنیفہ نعمان بن ثابت اور ان کے اصحاب جو اصحاب رائے ہونے کے ساتھ معروف ومشہور ہیں وہ بھی بقول امام شعرانی قیاس پر حدیث ضعیف کو بھی ترجیح دیتے ہیں جب اس کے علاوہ اور کوئی دلیل موجود نہ ہو۔

جو شخص صاحب ہدایہ کی احادیث امام زیلعیؒ کی تخریج کے مطابق مطالعہ کرے تو اس کو وثوق ویقین ہو جائے گا کہ امام ابو حنیفہ کا مذہب بھی باقی ائمہ مذاہب کی طرح مذہب اہلِ حدیث ومحدثین ہے کیوں کہ ان سب کے نزدیک اصلِ مسلّم اور قاعدہ مقررہ یہی ہے کہ ہر مسئلہ پر سب سے پہلے کلام مجید کی آیات سے استدلال کیا جائے گا اگر اس میں کوئی دلیل دستیاب نہ ہو تو پھر سنت وحدیث سے استدلال کیا جائے گا اگر کوئی ایسی حدیث میسر نہ آئے تو پھر اجماع سے اور اگر اجماع بھی معلوم نہ ہو سکے تب قیاس کی طرف رجوع کیا جائے گا اور اس کی صورت بھی یہ ہو گی کہ اس مسئلہ کے قریب تر اور مشابہ ترین مسئلہ کا حکم جو کتاب وسنت اور اجماع سے ثابت ہو گا اس کے ساتھ مناسبت ومسابقت کی بنا پر وہ حکم اس مسئلہ میں بھی ثابت کر دیا جائے گا اور بقول امام شافعیؒ اس قیاس کی حقیقت صرف یہ ہے جیسے کہ انہوں نے الرسالہ میں تصریح فرمائی ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شے کو ایک معنی و وصف کے پیشِ نظر حرام فرمایا ہے یا اس کے حلال ہونے کی تصریح فرمائی ہے تو جس مسئلہ میں بخصوص حلت وحرمت کا حکم موجود نہیں ہو گا اور کتاب وسُنّت اس کے متعلق بظاہر خاموش ہوں گے تو ہم اس مسئلہ منصوص علیہا کے ساتھ اس کے اشتراک ومماثلت کو مدنظر رکھتے ہوئے اس کی حلت وحرمت کا حکم لگا دیں گے کیونکہ یہ مسئلہ اس حلال یا حرام کا ہم معنی ہے اور اس کے ساتھ اس وصف میں شریک جس پر حکم کا دار ومدار ہے۔

اس بیان کردہ نکتہ وفائدہ کو اچھی طرح ذہن میں رکھتے ہوئے مذاہبِ اربعہ کے ائمہ میں سے جس امام کی تقلید کرنا چاہو کرو اور ان کو اپنے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان حصول ہدایت اور وصولِ مطلب کا ذریعہ بناؤ کیوں کہ وہ سب ہادی اور ہدایت یافتہ ہیں اور اپنی طرف شیطان کے لیے کوئی راستہ وسوسہ کا اور کوئی بہانہ تسلّط وتغلب کا نہ چھوڑے ورنہ وہ راہِ راست سے گمراہ کر دے گا اور ہلاکتوں میں مبتلا کر دے گا۔ وساوسِ شیطانیہ اور غوائلِ نفسانیہ سے بچنے کا سب سے بڑا ذریعہ ووسیلہ یہ ہے۔ اہلِ حق کے لیے حق تسلیم کرے اور خود اعتمادی سے گریز کرے بلکہ اپنے قصور فہم وادراک کا اعتراف واقرار کرے اور اپنی نظر کو علماءِ اعلام اور ائمہ اسلام میں مرتکز کر دے جو بھی اس وقت سے ائمہ مجتہدین کے دور تک عالمِ وجود میں قدم رنجہ فرما ہوئے ہیں

اطوار وعاداتِ قبیحہ کو بنظرِ تحسین دیکھنے والوں نے یعنی جاہل مبتدعین اور مذاہب اربعہ اسلامیہ سے شذوذ وعلیحدگی اختیار کرنیوالوں نے میں نے اس مبحث کو ایک رسالہ مسمیٰ بہ "السہام الصائبۃ لاصحاب الدعاوی الکاذبۃ" کی صورت دے دی ہے اگرچہ وہ اس کتاب کا حصہ ہے مگر مستقل رسالہ بھی ہے لہٰذا اگر کوئی صاحبِ توفیق اسے الگ کر کے شائع کرے تو اس میں حرج نہیں ہے۔

دوسری قسم میں بارہ تنبیہات کا بیان ہے جن کی معرفت وموافقیت ہر اس شخص کے لیے ضروری ہے جو اس کتاب کا مطالعہ کرنا چاہے وہ اس کے ابواب میں داخل ہونے سے قبل ان پر ضرور مطلع ہو اور ان کو اچھی طرح ذہن نشین کر لے۔

آٹھ ابواب میں مندرج مسائل کا تفصیلی بیان

باب اوّل :

آنحضور شافع یوم النشور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہِ بیکس پناہ کی طرف سفرِ زیارت کا جائز ہونا :

یہ باب سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بارگاہِ رب العزت میں استغاثہ وتوسل کے اعظم اقسام وانواع سے ہے جو زائرین کے قضاءِ حاجات کا باعث ہے اور دارین میں مرام ومقصد کے حصول تک رسائی کا ذریعہ ہے اور اس میں ضمناً تمام انبیاءِ کرام اور اولیاءِ کرام کے مزارات ومقابر اور مشاہدِ خیر کی طرف سفرِ زیارت کا جواز بھی بیان کیا جائے گا بخلاف بعض شاذ علماءِ اسلام کے جو اس کے خلاف شرع مبین ہونے کے قائل ہیں۔

باب دوم :

وسیلہ دارین صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ توسل واستغاثہ کے جواز کا بیان اور ضمناً دیگر انبیاءِ عظام اور اولیاءِ کرام کیساتھ توسل واستغاثہ کے جواز کا بیان بھی آجائے گا۔

باب سوم :

اس میں امام زمان علامۃ الدہر، ناصر السنۃ سید احمد دحلان مفتیٔ شافعیہ مقیم مکہ مکرمہ کا کلام ان کی کتاب "خلاصۃ الکلام فی بیان امراء البلد الحرام فی الرد علی الوھابیہ اتباع مذہب ابن تیمیہؒ سے نقل کیا جائے گا اور وہابیہ کا ردّ انہی کی زبانی کیا جائے گا جنہوں نے اپنے بدعات وکفریات کے کیچڑ کو بہت عام کیا اور اپنے مخالف اہلِ ملّت کو اس کے ساتھ ملوث کرنے کی اور ان کو کافر کہنے کی ناپاک جسارت کی۔ سید احمد دحلان کا کلام اس مسئلہ میں احقاقِ حق اور ابطالِ باطل کے لیے تمام ضروری پہلوؤں پر مشتمل ہے

اور وہابیہ کے شکوک وشبہات کا واضح بیان اور اقوی برہان کے رد و ابطال اس میں موجود ہے۔

اس باب میں ان کا ایک مستقل رسالہ " الدرر السنیہ فی الرد علی الوہابیہ" بھی ہے۔ مگر میں نے خلاصۃ الکلام فی بیان امراء البلد الحرام" سے جو کچھ نقل کیا ہے وہ درر سنیہ کے معظم مسائل ودلائل پر مشتمل ہے لہٰذا اس پر اکتفاء کرنا مناسب سمجھا۔ رحمہ اللہ تعالیٰ وجزاہ عن الاسلام والمسلمین خیر الجزاء۔

باب چہارم:

اس میں مذاہب اربعہ کے ائمۂ اعلام اور علماء کرام کی عبارات واقوال نقل کیے جائیں گے جن میں تقی الدین ابو العباس احمد بن تیمیہ پر اس کے اختراعی قول یعنی سید المرسلین اور دیگر انبیاء ومرسلین علیہم الصلوٰۃ والتسلیم اور عباد اللہ الصالحین کی طرف سفر زیارت سے منع کرنے اور استغاثہ وتوسل کو حرام اور شرک قرار دینے پر طعن وتشنیع ہے اور اس باب میں بالتبع اس کی بعض کتابوں پر تبصرہ بھی کیا جائے گا اور متعدد مقامات پر اہل السنۃ کی مخالفت کا بیان ہوگا اور اس کے اللہ تعالیٰ کے حق میں جہت کا عقیدہ رکھنے پر ایک مستقل رسالہ بعنوان " رفع الاشتباہ فی استحالۃ الجہۃ علی اللہ" میں اس کا رد کیا جائے گا۔

باب پنجم:

اس میں ان تین کتابوں " اغاثۃ اللہفان تالیف ابن قیم، الصارم المنکی تالیف ابن عبد الہادی، جلاء العینین تالیف نعمان آفندی پر تبصرہ کیا جائے گا جو ان ایام میں طبع ہوئی ہیں اور ان میں ابن تیمیہ کی بدعات کی تائید وتصدیق کی گئی ہے۔

باب ششم:

اس میں سید المرسلین علیہ وعلیہم الصلوات والتسلیم کے ساتھ استغاثہ وتوسل کی صورت میں حاصل ہونے والے فوائد وعوائد اور منافع ومصالح سے متعلق علماء عاملین اور عرفاء وصالحین کے آثار وحکایات کا بیان ہوگا۔

باب ہفتم:

اس میں اکابر اولیاء کرام کی سرور کونین علیہ السلام کے ساتھ استغاثہ وتوسل پر مشتمل دعاؤں کا بیان ہوگا جو انہوں نے اپنے احزاب واوراد میں ذکر کی ہیں اور یہ باب بذات خود عظیم حزب بن گیا ہے جو اکابر اولیاء کرام کے متفرق احزاب واوراد کا جامع ہے، اور سید الخلق صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ان کے استغاثات پر مشتمل ہے۔ میں نے اس کو " حزب الاستغاثات لسید السادات صلی اللہ علیہ وسلم" کے نام سے موسوم کیا ہے جس کا جی چاہے وہ اس کو کتاب سے الگ کرے اور ورد بنائے کیوں کہ یہ اجل اوراد سے ہے

اور حصول مراد کا قریب ترین ذریعہ ووسیلہ ہے۔

باب ہشتم:

میں علماء وفضلاء کے سرور مجد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بصورت نظم وقصائد استغاثات وتوسل کا بیان ہے جو ان تمام کو یا بعض کو قضاء حاجات کی نیت سے پڑھے گا سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ استغاثہ کی برکت سے امید کی جاتی ہے کہ اس کی حاجات بر آئیں گی اور مشکلات حل ہو جائیں گی۔

خاتمہ:

میں ابن تیمیہ اور اس کے ہم مشرب وہم عقیدہ لوگوں کے بعض اولیاء کرام پر ان کی عبارات موہمہ کی وجہ سے کیے ہوئے اعتراضات کے جوابات ہوں گے۔

تو اب اللہ تعالیٰ کی تائید ونصرت سے مقصود میں شروع ہونے کا وقت آگیا ہے اور میں اس کی ذات اقدس سے تسدید وپختگی فکر، توفیق تالیف وتصنیف اور قویم ومستقیم راہ حق کی طرف ہدایت وارشاد کا سوال کرتا ہوں جبکہ اس کی جناب میں نبی کریم، رؤف رحیم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی جاہ ومرتبت کا وسیلہ جلیلہ پیش کرنے والا ہوں۔

مقدّمہ

قسم اوّل

اس میں اجتہادِ مطلق کے انقطاع پر کلام ہے جس کا فرقہ وہابیہ نے ادعاءِ باطل کر رکھا ہے اور ان کے انکارِ فاسدہ کو بنظرِ تحسین دیکھنے والے جاہل بتدعین نے۔ اور اس رسالہ کا نام ہے السہام الصائبۃ "لاصحاب الدعاوی الکاذبۃ"

٭ ٭ ٭

بسم اللہ الرحمن الرحیم ؕ

الحمد للہ رب العالمین۔ و الصّلوٰۃ و السلام علی سیدنا محمد سید المرسلین وعلیٰ آلہ و صحبہ و التابعین و من تبعھم باحسان الیٰ یوم الدین ۔ امّا بعد :

فقیر یوسف بن اسمٰعیل نبہانی غفر اللہ ذنوبہ وستر فی الدارین عیوبہ، عرض پرداز ہے کہ اس زمانہ میں جس کے اندر علم قلیل بھی ہے اور بے قدر و ذلیل بھی اور جہل و نادانی کثیر بھی ہے اور جلیل بھی۔ چند عقل وفہم سے عاری طلبۂ علم کی ایک ایسی جماعت پیدا ہوگئی ہے جو شیطن لعین کے ہاتھوں میں کھیلتے ہوئے اجتہادِ مطلق کا دعوٰی باطل و عاطل کر بیٹھے ہیں اور انہوں تے اپنے متعلق یہ گمان کر رکھا ہے کہ وہ شافعی و احمد اور مالک ونعمان جیسے ائمۂ اسلام کی مانند ہیں۔ حالاں کہ ان کی اکثریت ضعیف النقل، ناقص الفہم طلبۂ علم سے ہے جو عوام کالانعام کے ساتھ ملحق ہیں اور ان کا مجتہد ہونا تو درکنار ان کو علمار اسلام بھی نہیں کہا جاسکتا اور ان کے ان دعاوی سقیمہ اور دوسرے اوصافِ ذمیمہ کی وجہ سے ان کو اور دیگر بے علم وجاہل اہلِ اسلام کو عظیم نقصان لاحق ہوئے ہیں تو میں نے یہ رسالہ تالیف کیا جو قوی و قویم ہے اور اس میں ان کے لیے اور تمام اہل اسلام کے لیے خلوص ونصیحت ہے اور دینِ مبین ومتین کی خدمت و نصرت بھی تاکہ میں اس کے ساتھ لوگوں کو ان باطل دعاوی اور بُری عادات وسیئات پر متنبہ کروں۔ میں نے اس کا نام "السہام الصائبۃ لاصحاب الدعاوی الکاذبۃ" رکھا ہے۔

ہاں تو اب میں اس رسالہ کو شروع کرتا ہوں۔ میرا دعوٰی یہ ہے کہ اس زمانہ میں اجتہاد مطلق کا دعوٰی خواہ وہابیہ کی طرف سے ہو یا کسی دوسرے عالم کی طرف سے وہ جھوٹا دعوٰی ہے نہ اس کی طرف التفات و دھیان روا ہے اور نہ اس پر تعدیل و اعتماد کی گنجائش ہے۔ میں نے اپنی کتاب حجۃ اللہ علی العالمین میں اہلِ زمان کے دعوٰی اجتہاد کا بڑی لبسط کے ساتھ رد کیا ہے اور

اس میں علمار اعلام مثلاً امام شعرانی، امام ابن حجر ہیتمی مکی، امام مناوی اور دیگر اکابر کے عبارات نقل کیے ہیں جن میں ذرہ بھر نظرِ انصاف سے غور وفکر کرنے والا صاحب طبع سلیم اور فہم مستقیم دوسری کسی حجت ودلیل کا محتاج وطلب گار نہیں ہو سکتا۔ میں انہی عبارات میں سے بعض کو یہاں نقل کرتا ہوں۔

تنبیہ :

اس امر کو اچھی طرح دل ودماغ میں جگہ دی جائے کہ علمار مذاہب جو سادات امت ہیں اور حامیانِ دینِ متین اور جو تمام اہل اسلام کے نزدیک قابلِ اعتداد و اعتبار ہیں ان کا اس پر اجماع و اتفاق ہے کہ صدیوں سے اجتہاد مطلق کا دروازہ بند ہوچکا ہے اور اب ہر مسلمان کے لیے اس کے فہم کتاب وسنت سے عاجز ہونے اور استنباط احکام سے قاصر ہونے کی وجہ سے سوائے اس کے اور کوئی چارہ کار نہیں ہے کہ وہ مذاہبِ اربعہ میں سے کسی ایک مذہب کا اتباع کرے تو اس طرح کتاب وسنّت کی اتباع کا شرف اسے حاصل ہو سکے گا مگر اس فہم وادراک میں وہ اپنے اس امام کا مقلد ہوگا اور اس کے متبعین علمار اعلام کا جو ہر دور میں اس مجتہد مطلق کے کلام پر مطلع ہوتے رہے اور یکے بعد دیگرے اس کے کلام کو کتاب وسنّت کے ادلّہ پر منطبق کرتے رہے چنانچہ اس مذہب کے احکام میں سے جن کو ان ادلّہ کے موافق پایا اور اکثر کا حال یہی ہے تو ان کو قبول کیا، انہیں ادلّہ وشواہد سے ثابت کیا اور ان پر اعتماد کیا اور جن کو ادلّہ کتاب وسنت کے مخالف پایا جب کہ وہ انتہائی قلیل ہیں تو ان کا نقص وضعف واضح کردیا درانحالیکہ وہ اپنا مطمح نظر اور مرکزِ توجہ کتاب وسنت کو بنانے والے ہیں اور اس اجماع وقیاس کو جو ان دونوں سے باہر نہیں ہے بغیر اس کے کہ وہ اپنے امام اور ان کے موافقین ائمہ کی ان کے اقوالِ ضعیفہ میں بلاوجہ تائید وتصدیق اور نصرت و اعانت کریں لہٰذا بحمد اللہ امت محمدیہ ان ائمہ کرام اور مقتدایانِ انام کی اتباع واقتدار کی وجہ سے کتاب اللہ اور سنّتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ترک اتباع واقتدار کی مرتکب نہیں ہوتی بلکہ ان کی اقتدار دراصل کتاب وسنت کی ہی اقتدار ہے

مدعیٔ اجتہادِ مطلق کا اختلال عقل ودین :

اجتہادِ مطلق کا دعوٰی اس زمانہ میں وہی کرسکتا ہے جس کے عقل اور دین میں فتور ہو ہاں البتہ اولیار عظام از روئے ولایت اس کا دعوٰی کر سکتے ہیں جیسے کہ شیخ اکبر محی الدین ابن العربی قدس سرہ العزیز کا فرمان ہے۔ امام مناوی نے جامع صغیر کی شرح کبیر کی ابتدار میں فرمایا کہ علامہ شہاب ابن حجر ہیتمی فرماتے ہیں جب علامہ جلال الدین سیوطی رح نے مجتہد ہونے کا دعوٰی کیا تو ان کے معاصرین ان کے مقابلہ پر آگئے اور سب نے متفقہ طور پر ان کے اس دعوٰی پر ردّ و قدح کیا اور ان کی طرف ایک سوالنامہ لکھا جس میں مختلف ایسے مسائل تھے جہاں علمار مذہب نے دو دو وجہیں ذکر کی تھیں اور کسی ایک کی ترجیح بیان نہیں کی تھی اور ان سے مطالبہ کیا کہ اجتہادِ مطلق کا دعوٰی تو دور کی بات ہے۔ اگر ادنیٰ مراتب اجتہاد یعنی اجتہاد فی الفتوٰی کی ہمت ہے تو ان وجوہ میں سے

راجح ومرجوح بیان کرو اور قواعد مجتہدین پر قائم کردہ دلائل پر بحث کرو تو امام سیوطیؒ نے جواب لکھے بغیر وہ سوالنامہ واپس کر دیا اور یہ عذر کیا کہ میں مختلف مصروفیات کی وجہ سے جواب دینے سے قاصر ہوں۔ علامہ شہاب ہیتمی فرماتے ہیں کہ اجتہاد فی الفتویٰ کے مرتبہ کی صعوبت ودشواری کا ملاحظہ کیجیے کہ امام سیوطی جیسا وسیع النظر اس سے قاصر ہے حالاں کہ یہ مراتب اجتہاد میں سے ادنیٰ مرتبہ ہے تو اجتہاد مطلق کے مرتبہ پر فائز ہونے کے دعویدار کا کیا حال ہوگا اور جب اجتہاد فی الفتویٰ کا مدعی مبتلا۔ حیرت وسرگردانی ہے اور گرفتار رفساد فکر ہے۔ اندھی سواری کی پشت پر سوار شخص کی مانند ہے اور شب کوری میں مبتلا اونٹنی کی طرح راہِ راست سے دور بھاگنے والا ہے تو مجتہد مطلق ہونے کے مدعی کا حال کیا ہوگا؟

اجتہاد مطلق کا درجہ ہزار سال سے منقطع ہے:

علامہ شہاب ہیتمی فرماتے ہیں جس شخص نے صحیح معنوں میں اجتہاد مطلق کا تصور کر لیا تو لامحالہ اسے اللہ تعالیٰ سے حیا وشرم آئے گا کہ ان اہلِ زمان میں سے کسی کی طرف اس کی نسبت کرے بلکہ علامہ ابن الصلاح اور ان کے متبعین فرماتے ہیں کہ یہ مرتبہ تین سو سال سے منقطع ہو چکا ہے اور ابن صلاح چھٹی صدی ہجری کے علمار سے ہیں تو ان کو وصال پائے ہوئے تین سو سال گذر چکے ہیں تو اس وقت درجۂ اجتہاد کے انقطاع کو چھ سو سال ہو چکے ہیں اور یہ زمانہ علامہ ابن حجر کے دور سعادت نشان کے لحاظ سے ہے جب کہ وہ دسویں صدی کے علمار اعلام میں سے ہیں تو ہمارے زمانہ کے لحاظ سے جو کہ چودھویں صدی کا سترھواں سال ہے اور یہی میری کتاب حجۃ اللہ علی العالمین کی تالیف کا زمانہ ہے۔ انقطاعِ جہاد کو تقریبًا ہزار سال گزر چکے ہیں۔

بلکہ امام ابن الصلاح نے بعض اصولیوں کا قول نقل کرتے ہوئے فرمایا کہ امام شافعی کے زمان سعادت نشان کے بعد کوئی مستقل مجتہد نہیں پایا گیا۔ ابن حجر فرماتے ہیں کہ جب ائمہ اعلام اور علمار اسلام میں امام الحرمین اور حجۃ الاسلام امام غزالی رحمہ اللہ تعالیٰ کے اصحاب وجوہ ہوتے میں کلام ہے اور ان کا علمی پایہ اور فکری بلندی اور وسعتِ ذہنی ہر ایک کو معلوم ہے تو دوسرے کے متعلق تیرا گمان کیا ہے؟ بلکہ ائمہ نے علامہ رویانی کے متعلق تصریح کی ہے کہ وہ اصحابِ وجوہ میں سے نہیں تھے۔ حالاں کہ ان کا دعویٰ تھا کہ اگر امام شافعی کے تمام نصوص اور بیان کردہ احکام ضائع ہو جائیں تو میں ان کو اپنے حفظ وضبط کی بنار پر زبانی لکھوا سکتا ہوں۔ جب یہ اکابرین ملت اجتہاد فی المذہب کے مرتبہ پر فائز نہیں ہو سکے تو وہ لوگ جو ان کی اکثر عبارات کو سمجھنے کی لیاقت واہلیت نہیں رکھتے وہ اس سے بلند ترین مقام یعنی اجتہاد مطلق کا دعویٰ کس منہ سے کرتے ہیں اور انہیں یہ دعویٰ کیسے زیب دیتا ہے سُبۡحَانَكَ هٰذَا بُهۡتَانٌ عَظِيۡمٌ۔

امام رافعی شافعی اپنی کتاب "الانوار" میں فرماتے ہیں کہ اہلِ اسلام کا تقریبًا اس امر پر اتفاق واجماع ہے کہ اس زمانہ میں کوئی مجتہد موجود نہیں ہے۔

ملک شام کے عالمِ اجل ابن ابی الدم نے اجتہاد مطلق کے شرائط ذکر کرنے کے بعد فرمایا ان شرائط کا ہمارے زمانے میں کسی بھی عالم کے اندر پایا جانا مشکل ترین امر ہے بلکہ روئے زمین پر اس وقت کوئی مجتہد مطلق موجود نہیں ہے بلکہ کسی امام کے مذہب میں اجتہاد کر کے ایسے وجوہ کا استخراج کرنے والا شخص بھی اس وقت موجود نہیں جس کے اقوال کو وجوہِ مذہب کہا جا سکے اور اس کا سبب صرف یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو زمانہ کے اختتام اور قرب ساعۃِ قیام کی اطلاع وخبر دینے کے لیے مرتبۂ اجتہاد سے عاجز کر دیا ہے اور اس کا باعث صرف یہی ہے کہ یہ عجز وبے بسی قیامت کی علامات میں سے ہے۔

امام قفال شیخ الاصحاب واستاذ علمار المذہب نے فرمایا ہے کہ فتویٰ کی دو قسمیں ہیں۔ اوّل یہ ہے کہ مفتی میں شرائط اجتہاد مجتمع ہوں اور یہ قسم نایاب ہے۔ دوسری قسم یہ ہے کہ مفتی ائمہ اربعہ میں سے کسی ایک امام کے مذہب مثلاً امام شافعی کے مذہب کی طرف اپنی نسبت کرتا ہے ان کے مذہب کی اچھی طرح معرفت دواقفیت رکھتا ہو اور مہارت تامہ حتّٰی کہ ان کے اصول مذہب سے کوئی اصل اور قاعدہ اس سے مخفی نہ ہو۔ جب کبھی اس سے ایک واقعہ میں فتویٰ طلب کیا جائے تو امام مذہب سے کوئی نص اس مخصوص واقعہ میں موجود ہو تو اس کے ساتھ جواب دے ورنہ اس میں اس کے مذہب کے مطابق اجتہاد کرے اور ان کے اصولوں کے مطابق اس کی تخریج کرے اور یہ قسم کبریتِ احمر سے بھی کمیاب ہے۔

یہ ہے قول امام قفال کا باوجود ان کی جلالتِ قدر کے اور باوجود ان کے تلامذہ وغلمان کے مذہب میں اصحابِ وجوہ ہونے کے تو ہمارے زمانہ کے علمار کا حال کیا ہوگا؟ اور ان کے جملہ غلمان وخدام میں سے قاضی حسین، علامہ فورانی، امام الحرمین کے والدگرامی، علامہ صیدلانی، امام بوشنجی وغیرہم ہیں اور ان کی موت اور ابوحامد کے اصحاب کی موت سے مذہب شافعی میں اجتہاد اور تخریج وجوہ کا خاتمہ ہو گیا۔ ان کے دنیائے فانی سے دارِ باقی کی طرف رختِ سفر باندھنے کے بعد جو علمار مذہب رہ گئے ان کا سارا کمال علمی اور سرمایۂ فقاہت یہی ہے کہ وہ مذہبِ شافعی کو کتابوں سے یاد کرتے ہیں اور دوسرے لوگوں تک پہنچا دیتے ہیں لیکن اس زمانہ میں تو دنیا ان سے بھی خالی ہو چکی ہے اور دامنِ زمان انکے وجود سے تہی ہو چکا ہے۔ یہ ہے کلام ابن ابی الدم کا

حجۃ الاسلام امام غزالی نے اپنے زمانہ کے مجتہد مطلق سے خالی ہونے کی تصریح کی ہے۔ احیار العلوم میں مناظرات کی تقسیم کرتے ہوئے فرماتے ہیں لیکن جس شخص کو رتبۂ اجتہاد حاصل نہیں ہے وہ محض اپنے مذہب امام کے اقوال نقل کر کے فتویٰ دیتا ہے اور اس زمانہ کے تمام علمار اسلام کا یہی حال وحکم ہے اگر ان پر اپنے مذہب کا ضعف واضح بھی ہو جائے تو وہ اسے ترک نہیں کرتے اور وسیط میں فرمایا کہ یہ شروط اجتہاد جن کا قاضی میں پایا جانا ضروری ہے ہمارے اس زمانہ میں ان کا تحقق مشکل اور متعذر ہے۔

یہ تھی مختصر تقریر علامہ مناوی کی جو انہوں نے شرح جامع صغیر میں ذکر کی تھی جو مفصل ومبسوط تقریر ملاحظہ کرنا چاہے وہ اصل کتاب کی طرف رجوع کرے اور جمع الجوامع کے حاشیۂ علامہ ابن القاسم، فتاوی ابن حجر، فتاوی شیخ محمد بن سلیمان کردی اور دیگر کتبِ اصول وفقہ کی طرف مراجعت کرے تو سب علمار کو ادنیٰ درجہ کے اجتہاد یعنی اجتہاد فی المذہب کے انقطاع واختتام پر متفق پائے گا چہ جائیکہ اجتہاد مطلق کے بقار ودوام کا قول کسی سے صادر ہو۔

علامہ کردیؒ نے عرصہ ہائے دراز سے انقطاع اجتہاد کے متعلق ائمہ اعلام کے عبارات اور امام فخر الدین رازی، امام الحرمین

امام غزالیؒ اور رافعی و نووی کے اقوال نقل کرنے کے بعد فرمایا۔ آج تقریباً سب لوگوں کا اس پر اجماع و اتفاق ہے کہ اب کوئی شخص مجتہدانہ شان کا مالک نہیں ہے اور جو شخص درجۂ اجتہاد تک نہ پہنچ سکے اس کے لیے حکم یہ ہے کہ جب کوئی صحیح حدیث اس کو نظر آئے اور اس کے لیے اس کی مخالفت کرنا ممکن نہ ہو تو وہ اس امر کی تحقیق و تفتیش کرے کہ ائمہ مجتہدین میں سے کسی نے اسی پر عمل کیا ہے۔ چنانچہ اس حدیث پر عمل میں اس امام کی تقلید کرے جیسے کہ امام عمدہ محقق قدوہ علامہ نووی نے روضہ میں اس پر تنبیہ کی ہے۔ کیوں کہ عوام کا براہِ راست کتاب و سنّت سے استنباط درست نہیں ہے بلکہ یہ صرف اس شخص کا کام ہے جو درجۂ اجتہاد پر فائز ہو جیسے علمار اکابرین نے اس کی تصریح کی ہے۔

(انتهت عبارة فتاوى الكردى)

ان تصریحات کو جان لینے کے بعد تمہیں یہ معلوم ہو گیا ہو گا کہ آج کل بعض طالب العلم بطور ہذیان اور یاوہ گوئی درجۂ اجتہاد تک رسائی کا اور خود بخود کتاب و سنّت سے استنباط احکام کی اہلیت و استعداد کا دعویٰ کرتے ہیں اور ائمہ اربعہ میں سے کسی کی تقلید کی طرف محتاج نہ ہونے کا اعلان کرتے ہیں حتّٰی کہ انہوں نے وہ مذہب ترک کر دیا جس پر کہ ان کا تولد ہوا اور پروان چڑھے اور اپنے بیمار اذہان و افکار کے ساتھ مذاہبِ اربعہ پر اعتراض کرنے لگے اور یوں کہتے پھرتے ہیں کہ ہم لوگوں کے آرار و افکار کے پابند نہیں ہیں وغیرہ وغیرہ۔ جاہل و مغرور لوگوں کی باتیں اور عبارتیں ہیں یہ اور درحقیقت یہ شیطانی وسوسے ہیں اور نفسانی دعوے ہیں جن کا باعث و موجب قلت عقل ہے اور نقصان دین اور محض اپنے نفوس و ذوات پر اعتماد و بھروسہ۔ اور اپنے عیوب و نقائص سے جہالت و لاعلمی۔ انکا اس ہوس و حماقت اور بے حیائی و قباحت سے جو مقصود تھا وہ بالعکس ہو گیا یعنی ان دعاوی سے جو عزت و منزلت لوگوں میں حاصل کرنا چاہتے تھے وہ مقصد پورا ہونے کی بجائے یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے غیظ و غضب اور ناراضگی کا نشانہ بن گئے اللہ تعالیٰ نے ان سے اپنی مخلوق کو متنفر و بیزار کر دیا حتّٰی کہ یہ ان کے نزدیک حقیر و ذلیل ہو گئے اور استہزار و مزاح کی جگہ بن گئے

وَمَنْ جَهِلَتْ نَفْسُهٗ قَدْرَهٗ

رَاٰى غَيْرُهٗ مِنْهُ مَا لَا يَرٰى

جس کا نفس اپنی قدر و منزلت سے ناشناسا اور جاہل ہو گیا تو دوسرے لوگ اس میں وہ کچھ دیکھیں گے جو وہ خود نہیں دیکھ سکے گا۔

میں نے ان میں سے بعض کو دیکھا کہ عوام الناس کو قرآن مجید اور صحیح بخاری سے احکام شرعیہ استنباط کرنے کی دعوت دیتے ہیں۔ دیکھیے یہ کتنا عظیم جہل ہے اور کھلی گمراہی۔ الحذر! الحذر! اے برادر گرامی! ایسے احمقوں کے پاس جانے کی بجائے اپنے مذہب کو لازم پکڑ اور ائمہ اربعہ میں سے جس امام کی تقلید کرنا چاہتا ہے کہ بغیر اس کے کہ تو رخصتوں کے درپے ہو اور جس امام کے مذہب میں جس معاملے میں سہولت دیکھی اسی کو اپنا کر مختلف مذاہب کے احکام کو جمع کرے اور ان میں خلط ملط کر دے جس سے ایک ایسی مجموعی حالت حاصل ہو جائے جس کا ائمہ اربعہ سے کوئی بھی قائل نہ ہو۔ یہ امر محظور ہے۔

موجودہ علماء اور درجہ اجتہاد میں اتنا تفاوت ہے جتنا سپاہی اور سلطان زمان بلکہ فرشتہ اور شیطان میں

جو علمار اجتہاد کا دعویٰ کرتے ہیں وہ بذاتِ خود صالح اور نیک ہیں لیکن وہ غفلت کے پردوں میں ہیں، تھوڑی بہت احادیث جانتے ہیں اور قدرے عربی کی واقفیت حاصل کرتے ہیں اور بعض علومِ متداولہ پر عبور، جس کی بنار پر اس گئے گزرے دور میں انہیں صرف عالم کہنا درست ہو سکتا ہے اور ابھی ان کے اور احکامِ دین میں درجۂ اجتہاد پر فائز ہونے کے درمیان بہت بڑا فرق باقی ہوتا ہے جس کو اگر ملائکہ و شیاطین کے باہمی فرق سے تعبیر نہ کریں تو ایک سپاہی اور سلطانِ وقت کے باہمی تفاوت سے ضرور تعبیر کریں گے لیکن وہ اپنی غفلت، قلّت عقل و فہم اور اپنے نفوس پر اعتماد و خوش فہمی اور ان میں کمال کا گمان کا ذب رکھنے کی وجہ سے اس دعویٰ کاذب اور ظن باطل کے مرتکب ہوئے حالاں کہ اس میں لغزش و خطا ظاہر ہے اور شیطان نے ان کے لیے یہ مکر و فریب گھڑ لیا ہے کہ وہ ان جھوٹے دعاوی کے اہل اور لائق ہیں اور اس لعین نے ان پر دین میں تقویٰ و پرہیزگاری کے دعویٰ والے دروازہ سے داخل ہونے کا موقعہ پا لیا ہے اور اس گمان بے حقیقت سے کہ ہمارے لیے دین کی سلامتی اور حفاظت کی خاطر مجتہدین میں سے کسی کی تقلید جائز نہیں ہے۔ اور ان پر یہ امر واجب و لازم ہے کہ وہ دین کو براہِ راست کتاب خدا اور سنتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے اخذ کریں اور درمیان میں کسی کو واسطہ و وسیلہ نہ بنائیں۔

مذموم قیاس کون سا ہے:

انہوں نے بعض کتابوں میں رائے اور قیاس پر عمل و رآمد کی مذمت دیکھی اور اتباعِ کتاب و سنت پر تحریض و تحریص تو اس کو ترک تقلید کی دلیل بنا لیا جس سے متجاوز ہو کر وہ اجتہادی شان کے مدعی بن چکے تھے اور اپنی غفلت و بے خبری کی وجہ سے یہ نہ جانا کہ رائے و قیاسِ مذموم وہ ہے جس پر نص کتاب و سنت کو چھوڑ کر عمل کیا جائے اور ایسے قیاس کا قائل نہ کوئی مجتہد ہے اور نہ ہی ان کے متبعین، اور کیوں کر وہ ایسے قیاس کو جائز رکھ سکتے ہیں جب کہ ان میں سے ہر مجتہد یہی کہتا نظر آتا ہے؛

اِذَا صَحَّ الْحَدِيْثُ فَهُوَ مَذْهَبِيْ

جب حدیث صحیح دستیاب ہو تو وہی میرا مذہب ہے۔

اور ہمارے امام، امام شافعیؒ بار بار اپنی کتاب الام اور الرسالہ میں فرماتے ہیں جیسے میں نے خود ان دونوں کتابوں میں پڑھا ہے

وَهَلْ لِاَحَدٍ قَوْلٌ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِدَاهُ اَبِيْ وَاُمِّيْ

کیا رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادِ گرامی کے ہوتے ہوئے کسی دوسرے کو اپنی طرف سے کچھ کہنے کی جرأت ہو سکتی ہے؛

ہوں۔ نہ کسی کان نے سُنے ہوں اور نہ ہی کسی بشر کے دِل میں کھٹکے ہوں۔

اے اللہ! ہم اس محبوبِ کریم کے قرب و منزلت اور رفعت و رجت کو تیری جناب رفعت مآب میں وسیلہ بناتے ہیں اور درخواست کرتے ہیں کہ ہمیں اپنی اور ان کی بارگاہ میں محبوب ترین عباد میں سے بنا اور ہمیں دنیا و برزخ اور قیامت کے دن امن و عافیت کے مالک مومنین کے زمرہ میں شامل کرکے اپنی اور اپنے محبوب کریم کی رضامندی نصیب فرما اور ہمارے مشائخ کرام اور اولاد و ذریت جملہ محبین اصول و فروع اور تمام خدام کو انہیں انعامات سے سرفراز فرما۔

بعد از توسل و دُعا حصول مطلوب و مقصود، قارئین کرام کی خدمت میں عرض پرداز ہوں کہ یہ کتاب اپنے موضوع میں یکتا ہے اور اس کے حسن و خوبی میں مزید اضافہ کی گنجائش نہیں ہے۔ میں اللہ العظیم رب العرش الکریم سے دست بدعا ہوں کہ وہ اسے خالص اپنی ذات کریم کی رضاء عمیم اور لطفِ جسیم کا موجب بنائے اور مجھے اور اس کتاب کو ہر بیمار ذہن، مذموم و بدخلق اور کج و نادرست، رائے و فکر کے مالک شخص سے کفایت فرمائے اور اس کے ذریعے عام و تام نفع بخشے اور اسے میری دنیا و برزخ اور آخرت میں خوش بختی اور سعادت مندی کا عظیم ترین وسیلہ بنائے۔

وجہ تسمیہ :

میں نے اس کتاب کو "شواہد الحق فی الاستغاثۃ بسید الخلق" کے نام نامی سے موسوم کیا ہے کیوں کہ اس میں صاحبِ المقام المحمود سید الوجود صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ استغاثہ و توسل کے جواز و مشروعیت پر بہت زیادہ شواہد و شہود موجود ہیں۔

وَيَسْتَنْبِئُونَكَ أَحَقٌّ هُوَ قُلْ إِي وَرَبِّي إِنَّهُ لَحَقٌّ۔ — وہ آپ سے دریافت کرتے ہیں کہ آیا یہ حق ہے تو کہیے مجھے اپنے پروردگار جل و علیٰ کی قسم وہ حق ہے جس میں شبہ و شک نہیں ہے۔

میں نے کتاب مذکور کے نام میں زیارت خیر الانام علیہ السلام کی مشروعیت کا ذکر نہیں کیا حالاں کہ وہ مبحث اس کتاب میں مذکور و مسطور ہے کیوں کہ وہ بھی استغاثہ و توسل کے انواع میں داخل ہے بلکہ ان میں سے افضل و اکمل ہے اور نافع ترین لہٰذا انہیں میں داخل ہونے کی وجہ سے علیحدہ نام دینے کی ضرورت نہیں تھی۔

ترتیب کتاب :

میں نے اس کتاب کو ایک مقدمہ، آٹھ ابواب اور ایک خاتمہ پر مرتب کیا ہے۔

مقدمہ دو اقسام پر منقسم ہے۔

قسم اوّل میں اجتہاد مطلق کے انقطاع پر بحث کی گئی ہے جس کا ادعاء باطل فرقہ وہابیہ نے کر رکھا ہے اور ان کے

اور انہیں کی تقلید پر اکتفاء کرے اور ان کے مذاہب سے خروج و انحراف کا مرتکب نہ ہو۔

وہ اکابرینِ ملت پورے عالم اسلام میں علم و حکمت کے اندر یکتائے روزگار تھے مگر ان میں سے کسی نے اجتہادِ مطلق کا دعویٰ نہیں کیا۔ تو تو اور تیرے امثال اپنے قصور فہم و ادراک کے باوجود غرور و تکبر میں مبتلا ہو کر کس طرح دعوائے اجتہاد کر سکتے ہیں جو کہ اپنی جہالت و لاعلمی کی وجہ سے لوگوں کی جائے استہزاء بن چکے ہیں اور شیطان کے لیے کھلونا۔ لہٰذا اس ہوس و ہذیان اور یاوہ گوئی و بیہودگی کو چھوڑیے اور مذاہبِ اربعہ کے ائمہ میں سے کسی کا طوقِ تقلید اپنے گلے میں ڈالیئے جس طرح کہ دوسرے علماء امت اور عوام اہلِ اسلام نے عصرِ مجتہدین سے لے کر اب تک یہی راستہ اختیار کر رکھا ہے۔ یہی مومنین کا وہ راستہ ہے جس کی اتباع اولیٰ و انسب بلکہ لازم و واجب ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے :

وَمَنْ يُشَاقِقِ الرَّسُولَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدَىٰ وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ نُوَلِّهِ مَا تَوَلَّىٰ وَنُصْلِهِ جَهَنَّمَ وَسَاءَتْ مَصِيرًا ۝

اور جو شخص رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کرے بعد اس کے کہ ہدایت اس پر واضح ہو جائے اور مومنین کے راستہ کے علاوہ کسی راستہ کی اتباع کرے تو ہم اس کو ادھر ہی پھیریں گے جدھر وہ پھرے گا اور آخرت میں اسے جہنم کا ایندھن بنائیں گے اور وہ برا ٹھکانا ہے۔

عقائد میں تقلید لازم نہیں ہے اور فوائدِ قرأت حدیث برائے مقلّد :

جب تو حدیثِ نبویہ پڑھنے کی اہلیت و صلاحیّت رکھتا ہو تو تجھ پر ذخائرِ احادیث کی قرارت اور مطالعہ لازم ہے تاکہ تو اپنے مذہب کے دلائل پر مطلع ہو سکے، ترغیب و ترہیب کی احادیث پر عمل پیرا ہو سکے۔ عظمتِ دینِ اسلام، اس کے عقائد و فروعات، کمالاتِ الوہیت اور اسماء و صفات کی معرفت حاصل کر سکے۔ نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ طیبہ، آپ کے فضائل و کمالات اور معجزات و خوارق عادات، احوال دنیا و آخرت، کیفیاتِ بعث و نشور، جنت و دوزخ کے احوال، ملائکہ و جنات اور امم ماضیہ کے احوال، انبیاء کرام علیہم السلام کے فضائل و مناقب اور ان کی کتابوں کی تفصیلات، سرورِ انبیاء علیہ التحیۃ والثناء اور ان کی کتاب کریم کی تمام انبیاء کرام اور ان کی کتابوں پر فضیلت و برتری، آل و اصحاب نبوی کے مناقب و مراتب، علاماتِ قیامت، اور دیگر دنیوی و اخروی آداب و علوم پر اطلاع و واقفیت حاصل کرے کیوں کہ احادیثِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم علومِ اولین و آخرین کو محیط و جامع ہیں۔

اس فائدۂ عظیمہ کو معلوم کر لینے کے بعد اس معترض کی شدتِ جہل اور غایتِ حماقت تجھ پر واضح ہو جائے گی کہ جب احادیثِ نبویہ سے احکامِ شرعیہ کا استنباط نہ کر سکیں تو پھر ان کا فائدہ کیا ہو گا کیا جو کچھ ہم نے ذکر کیا ہے یہ فوائدِ حدیث نہیں

ہیں ؟ یہ فوائد گنتی وشمار سے زائد ہیں اور دینِ اسلام کا معظم حصہ ہیں۔

رہا معاملہ احادیث احکام کا جو صلوٰۃ وصیام اور حج و زکوٰۃ اور دیگر معاملات میں وارد ہیں اور ان کی مجموعی تعداد بقول بعض پانچ صد ہے تو ان میں اگر کوئی ایسی حدیث نظر آئے جو تیرے مذہب امام کے موافق ومطابق نہ ہو تو جس امام نے اس حدیث کو اپنی دلیل بنایا ہو تو اس پر عمل پیرا ہونے میں اس امام کی تقلید کر اور تجھے کوئی ایسی صحیح حدیث نہیں ملے گی جو کسی نہ کسی امام کا مذہب نہ ہو۔ ہو سکتا ہے تیرا امام مذہب اس پر مطلع ہوا ہو لیکن اس کے نزدیک اس سے زیادہ صحیح حدیث اس کے معارض ومناقض ہو یا اس سے متاخر ہو اور پہلی حدیث کو اس نے منسوخ کر دیا ہو یا دیگر ایسے وجوہ موجود ہوں جو مجتہدین کے علم میں ہوتے ہیں اگر تو اس پر عمل کا ارادہ کرے تو اچھی بات ہے مگر اس امام کی تقلید تجھ پر لازم ہے جس نے اس کو اپنا مذہب بنایا ہے کیوں کہ اس نے بھی اس پر عمل کیا ہوگا جب اس کے نزدیک اس پر عمل پیرا ہونے کے جملہ موانع مرتفع ہو چکے ہوں گے اور اس کے ساتھ ساتھ وہ دیگر دلائل احکام پر بھی مطلع ہوگا جو تیری علمی وسعت سے خارج ہوں گے اور وہ اس کا اہل بھی ہے اور اگر اس حدیث کی بجائے اپنے امام مذہب کی تقلید کرے اور ان احکام پر عمل پیرا ہو تو بھی تجھ پر کوئی حرج نہیں ہے کیوں کہ تیرے امام کے پاس لامحالہ اس حکم کی دلیل ہوگی اگرچہ تو اس پر مطلع نہیں ہو سکا کیوں کہ یہ ائمہ اسلام اور مقتدایانِ انام ایک بال کے برابر بھی کتاب وسنت سے باہر نہیں جاتے۔ جہاں بھی کسی مسئلہ پر کتاب وسنت میں سے دلیل پاتے ہیں بلکہ وہ اس سے افضل وبرتر ہیں اور صاحبِ ورع و تقویٰ کہ آیات واحادیث تو دیکھیں مگر احکام میں ان پر عمل پیرا نہ ہوں بلکہ انہوں نے تو اپنے مذاہب ومسالک سے کتاب وسنّت کی تفسیر وتشریح بیان کی ہے اور ان کے معانی واحکام لوگوں پر واضح کیے ہیں اور انہیں لوگوں کے افہام وعقول کے قریب کیا ہے اور انہیں اس طرح ضبط کیا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کی مدد ونصرت ان کے شاملِ حال نہ ہوتی تو قطعاً اتنا بڑا کام نہ کر سکتے جو انسانی وسعت وطاقت سے باہر ہے۔ اسی لیے مذاہبِ ائمہ کرام نبوتِ سید المرسلین علیہ الصلوات والتسلیم کی دلیل ہیں اور دینِ مبین کی صحت پر برہان صداقت نشان۔

اختلافِ امت کا رحمت ہونا اور محلِ اختلاف ونزاع کا بیان:

ائمہ اسلام کا اختلاف نہ اصولِ دین میں ہے اور نہ عقائدِ توحید میں جن میں اختلاف موجبِ مخطور وفسادِ عظیم ہو بلکہ ان احکامِ عشر عیہ کے معظم حصہ میں بھی باہم اختلاف نہیں جن کا دین سے ہونا بالبداہۃ معلوم ہے اور ان کے متعلق نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول احادیثِ متواترہ یا اخبارِ مستفیضہ مشہورہ موجود ہیں ان کا اختلاف فقط بعض فروعی مسائل میں ہے اور اس کی مدار ہر ایک کے نزدیک موجود دلیل وبرہان کی قوت اور دوسرے دلائل کے منصف پر ہے۔ لہٰذا ان کا یہ اختلاف امت کے لیے رحمت ہے تو بغیر کسی حرج وتنگ دلی کے جس کی تقلید کرنا چاہتا ہے کر۔ جیسے کہ رسولِ کریم علیہ السلام کا ارشادِ گرامی ہے: اختلاف امتی رحمة ' میری امت کا باہم اختلاف رحمت ہے جیسے کہ جامع صغیر میں بھی بروایتِ بیہقی وغیرہ اس کو نقل کیا ہے

امام مناوی شرح کبیر میں اختلافِ امت کے رحمت ہونے کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ائمہ اعلام کے باہم اختلاف سے عام اہلِ اسلام کے لیے مختلف مذاہب ومسالک واضح ہو گئے جیسے کہ انبیاء کرام علیہم السلام کے متعدد شرائع اور چوں کہ ہر امام کی دلیل مذہب کتاب وسنت ہے لہٰذا ہر مذہب کے ساتھ گویا نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے ہیں تاکہ امت پر ان امور میں تضییق وتنگی نہ پیدا ہو اور ان کے لیے شریعتِ مطہرہ سمحہ وسہل ہو جائے اور اس میں وسعت پیدا ہو جائے اور کسی امتی کا وسعت وطاقت سے خارجہ امور کے ساتھ مکلف ہونا لازم نہ آئے لہٰذا اختلافِ مذاہب، بہت بڑی نعمت ہے اور عظیم وجسیم فضیلت ہے جس کے ساتھ اس امت کو مخصوص ٹھیرایا گیا ہے نیز اس حدیث میں دلیل نبوت بھی موجود ہے کیوں کہ رسولِ کریم علیہ السلام نے وقوعِ اختلاف کی خبر دی اور اسی طرح ہوا تو یہ آپ کا معجزہ ہے جو علمِ غیب اور امورِ مستقبلہ سے تعلق رکھتا ہے۔ انتہیٰ

بعد ازاں میں نے اپنی کتاب حجۃ اللہ علی العالمین میں متعدد علماء اعلام سے مختلف نفیس عبارات نقل کی ہیں علی الخصوص امام شعرانی سے بڑے پیارے جملے نقل کیے ہیں۔ منجملہ ان کے یہ قول بھی ہے جو انہوں نے میزان کبریٰ میں ذکر کیا ہے۔ فرماتے ہیں میں نے اپنے شیخ شیخ الاسلام زکریا رحمہ اللہ تعالیٰ کو بارہا فرماتے ہوئے سنا کہ شریعت کا چشمہ شیریں سمندر کی مانند ہے جس جانب وسمت سے چلو بھر لو پانی ایک جیسا ہوگا۔

اور میں نے ان کو یہ بھی فرماتے سُنا کہ اس سے گریز کرو کہ کسی مجتہد کے قول پر فوراً انکار کر دو یا اس کو خطا کار کہہ دو جب تک کہ تم شریعتِ مطہرہ کے تمام ادلّہ کا احاطہ نہ کر لو اور تمام لغاتِ عرب جن پر شریعتِ مطہرہ مشتمل ہے ان کی معرفت تامہ کاملہ حاصل نہ کر لو اور ان کے تمام معانی اور طرقِ دلالت پر مکمل اطلاع حاصل نہ کر لو۔ اگر ان امور کا علم محیط تمہیں حاصل ہوا اور پھر وہ امر جس کا تم نے انکار کیا ہے شریعتِ مطہرہ میں نہ پاؤ تو اس وقت تمہیں انکار کا حق حاصل ہے اور وہ تمہارے لیے خیر وبھلائی کا موجب ہے، مگر تم کہاں اور ان امور کا علم محیط کہاں ؟ طبرانی نے مرفوعاً روایت کیا ہے:

"اِنَّ شَرِيْعَتِيْ جَاءَتْ عَلٰى ثَلَاثِمِائَةٍ وَّسِتِّيْنَ طَرِيْقَةً مَا سَلَكَ اَحَدٌ طَرِيْقَةً مِّنْهَا اِلَّا نَجَا"

میری شریعت تین سو ساٹھ طریقوں پر وارد ہوئی ہے جو شخص ان میں سے ایک طریقہ پر گامزن ہوگا وہ نجات پا جائے گا۔

امام شعرانیؒ نے میزانِ خضریہ میں فرمایا کہ جو احادیث ائمہ اعلام کے نزدیک صحیح ہیں۔ ان پر عمل پیرا ہو تو اپنے دونوں ہاتھوں سے خیر وبرکت کو جمع کرے گا خواہ تیرے امام نے اس پر عمل نہ بھی کیا ہو اور اس کو اپنے حکم کی دلیل نہ بنایا ہو اور یہ نہ کہہ کہ میرے امام نے اس پر عمل نہیں کیا لہٰذا میں بھی اس پر عمل نہیں کرتا کیوں کہ تمام ائمہ کرام شریعت کے ہاتھوں میں اسیر اور قیدی ہیں وہ اس سے ذرہ بھر ادھر ادھر نہیں جا سکتے اور وہ سب دینِ خداوندی میں محض اپنی رائے سے کوئی حکم لگانے سے برأت کا اظہار

کر چکے ہیں جب کہ وہ مسئلہ ادلہ شرع میں سے کسی دلیل اور اصولِ احکام میں سے کسی اصل کے تحت مندرج نہ ہو (چہ جائیکہ جب اس کا ان کے تحت اندراج ہو) لہٰذا اے برادر اسلامی تجھ پر لازم ہے کہ ہر وہ حدیث جس پر تیرے امام نے عمل نہیں کیا اس کی توجیہ وتاویل یہ کرے کہ یا تو امام مذہب اس پر مطلع نہیں ہوا یا مطلع ہوا ہے مگر یہ حدیث اس کے نزدیک پایۂ صحت تک نہیں پہنچی۔ اور مذہبِ واحد شریعتِ مطہرہ کی تمام احادیث پر کبھی بھی مشتمل نہیں ہو سکتا۔ اور تیرے امام کا فرمان ہے یعنی امام شافعی کا:

اِذَاصَحَّ الْحَدِیْثُ فَھُوَمَذْھَبِیْ

جب بھی کوئی صحیح حدیث دستیاب ہو وہی میرا مذہب ہے

بعض اوقات امامِ مذہب کے متبعین نے بہت سی احادیث پر عمل ترک کر دیا حالاں کہ وہ ان کے نزدیک صحیح تھیں جب کہ وصیتِ امام کے مطابق انہیں ان احادیث پر عمل پیرا ہونا زیادہ اولیٰ اور بہتر تھا کیوں کہ ہمارا عقیدہ ونظریہ یہی ہے کہ اگر امام زندہ ہوتے اور ان احادیث پر مطلع ہوتے جو صحیح سند کے ساتھ ثابت ہیں تو ضرور بالضرور انہیں پر عمل پیرا ہوتے۔

عوام پر امام واحد کی تقلید لازم کرنے کی وجہ:

جو کچھ ہم نے سطور بالا میں ہر صحیح حدیث پر لزومِ عمل کے متعلق ذکر کیا ہے یہ ہمارے اس قول مذکور کے خلاف نہیں ہے جس میں ہم نے علمائے اعلام اور ائمہ اسلام کی تصریحات نقل کر کے واضح کیا ہے کہ انہوں نے عوام پر امام واحد کے مذہب کا التزام واجب ولازم قرار دیا ہے اگرچہ شریعتِ مطہرہ میں کوئی ایسا حکم موجود نہیں ہے کیوں کہ انہوں نے عوام پر تقلید کو لازم کر کے ان پر مہربانی فرمائی ہے تاکہ دو مفسدوں میں سے جو خفیف تر اور زیادہ آسان ہے اسی کو اختیار کریں۔ اگر علمائے اسلام عوام پر امام معین کی تقلید لازم نہ کرتے تو عوام راہِ راست سے بھٹک جاتے کیوں کہ دلیل کے بغیر کسی ایک حکم کی اس کے مقابل پر ترجیح ممکن نہیں ہوتی اور دلیل کا قائم کرنا ان کے بس کی بات نہیں ہے۔

علامہ شعرانی کا یہ ارشاد کہ ان احادیث پر عمل کرو جو ائمہ کے نزدیک صحیح ہیں۔ امام نووی رحمہ اللہ تعالیٰ کے کلامِ سابق کی تائید وتصدیق کرتا ہے کہ جو شخص حدیثِ صحیح پر عمل کرنے کا ارادہ رکھتا ہو تو وہ اس امام کی تقلید کرے جس نے اس کو اپنا مذہب بنا رکھا ہے۔

یہ ہیں وہ چند عبارات جو میں نے حجۃ اللہ علی العالمین سے نقل کرنا مناسب سمجھی ہیں اور جو شخص اس سے زیادہ تفصیل کا طلبگار ہو وہ اصل کتاب کی طرف رجوع کرے اور امام مناوی کی شرح کبیر علی الجامع الصغیر کی طرف رجوع کرے۔

منکرینِ تقلید کا جنون اور سخافتِ رائے:

اس گزارش کو ذہن نشین کر لینے کے بعد اب یہ امر ملحوظِ خاطر رہے کہ جنون کی کئی قسمیں ہیں اور اس کی تمام اقسام سے بدتر

جنون وہ ہے جو ان عقل وفہم سے عاری طلبۂ علم کو درپیش ہے جو کہ اس دورِ فتن پرور میں ظاہر ہوئے ہیں اور شیطان لعین کے ہاتھوں میں کھلونا بن چکے ہیں اور اسی لعین نے ان کو دعوائے اجتہاد پر برانگیختہ کیا ہے اور کتاب وسنت کے فہم وادراک اور ان سے احکام کے اخذ واستنباط پر بغیر کسی امام کی تقلید واتباع کے اور انہوں نے ائمہ اسلام مقتدایانِ انام کے حق میں یہ کہنا شروع کر دیا ہے:

هُمْ رِجَالٌ وَنَحْنُ رِجَالٌ

وہ بھی آدمی ہیں اور ہم بھی آدمی ہی ہیں

حالاں کہ ان میں سے بعض کا حال تو یہ ہے کہ ابھی تک استنجا کرنے کی بھی لیاقت نہیں رکھتے چہ جائیکہ اس قدر بلند ترین اوصاف علمائے اعلام کے ان میں موجود ہوں۔ ان کے ناقص علم اور ناقص عقل وفہم کہاں اور وہ ائمہ اعلام کہاں جنہوں نے کتاب وسنت کے فہم وادراک کے لیے ضروری علوم کی تحصیل میں جانفشانی کی انتہا کر دی اور کتاب وسنت کے اکثر معانی کو بواسطہ اخلاف واسلاف کرام خصوصاً صحابہ کرام علیہم الرضوان سے روایت کیا ہے جن میں سے بعض کی وضاحت انہیں خود نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بالمشافہ فرمائی اور بعض کو انہوں نے اپنے ذوقِ سلیم طبعِ مستقیم اور صحیح لغتِ عربیہ پر عبور کی وجہ سے معلوم کیا جس لغت میں کہ کلام مجید فرقانِ حمید نازل ہوا اور وہی لغت ہے نبیٔ عربی فداہ ابی وامی صلی اللہ علیہ وسلم کی اور بعض کو اپنی قوتِ استعداد اور اس نورِ فراست کی بدولت معلوم کیا جو اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں ودیعت فرمایا تھا۔

لیکن اب ہمارے لیے کلام مجید کو سمجھنے کے لیے اور احادیثِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے مرادِ نبوی معلوم کرنے کے لیے ان علمائے اعلام اور ائمہ اسلام کی بیان کردہ روایات اور ان کے اپنے اقوال پر مطلع ہونا ضروری ہے اور اس طرح دوسرے ائمہ اسلاف کے اقوال پر جنہوں نے آیات واحادیث پر محض اپنے ظن وتخمین کی بنا پر کلام نہیں کیا بلکہ علمِ کامل اور تصدیقِ جازم کے باوجود ان کے زمانہ کے عہدِ نبوی اور عہدِ صحابہ سے قریب ہونے کے اور ان کے سلامتِ طبع، کثرتِ تقویٰ اور صواب وحق کی پوری پوری چھان پھٹک کرنے کے اور حق وصدق سے کامل محبت ورغبت کے اور علمِ نافع یعنی نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی اور صحابہ کرام علیہم الرضوان سے منقول علوم میں ترقی واضافہ میں کامل رغبت کے بعد اپنی تمام عمریں اس عظیم مقصد میں صرف کرنے کے لہٰذا انہوں نے جن احکام ومسائل کا استنباط واستخراج کیا ہے ان پر اعتماد ہی ہمارے لیے کافی ہے۔

جب ہم یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم ان امور میں ان کی مانند ہیں اور ہم بھی ان کی طرح کتاب وسنت کو سمجھنے کی لیاقت وقدرت رکھتے ہیں تو اس سے قطع نظر کہ ہمارا یہ دعویٰ جھوٹا ہے اور ہم اس ادعاء کاذب کی وجہ سے سخت گنہ گار ہو چکے ہیں ہم نے عقلمند لوگوں کو اس بات پر آمادہ کر دیا ہے کہ وہ ہمارے ساتھ مذاق واستہزاء کریں اور ہماری اپنے متعلق خوش فہمیوں کے برعکس وہ ہمیں موردِ طعن وتشنیع ٹھہرائیں۔ لہٰذا ہم میں سے صرف ضعیف اور ناقص عقول وافہام والے ہی اس امر کا دعویٰ کر سکتے ہیں جو بالکل عوامی ہیں یا عوام کی مانند۔ اور انہوں نے اپنے دین ودنیا کی دارومدار محض بدعات کی تزئین وآرائش اور کلام وبیان کی

رنگینی پر رکھی ہوئی ہے۔ یہ ایسے لوگ ہیں کہ کوئی عقلمند شخص ان کی طاعت وانقیاد نہیں کر سکتا اور اپنے امورِ دنیویہ میں بھی ان پر اعتماد نہیں کر سکتا۔ چہ جائیکہ امور دینیہ میں۔ اور سب بیماریوں سے سنگین بیماری یہ ہے کہ آدمی اپنے عقل وفہم پر نازاں ہو اور غرور وتکبر میں مبتلا ہو۔ اگر آدمی انصاف وعقلمندی کا دامن ہاتھ سے نہ جانے دے اور اپنی خواہشِ نفس کو ایک طرف رکھ کر عقل و تقوٰی کے حکم پر سرِ تسلیم خم کرے تو لامحالہ اہلِ حق کا حق پہچان لے گا اور اپنی چادر سے پاؤں باہر نکالنے کی حرکت مذبوحی کا مرتکب نہیں ہوگا۔

اے انصاف پسند مسلمان! میں تجھے اللہ تعالیٰ کے نام کا واسطہ دے کر پوچھتا ہوں کہ ہم جیسے لوگوں کو یہ بات زیب دیتی ہے کہ جب امام شافعی، امام ابوحنیفہ اور امام مالک وامام احمد اور ان جیسے اکابر کا ذکر کیا جائے اور ان سے بلند مرتبہ حضرات تابعین وصحابہ کرام علیہم الرضوان کا یا جو ان سے مرتبہ ومقام میں کم ہیں مثل فقہاء کرام، مفسرین ومحدثین جب ان کا ذکر کیا جائے تو ہم کہہ دیں هُمْ رِجَالٌ وَّنَحْنُ رِجَالٌ۔ وہ بھی آدمی ہیں اور ہم بھی (وہ کوئی آسمانی مخلوق تھوڑی ہیں)

افسوس ہے ایسے باطل وکاذب دعوٰی پر اور ایسے مدعیوں پر۔ بخدا جب میں ان لوگوں کو دیکھتا ہوں یا ان کا ذکر سنتا ہوں تو میں ان کی سیرت وکردار اور ان کے عمل وگفتار کو اس طرح نفرت کی نگاہ سے دیکھتا ہوں اور ان سے بیزاری محسوس کرتا ہوں جس طرح کہ نجاست وغلاظت کے قریب سے گزرنے پر نفرت وکراہت کا اظہار کرتا ہوں۔ ان میں سے بعض پر تو شیطان کا اس قدر تسلط ہو چکا ہے کہ اب ان کی اصلاح کی کوئی توقع باقی نہیں رہی کیوں کہ وہ اپنی جہالت وحماقت اور دین وعقل کے ناقص ہونے کے باوجود اپنے متعلق یہی عقیدہ رکھتے ہیں کہ ہم عَلَمِ ہُدٰی ہیں اور امام مقتدٰی۔ اور یہ ساری امت گمراہ ہو چکی ہے اور ہم ان کو راہِ ہدایت پر ڈال رہے ہیں۔ جب کبھی وہ اپنے جیسے سرکش جاہل کو دیکھتے ہیں یا بے دین وزندیق لوگوں کو جو دولتِ دین کو ہاتھ سے گنوانے والے ہیں اور جماعتِ مسلمین سے علیحدگی اختیار کرنے والے تو ان کی حالت وکردار کو بنظرِ استحسان دیکھتے ہیں اور اس کی ضلالت وگمراہی کو حق جانتے ہیں اور وہ اپنے آپ میں سمجھتے ہیں کہ ہم امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت کی مانند ہیں اور ان کی بصیرت پر ضلالت وبے راہروی کی تاریکیاں چھا جاتی ہیں اور وہ اپنے اس قول پر سختی سے قائم رہتے ہیں اور اس میں اپنے آپ کو خطاکار نہیں سمجھتے کہ ہم بھی انسان ہیں اور وہ ائمہ اعلام بھی انسان ہی ہیں۔

یہ طلبۂ علم اور کمینہ لوگ اگرچہ اکثر شہروں میں موجود ہیں مگر وہ تعداد وگنتی کے لحاظ سے بہت قلیل ہیں اور نگاہِ خلق میں حقیر وذلیل اور نشانۂ قہر وغضب۔ وہ بوجھل طبیعت ہیں اور لوگوں کے نزدیک بھی نکمے اور ردی۔ وہ اپنے متعلق لوگوں کے ردِ عمل سے اچھی طرح باخبر ہیں اور اسی لیے اپنے نظریات وخیالات کو چھپائے رکھتے ہیں۔ جب کوئی صاحبِ علم شخص ان سے مذاکرات کرتا ہے تو اس کے سامنے ان امور کا انکار کرتے ہیں جو ان کی طرف منسوب کیے جاتے ہیں اور وہ اس کے سامنے یہی ظاہر کرتے ہیں کہ ہم دوسرے لوگوں کی طرح ائمہ دین کے مذاہب پر کاربند ہیں اور ان کے متبع ومخلص اور اپنی اندرونی کیفیات کا اظہار صرف انہیں لوگوں کے سامنے کرتے ہیں جن کی طرف سے انہیں کسی نقصان اور پریشانی کا اندیشہ نہیں ہوتا۔ اس ضمن میں

امام ماوردی نے اپنی کتاب ادب الدنیا والدین میں کیا خوب فرمایا ہے:

والستر دون الفاحشات ولا
يلقاك دون الخير من ستر

ستر اور پردہ پوشی فاحشات اور بدکاریوں پر ہوتی ہے۔ کبھی بھی خیر اور موجب فلاح اور اس پر ستر وپردہ تجھے نہیں ملے گا۔

شیطان خبیث نے ان کے نفوس خاسرہ اور اذہان قاصرہ میں اس امر کو بٹھا دیا ہے کہ وہ اپنی تمام تر بدحالی کے باوجود حق پر ہیں اور تمام علماء متقدمین ومتاخرین بلکہ ساری امت جو ان کے راہ ضلال پر نہیں ہے باطل وناحق پر ہے۔ دیکھیے یہ کتنی بڑی حماقت ہے اور جنون ودیوانگی ہے جو ان کے دین ودنیا کو تباہ کرنے والی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا شکر بجا لائیے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں ان میں سے نہیں بنایا۔ بخدا میں ان میں سے جس کے ساتھ بھی ملا اس میں قلتِ عقل ودین کے ساتھ حیاء وادب کی بھی سخت قلت نظر آئی اور جہل وغرور کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا نظر آیا۔ ذوقِ سلیم اور فہمِ مستقیم نام کی کوئی چیز ان میں نظر نہ پڑی البتہ حماقت وبے حیائی جرأت وجسارت اور باطل صریح پر اصرار ضرور دیکھنے میں آیا اور حق صریح وظاہر کا نظر انداز کرنا اور پس پشت ڈالنا۔ اور یہ امر کتنا ہی قبیح ہے جب کہ اس کے ساتھ ساتھ صلاح وبہتری کا اعتقاد بھی دل میں موجود ہو اور اپنے دین کے تحفظ کے لیے اجتہاد کا دعوٰی ہو تاکہ تمام امت کے ساتھ وہ بھی بزعم خویش گمراہی میں مبتلا نہ ہو جائے جو ساری کی ساری العیاذ باللہ بقول ان کے تقلید ائمہ کی وجہ سے گمراہی میں مبتلا ہو چکی ہے۔ اور یہ شر ذمہ قلیلہ باوجودیکہ فاسق وفاجر ہیں فسق وفجور کے انواع واقسام کے علانیہ مرتکب ہیں اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی قسم کا حیاء وشرم محسوس نہیں کرتے اور نہ ہی لوگوں سے مگر زبانی دعوٰی یہ کرتے ہیں کہ ہم اپنا دین صرف کتاب وسنت سے حاصل کرتے ہیں۔ ان لوگوں کا از روئے اعمال تو کوئی دین ہے ہی نہیں مگر ساتھ ہی جہل وفسق اور ضلال وگمراہی کے سمندروں میں بھی غرقاب ہیں۔ ان کے ارواحِ خبیثہ باطل وناحق کے ساتھ اس طرح باہم شیر وشکر ہو چکے ہیں کہ اب ان کو حق وصواب کسی حالت میں بھی پسند نہیں آتا۔

موجودہ زمانہ کے حسن وخوبی اور تہذیب وترقی کے دلدادگان کا رد:

ان مجنون اور دیوانہ لوگوں میں سے ایک قسم ایسی ہے جو دوسرے تمام انواع واقسام کے فسق وفجور سے بے حیائی اور قباحت بدذوقی اور قلتِ عقل ودین کے لحاظ سے ممتاز ونمایاں ہے اور وہ گروہ ہے جو ہمیشہ اپنی زبان اور قلم سے اس زمانہ کے حسن احوال کا گن گاتے ہیں اور اس کو علم ومعرفت، فضل وادب، تہذیب وتمدن اور جملہ خوبیوں کا دور قرار دیتے ہیں۔ تم دیکھو گے کہ وہ کہتے ہوں گے جہالت اور بدتہذیبی کا دور گزر چکا ہے۔ اب ہم علم وفضل اور تہذیب وتمدن کے دور میں ہیں اور ہر وہ چیز جس کو وہ نگاہِ تحسین سے دیکھتے ہیں اور اس کی مدح سرائی میں رطب اللسان ہونا چاہتے ہیں اس کی نسبت بزعم

خواہش اس دورِ سعید کی طرف کرتے ہیں، ان کا تکیۂ کلام یہ ہے، علومِ عصریہ، افکارِ عصریہ، اخلاقِ عصریہ، تمدناتِ عصریہ اور کبھی یوں اس دور سے اظہارِ عقیدت و محبت کرتے ہیں کہ اس دور میں لوگ متمدن و مہذب ہو گئے ہیں۔ نورِ علم سے منور ہو گئے ہیں اور ان کی آنکھیں کھل گئی ہیں اور پرانی جاہلیت اور وحشیت زائل ہو گئی اور علیٰ ہذا القیاس مختلف پیرایوں میں قلبی محبت کا اظہار کرتے ہیں اور ردی و کاذب عبارات ذکر کرتے ہیں جو اس امر کی بین دلیل ہیں کہ ان کو زبان پر لانے والا بالخصوص اگر وہ اہلِ اسلام سے ہے تو پرلے درجے کا نکما اور اجہل انسان ہے کہ اس کو ذوقِ سلیم میسر ہے اور نہ فکرِ مستقیم۔ اور وہ حق و باطل میں فرق و امتیاز کے سمجھنے سے پوری طرح قاصر ہے۔ اور اس کی اصل وجہ یہ ہے کہ ہمارے نزدیک حسین و خوبصورت وہ امر ہے جو شریعت مطہرہ کے موافق و مطابق ہے اور قبیح وہ ہے جو اس کے خلاف ہے۔ جس عصر و زمانہ کو شریعت غراء مستحسن سمجھتی ہے وہ صرف ایسا زمانہ ہو سکتا ہے جس میں احکامِ شرع کا نفاذ ہو۔ اور لوگوں پر دینداری اور اتباع اوامر و نواہی غالب ہو۔ اس لیے بخاری و مسلم کے اندر حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ "خَيْرُ النَّاسِ قَرْنِي" سب لوگوں سے بہتر میرے زمانہ کے لوگ ہیں۔ اور ایک روایت میں "ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ"، پھر وہ لوگ جو ان کے بعد والے دور میں ہیں۔ پھر وہ لوگ جو ان کے بعد والے زمانہ میں ہیں۔ یعنی صحابہ تابعین اور تبع تابعین کے تین دور اور زمانے سب زمانوں سے افضل و بہتر ہیں۔ کیونکہ ان تینوں زمانوں میں دین مبین انتہائی ترقی پر تھا لہٰذا وہ سب قرون و ازمنہ سے بہتر ہیں اور خیریت میں یہ ترتیب اعلیٰ سے ادنیٰ اور اقوی سے اضعف کی طرف ہے کیونکہ ان ادوار میں دین کے فنون و قوت میں یہی ترتیب رہی ہے۔

اور بے شمار احادیث ایسی وارد ہیں جو آخر زمانہ میں دین کے ضعیف اور بے یار و مددگار ہونے پر دلالت کرتی ہیں۔ اور ہم اب ان کا صدق اور حقانیت اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کر رہے ہیں۔ دیکھئے نماز کے متعلق کسی کو شک نہیں ہے کہ وہ دین کے اعظم ارکان سے ہے۔ اور اس کا تارک بعض کے نزدیک کافر ہے اور اکثرین کے نزدیک سب فساق سے بڑا فاسق ہے۔ اور بایں ہمہ ہم بہت سے اسلام کے مدعی فاسق و فاجر لوگوں کو دیکھتے ہیں اور بالخصوص ان مجنون مجتہدین میں بہتیرے لوگوں کو جو اس کو بڑی شان بے نیازی کے ساتھ ترک کرتے ہیں اور کسی قسم کا خوف و حیاء ان کو دامن گیر نہیں ہوتا۔ اگر کوئی عالم یا نیک آدمی ان پر اعتراض کرتا ہے تو وہ متاثر ہونے کی بجائے الٹا اس کا مذاق اڑاتے ہیں۔ اور صرف نماز ہی نہیں دوسرے فرائض اور امورِ دینیہ کا بھی یہی حال ہے۔

علماء دین کو دیکھئے تو وہ اس دور میں سب لوگوں سے حقیر سمجھے جاتے ہیں۔ مالی حیثیت سے سب سے کم ہیں اور بالعموم بدحالی اور کس مپرسی کا شکار ہیں۔ اسی لیے علومِ دینیہ کے حاصل کرنے میں لوگوں نے بے رغبتی کا مظاہرہ

شروع کر دیا ہے حالانکہ وہ سعادتِ ابدیہ کی اصل و بنیاد ہیں۔ اور سب سے زیادہ خرابی کا موجب یہ بن گیا کہ جو شخص بعض اسباب کے پیشِ نظر خواہ وہ دینی ہوں یا دنیاوی علومِ دینیہ کی تحصیل پر آمادہ ہو جاتا ہے تو بعض اوقات وہ ان رسوائے زمانہ لوگوں کے اڈے چڑھ جاتا ہے اور بعض ابتدائی علوم ان سے حاصل کرتا ہے یا مشائخ کی خدمت میں اسباق حاصل کرتے وقت ان کے ساتھ شریک ہو جاتا ہے تو یہ لوگ اس میں اپنے باطل دعاوی کا زہر اس طرح پھونکتے ہیں کہ صرف چند دن ہی اس کو گزرتے ہیں کہ وہ ان کے جال میں پھنس کر رہ جاتا ہے اور وہ بھی انہیں کی طرح امام مجتہد بن جاتا ہے۔ اور امت مرحومہ کے ائمہ و علماء اور محدثین و فقہاء اور صوفیہ و صلحاء پر اعتراض کرنے لگ جاتا ہے۔ اور وہ ایسی بری حالت تک پہنچ جاتا ہے کہ اس کا جاہل رہنا، ایسی تعلیم حاصل کرنے سے زیادہ بہتر تھا اور یہ صورتحال روز افزوں ہے جیسے کہ بخاری شریف میں مخبرِ صادق صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

لَا يَأْتِيْ عَلَيْكُمْ عَامٌ وَّلَا يَوْمٌ اِلَّا وَالَّذِيْ بَعْدَهٗ شَرٌّ مِّنْهُ حَتّٰى تَلْقَوْا رَبَّكُمْ۔

تم پر کوئی سال یا دن ایسا نہیں آئے گا کہ اس کے بعد والا پہلے سے بدتر نہ ہو گا یہاں تک کہ تم اپنے رب تبارک و تعالیٰ سے ملاقات کرو۔

اور اس فرمانِ صداقت نشان میں کسی قسم کا اخفاء نہیں ہے کیوں کہ ہم میں سے ہر شخص جب اپنی ابتدائی عمر میں اپنے اندر دینِ متین کے احوال و کیفیات کا مشاہدہ کرتا ہے تو وہ اپنے اندر ابتدائی اور آخری ایام میں واضح فرق محسوس کرتا ہے اور یہ تو تمہیں معلوم ہی ہے کہ فرمان رسول صلی اللہ علیہ وسلم خیر القرون قرنی میں واردِ خیریت سے مراد دین کی بہتری ہے اور اس کی قوت و توانائی اور اسی طرح دوسری حدیث میں وارد شر کا معنی بھی یہی ہے کہ دین میں ضعف اور ناتوانی پیدا ہوتی چلی جائے گی۔

رہی بحث قوتِ دین اور اس کے ضعف کے اسباب و واجبات کی تو اس کے لیے طویل تشریح درکار ہے جس کا یہ مقام متحمل نہیں ہے اور صاحبِ فہم و ادراک پر وہ اسباب و علل مخفی بھی نہیں ہیں اور ہر عقلمند مسلمان اپنی استطاعت و طاقت کے مطابق اپنے دین و ایمان کی سلامتی کے لیے کوشاں رہتا ہے۔ میرا اس سارے تذکرہ و تبصرہ سے اس وقت صرف یہ مقصد ہے کہ یہ زمانہ ان جہلاء کے زعم اور گمانِ باطل کے مطابق سب ازمان و ادوار سے احسن ترین نہیں ہے بلکہ بدترین ہے اور جو کچھ ان کی عبارات میں اس کے متعلق فرحت و سرور کا اظہار ملتا ہے، حقیقتِ حال اس کے برعکس ہے بلکہ یہ زمانہ اس قابل ہے کہ اس پر ماتم کیا جائے۔

جو لوگ اس کی مدح و ثنا کے درپے ہیں تو ان کو اس اقدام پر برانگیختہ کرنے والا امر یہ ہے کہ ان میں اور اس زمانہ میں باہم مشاکلت اور قوی مناسبت موجود ہے کیوں کہ ان کے طبائع اور بواطن بھی اس زمانہ کی طرح مجسم فساد بن چکے ہیں لہٰذا انہوں نے اس کی تعریف کرنی شروع کر دی اور اس کی مدح سرائی میں خوشی و مسرت محسوس کرنے لگے اور اس بات پر فخر کرنے لگے کہ وہ افکارِ عصریہ اور اخلاقِ مرضیہ کے مالک اہلِ زمان سے ہیں لیکن دینی ذوقِ سلیم کے مالک حضرات قطعاً ان اخلاق پر خوش نہیں ہوتے کیونکہ

ان کی مدار بے حیائی اور دین گریز نظریات اور آدابِ شرعیہ کے ساتھ عدم مبالات اور لاپروائی پر ہے اور فرنگی عادات واطوار کو قباحت کے باوجود پسند کرنے پر اور اسلامی عادات واطوار کو حسن وخوبی کے باوجود بُرا سمجھنے پر۔ لہٰذا یہ زمانہ درحقیقت سب زمانوں سے ردی زمانہ ہے اور سب زمانوں کے شرور وفسادات کا نچوڑ اور خلاصہ ہے۔ اور فسق وفجور اور دیگر بدکاریوں اور ناہنجاریوں کے رسوخ واستحکام کا دور ہے اور یہ سب کچھ واضح ہونے کے باوجود ہم ان طلبۂ اشرار اور فہم وفراست سے بیگانہ متعلمین اور ان کے ہم مشرب جہال واشرار کو دیکھتے ہیں کہ ان کی طبیعتیں بھی فاسد ہو چکی ہیں اور احوال دگرگوں ہو چکے ہیں لہٰذا وہ شب وروز اس زمان اور اس کے عادات واخلاق کی تعریف ومدح سرائی کرتے نہیں تھکتے اور اس کے کثرت فضائل و فوائد پر خوشی ومسرت کا اظہار کرتے رہتے ہیں ان کی کوئی مجلس اور محفل اس مدح وثنا سے خالی نہ ہوتی ہے اور نہ ان کی کتابوں اور مقالات میں سے کوئی کتاب اور مقالہ اس سے خالی ہوتا ہے اور ان کا عجیب وغریب شر وفساد اور ضرر ونقصان یہ ہے کہ وہ امورِ دینیہ کو بھی اس زمانہ کے احوال واخلاق کے مطابق ڈھالنا چاہتے ہیں حتیٰ کہ میں نے بعض لوگوں سے بارہا سُنا کہ وہ کہتے ہیں اس وقت ایک ایسی تفسیر کا تالیف کرنا وقت کا اہم اور بنیادی تقاضا ہے جو عصری ذوق طبائع کے مطابق ہو اور ان میں سے ایک آدمی کو یوں کہتے سُنا کہ وہ ایسی تفسیر لکھے گا جو اس زمانہ کے تقاضوں کے عین مطابق ہوگی اور اس کی ذاتی صلاحیت واستعداد یہ ہے کہ وہ متن آجرومیہ کو بھی سمجھنے کی اہلیت نہیں رکھتا۔

مجھے بعض ایسے لوگوں نے ازراہِ نصیحت وہمدردی کہا جو ان لوگوں کی مجالس ومحافل میں بیٹھا کرتے تھے اور ان کی گفت گو سنتے سنتے ان کے ذہن میں بھی یہ وساوس گھر کر چکے تھے اور ان کو برحق سمجھنے لگ گئے تھے کہ تو نے اپنی تصنیف وتالیف کے ذریعے اہلِ اسلام کو بڑا نفع پہنچایا ہے لیکن ایک فرض آپ کے ذمہ ابھی ادا کرنا باقی ہے۔ میں نے دریافت کیا وہ کیا ہے؟ تو اس نے کہا وہ یہ ہے کہ تم اس زمانہ کے ذوق اور میلانِ طبع کے مطابق کلام مجید فرقانِ حمید کی تفسیر لکھو کیوں کہ جو تفاسیر اس وقت ہمارے ہاتھوں میں ہیں وہ سابقہ زمانوں کے ذوقِ طبائع کے مطابق لکھی گئی تھیں۔ اب وہ حالت بدل چکی ہے اور لوگوں کے ذوق اور مشرب بدل چکے ہیں لہٰذا ایسی تفسیر کا تالیف کرنا لازم ہے جو ان کے ذوق کے مطابق ہو۔ میں نے اس کے جواب میں کہا کہ میں تو اس امرِ عظیم کا اہل نہیں ہوں اور مرتبہ تفسیر اور میرے درمیان اتنے طویل فاصلے ہیں اور بلند وبالا سیڑھیاں کہ ان کا پاٹنا اور ان پر چڑھنا میرے بس کا روگ نہیں ہے اور میری تمام تر تالیفات صرف فوائد کے جمع کرنے پر مشتمل ہیں جن میں سے اکثر نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے احوال طیبہ میں ہیں اور آپ کے فضائل وکمالات اور معجزات ومدائح پر مشتمل ہیں وعلیٰ ہذا القیاس جن میں میری ذاتی رائے کا کوئی دخل نہیں ہے بلکہ میرا بڑا کارنامہ صرف یہی ہے کہ میں نے ان کو نقل کر کے یکجا کر دیا ہے اور ان بکھرے موتیوں کو گویا ایک لڑی میں پرو دیا ہے

اور تفسیر کلام مجید سے علماء اعلام فارغ ہو چکے۔ انہوں نے اس کو نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام علیہم الرضوان اور بعد میں دنیاء اسلام کے اندر تشریف لانے والے ائمہ دین سے اس کو نقل کیا ہے اور ان موجودہ تفاسیر میں اس کو مدون کیا ہے اور یہ کافی ووافی ہیں اور جس طرح پہلے زمانوں کے موافق ومطابق تھیں اس زمانہ کے تقاضوں کے بھی مطابق وموافق ہیں کیوں کہ وہ

احکامِ شرعیہ جن پر کلام مجید مشتمل ہے وہ ہر انسان کے لیے موجب صلاح وخیر ہیں اور ان میں سب اعصار وازمان برابر ہیں اور کلام مجید میں ایسے معانی نہیں ہیں جن میں سے بعض تو صرف پہلے زمانوں کے ساتھ مختص ہوں اور بعض ایسے ہوں جو صرف پچھلے دور کے ساتھ مخصوص ہوں۔

رہا لوگوں کے ذوق ومشرب کا معاملہ تو وہ شریعتِ مطہرہ کے مطابق ہے تو ان کا مطلوب ومقصود ان تفاسیر میں موجود ہے اور اگر شریعت کے خلاف ہے تو ہمارے لیے کیوں کر ممکن ہے کہ ایسی تفاسیر تالیف کریں جو ان کے ذوقِ فاسد اور مشرب فاسد وناقص کے مطابق ہوں۔ ہمارے لیے قطعًا یہ جائز نہیں ہے کہ ہم محض اپنے عقل وفکر سے کلام مجید کی تفسیر کریں اور اس کو عصری تقاضوں پر منطبق کریں جیسے کہ یہ سفیہ اور رسواءِ زمانہ لوگ کہتے ہیں اور اپنے فہمِ سقیم اور عقلِ ناقص کے ساتھ کلام مجید کی تفسیر کر سکنے کے دعاوی کرتے ہیں کیوں کہ اپنے عقل وقیاس سے کلام اللہ کی تفسیر کرنا ممنوع ہے۔

تفسیر وتاویل میں فرق کا بیان اور مفسّر بننے کے شرائط :

اب میں یہاں چند ایسے اقوال نقل کرتا ہوں جو علماء اعلام نے تفسیر وتاویل کا فرق بیان کرتے ہوئے ذکر فرمائے ہیں :

امام سیوطی تفسیر اتقان میں متعدد اقوال نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ ایک قوم علماء اعلام کی یہ کہتی ہے کہ جو معنی کتاب اللہ میں مبین وواضح ہو اور سنتِ صحیحہ میں متعین کر دیا گیا ہو وہ تفسیر کہلائے گا کیوں کہ اس کا معنی واضح اور ظاہر ہو چکا ہے اور کسی کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ اجتہاد وغیرہ کے ذریعے اس کے درپے ہو بلکہ اس آیت کو اسی معنی پر حمل کرنا واجب ولازم ہے جو سُنّتِ صحیحہ میں وارد ہے اس سے تجاوز نہیں کر سکتا اور تاویل اس معنی کو کہتے ہیں جس کو معانی خطاب کے عالم، عامل اور علوم آلیہ کے ماہر استنباط کریں۔ امام سیوطی نے علماء عاملون ذکر فرما کر یہ واضح کر دیا کہ فساق وفجار خواہ بظاہر صاحب علم ہی کیوں نہ ہوں وہ تفسیر وتاویل کے اہل نہیں ہیں اگرچہ علومِ آلیہ میں ماہر ہی کیوں نہ ہوں چہ جائیکہ غیر ماہر مفسر قرآن بن بیٹھیں کیوں کہ وہ اپنے فسق وفجور کی وجہ سے اس اعتماد ووثوق کے لائق نہیں ہیں کہ انہوں نے جو کچھ کلام اللہ سے استنباط کیا ہے وہ درست ہے ہو سکتا ہے وہ ایسے معانی ومطالب کا استنباط واستخراج کریں جو ان کے حالِ بد کے لائق ہو اور ان کے فسق وفجور کے مطابق تاکہ اپنی عزت اور ساکھ کا نگاہِ خلق میں تحفظ کر سکیں۔

امام ابن جریر طبری رح نے اپنی تفسیر کے ابتداء میں فرمایا کہ مفسر کے لیے بنیادی شرط یہ ہے کہ وہ صحیح العقیدہ ہو اور سنّتِ مصطفوی کو لازم پکڑنے والا۔ اگر وہ اپنے دین ومذہب میں قابلِ اعتراض ہے تو اللہ تعالیٰ کے اسرار سے متعلق اس کی اخبار پر کیا اعتبار ہو سکتا ہے کیوں کہ اگر وہ الحاد وزندقہ کے ساتھ متہم ہے تو ہو سکتا ہے وہ اس تفسیر کے ذریعے فتنہ پھیلانے کے درپے ہو اور لوگوں کو دھوکہ دے کر نقصان پہنچانا چاہتا ہو۔ پھر فرمایا کہ اس کے لیے ضروری ہے کہ اس کا اعتماد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام سے منقول معانی پر ہو اور ان کے زبانِ سعادت نشان کو پا لینے والے تابعین کرام سے مروی معانی پر۔

کذا نقل الامام الزبیدی فی اواخر الجزء الرابع من شرح الاحیاء

اور یہ امر کسی پر بھی مخفی نہیں ہے کہ مفسر بننے کے لیے دیانت و امانت ضروری شرط ہے اور بنیادی ضرورت جس طرح کہ دیگر علوم کثیرہ میں مرتبۂ امامت پر فائز ہونا جیسا کہ اتقان وتفسیر طبری میں ہے اور میں نہیں سمجھتا کہ اس دور میں ایسا کوئی شخص اس وقت موجود ہے جو ان شرائط کا جامع ہو اور اس کے لیے تفسیر کلام اللہ اپنی رائے کے ساتھ کرنی درست ہو بغیر اس کے کہ وہ ائمہ سابقین کی تفاسیر پر اعتماد کرے اور اس زمانہ میں کسی عالم کے فضیلت مآب اور امام زمان ہونے کے لیے یہی قدر کافی ہے کہ ائمہ اسلاف اور صالحین امت کا کلام حفظ کرے اور اس کو صحیح طریقہ پر ادا کر سکے بغیر اس کے کہ ان کے کلام میں اپنے فہم ناقص اور رائے فاسد کے ساتھ تصرف کرے جو یقیناً ان کے فہم کامل اور ادراک وافر سے کمتر ہے جب کہ اس کے ساتھ ساتھ ان کو نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا قرب زمانی بھی حاصل ہے اور صحابہ کرام کے زمان سعادت نشان کا بھی۔ اور شرائط تفسیر یعنی کثرت علم وعمل بھی ان میں وافر مقدار میں موجود ہیں جب کہ اس زمانہ میں ان کا وافر مقدار میں ہونا تو دور کی بات ہے ان کا نفس وجود ہی نایاب ہوتا جارہا ہے اور جب یہ لوگ ان اسلاف کے ساتھ ہمسری اور برابری کا دعویٰ کریں تو یہ بہت بڑی مصیبت ہوگی۔ بہرحال نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہ کرام علیہم الرضوان اور تابعین کا اتباع ہی راہِ صواب حاصل کرنے کے لیے قوی اور درست سہارا ہے اور مومن کے دین وایمان کی صحیح حفاظت اور سلامتی کے لیے ضروری ہے، خواہ ہم یہ فرض کر بھی لیں کہ ان کے علاوہ بعض لوگوں نے ائمہ تفسیر کی تمام شرائط کو اپنے اندر جمع کر لیا اور ہر علم میں عدیم النظیر اور فقید المثال بن چکے ہیں چہ جائیکہ یہ متعلمین ناقص العقول اور رسوائے زمانہ جو اسلام اور اہلِ اسلام کے حق میں بہت بڑی مصیبت ہیں اور کتنا ہی خوب ہے میرا وہ قول جو میں نے ایک موشح قصیدہ میں ذکر کیا ہے جس کے اندر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حمد وثنا رکی ہے اور وہ میرے مجموعۂ نبہانیہ کا آخری قصیدہ ہے جس میں متعدد قصائد کا ذکر ہے ؎

۱ : جَاءَ وَالْکَوْنُ مَرِیْضٌ فَشَفَا　　　بِهُدَاهُ کُلَّ عَبْدٍ مُؤْمِنٍ

نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما ہوئے جب کہ تمام عالم مرض جہل وکفر میں مبتلا تھا تو آپ نے اپنی ہدایت سے ہر بندۂ مومن کو شفا بخشی۔

۲ : وَلَقَدْ اَسْمَعَ لَمَّا هَتَفَا　　　مَنْ مَضٰی اَوْ مَنْ اَتٰی فِی الزَّمَنْ

جب انہوں نے کلام کیا اور آغازِ تعلیم وارشاد فرمایا تو پہلے اور بعد میں آنے والے سبھی لوگوں کو اپنا پیغام صداقت نشان سنا دیا۔

۳ : کَمْ لَهٗ مِنْ مُعْجِزَاتٍ بَاهِرَاتٍ　　　مَا لَهَا بَیْنَ الْبَرَایَا مِنْ نَظِیْرٍ

آپ کے کتنے معجزات ہیں جو ظاہر وواضح ہیں اور ان کی مخلوق میں کوئی نظیر اور مثال نہیں ہے

۴ : دَامَ مِنْهَا حُکْمُهٗ بَعْدَ الْمَمَاتِ　　　وَاِلَی الْحَشْرِ الْکِتَابِ الْمُسْتَنِیْرِ

ان میں سے ایک معجزہ یہ ہے کہ آپ کے وصال کے بعد بھی آپ کا حکم اور روشن کتاب باقی ہیں جو لوگوں کے دلوں کو نورِ ایمان وایقان سے منور کرنے والے ہیں۔

۵ : کُلُّهٗ اٰیَاتُ حَقٍّ بَیِّنَاتٍ　　　دَلَّتِ النَّاسَ عَلٰی صِدْقِ الْبَشِیْرِ

وہ سبھی حق وصداقت کی آیاتِ بینہ ہیں جنہوں نے لوگوں کی بشیر ومبشر نبیٔ رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کے صدق و راستگوئی کی طرف رہنمائی کی ہے۔

۶ : اَعْجَزَتْهُمْ سَلَفًا وَالْخَلَفَاءَ　　　فَاسْتَوَی الْغَدَمُ وَاَذْکٰی لَسِنٍ

ان آیاتِ بینات نے سب اسلاف و اخلاف کو عاجز کر دیا ہے خواہ وہ غیر فصیح اور اظہار مافی الضمیر سے قاصر تھے یا انتہائی ذکی وفصیح اللسان۔

۷ : وَهَدَتْهُمْ غَیْرَ قَلْبٍ اَغْلَفَاءَ　　　وَالْعَمٰی فِی الْقَلْبِ لَا فِی الْاَعْیُنِ

ان آیاتِ بینات نے سب لوگوں کو سبیل رشاد اور راہِ راست کی طرف رہنمائی فرمائی ماسوا پردۂ غفلت میں مستور ومحجوب دلوں کے اور عمیٰ واندھاپن صرف آنکھوں میں نہیں ہے بلکہ حقیقتہً اندھا وہی ہے جو دونوں جہانوں میں اندھا ہے (مَنْ کَانَ فِیْ هٰذِهٖ اَعْمٰی فَهُوَ فِی الْاٰخِرَةِ اَعْمٰی)

۸ : بَحْرُ عِلْمٍ مَا لَهٗ مِنْ سَاحِلٍ　　　جَاءَ تَفْسِیْرًا لَّهٗ قَوْلُ الرَّسُوْلِ

یہ کلام مجید علم کا ایسا سمندر ہے جس کا ساحل ناپدید ہے اور قول رسول صلی اللہ علیہ وسلم اس کی تفسیر ہے۔

۹ : وَاَتٰی عَنْ کُلِّ حِبْرٍ فَاضِلٍ　　　لَهُمَا شَرْحٌ مِنَ الْعِلْمِ یَطُوْلُ

اور ہر عالم کامل وفاضل سے کتاب وسنت کی طویل تفسیر وشرح منقول ہے۔

۱۰ : رُبَّ مَجْنُوْنٍ بِدَعْوٰی عَاقِلٍ　　　لَا یَرٰی فَضْلَ الْاَئِمَّةِ الْفُحُوْلِ

کتنے مجنوں ہیں جو محض اپنے دعویٰ کے مطابق عقلمند ہیں اور ائمہ فحول اور علمائے اعلام کی فضیلت وبرتری کا عقیدہ نہیں رکھتے۔

۱۱ : دَعْهُ لَا تَحْفَلْ بِهٖ مَهْمَا جَفَا　　　وَغَدَا فِی الْقَوْلِ اَذْکٰی فَاطِنٍ

اس کو چھوڑ دیجیے اور قطعاً اس کی پروا نہ کیجیے جہاں بھی جفا کاری سے کام لے اور اپنے قول باطل اور دعویٰ عاطل میں بہت بڑا ذکی وذہین بن بیٹھے۔

۱۲ : کَانَ هَادِیْنَا عَلَیْنَا اَخْوَفَا　　　مِنْ سَفِیْهٍ حَازَ عِلْمَ الْاَلْسُنِ

ہمارے ہادیٔ مکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے حق میں ایسے کم عقلوں سے بہت زیادہ اندیشہ ناک اور فکرمند تھے جو محض لغات کا علم حاصل کر لیں (اور حقائق وبواطن امور سے کلیتہً بے بہرہ ہوں)۔

۱۳ : فَعَلَیْهِ اللّٰهُ صَلّٰی مِنْ شَفِیْقٍ　　　حَذَّرَ الْاُمَّةَ اَسْبَابَ الضَّلَالِ

اللہ تعالیٰ ان پر صلوات نازل فرمائے وہ امت کے حق میں کتنے شفیق ومہربان ہیں جنہوں نے امت کو ضلالت وگمراہی کے اسباب سے بچایا۔

۱۴:- لم یدع فی الدین والدنیا طریق لھدانا مالہ فیھا مقال

انہوں نے دین اور دنیا میں کوئی ایسا راستہ نہیں چھوڑا جس کی ہمیں ہدایت نہ فرما دی ہو، جس میں قیل وقال کی گنجائش نہیں رہی۔

۱۵:- ایھا المفتون کم لا تستفیق وتری ما انت فیہ من وبال

اے بے سمجھ! تو کب تک توفیق حاصل نہیں کرے گا اور جس وبال میں تو ہے اُسے نہیں دیکھے گا۔

۱۶:- اتبع واسلك سبیل الحنفا من سعی فی نھجھم لم یفتتن

اللہ والوں کے راستے پر چل اور اُن کی پیروی کر کیونکہ جو اُن کے طریقوں پر چلے وہ فتنوں میں مبتلا نہیں ہوتے۔

۱۷:- ھم بقول اللہ کانوا اعرفا من سواھم و معانی السنن

وہ دوسروں کی نسبت ارشاداتِ خداوندی اور سنتوں کے مفہوم ومعانی کو زیادہ جاننے پہچاننے والے تھے۔

۱۸:- خل ھٰذا فیہ القول فضول عند من سقت لھم ھذا الکلام

اس سے کنارا کش ہو جا اور اُس کی فضول گفتگو کو چھوڑ دے جس کی اس بات کو بزرگوں نے چھوڑ دیا ہے۔

۱۹:- لَمْ تُؤَثِّرْ فِیْهِمْ بِیْضُ النُّقُوْلِ اَتَرٰی یُرْدِعُهُمْ مِنِّی الْمَلَامُ

ان میں نقول وحوالجات کی سفید وبراق تلواریں مؤثر ثابت نہیں ہوئیں تو کیا خیال ہے کہ میری ملامت ان کو باز رکھ سکتی ہے

۲۰:- خَلِّهِمْ وَارْجِعْ اِلٰی مَدْحِ الرَّسُوْلِ صَفْوَةِ الرَّحْمٰنِ مِنْ کُلِّ الْاَنَامِ

ان کو اپنے حال پر چھوڑیے اور مدح رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف رجوع کیجیے جو ساری مخلوق میں اللہ تعالیٰ کا انتخاب ہیں

۲۱:- دُمْ عَلَی الْمَدْحِ لَهٗ مُعْتَکِفًا وَاتَّخِذْهُ لَكَ اَقْوٰی جَوْشَنٍ

ان کی مدح وثنا پر اپنے آپ کو پابند ودام اور مقید مدام رکھ۔ اور اس مدح وثناء کو بلیات سے تحفظ کے لیے مضبوط زرہ بنا۔

۲۲:- وَتَقَلَّدْهُ حُسَامًا مُرْهَفًا قَاطِعًا اَعْنَاقَ کُلِّ الْمِحَنِ

اور محبوب کریم کی مدح وثناء والی تیز دھار والی تلوار کو حمائل کر جو تمام محن وشدائد اور مشکلات ومصائب کی گردنیں کاٹنے والی ہے۔

حاصل مرام اور خلاصہ کلام یہ ہے کہ یہ فرقہ رذیلہ مبتلا ر مکر وفریب (جو صحیح معنوں میں طلبہ رسلم سے بھی نہیں ہیں) انتہائی غبی اور ناقص العقل والدین ہیں۔ ان کا ضرر ونقصان صرف یہ نہیں کہ ان کے حق میں عظیم ہے بلکہ ان کے ساتھ میل جول اور اختلاط رکھنے والوں اور ان کا کلام سننے والوں کے حق میں بھی زیادہ اور ناقابل تلافی ہے۔ کیونکہ وہ لوگ مختلف اہل زیغ وضلال وہابیہ اور دیگر فرقوں کے عقائد متفرقہ کو اپنے اندر جمع کر لینے کی وجہ سے اور ان گمراہ فرقوں کی گمراہیوں اور بے دینیوں کو مستحسن قرار دینے کی وجہ سے سب اہلِ زیغ وضلال سے اہلِ اسلام کے حق میں زیادہ نقصان دہ ہیں۔

یہ اس لیے کہ وہابیہ ایسی قوم ہے جو بدعات واختراعات کے بلاد نجد میں ظاہر ہوئی اور ان کا مذہب دوسرے ارد گرد کے علاقوں میں بھی پھیل گیا۔ پھر ان کا سایہ سکڑ گیا اور وہ قلت وذلت کا شکار ہو گئے اور اپنے علاقہ میں محصور ومنحصر اور سکڑ وسمٹ کر رہ گئے۔ باوجودیکہ وہ حنبلی ہونے کا دعوی کرتے ہیں مگر امام احمد کے علماء مذہب نے ان کو غلو وتشدد اور اہلِ اسلام کو گمراہ وبے دین قرار دینے کی وجہ سے سخت اعتراضات وتنقیدات کا نشانہ بنایا ہے۔ [۱]

غیر مقلدین کی عیاریاں ومکاریاں:

یہ فرقہ جدیدہ مختلف مذاہب ومسالک کا مجموعہ ہے جس میں نہ علم ہے اور نہ ہی تقویٰ اور نہ ان کے پاس دوسرے مذاہب والوں کی مانند قواعد وضوابط ہیں کہ جن کا وہ سہارا لیں۔ ان کا قدر مشترک صرف انکار وفساد ہے اور ائمہ اخیار پر اعتراض وانکار وہ عام لوگوں کے ساتھ میل جول رکھتے ہیں اور اپنی آراء فاسدہ کو اور مضر ترین ضلالات وگمراہیوں کو مختصر رسائل کی صورت میں شائع کرتے ہیں۔ اور ان کو علماء اہل سنت اور ان کی کتابوں کی طرف بزعم خویش منسوب کر کے نشر کرتے ہیں۔ جب علماء عارفین اور صلحاء کاملین ان کے کلام پر مطلع ہوتے ہیں تو وہ اس کو حقیر سمجھتے ہوئے اس سے اعراض کرتے ہیں۔ اور دوبارہ اس کے مطالعہ کی طرف رجوع نہیں کرتے کیونکہ وہ مذاہب ائمۃ المسلمین اور احکام دین کے مخالف ہوتا ہے لہذا ان پر تو اس مکر وفریب سے کوئی ضرر عائد نہیں ہوتا۔ لیکن عوام بسا اوقات اپنی جہالت کی وجہ سے اس میں سے بعض کو مستحسن سمجھتے ہیں اور اپنے دین میں خلل وفساد داخل کر بیٹھتے ہیں۔ اور ان پر ان لوگوں سے سنا ہوا باطل اس حق وصواب کے ساتھ ملتبس ومشتبہ ہو جاتا ہے جو انہوں نے علماء حق سے سن رکھا ہوتا ہے لہذا وہ اشتباہ والتباس کا شکار ہو جاتے ہیں اور شر وفسادات

---

[۱] علامہ نبہانی کا فرقہ وہابیہ کو قلیل وذلیل قرار دینا ان کے زمانہ کے لحاظ سے ہے ورنہ ترکوں کے خلاف بغاوت کر کے اور انگریز کے ساتھ سازباز کر کے اس نے بلاد نجد میں حکومت قائم کر کے اور بعد ازاں شریفِ مکہ کو شکست دے کر حجاز مقدس پر قبضہ کر کے ایک مستحکم حکومت قائم کر لی ہے اور دنیا کے تمام وہابی اس حکومت باغیہ کے تسلط وتغلب کی وجہ سے بہت زیادہ نازاں وفرحاں ہیں اور ان کے زر سیال کی غیر محدود دولت سے استفادہ کی خاطر بعض سنی حنفی ہونے کے دعویدار بھی ان کے ہم نوا ہیں اور ان کی مدح سرائی میں شب وروز مصروف ومنہمک رہتے ہیں۔ یہ لوگ اس بات کو بھول جاتے ہیں کہ ان کی حکومت حجاز مقدس میں بعد میں قائم ہوئی۔ اگر اس سے قبل تیرہ سو سال سے زیادہ عرصہ وہاں اہل سنت وجماعت کی حکومت کا قائم رہنا ان کے حق وصواب پر قائم ودائم ہونے کی دلیل نہیں بن سکتا تو چند سال سے ان کی قائم شدہ حکومت اور وہ بھی انگریز کے زیر سایہ کیونکر ان کے عقائد قبیحہ اور نظریات فاسدہ کے صحیح وصواب ہونے کی دلیل بن سکتی ہے۔ اے کاش علماء دیوبند، المہند اور شہاب ثاقب میں بیان کردہ اپنے خیالات کو آج بھی یاد رکھتے اور گرگٹ کی طرح مختلف رنگ نہ بدلتے۔ اور امت مسلمہ کو اختلاف وانتشار میں مبتلا نہ کرتے۔ ھذا محمد اشرف۔

بڑھ جاتے ہیں۔

تو معلوم ہو گیا کہ یہ لوگ وہابیہ اور دیگر فرقہ ضالہ مبتدعہ کی نسبت بھی زیادہ نقصان دہ ہیں۔

غیر مقلدین ابلیس کا لشکر و سپاہ ہیں :

لہٰذا اس فرقہ جدیدہ سے بچو جو تمام ائمہ دین کے مذاہب و مسالک کو پس پشت ڈالنے والا ہے اور جمہور اہلِ اسلام کی مخالفت کرتے ہوئے مومنین کے راستہ کے علاوہ دوسرے راستہ کی اتباع کرنے والا ہے۔ ہر وہ شخص جو اللہ تعالیٰ اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور اس کے دین حنیف سے محبت رکھتا ہے وہ ان منحوس طلبہ علم سے اپنا اور اپنے دین و ایمان کا تحفظ کرتا ہے کیونکہ وہ ابلیس کے لشکروں میں سے سب سے بڑا لشکر ہے جس کو اس نے اس بدترین دور میں اہلِ اسلام کے عقائد تباہ کرنے کے لیے تیار کر رکھا ہے اور ان کو ارباب ہدایت اور کامل الایمان لوگوں کے گمراہ کرنے کے لیے مضبوط و توانا مددگار بنا رکھا ہے۔

علی الخصوص وہ لوگ جو ان میں سے قدرے علوم عقلیہ و نقلیہ کو حاصل کر لیتے ہیں تو وہ کم علم غیر مقلدین کی نسبت زیادہ نقصان دہ ثابت ہوتے ہیں کیونکہ وہ ان علوم و صنائع کو فساد اور اضلال عباد یعنی انہیں گمراہ کرنے کا ذریعہ بنا لیتے ہیں۔ کتنا ہی خوب ہے وہ قول جو امام عبدالوہاب شعرانی رحؒ نے اپنے شیخ خواص سے نقل کیا ہے کہ میں نے شیخ ابراہیم متبولی کو فرماتے ہوئے سنا۔ زِیَادَۃُ الْعِلْمِ فِی الرَّجُلِ السُّوْءِ کَزِیَادَۃِ الْمَاءِ فِیْ اُصُوْلِ شَجَرِ الْحَنْظَلِ کُلَّمَا اِزْدَادَ رِیًّا اِزْدَادَ مَرَارَۃً برے آدمی اور بدکردار کج فہم شخص کے لیے علم کی فراوانی یوں ہے جیسے حنظل کے پودے کی جڑوں میں پانی کی فراوانی کہ جس قدر اس کی سیرابی بڑھتی جائے گی اسی تناسب سے اس کی کڑواہٹ بڑھتی چلی جائے گی۔

غیر مقلدین کی امتیازی علامت :

اور ان کے اوصاف ذمیمہ جن کی وجہ سے وہ دوسروں سے ممتاز ہیں اُن میں سے ایک صفت ذمیمہ ہے ان کا بہت بڑا جھگڑالو اور خصومت پیشہ ہونا اور اپنے باطل خیالات کی ہر ممکن حمایت کرنا بشرطیکہ ضرر و نقصان سے مطمئن ہوں۔ خصوصاً ان علاقوں میں جہاں فُسّاق و فجار قلت حیاء اور قلت دین کی وجہ سے علانیہ فسق و فجور کے مرتکب ہوں جس طرح مصر کے بلاد اور شہر ہیں۔

حضرت امام احمدؒ اور دیگر محدثین نے حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ مَا ضَلَّ قَوْمٌ بَعْدَ هُدًى كَانُوْا عَلَيْهِ اِلَّا اُوْتُوا الْجَدَلَ۔ نہیں گمراہ ہوتی کوئی قوم بعد ہدایت کے جس پر کہ تھی مگر یہ کہ ان کو باہم خصومت و مجادلت دے دی جاتی ہے۔ پھر آپ نے یہ آیۂ مبارکہ تلاوت فرمائی۔ بَلْ هُمْ قَوْمٌ خَصِمُوْنَ۔

بلکہ وہ جھگڑالو قوم ہے۔ امام حفنی نے جامع صغیر پر اپنے حاشیہ میں فرمایا کہ قول نبوی اُوْتُوا الْجَدَلَ سے مراد یہ ہے کہ وہ باطل کے ذریعے حق کے ساتھ خصومت و تنازعہ کرتے ہیں۔ جب کوئی قوم اپنی خواہشات نفس کا اتباع کرتی ہے تو اللہ تعالیٰ ان کو باہمی نزاع و اختلاف میں مبتلا کر دیتا ہے۔

غیر مقلدین اگرچہ کافر نہیں لیکن سخت ضلالت و گمراہی کا شکار ہیں :

میں یہ نہیں کہتا کہ یہ جماعتِ کفار ہے کیونکہ مجھے ان کے کافر قرار دینے کی کوئی وجہ معلوم نہیں ہو سکی۔ میں صرف یہ کہتا ہوں کہ یہ لوگ جن کاذب اور جھوٹے دعاوی کے مدعی ہیں اور سقیم و ذمیم افکار و خیالات، مضر اور غلیظ و بدبودار آراء و نظریات کے حامل ہیں۔ جن کا بیان پہلے گزر چکا ہے۔ وہ ضلالت و گمراہی کے جملہ انواع و اقسام سے شدید و سنگین ہیں، فسق و فجور کے جملہ انواع سے قبیح تر ہیں۔ جملہ اقسامِ بدعت سے بدتر ہیں۔ تمام انواع معاصی و آثام سے بدتر ہیں اور وہ خود اپنے لیے دینِ اسلام اور اہلِ اسلام کے لیے بہت زیادہ موجب ضرر ہیں کیونکہ یہ لوگ دراصل اہلِ سنت و جماعت کے مختلف مذاہب سے متعلق رہ چکے ہیں۔ بعض حنفی تھے اور بعض شافعی، بعض مالکی تھے اور بعض حنبلی لیکن ان تمام مذاہب سے علیحدہ ہو کر ایک نیا فرقہ بن گئے ہیں جو مختلف مذاہب و مسالک کا مجموعہ ہے اور ان کا دین اور طرز و طریقہ صرف ائمہ امت، علماء و صوفیہ، صلحاء امت اور اولیاء و اصفیا پر اعتراض و انکار رہ گیا ہے۔ وہ امر قبیح کا ارتکاب کر کے اپنی حدود سے تجاوز کر گئے ہیں اور راہ ہدایت و رشد کو گم کر چکے ہیں اور بایں ہمہ گمان یہ کرتے ہیں کہ وہ بہت اچھا کام کر رہے ہیں اور امت محمدیہ کے لیے ہدایت و نفع کا بندوبست کر رہے ہیں۔ انہیں یہ معلوم نہیں ہے کہ وہ اس ذریعہ سے بدترین ذنوب و آثام کے مرتکب ہو چکے ہیں اور سب مخلوق کو گمراہ کرنے کا سبب بنے ہوئے ہیں۔ وہ علماء اعلام کی اہانت کرتے ہیں حالانکہ وہی اسلام کے ہادی اور رہنما ہیں تو لوگوں کا ان سے انتفاع کم ہو جاتا ہے۔ اور علماء اعلام۔ ائمہ اسلام سے دوری کی وجہ سے ان کے اخلاق و عادات بدتر ہو جاتے ہیں۔

علی الخصوص اس زمانہ میں جو خود کاسد اور فاسد ہے اور اس کے اندر علم اور اہلِ علم بھی کھوٹے سکہ کی مانند ناقابل اعتبار ہو چکے ہیں۔

دین متین کے مآخذ کا بیان :

اس بات کو اچھی طرح معلوم کر لیں کہ دین صرف امین علماء اعلام سے حاصل کیا جا سکتا ہے اور کتب معتمدہ معتبرہ سے نہ کہ ان جرائد و رسائل سے جو مختلف کتابوں سے بلا سیاق و سباق چند عبارات درج کر کے تیار کر لیے جاتے ہیں۔ دین اسلام جس طرح درایۃً و عقلاً تمام ادیان سے صحیح ترین دین ہے اسی طرح وہ روایت و نقل کے لحاظ سے بھی سب سے اصح دین ہے

اس کو پختہ علم والے ائمہ نے، کامل حفظ وضبط کے مالک حفاظ نے اور ثقہ وصادق علماء عاملین نے روایت کیا ہے۔ انہوں نے بالخصوص راویوں کے احوال سے بحث وتفتیش کے لیے متعدد کتابیں تالیف کی ہیں تاکہ اس دین مبین میں فساق اور زندیق لوگوں کے وضع کردہ جھوٹے احکام سے کوئی چیز داخل نہ کر دی جائے جن کی روایات کو ائمہ اعلام نے پس پشت ڈال دیا ہے اور ان کی مرویات کو بہتان وافتراء قرار دیا ہے۔ انہوں نے ان کی کاذب وموضوع روایات پر تنبیہ کر دی ہے اور لوگوں کو ان سے دور رہنے کی تلقین کی ہے۔ اور زمان اول کے راویوں کی انتہائی تحقیق وتدقیق کی ہے جن میں سے علم کا دعویٰ صرف علماء اعلام کو ہوتا تھا۔ چہ جائیکہ سفیہ وکم عقل اجتہاد مطلق کے مدعی بن بیٹھیں، اور اس دور کا کذب وفسق کے ساتھ متہم شخص آج کے دور کے ان مجتہدین، کذابوں، جہال وفساق اور مجنونوں کی نسبت انتہائی صادق اور متقی اشخاص سے شمار کیا جائے گا۔ یہ لوگ اگر حقیقی شیطان نہیں تو اس کے بھائی ضرور ہیں۔

اور جب پہلے دور کے متہم لوگوں سے مروی احکام دین ائمہ اسلام کے نزدیک ساقط اور ناقابل اعتبار ہیں تو آخری دور کے ان مجرموں سے مروی احکامِ دین ائمہ اسلام کے نزدیک کیونکر قابلِ اعتماد ہو سکتے ہیں؟ اس امر میں شک وشبہ کی گنجائش نہیں ہے کہ یہ اشرار بطریق اولیٰ شایان اعتماد واعتبار نہیں ہیں کیونکہ ان کا فسق وفجور بہت زیادہ ہے۔ ان میں سے اکثریت نماز جیسے اہم فریضہ کی تارک ہے اور انواع واقسام کے محرمات وقبائح کی مرتکب ہے۔

جھوٹ اور غلط بیانی تو اس قوم کا اوڑھنا بچھونا ہے۔ اگر ان کی انتہائی جہالت وحماقت کے باوجود صرف ان کے اجتہاد مطلق کے دعویٰ ہی کو پیشِ نظر رکھیں تو ان کے سب سے زیادہ کاذب وجھوٹا ہونے کے لیے یہی چیز کافی ہے اور کسی دلیل کذب کی ضرورت نہیں ہے۔ لہٰذا ان سے دینِ اسلام کے احکام کا اخذ کرنا اور حلال کی حلت اور حرام کی حرمت معلوم کرنا کیونکر ممکن ہے اور اس کے ساتھ ساتھ ان کا ائمہ سابقین، علماء عاملین، اولیاء صالحین پر طعن وتنقید کرنا بھی شامل کر لو تو ان کا کذب وافتراء درجہ غایت تک پہنچا ہوا نظر آتا ہے۔ مجھے اپنے خالق حیات کی قسم ہے کہ عورتوں، بچوں اور جاہل ترین لوگوں سے دین کا حاصل کر لینا زیادہ قابلِ اعتماد اور لائق اعتبار ہے بہ نسبت ان کم عقل، گمراہ لوگوں کے علاوہ ازیں وہ بالعموم اپنی حماقتوں اور جہالتوں کو کسی امام معین سے نقل نہیں کرتے ہیں اور اپنی خرافات کی نسبت کسی دلیل کی طرف نہیں کرتے جو قابلِ فہم ہو۔ اور وہ اس بات پر اپنے زعم فاسد کے مطابق فخر ونازکرتے ہیں کہ ہم کتاب وسنت سے احکام کا استنباط کرتے ہیں اور وہ کسی امام کے متبع نہیں ہیں تو ان کا دین درحقیقت ان کے خواہشاتِ نفس کے تابع ہے۔ حالانکہ ھادی اعظم فخر دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے ”اِنَّ ھٰذَا الْعِلْمَ دِیْنٌ فَانْظُرُوْا عَمَّنْ تَاخُذُوْنَ دِیْنَکُمْ۔ یہ علم سراسر دین ہے لہٰذا اچھی طرح غور کرو کہ تم اپنا دین کس سے حاصل کرتے ہو۔ اس روایت کو حاکم نے مستدرک میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

علامہ عزیزی نے اس کی شرح میں فرمایا کہ یہ علم یعنی شرعی علم جو کہ تفسیر وحدیث اور فقہ پر صادق آتا ہے۔ اور

ارشاد نبوی ”فَانْظُرُوْا عَمَّنْ تَاخُذُوْنَ دِیْنَکُمْ“ کے بعد فرمایا کہ اس کو نہ حاصل کرو مگر ان لوگوں سے جن کی سیرت وسریرت اور ظاہر وباطن عمل صالح اور اعتقاد صحیح سے آراستہ وپیراستہ ہو اور پاکیزہ تر ہو چکا ہو اور تمہیں اس کی امانت ودیانت کی پوری تحقیق وتسلی ہو جائے۔

امام ابن حجر نے شرح شمائل میں امام ترمذی کے حضرت محمد بن سیرین سے نقل کردہ قول ”ھٰذَا الْحَدِیْثُ دِیْنٌ فَانْظُرُوْا عَمَّنْ تَاخُذُوْنَ دِیْنَکُمْ“ کے تحت فرمایا کہ اس قول پر کتاب کا اختتام کرنے میں حکمت ومصلحت یہ ہے کہ علم سنت کی طرف ترغیب دلائی جائے اور علی الخصوص بلیات اور امتحانات میں مبتلا ہونے کی صورت میں لیکن اس کی تحویل واخذ میں احتیاط سے کام لیا جائے۔ اور اہلِ دین واہل ورع کو تلاش کر کے صرف انہیں سے اس کو حاصل کیا جائے۔

امام مناوی نے شرح شمائل کے آخر میں فَانْظُرُوْا عَمَّنْ تَاخُذُوْنَ دِیْنَکُمْ کے تحت فرمایا کہ امام شافعی نے حضرت عروہ سے نقل کیا ہے کہ وہ حدیث مبارک کو سنتے تھے اور اس کو انتہائی حسین سمجھتے لیکن اس کو روایت نہیں کرتے تھے کیونکہ وہ بعض راویوں پر وثوق واعتماد نہیں رکھتے تھے لہٰذا ان سے روایات اخذ نہیں کرتے تھے اور اس سے ہمارا مقصد یہ ہے کہ روایات کے معاملہ میں احتیاط لازم ہے اور نقل حدیث میں وثوق وتحقیق ضروری ہے اور جو راوی اس قابل ہیں کہ ان سے روایت لی جائے ان کا اعتبار ولحاظ ضروری ہے۔ نیز ان کی سند میں موجود راویوں کی یکے بعد دیگرے تحقیق اور چھان پھٹک لازم ہے تاکہ ان میں کوئی ایسا شخص نہ ہو جو مجروح ہو یا منکرالحدیث اور غافل ہو۔ کذاب ہو یا قول وفعل کے لحاظ سے قابل تنقید واعتراض۔ اور جس میں خلل ہو اس سے روایت کا ترک کرنا ہر عقلمند کے لیے واجب ولازم ہے۔

خطیب بغدادی اور دیگر محدثین وعلماء نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مرفوعًا نقل فرمایا ہے۔ لَا تَاخُذُوْنَ الْحَدِیْثَ اِلَّا عَمَّنْ تُجِیْزُوْنَ شَھَادَتَہٗ“ حدیث نہ حاصل کرو مگر صرف ان لوگوں سے جن کی شہادت کو جائز رکھتے ہو اور قابلِ قبول سمجھتے ہو۔

ابن عساکر نے امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ سے نقل فرمایا ” لَا تَحْمِلُ الْعِلْمَ عَنْ اَھْلِ الْبِدَعِ وَلَا تَحْمِلْہُ عَمَّنْ لَمْ یُعْرَفْ بِالطَّلَبِ وَلَا عَمَّنْ یُکَذِّبُ فِیْ حَدِیْثِ النَّاسِ وَاِنْ کَانَ فِیْ حَدِیْثِ رَسُوْلِ اللّٰہِ لَا یُکَذِّبُ“ علم کو نہ اہلِ بدعت سے حاصل کر اور نہ ایسے شخص سے جو طالبِ علم اور اس کی تحصیل کے ساتھ معروف ومشہور نہیں ہے اور نہ اس سے جو عام لوگوں کے ساتھ گفتگو میں دروغ گوئی سے کام لیتا ہو اگرچہ حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں کذب بیانی سے کام نہ لیتا ہو۔ انتہیٰ کلام المناوی۔

میرے شیخ المشائخ علامہ امام باجوری مصری شمائل ترمذی کے حاشیہ میں قول نبوی ”فَانْظُرُوْا عَمَّنْ تَاخُذُوْنَ دِیْنَکُمْ کے تحت فرماتے ہیں کہ اچھی طرح غور وفکر کر لو کہ دین کو کن لوگوں سے روایت کرتے ہو لہٰذا اس کو صرف انہی لوگوں سے

روایت کرو جن کی اہلیت وصلاحیت پر تمہیں پورا پورا اعتماد ووثوق ہو بایں طور کہ وہ عدول وثقہ لوگ ہوں اور صاحب ضبط واتقان۔ دیلمی نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مرفوعاً نقل کیا ہے "کہ یہ علم دین ہے" نماز دین ہے لہٰذا اچھی طرح غور وفکر کرو کہ اس علم کو کن لوگوں سے حاصل کرتے ہو اور یہ نماز کس طرح پڑھتے ہو کیونکہ تم سے قیامت کے دن سوال کیا جائے گا۔ اور جامع صغیر میں ہے "یہ علم دین ہے" لہٰذا پوری تحقیق وتفتیش کرو کہ اس کو کس سے حاصل کر رہے ہو اور اس علم سے علم شرعی کی طرف اشارہ ہے جو تفسیر وحدیث اور فقہ پر صادق آتا ہے اور اس میں شک وشبہ کی گنجائش نہیں ہے کہ یہ تینوں اصل دین ہیں اور باقی ان کے تابع ہیں اور ان متبدعین وفساق کی واضح ضلالت وگمراہی اور سبیل مومنین وصراط مستقیم کی مخالفت تو تمہیں معلوم ہو ہی چکی ہے۔ لہٰذا جو شخص ان کے ہی گروہ کا ایک فرد بننا چاہتا ہے۔ وہ تو ان سے دین کو حاصل کرے اور جو شخص اپنے دین وعقیدہ کو شک وارتیاب سے محفوظ رکھنا چاہتا ہے۔ نیز مذاہب اربعہ کا پابند رہنا اور اہل اسلام کی مخالفت سے بچنا چاہتا ہے۔ جو تمام اطراف واکناف جہاں میں پھیلے ہوئے ہیں اور ہر زمانہ وہر عصر میں موجود رہے ہیں تو وہ ان متبدعین سے کلیۃً اجتناب کرے اور اپنے مذہب کے احکام کی اتباع کا اچھی طرح اہتمام کرے۔ اور علماء اہل سنت وجماعت کی اقتداء کا التزام کرے جو خود ہدایت یافتہ ہیں اور دوسروں کو راہ ہدایت پر گامزن کرتے ہیں خواہ ان کا مذاہب اربعہ میں سے جس مذہب کے ساتھ بھی تعلق ہو ماسوا ان کے جو بدعتی ہونے کے ساتھ معروف ومشہور رہیں جس طرح ابن تیمیہ اور اس کے موافقین ومتبعین جنہوں نے اس کی خرافات اور یاوہ گوئیوں میں اس کا ساتھ دیا ہے جن کی وجہ سے اس نے جمہور ائمہ اسلام اور علماء دین کی مخالفت کی ہے اور وہ سارے جہان میں بدنامی کے ساتھ زبان زد خواص وعوام بن گیا ہے۔ وہ ان طلبہ علم اور متبدعین کے اسلام اور اہل اسلام کے مخالف نظریات یعنی استغاثہ کی ممنوعیت، زیارت سید المرسلین اور انبیاء وصالحین کے لیے سفر کی ممنوعیت کے قول وعقیدہ میں امام ومقتداء ہے۔

غیر مقلدین کی فقہاء ومحدثین کو بدنام کرنے کی ناپاک سعی :

ان رذیل ومغرور لوگوں کا دارومدار محض الفاظ کی تزئین وآرائش پر ہے۔ اور اس اعلان وادعاء پر کہ ہمارا مدعا ومقصد صرف دین متین کی نصرت وامداد ہے۔ امت کی ہدایت ورہنمائی اور اسلام واہل اسلام کی خدمت تو بعض حقیقت حال سے بے خبر متعلمین وطلبہ کو ان کی حالت تعجب میں ڈالتی ہے۔ بس کچھ عرصہ ہی گزرتا ہے کہ ان کی مکر وفریب سے بھرپور عبارات کو سن کر اور ان کی کتابوں اور رسالوں کو دیکھ کر وہ بھی ان میں سے ہو جاتے ہیں۔

ان فساق ومفتون لوگوں کا طرز وطریق یہ ہے کہ وہ علماء کرام کی کتابوں سے ان کی لغزشوں کو تلاش کرتے رہتے ہیں اور پھر عوام میں اس امر کی تشہیر کرتے ہیں کہ فلاں فقیہ نے فلاں کتاب میں اس طرح کہا ہے۔ اس فقیہ پر اعتراض کرتے ہیں اور پھر ان کا دائرہ تنقید واعتراض تمام مذاہب کے فقہا تک پھیل جاتا ہے۔ کسی محدث کی ناپسندیدہ عبارت دیکھتے ہیں

تو اس کو نقل کرتے ہیں۔ اور اس پر اعتراض کرتے ہوئے سب محدثین کو اس کے ساتھ محل تنقید واعتراض ٹھہراتے ہیں۔ اگر کسی صوفی کی غامض ودقیق عبارت دیکھتے ہیں تو اسے طعن وتشنیع کا نشانہ بناتے ہیں اور اس کے ساتھ تمام صوفیہ کرام کو۔ کسی تفسیر میں موضوع حدیث دیکھیں گے یا کوئی اسرائیلی قصہ تو اس مفسر کی آڑ میں تمام مفسرین پر اعتراض کر دیں گے اور تمام علماء دین کے متعلق ان کا طریق طعن وتشنیع یہی ہے۔

تعجب کی بات یہ ہے کہ وہ قلیل تعداد میں ہونے کے باوجود بہت سے بلاد اسلامیہ میں پھیلے ہوئے ہیں اور گویا شیطان نے ان کے دلوں میں یہ ضلالات اور خرافات آن واحد میں پھونک دی ہیں۔ اور ان میں سے بعض کی خبریں دوسرے لوگوں تک فوراً پہنچتی رہتی ہیں۔ اور وہ انتہائی بُعد اور دوری کے باوجود ایک دوسرے کی دستگیری کرتے ہیں گویا کہ وہ ایک مذہب کے کاربند ہیں۔ حالانکہ حقیقت میں ان کا کوئی مذہب نہیں ہے۔ بلکہ وہ عام کھلے پھر کر چرنے والے چارپایوں کی مانند ہیں۔ اور ان میں سے اکثر گمراہ ہیں اور پرلے درجے کے جاہل۔ نماز اور جملہ عبادات کے تارک ہیں اور مختلف فسادات میں غرق ہونے والے ہیں۔ ان کا دین محض زبانی کلامی ہے۔ اور ان کا یقین شکوک واوہام سے مرکب ہے۔ ان میں سے ہر ایک اپنے متعلق یہی عقیدہ رکھتا ہے کہ وہ امام زمانہ ہے۔ اور ائمہ اسلام میں سے کسی کی تقلید کا محتاج نہیں ہے۔ ان کی گم شدہ پونجی اور عزیز ترین متاع جس کی تلاش میں ہر وقت سرگرداں ہیں اور ان کا وہ مطلوب جس کی تحصیل اور دریافت ہر دم انہیں بے چین رکھتی ہے وہ صرف اور صرف یہی ہے کہ کسی طرح عوام اہل اسلام کے افکار ونظریات کو پراگندہ کر سکیں اور ائمہ دین پر اعتراض کر سکیں۔ اگر انہیں کسی متقدم عالم کا ایسا مسئلہ مل جائے جس میں ان سے لغزش سرزد ہوئی ہو اور علماء کرام نے اس کی خطا پر تنبیہ کر دی ہو اور بتلا دیا ہو کہ یہ اس کی لغزشات میں سے ایک لغزش ہے اور اس کی خطاؤں میں سے ایک خطا ہے تو اس کی خطاء ولغزش کی تشہیر کریں گے اور جس وجہ سے علماء نے اس کی مذمت کی ہے اس وجہ سے یہ اس کی ثناء اور مدح سرائی کریں گے۔

اسی طرح کا سلوک ان کا ابن تیمیہ کے ساتھ ہے کہ اس کے بیان کردہ وہ مسائل جن میں وہ راہ راست سے برگشتہ ہو گیا اور ان کی وجہ سے ہر طرف سے علماء کرام نے اس کی ملامت ومذمت شروع کر دی تو یہ مغرور وسرکش ان مسائل کے نشر کرنے میں انتہائی حریص نظر آتے ہیں۔ جو کتابیں ان مسائل پر مشتمل ہیں۔ دور دراز کے بلاد وامصار سے ان کو حاصل کرنے کی ہر ممکن کوشش کرتے ہیں۔ اور انہیں بندگان خدا کے گمراہ کرنے کے لیے نشر کرتے ہیں "وَهُمْ يَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ يُحْسِنُوْنَ صُنْعًا" اور وہ گمان کرتے ہیں کہ ہم بہت اچھا کام کر رہے ہیں۔ چنانچہ انہوں نے اس قسم کی متعدد کتابیں طبع کی ہیں جن میں سے ایک کتاب ابن تیمیہ کی وہ ہے جس میں اس نے سید المرسلین وانبیاء ومرسلین اور عباد اللہ الصالحین کے ساتھ توسل کو شرک قرار دیا ہے۔ دوسری کتاب وہ ہے جس کو "الفرقان بین اولیاء الرحمٰن واولیاء الشیطان" کا نام دیا ہے جس میں اکابر اولیاء کبار کی بہت بڑی جماعت کو العیاذ باللہ اولیاء شیطان قرار دے دیا ہے۔ جن میں شیخ اکبر شیخ محی الدین

ابن العربی کو بھی شمار کر دیا ہے۔ رضی اللہ عنہ ونفعنا ببرکاتہ حتی کہ اس نے ان کو کافر قرار دے دیا ہے۔ حالانکہ وہ سلطان العارفین اور امام العلماء العاملین ہیں۔

جب کبھی ان کے ہاتھ میں اس قسم کی کتاب آ جاتی ہے تو فوراً اس کو چھاپنے اور نشر کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس قسم کی کتابوں میں سے ابن قیم کی کتاب "اغاثۃ اللھفان فی مصاید الشیطان" ہے جس میں اس نے اپنے شیخ ابن تیمیہ کی لغزشات وہفوات کا اتباع کیا ہے اور اس نے خیر الانام علیہ الصلاۃ والسلام اور دیگر انبیاء کرام اور اولیاء عظام کے ساتھ توسل واستغاثہ کرنے والوں پر سخت طعن وتشنیع اور انکار وتنقید سے کام لیا ہے اور اسی طرح کی ایک کتاب ابن عبد الهادی کی ہے جس کا نام الصارم المنکی فی الرد علی السبکی ہے۔ اور یہ ایک بدترین کتاب ہے۔ "رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ۔" اے رب ہمارے ہدایت عطا کرنے کے بعد ہمارے دلوں کو ٹیڑھا نہ فرما اور ہمیں اپنی طرف سے رحمت خاصہ سے سرفراز فرما۔ بے شک تو ہی سب خیرات عطا کرنے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے لیے حمد وثنا ہے کہ اس نے ہمیں راہ راست پر قائم ودائم رکھا ہے جبکہ ان کو اس ضلالت اور کجروی میں مبتلا کر دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے لیے حمد وثنا ہے کہ اس نے ہمیں راہ راست کی ہدایت فرمائی اور اگر اس کی ہدایت ورہنمائی نہ ہوتی تو ہم قطعاً ہدایت حاصل نہیں کر سکتے تھے۔

اب میں اس رسالہ کو اپنے ایک قصیدہ جس کا نام طیبۃ الغراء فی مدح سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم ہے اور سعادۃ المعادنی موازنۃ بانت سعاد کے چند اشعار پر ختم کرتا ہوں۔ جو اس مقام کے مناسب ہیں اور انہی سے ہی حسن اختتام حاصل ہوگا۔ اور یہ ابیات قصیدہ ھمزیہ کے ہیں جن میں سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں یوں عرض گزار ہوا ہوں۔

فَتَقَبَّلْ وَاعْطِفْ وَكُنْ لِيْ شَفِيْعًا　　يَوْمَ تَحْتَاجُ فَضْلَكَ الشُّفَعَاءُ

اُس روز قبولیت سے مشرف فرمانا اور نگاہ لطف وکرم سے اور میرے شفیع بننا جس دن تمام شفیع تمہارے فضل وکرم کے محتاج ہوں گے۔

وَاَجِرْنِيْ وَعِتْرَتِيْ مِنْ زَمَانِيْ　　فَدَوَاهِيْهِ كُلُّهُ دَهْبَاءُ

مجھے اور میری اولاد کو میرے اس زمانہ سے پناہ دے۔ کیونکہ اس کی بلیّات وآفات سب سے بڑھ کر ہیں۔

عَادَ فِيْهِ الدِّيْنُ الْمُبِيْنُ كَمَا قُلْـ　　ـتَ غَرِيْبًا وَاَهْلُهُ غُرَبَاءُ

اس دور میں دینِ مبین تمہارے فرمان کے مطابق غریب ہو چکا ہے اور اہل دین بھی نقط غربا رہی ہیں۔

فَتَدَارَكْهُ قَبْلَ اَنْ تَخْطَرَ الْاَ　　خْطَارُ فَالْيَوْمَ مَسَّهُ الْاِعْيَاءُ

اس کی نجات وخلاصی کا بندوبست فرمادیں قبل اس کے کہ خطرات اس کو اپنے گھیرے میں لے لیں کیونکہ ابھی تو اس کو تھکان نے ہی آلیا ہے۔

فَتَكَرَّمْ بِشَدِّهٖ فَقُوَاهُ　　نَالَهَا بِالشَّدَائِدِ اسْتِرْخَاءُ

ازراہ کرم اس کو مضبوط وقوی فرمائیے کیونکہ اس کے قویٰ کو شدائد ومصائب کی وجہ سے استرخاء اور سستی لاحق ہو گئی ہے۔

صَارَ لِلشِّرْكِ فِيْ اَذَاهُ اشْتِرَاكٌ　　حِيْنَ مَا لِلنِّفَاقِ عَنْهُ انْتِفَاءُ

اہل شرک اپنے تمام تر اختلاف کے باوجود دین کی ایذاء رسانی میں متفق ومشترک ہیں جب کہ نفاق اس اسلام سے علیحدہ ہونے والا ہے۔

۷۔ كَمْ اَبُوْجَهْلٍ اِسْتَطَالَ عَلَى الدِّيْـ　　ـنِ وَكَمْ ذَا اَزْرَتْ بِهِ الْجُهَلَاءُ

کتنے ابوجہل ہیں جنہوں نے دین پر زبان درازی شروع کر رکھی ہے اور کتنے جہلا ہیں جنہوں نے اس کو عیب لگانے کی کوشش کی ہے۔

۸۔ وَلَكُمْ فِيْ ثِيَابِهِ ابْنُ سَلُوْلٍ　　شَاكَهُ مِنْ نِفَاقِهٖ سِلَاءُ

اور کتنے لوگ ہیں کہ ان کے کپڑوں میں ابن سلول منافق ہے جن کو انہوں نے ازراہ نفاق کھجور کے کانٹوں سے سیا ہوا ہے۔

۹۔ مَا اغْتِرَارِيْ بِمَنْ تَلَوَّنَ مِنْهُمْ　　وَالْاَفَاعِيْ اَشَرُّهَا الرَّقْطَاءُ

میں اُن میں سے مختلف رنگ بدلنے والوں سے دھوکا نہیں کھاتا سانپوں میں سے بدترین سانپ وہی ہیں جو چتلے ہیں۔

۱۰۔ مَلْءُ قَلْبِيْ مَحَبَّةً لِمُحِبِّيْكَ　　وَاِنْ قَلَّ فِيْ فُؤَادِيَ الصَّفَاءُ

میرا دل تجھ سے محبت کرنے والوں کی محبت سے بھرپور ہے اگرچہ میرے دل میں صفائی کی کمی ہے۔

۱۱۔ وَارْتِيَاحِيْ فِيْ بُغْضِ قَوْمٍ لَدَيْهِمْ　　لَكَ يَا سَيِّدَ الْوَرٰى بَغْضَاءُ

میرا سکونِ قلب ان لوگوں کے بغض میں ہے جن کے اندر اے سید الوریٰ آپ کے ساتھ بغض وعناد ہے۔

۱۲۔ لَا اُوَالِيْهِمِ الزَّمَانَ وَلَا هُمْ　　لِيْ مَاذَرَّ شَارِقٌ اَوْلِيَاءُ

نہ میں ان کے ساتھ ساری زندگی دوستی رکھوں گا اور نہ ہی وہ میرے لیے دوست ہو سکتے ہیں جب تک کہ سورج طلوع ہوتا رہے۔

۱۳۔ لَا يَرَانِي الرَّحْمٰنُ اِلَّا عَدُوًّا　　لِاَعَادِيْكَ اَحْسَنُوْا اَمْ اَسَاءُوْا

رب رحمان نہ دیکھے مجھے مگر اس حال میں کہ میں تیرے اعداء ومعاندین کا دشمن ہوں خواہ وہ اچھا کریں یا بُرا۔

۱۴۔ رَضِيَ اللّٰهُ مَنْ رَضِيْتَ وَمَنْ لَمْ　　تَرْضَ عَنْهُ فَاللّٰهُ مِنْهُ بَرَاءُ

اللہ تعالیٰ اسی سے راضی ہوگا جس سے آپ راضی ہوں گے جس سے آپ راضی نہیں ہوں گے تو اللہ تعالیٰ بھی اس سے بری ہیں۔

ابیات از قصیدہ لامیہ :

اور میں نے قصیدہ لامیہ میں بارگاہ رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم میں یوں عرض پیش کی ہے۔

۱۔ يَا سَيِّدَ الرُّسُلِ يَا مَنْ لَا يَزَالُ بِهِ ‏ ‏ لِكُلِّ صَعْبٍ بِإِذْنِ اللهِ تَسْهِيلُ

اے رسل کرام کے سردار اور اے وہ ذات اقدس کہ جن کے دست قدرت میں باذن اللہ ہر مشکل کا حل موجود ہے۔

۲۔ أَشْكُوْا إِلَيْكَ زَمَانِيْ شَاكِرًا نِعَمًا ‏ ‏ مَا عِنْدَ مِثْلِي لَهَا لَوْلَاكَ تَاهِيلُ

میں آپ کی بارگاہ میں اپنے زمانہ کی شکایت کرتا ہوں۔ دراں حالیکہ میں اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکریہ ادا کرتے والا ہوں کہ اگر آپ کا وجود مسعود نہ ہوتا تو میرے جیسے آدمی کے لیے قطعًا ان انعامات کی اہلیت نہ ہوتی۔

۳۔ فَقَدْ بُلِيْتُ بِعَصْرٍ كُلُّهُ فِتَنٌ ‏ ‏ فِيهِ أَخُو الْحَقِّ مَغْلُوبٌ وَمَغْلُولُ

کیونکہ مجھے ایسے زمانہ کے ساتھ واسطہ پڑا ہے جو فتنوں سے عبارت ہے اور اس میں حق پر کاربند مغلوب و مقید ہے۔

۴۔ عَصْرٌ عَلَى الْخَيْرِ صَالَ الشَّرُّ فِيهِ وَلَا ‏ ‏ تَهْوِيلَ إِلَّا عَلَاهُ فِيهِ تَهْوِيلُ

یہ ایسا زمانہ ہے جس میں شر خیر پر حملہ آور ہو گیا ہے۔ اور اس میں ایک ہولناک حادثہ کے بعد دوسرا اس سے زیادہ ہولناک حادثہ ہوتا ہے۔

۵۔ هٰذَا الزَّمَانُ الَّذِي بَيَّنْتَ شِدَّتَهُ ‏ ‏ فَكُلُّ مَا قُلْتَ فِيهِ الْيَوْمَ مَفْعُولُ

یہی وہ زمانہ ہے جس کی شدت کو آپ نے بیان فرمایا اور جو کچھ آپ نے فرمایا وہ سب کچھ اس میں واقع ہو رہا ہے اور ہم اس کا مشاہدہ کر رہے ہیں۔

۶۔ اَلدِّيْنُ فِيهِ بِحُكْمِ الْجَمْرِ قَابِضُهُ ‏ ‏ بِنَارِ دُنْيَاهُ بَيْنَ النَّاسِ مَشْعُولُ

اس زمانہ میں دین انگاروں کی مانند ہے کہ جس پر مضبوطی سے قائم رہنے والا دنیوی زندگی میں لوگوں کے درمیان اس آگ کے شعلوں کی لپیٹ میں ہے۔

۷۔ لَوْلَا نُجُوْمُ هُدًى مِنْ شَمْسِكَ اقْتَبَسُوْا ‏ ‏ أَنْوَارَهُمْ عَمَّتِ الدُّنْيَا الْأَضَالِيلُ

اگر ہدایت کے وہ ستارے نہ ہوتے جنہوں نے آپ کے آفتابِ رسالت سے انوارِ فیوض کو حاصل کیا تھا تو گمراہ لوگ پوری دنیا کو اپنے احاطہ میں لے لیتے۔

۸۔ بِوَعْدِكَ الصِّدْقِ لَا تَنْفَكُّ طَائِفَةٌ ‏ ‏ مِنَّا عَلَى الْحَقِّ مَهْمَا كَانَ تَبْدِيلُ

آپ کے سچے وعدے کے مطابق ہم میں سے ایک جماعت ہمیشہ حق پر قائم رہے گی اگرچہ ہر جگہ تبدیلیاں رونما ہوتی رہیں۔

۹۔ أَنْتَ الْحَبِيبُ إِلَيْكَ الْأَمْرُ أَجْمَعُهُ ‏ ‏ مِنَ الْمُهَيْمِنِ فِي الدَّارَيْنِ مَوْكُولُ

آپ اللہ تعالیٰ کے حبیب ہیں تمام تر امور اللہ تعالیٰ نگہبانِ خلق کی طرف سے دونوں جہانوں میں آپ کی طرف سونپے ہوئے ہیں

۱۰۔ فَانْظُرْ لِأُمَّتِكَ الْغَرَّاءِ قَدْ لَعِبَتْ ‏ ‏ بِهَا عَرَاقِيلُ تَتْلُوهَا عَرَاقِيلُ

اپنی نورانی امت کی طرف توجہ فرمایئے کیونکہ ان کو کجرو اور راہ راست سے بھٹکے ہوئے لوگوں نے یکے بعد دیگرے کھلونا بنا لیا ہے۔

۱۱۔ كَمْ قَابَلَتْهُ بِمَا تَخْشَى فَرَاعِنَةٌ ‏ ‏ وَكَمْ لَهَا مِنْ شِرَارِ النَّاسِ قَابِيلُ

آپ کے خوف واندیشہ کے مطابق کتنے فرعون اس کے مقابلہ پر نکل چکے ہیں۔ اور بدترین لوگوں میں سے اس کے لیے کتنے قابیل اور مہلک پیدا ہو چکے ہیں۔

۱۲۔ مَهْمَا أَسَاءَتْ فَلَنْ تَرْضَى إِسَاءَتَهَا ‏ ‏ حَسْبُ الْمُسِيءِ مِنَ الْإِحْسَانِ تَقْلِيلُ

وہ جب کبھی برائی کا ارتکاب کریں تو آپ ہرگز ان کی برائی پر راضی نہیں ہوں گے۔ بدکار امتیوں کے لیے بطور سزا احسان میں کمی کرنا ہی کافی ہے۔

۱۳۔ عَجِّلْ بِقَهْرِ أَعَادِيهَا فَلَيْسَ لَهَا ‏ ‏ فِي الْخَلْقِ غَيْرُكَ يَا مَأْمُونُ مَأْمُولُ

اپنی امت کے دشمنوں پر جلد قہر و غضب کا اظہار فرمایئے کیونکہ ان کے لیے اے امینِ خلق خدا پوری مخلوق میں کوئی امیدگاہ نہیں ہے۔

۱۴۔ وَكُنْ لَهَا وِزْرًا مِمَّا أَلَمَّ بِهَا ‏ ‏ فَقَدْ كَفَاهَا عَلَى الْأَوْزَارِ تَنْكِيلُ

ان کے لیے ان حادثات میں آسرا و سہارا بنیے، جو ان پر نازل ہو چکے ہیں کیونکہ ان کو گناہوں کی کافی سزا مل چکی ہے۔

۱۵۔ وَاعْطِفْ عَلَيَّ فَإِنِّي مُذْنِبٌ وَجِلٌ ‏ ‏ فِي الْخَيْرِ لَا عَامِلٌ مِنِّي وَلَا مَعْمُولُ

مجھ پر نگاہ کرم فرمائیں کیونکہ میں گناہگار ہوں اور اپنے انجام سے خائف، نہ خود میری طرف سے عمل خیر پایا گیا اور نہ میرے لیے کسی کی طرف سے۔

۱۶۔ وَاخْلَعْ عَلَيَّ وَأَهْلِي لِلرِّضَا حُلَلًا ‏ ‏ أَجْمَلْتُ قَوْلِي وَلَا تَخْفَى التَّفَاصِيلُ

مجھے اور میرے اہل کو اپنی رضامندی کے حلے بطور خلعت پہنائیں۔ میں نے اپنی عرض میں اجمال کر دیا ہے مگر تفاصیل آپ پر مخفی نہیں ہیں۔

۱۷۔ لَا تَنْسَنِي يَوْمَ نَزْعِ الرُّوحِ مِنْ جَسَدِي ‏ ‏ وَيَوْمَ أُسْأَلُ إِنِّي عَنْكَ مَسْئُولُ

مجھے میرے بدن سے روح کی جدائی کے دن نہ بھلائیں اور نہ اس دن جب مجھ سے سوال کیا جائے گا کیونکہ مجھ سے آپ کے متعلق سوال کیا جائے گا۔

۱۸۔ سَهِّلْ شَدَائِدَ اَیَّامِ الْقِیَامَۃِ لِیْ — فَاِنَّ عُقَدَ اصْطِبَارِیْ ثُمَّ مَحْلُوْلُ

میرے لیے قیامت کے اوقات کی شدتوں کو سہل فرمائیے کیونکہ اس دن میرے صبر کے عقد سے کھل جائیں گے اور میرے لیے صبر کی تاب نہیں ہوگی۔

۱۹۔ مَالِیْ سِوَاكَ كَفِیْلٌ یَوْمَ یَطْلُبُنِیْ — اَهْلُ الدُّیُوْنِ فَقُلْ لِیْ اَنْتَ مَكْفُوْلُ

میرے لیے آپ کے سوا اس دن کوئی کفیل نہیں ہے جس دن مجھے میرے قرض خواہ ڈھونڈیں گے مجھ سے فرماتا کہ تو مکفول ہے اور میں تیرا کفیل ہوں۔

۲۰۔ وَحَاصِلُ الْاَمْرِ اِنِّیْ طَامِعٌ بِرِضٰی — رَبِّیْ وَاِنْ قَلَّ بِیْ لِلْخَیْرِ تَحْصِیْلُ

اور حاصل امر یہ ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کی رضامندی کی امید رکھتا ہوں اگرچہ میں نے بہت کم نیکیاں کمائی ہیں۔

۲۱۔ اِنِّی الْتَجَاْتُ اِلٰی مَقْبُوْلِ حَضْرَتِہٖ — وَكُلُّ مَنْ عَاذَ بِالْمَقْبُوْلِ مَقْبُوْلُ

میں نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں مقبول و محبوب ہستی کی پناہ لے لی ہے اور جو اللہ تعالیٰ کے مقبول بارگاہ کی پناہ لیتا ہے وہ بھی مقبول بن جاتا ہے۔

انتهى القسم الاول من المقدمة

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قسم دوم

مقدمہ کا دوسرا حصہ بارہ۱۲ تنبیہات پر مشتمل ہے، جن کی معرفت اس کتاب کے مطالعہ کرنے والے کے لیے انتہائی ضروری ہے۔ اور وہ یہ ہیں:۔

تنبیہ اوّل:۔ واضح ہو کہ اس کتاب کے آٹھ باب ہیں۔ اور ہر باب ابن تیمیہ اور اس کے فرقہ (وہابیہ) کی تردید کے لیے کافی ہے اور اسی طرح خود مقدمہ بھی اس مقصد کے لیے کفایت کر سکتا ہے، ہر وہ مسلمان جس میں فہم و فراست اور عدل و انصاف کا مادہ موجود ہے وہ مقدمہ پڑھتے ہی یقین کر لے گا کہ سفرِ زیارت اور استغاثہ سے وہابیہ کا منع کرنا کھلی گمراہی ہے۔ خصوصًا جس سفر اور استغاثہ کا تعلق سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے۔ چہ جائیکہ مقدمہ اور دیگر ابواب میں ذکر کیے گئے بے شمار عقلی و نقلی دلائل، مذاہب اربعہ کے ائمہ کرام اور علمائے اعلام کے اقوال جن سے استغاثہ اور سفرِ زیارت کی مشروعیت روزِ روشن کی طرح عیاں ہے نہ جانے ابن تیمیہ انتہائی غلط راستہ پر کیوں چل نکلا، جس کے باعث اس کا رد کیا جاتا ہے۔

میں نے اس کتاب کے چھٹے باب میں چالیس مشاہیر اولیاء کرام کے اوراد و وظائف نقل کر دیے ہیں جو مفید دعاؤں پر مشتمل ہیں۔ ان میں سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے استغاثہ کی بھی تصریح موجود ہے۔ اور ساتویں باب میں تقریبًا ایک سو حکایات درج کی گئی ہیں جو ثقات نے ثقات سے نقل کی ہیں، جن کا تعلق صلحاء و اولیاء، علماء و فضلاء سے ہے مصائب و آلام میں جس شخص نے بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو وسیلہ بنایا اور آپ کے درِ فیض سے بارگاہِ الٰہی میں عرض و معروض کی تو یقینًا اس کی مشکلیں آسان ہوئیں حاجات بر آئیں۔ یہ باب ایسی ہی حکایات پر مشتمل ہے جن میں اکابر اسلام نے سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے استغاثے کیے اور ان کی بدولت جو انہیں فوائد و برکات حاصل ہوئے نیز دعاؤں کی قبولیت کا بیان ہے۔

آٹھویں باب میں مذاہب اربعہ کے تقریبًا اسّی اولیاء کرام علماء عظام کے منظوم استغاثوں کو نقل کیا گیا ہے بلکہ بعض شیعہ

کے استغاثے بھی نقل کیے گئے ہیں مثلاً صفی علی، ابن معصوم اور ابن متوق کیونکہ اسے بھی اہل اسلام کے فرقوں میں شمار کیا گیا ہے بلکہ بعض تو ان میں ذریت طاہرہ سے ہیں۔ اسی لیے ان استغاثوں کی بدولت ان کے لیے خیر عظیم یعنی عقائد فاسدہ سے توبہ اور عقائد صحیحہ کی توفیق نصیب ہونے کی امید کی جاسکتی ہے جیسے کہ دوسرے استغاثہ کرنے والوں کے لیے الغرض صرف ان تین بابوں میں مذاہب اربعہ کے دو صد سے زائد علماء کرام کا منظوم و منثور کلام منقول ہے جن میں اولیاء، اصفیا، محدثین اور مشاہیر فقہا کرام ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اُن کے فیوض و برکات سے بہرہ ور فرمائے اور انہیں اپنی بارگاہ اور حبیبِ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کی جناب میں مقبول و محبوب بنائے۔

وہابیہ اور اس شخص کے سوا جس کے افکار و خیالات کو ابن تیمیہ کی بدعات و اختراعات نے مخدوش کر رکھا ہے اس کتاب کے مطالعہ کرنے والے ہر شخص کے لیے میرا اعلان ہے جو مذاہب اربعہ میں سے کسی بھی مذہب کے ساتھ منسلک ہے اگر میرے دلائل و براہین تجھے کفایت نہ کریں، ائمہ کرام اور ہادیانِ دین متین کے اقوال تیرے لیے موثر ثابت نہ ہوں تو پھر تو یقین کرلے کہ تو گمراہ اور بے دین لوگوں میں سے ہے اور اگر تیرا یہی حال رہا تو اس بات کا خوف ہے کہ ایک دن کفار کے زمرہ میں چلا جائے کیونکہ ہم نے تجھے اس قدر انکارِ توسل و استغاثہ کے باوجود کافر قرار نہیں دیا، لیکن تیرا عناد، ضد اور ہٹ دھرمی اس بات کی غماز ہے کہ تیرا دل نورِ ایمان سے خالی اور شکوک و شبہات کی اندھیریوں کی وجہ سے تاریک ہوچکا ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے: "اَلْمَعَاصِی بَرِیدُ الْکُفْرِ، گناہ کفر کا پیام لانے والے ہیں۔" اور یہ امر کسی پر مخفی نہیں کہ جملہ ذنوب سے قبیح تر گناہ دین میں بدعات کا ارتکاب ہے خصوصاً وہ بدعت جس کا تعلق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دیگر انبیاء کرام علیہم السلام نیز صالحین و اولیاء عظام کے ساتھ ہو۔

لیکن میں یہ ہرگز گمان نہیں کرتا کہ وہ مسلمان جس کے لیے اللہ تعالیٰ نے ادنیٰ درجہ کی ہدایت مقدر فرمائی ہو اور اس کی بصیرت میں معمولی سا بھی نورِ فراست رکھا ہو وہ اس کتاب کے مطالعہ کے بعد بھی ابن تیمیہ کی بدعات و خرافات کا شکار ہوجائے گا، اور اس کی شیطانی ڈاکہ زنی میں آجائے گا جس نے اہلِ ایمان کے ساتھ مکر و فریب اور دھوکہ دہی کی ناپاک کوشش کی ہے۔

حمد و ثنا ہے اس خدائے بزرگ و برتر کے لیے جس نے ہمیں ایسی بدعات سے عافیت میں رکھ کر احسان فرمایا اور وہی مالک احسان ہے۔

تنبیہِ دوم:

اہل ہوا اور مبتدعین کافر نہیں ہیں

یہ امر قابلِ غور ہے کہ میں اہل قبلہ میں سے کسی کے کافر ہونے کا عقیدہ نہیں رکھتا اور نہ اسے کافر کہتا ہوں، خواہ وہابیہ ہوں یا دوسرے فرقے، وہ سب اہلِ اسلام ہیں ان کو کلمہ توحید ایمان بالرسالۃ اور جملہ احکام دین کا اقرار اہلِ اسلام کی لڑی میں پرو دیتا ہے۔

امام شعرانی الیواقیت والجواہر میں فرماتے ہیں کہ شیخ الاسلام مخزومی نے فرمایا۔ امام شافعی نے اپنے رسالہ میں اہل ہوا کے کافر نہ ہونے کی تصریح کی ہے اور فرمایا کہ میں اہل ہوا کو گناہ کی وجہ سے کافر نہیں کہتا۔

اور ایک روایت میں ہے کہ میں اہل کعبہ میں سے کسی کو گناہ کی وجہ سے کافر نہیں کہتا، تیسری روایت میں یوں ہے میں اہل تاویل کو اُن کے گناہ کی وجہ سے کافر نہیں کہتا اگرچہ ان کی تاویل خلاف ظاہر ہو۔

علامہ مخزومی فرماتے ہیں کہ امام شافعی کا اہل ہوا سے مقصود وہ فرقے ہیں جو اہل تاویل ہیں اور الفاظ نصوص ان کے بیان کردہ معانی کے متحمل ہیں۔ مثلاً معتزلہ مرجئہ اور اہلِ قبلہ سے ان کی مراد اہلِ توحید ہے۔ امام شعرانی نے علامہ مخزومی کا قول اور امام شافعی کا عقیدہ تحریر کرنے کے بعد فرمایا، میرے اسلامی بھائی تجھے اس سلسلہ میں ہماری سابقہ بیان کردہ تقریر سے معلوم ہوگیا ہوگا کہ تمام علماء متقدمین کسی بھی اہل قبلہ کو گناہوں کی وجہ سے کافر کہنے سے گریز کرتے ہیں لہٰذا تو بھی ان کی سیرت اور طریقہ پر عمل پیرا ہو۔

اس تحقیق کو ذہن نشین کرلینے کے بعد تجھے معلوم ہونا چاہیے کہ اس کتاب میں منقول عبارات میں جہاں کہیں ضلال ایسے الفاظ آئیں تو ان سے مراد ضلالتِ کفر نہیں بلکہ راہِ حق و صواب سے عدول و انحراف مراد ہے اور وہ ضروری نہیں کہ کفر ہی کی وجہ سے ہو بلکہ کبھی خطا و معصیت کی صورت میں اور کبھی ارتکاب بدعت کے باعث ہوتا ہے۔ لہٰذا یہ تمام صورتیں ضلال تو ہیں مگر درجۂ کفر تک نہیں پہنچتیں۔

ابن تیمیہ اور شرک

میرے عقیدہ کے مطابق ابن تیمیہ، ابن قیم اور ابن عبدالہادی کا اپنی کتب میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور انبیاء و صالحین سے توسل، اور ان کے مزارات کی زیارت کے لیے سفر کرنے والوں کو مشرک قرار دینے کی تعبیر و توجیہ بھی یہی ہے کہ اس سے مراد شرک جلی نہیں بلکہ خفی ہے جیسے ریاکاری کو شرک سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اور یہ کفر کے معنی

میں نہیں کیونکہ ضلال کی طرح شرک کے بھی مختلف درجات ہیں۔ لیکن وہابیہ نے ان کے کلام سے شرک بمعنی کفر سمجھ کر تمام اہل اسلام کو کافر قرار دے دیا۔

مؤثر بالذّات

ہاں جو شخص یہ عقیدہ رکھتا ہو کہ نبی و ولی بالذات مؤثر و کارساز ہیں اور جو چاہتے ہیں بغیر اذن الٰہی کر لیتے ہیں وہ بالاتفاق کافر ہے، لیکن میری معلومات کے مطابق کوئی بھی مسلمان خواہ وہ کتنا ہی جاہل کیوں نہ ہو ایسا عقیدہ قطعاً نہیں رکھتا، ان کا اعتقاد صرف یہ ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کے خاص بندے ہیں اور حقیقی فاعل اور مؤثر صرف اللہ تعالیٰ ہی کی ذات پاک ہے نہ انبیاء و اولیا کو اس کے ساتھ کسی معاملہ میں اشتراک ہے اور نہ ہی دوسرے لوگوں کو۔ ان شاء اللہ العزیز اس کی تفصیل و توضیح اس کتاب میں عنقریب آجائے گی۔

ابن تیمیہ اور اس کے دونوں شاگردوں کی عبارات میں ایسے الفاظ پائے جاتے ہیں جن میں ان کی توسل و استغاثہ کرنے والوں سے متعلق بدظنی اور انبیاء و اولیاء کے مزارات کی زیارت کرنے والوں کے بارے میں بدگمانی پائی جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ وہ ان محبوبانِ خدا کے لیے قضاء حاجات میں مؤثر ہونے کا عقیدہ رکھتے ہیں اور یہ واضح ہے کہ تمام متوسلین کا یہ عقیدہ نہیں۔ اگر بالفرض دنیا میں کوئی ایسا شخص ہو تو وہ انتہائی جاہل ہے اس نے دینِ حق کی خوشبو تک بھی محسوس نہیں کی، لیکن مسلمان خواہ وہ جاہل ہی کیوں نہ ہو اس کا ایمان و عقیدہ یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی فاعل و مؤثر نہیں ہے اور تمام مخلوق ارشادِ خداوندی کی پابند ہے۔ لیکن بعض حضرات اپنی نبوت و رسالت اور ولایت و تقرب کے لحاظ سے دوسروں سے محبوب تر ہیں۔

ابن تیمیہ اور وہابیہ

ابن تیمیہ، وہابیہ اور ان کے ہم مشرب و ہم عقیدہ لوگ جو مذاہبِ اسلامیہ سے انکار و انحراف کے مرتکب ہیں ان کا فعل و عمل صرف یہ ہے کہ وہ توسل و استغاثہ اور زیارتِ انبیاء و صالحین حتیٰ کہ حضور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم سے منع کرتے ہیں تو محض اس اقدام و جسارت کی بنا پر ان کو کافر کہنا درست نہیں، جیسا کہ بعض حضرات نے فتویٰ دیا ہے مثلاً علامہ شہاب الدین خفاجی اور ملا علی قاری علیہما الرحمۃ نے ابن تیمیہ کا رد کرتے ہوئے فتویٰ لگایا لیکن یہ فتویٰ نہ تو ان کے نزدیک قابلِ اعتماد ہے اور نہ ہی دیگر علماء کرام قبول کرتے ہیں۔ ہمارے لیے صرف اتنا کہنا ہی درست ہے کہ وہ اہل بدعت ہیں جیسا کہ امام مناوی نے اس عبارت میں تصریح فرمائی ہے جو عنقریب ذکر کی جا رہی ہے۔ پس ان کو ضال، مبتدع وغیرہ الفاظ سے تعبیر کر سکتے ہیں جو تکفیر کے متقضی نہیں ہیں جس طرح علامہ ابن حجر ہیتمی مکی نے اپنی متعدد عبارات میں ان کے حق میں

ایسے ہی الفاظ استعمال کیے ہیں، اور تکفیر و تضلیل کے درمیان فرق واضح و ظاہر ہے۔ جیسے پہلے ذکر کیا گیا ہے، اب امام غزالی علیہ الرحمۃ کی زبانی بھی سماعت فرمائیے۔

امام غزالی علیہ الرحمۃ اپنی کتاب "فصل التفرقہ بین الاسلام والزندقہ" میں فرماتے ہیں۔ "جو بھی صورت حال ہو کسی بھی فریق کو زیبا نہیں کہ اپنے مقابل کو کافر قرار دے اور جہاں کہیں اسے برہان و استدلال میں غلطی پر دیکھے تو اسے اس فتویٰ سے نوازے ہاں یہ جائز ہے کہ اسے ضال و مبتدع کہہ دے لیکن ضال اس لحاظ سے کہ وہ زعم و ظن کی وجہ سے راہ ثواب سے بھٹک گیا ہے اور مبتدع اس اعتبار سے کہ اس نے ایسا نیا قول اختیار کیا ہے جس کی تصریح سلف صالحین کے ہاں مشہور و معروف نہیں۔"

شاتمانِ رسولِ انام بالاتفاق کافر ہیں

ہاں علامہ سید احمد دحلان مکی علیہ الرحمۃ نے "الدرر السنیہ" میں بعض وہابیہ کا رد کرتے ہوئے نقل فرمایا ہے کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں تنقیص کرتے ہیں نیز ان کی انتہائی قبیح و شنیع عبارات ذکر کی ہیں۔ اگر واقعی ان سے ایسی عبارات سرزد ہوئی ہیں اور نقل مطابق اصل ہیں (اور یقیناً ایسا ہی ہے)، تو جن لوگوں سے یہ عبارات صادر ہوئی ہیں وہ بلا شک کافر ہیں۔

اور علامہ سید احمد دحلان علیہ الرحمۃ نے اس قسم کی عبارات امام الوہابیہ ابن عبدالوہاب سے بھی نقل کی ہیں (اور الولد سر لابیہ کے تحت اذناب کا بے باک ہونا اپنے روحانی باپ کی بے باکی و جسارت ہی کا ثمرہ ہے) بہرحال جو بھی گستاخ انبیاء ہے اور ان کی شانِ ارفع و اعلیٰ میں تنقیص کا مرتکب ہو وہ بلاشبہ کافر ہے۔

علامہ دحلان مکی علیہ الرحمۃ نے ایسی ہی عبارات نقل کرتے ہوئے فرمایا کہ ان وہابیہ کا رد کرنے والے بعض حضرات فرماتے ہیں کہ ایسی عبارات مذاہب اربعہ کی رو سے کفریہ ہیں۔ بلکہ جملہ اہل اسلام کے نزدیک بھی کفریہ ہیں۔[1]

---

[1] ہر وہ عبارت جو انبیاء و مرسلین علیہم الصلوٰۃ والسلام کی شان اقدس میں سب و شتم، توہین و تحقیر، استخفاف و استحقار پر صریحاً یا تعریضاً دلالت کرتی ہو وہ کفر ہے اس میں قصدِ قائل کا قطعاً لحاظ نہیں، محض عرف عام اور محاورات میں اس کا متبادر معنی ہی اس کے کفر قرار پانے کے لیے کافی ہے۔ امام محمد بن سحنون فرماتے ہیں۔ اجمع العلماء ان شاتم النبی صلی اللہ علیہ وسلم المنتقص لہ کافر والوعید علیہ جار بعذاب اللہ لہ وحکمہ عند الامۃ القتل ومن شک فی کفرہ وعذابہ فقد کفر (رد المحتار جلد ثالث ص ۲۹۰ تنبیہ الولاۃ ص ۳۱۶، ۳۱۷ ج ۱۔ مواہب مع الزرقانی ص ۳۱۹ ج ۵ شفا قاضی عیاض ص ۱۹، الصارم المسلول ص ۴ تمام علماء اسلام کا اس پر اجماع ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو سب و شتم کرنے والا اور آپ کی شان رفیع میں تنقیص کا مرتکب کافر ہے۔ اور اس پر عذاب الٰہی کی

تنبیہِ سوم:

یں مے تقریباً ساڑھے تین سال قبل خواب میں ابن تیمیہ اور امام سبکی کو دیکھا جس کا تذکرہ المجموعۃ النبہانیہ فی المدائح النبویۃ

(بقیہ صفحہ سابقہ) وعید ثابت ہے اور پوری امت کے نزدیک اس کا حکم یہ ہے کہ اسے قتل کر دیا جائے۔ جو شخص ایسے گستاخ کے کفر و عذاب میں شک کرے گا وہ بھی کافر ہے۔ زرقانی ص۳۱۵ ج ۵ میں ہے۔ ان من سب او انتقصہ بان وصفہ بما یعد نقصا عرفا قتل بالاجماع۔ بے شک جو شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سب و شتم کرے یا عیب لگائے یعنی ایسے امور کے ساتھ آپ کو متصف ٹھہرائے جو عرف عام میں نقص شمار ہوتے ہیں تو تمام علماء امت کا اس پر اجماع ہے کہ ایسے شخص کو قتل کر دیا جائے۔

حبیب بن ربیع فرماتے ہیں۔ ادعاء التاویل فی لفظ صراح لا یقبل۔ مواہب مع زرقانی ص۳۱۶ ج ۵۔ واضح اور صریح الدلالت لفظ میں تاویل کا دعویٰ قابل قبول نہیں۔

ابن تیمیہ الصارم المسلول ص۱۷۸ میں لکھتا ہے۔ بالجملۃ من قال او فعل ما ھو کفر کفر بذلک وان لم یقصد ان یکون کافرا اذ لا یقصد الکفر احد الا ما شاء اللہ۔

مختصر یہ کہ جس شخص نے بھی ایسا کلمہ زبان سے نکالا یا ایسا فعل و عمل کیا جو کفر ہے تو وہ کافر ہو جائے گا اگرچہ اس نے کفر کا ارادہ نہ کیا ہو کیونکہ کوئی بھی شخص کافر ہونے کا قصد نہیں کرتا (الا ما شاء اللہ)

بہر حال ان تصریحات سے واضح ہوا کہ صریح مفہوم اور عرف عام کے لحاظ سے متبادل معنی ہی کسی عبارت کے کفر ہونے نہ ہونے کے لیے معیار ہے نہ کہ قصدِ قائل اور اجماع امت کی رو سے ایسا شخص کافر ہے اور اس کے کفر میں شک کرنے والا بھی۔

علامہ زینی دحلان کی نقل کردہ عبارات سے قطع نظر علمائے دیوبند کی تسلی و تشفی کے لیے "مولانا حسین احمد مدنی" کا شہاب ثاقب میں منقول بیان پیش خدمت ہے۔

ان کے بڑوں کا مقولہ ہے کہ ہمارے ہاتھ کی لاٹھی ذات سرور کائنات سے ہم کو زیادہ نفع دینے والی ہے ہم اس سے کتے کو دفع کر سکتے ہیں اور ذاتِ فخرِ عالم سے تو یہ بھی نہیں کر سکتے (نعوذ باللہ من ذلک) شہاب ثاقب ص۴۷)

حضرات علماء دیوبند! اب بھی وہابیہ نجدیہ کے گستاخ ہونے میں کسی شک و شبہ کی گنجائش ہے اور ان کے دین و ایمان سے ہاتھ دھو بیٹھنے میں کوئی کسر باقی رہ جاتی ہے۔ کیا ابھی وہ وقت نہیں آیا کہ ان سے اپنی برات و بیزاری کا برملا اظہار کیا جائے۔ الیس منکم رجل رشید۔

محمد اشرف سیالوی غفر لہ

میں) اپنے خوابوں کے ضمن میں ان الفاظ میں کیا ہے کہ "ستائیس رمضان المبارک ۱۳۱۹ھ کو علماء اعلام میں سے امام تقی الدین سبکی شافعی اور امام تقی الدین بن تیمیہ حنبلی کو ایک ہی مجلس میں دیکھا۔ امام سبکی بیٹھے ہوئے تھے وہ فربہ اور سڈول، رنگ گندمی اور انتہائی پر وقار اور بارعب انداز میں تھے۔ جب کہ ابن تیمیہ کھڑا ہوا تھا، اس کا چہرہ اور باقی جسم دبلا پتلا نحیف، رنگ گندم گوں مگر غبار آلود البتہ علم کا رعب و جلال نمایاں تھا اور بنسبت امام سبکی کے میرے زیادہ قریب تھا۔ میں نے اس کی دست بوسی کا قصد کیا اور غالب گمان یہی ہے کہ میں نے دست بوسی بھی کی۔ میں نے اس سے عمر کی مقدار دریافت کی تو اس نے جواب میں کہا چھ سو سال پھر بیدار ہوا تو میں نے اس کی تاریخ وفات معلوم کی تو وہ ۷۲۸ھ تھی اب ۱۳۱۹ھ منفی ۷۲۸ھ = ۵۹۱ سال۔ لہٰذا اس کو تقریباً چھ سو سال کہنا درست ہے) جب کہ علامہ سبکی کا وصال ۷۵۶ھ میں ہوا۔

مجھے اس خواب میں ابن تیمیہ کا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کے لیے سفر کو حرام قرار دینا اور آپ کی ذات اقدس اور دیگر انبیاء کرام اولیاء عظام سے توسل و استغاثہ کو حرام کہنا اور علامہ سبکی کا اس پر رد و قدح قطعاً نہ کھٹکا حالانکہ میں نے قبل ازیں ابن تیمیہ پر رد کرتے ہوئے رسائل لکھے اور ان میں اکابر علماء اسلام کے اقوال جمیلہ درج کیے تھے پھر مجھے یہ خیال و زنی معلوم ہوا کہ میں اس کے رد سے گریز کروں تاکہ عوام اہل اسلام کو اس کی رائے فاسد اور فکر کا سد پر متنبہ کر کے ان کے افکار و خیالات کو مخدوش نہ کروں جو کہ ابھی تک بے خبر ہیں۔

ابن تیمیہ اور تاثراتِ علامہ نبہانی:

ابن تیمیہ امام کبیر ہے، علم کا بلند پہاڑ ہے جو مشہور و معروف ہے۔ امت محمدیہ کے ان ائمہ اعلام سے ہے جن کی وجہ سے امت کو دوسری تمام امتوں اور قوموں پر فخر و ناز کا حق حاصل ہے۔ لیکن بایں ہمہ وہ خطاء و زلل سے معصوم و محفوظ نہیں۔ چند مسائل میں اس سے خطائے فاحش سرزد ہوئی ہے جن میں سے یہ دو مسئلے بھی ہیں جن میں اس نے جمہور امت، اسلاف و اخلاف کی مخالفت کی ہے جیسے کہ بہت سے محققین نے اس کی وضاحت کی ہے جن میں امام الانام علامہ سبکی بھی شامل ہیں جنہوں نے شفاء السقام فی زیارۃ قبر النبی علیہ السلام لکھ کر اس کا رد کیا ہے۔ ابن تیمیہ سے اگرچہ چند مسائل میں خطا سرزد ہوئی ہے لیکن وہ بے شمار مسائل میں حق و صواب تک واصل ہوا جن کے ذریعے اس نے دین متین کی نصرت و امداد کی اور شریعت سید المرسلین علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت انجام دی۔ علاوہ ازیں ان مسائل میں سے بعض کی ابن تیمیہ کی طرف نسبت بھی بعض علماء کے نزدیک درست نہیں ہے۔ بہر حال حقیقت حال جو بھی ہو ان الحسنات یذھبن السیئات نیکیاں برائیوں کو دور کر دیتی ہیں[1]۔ اور میں اللہ تعالیٰ سے سوال کرتا ہوں کہ مجھے ان دو جلیل القدر ائمہ کے ساتھ ان مومنین کے زمرہ میں

[1] اقول: ارشاد باری تعالیٰ کا انکار کون کر سکتا ہے بے شک نیکیاں برائیوں کو دور کرتی ہیں مگر رسالت مآب (بقیہ حاشیہ صفحہ آئندہ)

محشور فرمائے جو باہم محبت واخلاص کا پیکر بن کر آئیں گے جن کے حق میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے۔ وَنَزَعْنَا مَا فِي صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ اِخْوَانًا عَلٰى سُرُرٍ مُّتَقَابِلِيْنَ۔ ہم نے ان کے سینوں اور دلوں میں سے کینہ نکال دیا، دراں حالیکہ وہ آپس میں بھائی بھائی ہیں اور ایک دوسرے کے سامنے عزت و کرامت کی مسندوں پر متمکن ہیں۔

بخدا میں نے اپنے اسی خواب میں ابن تیمیہ کے ساتھ ایک اور آدمی دیکھا جو شکل و صورت میں اس کے مشابہ و مماثل تھا، رنگ گندمی گرغبار آلود چہرہ وجسم انتہائی نحیف و نزار مگر میں نے اس کو پہچانا نہیں تھا نہ میں نے اس سے کلام کیا اور نہ اس نے مجھ سے کوئی بات کی البتہ میری گفتگو ابن تیمیہ سے رہی میں اس کی طرف متوجہ تھا اور وہ میری طرف دوسرے شخص سے اور امام سبکی سے کسی قسم کی کوئی بات نہ ہوئی۔ چونکہ اس شخص سے متعلق مجھے کچھ معلوم نہ تھا اس لیے اپنے خواب میں اس کا ذکر نہیں کیا۔ بعد میں مجھے خیال آیا ممکن ہے وہ ابن قیم یا ابن عبد الھادی ہوں لیکن گمان غالب یہی ہے کہ ابن الہادی ہوگا۔ کیونکہ ابن تیمیہ کے حق میں معاونت جتنی عبد الہادی نے "الصارم المبکی فی الرد علی السبکی" میں کی ہے ابن قیم نے نہیں کی۔ ابن ہادی اور اس کا شیخ ابن تیمیہ دونوں جانب باطل ہیں۔ جب کہ امام سبکی جانب حق میں ہیں۔

ابن قیم نے اپنی کتابوں میں نہ امام سبکی کا ذکر کیا ہے اور نہ ہی کسی دوسرے عالم کا البتہ اس نے کسی خاص شخصیت کو نشانہ بنائے بغیر ابن تیمیہ کی بدعات میں اس کی دل کھول کر حمایت کی ہے۔

جس وقت میں نے یہ خواب دیکھا اس وقت تک میں نے الصارم المبکی دیکھی تھی اور نہ ہی ابن قیم کی "اغاثة اللهفان" نہ ابن تیمیہ کی منہاج السنة اور المعقول والمنقول کا مطالعہ کیا تھا۔ بلکہ یہ دونوں کتابیں بعد میں طبع ہوئیں اور لطف کی بات یہ ہے کہ اس وقت تک امام سبکی کی کتاب شفاء السقام پر بھی مطلع نہیں ہوا تھا۔ کیونکہ میں ایسی مباحث کو دیگر کتب میں دیکھا کرتا تھا جن میں ابن تیمیہ پر رد و قدح اور تنقید کی گئی تھی۔ مثلاً امام ابن حجر مکی علیہ الرحمۃ کی کتب جن کے ذریعے انہوں نے شریعت محمدیہ کی خدمت انجام دی اور ابن تیمیہ کے غلط نظریات کا بڑی عمدگی سے رد کیا۔ اللہ تعالیٰ انہیں بہتر جزا سے نوازے۔ وہ اس میدان میں تنہا نہیں۔ بلکہ دیگر اکابر علماء اسلام نے بھی بکثرت کتابیں تصنیف فرما کر اس کا رد کیا۔

(حاشیہ صفحہ سابقہ) علیہ السلام کی جناب والا کا معاملہ بہت نازک ہے۔ یہاں زندگی بھر کی نیکیاں صرف آواز بلند کرنے سے زائل ہو جاتی ہیں اور پھر تدارک کی کوئی بھی صورت نہیں رہتی کیونکہ اللہ تعالیٰ ان کی تباہی و بربادی معلوم تک نہیں ہونے دیتا ان تحبط اعمالکم وانتم لا تشعرون۔

ادب گاہیست زیر آسماں از عرش نازک تر
نفس گم کردہ می آید جنید و بایزید ایں جا

اللہ تعالیٰ ابن تیمیہ کو معاف کرے اس نے امر عظیم کا ارتکاب کیا ہے جس پر بہت مفاسد دینیہ مرتب ہوئے خصوصاً اس کے متبع فرقہ وہابیہ کا خروج وظہور رہا۔ جس کے باعث اہل اسلام کو ناقابل تلافی نقصان پہنچا یعنی باہم قتال، جانوں اور مالوں کا اتلاف، مذاہب اربعہ پر عمل پیرا جملہ اہل اسلام کو کافر و مشرک، گمراہ، اور بے دین قرار دیا گیا۔ اور ان کی نقصان دہ شر انگیزیوں کا سلسلہ ابھی تک جاری ہے۔ جس کا نہ صرف عقلاً بلکہ عملاً مشاہدہ کیا جا سکتا ہے۔

جو لوگ فرقہ وہابیہ کے عمل و کردار پر خوشیاں مناتے ہیں اگرچہ خود ان کے لیے تو دین میں کوئی حصہ بخرہ نہیں مگر پھر بھی وہ ضعیف العقل طلبہ و عوام اہل اسلام کے عقائد تباہ کرنے پر لگے ہوئے ہیں، وہ مدعی اجتہاد ہیں مگر زمین میں درپے فساد ہیں۔ اہل سنت کے مذاہب میں سے کسی پر بھی جو سبیل ارشاد و راہ صواب ہے گامزن نہیں ہوتے، شیطان ان میں سے یکے بعد دیگرے نئی نئی جماعتیں تیار کرتا رہتا ہے جو اہل اسلام کے ساتھ برسر پیکار رہتی ہیں ختم ہونے کی بجائے روبہ ترقی ہیں اور یہ اللہ تعالیٰ ہی کا ازلی فیصلہ اور اس کی مشیت و قضا ہے جس کی حکمت و مصلحت صرف خواص ہی جان سکتے ہیں۔

میں وہابیت کے پرستاروں میں سے ایک شخص کو ذاتی طور پر جانتا ہوں۔ پہلے شافعی مسلک پر تھا۔ پھر اس کا وہابیہ کے مدح خوانوں کے ساتھ رابطہ پیدا ہوا۔ حالانکہ ان کا فسق و فجور اس پر واضح تھا۔ ان کے احوال و افعال بدترین تھے۔ اور عقائد و نظریات فاسد و مختل اس شخص نے ابن تیمیہ اور وہابیہ کی کتابیں دیکھیں، شیطان نے وہابیہ کی بدعات شنیعہ کو مزین کر کے پیش کیا۔ جس کے باعث اس نے ائمہ کرام اور علماء شریعت کی مخالفت اختیار کر لی اور وہ اپنے صحیح مسلک سے پھر گیا۔ پھر اس نے مجتہد ہونے کا دعویٰ اگل دیا۔ نہ صرف وہ وہابی ہوا بلکہ وہ اس غلط مذہب کا مبلغ ہوا۔ اور اپنے خیال فاسد اور عقل فاتر سے اس مذہب کی تقویت کا سامان بنانے لگا۔ لوگوں کو وہابیت کی طرف بلاتا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر انبیاء و صالحین کے حق میں غلط نظریات و عقائد کو بنا سنوار کر لوگوں کے سامنے پیش کرتا۔

پہلے وہ انتہائی خوبصورت اور حسین و جمیل تھا۔ مگر جب وہابیت اختیار کی اور اس جہان فانی سے چل بسا تو میں نے چار ذیقعدہ ۱۳۲۲ھ کو خواب میں دیکھا۔ سیاہ چہرہ، جیسے حبشی البتہ زنگیوں کی نسبت سیاہی قدرے کم تھی۔ اس کی سیاہ رنگت میں کوئی کشش اور جاذبیت تک نہ تھی۔ بلکہ اس کی اس ہیئت و شکل سے وحشت و بربریت ٹپکتی تھی۔ میں نے اس سے دریافت کیا تجھے کیا ہوا؟ تیرا چہرہ اس قدر کالا کیوں؟ وہ خاموش رہا اور کوئی جواب[1] نہ دے سکا۔ ربنا لا تزغ قلوبنا بعد اذ هديتنا وهب لنا من لدنك رحمة انك انت الوهاب۔

[1] اقول: جو ایمان یا کفر دلوں میں پوشیدہ ہوتا ہے وہ اس جہاں میں نمایاں اور محسوس ہوتا ہے (بقیہ حاشیہ صفحہ آئندہ)

سیادتِ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

تنبیہ چہارم :

یہ امر ذہن نشین رہے کہ تمام اہلِ اسلام کا ہمیشہ سے یہی اعتقاد رہا ہے جو واقعہ وحقیقت پر مبنی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم علی الاطلاق سید الخلق والعباد ہیں اور حالت حیات ظاہرہ، عالم برزخ اور روز قیامت اللہ تعالیٰ کی جناب میں ارفع واعلیٰ ہیں۔ اور تمام وسائل سے قریب ترین وسیلہ و ذریعہ ہیں جن کی انبیاء کرام پر سیادت وافضلیت اور تمام مخلوق پر فوقیت و برتری صحیح معنی میں قیامت کے دن ظاہر ہوگی۔ حتیٰ کہ شفاعت عظمیٰ کے مالک بھی آپ ہی ہوں گے اور مراتب ومنازل میں آپ ہی اقرب واولیٰ ہوں گے۔

لواء الحمد کے حامل آپ ہی ہوں گے جس کے نیچے حضرت آدم علیہ السلام اور دیگر تمام انبیاء کرام علیہم السلام آرام فرما ہوں گے اور جملہ انبیاء ورسل آپ کی اس سیادت وافضلیت اور فوقیت کا برملا اعتراف کریں گے جب کہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) اللہ تعالیٰ نے اسی کیفیت کو قرآن کریم میں اس طرح عیاں کیا ہے۔ وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ مُّسْفِرَةٌ ضَاحِكَةٌ مُّسْتَبْشِرَةٌ وَوُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ عَلَيْهَا غَبَرَةٌ تَرْهَقُهَا قَتَرَةٌ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْكَفَرَةُ الْفَجَرَةُ۔ (پ ۳۰ سورہ عبس)
اس دن کئی چہرے روشن، ہنستے اور خوشی مناتے والے ہوں گے اور کئی چہرے ایسے ہوں گے کہ ان پر گرد وغبار ہوگی اور سیاہی چھائی ہوگی وہی لوگ ہیں کافر اور ناہنجار وبدکار۔ اہل ایمان کا ایمان نور ان کے آگے دائیں جانب دوڑتا ہوگا۔ نورھم یسعی بین ایدیھم وبایمانھم۔ جب کہ کفار ومنافقین کا کفر ونفاق ظلمات در ظلمات بن کر ان کو اپنی لپیٹ میں لینے والا ہوگا۔

نیز یہ حالت خواب اور عالم برزخ کی ہے۔ دنیا میں چلتے پھرتے لوگوں کے درمیان بھی یہ فرق اس قدر واضح طریقہ پر محسوس کیا جا سکتا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ جو بھی وہابی اور گستاخِ رسول ہوگا اس کا چہرہ غبار آلود اور وحشت زدہ محسوس ہوگا۔ اس پر سیاہی چھائی ہوگی اور جو کوئی بزعم خود محافظ توحید منہ پھٹ ہوگا اس کا منہ تو دیکھنے کے قابل ہی نہیں رہتا اور نہ ان کے معتقدین عوام کو منہ دکھلانے کی جرات کرتے ہیں کبھی یہ بہانہ کریں گے کہ میت کا منہ دیکھنا بدعت ہے جس طرح سرگودھا کے ایک موحد کے پسماندگان نے بہانہ بنایا اور کبھی کہیں گے طبی وجوہ کی بنا پر منہ نہیں دکھایا جا سکتا جیسے راولپنڈی کے ایک نام نہاد توحید پرست کے متعلق اعلان کیا گیا جو اخبارات میں چھپ چکا ہے لیکن اس قدر واضح برھان ہاتھ آ جاتے کے باوجود بھی باطل چھوڑنا اور حق قبول کرنا انہیں گوارا نہیں۔
لقد صدق اللہ (من قائل) ختم اللہ علی قلوبھم نعوذ باللہ من سوء العاقبۃ۔ (محمد اشرف سیالوی)

اللہ تعالیٰ قیامت کے روز اولین وآخرین پر آپ کی فضیلت وبرتری خود ظاہر فرمائے گا۔

بخاری ومسلم میں صراحۃً حدیث پاک میں اس سیادت کا اظہار واعلان موجود ہے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا انا سید الناس یوم القیامۃ۔ اس حدیث پاک میں لوگوں کا حضرات انبیاء سے شفاعت کی التجا کرنا اور ہر ایک کا معذرت کے ساتھ انہیں دوسروں کی طرف رہنمائی فرمانا۔ حتیٰ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارت پانا اور پھر آپ کا انہیں قبول کرنے کے بعد انا لھا انا لھا فرمانا۔ یعنی شفاعت کے لیے میں ہوں شفاعت کے لیے میں ہوں۔ اور پھر آپ ہی شفاعت فرمائیں گے۔ نیز اللہ تعالیٰ آپ کی شفاعت قبول فرمائے گا۔

نکتہ :- یہ امر بھی ممکن تھا کہ اہلِ محشر پہلے پہل آپ کی خدمت اقدس میں حاضری دیں لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کو پہلے پہل دوسرے انبیاء ومرسلین علیہم السلام کی طرف جانے کا خیال دل میں ڈالا تاکہ جملہ انبیاء ورسل پر آپ کا شرف وفضل ظاہر ہو جائے اور ہر ایک کو معلوم ہو جائے کہ سید الخلق علی الاطلاق اور احب الرسل عند اللہ الخلاق صرف یہی حبیب پاک صاحب لولاک علیہ افضل الصلوات ہی ہیں اس معنی ومفہوم کو عوام اہل اسلام اگرچہ تفصیلاً نہیں جانتے مگر وہ اتنا یقیناً جانتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دنیا وآخرت میں علی الاطلاق سید الخلق والسادات ہیں اور آپ عند اللہ دارین میں مقبول الشفاعۃ ہیں۔ جملہ اہل اسلام بالاتفاق جناب الٰہی میں قضاء حاجات، حل مشکلات اور حصول مقاصد میں ان سے توسل کرتے ہیں اور بروز قیامت بھی کریں گے۔ لہٰذا وہ سبھی اس معنی میں اعلم العلماء کے ساتھ شریک اعتقاد ہیں۔ اور عقیدہ ونظریہ میں مرد، عورتیں برابر ہیں۔ بلکہ وہ اپنی اولاد کی تربیت وپرورش بھی اسی اعتقاد صحیح، ایمان خالص پر کرتے ہیں۔ اہلِ اسلام کا کوئی بھی بچہ سن تمیز وبلوغ کو نہیں پہنچتا مگر وہ علماء فضلاء اور آباؤ اجداد کے ساتھ اس حسن اعتقاد میں شریک ہوتا ہے اور جوں جوں بڑا ہوتا ہے اس کا یہ عقیدہ بھی راسخ ہوتا اور بڑھتا چلا جاتا ہے۔ جتنی کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اسے ہدایت وتوفیق ترقی منظور ہوتی ہے۔ یہ ہے شان وکیفیت اہل اسلام اولین وآخرین کی زبانِ سعادت نشان نبوی سے لے کر اب تک۔

انکار توسل وشفاعت اور تاریخ وہابیت

ہاں، اہلِ اسلام وایمان سے ایک فرقہ الگ ہوا۔ جو شیطان کے ہاتھ کا کھلونا بن گیا۔ شیطان نے ان کے دل میں وسوسہ پیدا کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم وتکریم کا معاملہ دیگر انبیاء وصالحین کی مانند ہے۔ خواہ توسل واستغاثہ کا مسئلہ ہو یا ان کی زیارت کا سفر، ان میں باہم کوئی فرق نہیں۔ ان کے متعلق یہ عقیدہ رکھنا کہ انہیں عند اللہ جاہ ومرتبت حاصل ہے توحید باری میں خلل ڈالنا ہے۔ جو موجب شرک وکفر ہے۔ (العوذ باللہ تعالیٰ)

وہابیہ نے انبیاء کرام ومرسلین اور دیگر مقربین کو بعد از وصال ہر وصف جمیل اور صفتِ کمال سے خالی قرار دے دیا ہے

جوان کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی جناب میں توسل واستغاثہ کا باعث وسبب ہو سکتا ہے اور انہیں بعد از وصال عام مومنین ومسلمین کی مانند تسلیم کر لیا۔ یعنی ان کو عام مسلمانوں پر کوئی فضیلت نہیں۔

اس فتنہ باز گروہ نے قبور کی زیارت کے لیے سفر ممنوع ٹھہرایا۔ اور ساتھ ہی اہل اللہ سے توسل واستغاثہ حرام قرار دیا۔ حتیٰ کہ سید الانبیا علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زیارت کے لیے سفر اور آپ سے توسل کو بھی اس زمرہ میں شمار کیا۔

اس فرقہ باطلہ کا امام وپیشوا ایسی شیخ ابو العباس تقی الدین احمد بن تیمیہ حنبلی ہے اور اس کی پیدائش ہی اس فرقہ کے ظہور کا باعث بنی اے کاش یہ فرقہ باطلہ اس کی موت کے ساتھ ہی مر جاتا لیکن بد قسمتی سے ایسا نہ ہو سکا۔[1]

تنبیہ :۔ ابن تیمیہ کے حنبلی ہونے سے یہ نہ سمجھ لیا جائے کہ حضرت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ تعالیٰ کا مذہب ومسلک بھی یہی ہے۔ حاشا وکلا بناہ بخدا! امام احمد بن حنبل کا ایسا مذہب کیسے ہو سکتا جب کہ وہ محبت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم میں مشہور ومعروف عاشقانِ مصطفیٰ میں سے ایک ہیں۔ اور تمام جزئیات وکلیات میں نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اتباع واقتداء کا التزام کرنے والے ہیں حتیٰ کہ انہوں نے تربوز نہیں کھایا تھا کیونکہ انہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے تربوز استعمال فرمانے کی کیفیت معلوم نہ ہو سکی تھی۔ کیا اس کے بعد بھی کوئی ان کے بارے میں بدگمانی کا شکار ہو سکتا ہے کہ ان کے نزدیک رسول اعظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے اللہ تعالیٰ کے ہاں کوئی جاہ ومقام نہیں ہے، آپ سے توسل کو حرام قرار دیں اور آپ کی زیارت کے لیے سفر کو ممنوع ٹھہرائیں۔ اور یہ دعویٰ کریں کہ حبیب خدا علیہ التحیۃ والثناء کے وصال کے بعد عوام مومنین کی مانند ہیں۔ سبحانک ھذا بھتان عظیم۔

حضور سیدنا غوث اعظم شیخ عبد القادر جیلانی قدس سرہٗ العزیز بھی حنبلی ہیں، مگر وہ اپنی تصانیف غنیہ وغیرہ میں فصیح ترین اور واضح عبارات کے ساتھ توسل کے جواز کی تصریح فرماتے ہیں۔ نیز اپنے وظائف اوراد واحزاب اور سلام میں عملی طور پر استغاثہ وتوسل کرتے ہیں۔ جیسے کہ آئندہ صفحات میں ان کا ذکر کیا جا رہا ہے۔

امام یحییٰ صرصری اور شہاب محمود حلبی رحمہ اللہ تعالیٰ یہ دونوں حنبلی مذہب کے ائمہ سے ہیں جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مداحوں میں مشہور ومعروف ہیں۔ ان کے اکثر مدائح میں استغاثہ وتوسل کی تصریح موجود ہے اور آپ نے زیارت کا شرف حاصل کرنے کے لیے شد رحال یعنی سفر زیارت بھی کیا۔ جو باقاعدہ سواریوں پر پالان رکھنے کے ساتھ تھا۔ اور بارگاہ رسالت میں حاضر ہو کر قصائد وغیرہ بھی پڑھنے کی سعادت حاصل کی جن کا ذکر آئندہ صفحات میں آ رہا ہے۔

امام صرصری نے تو اپنے بہت سے قصائد ومناقب میں صحابہ کرام، اولیاء عظام کے مزارات کی حاضری کے لیے

---

[1] ابن تیمیہ اپنی بدعات میں امام احمد بن حنبل اور دیگر حنبلی علماء کا مخالف ہے۔ (محمد اشرف سیالوی)

دور دراز سے سفر کرنے کے جواز کی بھی تصریح کی ہے اسی طرح بے شمار متقدمین ومتاخرین حنابلہ نے اس عقیدہ کا برملا اظہار کیا ہے۔ سو فرقہ وہابیہ کے جو ابن عبد الوہاب نجدی کی طرف منسوب ہے۔ کیونکہ اس نے ان کو ابن تیمیہ اور اس کے دونوں شاگردوں ابن القیم اور ابن عبد الہادی کی بدعات پر کاربند کیا ہے۔ اور اس کا متبع ومقتدی بنایا ہے۔ لیکن حقیقتاً ان کا امام نجدی نہیں بلکہ ابن تیمیہ ہے۔

بے شک ابن القیم اور ابن الہادی بھی ان بدعات میں اس کے معاون ہیں مگر وہ امام نہیں ہیں۔ ابن عبد الوہاب ابن تیمیہ کے پانچ سو سال بعد پیدا ہوا مگر ابن تیمیہ کی بدعات کی نشر واشاعت میں سب پر سبقت لے گیا۔ اور اس کے فتنہ کے باعث ہر طرف فساد برپا ہوا، خون کے سمندر بہنے لگے اور اہل اسلام کا جانی نقصان حد وشمار سے باہر ہے۔ جسے اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔

ابن تیمیہ کی بدعات کا آخری پرچارک

اور اس زمانہ میں صدیق حسن خاں بھوپالی نے اجتہاد مطلق کا دعویٰ اگل رکھا ہے جیسے کہ ان متبدعین کی پرانی عادت ہے کہ ان میں ہر ایک مجتہد مطلق ہے۔ اس نے ہر ممکن سطح پر وہابی علماء کو جمع کیا اور انہیں اپنے ساتھ کتابوں کی تدوین وتالیف اور طباعت واشاعت پر آمادہ کیا۔ اور ملکہ بھوپال کے ساتھ ازدواجی ناطے کی وجہ سے قبضہ میں آنے والے بے پناہ مال ودولت کو اس مقصد پر لگا دیا اور پوری قوت ابن تیمیہ کی بدعات کی اشاعت میں صرف کر دی اور دوسرے لوگوں کو بھی اجتہاد مطلق کی دعوت دی نیز براہ راست کتاب وسنت سے احکام اخذ کرنے کی رغبت دلائی۔ تقلید ائمہ مذاہب اربعہ کے ترک پر آمادہ کیا جس پر امت محمدیہ کا اجماع واتفاق ہے۔ حالانکہ ان ائمہ مذاہب اربعہ نے کتاب وسنت کی ہی تشریح کی ہے اور شریعت محمدیہ کو اس طرح منضبط کیا ہے کہ اس دور میں کسی کے لیے ایسا ضبط ممکن ہی نہیں۔ لہٰذا اہل اسلام ان مذاہب کی تقلید واتباع جو کتاب وسنت پر مبنی ہے کی وجہ سے اسلام سے خارج قرار نہیں دیے جا سکتے بلکہ ان مذاہب کی اتباع ہی درحقیقت کتاب وسنت کی پیروی ہے۔ لیکن ائمہ اربعہ اور اکابر اتباع کے فہم وادراک اور علم وشعور کے آئینہ، ان کے نور فراست اور ضیائے بصیرت نے مذاہب کی خدمت میں اپنی عمر عزیز کا گراں قدر سرمایہ صرف کیا۔ وہ تقویٰ وپرہیزگاری اور زہد وعبادت میں یگانۂ روزگار اور مدارج کمال پر فائز ہونے کے ساتھ ساتھ کتاب وسنت کے ساتھ اس کی تطبیق، ساتھ ساتھ علوم ومعارف کے ایسے سمندر تھے جن کا کوئی ساحل وکنارا نہ تھا۔ تو کہاں کتاب وسنت کا وہ فہم وادراک، اور کہاں ہندی ونجدی فہم وشعور؟ گویا ان کا مقصد صرف یہ ہے کہ ان ائمہ کی تقلید نہ کی جائے بلکہ ہماری تقلید ہو اور ان کی عقل کامل، فہم خالص اور شعور وافر کے آئینہ میں کتاب وسنت کا اصلی اور نورانی چہرہ نہ دیکھو بلکہ ہماری ناقص عقل اور غلط افکار کے اندھے شیشوں میں مبہم نقش دیکھو)

اس دور میں گمراہی وضلالت کی وجہ

ہم مصر وشام اور اکثر بلاد اسلامیہ میں دیکھتے ہیں کہ اکثر لوگوں کے دل اور ذہن علوم دینیہ کی تحصیل سے برگشتہ ہیں انگریزی اور دیگر علوم دنیویہ کی طرف راغب ہیں، نیز جو لوگ علوم دینیہ میں مشغول ہیں ان میں سے ایسے بھی ہیں جو ابن تیمیہ اور اس کے متبعین نیز صدیق حسن خان بھوپالی اور اس کے ہم مسلک لوگوں کی کتابوں کو پڑھ کر جہالت ونادانی، کم فہمی اور قلت عقل کے باعث اجتہاد مطلق کے درجہ پر فائز ہونے کے مدعی بن بیٹھتے ہیں۔ وہابیہ اور ان کے مدح سرا مذہبی بھگوڑوں کی باتیں سن سن کر جدید تعلیم یافتہ حضرات میں بھی ان کی بدعات کا زہر سرایت کر گیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ بھی اسی راہ پر چل نکلے ہیں۔ چنانچہ اسی طرح بہت سے سادہ لوح، ضعیف العقل گمراہ ہو گئے اور صراطِ مستقیم کو چھوڑ کر مخالف سمت میں چل نکلے (ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم)

ابن تیمیہ اور ان کے تلامذہ قابلِ ستائش و لائق مذمت

تنبیہ پنجم:

ابن تیمیہ علم کا بحر عجاج ہے جو جوشن زن موجوں کے ساتھ متلاطم ہے۔ کبھی تو وہ قیمتی موتی کنارے پر پھینکتا چلا جاتا ہے، کبھی پتھر اور سیپ اور کبھی غلاظتیں اور مردار، لیکن اس کی پہلی صفتِ جمیلہ ہی غالب ہے۔ القصہ وہ دو صفتوں کا حامل ہے۔ ایک محمودہ "جو قابلِ ستائش ہے وہ اس کا علم نافع میں امام ہونا ہے۔ اس وجہ سے تو وہ لائق تعریف ہے اور یہی صفت اس میں غالب ہے اور جب کبھی میں اپنے کلام میں اس کی تعریف کروں گا تو اس خوبی کے پیش نظر ہی کروں گا جیسے کہ مذاہب اربعہ کے اکابر علماء نے اس صفت کو پیش نظر رکھا اور تعریف کی۔ دوسری مذموم اور قابلِ مذمت اور وہ اس کا بدعات سیئہ و مذمومہ میں امام و پیشوا ہونا ہے۔ اسی لیے وہ مذمت کا حق دار ہے۔ اسی سبب سے مجھے بھی دوسرے علماء کرام کی طرح اس کی مذمت میں مستعد پائے گا تاکہ لوگ ڈریں اور اس کی بدعات رذیلہ سے محفوظ رہیں نیز اس کی ملمع سازی اور مرصع و مرتع تحریر سے دھوکہ میں آ کر اس کی لغزشات کے اندھے کنووں میں نہ گر پڑیں۔

ابن قیم اور ابن الہادی کے متعلق بھی یہی کچھ کہا جائے گا۔ یعنی وہ دونوں صفت محمودہ اور صفتِ مذمومہ سے متصف ہیں اگر ایک وجہ سے وہ قابل ستائش ہیں تو دوسری وجہ سے لائق مذمت بھی۔ اگرچہ ابن القیم بنسبت ابن الہادی اپنی کتابوں کی افادیت کے باعث قدرے زیادہ مستحق تعریف ہے۔

محترم قارئین:۔

میری کتاب میں تناقض وتضاد کا ہرگز ہرگز گمان نہ کرنا کیونکہ میرا کلام ہو یا مذاہب اربعہ کے اکابر علماء کرام کا جن کی میں نے اتباع کی ہے اس میں ابن تیمیہ اور اس کے تلامذہ کی تعریف وتحسین یا مذمت وتشنیع دو مختلف جہات اور پہلوؤں کی وجہ سے راجع ہے یعنی اوصاف حمیدہ اور ذمیمہ۔

بخدا اگر ان کی بدعات جن کا تعلق روح ایمان، جانِ دین رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات والا برکات اور ان کے اوصاف وکمالات اور نعمت وجمال سے نہ ہوتا تو میں ان کے لیے کوئی ایک ایسا کلمہ بھی استعمال کرنا پسند نہ کرتا جس سے ادنیٰ درجہ کی مذمت کا پہلو نکلتا۔ خواہ ان سے کس قدر بھی خطائیں اور گناہ سرزد ہوتے کیونکہ وہ انسان ہی تو ہیں۔ انبیاء ورسل تو نہیں کہ خطاء لغزش سے محفوظ و معصوم ہوتے۔ صرف ان کے حسنات یا سیئات میں سے غالب اور اکثر پر نظر رکھی جائے گی۔ اور ان علماء اعلام کی حسنات بحمد اللہ تعالیٰ ان کی سیئات سے کئی گنا زیادہ ہیں۔ کیونکہ وہ ائمہ اسلام اور اکابر علماء اعلام ہیں۔ اور بالخصوص مجھ ایسے کی طرف سے ان پر اعتراض وانکار اور طعن وتشنیع تو صغیر سے عدم توقیر پر دلالت کرتی ہے۔ جو شرعًا ممنوع ہے جب کہ میرے اور ان کے درمیان علم وادراک اور فہم وفراست کے لحاظ سے کوئی نسبت ہی نہیں۔ میں ضعیف العقل طلبہ میں سے ہوں اور وہ ائمہ اسلام سے ہیں۔ لیکن وہ مسائل جن میں انہوں نے لغزش کھائی ہے اور جمہور کی مخالفت کی ہے اور انہی مسائل کی وجہ سے انہوں نے اپنے اور جملہ اہل اسلام پر عظیم ترین مصیبت ڈھائی ہے۔ وہ اتنی واضح ہے کہ نہ مجھ پر اور نہ ہی مجھ سے کم علم پر مخفی ہے۔

بایں ہمہ میں باوجود ان بدعات کے علماء اعلام اور فضلاء کرام کے تردیدی اقوال نقل کر کے لوگوں کو ان سے دور رکھنے میں مبالغہ کرنے کے باوجود میں ان ہر دو کے کمال فضل اور تقویٰ اور امامت پر فائز ہونے کا عقیدہ رکھتا ہوں لیکن ان امور میں جہاں انہوں نے جمہور اہل اسلام کی مخالفت نہیں کی۔ لہٰذا ان صفات جمیلہ کی وجہ سے ہم پر لازم ہے کہ ہم ان کی مدح وتوقیر کریں۔ وہ بلاشبہ علمی نسبت میں میرے اجداد ہیں۔ کیونکہ میری سندات ان سے متصل ہیں۔ اور اگر میں ناحق ان کی مذمت کروں تو اس میں قرابت علمیہ کی قطع رحمی لازم آئے گی۔ لیکن یہ تو تمہیں معلوم ہی ہے کہ یہ مذمت ناحق نہیں ہے۔ بلکہ حق وصداقت پر مبنی ہے۔ لہٰذا دراصل مذموم وہ بدعات ہیں نہ کہ ذوات وشخصیات، اور اس میں ذرہ بھر بھی شک وشبہ کی گنجائش نہیں ہے۔ جب مرنے کے بعد ان پر حقائق منکشف ہوئے ہوں گے تو انہیں یقینی علم ہوا ہوگا کہ وہ سید المرسلین اور دوسرے جملہ انبیاء ورسل علیہم الصلوٰۃ والسلام، اولیاء کاملین کی طرف سفر زیارت کو حرام قرار دے کر سخت خطا کے مرتکب ہوئے ہیں نیز توسل واستغاثہ کو ممنوع قرار دینے میں بھی خاطی ہیں اسی لیے ان کی غلط آرا اور فاسد نظریات کا رد کرنے والا ان کو برا نہیں لگے گا اور نہ وہ شخص انہیں ناپسند ہوگا جو لوگوں کو ان کی اتباع سے ڈرانے والا ہوگا بلکہ ہمارا یہ اقدام انہیں خود اچھا لگے گا۔ نیز موجب فرحت وسرور۔ کیونکہ اس طرح

ان کے متبعین کم ہوں گے جو ان بدعات فاحشہ میں ان کی پیروی کرنے والے ہوں اور پھر اس طرح ان کا بوجھ ہلکا ہو گا کیونکہ برے اعمال میں تقلید کرنے والوں کا گناہ اجتماعی طور پر امام و متبوع کے نامہ اعمال میں درج ہوتا ہے۔

حقوق سید المرسلینؐ پر جسارت انتہائی قابلِ مذمت اقدام

خیال رہے کہ مجھے ایسے طالب علم کا اس طرح ائمہ کبار (ابن تیمیہ، ابن القیم، ابن عبدالہادی) کے رد و انکار کی جسارت کرنا بہت بڑی بات ہے۔ اگر اس کا تعلق رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ناموس و عزت کے تحفظ کے ساتھ نہ ہوتا تو میں کہتا کہ یہ جرأت انتہائی قابلِ مذمت و ملامت ہے۔ اسی لیے میں ان کے رد و انکار کے معاملہ میں عرصہ دراز تک سوچ و بچار میں متردد و متامل رہا کبھی ایک پاؤں آگے رکھتا اور کبھی دوسرا پیچھے ہٹاتا تا آنکہ میں نے اللہ تعالیٰ سے استخارہ کیا اور اس اقدام پر عزم بالجزم کر لیا۔ کیونکہ مجھے ابن تیمیہ وغیرہ کی کتب کی نشر و اشاعت کی وجہ سے اس امر پر پختہ یقین ہو گیا تھا کہ اب رد و انکار ہی زیادہ موزوں و مناسب ہے۔

میں نے کمتر ہونے کے باوجود اگر ان اکابر کے خلاف قدم اٹھایا ہے تو یہ اس سے بہت ہی کمتر ہے کیونکہ انہوں نے تو سید المرسلین، انبیاء کرام، صالحین عظام کے حقوق پر ڈاکہ ڈالا ہے۔ زیارت و استغاثہ اور توسل کرنے والے اہل ایمان پر جرأت کی ہے اور انہی امور کی بنا پر مشرک ٹھہرایا ہے۔ میری جرأت کی نسبت یہ اتنی بڑی جسارت ہے جس کا نہ تو اندازہ لگایا جا سکتا ہے اور نہ کوئی اس سے بڑی جسارت ہو سکتی ہے۔ چنانچہ وہ اس اقدام کی وجہ سے بہت بڑے جرائم کے مرتکب ہوئے ہیں اس لیے وہ شدید ترین مذمت و ملامت کے حق دار ہیں۔

توہینِ خواص، توہینِ الٰہی ہے

ان کی طرف سے یہ عذر کہ وہ تو صرف اللہ تعالیٰ کی توحید کے پرچارک، محافظ و حامی ہیں یہ عذر ظاہر البطلان ہے۔ اور تمام انصاف پسند عقلا و اہل ایمان کے نزدیک خیالات فاسدہ اور ہذیان قبیحہ سے ہے۔ اس معاملہ میں ان کی مثال ایسی ہی ہے جیسے کوئی شخص سلاطین میں سے کسی ایک کے خاص مقرب، منظورِ بارگاہ کی توہین و تحقیر کا ارتکاب کرے اور گمان کرے کہ میں نے یہ توہین و تحقیر بادشاہ کی تعظیم و توقیر کے لیے کی ہے۔ کیونکہ اگر منظورِ بارگاہِ سلطانہ کی تعظیم و توقیر کرتا تو بادشاہ کی توہین و توقیر ہوتی؟ کیا کوئی عقلمند اس شخص کی اس بڑے باطل دعویٰ اور زعم فاسد کو قبول کرے گا؟

اس کے فساد و ضرر سے تو کوئی جاہل بھی بے خبر نہیں رہ سکتا۔

بایں ہمہ ہم نے ان پر رد کرتے ہوئے ائمہ اسلام اور علماء کرام کی عبارات درج کی ہیں جو علمی مرتبہ و مقام میں ان کے ہم پلہ ہیں یا ان سے بھی اعلم و افضل ہیں تو گویا ان کا رد میں نہیں کر رہا بلکہ ان اکابر امت نے کیا ہے۔ اور اکابر ہی نے ان کے کلام کا ضعف اور کھوٹ واضح کیا ہے، اہلِ اسلام کو ان کی بدعات شنیعہ سے ڈرایا، ان کی لغزشاتِ قبیحہ اور حرکاتِ باطلہ پر آگاہ کیا ہے۔ جس کا باعث صرف دینی غیرت ہے۔ نیز سید المرسلین کی شریعت مطہرہ کی حفاظت و نصرت فرمائی خصوصًا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت و الفت کی تبلیغ کی۔ کیونکہ وہ اس امر کے معتقد ہیں نیز ان کا یہ اعتقاد واقع و شرع کے عین مطابق ہے۔ اس لیے کہ وہ اس اقدام سے رب العالمین جل وعلیٰ کی رضا و خوشنودی کے طالب ہیں۔ بر خلاف ان مبتدعین کے جن کی بنیاد زعم فاسد اور خلاف واقعہ امر پر ہے۔ اور یہ اکابرِ امت ان کی طرح شیطان کے مکر و فریب کا شکار نہیں جس طرح مبتدعین ہوئے۔ جنہوں نے گمان کیا کہ ہماری بدعات و ہزلیات ہی میں توحید کے تحفظ کا سامان پایا جاتا ہے۔ (العیاذ باللہ تعالیٰ)

کیونکہ یہ ساقط و ناقابلِ اعتبار اباطیل نیز مردود و ناقابل اعتداد وساوس میں سے ہے۔ اسی لیے میں نے ان پر رد و انکار میں اکابر اسلام کے آثار کا اتباع کیا ہے۔ اگرچہ عبارات میں مختلف انداز اور اسلوب اختیار کیا ہے اور ان کی خطاء و لغزشات کو براہین کثیرہ اور دلائل قاہرہ سے اظہر من الشمس کر دیا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ ہی نیتوں کا جاننے والا ہے۔

سلیمان بن عبدالوہاب برادر ابن عبدالوہاب نجدی

میں اس تنبیہ کو ضبط تحریر میں لا چکا تھا کہ دو ماہ بعد مجھے ابن عبدالوہاب نجدی کے بھائی شیخ سلیمان بن عبدالوہاب الحنبلی کی کتاب "الصواعق الالٰہیہ علی الوہابیہ" کے مطالعہ کا موقع ملا۔ اس میں ابن تیمیہ و ابن القیم کا منقول کلام دیکھا۔ جو میری اس تنبیہ میں مذکور کلام کی تائید و تصدیق کرتا ہے نیز اس بحث میں اہم فوائد بھی ہیں۔ لہٰذا میں من و عن شیخ سلیمان کے الفاظ میں ہی نقل کرتا ہوں۔

ابن القیم نے شرح المنازل میں ذکر کیا ہے کہ تمام اہل سنت اس امر پر متفق ہیں کہ ایک شخص میں دو مختلف وجوہ سے ولائت و محبت اور بغض و عداوت جمع ہو سکتے ہیں لہٰذا وہ محبوب و مبغوض بھی ہو سکتا ہے بلکہ اس میں ایمان بھی ہو گا اور نفاق بھی۔ ایقان بھی ہو گا اور کفر بھی، اور اس کا جھکاؤ کسی ایک جانب زیادہ ہو گا۔ جیسے کہ ارشاد باری ہے۔ ھم للکفر یومئذ اقرب منھم للایمان، وہ اس دن بنسبت ایمان کے کفر کے زیادہ قریب ہوں گے۔ وما یومن اکثرھم باللہ الا وھم مشرکون، ان میں سے اکثر اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایمان نہیں لاتے مگر اس حال میں کہ وہ شرک کرنے والے ہیں تو اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے ایمان کے ساتھ ساتھ شرک سے بھی تعبیر فرمایا۔ اگر اس شرک میں انبیاء و رسل کی تکذیب بھی

پائی جاتی ہے تو انہیں وہ ایمان قطعاً نفع بخش نہیں ہوگا جو وہ رکھتے ہیں، اور اگر اس ایمان کے ساتھ انبیاء ورسل کی تصدیق وتائید مقرون ہے تو بایں وجہ انواع شرک کے بھی مرتکب ہیں لیکن ان کو رسولوں اور یوم آخر پر ایمان سے خارج قرار نہیں دیا جاسکتا۔ لیکن وہ کبائر کے مرتکب فساق سے بھی زیادہ وعید نار کے مستحق ہیں۔ اس قاعدہ وقانون کے تحت اہل سنت نے اہل کبائر کا جہنم میں داخل ہونا اور پھر اس سے رہائی پاکر جنت میں جانا ثابت کیا ہے۔ کیونکہ ان میں دونوں سبب دخول نار کا سبب شرک اور دخول جنت کا سبب ایمان موجود ہیں۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ ارشاد خدا " وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ " میں کفر سے مراد وہ کفر نہیں جو ان کو ملتِ اسلامیہ سے خارج کردے اور اللہ تعالیٰ اور یوم آخر کے ساتھ کفر کی مانند ہو۔ اور طاؤس وعطا سے بھی اسی طرح منقول ہے۔

تقی الدین ابن تیمیہ نے کہا ہے صحابہ کرام علیہم الرحمۃ والرضوان اور سلف صالحین فرماتے ہیں کہ بندے میں ایمان بھی اور نفاق بھی ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد هُمْ لِلْكُفْرِ يَوْمَئِذٍ اَقْرَبُ مِنْهُمْ لِلْاِيْمَانِ، بھی اسی پر دلالت کرتا ہے۔ نیز اسلاف کے کلام میں بکثرت وارد ہے کہ دل میں بیک وقت ایمان ونفاق موجود ہوتے ہیں۔ کتاب و سنت بھی اس پر ناطق ہے۔ اسی لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ يَخْرُجُ مِنَ النَّارِ مَنْ كَانَ فِيْ قَلْبِهٖ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ مِنَ الْاِيْمَانِ۔ دوزخ سے ہر وہ شخص نکل آئے گا جس کے دل میں ذرہ برابر بھی ایمان ہوگا۔ پس معلوم ہوا کہ جس کے دل میں انتہائی قلیل مقدار میں بھی ایمان ہوگا وہ دوزخ میں ہمیشہ نہیں رہے گا۔ خواہ اس میں نفاق کتنی ہی مقدار میں کیوں نہ ہو بقدر مقدارِ نفاق جہنم میں عذاب پاکر آخر کار نجات حاصل کرلے گا۔

اس بحث کی تفصیل یہ ہے کہ کبھی انسان میں ایمان کے شعبوں میں سے ایک شعبہ ہوتا ہے کبھی کفر اور نفاق کے شعبوں میں سے ایک ایک شعبہ، کبھی وہ مسلمان ہوتا ہے لیکن اس میں شعبۂ کفر کے جراثیم بھی پائے جاتے ہیں لیکن اس کفر سے کم جو بالکلیہ ایمان واسلام سے خارج قرار دینے کے مترادف ہوتا ہے۔ جیسے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے کفر دون کفر کا قول کیا ہے۔ اور یہی عوام جمہور کا قول ہے یعنی کفر کے مختلف مدارج ہیں بعض بعض سے کم اور بعض زائد۔

شیخ سلیمان بن عبدالوہاب حنبلی نے ابن قیم اور ابن تیمیہ کا یہ کلام نقل کرتے ہوئے کہا ہے کہ اس فصل میں اچھی طرح غور وفکر کرو اور اسلاف سے ان کا نقل کردہ اجماع ملاحظہ فرماؤ۔ اور بالکل یہ گمان نہ کرنا کہ یہ خطا کار کے حق میں تفصیل ہے کیونکہ جس شخص سے بطور خطاً ایسے امور سرزد ہوتے ہیں تو اس سے گناہ اور اس کی سزا اٹھائی گئی ہے جیسے بارہا اس کی تصریح گزر چکی ہے۔

پھر انہوں نے وہابیہ اور اپنے بھائی ابن عبدالوہاب نجدی اور اس کے اتباع کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ

تم اتنی قلیل کفر کی بناپر لوگوں کو کافر قرار دیتے ہو (اور وہ بھی ابوجہل وابولہب کی مانند نہ اہل کتاب کی طرح) بلکہ جو بات محض تمہارے زعم فاسد اور ظن کاذب میں کفر ہو اس کی بنا پر اہل ایمان کو کافر کہہ ڈالتے ہو بلکہ خالص کافر جس میں ایمان کا شائبہ تک نہ ہو۔ کیونکہ تمہارا عقیدہ ہے کہ جو شخص ان اہل اسلام کو کافر کہنے میں توقف کرے جو تمہارے خیالِ فاسد میں کافر ہے وہ بھی کافر ہے۔ حالانکہ وہ اس ایماندار شخص میں علامات اسلام دیکھ کر کافر کہنے میں خدا سے ڈرتا ہے اور اسی بناپر وہ اپنی زبان کو تکفر سے روکے رکھتا ہے مگر ان کے نزدیک وہ بلا روک ٹوک پکا کافر!! (العیاذ باللہ تعالیٰ)

ہم دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ تمہیں ظلماتِ اوہام وشکوک سے نکال کر نورِ اسلام کی طرف لائے ہمیں اور تمہیں صراطِ مستقیم پر گامزن رہنے کی توفیق نصیب فرمائے۔ جس راہ پر انعام یافتہ لوگ گامزن رہے جن پر اللہ تعالیٰ کا خصوصی انعام ہوا جو انبیاء وصدیقین، شہدا اور صالحین کے القاب وخطابات سے موسوم ہیں۔

شیخ سلیمان مذکور نے ایک مستقل فصل قائم کرکے فرمایا کہ اہل علم کا کلام اور انکارِ اجماع ذکر کیا جاچکا ہے کہ دین میں تقلید اور اقتدا صرف اسی شخص کی جائز ہے جس نے تمام شرائط اجتہاد کو اپنے اندر جمع کر رکھا ہو اور جس میں یہ شرائط موجود نہ ہوں اس پر تقلید مجتہد لازم ہے اور اس میں بھی اہل اسلام کے درمیان اختلاف نہیں اور اس امر پر بھی اجماع کا منعقد ہونا بیان ہوچکا ہے کہ جو شخص رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے احکام الٰہی کا اقراری ہے اور ان کا التزام کرنے والا ہے خواہ اس میں کفر اکبر وشرک کی خصلت موجود ہی ہو اس کو اتنے وقت تک تو کافر نہیں کہا جاسکتا جب تک اس پر ایسی حجت اور دلیل قائم نہ ہو جس کا تارک کافر سمجھا جاتا ہو۔ اور حجت ودلیل اجماع قطعی ہو نہ کہ ظنی، اور حجت قائم کرنا امام وقت یا اس کے نائب کا کام ہے اور کفر حقیقی صرف ضروریات دینِ اسلام کا انکار ہے مثلاً وجود واجب و حدانیت اور رسالت کا انکار، یا پھر ان امور کا انکار جو ظاہر و واضح ہیں۔ مثلاً نماز کی فرضیت! اور جو مسلمان رسالت کا اقرار کرتا ہے جب کسی مسئلہ میں ایسے شبہ کا سہارا لیتا ہے جو اس قسم کے لوگوں پر مخفی رہ سکتا ہو تو اس کو کافر قرار نہیں دیا جائے گا۔ اور اہلِ سنت کا مذہب تو یہ ہے کہ اسلام کی طرف اپنی نسبت کرنے والے شخص کی تکفیر سے گریز کیا جائے حتیٰ کہ وہ ائمہ مبتدعین کے قتل کا فتویٰ تو دیتے ہیں لیکن ان کو کافر نہیں گردانتے۔ اور ان کے قتل کا حکم بھی صرف اس بناء پر دیتے ہیں کہ مسلمانوں کو ان کے فتنہ وفساد سے بچایا جائے نہ کہ ان کے کفر کے باعث، اور یہ تو گزر ہی چکا ہے کہ ایک ہی شخص میں کفر وایمان اور شرک ونفاق جمع ہوسکتے ہیں اور ہر درجہ کا کفر کفر نہیں کہلاتا۔ اور جو شخص اسلام کا اقرار و اعتراف کرتا ہے اس کا یہ اقرار قبول کیا جائے گا خواہ سچا ہو یا جھوٹا۔ اگرچہ اس سے علامات نفاق کا ظہور بھی ہو۔ اور جو مدعیانِ اسلام کی تکفیر کرتے ہیں وہ اہل اھوا اور اہلِ بدعت ہیں: کیونکہ جہالت اور بے علمی بھی کفر کے معاملہ میں عذر ہے اور اس طرح شبہات کا لاحق ہونا بھی خواہ وہ ضعیف ہی کیوں نہ ہوں۔

اگر اللہ تعالیٰ کی توفیق تیرے شاملِ حال ہو تو اسی قدر ہی اس بدعت کا اجر تیرے لیے کافی ہے جس کے باعث تم جماعت مسلمین اور ائمہ کرام سے علیحدہ ہو چکے ہو اور ہم نے خود استنباط و اجتہاد سے کام نہیں لیا بلکہ ہم نے تو صرف علماء اسلام اور مجتہدین کا کلام نقل کرنے پر ہی اکتفا کی ہے۔

وہابیہ اور وجوہ تکفیر کی صلاحیت

اب ہم ان وجوہ کا ذکر کرتے ہیں جو تمہارے مذہب و مسلک کے غیر صحیح ہونے پر دلالت کرتے ہیں۔ یعنی اہلِ اسلام کو کافر قرار دینا، غیر اللہ کو پکارنا، نذر ماننا اور غیر اللہ کے لیے جانور ذبح کرنا، انبیاء کرام اور اولیاء عظام کے مزارات مقدسہ سے فیوض و برکات کا حاصل کرنے، یا ان کو ہاتھ لگانے کے باعث ہر اس شخص کو کافر و مشرک اور دائرہ اسلام سے خارج قرار دینا بلکہ جو ایسا کرنے والے کو کافر نہ کہے ان کو بھی کافر کہنا۔ حتیٰ کہ تمہارا بلاد اسلامیہ کو دار الکفر اور دار الحرب بتانا۔

ہم کہتے ہیں کہ ان دعاوی پر سب سے عمدہ دلیل تمہارے نزدیک وہ ہے جو تم نے قرآن مجید سے ازراہ استنباط و اجتہاد نکالی ہے اور اس امر پر اجماع نقل کیا گیا ہے کہ (شرائط) اجتہاد مفقود ہونے کی وجہ سے تمہارے لیے اجتہاد درست نہیں اور تمہارے لیے یہ بھی درست نہیں کہ اپنے فہم و ادراک پر اعتماد کرو۔ بغیر ائمہ اسلام کی اقتداء و تقلید کے اور نہ ہی یہ کسی ایسے شخص کے لیے لائق ہے جو خدا اور رسول خدا پر ایمان رکھتا ہو تمہارے فہم و ادراک میں تمہاری تقلید کرے۔ مگر اہل علم کی تقلید نہ کرے۔ اگر تم یہ کہو کہ ہم اپنے دعویٰ میں کہ یہ افعال شرک میں بعض اہل علم کی اقتداء کرتے ہیں تو ہم کہتے ہیں کہ ہم بھی تو تمہارے ساتھ اس معاملہ میں موافقت کرتے ہیں کہ ان افعال میں بعض اوقات شرک و کفر بھی لازم آتا ہے لیکن اہل علم کے کلام سے تم نے یہ کہاں سے اخذ کر لیا ہے کہ یہ امور شرک اکبر ہیں جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے کلام مجید میں فرمایا ہے اور جس کے مرتکب کا مال اور خون اہلِ اسلام پر حلال ہو جاتا ہے اور اس پر مرتدین کے احکام جاری ہوتے ہیں اور جو اس کے کفر میں شک کرے وہ بھی کافر ہو جاتا ہے۔؟

بتائیے؟ ائمہ اسلام اور اکابر ملت میں سے کس نے یہ فتویٰ دیا؟ ان کا کلام لائیے۔ یا اس کا مقام بتائیے۔ پھر یہ وضاحت کیجیے کہ اس امر میں ان کا اتفاق ہے یا باہم اختلاف؟ ہم نے بعض اہل علم کا کلام دیکھا اور مطالعہ کیا۔ تمہارا یہ کلام کہیں نظر نہ آیا۔ بلکہ اس کے خلاف اور برعکس دیکھا۔

ضروریاتِ دین کا انکار کفر ہے

وجود باری تعالیٰ، وحدانیت و رسالت کا انکار نیز ایسے احکام جن پر اجماع ظاہر قطعی کا انعقاد ہو یعنی ارکانِ خمسہ اور ان کے مشابہ دیگر احکام کا انکار کفر ہے، لیکن باوجود اس کے اگر ان میں سے بعض کا انکار از روئے جہالت و لاعلمی ہو تب

بھی اس منکر کو کافر نہیں کہیں گے۔ حتیٰ کہ اسے اچھی طرح واقفیت حاصل نہ ہو جائے۔ اور اس کی جہالت کو زائل نہ کیا جائے کیونکہ اس صورت میں وہ اللہ تعالیٰ اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب کا مرتکب ہو گا۔ لیکن وہ امور جن کی بناء پر اہل اسلام کو تم کافر قرار دیتے ہو ضروریاتِ دین سے بالکل نہیں ہیں اگر یہ کہو کہ ان پر اجماع قطعی منعقد ہو چکا ہے جس کو خاص و عام جانتے ہیں تو ہم کہتے ہیں کہ لاؤ دلیل۔ تمام علماء اسلام کا اجماع کہاں مرقوم ہے؟ ایک ہزار نہیں صرف ایک صد علماء اسلام ہی کا قول ثابت کرو؟ نہیں نہیں صرف دس ہی کا اجماع دکھاؤ؟ بلکہ حقیقت حال یہ ہے کہ تم ایک امام اور مفتیٔ وقت کا قول بھی ثابت نہیں کر سکتے چہ جائیکہ اس پر اجماع ظاہر قطعی کا ثبوت مہیا کر سکو جیسے کہ وجوب معلول پر اجماع ظاہر قطعی ہے اگر تمہیں اپنے زعم فاسد کی تائید میں صرف اقناع میں مندرجہ کلام ہی نظر آئے جو شیخ ابن تیمیہ کی طرف منسوب ہے کہ جس شخص نے اپنے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان وسائط و وسائل بنائے ۔۔۔۔ الخ تو یہ کلام مجمل ہے ہم مطالبہ کرتے ہیں کہ اہل علم کے کلام سے اس کی تفصیل دکھاؤ تاکہ اس کا اجمال دور ہو۔

انتہائی تعجب کی بات ہے کہ تم ایسی عبارت کے ناقل و قائل کی مرضی و مقصد کے برعکس استدلال کرتے ہو کیونکہ ان خاص امور میں جن کی بنا پر تم لوگوں کو کافر گردانتے ہو، اہل اسلام قطعاً کفر کا فتویٰ نہیں دیتے بلکہ ان حضرات نے تو نذر و ذبیحہ اور غیر اللہ کو ندا کرنے کا تذکرہ کیا ہے۔ البتہ بعض کو انہوں نے مکروہات میں شمار کیا ہے۔ مثلاً مزارات کو تبرکاً ہاتھ لگانا، اور وہاں سے برائے تبرک مٹی اٹھانا، قبور کا طواف کرنا جیسے کہ علماء اسلام نے اپنی تصانیف میں تصریح فرمائی ہے اور ایسے ہی صاحب اقناع سے منقول ہے کہ قبر کے پاس رات گزارنا۔ اس کو پختہ کرنا، نقش و نگار بنانا، خوشبو لگانا، بوسہ دینا، طواف کرنا، لوبان وغیرہ سلگانا، اہل قبور کی طرف خط لکھنا اور پھر ان کو راستوں میں دفن کرنا، بیماریوں کے لیے قبور کی مٹی سے شفاء حاصل کرنا، مکروہ ہے کیونکہ یہ سب امور بدعت ہیں۔ الصواعق الالٰہیہ کی عبارت ختم ہوئی۔

میں نے اس طویل اقتباس کے سوا شیخ سلیمان بن عبد الوہاب کی کتاب سے کوئی اور عبارت نقل نہیں کی (کتاب الاقناع جس کی عبارت شیخ سلیمان سے نقل کی ہے) حنابلہ کی کتابوں میں سے انتہائی اہم کتاب ہے۔ اس کی مذکورہ کتاب کے باب اول کے آخر میں زیارتِ قبور، ان کو بوسہ دینا اور طواف کرنا وغیرہ کے احکام میں ذکر کرنا زیادہ مناسب تھا جہاں پر میں نے ائمہ شافعیہ اور دیگر فقہاء اسلامیہ کی تصریحات ذکر کی ہیں۔ لیکن میں نے شیخ سلیمان حنبلی کے متعلق و متصل کلام میں تفریق مناسب نہ سمجھتے ہوئے اس کا اقناع کے حوالہ سمیت یہاں ذکر کر دیا ہے۔

ابن تیمیہ، ابن قیم اور زائرین

شیخ سلیمان کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ شیخ ابن تیمیہ اور ابن قیم کا مزارات انبیاء کرام، اولیاء عظام کی زیارت اور استغاثہ کرنے والوں کو مخالفِ سنت کی وجہ سے مشرک کہنا محض زجر و توبیخ کے لیے ہے حقیقی شرک مراد نہیں۔

نیز شیخ سلیمان بن عبدالوہاب نے اپنی کتاب الصواعق الالٰھیہ کو تقریباً زائرین و مستغیثین کی عدم تکفیر میں منحصر کیا ہے۔ اور اس کے کلام سے یہ بھی مترشح ہوتا ہے کہ وہ بھی ابن تیمیہ کے مذہب پر ہے یعنی انبیاء و اولیاء کی زیارت کے لیے سفر اور ان سے استغاثہ و توسل کو ممنوع قرار دیتا ہے۔ البتہ وہ اپنے بھائی امام الوہابیہ محمد بن عبدالوہاب کی طرح ان متوسلین و زائرین کو کافر نہیں کہتا۔ اسی لیے میں نے اس کی کتاب مذکور کے سوا اتنی عبارت کے اور کوئی چیز نقل کے قابل نہیں دیکھی۔ اور نہ ہی اس کی ضرورت سمجھی۔ خصوصاً جب کہ میں اس کی کتاب پر مطلع ہوا اس وقت شواہد الحق کو مکمل کر چکا تھا اسی لیے اتنی ہی عبارت کو نقل کرنا مناسب سمجھا اور مقام کی مناسبتِ تامہ کی وجہ سے اسی جگہ لاحق کرنا مناسب سمجھا۔

کتاب الاقناع اور مذہب حنابلہ میں اہمیت

کتاب الاقناع جس سے شیخ سلیمان حنبلی نے قبور سے فیوض و برکات کی کراہت نقل کی ہے وہ امام احمد بن حنبل کے مذہب میں تالیف شدہ اہم کتب میں سے ایک ہے اور اس پر حنابلہ کو ابن تیمیہ، ابن قیم اور ابن الہادی کی کتابوں سے بھی بدرجہا زیادہ اعتماد ہے کیونکہ وہ امام شیخ ابوالنجا شرف الدین موسیٰ بن احمد حجادی حنبلی کی تالیف ہے جنہوں نے بروز جمعرات سترہ ربیع الاول ۹۶۸ھ میں وفات پائی۔

ابن تیمیہ اور امام مذہب کی مخالفت

صاحب اقناع کی تصریح سے واضح ہوا کہ امام احمد بن حنبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مذہب اور دیگر مذاہب اہلِ سنت میں اس معاملہ میں کوئی اختلاف نہیں کہ قبور انبیاء کرام و اولیاء عظام کی زیارت کرنے والے بطور تبرک جو امور بجا لاتے ہیں یہ اس قدر ممنوع نہیں ہیں جتنا کہ ابن تیمیہ اور اس کے تلامذہ اپنی کتابوں میں ان سے ڈراتے ہیں اور انہیں انتہائی ہولناک انداز میں پیش کرتے ہیں جیسے کہ ہم اس کتاب کے باب اول کے آخر میں مختلف علماء مذاہب کی عبارات سے واضح کریں گے جب کہ ابن تیمیہ وغیرہ ان امور سے منع کرنے میں اس حد تک مبالغہ کرتے ہیں کہ سننے والا سمجھتا ہے کہ سب منکرات سے بڑھ کر قبیح صرف یہی ہیں اور جملہ انواع کفر میں سے سب سے بڑی نوعِ کفر یہی ہے خواہ وہ ان امور کے مرتکب کو حقیقۃً کافر نہ بھی سمجھتے ہوں اور یہ مبالغہ محض ان ممنوع امور کے لیے بطور تنبیہ، زجر اور رکاوٹ کے لیے کرتے ہوں لیکن ان کو ایسے مبالغے اور سنگین الفاظ استعمال کرنا قطعاً زیب نہیں دیتا۔ جس سے تمام امت وہابیہ نے یہی سمجھ لیا ہے کہ والعیاذ باللہ تمام امت مسلمہ گمراہ اور کافر ہے۔

لیکن امام احمد رضی اللہ عنہ کے علماء مذہب جو حقیقت حال سے باخبر ہیں ان کو یہ مبالغے گھبراہٹ میں نہیں ڈالتے۔ کیونکہ وہ احکامِ مذہب کو خوب جانتے ہیں اور انہیں اپنے مذہب کی معتمد علیہ اور مفتیٰ بہ کتب سے اخذ کرتے ہیں۔ مثلاً

کتاب الاقناع سے اور ابن تیمیہ، ابن القیم نیز ابن عبدالہادی کے کلام پر ان مسائل میں قطعاً اعتماد نہیں کرتے۔ جہاں ان لوگوں نے حنبلی مذہب کی مخالفت کی ہے۔ اگرچہ یہ تینوں ان کے اور دیگر علماء کے نزدیک انتہائی علم و فضل کے حامل فنون میں متبحر اور کتاب و سنت کے حفظ و ضبط میں اس مرتبہ پر فائز ہیں کہ دوسرے اکثر حفاظ اور ائمہ دین اس درجہ پر فائز نہیں۔ انہی خصوصیات کے باعث یہ امتیازی مقام کے مالک بھی ہیں۔ لیکن وہ بعض مسائل میں علماء حنابلہ سے الگ ہو چکے ہیں اور اپنے اجتہاد کی وجہ سے صاحب مذہب امام احمد بن حنبل کے مخالف ہو گئے جس کی نسبت سے حنبلی بنتے ہیں۔ خصوصاً اس مخالفت میں ابن تیمیہ تو پیش پیش ہے۔ چنانچہ دیگر علماء حنابلہ نے ان مسائل میں اس کو لغزش زدہ شمار کیا ہے۔ انہوں نے خود بھی اس سے پرہیز کیا اور اہلِ اسلام کو بھی از راہ نصیحت ان کے اتباع سے دور رہنے کی تلقین کی۔ اور اس کی لغزشوں میں سے انبیاء کرام، اولیاء عظام خصوصاً سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کے لیے سفر اور آپ سے استغاثہ و توسل کرنے سے منع کرنا انتہائی قبیح لغزش ہے۔

تنبیہ ششم:

واضح رہے کہ ابن تیمیہ اور اس کے تلامذہ کے متعلق میں یہ عقیدہ رکھتا ہوں کہ وہ ائمہ دین اور اکابر علماء مسلمین سے ہیں جنہوں نے امتِ محمدیہ کو اپنے علوم سے نفع پہنچایا۔ اگرچہ انہوں نے زیارت و استغاثہ کو ممنوع قرار دے کر انتہائی بے ادبی کا ارتکاب کیا ہے اور اسلام و مسلمین کو نقصان پہنچانے میں بھی کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی۔

میں خدائے بزرگ و برتر کی ذات والا کی قسم اٹھا کر کہتا ہوں کہ میں اس باب میں ان کے کلام پر مطلع ہونے سے قبل یہ تصور بھی نہیں کر سکتا تھا کہ کوئی مسلمان نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق ایسی جسارت بھی کر سکتا ہے اور ایک مدت سے مجھے فکر دامن گیر ہے کہ میں تردید کرتے ہوئے ان کی عبارات کو نقل کروں یا نہ کروں کیونکہ مجھے خوف لاحق ہے کہ ان رسوائے زمانہ، انتہائی قبیح عبارات کو ذکر کر کے کہیں ان کی اشاعت کا سبب نہ بن جاؤں۔ حقیقت یہ ہے کہ میں ان عبارات کے ذکر کی اپنے اندر جرأت نہیں پاتا۔

اللہ تعالیٰ رحم فرمائے اور ان کی نیتوں کے مطابق ان سے معاملہ فرمائے۔ ان کا ان مسائل میں لغزش کھانا ہمارے لیے نہ تو دعائے ترحم سے مانع اور نہ ہی ان کے علم سے نفع اٹھانے میں: کیونکہ کبھی نہایت عمدہ گھوڑا بھی ٹھوکر کھا جاتا ہے۔ اور انتہائی تیز تلوار کبھی وار میں خطا کر جاتی ہے۔ جیسے کہ ہمارا ان کے ایسے علم سے نفع اٹھانا، جو لغزش اور خطائے فاحش کی آمیزش سے پاک و صاف ہے۔ اس بات کی دلیل نہیں کہ ہم ہر اس امر پر رضا مند ہیں جو ان کے نزدیک صواب و صحیح ہے۔ خصوصاً جب ان کی اس مسئلہ میں خطائے فاحش ظاہر ہو۔ یعنی انبیاء و اولیاء کے مزارات کی حاضری نیز استغاثہ و توسل کا مسئلہ۔ تو ایسے مسائل میں ہم ان کی متابعت ہرگز نہیں کرتے بلکہ پر زور تردید کرتے ہیں۔ اور عامۃ الناس کو حتی الامکان

نفرت دلاتے ہیں یہ سمجھتے ہوئے کہ ہمارا مقصد اہل اسلام پر شفقت اور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت وعقیدت کا برملا اظہار ہے اور اس دین مبین کی خدمت ! یہی وہ طریقہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی رضامندی کا موجب ہے نہ وہ جس کا وہم و گمان ابن تیمیہ وغیرہ نے کیا۔

اور دوسرے پہلو سے ہم ان کے بقیہ علوم سے استفادہ کریں، ماسوا "اللہ تعالیٰ کے حق میں "جہت" کے قول سے اگر اس قول کی نسبت ان کی طرف صحیح ہے تو ان کا یہ قول توسل وزیارت کو حرام قرار دینے والے قول سے بھی بدرجہا شنیع وقبیح ہے۔

ہاں اللہ تعالیٰ کے لیے فوقیت، استوا علی العرش، وجہ، یدین، عینین اور اس طرح کی دیگر صفات جو کتاب وسنت میں وارد ہیں ان کا بغیر تاویل وتشبیہ کے اثبات اور ان کے علم حقیقی کا اللہ تعالیٰ کی طرف تفویض کرنا اور یہ یقین رکھنا کہ صفاتِ الٰہیہ مخلوق کی صفات تخلیقیہ کے مشابہ نہیں ہیں۔ یہی اسلاف کا مذہب ہے نیز اکثر متاخرین اور صوفیہ کرام کا، لہٰذا یہ قول ممنوع نہیں بلکہ حسن، مقبول اور مشروع ہے۔ جیسے کہ ان میں تاویل کا ارتکاب کرنے والے خطاکار نہیں سمجھے جائیں گے اس لیے کہ انہوں نے آیات واحادیث متشابہ کی تاویل کرکے دین متین کی حفاظت وحمایت اور کفار وملحدین کے شبہات کے جواب دیے ہیں (لہٰذا وہ فریق اپنی اپنی نیتوں کے مطابق قابل داد ولائق تحسین ہے نہ مورد طعن وتشنیع) البتہ لفظ جہت یعنی علو، فوق کی تصریح کتاب وسنت میں بالکل نہیں ہے اور نہ ہی اسلاف میں سے کسی نے اس کا اطلاق کیا ہے۔ اگر ابن تیمیہ کے متعلق ثابت ہو جائے کہ اس نے یہ قول کیا ہے۔ تو اس کا یہ قول بھی استغاثہ وزیارت سے متعلق قول کی طرح مردود ونامقبول ہے۔ بلکہ یہ امر تو قطعاً نہ صرف ناقابل قبول بلکہ سماع کے بھی لائق نہیں۔ اسی لیے بعض علماء کرام نے جہت کے قائل کو کافر قرار دیا ہے کیونکہ عقیدہ جہت اللہ تعالیٰ کے حق میں اعتقاد جہت کو مستلزم ہے (لازم المذہب مذہب نہیں ہوتا) لیکن جمہور علماء اس قول کو بدعت اور قائلین کو مبتدع گردانتے ہیں۔ کافر قرار نہیں دیتے کیونکہ لازم مذہب مذہب نہیں ہوتا (تاوقتیکہ صاحب مذہب اس لازم پر مطلع نہ ہو اور اس کا التزام نہ کرے) لہٰذا ہم ابن تیمیہ اور اس کے ان دونوں شاگردوں کے ایسے اقوال کو ترک کرتے ہوئے باقی علوم سے نفع اندوز ہونے میں بخل سے کام نہیں لیں گے جن میں انہوں نے اہل سنت کی مخالفت نہیں کی۔

کتب ابن تیمیہ اور طلبہ

ابن تیمیہ وغیرہ کی کتب کا مطالعہ صرف علماء ہی کو کرنا چاہیے نہ کہ عوام اور کم علم کم فہم طلبہ کو۔ تاکہ ان کی مذموم، ممنوع بدعات کا زہر ان میں سرایت نہ کر جائے کیونکہ ان کے اثرات کو پھر ان ناپختہ ذہنوں سے زائل کرنا مشکل ہوگا جیسے کہ بعض طلبہ ہمارے مشاہدہ میں آئے ہیں۔

ابن تیمیہ، قابلِ تعریف ولائق مذمت

میں نے ابن تیمیہ، ابن قیم کی عبارات کے حسن وخوبی، آراء وافکار کی عمدگی کے پیش نظر حجۃ اللہ علی العالمین اور سعادۃ الدارین ایسی اپنی کتابوں میں اُن کے بعض اقوال نقل کیے ہیں۔ وہ عبارات جو نفوس وارواح کی خوشی ومسرت کا موجب ہیں اور صحائف وکتب کی زینت کا سبب، سوا ان معلومہ مسائل کے جن میں ان لوگوں نے بدعت کا ارتکاب کیا ہے۔ اور پوری امتِ مسلمہ کی مخالفت کی ہے۔ عبارات حسنہ کی وجہ سے یہ حضرات قابلِ تعریف ہیں اور اس معاملہ میں ان کی جتنی بھی مبالغہ سے تعریف کی جائے کم ہے۔ ان عبارات میں وہ دینِ متین کی خدمت انجام دینے والے ہیں لیکن وہ عبارات جو مذمومہ ہیں ان کی وجہ سے وہ لائق مذمت اور قابل نفرین ہیں اور ان کی مذمت وتحقیر کرنے والا جتنا بھی مبالغہ کرے پھر بھی کم ہے۔ کیونکہ وہ ان کی توہین آمیز عبارات کے مقابلہ میں اس درجہ مذمت نہیں کر سکتا کیونکہ وہ ان عبارات کے باعث اہلِ اسلام میں تفریق وانتشار پھیلانے کا موجب ہیں اور مسلمانوں کی اذیت کا سبب ہیں۔ اس لیے کہ انہوں نے اپنی کتابوں میں زیارت واستغاثہ کے عاملین وقائلین جو جمہور امت ہیں گمراہ قرار دینے میں حد سے زیادہ مبالغہ کیا ہے۔ نیز سید المرسلین، انبیاء کرام، اولیاء وصلحاء عظام کے حق میں بہت ہی زیادہ بے باکی اور بے حیائی کا مظاہرہ کیا ہے۔

بدترین ناسور

وہابیہ صرف انہیں سے پیدا ہوئے اور اس فرقہ کی روائت انہیں پر آ ختم ہوتی ہے۔ حقیقتاً ان کے اکابر ائمہ اور قائدین میں ابن تیمیہ سرفہرست ہے اور ان کی ضلالت وگمراہی کا سبب یہی ہے۔ ان وہابیہ کی وجہ سے اہل اسلام نے جو نقصان اٹھائے اور اٹھا رہے ہیں وہ کسی پر مخفی نہیں اور ہم ان کی بدعات اور نقصانات کے باعث ان کی اور ان کے اصل سبب اور بنیادی علت کی جتنی بھی مذمت کریں کم ہے لیکن با ایں ہمہ ان کے حسن نیت اور کثرتِ حسنات کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی عفو ودرگزر کے سامنے یہ امورِ عظیم نہیں ہیں۔

لیکن بہت سے ضعیف العقل اور قاصر الفہم طلبہ کا ان کی کتابوں سے متزلزل ہونا معمولی بات ہے۔ جب تک ان کو ان کی بدعات پر متنبہ نہ کیا جائے بلکہ بعض طلبہ تو اپنے عقائد کو تباہ کر چکے ہیں۔ اس لیے ہم پر فرض عائد ہوتا ہے کہ ان کی بدعات کے باعث ان کی مذمت بھی کریں اور ان کے علوم سے فوائد خالص بھی حاصل کریں۔ الغرض ہر دو حالت میں امتیاز ضروری ہے۔

ابن تیمیہ اپنے آئینہ میں

اب میں یہاں ابن تیمیہ کی ایک عبارت درج کرتا ہوں، جو اس کے مجموعۃ الفتاویٰ سے منقول ہے اور اس نے اپنے مذہب کے مطابق ایسی عبارات امام اہلِ سنت ابوالحسن الاشعری، امام الحرمین، امام غزالی رحمہم اللہ تعالیٰ کی کتب سے نقل کی ہیں جو صفات باری تعالیٰ میں کتاب وسنت میں وارد ہیں۔ اور اس نے ان عبارات کو سلف کے مذہب کے مطابق بغیر کسی تاویل وتشبیہ کے قائم رکھا حالانکہ اس نے ان اکابر اسلام کی اپنی کتب میں مخالفت کی ہے۔ امام اشعری اور ان کے متبعین پر سخت طعن وتشنیع کی ہے۔ چنانچہ اس نے جب ان کی عبارات کو اپنے فتاویٰ میں نقل کیا اور صفات باری تعالیٰ میں اپنے عدم تاویل والے مسلک کی ان سے تائید وتقویت حاصل کی تو اس کو یہ اندیشہ لاحق ہوا کہ کہیں میری کتابوں کا مطالعہ کرنے والا یہ نہ سمجھ لے کہ میں نے اس مسئلہ کے علاوہ دیگر مسائل میں بھی ان کی مخالفت سے رجوع کر لیا ہے لہٰذا فوراً اس توہم کے ازالہ کے لیے کہا کہ سائل کو معلوم ہونا چاہیے کہ اس جواب سے مقصد فقط اس باب میں بعض ائمہ کے الفاظ ذکر کرنا ہے اور یہ سمجھنا قطعاً قرین حقیقت نہیں ہے کہ میں نے جن متکلمین کے اقوال یہاں ذکر کیے ہیں ہم ان کے تمام اقوال کو درست تسلیم کرتے ہیں جیسے کہ ابوداؤد نے سنن میں اس کو نقل کیا ہے۔ "اقبلوا الحق من کل جاءبہ وان کان کافرا او قال فاجرا واحذروا زیغۃ الحکیم"، حق کو قبول کرو جو بھی تمہارے سامنے لائے اگرچہ کافر فاجر ہی کیوں نہ ہو اور صاحب علم وحکمت کی کجی اور بے راہروی سے ڈرتے رہو اور گریز کرو۔ حاضرین مجلس نے عرض کیا ہمیں کیسے معلوم ہوگا کہ کافر حق بول رہا ہے؟ آپ نے فرمایا حق پر نور ہوتا ہے جو اہل ایمان کو نمایاں طور پر محسوس ہوتا ہے یا اسی طرح کا کوئی اور جملہ زبان اقدس پر جاری فرمایا جس کا مفہوم گزر چکا ہے۔

یہ تھی ابن تیمیہ کی عبارت اس کے اپنے الفاظ میں (اب اس سے ہمارا مقصد یہ ہے کہ، اس کا قول اور استشہاد خود اس پر صادق آتا ہے۔ ہم نے اس کے کلام سے حق کو اخذ کیا ہے۔ اور اس کی ذات سے کوئی سروکار نہیں رکھا) اور مجھے اپنی عمر عزیز کے خالق کی قسم اس کی یہ بدعت صاحب علم وحکمت کی کجروی اور راہ راست سے دوری پر دلالت کرتی ہے ہم خود بھی اس سے اجتناب اور پرہیز کرتے ہیں اور دوسرے تمام مسلمانوں کو بھی اس سے گریز کرنے کی درخواست کرتے ہیں۔ جیسے کہ اس نے خود حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کا قول نقل کرتے ہوئے اپنے متعلقین کو صاحب علم وفضل کی کجروی سے بچنے کی تلقین کی ہے۔

ابن تیمیہ کی گمراہ کن عبارات کا جواب

تنبیہ ہفتم:

اے مسلمان بھائی! اگر تجھے اپنا دین عزیز ہے اور تیرا یقین شک وشبہ سے بالاتر ہے تو ابن تیمیہ کی عبارات سے ہر ممکن طریقہ سے بچنا تاکہ شیطان لعین تجھے اس کی مرصع ومقفیٰ عبارات سے کہیں دھوکے میں نہ ڈال دے جس طرح کہ اس نے کئی ضعیف الاعتقاد اور کم فہم لوگوں کو دھوکا دیا ہے۔ کیونکہ ابن تیمیہ اور اس کے حواری باوجودیکہ مخالفین نے ان پر رد وقدح میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی لیکن پھر بھی انہیں علماء اسلام نے ائمہ مسلمین میں شمار کیا ہے۔ جب ان کا علمی پایہ اتنا بلند ہے تو وہ لامحالہ تجھ سے ان مسائل میں زیادہ واقفیت رکھتے ہیں۔ جن میں انہوں نے پوری امت اور اس کے ائمہ کی مخالفت کی ہے اگر ان پر مذہب جمہور یعنی قبور انبیاء صالحین کی طرف سفر زیارت اور ان سے استغاثہ وتوسل کا بطلان وفساد واضح نہ ہوتا تو وہ قطعاً جمہور امت کو مشرک قرار دینے کی جسارت نہ کرتے اور کم از کم سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کرنے والوں اور آپ سے استغاثہ وتوسل کرنے والوں کا استثناء ہی کر لیتے۔ لہٰذا ان کا بلا استثناء ہر ایک کو مشرک قرار دینا اور ان کے علمی مقام کا مخالفین کے نزدیک بھی مسلم ہونا اس امر کی واضح دلیل ہے کہ وہ اس مسئلہ میں حق پر ہیں کیونکہ انہوں نے صرف اللہ تعالیٰ اور اس کی توحید والا پہلو مدنظر رکھا ہے اور اس کی رعائت کی ہے اور اس کے مقابلہ میں مخلوق کی رعائت کو روا نہیں رکھا۔

شیطانی وساوس اور ان کا جواب

جب شیطان تجھے یہ بات کہے اور ان بامحل ملمع کاریوں سے تجھے دوسرے گمراہ لوگوں کی طرح گمراہی کی طرف لے جانے کی کوشش کرنے لگے تو اسے جواب دو کہ ائمہ ضلال اور رؤسا بدعات واہوا بھی اکابر ائمہ اور اعلم العلماء سے ہی ہیں۔ لیکن ہدائت علم پر موقوف نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے دستِ قدرت میں ہے جسے وہ چاہتا ہے ہدایت سے نوازتا ہے اور جس کو چاہتا ہے گمراہی میں ڈال دیتا ہے۔

نیز ہمارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے جان لیا کہ آپ کی امت میں دین کے معاملہ میں اختلافات پیدا ہوں گے۔ لہٰذا آپ نے ہماری رہنمائی کرتے ہوئے فرمایا کہ سواد اعظم (اہل سنت وجماعت)، کی معیت اختیار کرنا اور وہ مذاہب اربعہ پر کاربند حضرات ہیں۔ نیز سادات، صوفیہ، اکابر محدثین جو تمام ابن تیمیہ وغیرہ کی بدعات کے خلاف ہیں اور ان میں ایسے صاحبِ علم وفضل ائمہ وعلماء کرام بھی ہیں جو بلاشبہ ابن تیمیہ سے علم وفضل، دقت نظر، ذوق سلیم

نیز وسعت و معرفت کے لحاظ سے افضل و اعلیٰ ہیں وہ ایک دو نہیں بلکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانِ سعادت نشان سے لے کر اب تک لاکھوں، کروڑوں کی تعداد سے بھی زیادہ ہیں ، تو کیا وہ تمام اکابر اسلام، ائمہ عظام خطا پر ہیں ؟ اور کیا ساری امت گراہی پر ہے ؟ نعوذ باللہ ! کیا صرف ابن تیمیہ اور اس کے متبعین کا معمولی سا گروہ ہی حق و ہدایت پر ہے ؟ اس بات کو تو صرف وہی شخص ہی قبول کر سکتا ہے جو انتہائی احمق اور پرلے درجے کا جاہل، حیوان، عقل و دانش سے عاری اور ذوقِ سلیم سے کوسوں دور ہو، علی الخصوص ان بدعات کے انتہائی فحش ہونے کی وجہ سے اس کی خطا بالکل ظاہر ہے۔ نیز اس کا یہ قول اوہامِ باطلہ اور خیالات فاسدہ میں سے ہے نہ یہ کہ ائمہ اسلام کی مقدس آراء سے جو عوام پر مخفی نہیں چہ جائیکہ علماء اسلام پر۔ لہٰذا اے شیطان تو اپنے ان باطل خرافات و اوہام سے ضعیف العقول طلبہ کی مانند مجھے بھی قبائح ظاہرہ کو مستحسن سمجھنے اور محاسنِ اسلام کو قبیح سمجھنے کی طرف نہیں لے جا سکتا یعنی زیارۃ انبیاء و مرسلین علیہم الصلوٰۃ والسلام اور اولیاء و صالحین کے لیے سفر کا جواز اور ان کے ساتھ استغاثہ کا استحسان علی الخصوص سید اعظم کی طرف سفرِ زیارت اور استغاثہ کا جواز و استحسان کیونکر قبیح و غیر مشروع سمجھا جا سکتا ہے۔

رہا تیرا یہ فریب و مکر ضعیف العقول متبعین اور ان کے مغرور متبوعین کے لیے کہ ان بدعات میں جانب توحید اور ذات باری تعالیٰ کی رعایت ہے تو یہ تیری حق کے ساتھ باطل کی ملمع کاری ہے اور عاطل و بے منفعت کی مفید و کارآمد کے ساتھ تخلیط لیکن تیرا یہ داؤ اور فریب صرف انہیں پر چل سکتا ہے جن کو اللہ تعالیٰ گمراہ کرنا چاہے باوجودیکہ اس کا بطلان اتنا واضح ہے کہ پرلے درجے کے جاہل پر بھی مخفی نہیں ہے چہ جائیکہ علماء و فضلاء پر مخفی رہے کیونکہ یہ امر اتنا جلی، واضح اور بین ہے کہ جس کے دل میں اللہ تعالیٰ نے ذرہ بھر نورِ فراست رکھا ہے اس پر بھی مخفی نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ کی جانب اور اس کی توحید والے پہلو کی رعایت صرف اس صورت میں ہوگی جب اس کے مقرب و معزز بندوں کی تعظیم و توقیر کی جائے اور جو اس کے نزدیک حقیر و ذلیل ہیں ان لوگوں کی توہین و تحقیر کی جائے۔ اللہ تعالیٰ نے خود اپنے انبیاء و اصفیاء کی عظمت شان ظاہر فرمائی ہے تو ہم بھی ان کی تعظیم و تکریم اللہ تعالیٰ کی خاطر کرتے ہیں لہٰذا یہ تعظیم غیر اللہ کی نہیں ہے بلکہ درحقیقت اللہ تعالیٰ کی تعظیم ہے۔

اللہ رب العزت نے ان کو اپنے اور ہمارے درمیان تبلیغ احکام کے لیے وسائل و وسائط بنایا ہے تو ہم نے اللہ تعالیٰ کی اس سنت پر عمل کرتے ہوئے اور اپنے آپ کو اس سے حقیر و کمتر سمجھتے ہوئے کہ براہ راست اس کی جناب سے اپنے حوائج و ضروریات طلب کریں کیونکہ ہمارے ذنوب کثیر ہیں اور عیوب و نقائص وافر مقدار میں ہیں لہٰذا ہم نے ان کو اپنے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان قضاء حاجات اور حل مشکلات کے لیے وسائل و وسائط بنا لیا ہے۔ جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے اے شیطان لعین! تجھے اور تیرے متبعین کو حقیر و ذلیل بنایا۔ پس ہم نے بھی تجھے اور تیرے متبعین جن و انس کو حقیر و ذلیل جانا۔ اور تیری تحقیر و تذلیل کا یہ بھی ایک شعبہ ہے کہ ہم تیرے ان وساوس اور ملمع کاریوں کو قبول نہ کریں جو تو ہمارے دلوں میں ڈالتا ہے۔

ہم اللہ تعالیٰ کے بندے ہیں اس کی محبت کی وجہ سے اس کے محبوبانِ کرام سے محبت رکھتے ہیں اور جو اس کے ہاں معظم و مکرم ہیں۔ ہم ان کی تعظیم و تکریم بجالاتے ہیں اور جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک مبغوض و حقیر ہیں ہم اللہ تعالیٰ کی خاطر ان کو مبغوض اور حقیر سمجھتے ہیں۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ اور اس کی توحید کی رعایت کرنے والے صرف ہم ہیں۔ نہ وہ متبدعین جن کو تو نے اپنے زخارف اور ملمع کاریوں کی لگام کے ساتھ انبیاء و اصفیاء علی الخصوص حبیب معظم صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں تنقیص و تقصیر پر برانگیختہ کیا ہے۔ اگر تو شیطانی وساوس کے رد و انکار میں یہ طریقہ اختیار کرے تو وساوس شیطان رجیم پر ان شاء اللہ ضرور غالب آجائے گا ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

روضۂ اقدس کی حاضری سے روکنا مدینہ منورہ کو خراب اور ویران کرنے کے مترادف ہے

تنبیہ ہشتم :

اس امر کو اچھی طرح ذہن میں جگہ دو اور اس پر ٹھنڈے دل سے غور و فکر کرو کہ اگر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مزار پرانوار کی زیارت کے لیے سفر کرنا حرام ہوتا جس طرح کہ ابن تیمیہ کا گمان ہے تو تمام لوگ اس زیارت سے رک جاتے اور مدینہ منورہ العیاذ باللہ تمام شہروں بلکہ قصبوں سے بھی حقیر تر ہو جاتا بلکہ بالکل ویران اور بے رونق ہو جاتا کیونکہ اس کی رونق اور آبادی فقط نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مزار پرانوار کی وجہ سے ہے۔ اہلِ ایمان کا اس کی زیارت کرنا۔ باری باری اس کی طرف سفر کرنا۔ یکے بعد دیگرے اس کی طرف آمد و رفت رکھنا اور اس میں مجاور و مقیم ہونا فقط نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے ہے تاکہ آپ ان کی سعادت مندی اور نیک نیتی کے لیے اللہ تعالیٰ کی جناب میں واسطہ و وسیلہ بن جائیں کیونکہ سب اہل ایمان کے نزدیک اس امر کا ثبوت اظہر من الشمس ہے کہ نبی الانبیاء علیہ وعلیہم التحیۃ والثناء اللہ تعالیٰ کی جناب میں سب وسائل و وسائط سے انتہائی اقرب وسیلہ ہیں اور مقاصد و مطالب میں کامیابی سے ہمکنار کرنے والا اجل و اعلیٰ ذریعہ خواہ نورِ بصارت یا نورِ بصیرت سے کورے اور اندھے اس کا انکار ہی کیوں نہ کریں۔

سوال :۔

تمہاری ذکر کردہ ویرانی اور بے رونقی وغیرہ تب لازم آتی جب وہاں مسجد شریف نہ ہوتی جب وہ موجود ہے اور اس کی طرف سفر کرنا بالاتفاق جائز و شروع بلکہ کار ثواب ہے۔ کیونکہ وہ ان تین مساجد میں سے ایک ہے جن کے حق میں سید الرسل صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے۔ ”لَا تُشَدُّ الرِّحَالُ اِلَّا اِلٰی ثَلَاثَةِ مَسَاجِدَ اَلْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَمَسْجِدِیْ هٰذَا وَالْمَسْجِدِ الْاَقْصٰی“، کہ سواریوں پر پالان نہ رکھے جائیں اور صعوبت سفر نہ برداشت کی جائے۔ مگر صرف تین مساجد کی طرف

یعنی مسجد حرام، میری اس مسجد اور مسجد اقصیٰ کی طرف۔

جواب :۔

ان تین مساجد میں ایک مسجد اقصیٰ ہے اور اس کے زائرین کی تعداد انتہائی قلیل ہے۔ میں ایک عرصہ تک قدس شریف میں حکومت کی طرف سے سرکاری تنخواہ پر محکمہ امور جزائیہ کا ملازم ہونے کی حیثیت سے مقیم رہا تو میں نے اپنی آنکھوں سے دور دراز سے آنے والوں کی قلت کا حال دیکھا اور قریب علاقوں سے تو زیارت کے لیے آنے والوں کی تعداد اس سے بھی کم ہے اور عجیب ترین بات یہ ہے کہ باجماعت نماز ادا کرنے کے لیے بھی اس میں بہت کم اہل اسلام آتے ہیں حالانکہ ان کے گھر مسجد سے متصل ہیں مگر وہ گھروں میں نماز پڑھ لیتے اور اس مسجد میں حاضر نہیں ہوتے الا ماشاء اللہ۔ اور جب اہل بلدہ اور قریب ترین علاقوں میں رہنے والوں کا حال یہ ہے تو بعید ترین علاقوں میں بسنے والے لوگوں کا حال کیا ہوگا، اور اگر یہود و نصاریٰ بیت المقدس میں موجود اپنے معابد کی زیارت کرنے نہ آئیں تو بیت المقدس کا شہر حقیر سے قصبات میں شمار ہونے لگے کیونکہ جب وہاں لوگوں کی آمدورفت نہیں ہوگی تو اسباب معیشت بھی معطل ہوکر رہ جائیں گے لہٰذا آبادی بھی انتہائی کم ہو جائے گی۔ جب بلاد شام کی آبادیوں کے عین وسط میں ہونے اور زیارت کے خواہشمند حضرات کے لیے زیارت میں ہر طرح کی سہولت میسر ہونے کے باوجود زائرین اہل اسلام کی تعداد انتہائی کم ہوتی ہے جو زیارت کرنے آتے ہیں وہ بھی بالعموم نصاریٰ کے موسم عید میں زیارت کرتے ہیں تاکہ سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے مزار انور کی زیارت کریں اور اس عید میں شامل ہونے والے مختلف گروہوں اور جماعات کو دیکھیں اور جو لوگ صرف مسجد اقصیٰ میں نماز پڑھنے کے ارادہ سے جاتے ہیں وہ تو بالکل نادر اور کمیاب ہیں اور جو حاضر ہوتے ہیں ان کی نیت بھی اغلب طور پر بیت المقدس میں موجود انبیاء کرام علیہم السلام کے مزارات کی زیارت کرنی ہوتی ہے یا اس کے قرب و جوار میں جو مشاہد مقدسہ موجود ہیں[1]

---

[1] غالباً سائل معترض نے مسجد حرام کی رونق اور آبادی دیکھ کر یہ گمان کیا ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ نے فریضۂ حج اور سنت عمرہ کے ذریعے اس کی رونق اور آبادی کا بندوبست فرمایا ہے ورنہ وہاں بھی یہی صورت حال ہوتی جب کہ باقی دو مساجد کے لیے سفر کو ممنوع نہیں قرار دیا گیا نہ یہ کہ ان کی زیارت اور ان میں نماز پڑھنا لازم و فرض قرار دیا ہے اور محض جوازِ سفر وہاں کی رونق اور آبادی کو مستلزم نہیں ہے جس طرح بیت المقدس کی حالت علامہ نبہانی کی زبانی معلوم ہو چکی ہے بلکہ سچی بات تو یہ ہے کہ ارکان حج کی ادائیگی میں بھی چند حسینوں کی حسین یادیں ہی پیش نظر رہتی ہیں۔ طواف میں رمل۔ صفا و مروہ کے درمیان سعی۔ رمی جمرات اور منیٰ میں جانور ذبح کر کے خون بہانا، مقام ابراہیم کے پاس نفل ادا کرنا سب کچھ مقربان بارگاہ خداوندی کی حسین یادوں کا اعادہ ہے اور علی الخصوص اہل ایمان تو وہاں بھی اپنے حبیب پاک کے نقش کف پا کی تلاش میں ہی رہتے ہیں۔ کعبہ مبارکہ کی یہ چہل پہل بھی انہیں کے دم قدم سے ہے۔ (بقیہ حاشیہ صفحہ آئندہ)

اس گزارش کو توجہ و التفات سے سن لینے کے بعد تمہیں معلوم ہو گیا ہوگا کہ اگر اہل اسلام ابن تیمیہ کی اس لغزش و خطا میں اتباع کرنے لگ جاتے۔ اور قبر انور و روضہ اطہر کی زیارت کے لیے سفر کو حرام سمجھنے لگ جاتے تو مدینہ منورہ بے رونق اور بنجر بن جاتا۔ اور ظاہر ہے کہ یہ ایسی چیز ہے جس پر نہ اللہ تعالیٰ راضی ہے نہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم اور نہ جملہ اہل اسلام اور جس کے دل میں ذرہ بھر بارگاہ نبوی کا پاس و لحاظ ہے وہ قطعاً اس کو مستحسن نہیں سمجھ سکتا۔

ہاں وہابیہ اور ان کے ہم مشرب جو ان مسائل میں ابن تیمیہ کے پیروکار ہیں انہیں اس کی کیا پروا؟ کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت ان کے دلوں میں اس قدر نہیں ہے جو ان کو آپ کے شہر مقدس کی بے رونقی اور ویرانی پریشان کرے۔ اور امت کے یکبارگی قبر انور کی زیارت اور حاضری کو کلیۃً ترک کر دینے سے ان کے دل پسیج جائیں۔

وہابیہ نجد کا مدینہ منورہ میں تجارت کے لیے جانا اور مزار پرانوار پر سلام پیش کیے بغیر واپس ہونا

جب کہ ان وہابیہ کے دلوں میں ظلمات اور تاریکیاں راسخ ہو چکی ہیں جو ان کے درمیان اور نبی الانبیاء فخر موجودات سید کائنات علیہ افضل الصلوات کی محبت و الفت کے درمیان عظیم پردہ اور حجاب بن چکی ہیں۔ ان کا حال یہ ہو گیا ہے جو ایک نجدی کی زبانی مجھے معلوم ہوا۔ اس نے مجھے بتایا کہ اہل نجد سے بہت سے لوگ مدینہ منورہ میں تجارت اور دیگر اسباب دنیویہ کے لیے حاضر ہوتے ہیں اور اپنا مقصد پورا کرنے کے بعد اپنے شہروں کی طرف لوٹ جاتے ہیں بغیر اس کے کہ قبر انور پر حاضری دیں اور سلام پیش کریں۔ یہ ہے وہابیہ کے ان شہروں کی حالت جہاں ان کا مکمل قبضہ و کنٹرول ہے اور ان کی بدعت پوری طرح راسخ ہے۔ اور یہ ہے ابن تیمیہ کی بدعت اور راہ راست سے دوری پر مترتب فساد۔

اللھم ثبتنا علی صراط المستقیم۔

بدعتِ تیمیہ کے شکار وہابیہ کی ہدایت کا طمع خام خیالی ہے

تنبیہ نہم :

میں نے اس کتاب میں استغاثہ اور زیارت سید المرسلین علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے لیے سفر کا جواز براہین کثیرہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) امام احمد رضا بریلوی فرماتے ہیں ؎

ہوتے کہاں خلیل و بنا کعبہ و منیٰ — لولاک والے صاحبی سب تیرے گھر کی ہے

مقصود یہ ہیں آدم و نوح و خلیل سے — تخم کرم میں ساری کرامت ثمر کی ہے۔

(محمد اشرف)

اور پھر اس کی طرف لوٹ کر نہیں آئیں گے۔ انتھت عبارۃ جلاء الظلام۔

امام غزالیؒ احیاء العلوم میں کتاب العلم کے اندر تصریح فرماتے ہیں۔ مبتدع جب علم جدل سے معمولی معرفت و واقفیت حاصل کرے تو اس کے ساتھ بحث و کلام قطعاً مفید اور بار آور ثابت نہیں ہوتی۔ اگر تم اس کو خاموش بھی کر دو تو وہ اپنے مذہب کو نہیں چھوڑے گا بلکہ اس کو محض اپنا ذاتی قصور اور کم علمی قرار دے گا۔ اور وہ ہر وقت اس مفروضہ پر قائم نظر آئے گا کہ میرے پاس نہیں تو میرے دوسرے ہم مسلک لوگوں کے پاس اس کا جواب ضرور ہوگا اور تم نے اسے محض اپنی قوت مجادلہ سے التباس و اشتباہ میں ڈال دیا ہے لیکن عامی شخص جب جدل وغیرہ کے ساتھ حق سے دور کر دیا گیا ہوا ہو اور بدعات کے حق میں تعصب کی انتہا تک پہنچنے سے قبل اس کو حق کی طرف پھیرا جا سکتا ہے۔ جب وہ بھی تعصب کا شکار ہو جائیں تو ان کے حق میں امید رجوع نہیں کی جا سکتی کیونکہ تعصب عقائد کو دلوں میں راسخ کرنے کا بہت بڑا سبب ہے۔ انتھی کلام الامام بقدر الحاجۃ۔

اس لیے اس کتاب کی تالیف سے میرا مقصد وہابیہ اور ان کے مماثل لوگوں کی ہدایت نہیں ہے جن کے گوشت، پوست اور خون میں یہ بدعت گھل مل گئی ہے۔ بلکہ میرا مقصد وحید فقط احناف و شوافع اور مالکی اہل اسلام کی تفہیم و فہمائش ہے اور ان حنابلہ کی جو وہابی نہیں ہیں کہ یہ بدعت خبیثہ جمہور امت محمدیہ کے مسلک و مذہب کے خلاف ہے اور اسی مقصد کے لیے میں نے مذاہب اربعہ کے علماء سے ابن تیمیہ پر طعن و تشنیع اور رد و قدح کو نقل کیا ہے بلکہ بعض علماء اعلام نے تو اس کی تکفیر بھی کر دی ہے۔ اگرچہ اکثریت کے نزدیک فتویٰ کفر پسندیدہ اور قابل قبول نہیں ہے۔

اس التماس کو بنظر غور ملاحظہ کر لینے کے بعد اے سُنّی اور مذاہب اسلامیہ کے کاربند! تجھ سے یہ التماس ہے کہ اپنے آپ کو شیطان یا اس کے کسی معاون و مددگار کے اغوا و خداع سے بچا جن پر کلمہ خسران و حرمان ثابت ہو چکا ہے اور اس زمانہ میں ان کی تعداد وافر ہو چکی ہے۔ وہ کہیں تیرے سامنے اس بدعت خبیثہ تیمیہ وہابیہ کو مزین کر کے پیش نہ کرے اور تجھے اجتہاد مطلق کے ادعاء باطل پر آمادہ نہ کرے اور احکام شرعیہ میں مذاہب اربعہ کی تقلید چھوڑنے پر انگیختہ نہ کرے۔ اے مسکین اس میں تیرے دین کی ہلاکت و تباہی ہے لہٰذا اپنی ذات کے متعلق اللہ تعالیٰ سے ڈر اور شیاطین اور اخوان شیاطین کے شر سے اس کی پناہ طلب کر۔ حسبنا اللہ ونعم الوکیل وھو یقول الحق وھو یھدی السبیل۔

اور دلائل وافرہ سے ثابت کیا ہے اور اس کا اقرب ترین قربات و عبادات افضل ترین بر و نیکی۔ اکمل ترین طاعات اور عند اللہ و عند الرسول مقبول ترین وسائل و وسائط سے ملانا ثابت کیا ہے تو اس سے میرا مقصد یہ نہیں ہے کہ میں ابن تیمیہ کے اتباع کو وہابیت سے روکوں اور ان مذہبی مسافروں کو جو بچپن سے ہی ان کے شیر بدعت پر پرورش پا رہے ہیں اور ان کے عمل و کردار کو بنظر تحسین دیکھتے ہیں انہیں اس مذہب سے باز رکھوں کیونکہ ان لوگوں میں وہ بدعت شنیعہ رچ بس گئی ہے اور ان کے گوشت و پوست میں اس طرح گھل مل گئی ہے جس طرح باؤلے کتے کے کاٹے میں اس کا باؤلا پن سرایت کر جاتا ہے۔ اور شیطان کو ان پر اس قدر تسلط و غلبہ حاصل ہو چکا ہے جس طرح ماہر کھلاڑی کو گیند پر کہ جس طرف چاہے اس کو پھینکے لہٰذا ان کی نجات و خلاصی کی قطعاً کوئی امید نہیں ہے۔ ان لوگوں کے سامنے اس مسئلہ میں بحث کی جائے تو وہ صرف یہ سوچتے ہیں کہ ان کے ساتھ کس طرح مجادلہ و مخاصمت سے کام لیا جائے اور جو دلائل انہوں نے قائم کیے ہیں ان کا رد کس طرح کیا جائے اور انہوں نے یہ کبھی بھی نہیں سوچا کہ کسی وقت وہ ان دلائل کو قبول کرتے ہوئے حق کی طرف رجوع کریں گے۔

جس طرح کہ ان کے امام و پیشوا ابن تیمیہ اور اس کے تلامذہ ابن القیم اور ابن عبد الہادی کے متعلق علماء اعلام نے اس طرح کا تبصرہ کیا ہے اور ان کے کلام سے بھی یہی کچھ سمجھ آتا ہے۔ جو شخص بنظر انصاف ان کی کتابوں کا مطالعہ کرے گا اور ان کے ان بدعات پر ان کی ابحاث ملاحظہ کرے گا تو وہ اس امر کو تسلیم کیے بغیر نہیں رہ سکتا کہ یہ ان کی پرانی اور جبلی عادت و خصلت ہے اور تمام تر تصنیفات میں ان کا کلام ایک ہی انداز و اسلوب پر ہے یعنی محض تمویہ و تلبیس، تخییل و توہیم اور تہویل و تخویف پر مبنی ہے۔ جب اکابر مذہب کا حال یہ ہے تو ان کے متبعین اور ان کی بدعات کے دلدادگان سے اور اندھے مقلدین سے اور بالخصوص جو ان کے مذہب کے صحیح معنوں میں پابند ہو چکے ہوں مثلاً وہابی صاحبان تو ان سے کیونکر یہ توقع کی جا سکتی ہے کہ وہ دلائل و براہین کو دیکھ کر حق کی طرف رجوع کریں گے۔ نہ تو اس کی کوئی صورت ہے اور نہ میرے لیے اور دوسرے اعلام کے لیے اس کی کوئی امید ہے جس طرح کہ علامہ سید احمد دحلان نے اپنی کتاب "خلاصۃ الکلام فی امراء البلد الحرام" میں علامہ سید علوی بن احمد بن حسن بن قطب سیدی عبد اللہ بن علوی الحداد کی وہابیہ کے رد میں تصنیف کردہ کتاب "جلاء الظلام فی الرد علی النجدی الذی اضل العوام" سے نقل کرتے ہوئے فرمایا کہ جب میں طائف میں حبر الامت حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے مزار اقدس کی زیارت کے لیے حاضر ہوا تو میں نے علامہ شیخ طاہر سنبل حنفی بن علامہ شیخ محمد سنبل شافعی سے ملاقات کی انہوں نے مجھے بتلایا کہ میں نے طائفہ وہابیہ کے رد میں ایک کتاب لکھی ہے جس کا نام ہے الانتصار للاولیاء الابرار اور مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ ہر اس شخص کو نفع دے گا جس کے دل میں نجدی کی بدعت نے گھر نہیں کیا۔ البتہ جن کے دلوں میں اس بدعت نے سرایت کر لی ہے ان کی فلاح و فوز کی امید نہیں کی جا سکتی کیونکہ بخاری شریف میں رسالت مآب علیہ افضل الصلوات کا ارشاد منقول ہے۔ یَمْرُقُوْنَ مِنَ الدِّیْنِ ثُمَّ لَا یَعُوْدُوْنَ فِیْهِ وہ دین سے نکل جائیں گے

ابن تیمیہ وغیرہ اگرچہ مقامِ مصطفےٰ علیہ التحیہ والثناء سے عداوت نہیں رکھتے مگر انہوں نے راستہ اہلِ عداوت والا اختیار کر رکھا ہے

تنبیہ دہم:

کوئی ناقص اور قاصر الفہم شخص یہ گمان و وہم نہ کرے کہ ابن تیمیہ یا اس کی جماعت کا کوئی فرد علی الخصوص ابن القیم اور حافظ ابن عبد الہادی اپنی ان عبارات کے ذریعے جن میں انہوں نے زیارتِ قبور اور ان کی طرف سفر کی ممنوعیت بیان کی ہے اور ان کی تعظیم و تکریم سے روکا ہے حتیٰ کہ قبر نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے تو وہ ان عبارات سے مقام مصطفےٰ کو گھٹانا چاہتے ہیں یا آپ کے اس بلند مرتبہ کو کم کرنا چاہتے ہیں جو علی الاطلاق تمام مخلوق کے مراتب سے بلند و بالا ہے اور متجاوز۔ خدا کی پناہ کہ ان کا حقیقی مقصد یہ ہو کیونکہ وہ اکابر علماء مسلمین سے ہیں اور دینِ مبین کی حمایت و حفاظت کرنے والوں سے۔ البتہ اس معاملہ میں وہ جس راستہ پر چل نکلے ہیں وہ فاسد ہے۔ اور جو عقیدہ انہوں نے اپنا رکھا ہے وہ باطل ہے اگرچہ انہوں نے اس مذہب و مسلک اور عقیدہ و نظریہ کو کتاب و سنت کے ان ادلہ کے پیش نظر اپنایا ہے جو ان پر ان کے عقل و فہم کے مطابق ظاہر ہوئے اور انہوں نے ان ادلہ سے اللہ کے دیے ہوئے فہم و شعور کے مطابق یہ مذہب و مسلک اور عقیدہ و نظریہ برحق سمجھا لیکن جہاں تک سرورِ کونین علیہ الصلوٰۃ والسلام کے علوِ مرتبت اور قدر و منزلت کا تعلق ہے تو خود انہوں نے اپنی کتابوں میں اس کو شرح و بسط سے بیان کیا ہے۔ ہاں ابن عبد الہادی کی میں نے صرف ایک ہی کتاب الصارم المنکی دیکھی ہے اور کوئی ایسی کتاب دیکھنے میں نہیں آئی جس میں اس نے حبیب اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم و تکریم کا حق ادا کیا ہو اور الصارم المنکی بہت ردی کتاب ہے اے کاش! وہ اسے نہ ہی لکھتا۔ البتہ ابن القیم کی کتابوں سے احسن ترین کتاب جلاء الافہام فی فضل الصلوٰۃ علیٰ سید الانام صلی اللہ علیہ وسلم ہے جس سے میں نے اپنی کتاب سعادۃ الدارین میں اہم اور مفید ترین نکات و فوائد نقل کیے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے فضل عظیم اور کرم عمیم سے امید قوی ہے کہ وہ اس کتاب کے بدلے اسے ثوابِ عظیم اور اجر جزیل سے سرفراز فرمائے گا۔ نیز اس کی کتاب زاد المعاد بھی دینی کتابوں میں سے جلیل الشان اور مفید ترین کتاب ہے۔

شیخ ابن تیمیہ کی احسن ترین کتاب "الجواب الصحیح فی الرد علیٰ من بدل دین المسیح" ہے اور میں نے اس سے بہت سے نکات و فوائد "حجۃ اللہ علی العالمین" وغیرہ میں ذکر کیے ہیں جن سے قلوب و صدور میں انشراح پیدا ہوتا ہے اور ان شاء اللہ اس کی وجہ سے اس کے اجر۔ ثواب میں اضافہ ہوگا۔ اور میں مناسب سمجھتا ہوں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم و تکریم سے متعلق اس کی ایک عبارت اس کی کتاب العقل والنقل سے ذکر کروں جس کو "بیان موافقۃ صریح المعقول

تصریح المنقول" کے نام سے موسوم کیا ہے۔ جس کے بعض مقامات کا امام سبکی نے رد بھی کیا ہے جس میں ابن تیمیہ نے مذہب اہل السنۃ کی مخالفت کی تھی۔ اس کی یہ عبارت جو عظمت و اہمیت شان مصطفےٰ اور رفعت و بلندی مقام مصطفےٰ علیہ التحیۃ والثناء پر مشتمل ہے اگرچہ اس نے اس کو علماء متقدمین اور اکابر علماء مسلمین مثل قاضی عیاض رحمہ اللہ تعالیٰ کی کتاب الشفا سے نقل کیا ہے مگر اس کا بغیر رد و قدح کیے نقل کر دینا اس امر کی دلیل بین ہے کہ وہ اس عبارت کو پسند کرتا ہے اور کیوں کر نہ ہو جب کہ وہ ائمہ اسلام سے ہے اور اکابر خدام شرع مبین سے:- عبارت یہ ہے۔

جب ہم نبی اکرم رسول محتشم صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کریں تو ہم پر لازم ہے کہ ہم اس معاملہ میں اللہ تعالیٰ کے ادب اور طریقہ ندا پر کاربند ہوں جس طرح کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے "لَا تَجْعَلُوْا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ بَیْنَکُمْ کَدُعَآءِ بَعْضِکُمْ بَعْضًا۔" "تم نبی الانبیاء علیہ التحیۃ والثناء کے خطاب و ندا کو اس طرح نہ سمجھو جیسے کہ ایک دوسرے کے خطاب و ندا کو سمجھتے ہو۔ لہٰذا ہم بوقت ندا و پکار یا محمد یا احمد نہیں کہیں گے جس طرح کہ ایک دوسرے کو ندا کرتے وقت پکارتے ہیں بلکہ ہم یا رسول اللہ یا نبی اللہ کے القابات سے پکاریں گے۔ اللہ رب العزت نے انبیاء علیہم السلام کو ان کے ذاتی نام لے کر پکارا۔ یَآ اٰدَمُ اسْکُنْ اَنْتَ وَزَوْجُکَ الْجَنَّۃَ۔ اے آدم تم اور تمہاری بیوی جنت میں ٹھہرو۔ یَا نُوْحُ اهْبِطْ بِسَلَامٍ مِّنَّا وَبَرَکَاتٍ عَلَیْکَ وَعَلٰٓی اُمَمٍ مِّمَّنْ مَّعَکَ۔ اے نوح اپنی کشتی سے اترآؤ ہماری طرف سے سلامتی اور برکات کے ساتھ جو تم پر نازل ہونے والی ہیں اور ان امم و اقوام پر جو تمہارے ساتھ ہیں۔ یَا مُوْسٰٓی اِنِّیْٓ اَنَا رَبُّکَ۔ اے موسیٰ بے شک میں ہی تیرا رب ہوں۔ یَا عِیْسٰٓی اِنِّیْ مُتَوَفِّیْکَ وَرَافِعُکَ اِلَیَّ۔ اے عیسیٰ میں تمہیں (اپنی مدت عمر پوری کر لینے پر بالآخر) فوت کرنے والا ہوں اور اپنی طرف اٹھانے والا ہوں۔ اور جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو خطاب فرمایا تو یٰٓاَیُّھَا النَّبِیُّ۔ یٰٓاَیُّھَا الرَّسُوْلُ یٰٓاَیُّھَا الْمُزَّمِّلُ، یٰٓاَیُّھَا الْمُدَّثِّرُ۔ کے القاب سے پکارا۔ لہٰذا ہم اس امر کے زیادہ حق دار ہیں کہ آپ کے خطاب و ندا میں ادب و تعظیم پر مشتمل انداز اختیار کریں۔

کیا یہ عجیب ترین بات نہیں ہے کہ جو شخص سید الانام علیہ افضل الصلوات والسلام کے حق میں یہ آداب ندا و کلام بیان کرتا ہے وہی شخص لوگوں کو نبی الانبیاء علیہ وعلیہم السلام کے مزار انور اور روضہ اطہر کی زیارت ترک کرنے کا حکم دیتا ہے اور سفر زیارت کو معاصی و ذنوب میں سے اہم معصیت اور ذنب قرار دیتا ہے اور انہیں حبیب خدا علیہ التحیۃ والثناء کے ساتھ استغاثہ و توسل سے بھی منع کرتا ہے اور اسے اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک قرار دیتا ہے۔ بنجدا اگر یہ عقیدہ نہ ہوتا کہ اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق میں جو تصرف فرمانا چاہے فرماتا ہے تو ہم قطعاً یہ ماننے کو تیار نہ ہو سکتے کہ ایسی عبارات اور فتاویٰ ادنیٰ علماء اسلام سے بھی صادر ہو سکتے ہیں چہ جائیکہ ابن تیمیہ جیسے امام سے جو کہ انتہائی بلند پایۂ عالم اور امام وقت ہے اور اس سے غریب تر اور انتہائی تعجب خیز بات یہ ہے کہ ان مسائل میں ابن القیم جیسے علماء اعلام اور ائمہ اسلام اس کی اتباع کریں۔ اور ابن عبد الہادی جیسے حفاظِ اسلام (لیکن ہدایت و ارشاد اور محبت و ایمان اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہیں چاہے تو ادنیٰ

اور عامی مسلمان کو اس کا حظ وافر عطا کرے اور چاہے تو امام وقت اور علامہ زمان کو اس سے محروم کر دے نعوذ باللہ من غضبہ وعقابہ
عنقریب ان کی بعض عبارات شنیعہ و قبیحہ کو نقل کروں گا جو ان مسائل سے متعلق ہیں جس سے ہر اس شخص پر واضح ہو جائے گا
جس کو اللہ تعالیٰ نے ان گستاخیوں سے محفوظ رکھا ہے کہ یہ درحقیقت ان کی عبارات نہیں ہیں بلکہ شیطان لعین کی کارستانیاں
ہیں (اور یہ لوگ اس کے ہاتھ میں کھلونا بنے ہوئے ہیں) لیکن بایں ہمہ وہ اپنے حسن نیت اور کثرت حسنات کی وجہ
سے عفو و درگزر اور رحمت و غفران کے مستحق ہیں اور خالص کفار و منافقین کی طرح کلیتہً رحمت خداوندی اور اس کی مغفرت و
بخشش سے محروم نہیں ہیں۔

عوام اہل اسلام کے لیے ابن تیمیہ وغیرہ مبتدعین سے اجتناب لازم ہے

عام آدمی کا اہل بدعت سے میل جول یوں ہے جیسے بھیڑ کی بھیڑیے کے ساتھ خلوت

تنبیہ یازدہم:

طلبۂ علم اور عوام اہل اسلام پر لازم ہے کہ وہ ان مبتدعین علماء فاسقین اور طلبۂ قاصرین کے ساتھ قطعاً میل جول نہ رکھیں جو اہل اسلام کے عقائد و نظریات میں تشویش پیدا کرنے کے درپے ہیں۔ اور اہلِ ایمان کے باہمی اتحاد و اتفاق کو تفریق و انتشار کا شکار بنانا چاہتے ہیں اور ان پر ایسے شبہات و وساوس اور اوہام و وسائس القاء کرتے ہیں جن سے وہ مذاہب اربعہ کی اتباع و تقلید کے صحیح اور درست ہونے میں تردد کا شکار ہو جاتے ہیں اور عوام اہل اسلام کے سامنے وہابیہ کی بدعات کو اس طرح مزین کر کے پیش کرتے ہیں (کہ گویا دین خالص فقط یہی ہے) اور وہ بذات خود اس زعم فاسد میں مبتلا ہوتے ہیں کہ گویا وہ توحید رب العالمین کے محافظ ہیں لیکن درحقیقت وہ اپنے امام ابلیس لعین کی اطاعت و اتباع کر رہے ہیں جن نے ان کے دلوں میں ان بدعات کا منتر پھونک کر ان کو جماعت اہل اسلام سے الگ کرنے کا قصد مصمم کر رکھا ہے اور ان کو اللہ تعالیٰ کے بندگان خاص یعنی انبیاء و صالحین علی الخصوص سید اعظم سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم وعلیہم اجمعین کی واجب و لازم تعظیم و تکریم میں خلل انداز کر کے ان کے لیے ہدایت کی راہیں مسدود کرنا چاہتا ہے۔ "اُنْظُرْ كَيْفَ ضَرَبُوا لَكَ الْأَمْثَالَ فَضَلُّوا فَلَا يَسْتَطِيعُونَ سَبِيلًا۔" دیکھو انہوں نے تمہارے لیے کیسی مثالیں اور تشبیہات دی ہیں لہٰذا وہ ایسے گمراہ ہوتے ہیں کہ کبھی راہ راست کی طرف لوٹ کر نہیں آ سکتے۔ لہٰذا ہر مسلمان پر لازم و واجب ہے کہ اس شخص سے دور رہے جس میں اس قسم کی بدعات سرایت کیے ہوئے ہیں۔ جماعت مسلمین کو مضبوطی سے تھامے رہے اور اس طریقہ کو جس پر وہ پیدائشی طور پر تھا مضبوطی سے تھامے رہے۔ امام ابو القاسم حسین بن محمد المشہور الراغب الاصفہانی اپنی کتاب "الذریعۃ الی مکارم الشریعۃ باب ص۲۴" میں فرماتے ہیں کہ جو شخص ابھی کسی علم کی تحصیل کے درپے ہے اس پر لازم ہے کہ ان اختلافات

کی طرف کان نہ لگائے جو شکوک و شبہات میں اور التباس و اشتباہ میں ڈالنے والے ہیں تاوقتیکہ اس علم و فن کے قوانین و قواعد پر پورا عبور حاصل نہ کرے جس کی تحصیل کے درپے ہے "تاکہ اس کے لیے کوئی ایسا شبہ نہ پیدا ہو جائے جو اس کو اس علم میں اشتغال و انہماک سے مانع ہو اور اس طرح دینِ اسلام سے ارتداد و انحراف میں مبتلا نہ ہو جائے۔ العیاذ باللہ۔
اسی لیے اللہ تبارک و تعالیٰ نے ان اہل اسلام کو کفار کے ساتھ میل جول سے منع فرما دیا ہے جو ابھی تک اسلام میں درجہ رسوخ و استحکام تک واصل نہیں ہوئے تھے "يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا بِطَانَةً مِنْ دُونِكُمْ لَا يَأْلُونَكُمْ خَبَالًا۔" اے ایمان والو اغیار سے قلبی دوستی اور تعلق پیدا نہ کرو وہ تمہیں دھوکا دفریب دینے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھیں گے۔
اور فرمایا "وَلَا تَتَّبِعُوا أَهْوَاءَ قَوْمٍ قَدْ ضَلُّوا مِنْ قَبْلُ الایۃ" نہ اتباع کرو اس قوم کی خواہشات نفس کی جو اس سے قبل گمراہ ہو چکے ہیں۔ اسی لیے عوام اہلِ اسلام کے لیے مکروہ ہے کہ وہ اہلِ اہوا اور مبتدعین کے ساتھ مل بیٹھیں۔ تاکہ کہیں انہیں گمراہ نہ کر دیں۔

عام آدمی کا اہلِ بدعت کے ساتھ مل بیٹھنا یوں ہے جیسے بھیڑ بکری کا بھیڑیے کے ساتھ خلوت میں بیٹھنا

بعض علماء فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ابتداءً خنزیر کا گوشت اس حکمت کے تحت حرام فرمایا کہ اہل عرب اور یہود و نصاریٰ کے مابین روابط و تعلقات کو ختم کرے جو اہل عرب کو شکوک و شبہات میں مبتلا کرتے تھے۔ لہٰذا اہلِ اسلام پر اس کو حرام فرما دیا کیونکہ وہ ان کے معظم ماکولات سے ہے اور اس کو کھانے بلکہ ہاتھ لگانے کو بھی عظیم گناہ قرار دیا تاکہ اہلِ اسلام ان کے ساتھ مل کر کھانے سے نفرت کریں اور بالآخر ان کے ساتھ انس و محبت سے بھی گریز کریں۔ اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی لیے ارشاد فرمایا کہ مومن و کافر کی آگ اکٹھی دیکھنے میں نہ آئے یعنی خورد و نوش میں انکا اشتراک نہیں ہونا چاہیے۔ صاحب علم و حکمت کے لیے ان کے ساتھ مل بیٹھنے میں کوئی حرج نہیں ہے کیونکہ اس کا معاملہ یوں ہے جیسے بادشاہ صاحب سپاہ و لشکر اور مالک اسلحہ و ساز و سامان کہ جدھر بھی متوجہ ہو اسے دشمن کا خوف و خطر نہیں ہوتا۔ اسی لیے اس کے حق میں ان مبتدعین کے شبہات کا سننا جائز رکھا گیا ہے بلکہ اس پر واجب و لازم ہے کہ بقدر الامکان ان کے کلام کا تتبع و تجسس کرے اور ان کے شکوک و شبہات سنے اور پڑھے تاکہ اس کے لیے ان کے ساتھ مجادلہ ممکن ہو اور ان کا دفاع آسان ہو کیونکہ دین کی حفاظت کرنے والے علماء مجاہدین میں سے سب سے افضل ہیں۔ کیونکہ جہاد دو قسم کا ہے۔ ایک ہاتھوں کے ساتھ اور دوسرا بیان و کلام کے ساتھ۔ اور اس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے حجۃ حق اور دلیل صدق کو سلطان سے تعبیر فرمایا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کا قول نقل کرتے ہوئے فرمایا "إِنِّي آتِيكُمْ (کلام مجید کے متعدد مقامات پر) بِسُلْطَانٍ مُبِينٍ۔ میں تمہارے پاس واضح حجت و دلیل پیش کرتا ہوں (جو موجب غلبہ و تسلط ہے اور اس کی مقاومت و مخاصمت مشکل ہے جس طرح مجاہدین اسلام کی)

فائدہ :-

وہ حکیم جس کے لیے اہل بدعت کے ساتھ مل بیٹھنا مباح رکھا گیا ہے تاکہ ان کا رد وغیرہ کر سکے تو اس سے مراد وہ عالم ہے جس کو علوم پر پورا عبور اور غلبہ و ملکہ حاصل ہو اور مخالفین کے شکوک و شبہات سے خود اس کے راہ راست سے بھٹکنے اور گمراہ ہونے کا اندیشہ نہ ہو۔ لیکن وہ طلبہ علم جو ابھی تحصیل علم میں مصروف ہیں یا مبلغ تکمیل تک واصل ہونے سے قبل ہی انہوں نے سلسلہ تعلم منقطع کر دیا ہے ان کے لیے اہل اہوائ کے ساتھ اختلاط اور میل جول اور ان کے شبہات کا سننا خواہ رد کے لیے ہی کیوں نہ ہو قطعاً جائز نہیں ہے کیونکہ ان کے ضعف اور عجز کی وجہ سے وہ شکوک و شبہات ان کے دلوں میں گھر کر جائیں گے اور پھر ان کا زائل کرنا بہت مشکل ہو جائے گا لہٰذا وہ بھی انہیں اہل بدعت میں داخل ہو جائیں گے جس طرح کہ ہم نے اس زمانہ کے بعض احمق طلبہ علم میں اس امر کا مشاہدہ کیا ہے کہ انہوں نے اہل ضلال کے ساتھ ربط و ضبط رکھنے کی وجہ سے راہ ہدایت کو ترک کر دیا۔ لہٰذا ان کے ساتھ مل بیٹھنا اور ان کا جدال و مجادلہ سننا بھی دیگر اہل بدعت کے ائمہ و اکابر کے مجادلات و مخاصمات سننے کی طرح ہر اس مسلمان کے لیے ممنوع ہیں جس کو اپنے دین کا تحفظ اور سلامتی عزیز ہے۔ خواہ وہ طلبہ علم سے ہوں یا عوام اہل علم سے۔

ابن تیمیہ بلا امتیاز اشعریہ و ماتریدیہ سب اہل السنت کے خلاف ہے اور ان کے ائمہ اعلام پر معترض اور وہ صرف اپنی امامت لوگوں پر مسلط کرنے کا دلدادہ ہے

تنبیہ دوازدہم :

وہ تمام سنی مسلمان جن کا تعلق مذاہب اربعہ میں سے کسی بھی مذہب کے ساتھ ہے شافعی ہوں یا مالکی اور حنفی ہوں یا انصاف پسند حنبلی انہیں یہ بات نہیں بھولنی چاہیے کہ امام ابن تیمیہ نے اپنے اعتراضات اور طعن و تشنیع کے ساتھ کسی ایک فرقہ کو نشانہ نہیں بنایا۔ بلکہ وہ تمام فرق اسلامیہ اشاعرہ ہوں یا ماتریدیہ سب کو ضال و گمراہ قرار دیتا ہے حالانکہ معظم اور غالب اکثریت شریعت محمدیہ کی انہی مسالک سے تعلق رکھتی ہے۔ اور ان کے ائمہ و مقتداؤں کی مذمت اور ان کی تضلیل و تجہیل میں سخت مبالغہ کرتا ہے مثلاً امام ابو الحسن اشعری جو اپنے دور سے لے کر اس وقت تک تمام شافعیہ اور مالکیہ کے علی الاطلاق امام و مقتداء ہیں اور جب تک اللہ تعالیٰ کو منظور ہو گا رہیں گے اور امام الحرمین۔ فخر الدین الرازی اور امام غزالی

رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہم جن کی امامت اور جلالت قدر پر امت کا اتفاق ہے اور جس طرح یہ حضرات شافعیہ و مالکیہ کے امام ہیں اسی طرح حنفیہ و ماتریدیہ کے بھی امام ہیں کیونکہ اشعری اور ماتریدی دونوں مذہب عقائد کے معاملے میں متحد و متفق ہیں۔ اور کسی اہم مسئلہ میں ان کا باہم اختلاف نہیں ہے اور نہ ایک دوسرے کو گمراہ و بے دین قرار دیتے ہیں اور سب کا عمومی لقب و شعار اہل السنت والجماعت ہے لہٰذا ابن تیمیہ کے ان اہل سنت کے عقائد پر اعتراضات یا ان کے ائمہ مذہب پر اعتراضات گویا سب پر اعتراضات ہیں اور اس کے صوفیہ کرام پر اعتراضات و تشنیعات اس سے علاوہ ہیں اور مزید برآں وہ حالانکہ سادات امت ہیں اور عباد و زہاد اور امت کے اعتقادات اور برکات و فیوضات کا محل و مرکز۔

تو گویا ابن تیمیہ نے اپنے آپ کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمان سعادت نشان سے لے کر اپنے دور پر آشوب تک کے لیے تمام امت کا امام علی الاطلاق قرار دے دیا ہے اور دیگر تمام ائمہ کو بنظر حقارت دیکھا اور ان کو محل تنقید و تشنیع قرار دیا وہ فی نفسہ اس کا معتقد ہے کہ وہی سب سے اکمل و افضل ہے اور سب سے زیادہ متقی و پرہیز گار۔ سب سے زیادہ صاحب علم و فہم اور کلام مجید، حدیث و سنت رسول اور سیرت سلف صالحین کو سب سے زیادہ جاننے والا جو امام اہل سنت علم و عمل اور تحقیق و تدقیق کے میدان میں زیادہ شہرت رکھتا ہوگا اور وسعت علم و فضل کے ساتھ معروف و مشہور ہوگا اور اس کو امت کے درمیان بالعموم اور علماء اعلام کے مابین بالخصوص فوقیت و برتری حاصل ہوگی اور بلند و بالا مقام حاصل ہوگا۔ یہ امام الوہابیہ ابن تیمیہ اتنا ہی اس کے ساتھ عداوت و دشمنی اور بغض و عناد کا اظہار کرے گا اور طعن و تشنیع میں گندی اور گھٹیا زبان استعمال کرے گا۔ مثلاً امام الامۃ ابو الحسن اشعری (کے حق میں جو کچھ اس کی زبان قلم نے زہر اگلا ہے وہ ہمارے دعویٰ کی بین دلیل ہے) جو شخص اس پر فوری توجہ کرے اس کے کلام کا تتبع کرے اور ائمہ اعلام کے ساتھ اس کی شدید عداوت کو دیکھے اور جس طرح انواع و اقسام کے الزام و اتہام سے اس نے ان کی مذمت کی ہے اس کا ملاحظہ کرے تو وہ یہ گمان بلکہ یقین کرے گا کہ اس کا صرف اور صرف یہ مقصد ہے کہ ان اکابرین امت اور اساطین علم و حکمت کی قدر و منزلت کو گھٹائے اور لوگوں کی نگاہوں میں ان کو حقیر و ذلیل کرے تاکہ وہ خود تنہا تمام امت کا امام و مقتداء بن سکے۔

عجیب ترین بات یہ ہے کہ جب اسے خصم اور مد مقابل کے ساتھ بحث و تمحیص مجبور کر دے کہ وہ ان اکابر کے حق میں کلمۂ ثنا و مدح کہے جس کے وہ اہل ہیں یعنی وسعت علم اور قوت فہم و ذکاء وغیرہ خواہ خصم کو خاموش کرنے کے لیے یا اسے یہ باور کرانے کے لیے کہ میں اپنے مخالفین کی کتابوں اور ان کے مذاہب پر پورا عبور رکھتا ہوں یا اور کوئی سبب موجب ہو۔ بہر حال اپنے اس مدحیہ کلام میں ایسی عبارت ضرور لاحق کر دے گا جس میں ان کی تنقیص و تحقیر ہو اور کسی طرح بھی ان کی مدح خالص پر وہ رضامند نہیں ہوتا۔ اگر کسی کو اس کا یہ انداز بیان معلوم کرنا مقصود ہو تو اس کی کتاب منہاج السنۃ وغیرہ کا مطالعہ کرے۔ واللہ اعلم بالسرائر وھو المطلع علیٰ خفیات الضمائر۔

بہرحال ان تمام کمزوریوں کے باوجود ائمہ اسلام میں سے ایک اہم فرد ہے لیکن اس کی ان شذوذات اور اوہام مثل استغاثہ اور زیارتِ خیر الانام علیہ السلام کے لیے سفر کو حرام قرار دینے وغیرہ میں اندھی تقلید صرف وہی شخص کر سکتا ہے جو عقل و دین میں انتہائی ناقص اور بصیرت و فراست سے محروم ہو۔

مقدمہ کے ہر دو اقسام پر بحث و کلام سے فارغ ہونے کے بعد اب ہم مقاصد کتاب کے بیان میں شروع ہوتے ہیں جو آٹھ ابواب پر مشتمل ہیں۔ واللہ الموفق۔

بابِ اوّل

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور جملہ انبیاء و مرسلین اور اولیاء و صالحین کے قبور شریف کی زیارت جائز ہونے کا اثبات

میں نے مناسب یہی سمجھا ہے کہ اس باب کو ایک عمدہ قصیدہ کے ساتھ شروع کروں جس کے اندر میں نے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی مدح کی ہے اور آپ کے مزارِ پُرانوار کی زیارت سے روکنے والوں کا رد کیا ہے۔ اور وہ قصیدہ یہ ہے:۔

۱۔ بَرِءْتُ مِنْ عَقِيْدَةِ الْاَشْرَارِ　　مَنْ مَنَعُوْا زِيَارَةَ الْمُخْتَارِ

میں ان اشرار کے عقیدۂ فاسدہ سے برأت کا اظہار کر چکا ہوں جنہوں نے نبی مختار کی زیارت سے لوگوں کو روکنے کی سعی ناپاک کی ہے۔

۲۔ خَيْرُ الْبَرَايَا نُخْبَةُ الْاَخْيَارِ　　وَاِنَّهٗ وَسِيْلَةٌ لِلْبَارِيْ

جو ساری مخلوق سے بہتر و برتر ہیں اور سب بہتر و افضل لوگوں سے منتخب اور وہی وسیلہ ہیں باری تعالیٰ کی جناب والا میں۔

۳۔ سُبْحَانَهٗ فِيْ كُلِّ خَيْرٍ طَارِيْ　　مَتٰى تُهَادٰى نَحْوَهُ الْمَهَارِيْ

اس ذات حق جل وعلیٰ کے لیے تسبیح ہے ہر نئی اور خیر اور بھلائی میں جب کبھی اس محبوب کی بارگاہ ناز کی طرف سواریاں چلائی جاتی ہیں۔

۴۔ نَطْوِيْ لَهٗ صَحَائِفَ الْقِفَارِ　　حَتّٰى نُرٰى فِيْ جُمْلَةِ الزُّوَّارِ

ہم ان کی خاطر بیابانوں کے صحائف کو طے کرتے ہیں تاکہ ہم بھی جملہ زائرین بارگاہ میں شامل ہو کر ان کا در والا دیکھیں۔

۵۔ نَزُوْرُهٗ بِالشَّدِّ وَالْاَسْفَارِ　　بِرَغْمِ كُلِّ خَادِعٍ غَرَّارِ

ہم سفروں اور سواریوں پر پالان باندھ کر ان کے مزارِ پُرانوار کی زیارت کرتے ہیں ہر دھوکا باز اور فریب کار کی مرضی کے برعکس۔

۶۔ اَكْرِمْ بِهٖ مِنْ سَيِّدٍ مُزَارِ　　مِنْ جُوْدِهٖ يَا خَجَلَ الْبِحَارِ

کتنے ہی کریم اور صاحب جود ہیں کائنات کے سردار جن کی زیارت کا شرف حاصل کیا جا رہا ہے ان کے جود و کرم سے سمندر بھی خجل و شرمسار ہیں۔

۶- فِیْ بَحْرِہٖ سُفُنُ الْھُدٰی جَوَارٍ　وَھُوَ لعمرِیْ مَنْبَعُ الْاَنْوَارِ

ان کے بحر جودوکرم میں ہدایت وارشاد کی کشتیاں منزل مقصود کی طرف رواں دواں ہیں اور مجھے اپنے خالق حیات کی قسم وہ سرچشمۂ انوارِ ہدایت ہیں۔

۷- مِنْہُ اسْتَفَادَتْ نُوْرَھَا الدَّرَارِیْ　ھَدٰی اَھَالِی الْمُدْنِ وَالْبَرَارِیْ

انہیں سے چمکتے ستاروں نے نور کی خیرات حاصل کی۔ انہوں نے ہی شہروں اور جنگلوں میں رہائش پذیر لوگوں کو ہدایت فرمائی۔

۸- اَحْیَا الْقُرٰی وَسَائِرَ الْاَمْصَارِ　لِقَدْرِہٖ رَجَاحَۃُ الْمِقْدَارِ

انہوں نے تمام قصبات اور عظیم شہروں کو ہدایت وارشاد کے آبِ حیات سے حیاتِ نوبخش دی۔ ان کی قدر ومنزلت بہت وزنی اور بے پایاں ہے۔

۹- قُرْاٰنُہُ الْمُحْیِیْ لِکُلِّ قَارِیْ　عَلَی الْعِدَا کَالصَّارِمِ الْبَتَّارِ

ان کا قرآن ہر قاری اور تلاوت کرنے والے کو حیاتِ تازہ بخشنے والا ہے۔ وہ دشمنوں کے لیے کاٹنے والی تباہ کن تلوار کی مانند ہے۔

۱۰- فَکُلُّ حَرْفٍ مِّنْہُ ذُوالْفِقَارِ　فَاقَ الْوَرٰی فِیْ سَائِرِ الْاَعْصَارِ

ان کے کلام مجیداور فرقانِ حمید کا ہر حرف بمنزلہ تلوار ذوالفقار ہے۔ وہ سب مخلوق پر ہر دور وعصر میں سبقت وفوقیت لے جانے والے ہیں۔

۱۱- بِکُلِّ فَضْلٍ کَانَ وَاعْتِبَارِ　مَدِیْحِہٖ یُغْنِیْ عَنِ الْاَوْتَارِ

ہر قسم کے فضل وکمال اور مدائح وثنا یا میں ان کے کلام مجید کا ترکش مدح وثنا، ہر قسم کی کمانوں اور تیروں سے مستغنی کرنے والا ہے۔

۱۲- تَعْجِزُ عَنْہُ غَرَرُ الْاِشْعَارِ　بِہٖ تَوَسَّلْنَا اِلَی الْقَھَّارِ

ان کی کماحقہ مدح وثنا سے واضح اور روشن اشعار عاجز وقاصر ہیں۔ انہیں کے ساتھ ہم نے رب قہار کی جناب میں وسیلہ پکڑا ہے۔

۱۳- نَبْغِیْ بِہِ النَّصْرَ عَلَی الْکُفَّارِ　یَارَبِّ سَلِّمْنَا مِنَ الْاَکْدَارِ

ہم ان کے ساتھ کفار ومشرکین پر نصرت وامداد کے طلب گار ہیں۔ اے ہمارے رب کریم ہمیں ان کے طفیل پریشانیوں سے محفوظ رکھ۔

۱۴- حَسِّنْ بِہٖ اَحْوَالَنَا یَا بَارِیْ　بِہٖ اَجِرْنَا مِنْ عَذَابِ النَّارِ

اے باری تعالیٰ ان کے طفیل ہمارے احوال درست فرما اور انہیں خوب تر بنا اور انہیں کے وسیلہ جلیلہ سے ہمیں عذاب نار سے پناہ دے۔

۱۵- بِہٖ اکْفِنَا غَائِلَۃَ الْاَشْرَارِ　بِہٖ اَرْضِنَا فِیْ جُمْلَۃِ الْاَبْرَارِ

انہیں کے صدقہ میں ہمیں تباہ کرنے والے اشرار سے کفایت فرما۔ اور انہیں کے طفیل جملہ ابرار نیکوکاروں کے ساتھ ہم سے بھی راضی ہو۔

۱۶- بِہٖ احْمِنَا مِنْ سَائِرِ الْاَضْرَارِ　بِہٖ اَنِلْنَا غَایَۃَ الْفِخَارِ

ان کے توسل سے ہمیں ہر قسم کے ضرر ونقصانات سے محفوظ فرما اور انہیں کی برکت سے ہمیں فخر وسربلندی کی غایت تک واصل فرما۔

۱۷- جِوَارُہُ امْنَحْنَا بِخَیْرِ دَارٍ　یَا حَبَّذَا مُحَمَّدٌ مِنْ جَارِ

ان کا جوار اور پڑوس ہمیں اس دار اور مکان میں نصیب فرما جو سب مکانات سے بہتر ہے اے خوش قسمت کتنا اچھا ہے محمد کریم علیہ السلام کا پڑوس۔

۱۸- نَوَالُہٗ فِیْ کُلِّ اَرْضٍ جَارِیْ　وَسِرُّہٗ فِیْ کُلِّ قُطْرٍ سَارِیْ

ان کے جود وکرم کا دریا ہر زمین میں بہ رہا ہے اور ان کی روحانیت وحقیقت ہر سمت اور ہر جانب میں سرایت کیے ہوئے ہے۔

۱۹- عَدُوُّہٗ مِنْ کُلِّ خَیْرٍ عَارِیْ　فَاشْمَلْ اَعَادِیْہِ بِکُلِّ عَارِ

ان کے اعداء ہر خیر سے محروم اور خالی ہیں۔ لہٰذا آپ کے دشمنوں کا عار اور عیب کے ساتھ احاطہ فرما اور ان قبائح سے ان کو دوچار کر۔

۲۰- یَا عَالِمًا بِغَامِضِ الْاَسْرَارِ　اَسْبِلْ عَلَیْنَا اَجْمَلَ الْاَسْتَارِ

اے وہ ذات جو انتہائی دقیق اور غامض اسرار ورموز سے باخبر ہے ہم پر حسین وجمیل پردے رحمت اور عفو ودرگزر کے ڈال اور ہمیں ان میں چھپا۔

۲۱- وَاَغْنِنَا بِفَضْلِكَ الْمِدْرَارِ　وَاکْشِفْ اِلٰھِیْ حَالَۃَ الْاِعْسَارِ

ہم کو اپنے مسلسل فضل وکرم کے ذریعے اغیار سے مستغنی وبے پروا فرما۔ اے اللہ حالت عسر اور تنگی دور فرما۔

۲۲- وَارْمِ اِعَادِی الدِّیْنِ بِالدَّمَارِ　صِرْنَا مِنَ الْمِحْنَۃِ فِیْ غِمَارِ

اور اعداء دین کو ہلاکتوں اور تباہیوں کا نشانہ بنا۔ ہم ان کی طرف سے لاحق ہونے والی محنت ومشقت کے سیلاب میں غرقاب ہو رہے ہیں۔

۲۳۔ مِنْ كَثْرَةِ الْمَصَائِبِ الطَّوَارِيْ فِيْ زَمَنٍ دَبِرٍ بِالْاِدْبَارِ

یکے بعد دیگرے طاری ہونے والے بے شمار مصائب و حوادث کی وجہ سے ایسے زمانہ میں جو ادبار و نحوست کی وجہ سے ناقابل التفات و اعتبار ہے۔

۲۴۔ اَحَاطَ بِالْاِسْلَامِ كَالسِّوَارِ اَللَّيْثُ فِيْهِ انْقَادَ لِلْحِمَارِ

یہ پرآشوب دور اسلام کا اس طرح احاطہ کیے ہوئے ہے جس طرح کنگن کلائی کا۔ اور اس دور پرفتن میں شیر گدھے کا مطیع و منقاد ہو چکا ہے۔

۲۵۔ رَهَتْ لَظَى الْاِلْحَادِ بِالشَّرَارِ وَالدِّيْنُ اِنْ يَّسْلَمْ مِنَ الْكُفَّارِ

الحاد اور بے دینی کی بھڑکتی آگ اپنے شراروں سے خرمنِ دین کو جلانے پر تلی ہوئی ہے۔ اے خوش قسمت اگر دین شرِ کفار سے محفوظ رہ جائے۔

۲۶۔ يُؤْذِيْهِ مِنَّا عُصْبَةُ الْاَغْمَارِ فَاحْرِسْهُ يَا رَبِّ مِنَ الْاَشْرَارِ

ہم میں سے کم عقل اور ناسمجھ لوگوں کی ایک جماعت بھی اس کے درپے آزار ہے۔ اے رب کریم اس کی اشرار سے حراست و حفاظت فرما۔

۲۷۔ وَاحْفَظْهُ بِالْاَنْجَادِ وَالْاَغْوَارِ كَمَا حَفِظْتَ الْكَنْزَ بِالْجِدَارِ

اور اس کی بلندیوں اور پستیوں میں اس طرح حفاظت فرما جس طرح تو نے یتیموں کے خزانہ کی اپنے پیغمبروں سے دیوار تعمیر کرا کر حفاظت فرمائی۔

۲۸۔ بِحَقِّ طٰهٰ الْمُصْطَفٰى الْمُخْتَارِ يَا رَبَّنَا وَاغْفِرْ بِهٖ اَوْزَارِيْ

نبی طٰہٰ اور مصطفےٰ اور مختار کائنات کے حق محبوبیت و کرامت کا صدقہ۔ اے ہمارے رب انہیں کے طفیل میرے گناہ بخش۔

۲۹۔ حَسِّنْ بِهٖ بَيْنَ الْوَرٰى اَخْبَارِيْ ثَبِّتْ عَلٰى دِيْنِ الْهُدٰى قَرَارِيْ

ان کے وسیلۂ جلیلہ کا صدقہ مخلوق میں میری شہرت اچھائی کے ساتھ ہو۔ اور مجھے دینِ ہدایت پر ثابت قدم رکھ۔

۳۰۔ شُدَّ عَلَى الْخَيْرِ عُرٰى اقْتِدَارِيْ جَمِّلْ بِهٖ كَمِّلْ بِهٖ اَطْوَارِيْ

ان کے طفیل خیر پر میرے قبضۂ اقتدار اور تسلط و غلبہ کو زیادہ سخت اور مضبوط فرما اور میرے اطوار و عادات کو ان کے طفیل حسین و جمیل اور کامل و اکمل بنا۔

۳۱۔ اَرِحْ بِهٖ تَعَبَ اَفْكَارِيْ اَنْعِمْ بِهٖ عَلَيَّ بِالْيَسَارِ

مجھے ان کے فیض و برکت سے افکار کی پریشانی اور تھکاوٹ سے راحت نصیب فرما اور ان کے توسل سے مجھے سہولت و

راحت کا سامان نصیب فرما۔

۳۲۔ سَهِّلْ بِهٖ يَسِّرْ بِهٖ اِعْسَارِيْ خُذْ لِيْ مِمَّنْ كَادَنِيْ بِثَارِيْ

ان کی نگاہ لطف و کرم کے صدقے میں میری تنگی کو سہولت اور یسر سے تبدیل فرما۔ اور میرے ساتھ کید و مکر کرنے والوں سے میرا بدلہ لے۔

۳۳۔ وَاشْفِ سِقَامِيْ وَاَزِلْ عَوَارِيْ اَصْلِحْ بِهِ الْاَهْلَ مَعَ الذَّرَارِيْ

ان کے طفیل میری بیماریاں دور فرما اور میرے عیوب و نقائص زائل فرما اور انہیں کے صدقے میرے اہل و عیال اور اولاد و ذریت کی اصلاح فرما۔

۳۴۔ وَارْحَمْ جَمِيْعَ اُمَّةِ الْمُخْتَارِ اَوِّلْ عِدَاهَا غَايَةَ الصَّغَارِ

احمد مختار کی ساری امت پر رحم و کرم فرما۔ اور ان کے اعداء پر انتہائی ذلت و رسوائی مسلط فرما۔

۳۵۔ وَالْطُفْ بِهَا يَا رَبِّ بِالْاِقْدَارِ وَوَقِّهَا مِنْ سَقْطَةِ الْعِثَارِ

اے رب! از راہ لطف و کرم اس امت مرحومہ کو قدرت و طاقت سے سرفراز فرما اور اس کو ٹھوکریں کھا کر اور لغزشات میں مبتلا ہو کر گرنے سے بچا۔

۳۶۔ وَصَلِّ يَا رَبِّ بِلَا مِقْدَارِ عَلَيْهِ مَعَ آلٍ لَّهٗ اَطْهَارِ

اور صلوات و سلام بے اندازہ بھیج آپ پر بمعہ آلِ اطہار کے اے پروردگار عالم و عالمیان۔

۳۷۔ وَصَحْبِهٖ وَسَائِرِ الْاَخْيَارِ وَاخْتِمْ بِاِحْسَانٍ لَّنَا يَا بَارِيْ

اور ان کے صحابہ کرام اور جملہ نیک امتیوں پر اور ہمارے لیے اے باری تعالیٰ خاتمہ بالخیر اور انجام بالاحسان فرما۔

تنبیہ:

یہ امر اچھی طرح صحیفۂ خاطر پر منتقش رہے کہ سرورِ انبیاء علیہ وعلیہم التحیۃ والثناء کے مزار پر انوار کی زیارت آپ کی تعظیم و تکریم کے جملہ انواع و اقسام سے احسن تر ہے جس کی مشروعیت پر اتفاق و اجماع امت ہے اور وہ دنیوی و اخروی حاجات کی قضاء و تکمیل کے لیے اللہ کی جناب پاک میں نبی اکرم شفیع معظم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کیے جانے والے جملہ انواعِ توسل سے بڑا اور اکمل وسیلہ ہے۔

سب سے پہلے میں بعض ائمہ کے کلام سے قبر انور اور روضہ اطہر کی زیارت کا جواز و مشروعیت ثابت کرتا ہوں پھر میں آپ کی ذات بابرکات کے ساتھ توسل کے جواز پر سیر حاصل بحث کروں گا اور یہی کتاب کا معظم اور اہم حصہ ہے۔ اور بعض مقامات پر جواز زیارت کے ساتھ جواز توسل پر بحث بھی ذکر کی جائے گی اور کبھی جواز توسل کے ساتھ جواز زیارت

پر کیونکہ ان دونوں میں گہرا ربط و تعلق اور قرب و اتصال ہے۔ نیز جن مخالفین کا رد کرنا مقصود ہے وہ ان دونوں مسائل میں اختلاف رکھتے ہیں اور ان کا رد بھی دونوں مسائل میں کیا گیا ہے اور میں نے ان دونوں کو جمع کرنے میں ان علماء اعلام اور ائمہ اسلام کا اتباع کیا ہے جنہوں نے دونوں پر اکٹھی بحث کی ہے اور دونوں کا اجتماع امر سہل ہے اور اس میں کوئی حرج بھی نہیں ہے۔

نبی الانبیاء والمرسلین علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے مزار پُرانوار کی زیارت کا جواز

امام ابن الحجر مکی شافعی نے اپنی کتاب "الجوہر المنظم فی زیارت القبر الشریف النبوی المکرم" میں فرمایا۔ اللہ تعالٰی مجھے اور آپ کو اپنی طاعات۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خصوصیات سمجھنے اور اپنے پسندیدہ امور کو جلد از جلد سرانجام دینے کی توفیق بخشے۔ اس حقیقت کو اچھی طرح معلوم کر لو کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارتِ اقدس مشروع بھی ہے اور کتاب و سنت اور اجماع و قیاس کی رو سے مطلوب بھی ہے۔ کلام مجید سے جواز و طلب کی دلیل یہ ارشاد باری تعالٰی ہے۔

وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا۔

اور اگر وہ اپنے نفوس پر ظلم و تعدی کر بیٹھیں اور تمہاری بارگاہ میں حاضر ہو کر اللہ تعالٰی سے استغفار کریں اور رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم بھی ان کے لیے استغفار کریں تو وہ ضرور بالضرور اللہ تعالٰی کو توبہ قبول کرنے والا اور انعام و اکرام سے نوازنے والا پائیں گے۔

وجہ استدلال:

یہ آیت کریمہ امت کو اس امر پر آمادہ اور برانگیختہ کر رہی ہے کہ وہ بارگاہِ حبیب کبریا علیہ التحیۃ والثناء میں حاضر ہوں۔ آپ کے پاس حاضر ہو کر اللہ تعالٰی سے استغفار کریں اور آپ سے بھی مغفرت و بخشش کی دعا کرائیں اور یہ کلمہ اپنے عموم و اطلاق کی وجہ سے تمام ادوار و اعصار کو شامل ہے لہٰذا آپ کے وصال سے اس کا انقطاع و اختتام لازم نہیں آسکتا۔ نیز اس آیت کریمہ نے واضح کر دیا ہے کہ ذنوب و آثام کے بار بیکراں میں غرق ہونے والوں کا اللہ تعالٰی کو تواب و رحیم پانا صرف اس صورت میں منحصر ہے اور اس شرط کے ساتھ مشروط ہے کہ وہ رحمت دو عالم کی بارگاہ بے کس پناہ میں حاضر ہوں اور وہاں اللہ تعالٰی سے خود بھی مغفرت و بخشش طلب کریں اور رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم بھی ان

کے لیے استغفار فرمائیں۔

نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دعاء مغفرت کا سب اہل اسلام کو حاصل ہونا کلام مجید کی اس آیت مبارکہ سے واضح ہے "وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ" اور اپنے لیے استغفار کریں اور امت کے مردوں اور عورتوں کے ذنوب و آثام کے لیے۔ اور صحیح مسلم شریف میں بعض صحابہ رضی اللہ عنہم سے صحیح روایت کے ساتھ ثابت ہے کہ انہوں نے اس آیۂ مبارکہ سے یہی عام حکم سمجھا لہٰذا جب اہل ایمان حاضر بارگاہ ہو جائیں اور استغفار کریں اور حبیب خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے دعاء مغفرت کی التجا کریں تو اللہ تعالٰی کی رحمت اور قبول توبہ کے موجب و باعث تینوں امور کامل طور پر متفق ہو گئے۔

اس آیت کریمہ میں اس امر کی کوئی دلیل موجود نہیں ہے کہ نبی الانبیاء علیہ السلام کی استغفار ان کی استغفار سے متاخر ہی ہو گی بلکہ اس امر کا احتمال ہے جیسے عموم کا احتمال بھی موجود ہے اور مقصد کلام اس کی تائید کرتا ہے کہ یہاں تقدم و تاخر کا کوئی فرق نہیں ہے۔ کیونکہ واستغفر لہم الرسول کے عطف میں دو احتمال ہیں یا فاستغفروا اللہ پر معطوف ہو اور یا جاؤک پر۔ اگر شق ثانی اختیار کر لیں تو اب آپ کی استغفار کا ہر ایک کو شامل ہونا واضح ہو گیا حاضر ہو سکیں یا نہ! اور اگر فاستغفروا اللہ پر معطوف کریں تو بھی چونکہ اصل مقصد یہ ہے کہ وہ حاضر بارگاہ ہونے اور استغفار کرنے کی وجہ سے ان لوگوں میں داخل ہیں جن کو آپ کی دعاء مغفرت شامل ہے اور جیسے کہ ان احادیث سے جن کا ذکر آتا ہے یہ واضح ہو جائے گا کہ آپ کی دعا مغفرت حالت حیات ظاہرہ کے ساتھ مخصوص و مقید نہیں ہے لہٰذا واستغفر لہم الرسول کا عطف فاستغفروا اللہ پر ہو تو بھی ہمارے دعوئ عموم و اطلاق میں ضرر رساں نہیں ہو سکتا کیونکہ آپ کا بعد از وصال استغفار فرمانا جب ممکن ہے اور آپ کا امت کے حق میں انتہائی شفیق و رحیم ہونا ثابت و متحقق ہے تو یہ امر قطعًا و حتمًا معلوم ہو جائے گا کہ آپ بعد از وصال بھی حاضر خدمت ہونے والوں کو دعاء مغفرت سے محروم نہیں فرمائیں گے۔ لہٰذا عطف میں جس احتمال کو بھی اختیار کرو ہر حال میں یہ ثابت ہو جائے گا کہ یہ تینوں امور جو آیت مذکورہ میں بیان کیے گئے ہیں۔ ہر اس شخص کے لیے حاصل ہیں جو آپ کی بارگاہ بے کس پناہ میں حاضر ہو کر اپنے رب تبارک و تعالٰی سے استغفار کرے خواہ آپ کی ظاہری حیات طیبہ میں یا وصال شریف کے بعد۔

شبہ کا ازالہ:

آیت کریمہ باعتبار شان نزول کے اگرچہ ایک قوم کے ساتھ خاص ہے جو حالت حیات ظاہرہ میں خدمت بابرکت میں حاضر ہوئے تھے لیکن جب اس کا حکم ایسی علت اور شرط پر مترتب و معلق کر دیا گیا ہے جو عام ہے تو حکم میں بھی عموم پیدا ہو جائے گا۔ اسی لیے علماء اعلام نے اس سے تمام حاضرین بارگاہ کے لیے مژدہ مغفرت و بخشش سمجھا ہے خواہ

حیات ظاہرہ میں حاضری دیں یا بعد از وصال ورنہ محض حیات ظاہرہ کی تقیید کافی نہیں رہے گی بلکہ اس آیت کریمہ کو اس قوم کے ساتھ مخصوص ماننا پڑے گا۔ لہٰذا جب قوم خاص میں ورود و نزول عام حاضرین کے حق میں عموم کلمہ کے منافی نہیں ہے تو حالت حیات ظاہرہ میں اس کا ورود بھی بعد از وصال حاضر ہو کر طلب مغفرت کرنے والے نیک بخت لوگوں کے حق میں عموم حکم کے منافی نہیں ہے۔ کیونکہ مسلم قاعدہ ہے اعتبار عموم نظر کا ہوتا ہے خصوص مورد کا اعتبار نہیں ہوتا۔

اور سب علماء کرام نے ہر اس شخص کے لیے اس کی قرارت کو مستحب قرار دیا ہے جو قبر انور پر حاضر ہو دراں حالیکہ اللہ تعالیٰ سے استغفار کرنے والا ہو جیسے کہ عتبی کی حکایت کے ضمن میں تمام مذاہب کے مصنفین و مورخین نے کتب مناسک میں اس حکم کی تصریح کی ہے اور ان میں سے ہر ایک نے اس آیہ کریمہ کا پڑھنا زائر کے لیے مستحب قرار دیا ہے اور اسے ان آداب زیارت سے شمار کیا ہے جن کا کرنا مسنون ہے۔

نیز جاءوک ایک شرط عام کے نیچے مندرج ہے جس سے اس کے اندر بھی عموم پیدا ہو جائے گا یعنی ولو انہم اذ ظلموا انفسہم میں قریب و بعید، سفر کی طرف محتاج یا بغیر احتیاج سفر حاضری دے سکنے والے سبھی اس میں داخل ہیں لہٰذا جاءوک میں بھی قریب و بعید سے حاضر ہونے والے خواہ مستقر کے ساتھ اور بغیر سفر کے سبھی داخل ہیں، اور قول باری تعالےٰ۔ وَمَنْ يَخْرُجْ مِنْ بَيْتِهِ مُهَاجِرًا إِلَى اللّٰهِ وَرَسُولِهِ ثُمَّ يُدْرِكْهُ الْمَوْتُ فَقَدْ وَقَعَ أَجْرُهُ عَلَى اللّٰهِ۔ "جو شخص گھر سے نکلے دراں حالیکہ وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہجرت کرنے والا ہے پھر اس کو موت پا لے تو یقیناً اس کا اجر اللہ تعالیٰ کے ذمہ فضل و کرم پر واجب و لازم ہو گیا۔ اور جس شخص میں ذرہ بھر علمی ذوق ہے اس پر یہ بات مخفی نہیں ہے کہ جو شخص بعد از وصال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مزار اقدس کی زیارت کے لیے نکلتا ہے اس پر بھی ہجرت الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صادق آتی ہے کیونکہ عنقریب روایات و احادیث سے واضح ہو جائے گا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وصال شریف کے بعد زیارت اس طرح ہے جس طرح کہ حالت حیات ظاہرہ میں اور آپ کی حیات طیبہ ظاہرہ میں زیارت اس آیت مقدسہ میں بہرحال داخل ہے لہٰذا احادیث مبارکہ کی دلالت سے بعد از وصال زیارت بھی اس میں داخل ہے۔

۲۔ زیارت مزار انور کا از روئے سنت و احادیث مطلوب ہونے کا ثبوت عنقریب احادیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے واضح ہوا چاہتا ہے۔

۳۔ لیکن از روئے قیاس زیارت روضۂ اطہر کا مطلوب ہونا تو اس کی دلیل یہ ہے کہ سنت صحیحہ متفق علیہ میں زیارت قبور کا امر وارد ہے اور جب بغیر کسی استثناء کے تمام قبور کی زیارت مشروع و مسنون ہے تو نبی الانبیاء والمرسلین کا مزار پر انوار بطریق اولیٰ اس امر کا زیادہ حق دار ہے اور سب مزارات سے اعلیٰ ہونے کی وجہ سے اس کی زیارت کا ہونا زیادہ موزوں و مناسب ہے بلکہ اس مزار اقدس اور دوسرے مزارات میں کوئی نسبت ہی نہیں ہے۔

(نیز زیارت قبور کا امر مطلق ہے جس میں قریب و بعید کی کوئی تخصیص نہیں ہے لہٰذا دور و دراز سے سفر کر کے مزارات مقدسہ کی زیارت کا جواز واضح ہو جائے گا۔ علی الخصوص سید العالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے مزار مقدس کی زیارت کا جواز بطریق اولیٰ ثابت ہو جائے گا۔ اور اس اطلاق سے بھی حدیث شد رحال کا فقط مساجد سے مخصوص ہونا واضح ہو جائے گا۔)

نیز نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا اہل بقیع اور شہداء احد کی زیارت کرنا ثابت ہے تو حضور رحمت دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا مزار اقدس زیارت کا زیادہ حق دار ہے کیونکہ امت پر آپ کے حقوق واجب و لازم ہیں اور آپ کی تعظیم و تکریم ان پر فرض ہے اور آپ کی خدمت اقدس میں حاضری کا مقصد بھی آپ کی تعظیم و تکریم ہے، اور آپ سے برکت حاصل کرنا اور مزار پر انوار پر حاضر ہو کر ان ملائکہ کی موجودگی میں جو روضہ اطہر کے گرد گھیرا ڈالے رہتے ہیں صلوٰۃ و سلام بھیج کر عظیم رحمت اور بے پایاں برکت کا حصول مطلوب ہے۔

مزار مقدس کی زیارت کا جواز از روئے اجماع

رہا جواز زیارت پر اہل اسلام کے اجماع کا بیان تو ائمہ اسلام کی ایک عظیم جماعت جو عالمین شرع متین ہیں اور جن پر اجماع و اختلاف امت کے نقل کرنے کا دارومدار ہے۔ انہوں نے جواز و مشروعیت زیارت پر اجماع امت نقل کیا ہے۔

اگر اختلاف ہے تو صرف اس میں کہ آیا یہ زیارت مندوب و مستحب ہے یا واجب و لازم ہے۔ اکثر سلف و خلف اس کے استحباب کے قائل ہیں اور وجوب و فرضیت کے قائل نہیں ہیں اور ہر دو قول کے مطابق یہ اہم قربات و عبادات اور کامیاب و نتیجہ خیز مساعی سے ہے اور جمیع مقدمات و لوازمات کے یعنی سفر اور شد رحال وغیرہ کے خواہ اس میں فقط زیارت ہی مقصود ہو اور مسجد نبوی میں اعتکاف بیٹھنے اور نماز ادا کرنے کا قصد و ارادہ شامل نہ بھی ہو۔ اسی وجہ سے احناف نے کہا ہے کہ یہ درجۂ واجبات کے قریب ہے۔ اور بعض مالکی ائمہ اس کو واجب قرار دیتے ہیں اور دوسرے حضرات سنن واجب میں سے شمار کرتے ہیں۔ اور اس وجوب و لزوم کی دلیل ایسی احادیث ہیں جو بالکل صحیح ہیں اور اس مدعا پر صریح الدلالت ان میں صرف وہی شخص شک و ارتیاب کا شکار ہو سکتا ہے جس کا نور بصیرت زائل ہو چکا ہو۔

۱۔ قول رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم "مَنْ زَارَ قَبْرِي وَجَبَتْ لَهُ شَفَاعَتِي" وفی روایۃ "حَلَّتْ لَهُ شَفَاعَتِي"، جس شخص نے میری قبر کی زیارت کی اس کے لیے میری شفاعت واجب ہو گئی اور دوسری روایت میں ہے اس کے لیے میری شفاعت حلال ہو گئی۔ ائمہ حدیث کی ایک جماعت نے اس کو صحیح قرار دیا ہے۔ اور اس کو دارقطنی اور ابن سکن نے روایت کیا اور آخر الذکر نے اس کو صحیح قرار دیا ہے۔ بلکہ ان کے کلام کا مقتضیٰ یہ ہے کہ باعتبار معنی کے یہ حدیث مجمع علیہ ہے

اگرچہ الفاظ کے لحاظ سے دوسری حدیث جو اس کی ہم معنی ہے اس کی صحت پر سب کا اجماع و اتفاق ہے وہ یہ ہے۔

۲۔ قول نبی کریم علیہ السلام مَنْ جَاءَنِيْ زَائِرًا لَا تُعْمِلُهُ حَاجَةٌ اِلَّا زِيَارَتِيْ كَانَ حَقًّا عَلَيَّ اَنْ اَكُوْنَ لَهُ شَفِيْعًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔ جو شخص میری زیارت کے لیے حاضر ہوا اور سوائے زیارت کے دوسرا کوئی مقصد اس کو اس عمل پر آمادہ کرنے والا نہ ہو تو مجھ پر اس کا یہ حق ہے کہ قیامت کے دن میں اس کا شفیع ہوں۔

امام سبکی فرماتے ہیں کہ ابن سکن کا اس حدیث مبارک کو بعد از وصال زیارت کے استحباب والے باب میں نقل کرنا اس امر کی دلیل ہے کہ انہوں نے اس حدیث پاک سے بعد از وصال زیارت کا معنی ہی سمجھا ہے اور یا ما بعد الوصال بھی اس کے عموم میں داخل ہے لہٰذا اپنے مدعا خاص پر اس عموم سے استدلال کیا ہے اور یہ بھی صحیح ہے (بلکہ حجت کے اقسام سے اعلیٰ قسم یہی ہے اور قطعی نتیجہ کا افادہ فقط اس سے حاصل ہوتا ہے نہ کہ استقراء و تمثیل سے۔)

نیز حدیث پاک میں لَا تُعْمِلُهُ حَاجَةٌ اِلَّا زِيَارَتِيْ۔ کا جملہ صرف ان چیزوں کی نفی کے لیے ہے جن کا زیارت بارگاہ نبوی سے تعلق نہیں ہے۔ لیکن جن کا زیارت سے تعلق ہے مثل مسجد نبوی میں اعتکاف اور نماز کا ارادہ، شد رحال، مسجد شریف میں کثرت عبادت کی نیت، صحابہ کرام علیہم الرضوان کی زیارت، مسجد قبا میں حاضری وغیرہ جن کا زائر کے لیے مستحب ہونا دلائل سے ثابت ہے ان کا قصد و ارادہ حصول شفاعت کے منافی نہیں ہے کیونکہ ہمارے علماء اعلام اور دیگر اکابر ائمہ نے کہا ہے کہ زیارتِ قبر انور کے ارادہ تقرب کے ساتھ ساتھ مسجد نبوی کی طرف شد رحال اور اس میں نماز ادا کرنے کی قربت و عبادت کی نیت بھی کرے۔ اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد گرامی "لا تعملہ حاجۃ الا زیارتی" سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ بے کس پناہ میں حالتِ حیات و ممات دونوں میں حاضر ہونا اور قریب و بعید سے حاضر ہونا قربت عظیمہ اور مرتبہ شریفہ ہے جب کہ قصد خالص اور ارادہ مجرد زیارتِ قبر انور کا ہو بغیر اس کے کہ اس کے ساتھ دوسرے مندوبات اور مستحبات کی نیت و قصد شامل ہو۔ اور اس میں کسی طرح کی ممنوعیت اور عدم جواز کا شائبہ نہیں ہے بخلاف ان لوگوں کے جنہوں نے اپنی خواہشات نفس کو اپنا معبود بنا لیا ہے۔ حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اندھا اور گمراہ کر دیا ہے۔ اور ان کو ضلالت و شقاوت کے گڑھے میں گرا دیا ہے۔

۳۔ حدیث رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم "مَنْ زَارَنِيْ بَعْدَ مَوْتِيْ فَكَاَنَّمَا زَارَنِيْ فِيْ حَيَاتِيْ"، جس شخص نے میری وفات کے بعد میری زیارت کی گویا کہ اس نے میری زندگی میں میری زیارت کی۔ امام سبکی اس حدیث پاک کے متعلق فرماتے ہیں کہ اس ضمن میں وارد تمام احادیث سے از روئے سند یہ حدیث عمدہ اور اجود ہے۔

۴۔ رسول محتشم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے۔ مَنْ حَجَّ فَزَارَ قَبْرِيْ" وفی روایۃ "فَزَارَنِيْ بَعْدَ وَفَاتِيْ"، وفی روایۃ "فَزَارَنِيْ بَعْدَ وَفَاتِيْ عِنْدَ قَبْرِيْ كَانَ كَمَنْ زَارَنِيْ فِيْ حَيَاتِيْ" ورواہ غیر واحد بلفظ "مَنْ حَجَّ فَزَارَ قَبْرِيْ بَعْدَ مَوْتِيْ كَانَ كَمَنْ زَارَنِيْ فِيْ حَيَاتِيْ وَصَحِبَنِيْ"، وفی روایۃ اشار السبکی الی صحتہا "مَنْ حَجَّ

فَزَارَنِيْ فِيْ مَسْجِدِيْ بَعْدَ وَفَاتِيْ كَانَ كَمَنْ زَارَنِيْ فِيْ حَيَاتِيْ" جس نے حج کیا پس میری قبر کی زیارت کی اور ایک روایت میں ہے کہ بعد از وصال میری زیارت کی۔ دوسری روایت میں ہے کہ بعد از وفات میری قبر کے پاس حاضر ہو کر میری زیارت کی تو وہ مثل اس شخص کے ہے جس نے ظاہری حیات میں میری زیارت کی۔ یہ روایت ابو یعلیٰ، دار قطنی، طبرانی، بیہقی اور ابن عساکر نے نقل کی ہے اور موخر الذکر دونوں حضرات نے اس کو ضعیف قرار دیا ہے۔ اور بہت سے محدثین حضرات نے اسی روایت کو اس طرح نقل فرمایا ہے "جس شخص نے حج کیا پس میری وفات کے بعد میری قبر کی زیارت کی تو وہ شخص ان لوگوں کی مانند ہوگا جنہوں نے ظاہری زندگی میں میری زیارت کی اور میرا شرف صحبت حاصل کیا۔"

اور ایک روایت میں یوں وارد ہے جس نے حج کیا اور بعد از وصال میری مسجد میں میری زیارت کی تو وہ اس شخص کی مانند ہے جس نے ظاہری زندگی میں میری زیارت کی۔ امام سبکی نے اس روایت کے صحیح ہونے کی طرف اشارہ فرمایا ہے[1]

۵۔ ارشاد نبوی ہے۔ مَنْ زَارَنِيْ اِلَى الْمَدِيْنَةِ كُنْتُ لَهٗ شَفِيْعًا وَّشَهِيْدًا (رواہ دار قطنی) جس شخص نے مدینہ منورہ میں حاضر ہو کر میری زیارت کی میں اس کے لیے بروز قیامت شفیع ہوں گا اور اس کے عملِ خیر پر شاہد و گواہ۔

۶۔ ابوداؤد طیالسی نے روایت کی ہے (مَنْ زَارَنِيْ كُنْتُ لَهٗ شَفِيْعًا اَوْ شَهِيْدًا وَمَنْ مَاتَ بِاَحَدِ الْحَرَمَيْنِ بَعَثَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى فِي الْاٰمِنِيْنَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔ جس نے میری زیارت کی میں اس کے لیے شفیع یا گواہ ہوں گا۔ اور جو شخص حرم مکہ یا حرم مدینہ میں فوت ہوا اللہ تعالیٰ اس کو بروز قیامت ان لوگوں میں اٹھائے گا جو عذاب جہنم سے امن

---

[1] ضعیف حدیث جب متعدد اسنادات سے مروی ہو تو اس کا ضعف ختم ہو جاتا ہے اور وہ درجہ حسن تک پہنچ جاتی ہے علی الخصوص جب کہ دوسری صحیح روایات اس کی موید ہوں تو ضعف کلیۃً ختم ہو جائے گا۔ نیز آخری روایت میں سرور کونین علیہ السلام کا اخبار بالغیب والاعجزہ بھی موجود ہے۔ آپ نے فرمایا جس نے میری مسجد میں بعد از وفات میری زیارت کی تو آپ نے واضح فرما دیا کہ میری قبر انور اور مزار مقدس میری مسجد میں ہوگی اور جس طرح فرمایا اسی طرح ہو گیا لہٰذا یہ حدیث بالعموم علم غیب کی بھی دلیل ہے اور بالخصوص محل دفن کے علم و ادراک کی دلیل بھی ہے۔ اور قول باری وَمَا تَدْرِيْ نَفْسٌ بِاَيِّ اَرْضٍ تَمُوْتُ کی تفسیر بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اعلام و اطلاع کے بغیر کوئی نہیں جانتا۔ اللہ تعالیٰ کے جتلانے سے یہ سب امور غیبیہ مقبولان بارگاہ خداوندی کو معلوم ہوتے ہیں اور ان اللہ علیم خبیر میں اسی طرف اشارہ ہے جیسے ملا علی قاری نے مرقات میں اور صاحب تفسیرات احمدیہ نے اپنی تفسیر میں فرمایا کہ یہاں خبیر بمعنی مخبر ہے یعنی اللہ تعالیٰ ان امور غیبیہ کو بذات خود جانتا ہے اور اپنے محبوبان بارگاہ کو اس کی خبر دیتا ہے۔ وللتفصیل موضع آخر

(محمد اشرف)

میں ہوں گے۔

امام سبکی نے طبقہ تابعین کے ایک راوی کے علاوہ اس روایت کے سبھی راویوں کو صحیح قرار دیا ہے۔ لہٰذا یہ روایت بھی صحت کے قریب ہے۔

۷۔ علامہ عقیلی اور دوسرے حضرات نے نقل فرمایا کہ سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ "مَنْ زَارَنِيْ مُتَعَمِّدًا كَانَ فِيْ جِوَارِيْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَمَنْ سَكَنَ الْمَدِيْنَةَ وَصَبَرَ عَلٰى بَلَائِهَا كُنْتُ لَهٗ شَهِيْدًا اَوْ شَفِيْعًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ" جس شخص نے عمداً و قصداً میری زیارت کی وہ قیامت کے دن میرے پڑوس میں ہوگا اور جس شخص نے مدینہ طیبہ میں سکونت اختیار کی اور اس میں پیش آنے والی سختیوں اور شدتوں پر صبر کیا تو میں قیامت کے دن اس کے لیے گواہ ہوں گا اور شفیع۔

اس حدیث پاک میں متعمدًا کا لفظ وارد ہے اور پچھلی روایت میں "مَنْ جَاءَنِيْ زَائِرًا لَا تُعْمِلُهٗ اِلَّا زِيَارَتِيْ" وارد ہے اور معنی دونوں کا ایک ہی ہے یعنی اس کا مقصود فقط میری زیارت ہو۔ دوسرا کوئی مقصد اس کے پیش نظر نہ ہو۔

۸۔ ازدی نے روایت نقل کی ہے کہ سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "مَنْ حَجَّ حَجَّةَ الْاِسْلَامِ وَزَارَ قَبْرِيْ وَغَزَا غَزْوَةً وَصَلّٰى فِيْ بَيْتِ الْمُقَدَّسِ لَمْ يَسْئَلْهُ اللّٰهُ فِيْمَا افْتَرَضَ عَلَيْهِ" جس شخص نے فرض حج ادا کیا، میری قبر کی زیارت کی اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کیا اور بیت المقدس میں نماز ادا کی اللہ تعالیٰ اس سے اپنے فرائض کے متعلق سوال نہیں فرمائے گا۔

۹۔ دارقطنی وغیرہ نے نقل کیا ہے "مَنْ زَارَنِيْ بَعْدَ مَوْتِيْ فَكَاَنَّمَا زَارَنِيْ فِيْ حَيَاتِيْ وَمَنْ مَاتَ بِاَحَدِ الْحَرَمَيْنِ بُعِثَ مِنَ الْاٰمِنِيْنَ" جس نے میری وفات کے بعد میری زیارت کی تو گویا اس نے میری زندگی میں میری زیارت کی اور جو شخص حرم کعبہ اور حرم مدینہ میں سے کسی ایک کے اندر فوت ہوا تو وہ قیامت کے دن امن و حفاظت خداوندی کے سایہ میں اٹھایا جائے گا۔

۱۰۔ ابن مردویہ نے روایت کی ہے "مَنْ زَارَنِيْ بَعْدَ مَوْتِيْ فَكَاَنَّمَا زَارَنِيْ وَاَنَا حَيٌّ وَمَنْ زَارَنِيْ كُنْتُ لَهٗ شَفِيْعًا وَشَهِيْدًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ" جس شخص نے میری وفات کے بعد میری زیارت کی تو گویا اس نے میرے زندہ ہونے کی حالت میں میری زیارت کی۔ اور جس شخص نے میری زیارت کی میں قیامت کے دن اس کے لیے شفیع و شہید یعنی گواہ ہوں گا۔

۱۱۔ سید الانبیاء علیہ السلام فرماتے ہیں۔ "مَنْ زَارَنِيْ بِالْمَدِيْنَةِ مُحْتَسِبًا كُنْتُ لَهٗ شَفِيْعًا وَشَهِيْدًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ" فِيْ رِوَايَةٍ اَوْ شَفِيْعًا۔ جس شخص نے بہ نیت ثواب اور اخلاص کامل کے ساتھ مدینہ طیبہ میں میری زیارت کی میں قیامت کے دن اس کے لیے شفیع اور گواہ ہوں گا اور دوسری روایت میں یا گواہ ہوں گا کے لفظ ہیں۔ ابو عوانہ و ابن ابی الدنیا۔

۱۲۔ ابن حبان نے نقل کیا ہے۔ "مَنْ مَاتَ فِيْ اَحَدِ الْحَرَمَيْنِ بُعِثَ مِنَ الْاٰمِنِيْنَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَمَنْ زَارَنِيْ مُحْتَسِبًا اِلَى الْمَدِيْنَةِ كَانَ فِيْ جِوَارِيْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ" جو شخص دونوں مقدس حرموں میں سے ایک میں فوت ہو جائے تو وہ قیامت کے دن عذاب خداوندی سے مطمئن لوگوں میں سے ہوگا اور جس نے خلوص نیت اور حصول ثواب کے لیے مدینہ طیبہ میں میری زیارت کی وہ قیامت کے دن میرے جوارِ رحمت میں ہوگا۔

۱۳۔ ابن النجار ناقل ہیں۔ "مَنْ زَارَنِيْ مَيِّتًا فَكَاَنَّمَا زَارَنِيْ حَيًّا وَمَنْ زَارَ قَبْرِيْ وَجَبَتْ لَهٗ شَفَاعَتِيْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَمَا مِنْ اَحَدٍ لَهٗ سَعَةٌ ثُمَّ لَمْ يَزُرْنِيْ فَلَيْسَ لَهٗ عُذْرٌ" جس نے حالتِ وفات میں میری زیارت کی تو گویا اس نے میری حالتِ حیات میں میری زیارت کی۔ اور جس نے میری زیارت کی اس کے لیے شفاعت کرنا مجھ پر واجب ہو گیا۔ اور جس شخص میں وسعت و طاقت ہو اور وہ اس کے باوجود میری زیارت نہ کرے تو اس کے لیے عذر نہیں ہے۔

علامہ ذہبی نے اس کے موضوع ہونے کی طرف اشارہ کیا ہے لیکن یہ موضوعیت ساری حدیث سے متعلق نہیں ہے بلکہ محض زائد حصہ سے متعلق ہے یعنی مامن احد لہ سعۃ الخ سے متعلق ہے[1]۔

۱۴۔ علامہ عقیلی نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی نقل کرتے ہوئے فرمایا۔ "مَنْ زَارَنِيْ فِيْ مَمَاتِيْ كَانَ كَمَنْ زَارَنِيْ فِيْ حَيَاتِيْ وَمَنْ زَارَنِيْ حَتّٰى يَنْتَهِيَ اِلٰى قَبْرِيْ كُنْتُ لَهٗ يَوْمَ الْقِيَامَةِ شَهِيْدًا اَوْ قَالَ شَفِيْعًا" جس نے حالتِ وفات میں میری زیارت کی وہ اس شخص کی مانند ہوگا جس نے حالتِ حیات میں میری زیارت کی۔ اور جس شخص نے میری زیارت کی حتیٰ کہ بغرض زیارت میری قبر تک پہنچا تو میں بروزِ قیامت اس کے لیے گواہ ہوں گا یا فرمایا کہ شفیع ہوں گا۔

۱۵۔ دیلمی مسند الفردوس میں روایت کرتے ہیں۔ "مَنْ حَجَّ اِلٰى مَكَّةَ ثُمَّ قَصَدَنِيْ فِيْ مَسْجِدِيْ كُتِبَتْ لَهٗ حَجَّتَانِ مَبْرُوْرَتَانِ" جس شخص نے مکہ مکرمہ کی طرف حج کیا اور پھر میری مسجد میں میری زیارت کا قصد کیا تو اس کے لیے دو مقبول حجوں کا ثواب لکھا جائے گا[2]۔

۱۶۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے مرفوع روایت میں منقول ہے۔ "مَنْ زَارَ قَبْرِيْ بَعْدَ مَوْتِيْ فَكَاَنَّمَا زَارَنِيْ

---

[1] اقول۔ یہ حکم وضع بھی محض الفاظ حدیث کے لحاظ سے ہے ورنہ معنوی طور پر اس کی صحت محل بحث نہیں ہے جس طرح کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی مرفوع حدیث سے یہ معنی واضح اور ظاہر ہے اور از روئے الفاظ کسی حدیث کا موضوع ہونا اس کے معنوی طور پر موضوع ہونے کو مستلزم نہیں ہوتا بلکہ دوسرے دلائل سے ہی اس کا فیصلہ ہو سکے گا۔

[2] قصدنی فی مسجدی سے آپ کی غیبی خبر اپنے محل دفن کے متعلق واضح ہے جس طرح پہلے اس پر تنبیہ گزر چکی ہے۔ فافہم۔ (محمد اشرف)

فِیْ حَیَاتِیْ وَمَنْ لَّمْ یَزُرْ قَبْرِیْ فَقَدْ جَفَانِیْ۔ جس نے میری وفات کے بعد میری قبر کی زیارت کی تو گویا اس نے زندگی میں میری زیارت کی اور جس نے میری قبر کی زیارت نہیں کی تو اس نے مجھ پر جفا کی ہے۔

اور آپ سے یہ روایت بھی ہے۔ مَنْ زَارَ قَبْرَ رَسُوْلِ اللّٰہِ کَانَ فِیْ جَوَارِ رَسُوْلِ اللّٰہِ۔ جس نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے مزار مقدس کی زیارت کی تو وہ آپ کے جوارِ رحمت میں ہوگا۔

۱۷۔ سرور انبیاء علیہ وعلیہم التحیۃ والثناء کا فرمان ہے۔ مَنْ اَتٰی اِلَی الْمَدِیْنَۃِ زَائِرًا اِلَیَّ وَجَبَتْ لَہٗ شَفَاعَتِیْ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ وَمَنْ مَاتَ فِیْ اَحَدِ الْحَرَمَیْنِ بُعِثَ اٰمِنًا۔ جو شخص مدینہ طیبہ میں میری زیارت کے لیے حاضر ہوا تو اس کی شفاعت کرنا مجھ پر واجب ولازم ہوگیا۔ اور جو شخص حرم مکہ اور حرم مدینہ میں سے کسی ایک کے اندر فوت ہوگا اس کو بروز قیامت حالت امن میں اٹھایا جائے گا۔[1]

امام ابن حجر مکی فرماتے ہیں ان احادیث میں سے اکثر صراحۃً اور بعض باعتبار ظاہر کے سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کے استحباب بلکہ اشد تاکید پر دلالت کرتی ہیں خواہ آپ حالت حیات ظاہرہ میں ہوں یا وصال فرما چکے ہوں اور یہ استحباب زائرین میں سے مردوں اور عورتوں سب کے حق میں ہے خواہ قریب سے حاضر بارگاہ ہونے والے ہوں یا دور سے۔

لہٰذا ان احادیث طیبہ سے بغرض زیارت سفر کا استحباب اور سواریوں پر پالان رکھنے کا استحباب ثابت ہوتا ہے۔ حتیٰ کہ عورتوں کے حق میں بھی یعنی بالاتفاق جس طرح کہ علامہ رملی نے علماء اعلام کے قول "تُسَنُّ الزِّیَارَۃُ لِکُلِّ حَاجٍّ" یعنی ہر حاجی کے لیے زیارۃ روضہ اقدس مسنون ہے،" سے عورتوں کے حق میں بھی اس کی مسنونیت ثابت کی ہے۔

اور دوسرے علماء کرام نے فرمایا ہے کہ قبور شہداء وصالحین بھی اسی حکم میں ہیں یعنی ان کی زیارت مسنون ہے

---

[1] یہاں بھی سرور کونین علیہ السلام کی غیبی خبر واضح ہے کیونکہ مدینہ طیبہ میں آپ کی زیارت کے لیے حاضر ہونے والے کو جو مژدہ سنایا جا رہا ہے اس کا حصول اس صورت میں ممکن ہوگا جب آپ کا مزار پر انوار مدینہ طیبہ میں ہوگا لہٰذا اس میں اس شہر کی اطلاع ہے یہاں آپ کا وصال ہونا تھا اور یہ مضمون بخاری ومسلم کی حدیث سے بھی واضح ہے کہ انصار کو فتح مکہ کے موقع پر تسلی دیتے ہوئے فرمایا "اَلْمَحْیَا مَحْیَاکُمْ وَالْمَمَاتُ مَمَاتُکُمْ" زندگی بھی تمہارے ساتھ گزرے گی اور بعد از وصال بھی میرا ٹھکانہ تمہارا مدینہ ہی ہوگا اور پچھلی حدیث میں خاص اس جگہ کا تعین ہے جس میں دفن ہونا تھا یعنی مسجد شریف جب کہ دوسری روایات یعنی مَا بَیْنَ قَبْرِیْ وَمِنْبَرِیْ رَوْضَۃٌ مِّنْ رِّیَاضِ الْجَنَّۃِ۔ اور مَا بَیْنَ بَیْتِیْ وَمِنْبَرِیْ رَوْضَۃٌ مِّنْ رِّیَاضِ الْجَنَّۃِ سے واضح ہے کہ حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کا حجرہ مبارک ہی مزار انور کی جگہ ہوگی۔ فتامل حق التامل۔ (محمد اشرف)

زیارت قبور کا مسنون ہونا سفر زیارت کے مسنون ہونے کی دلیل ہے

زیارتِ قبور کا مسنون ہونا سفر زیارت کے مسنون ہونے پر مشتمل ہے کیونکہ زیارت، زائر کے مکان سے مزور کے مکان کی طرف انتقال کو مستلزم ہے۔ جس طرح کلام مجید میں وارد جاروک کا کلمہ ظلم وتعدی کے مرتکب لوگوں کے اپنے علاقوں سے بارگاہ رسالت مآب علیہ افضل الصلوات میں منتقل ہونے پر دلالت کرتا ہے لہٰذا زیارت یا تو نام ہے ایک مکان سے دوسرے مکان کی طرف قصداً منتقل ہونے کا اور یا زیارت نام ہے مزور (جس کی زیارت کی جائے) کے پاس حاضر ہونے کا دوسرے مکان سے منتقل ہوکر، ہر دو صورت میں اس کے معنی کا تحقق اتنے وقت تک ممکن نہیں جب تک اس میں قریب وبعید سے سفر وانتقال داخل نہ ہو[1] اور جب ہر زیارت قربت ہے تو لامحالہ اس کے لیے کیا جانے والا سفر بھی قربت ہوگا۔ (کیونکہ عبادت کا موقوف علیہ عبادت ہوتا ہے جس طرح حرام کا موقوف علیہ حرام اور فرض وواجب کا موقوف علیہ واجب ہوتا ہے) اور احادیث صحیحہ سے سرور کونین علیہ الصلوٰۃ والسلام کا اہل بقیع اور شہداء احد کے قبور کی زیارت کے لیے نکلنا ثابت ہے (لہٰذا اس زیارت کا قربت وعبادت ہونا واضح ہوگیا اور اس کے لیے خروج وانتقال کا عبادت ہونا بھی) اور جب دوسرے حضرات کے قبور کی زیارت کا مشروع ہونا ثابت ہوگیا تو آپ کے مزار مقدس کے لیے بطریق اولیٰ اور علی الوجہ الاتم یہ جواز ثابت ہو جائے گا۔ اور یہ ایک متفق علیہ قاعدہ ہے کہ قربت وعبادت کا وہ وسیلہ جس پر یہ قربت وعبادت موقوف ہو وہ بھی قربت وعبادت ہوتا ہے یعنی اس لحاظ سے کہ یہ اس عبادت تک رسائی کا ذریعہ ہے تو عبادت ہوگا اگرچہ بعض دوسرے عوارض کی وجہ سے اس میں حرمت عارض ہوسکتی ہے۔ مثلاً غصب کی ہوئی زمین میں چل کر جاتا ہے تو غیر کے حق میں بلا اذن تصرف کی وجہ سے اس میں حرمت بھی آگئی لیکن یہ حرمت اس سفر کے دوسری جہت سے عبادت ہونے کے منافی نہیں ہے مثلاً اس غصب کی ہوئی زمین میں فرض نماز ادا کرتا ہے تو فرض بھی ادا ہو جائے گا اور گنہگار ہونا بھی لازم آئے گا۔

---

[1] اصول فقہ کی اصطلاح میں اس دلالت کو اقتضاء النص سے تعبیر کرتے ہیں جس کی معنوی صحت اس معنی کے اعتبار وتقدیر پر موقوف ہو لہٰذا زیارت قبور کی سنیت احادیث صحاح سے ثابت ہے تو اس کے لیے سفر کا مسنون ہونا بھی انہی روایات سے ثابت ہو جائیگا لہٰذا حدیث شد رحال کی مساجد کے ساتھ تخصیص ضروری ہے تاکہ ان احادیث کثیرہ صحیحہ کے ساتھ اس کا تعارض لازم نہ آئے اور یہ دعویٰ کہ دور سے قصد زیارت موجب شرک ہے نہ کہ قریب سے عجیب مضحکہ خیز ہے کیونکہ سفر تو محض وسیلہ ہے اصل مقصد زیارت ہے اگر موجب شرک ہے تو زیارتِ قبور ہے نہ کہ محض سفر کیا قریب سے ان کو سجدہ گاہ بنا لینا اور اصحاب قبور کو قضاء حاجات میں مستقل سمجھنا شرک نہیں ہے فقط دور سے ان افعال کے ارادہ پر حاضر ہونا موجب شرک ہے۔ (محمد اشرف)

جن لوگوں نے یہ گمان کیا ہے کہ فقط قریب سے زیارت کرنا قربت و عبادت ہے (اور دور سے کرنا بدعت بلکہ شرک ہے) تو یہ شریعت مطہرہ پر بہتان و افتراء ہے لہٰذا ان کے اس قول کا قطعاً کوئی اعتبار نہیں ہے۔

منع زیارت کو تحفظ توحید قرار دینا باطل تخیل ہے

بعض حرماں نصیب لوگوں نے جو یہ گمان کیا ہے کہ زیارت کو ممنوع قرار دینا یا سفر زیارت کو حرام قرار دینا محافظت توحید کے قبیل سے ہے کیونکہ زیارت قبور اور ان کے لیے سفر شرک کا موجب بنتا ہے تو یہ تخیل باطل ہے اور ان کے تخیل کی غباوت اور مکاری کی دلیل ہے۔ کیونکہ شرک کا موجب نہ سفر زیارت ہے اور نہ خود زیارت بلکہ صرف قبور کو سجدہ گاہ بنا لینا اور ان پر اعتکاف بیٹھنا۔ اور اصحاب قبور کی صورتیں تیار کرنا اور ان کی تعظیم و تکریم بجا لانا جیسے کہ احادیث صحیح میں وارد ہے نہ کہ ان کی زیارت اور سلام پیش کرنا اور دعا کرنا موجب شرک ہے اور ہر عقلمند ان دونوں صورتوں میں واضح فرق محسوس کرتا ہے اور اس امر کا یقین رکھتا ہے کہ فقط زیارت اور سلام و دعا کا فعل جب حدود شرع کا پاس و لحاظ کرتے ہوئے سرانجام دیا جائے تو اس میں کوئی خرابی اور فساد لازم نہیں آتا۔ اور جو شخص ان سب کو سد ذرائع کے تحت حرام و ممنوع قرار دیتا ہے وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم پر بہتان باندھتا ہے اور افتراء سے کام لیتا ہے۔

باری تعالیٰ کے ساتھ مخلوق کی مشارکت شرک ہے۔ شان رسالت میں تقصیر کفر ہے اور دونوں حقوق کی نگہداشت ایمان کامل ہے

ایمان کامل کے لیے دونوں امور کا مجموعی تحقق لازم ہے۔ ایک تعظیم نبوی کا وجوب و مشروع اور ساری مخلوق سے آپ کے رتبہ کو بلند و بالا تسلیم کرنا۔ دوسرا۔ اقرار ربوبیت یعنی یہ اعتقاد رکھنا کہ اللہ تعالیٰ اپنی ذات، صفات اور تمام افعال میں ساری مخلوق سے منفرد ہے۔ لہٰذا جو شخص کسی بھی مخلوق کی اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی امر میں مشارکت کا عقیدہ رکھتا ہے وہ مشرک ہے اور جو شخص رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے خداداد مرتبہ و مقام میں ذرہ بھر بھی کمی اور تقصیر رکھتا ہے وہ سخت گنہگار یا کافر ہے اور جس شخص نے آپ کی تعظیم میں بہت مبالغہ کیا اور ہر طرح کی تعظیم و تکریم کا اثبات کیا مگر جو امور اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہیں ان تک نہ پہنچایا تو وہ حق و صواب تک واصل ہو گیا اور اس نے توحید و رسالت دونوں کا پورا پورا لحاظ و پاس کیا۔ اور یہی ہے وہ قول جس کے اندر افراط و تفریط نہیں ہے۔

یہ تھی علامہ ابن حجر مکی شافعی کی تقریر جو انہوں نے امام سبکی کے کلام سے اخذ کی ہے اور عنقریب ان کی عبارت

آتی ہے۔ بعد ازاں علامہ موصوف نے ابن تیمیہ کی بدعت یعنی زیارت روضۂ اطہر کی مشروعیت و جواز کا انکار ذکر کیا اور اس پر سخت تنقید فرمائی اور فرمایا کہ مختلف ائمہ اعلام نے اس کے کلمات فاسدہ اور دلائل و حجج کاسدہ کا تعاقب کیا ہے حتیٰ کہ اس کی لغزشات کا عیب و نقص ظاہر کیا اور اس کے اوہام قبیحہ اور اغلاط صریحہ کا رد کیا جن میں سر فہرست عز بن جماعہ اور شیخ الاسلام امام تقی الدین سبکی ہیں جنہوں نے مستقل کتاب لکھ کر اس کا رد کیا اور اس میں بہت بڑے فوائد اور عمدہ نکات درج فرمائے اور حق و صواب کو حجج و دلائل کے ساتھ واضح فرمایا۔

بعد ازاں علامہ ابن حجر نے ابن عبدالہادی پر سخت تنقید کی جس نے امام سبکی کا رد کرنے کی ناکام سعی کی۔ اور فرمایا کتنا ہی خوب ہے وہ قول جو امام سبکی نے بعض فضلاء کی زبانی نقل کیا ہے کہ بارگاہ نبوی کی زیارت کا قربت و عبادت ہونا ضروریات دین سے ہے اور اس کا جزو دین اور رکن اسلام ہونا قطعی طور پر معلوم ہے اور اس کا منکر کافر ہے اگرچہ ہمیں اس فتویٰ کفر میں تامل ہے مگر اس سے استحباب زیارت بلکہ وجوب زیارت کے قول کی تائید بأحسن طریق ہو رہی ہے ابن حجر فرماتے ہیں کہ اس فتویٰ پر اچھی طرح غور کرو تاکہ تمہیں ابن تیمیہ اور اس کے رفقاء اور متبعین کے دعویٰ کی قباحت معلوم ہو سکے۔ کیونکہ زیارت کے قربت و عبادت ہونے سے اس کے لیے کیے جانے والے سفر کا قربت و عبادت ہونا بھی لازم آتا ہے اور ان کا باہمی لزوم بین و واضح ہے۔ اگر یہ مخفی ہو سکتا ہے تو صرف معاند اور بغض کی آگ میں جلنے والے پر جو شخص محض زیارت کے لیے کیے جانے والے سفر کے قربت و عبادت ہونے میں توقف کرتا ہے اور اس کا انکار کرتا ہے تو لامحالہ اس سے خود زیارت کے قربت و عبادت ہونے میں توقف کرنا بلکہ اس کا انکار کرنا لازم آئے گا اور تجھے معلوم ہو چکا ہے کہ قول سابق کے مطابق انکار زیارت کفر ہے تو لامحالہ اس کے لیے سفر کو ناجائز کہنا بھی انتہائی عظیم گناہ ہے لہٰذا اس سے اجتناب و احتراز واجب و لازم ہے۔

ابن تیمیہ کا سفر زیارت کو حرام کہنے کا منشا اور اس کا جواب

سوال :۔

اگر تو یہ کہے کہ ابن تیمیہ پر اس قدر طعن و تشنیع اور رد و قدح کی کیا گنجائش ہے جب کہ اس نے حدیث صحیح سے استدلال کیا ہے۔ " لَا تُشَدُّ الرِّحَالُ اِلَّا اِلٰی ثَلَاثَةِ مَسَاجِدَ۔ سواریوں پر پالان نہ باندھے جائیں مگر تین مساجد کی طرف۔ اور ظاہر ہے کہ بارگاہ نبوی میں حاضری کے لیے سواریوں کا استعمال ان مساجد میں سے کسی کے لیے نہیں ہے لہٰذا ممنوع ہونا چاہیے۔

جواب :۔

میں کہتا ہوں کہ اس حدیث پاک کا وہ معنی نہیں ہے جو اس نے سمجھا ہے بلکہ اس کا صحیح معنی و مفہوم یہ ہے کہ کسی

مسجد کی تعظیم اور اس میں نماز پڑھ کر اللہ تعالیٰ کی قربت کا ارادہ نہ کیا جائے مگر محض تین مساجد ہیں کیونکہ ان میں نماز پڑھ کر ان کی عظمت کا اظہار کرنا منشا و مقصد شرع متین ہے۔

اور ہر عقلمند اور دین دار کے نزدیک حدیث نبوی میں مستثنیٰ منہ مساجد کا لنا ضروری ہے تاکہ استثناء اتصالی بن سکے اور اس استثناء میں اتصال ہے لہٰذا مستثنیٰ منہ اور مستثنیٰ کا ہم جنس ہونا ضروری ہے اور وہ اس صورت میں ہی ہو سکتا ہے کہ مستثنیٰ منہ مساجد ہوں۔ نیز فرائض حج کی ادائیگی کے لیے عرفہ کی طرف شد رحل ضروری ہے بالاجماع حالانکہ وہ مساجد ثلاثہ کے مستثنیٰ میں داخل نہیں۔ نیز جہاد کے لیے سفر لازم ہے اور دار کفر سے دار السلام کی طرف بعض شرائط کے تحت ہجرت لازم ہے۔ علاوہ ازیں یہی سفر طلب علم کے لیے سنت ہے یا واجب۔ علاوہ ازیں اجماع امت سے بغرض تجارت اور دیگر حوائج دنیویہ کے لیے شد رحل اور دور دراز سے سفر جائز ہے تو اخروی حوائج کے لیے اور علی الخصوص ان سب سے تاکیدی، حاجت کے لیے یعنی روضۂ اقدس اور مزار پر انوار کی زیارت کے لیے بطریق اولیٰ جائز ہوگا۔

ابن تیمیہ کا دوسرا منشاء غلط اور اس کا جواب

سوال :۔

اگر تو یہ کہے کہ ابن تیمیہ نے حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم ”لَا تَجْعَلُوْا قَبْرِیْ عِیْدًا“ سے استدلال کیا ہے یعنی میری قبر کو عید نہ بناؤ۔ اور اس نے دعویٰ کیا ہے کہ پہلی حدیث پاک کی مانند یہ حدیث بھی عدم جواز کے دعویٰ کی دلیل ظاہر ہے اور اس لیے کہا گیا ہے کہ اہل بیت نبوی رضی اللہ عنہم کے متعدد حضرات نے اسی حدیث سے ممنوعیت پر استدلال کیا ہے۔

جواب :۔

یہ حدیث باعتبار صحت اور ثبوت مختلف فیہ ہے۔ اگرچہ راجح یہی ہے کہ یہ صحیح ہے اور ثابت مگر اس میں دو مقام پر کلام ہے۔

اوّل :۔ مسند عبدالرزاق وغیرہ میں اہل بیت نبوت کی طرف ممنوعیت کی جو نسبت کی گئی ہے وہ اصل زیارت کے لحاظ سے نہیں ہے بلکہ وہ صرف ان لوگوں کے لیے ہے جو غیر مشروع طریقہ پر زیارت کے لیے حاضر ہوں مثلاً حضرت حسن بن حسن بن علی رضی اللہ عنہم سے زیارت کا عدم جواز بھی مروی ہے اور ساتھ ہی فرمایا جب بھی مسجد شریف میں داخل ہو تو آپ کی بارگاہِ اقدس میں سلام پیش کرو۔ الغرض باوجود منع کرنے کے سلام پیش کرنے کا حکم دینا اس امر کی دلیل ہے کہ آپ اہل زیارت کو ناجائز نہیں کہتے بلکہ ظاہر یہی ہے کہ آپ زیارت میں اختصار و ایجاز کو پسند اور

تطویل و اطناب کو ناپسند کرتے ہیں۔

یہی صورت حضرت امام زین العابدین رضی اللہ عنہ سے منقول ہے۔ اور امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ بنفس نفیس بارگاہ نبی الانبیاء میں حاضر ہوتے، سلام پیش کرتے اور روضۂ اقدس سے متصل ستون کے پاس کھڑے ہو کر سلام پیش کرتے اور فرماتے یہاں ہے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا سر ناز اور چہرۂ انور۔

تو اس وقت یہ حقیقت واضح ہو گئی کہ اہلِ بیت کے اقوال سے عدم جواز پر استدلال کی کوئی وجہ نہیں ہے اور یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ اہل بیت نبوت مطلق زیارت کو ممنوع قرار دیں۔ یا اسلاف و اخلاف میں سے کوئی ایسا امام وقت جن پر دین کے معاملہ میں تعویل و اعتماد کیا جاتا ہو اور اس کی تقلید و اقتداء کی جاتی ہو وہ سرور کونین علیہ السلام کی زیارت کو ممنوع قرار دے۔ بلکہ وہ دوسرے اہل اسلام کی طرح تمام موتیٰ اور اہلِ قبور کی زیارت کو مباح قرار دینے پر مجتمع اور متفق ہیں چہ جائیکہ امام الانبیاء والمرسلین علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی زیارت کو مباح نہ سمجھیں۔

مقام دوم :۔

دوسرا مقام اور محل بحث یہاں یہ ہے کہ اس حدیث پاک سے ابن تیمیہ کے مزعوم یعنی عدم جواز زیارت پر استدلال وہی شخص کر سکتا ہے جو عربی زبان سے کلیتہً جاہل و بے خبر اور قوانین ادلہ سے بالکل نابلد ہو۔

اولاً۔ تو اس لیے کہ ہم نہیں تسلیم کرتے کہ یہ حدیث ابن تیمیہ کے زعم فاسد پر دلالت کرتی ہے کیونکہ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد یہ ہوتا تو آپ فرماتے۔ لَا تَزُوْرُوْا قَبْرِیْ۔ تم میری قبر کی زیارت نہ کرو اور ایسا جملہ ذکر فرماتے جس میں دونوں طرح کے احتمال ہوتے (جواز کا بھی اور عدم جواز کا بھی) یعنی لا تجعلوا قبری عیدًا کیونکہ اس مقام یعنی قبر انور کی زیارت سے منع کرنے اور نعوذ باللہ ابن تیمیہ کے زعم کے مطابق انہیں شرک سے بچانے کے لیے زیادہ موزوں و مناسب دلالت مطابقت ہے نہ کہ تضمن و التزام کیونکہ اس امر کی ممنوعیت فرض کریں تو اس کا مقام و شان عظیم ہے لہٰذا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا صریح نہی سے عدول فرمانا اور لا تجعلوا قبری عیدًا۔ یعنی میری قبر کو عید نہ بنا لینا کا ارشاد فرمانا اس امر کی ظاہر اور بین دلیل ہے کہ آپ کی مراد یہاں پر کچھ اور ہے نہ کہ زیارت سے منع کرنا۔

ثانیاً۔ اگر ابن تیمیہ کے زعم کے مطابق ظاہر معنی یہی ہوتا اور وہی مراد ہوتا، بلکہ اگر لا تزوروا قبری بھی وارد ہوتا تو اس کی تاویل واجب ہوتی کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر انور کی زیارت کے جائز ہونے پر اجماع منعقد ہے اور اجماع امت ادلہ قطعیہ سے ہے لہٰذا قطعی کے مقابل ظنی پر عمل کا کوئی جواز نہیں بلکہ اس کی تاویل واجب و لازم ہے تاکہ قطعی دلیل کے مطابق و موافق ہو جائے جب کہ یہ دوسرے ظنی دلائل کے بھی معارض ہونے کی اہلیت نہیں رکھتی کیونکہ اس کی صحت محل اختلاف ہے تو قطعی کے معارض کیسے ہو سکتی ہے؟

اور بالفرض صریح حکم نہی کا وارد ہونا یعنی لاتزوروا قبری تو اس کی تاویل واجب تھی تو وہ حکم جس میں فقط نہی کا احتمال موجود ہے کیونکہ یہ احتمال بھی ہے کہ زیارت کا حکم دیا گیا ہو اور وہ بھی بکثرت زیارت کا یعنی عید کی مانند سال بعد زیارت کرنے نہ آیا کرو بلکہ بار ہا زیارت کے لیے آیا کرو۔ رہا زیارت پر برانگیختہ کرنے اور کثرت زیارت کی طرف ترغیب دلانے کا احتمال تو اس کی توضیح یہ ہے کہ میری قبر انور کی زیارت سے ملال اور کوفت محسوس نہ کرو کہ اس کی زیارت عید کی طرح صرف بعض اوقات میں کرو۔ بلکہ تمام اوقات میں بکثرت میری زیارت کیا کرو۔ یا مقصد یہ ہے کہ اس کے لیے کوئی وقت معین نہ کرو کہ اسی میں زیارت کرو۔ جیسا کہ عید صرف وقت مخصوص میں ہوتی ہے۔

اگر بالفرض اس حدیث پاک میں زیارت سے منع کرنا مقصود بھی ہو تو وہ نہی حالت مخصوصہ پر محمول ہو گی یعنی میری مزار اقدس کو عید کی مانند نہ بنا لو کہ اس کے پاس بلا ضرورت ٹھہرے رہو اور زیب و زینت کا اظہار کرو۔ اور اس کے علاوہ ایسے امور کا ارتکاب کرو جو کہ عیدوں کے موقع پر کیے جاتے ہیں بلکہ جو شخص بھی زیارت کے لیے حاضر ہو تو سلام پیش کرے۔ دعا مانگے اور پھر لوٹ جائے (کیونکہ بلا ضرورت زیادہ دیر ٹھہرنا دل سے عظمت و جلالت اور کمال ادب واحترام کو زائل کر دیتا ہے)

ہماری اس تقریر و تحریر اور تحقیق سے یہ بات واضح اور ظاہر ہو گئی کہ ابن تیمیہ کے لیے اس حدیث پاک میں کوئی وجہ استدلال موجود نہیں ہے اور نہ ہی یہ اس کے زعم فاسد کی دلیل ہے خواہ اس سے کثرت زیارت پر آمادہ کرنے والا معنی مراد ہو اور اس سے کسی بھی وقت ملال محسوس کرنے سے منع کرنا مقصود ہو۔ اور یہ خود ظاہر ہے کہ اس وقت اس سے منع زیارت پر استدلال کی کیا وجہ ہو سکتی ہے خواہ اس میں زیارت سے نہی مراد ہو کیونکہ وہ ایک حالت مخصوصہ کے ساتھ مقید ہو گی جس کا مفاد و مدلول یہ ہو گا کہ اس حالت مخصوصہ سے قطع نظر ممنوع و حرام نہیں ہے اور جب دوسری صورتوں میں ممنوعیت ختم ہو گئی تو لامحالہ اس کی طلب اور مشروعیت ثابت ہو جائے گی۔ کیونکہ اس کے محض مباحات میں سے ہونے کا تو کوئی قائل نہیں ہے (بلکہ وہ اعظم مستحبات سے ہے یا واجبات سے اور ابن تیمیہ وغیرہ کے نزدیک محرمات سے)

بعد ازاں علامہ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس ضمن میں اپنی کتاب "الدر المنضود فی الصلوٰۃ علی صاحب المقام المحمود" صلی اللہ علیہ وسلم کی عبارت نقل کی جس کا ایک حصہ یہ ہے۔ لَا تَجْعَلُوا زِيَارَةَ قَبْرِيْ عِيْدًا یعنی از روئے اجتماع کے جس طرح کہ عید کے موقعہ پر ہوتا ہے۔ اور یہود و نصاریٰ کا طریقہ یہ تھا کہ وہ اپنے انبیاء علیہم السلام کی قبور کی زیارت کے لیے اجتماع منعقد کرتے اور ان کے قریب لہو و طرب میں مشغول ہوتے۔ لہٰذا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو اس قسم کے اجتماع سے منع فرمایا۔ اور یا اس سے مقصود یہ ہے کہ زیارت میں قدر ماموربہ اور جائز صورت سے تجاوز نہ کریں اور تعظیم قبر میں مبالغہ نہ کریں۔ (اور یہ تاویل اس لیے ضروری ہے) کہ ائمہ اسلام اور علماء اعلام کی نقل

کے مطابق تمام امت محمدیہ کا اس پر اجماع ہے کہ زیارت روضۂ اقدس افضل ترین قربات و عبادات سے ہے اور کامیاب ترین مساعی سے ہے۔

اور یہ اجماع صرف جواز زیارت یا جواز سفر پر ہی منعقد نہیں ہے بلکہ اس پر بھی اجماع منعقد ہے کہ اس کو عملاً کیا جائے کیونکہ اہل اسلام عہد صحابہ کرام علیہم الرضوان سے لے کر اب تک تمام اطراف و اکناف عالم سے بارگاہ رحمت دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کھچے چلے آتے ہیں۔ حج سے پہلے بھی اور حج کے بعد بھی اور ایام حج سے علاوہ اوقات میں بھی اور اس سفر زیارت میں وہ دور دراز کی مسافتیں طے کرتے ہیں۔ اموال خرچ کرتے ہیں بلکہ اس راہِ شوق پر اپنی جانوں کا نذرانہ بھی پیش کرتے ہیں محض اور محض اس عقیدہ پر کہ یہ زیارت عظیم ترین عبادات سے ہے اور جناب باری میں تقرب کے ذرائع میں سے عظیم ترین ذریعہ ہے۔

لہٰذا جو شخص یہ گمان کرتا ہے کہ اتنا عظیم و کثیر اجماع اور وہ بھی ہر دور اور ہر زمانہ میں خطا پر ہے تو لامحالہ وہ شخص خود خطا کار ہے اور حرماں نصیب اور شقاوت و بدنصیبی کا شکار۔

ابن تیمیہ کے اس توہم کا ازالہ کہ اہل اسلام دوسری طاعات کے لیے حاضر ہوتے ہیں نہ کہ زیارت کے لیے

یہ گمان کہ بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہونے والے دراصل دوسری طاعات اور عبادات کا قصد کیے ہوئے حاضر ہوتے ہیں نہ کہ محض زیارت کے لیے سفر کرتے ہیں محض مکابرہ اور سینہ زوری ہے کیونکہ ان کی عظیم اکثریت کے متعلق ہمیں قطعی علم ہے کہ وہ صرف زیارت روضۂ اطہر کے لیے حاضر ہوتے ہیں اور ان کے دل میں قطعاً کوئی اور خیال و ارادہ نہیں ہوتا۔ اگر دوسری طاعات و عبادات کا ارادہ ہوتا ہے تو صرف ان لوگوں کا جو مخالف و مانع کے شکوک و شبہات کا شکار ہو چکے ہوتے ہیں۔ اور ان کی تعداد انتہائی قلیل ہے۔

علاوہ ازیں ہمارا دعویٰ صرف یہ تھا کہ حاضرین کی اصل اور عظیم غرض زیارت مزار انور ہوتی ہے اور دوسرے تمام اغراض و مقاصد اس میں مغمور و مغلوب ہوتے ہیں حتیٰ کہ اگر زیارت مقصود نہ ہوتی تو سرے سے سفر ہی نہ کرتے۔

علماء اعلام کا یہ ارشاد کہ مناسب یہی ہے کہ زیارت کے ساتھ مسجد نبوی میں نماز ادا کرنے اور تقرب حاصل کرنے کا ارادہ بھی کرے ہمارے اس دعویٰ پر نص صریح ہے کیونکہ انہوں نے مسجد نبوی کی نیت کو زیارت کے لیے شرط قرار نہیں دیا۔ بلکہ اس صورت کو اکمل و احسن قرار دیا ہے تاکہ سفر دو قربتوں اور عبادتوں کے لیے بن جائے اور اجر و ثواب بھی زیادہ ہو جائے حتیٰ کہ اگر مزید طاعات کی نیت اس کے ساتھ کرلے تو ان کے عدد کے مطابق اجر و ثواب میں بھی

اضافہ ہوتا جائے گا۔

فائدہ :۔ علماء اعلام کی یہ عبارت اس امر کی دلیل ہے کہ متعدد قربات اور طاعات کا ارادہ نیتِ زیارت کے اخلاص میں مضر اور نقصان دہ نہیں ہے۔ اور اس پر پہلے بھی تنبیہ گزر چکی ہے۔

استطاعت ہوتے ہوئے بارگاہ نبوی کی زیارت ترک کرنے پر وعید و تہدید

ابن حجر نے اس تفصیل کے بعد بارگاہِ رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کے متعدد فوائد بیان کیے اور بہت سی احادیث اس سلسلہ میں ذکر فرمائیں جن میں سے بعض وہ ہیں جو پہلے درج ہو چکی ہیں اور بعض ان کے علاوہ ہیں ان کی تفسیر و تشریح بھی کی اور بالتبع دوسرے فوائد بھی بیان کیے جس کو ان کا مطالعہ مقصود ہو اصل کتاب کی طرف رجوع کرے۔ پھر ایک فصل منعقد کی جس کا عنوان ہے "استطاعت و طاقت کے ہوتے ہوئے زیارت ترک کرنے سے تحذیر اور زجر و توبیخ" اور فرمایا کہ یہاں بھی استطاعت کے لیے وہی پیمانہ اور معیار قائم کیا جائے گا جو علماء کرام نے حج کی استطاعت کے لیے ذکر کیا ہے۔ لہٰذا جو استطاعت وجوب حج کا موجب و باعث ہے وہی استطاعت زیارت روضۂ اطہر کی ندبیت اور استحباب اکید کا موجب و باعث ہے۔

فرماتے ہیں! اے اہل ایمان تمہیں رسول کریم علیہ السلام نے اپنی زیارت کے ترک سے گریز و پرہیز کرنے کی اتم و اکمل ترغیب دلائی ہے اور انتہائی بلیغ اور واضح انداز میں اس کی طرف رہنمائی فرمائی ہے اور تمہارے لیے ترک زیارت کے آفات کو اس انداز و اسلوب میں بیان کیا ہے کہ اگر ذرا سا غور و فکر کرو تو تمہیں اپنے متعلق قطع تعلقی اور سوءِ انجام کا خوف لاحق ہو جائے گا۔ کیونکہ آپ نے فرمایا۔ "مَنْ حَجَّ الْبَيْتَ وَلَمْ يَزُرْنِيْ فَقَدْ جَفَانِيْ"، جس نے بیت اللہ کا حج کیا اور میری زیارت نہ کی تو اس نے میرے ساتھ جفا کی۔ کتنا واضح اسلوب بیان ہے اور کس قدر خراب انجام ہے اس شخص کا جو زیارت نہ کر کے نبی الانبیاء علیہ السلام کے ساتھ جفا کاری سے پیش آئے۔

جفا کی حقیقت اور تارکِ زیارت کے لیے وعیدات کا بیان

جور و جفا کی حقیقت کیا ہے۔ بر و احسان کا ترک، صلہ رحمی اور حقوق کی ادائیگی میں تقصیر یا طبیعت کی سختی اور سنگ دلی اور جود و سخا سے دوری اور اس کی تائید سرکار ابد قرار علیہ السلام کے اس ارشاد سے بھی ہوتی ہے جس میں آپ نے اس شخص کو جفا کار قرار دیا جو آپ کا نام مبارک سنے مگر آپ پر درود و سلام نہ بھیجے۔ قتادہ سے صحیح سند کے ساتھ مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "مِنَ الْجَفَاءِ اَنْ اُذْكَرَ عِنْدَ رَجُلٍ فَلَا يُصَلِّيْ عَلَيَّ" اور اس سے یہ بھی معلوم ہو جائے گا کہ قدرت و استطاعت کے باوجود زیارت کا ترک کرنا اور آپ کا نام مبارک سن کر درود و سلام

کا ترک کرنا جب جفا کاری ہونے میں برابر ہیں تو اس وقت خوف و اندیشہ یہ ہے کہ تارک درود و سلام کے حق میں جو عقوبات و وعیدات اور قبائح و فضائح ثابت ہیں اسی طرح تارکِ زیارت کے حق میں بھی ثابت ہوں۔

علامہ ابن حجر نے اس کے بعد ذکر نبوی کی صورت میں درود و سلام ترک کرنے پر مذمت و وعید پر مشتمل احادیث ذکر کیں اور آخر میں بطور نتیجہ فرمایا کہ ان احادیث سے معلوم ہوا کہ جو شخص نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا نام مبارک سن کر درود و سلام نہ بھیجے وہ اوصاف قبیحہ شنیعہ کے ساتھ متصف ہو گا مثلاً شقی ہونے، غبار آلود ناک والا ہونے، دخول نار کا مستحق، اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے بعید ہونے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور جبرئیل امین علیہ السلام کی طرف سے دعاء ہلاکت کا مستحق ہونے اور ان عقوبات کے علاوہ رحمت سے دوری، راہ جنت سے بھٹکنے، اور اتم و اکمل بخل سے موصوف ہونے، ملعون اور بے دین ہونے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دیدار سے محروم ہونے کے ساتھ موصوف و متصف ہو گا۔

اور جب یہ ثابت ہو چکا ہے کہ تارکِ زیارت، تارک درود و سلام کی طرح جفاء کا مرتکب ہے بشرطیکہ اس میں زیارت کی قدرت ہو اور جو اوصاف قبیحہ شنیعہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا نام مبارک سن کر درود نہ بھیجنے والے کے حق میں ثابت ہیں۔ خطرہ ہے کہ انہی کی مانند تارکِ زیارت کے لیے بھی ثابت ہوں لہٰذا اس کے حق میں بھی شقی، ذلیل و حقیر دخول نار کے مستحق، اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم سے دور ہونے، نبی کریم علیہ السلام اور جبرئیل امین علیہ السلام کی طرف سے دعاء ہلاکت کا نشانہ بننے، رحمت خداوندی سے دوری بخیلی، ملعونیت بے دینی اور دیدار مصطفوی سے محرومی جیسے اوصاف قبیحہ کے ساتھ موصوف و متصف ہو۔ ان وعیدات کو اچھی طرح یاد کر لے اور ہر وقت ان کو ذہن میں حاضر رکھے۔ اور ان لوگوں کو بھی بتلا جو قدرت کے باوجود نبی الانبیاء علیہ السلام کی زیارت میں سستی اور تہاون سے کام لیتے ہیں عین ممکن ہے کہ ان وعیدات کو سن لینا ان کے لیے ان قبائح سے دوری کا موجب و باعث بن جائے (اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کا سبب بن جائے) اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جفاء کو ترک کرنے کا ذریعہ بن جائے جو ان کے وسیلہ ہیں اور ساری مخلوق کے وسیلہ ہیں۔

قدرت کے باوجود زیارت ترک کرنے کی نحوست کا بیان

علامہ موصوف فرماتے ہیں کہ ہم نے بہت سے لوگ دیکھے ہیں جنہوں نے قدرت و استطاعت کے باوجود روضۂ اقدس کی زیارت کو ترک کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے ان پر بدصورتی اور روسیاہی کو مسلط فرما دیا جو ہر شخص کو ان کے چہروں میں نمایاں طور پر نظر آتی تھی۔ اور ان کو فلاح و خیر کے کاموں سے ایسی کاہلی اور سستی در پیش ہوئی کہ ان سے اللہ تعالیٰ کی عبادت و طاعت رہ گئی اور جیفۂ دنیا کی تحصیل میں ہی مصروف و مشغول ہو کر رہ گئے اور اسی حالت میں دنیا

سے چل بسے اور بہت سے لوگوں پر دوسروں کے واجب الادا حقوق اس قدر غالب آ گئے کہ انہیں جبرًا وقہرًا زیارت سے روک دیا گیا۔

ایک شخص کے متعلق مجھے بتلایا گیا جو مکہ مکرمہ میں رہائش پذیر تھا جب کبھی بھی وہ مدینہ منورہ کی تیاری کرتا کوئی نہ کوئی عائق اور مانع پیش آ جاتا اور وہ اس عظیم مقصد میں ناکام رہتا لوگ ہمیشہ اس کو ترکِ زیارت پر سرزنش اور زجر و توبیخ کرتے رہتے۔ چنانچہ اس نے زیارت کے لیے سفر کی مکمل تیاری کی اور تمام اہل و عیال کو بھی تیار کیا اور بہت سا مال و زر ان پر صرف کیا اور انہیں کہا کہ تم مجھ سے پہلے چلو اور میں عنقریب تمہیں آ ملوں گا مگر جب اس نے اپنی سواری تیار کی اور سوار ہونے کا ارادہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے اس کی بدمعاشی اور فواحش کے ارتکاب کی وجہ سے اس پر انصباب دم کی بیماری مسلط کر دی۔ چنانچہ وہ پیچھے رہ گیا اور اس کے اہل و عیال زیارت کے لیے چل پڑے۔ چنانچہ جب وہ اس شرف سے مشرف ہو کر واپس ہوئے تب اس کو عافیت نصیب ہوئی اور بعد ازاں وہ ہمیشہ اس حسرت و یاس میں مبتلا رہا اور لوگوں کی طرف سے عار و عیب کا اور زجر و توبیخ کا نشانہ بنا رہا اور اس طرح حالت محرومی میں ہی اس جہان فانی سے چل بسا۔ کیونکہ اس کے حق میں حرمان نصیبی کا ازلی فیصلہ ہو چکا تھا اور وہ لوگوں پر ظلم و تعدی کی وجہ سے سخت انقطاع اور قطع تعلق اور عظیم خیبت و خسران کے ساتھ دار فنا سے دار بقاء کی طرف لوٹا (استغفر اللہ)

رسول کریم علیہ السلام کا بعض ظالم زائرین کو مدینہ منورہ میں داخل ہونے سے روک دینا

بہت سے ظلم پیشہ لوگوں کے ساتھ یہ واقعہ بھی پیش آیا کہ اس نے زیارت کے لیے اسباب سفر ترتیب دیے اور سفر بھی شروع کر لیا۔ مگر جب مدینہ منورہ علیٰ ساکنہا الصلوٰۃ والسلام کے قریب پہنچ گیا اور اس کی عمارات وغیرہ نظر آنے لگیں تو حجرہ شریفہ اور روضہ منیفہ کے بعض خدام سواروں کی اس جماعت کے پاس پہنچ گئے اور اس شخص کا نام لے کر پوچھا فلاں بن فلاں کدھر ہے؟ جب اس کی نشاندہی کی گئی تو انہوں نے فرمایا ہم رسول خدا علیہ التحیۃ والثناء کے بھیجے ہوئے ہیں۔ آپ کا حکم ہے کہ تو میرے پاس نہیں آ سکتا۔ چنانچہ وہ شخص وہیں بیٹھ کر رونے لگ گیا۔ دوسرے لوگ حاضر ہو کر انوار نبوی سے سینوں اور دلوں کو منور کیے ہوئے واپس ہوئے تو وہ بھی مجسم خیبت و خسران اور سراپا ذلت و رسوائی بن کر ان کے ساتھ لوٹ گیا۔ جب کہ وہ بہت زیادہ ندامت و افسوس کا اظہار کرنے والا انتہائی تنگ دلی اور عار کا شکار تھا اور ظلمت و روسیاہی میں مبتلا۔

اے زائر اس سے بچ کہ تو اس حبیب کریم کی بارگاہ اقدس میں حاضری دے جب کہ تو اپنے برے کردار، بداعمال اور فواحش پر اسی طرح قائم ہو تاکہ کہیں تیرے ساتھ بھی اس طرح کا واقعہ پیش نہ آئے اور تو لوگوں کے لیے دنیا بلکہ آخرت

میں بھی ایک بری مثال اور برا نمونہ بن جائے۔ کیونکہ رحمت مجسم صلی اللہ علیہ وسلم ایسا سلوک صرف اسی شخص کے ساتھ ہی فرماتے ہیں جس کی اصلاح سے آپ بالکل ناامید ہو چکے ہوں اور اس کی فلاح و خیر سے محرومی کا آپ کو یقین کامل ہو چکا ہو بلکہ آپ کا یہ اقدام اس شخص کے انجام بد اور برے خاتمہ کی بین اور واضح دلیل ہے۔

لہٰذا اے عازم مدینہ تیرے لیے موزوں ترین طریقہ یہ ہے کہ اسباب سفر ترتیب دینے سے قبل اور اس مقدس و مبارک عزم و ارادہ کو عملی جامہ پہنانے سے پہلے خلوص دل کے ساتھ سچی توبہ کرے جو تمام شرائط پر مشتمل ہو اور تیرے ذنوب و آثام کو مٹانے والی ہو اور عیوب و نقائص کو چھپانے والی ہو اور تجھے سید المرسلین و سیلۃ النبیین صلی اللہ علیہ وسلم اجمعین کی بارگاہ اقدس میں قبولیت کے قابل بنانے والی ہو۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو یہ دولت نصیب فرمائے۔ آمین!

حج کرنا زیارت نبوی کے لیے شرط نہیں ہے

حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم مَنْ حَجَّ الْبَيْتَ وَلَمْ يَزُرْنِي فَقَدْ جَفَانِي (یعنی جس نے بیت اللہ کا حج کیا اور میری زیارت نہیں کی اس نے میرے ساتھ جفا کی) میں حج کرنے کا ذکر فرما کر پھر زیارت نہ کرنے پر یہ زجر و توبیخ فرمائی ہے جس سے یہ گمان ہو سکتا ہے کہ جو شخص نہ حج کرے اور نہ زیارت وہ اس وعید میں داخل نہیں ہے تو علامہ ابن الحجر اس کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ یہاں حج کا ذکر محض بیان اولیٰ کے لیے ہے کیونکہ جس شخص نے حج کیا اور مدینہ منورہ کے قریب ہونے کے باوجود سرکار مدینہ کی زیارت نہیں کی تو اس کا یہ فعل بنسبت اس شخص کے عمل و کردار کے بہت قبیح اور گھناؤنا ہے۔ جس نے نہ حج کیا اور نہ ہی شرف زیارت حاصل کیا[1]۔ الغرض چونکہ حج کا ذکر اس تفاوت پر تنبیہ کرنے کے لیے ہے لہٰذا اس سے مفہوم مخالف مراد لے کر حج نہ کرنے والے کو اس وعید و تہدید سے خارج کرنے کا کوئی جواز نہیں ہے۔ اور اس صورت میں حدیث پاک کا معنی و مفہوم یہ ہوگا مَنْ لَمْ يَزُرْنِي فَقَدْ جَفَانِي۔

---

[1] کیونکہ اس شخص نے کعبہ کو تو اہمیت دی مگر اس کعبہ کو کعبہ و قبلہ بنانے والی ذات اقدس کی پروا نہ کی اور جس نے کعبے کا راستہ بتلایا بلکہ خدا کا راستہ بتلایا اس کی زیارت کو پس پشت ڈالا۔ اور کعبہ بلکہ اللہ تعالیٰ کے تمام قبلوں کے امام اور مرسلین و روحانیین کے امام سے منہ موڑا اور اپنے دنیوی و اخروی وسیلہ سے منہ موڑا لہٰذا یہ سنگدلی کی انتہا ہے۔ نیز کوئی سنگدل شخص اگر زیارت کے لیے حاضر نہیں ہوتا تو جن کی درگاہ اقدس میں ہزاروں فرشتے صبح سے شام اور شام سے صبح تک حاضری دیتے ہیں انہیں اس کے زیارت نہ کرنے سے کیا نقصان لاحق ہو رہا تھا تو یہ ارشاد امت کے ساتھ اپنی محبت کا اظہار کرنے کے لیے ہے کیونکہ ایسے شکوے محب ہی کیا کرتے ہیں۔ تو اس صورت میں سنگ دلی بھی زیادہ نمایاں ہو جائیگی کہ محبوب خدا تو امت کے لیے محبوں کی طرح منتظر ہوں مگر امتی مجسم جفا بن کر زیارت کے لیے حاضر ہونے کی تکلیف گوارا نہ کرنے فافہم۔ (محمد اشرف غفرلہ)

جس نے میری زیارت نہیں کی اس نے میرے ساتھ جفا کی ہے۔

پہلے بارگاہ نبوی کی زیارت کرنا اور بعد ازاں حج ادا کرنا سنت ہے

جب اس حدیث پاک کا معنی ومفہوم واضح ہوگیا تو اب یہ وہم اور شبہ بھی دور ہو جائے گا کہ جس شخص نے پہلے مدینہ منورہ میں حاضری دی۔ بعد ازاں حج کیا اور دوبارہ زیارت کے لیے حاضر نہ ہوا تو وہ بھی جفا کا مرتکب ہوگیا (کیونکہ یہ وعید فقط ترک زیارت کی صورت میں ہے خواہ حج پہلے ہو یا زیارت پہلے اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ ہاں ہر حاجی کے لیے مسنون یہی ہے خواہ مکی ہو یا غیر مکی کہ جب حج سے فارغ ہو تو بارگاہ نبوی میں حاضری دے اور اس وقت اس کے لیے زیارت روضہ اطہر بہت متاکد ہو جاتی ہے۔

تکرار حج کی صورت میں تکرارِ زیارت افضل ہے

افضل واعلیٰ طریقہ یہی ہے کہ جو شخص بار بار حج کرے وہ ہر بار حج کے بعد مدینہ منورہ میں رحمت دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ والا جاہ میں بھی حاضری دے ہاں اگر دوبارہ حاضری نہیں دیتا تو جفا کاری کا مرتکب نہیں قرار پائے گا۔

حج کے ساتھ آغاز وابتداء افضل ہے یا زیارت روضۂ اقدس کے ساتھ

علماء کرام کا باہم اختلاف ہے کہ جو شخص حج اور زیارت دونوں کا ارادہ رکھتا ہو اس کے لیے افضل وبہتر طریقہ کونسا ہے؟

بعض کے نزدیک مدینہ شریفہ میں حاضری پہلے دینا بہتر ہے۔ اور اکثر حضرات حج کے ساتھ ابتدار کو افضل قرار دیتے ہیں۔

علامہ ابن حجر فرماتے ہیں میرا مختار مسلک یہ ہے کہ اگر وقت میں وسعت ہے کہ زیارت کے بعد حج ادا کر سکتا ہے تو پھر اولیٰ وانسب یہی ہے کہ پہلے بارگاہ عالم پناہ صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضری دے تاکہ یہ قربت عظیمہ جلد از جلد حاصل ہو جائے (کیونکہ حج تو اپنے وقت پر ہی ہوگا۔ اس میں مبادرت کا امکان ہی نہیں ہے) اور ہو سکتا ہے کہ حج سے فراغت پر اس کو کوئی ایسا مانع پیش آجائے جو مدینہ منورہ حاضری سے روک دے۔

نیز رحمۃ للعالمین کی بارگاہ عرش آشیاں میں حاضری حج کی قبولیت اور اس کے کما حقہ ادا کرنے اور اکمل ترین وجوہ اتقان وسداد کے ساتھ اس فریضہ کو سرانجام دینے کا وسیلہ جلیلہ بن جائے گی اور کتنا ہی عظیم ہے یہ وسیلہ۔ جو شخص اس بارگاہ بلند مقام وبالا شان کی پناہ لے وہ بہر حال اس کا حق دار ہے کہ اس کو تاج قبولیت سے سرفرازی

بخشی جائے۔ اور مقامِ قرب میں ہمرازی اور دمسازی بخشی جائے۔

میں نے اکثر عوام کو دیکھا ہے کہ جب حج کر کے لوٹیں اور بارگاہِ نبوی میں حاضری نہ دے سکیں تو وہ سمجھتے ہیں کہ ہمارا حج مکمل طور پر ادا نہیں ہوا بلکہ بہت بڑا نقص لاحق ہوگیا ہے اور بہت بڑی عار۔ عوام کا یہ عقیدہ دیکھ کر معلوم ہوتا ہے کہ عظمت مصطفوی اور اہمیتِ زیارت نبوی اہل اسلام کے دلوں میں گھر کیے ہوئے ہے اور ان کے طبائع میں مستحکم اور راسخ ہو چکی ہے لہٰذا وہ بہت زیادہ زیارت کر کے سعادت مندی حاصل کرتے ہیں اور اس سعادت کے حصول کے لیے اپنی اراضی اور گھر بار۔ مال ومتاع اور اپنے اور مویشیوں کے اسباب معیشت کو قربان کرنا معمولی قربانی سمجھتے ہیں لہٰذا ایسے مقدس جذبات رکھنے والے اہل ایمان کے لیے اللہ کریم اور رب جواد سے یہی امید ہے کہ ان کی زیادتیوں اور چیرہ دستیوں کو نیست ونابود فرما کر ان کے تجاوزات اور لغزشات سے درگزر فرمائے گا اور اس کے نبی رؤف رحیم اور برّ کریم کے کرم عام اور لطف تام سے جو ہر خاص وعام کو شامل اور ہر بدوی وشہری کو محیط ہے یہی امید واثق ہے کہ رب عباد کی بارگاہ بے نیاز میں ان کے بہتے آنسوؤں اور دل سوز آہوں کو مدنظر رکھتے ہوئے سفارش فرمائیں گے کہ آئندہ کے لیے انہیں مخالفت وعصیان سے منزہ فرمائے اور اعمال صالحہ کی توفیق خیر رفیق سے بہرہ ور فرمائے اور سابقہ غلطیوں اور لغزشات پر تادم واپسیں آنسو بہانے اور حسرت وندامت کی آہیں بھرنے کی توفیق بخشے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں بھی یہ سعادت نصیب فرمائے اور کامیاب ترین مساعی اور افضل ترین مسالک کی توفیق دے وہ سب کریموں سے کریم تر ہے اور سب رحیموں سے رحیم تر ہے۔ یہ تھی مختصر تقریر جو علامہ ابن حجر مکی شافعی کی کتاب "الجوہر المنظم فی زیارۃ القبر النبوی المکرم" صلی اللہ علیہ وسلم سے لی گئی ہے جو تفاصیل ملاحظہ کرنا چاہے اصل کتاب کی طرف رجوع کرے۔

مسلک الامام العلامہ ابو عبداللہ محمد بن محمد العبدری المشہور بابن الحاج المالکی

علامہ ابن حجر کی تحقیق ملاحظہ فرمانے کے بعد اب ابن تیمیہ کے معاصر اور اس پر اس کی بدعات میں رد وقدح کرنے والے امام ابو عبداللہ ابن الحاج مالکی کی تحقیق ملاحظہ فرمائیے۔ انہوں نے اپنی شہرہ آفاق کتاب "المدخل" میں زیارت قبور پر بحث کرتے ہوئے فرمایا:۔

اگر وہ میت جس کی زیارت مقصود ہے مقرب اور مقبول بارگاہِ خداوندی ہے اور اس کے فیض وبرکت کی امید کی جاتی ہے تو اس کے ساتھ جناب باری میں توسل کیا جائے اور اس طرح ایسے مقبولان بارگاہ سے جناب رسالت مآب علیہ الصلوٰۃ میں بھی توسل کیا جائے بلکہ بارگاہ خداوندی میں توسل کی ابتدار حبیب کریم علیہ السلام سے کی جائے کیونکہ اس معاملہ میں آپ ہی اصل ہیں اور عمدہ وسیلہ اور توسل واستغاثہ کو مشروع قرار دینے والے۔ لہٰذا آپ

کے ساتھ اور تا قیام قیامت آپ کے حلقۂ اطاعت و اتباع میں داخل ہونے والے کامل مطیعین اور متبعین سے توسل کیا جائے۔

امام بخاری نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کا طریقہ مبارکہ یہ تھا کہ جب قحط سالی ہوتی تو حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کے توسل سے باران رحمت کے لیے دعا فرماتے اور اللہ تعالیٰ کی جناب والا میں عرض کرتے۔ اَللّٰهُمَّ اِنَّا كُنَّا نَتَوَسَّلُ اِلَيْكَ بِنَبِيِّكَ فَتَسْقِيْنَا وَاِنَّا نَتَوَسَّلُ اِلَيْكَ بِعَمِّ نَبِيِّكَ فَاسْقِنَا۔ اے اللہ ہم تیری بارگاہ میں تیرے نبی کریم علیہ السلام کے ساتھ توسل کیا کرتے تھے اور تو ہمیں باران رحمت عطا فرماتا تھا۔ اور اب ہم تیرے نبی معظم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا جان کے ساتھ توسل کر رہے ہیں لہٰذا ہمیں باران رحمت عطا فرما۔ تو انہیں بارانِ رحمت سے نوازا جاتا۔

ابن الحاج فرماتے ہیں کہ زائر اہل مقابر صالحین اور اولیاء کاملین سے قضاء حوائج اور مغفرت ذنوب میں توسل کرے پھر اپنے لیے، اپنے والدین و مشائخ کے لیے، جملہ خویش و اقارب اور اہل قبور، تمام اہل اسلام زندہ اور فوت شدہ کے لیے اور قیامت تک پیدا ہونے والی ان کی ذریات اور آل و اولاد کے لیے دعاء مغفرت کرے جو قریب موجود ہوں اور جو دور ہوں ان سب بھائیوں کو اس موقعہ پر ضرور یاد رکھے۔ اللہ تعالیٰ کی جناب میں ان اہلِ قبور کے پاس دعا کرتے ہوئے عجز و انکسار کا مظاہرہ کرے۔ اور ان کے ساتھ بکثرت توسل کرے کیونکہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے ان کو ساری مخلوق سے قرب منزلت اور رفعت درجات کے لیے منتخب فرما لیا ہے۔ اور ان کو خصوصی شرف و کرامت سے نوازا ہے۔ جس طرح ان کے ساتھ خلقِ خدا کو دنیا میں نفع پہنچایا، آخرت میں بھی ان کے ساتھ نفع پہنچائے گا بلکہ دنیا کی نسبت بہت زیادہ۔

جس شخص کو کوئی مشکل درپیش ہو اور کسی حاجت کا پورا کرانا مقصود ہو وہ ان کی بارگاہ میں حاضری دے۔ اور ان کے ساتھ توسل کرے کیونکہ یہی محبوبان خدا اللہ تعالیٰ اور مخلوق کے درمیان واسطہ و وسیلہ ہیں شریعتِ مطہرہ میں یہ امر متقرر و ثابت ہے اور اللہ تعالیٰ کا ان کے ساتھ اعتناء اور ان کی عزت و عظمت کا پاس و لحاظ ہر ایک کو معلوم ہے مقربانِ بارگاہ ناز کے ساتھ توسل و استغاثہ بکثرت اہلِ اسلام میں رائج ہے اور مشہور و معروف ہے۔ اور ہمیشہ سے علماء و اکابر یکے بعد دیگرے متقدمین سے لے کر متاخرین تک اور مشرق سے لے کر مغرب تک اہل اللہ کے قبور کی زیارت کر کے فیوض و برکات حاصل کرتے رہے ہیں اور ان کے آثار برکات حسًّا و معنیً پاتے رہے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ امام ابو عبداللہ بن النعمان نے اپنی کتاب "سفینۃ النجا لاصل الالتجاء فی کرامات الشیخ ابی النجاء" میں توسل و استغاثہ اور حصول برکات پر بحث کرتے ہوئے فرمایا۔

ارباب بصیرت اور اصحاب اعتبار کے نزدیک یہ امر متحقق و متقرر ہے کہ قبور صالحین کی زیارت ان سے برکت حاصل کرنے کے لیے اور عبرت و نصیحت کے لیے محبوب و مرغوب امر ہے کیونکہ صالحین کے فیوض و برکات جیسے

ظاہری حیات میں جاری ہوتے تھے۔ ایسے ہی وصال و انتقال کے بعد بھی جاری رہتے ہیں اور صالحین کے قبور کے پاس دعا کرنا اور ان کی شفاعت حاصل کرنا ہمارے محققین ائمہ دین کے نزدیک صحیح ہے اور ان کا معمول رہا ہے۔

حدیث شد رحال کا جواب

ہمارے اس دعویٰ پر کہ جس کو کوئی حاجت درپیش ہو وہ اہل اللہ کے قبور پر حاضری دے اور ان کے ساتھ بارگاہ خداوندی میں توسل کرے، سرور انبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس فرمان سے اعتراض نہیں کیا جا سکتا، یعنی لَا تُشَدُّ الرِّحَالُ اِلَّا لِثَلَاثَةِ مَسَاجِدَ اَلْمَسْجِدِ الْحَرَامِ، وَمَسْجِدِیْ وَالْمَسْجِدِ الْاَقْصٰی۔ جس میں سفر کا جواز صرف تین مساجد کے ساتھ خاص کر دیا گیا ہے اور کسی دوسری جگہ سفر کر کے جانے کی گنجائش نہیں چھوڑی گئی۔

کیونکہ امام جلیل ابو حامد غزالی نے اپنی کتاب احیاء العلوم میں آداب سفر کے ضمن میں فرمایا۔ قسم ثانی سفر کا یہ ہے کہ عبادت کے لیے سفر کرے مثلاً حج کے لیے یا جہاد فی سبیل اللہ کے لیے اور اس قسم میں قبور الانبیاء، قبور صحابہ کرام و تابعین اور دیگر علماء و اولیاء کرام کے قبور کی زیارت کے لیے کیا جانے والا سفر بھی داخل ہے۔ اور ہر وہ شخص کہ جس کے مشاہدہ سے حالتِ حیات میں برکت حاصل کی جاتی ہو اس کے وصال کے بعد بھی اس کی زیارت سے برکت حاصل کی جا سکتی ہے۔ اور اس نیک مقصد کے لیے ان مقابر کی طرف شدِ رحال یعنی دور دراز سے سواریوں پر سفر کر کے جانا جائز ہے اور حدیث رسول علیہ السلام لاتشد الرحال الا لثلاثۃ مساجد المسجد الحرام ومسجدی والمسجد الاقصیٰ اس سے مانع نہیں ہے۔ کیونکہ وہ حکم صرف مساجد کے لیے ہے ان تین کے علاوہ باقی سب مساجد متماثل ہیں ان میں باہم تفاوت نہیں ہے لہٰذا دور دراز سے سفر کی صعوبت برداشت کر کے وہاں جانے کی ضرورت نہیں ہے۔ انبیاء کرام علیہم السلام اور اولیاء و علماء کے مزارات کی زیارت اصلی فضیلت اور موجب اجر و ثواب ہونے میں برابر ہیں۔ اگرچہ عنداللہ ان کے درجات و مراتب کے لحاظ سے زیارت میں بھی فضیلت اور اجر و ثواب کے لحاظ سے بہت بڑا تفاوت ہے۔ واللہ اعلم۔

نیز علامہ عبدری نے ابن ابی زید کے رسالہ کی شرح میں فرمایا ہے۔ مسجد حرام کی طرف اور مکہ شریف کی طرف پیدل چلنے کی نذر ماننے کی اصل شریعت میں موجود ہے اور وہ ہے حج اور عمرہ۔ اسی طرح بارگاہ رسالت پناہ کی طرف پیدل چل کر جانے کی نذر ماننا بھی شرعاً ثابت ہے کیونکہ آپ کعبہ سے بھی افضل ہیں اور بیت المقدس سے بھی (بلکہ بیت المعمور اور عرش اعظم سے بھی) کما صرح بہ غیر واحد من العلماء الاعلام، ہاں البتہ مدینہ طیبہ اور بارگاہ نبوی میں حج اور عمرہ نہیں ہے۔

صاحب مدخل امام ابن الحاج اس کلام کو نقل کر کے فرماتے ہیں۔ جو کچھ امام ابو عبداللہ بن النعمان نے فرمایا وہ بالکل حق و صحیح اور واجب التسلیم ہے۔ اس میں شک وارتیاب صرف مشرک کو ہو سکتا ہے یا اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول مقبول علیہ السلام کے ساتھ بغض وعناد رکھنے والے کو۔

ابن ھبیرہ نے اپنی کتاب "اتفاق الائمہ" میں ذکر کیا ہے کہ امام مالک، امام ابو حنیفہ، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ تعالیٰ اس امر پر متفق ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت مستحب ہے۔ اور امام عبدالحق نے تہذیب الطالب میں ابو عمران فاسی سے نقل فرمایا کہ آپ کی زیارت واجب ہے۔ یعنی جس طرح سنن موکدہ کا وجوب ہے۔

امام ابو عبداللہ صاحب مدخل فرماتے ہیں ان حضرات کے اقوال کا حاصل یہ ہے کہ روضہ اطہر اور گنبد خضرا کی زیارت فی نفسہ قربت مطلوبہ ہے اور اسے اپنے قربت ہونے میں کسی دوسرے امر کی طرف قطعاً کوئی احتیاج نہیں ہے لہٰذا قصد وارادہ اور شد رحال میں صرف اور صرف اسی کو ملحوظ رکھنا چاہیے۔ اور جو شخص مدینہ منورہ کا عزم سفر کرے اور صرف زیارت نبوی کا قصد کرے۔ دوسرے کسی امر کا ارادہ نہ کرے تو یہ سفر اجل طاعات سے ہے اور اعلیٰ قربات سے، مبارک ہے ایسے عازم سفر کے لیے صد ہا مبارک۔ اے کریم۔ اے اللہ ہمیں بھی اپنے فضل و کرم سے اس فضیلت اور خیر سے محروم نہ فرما۔

ہر چیز کا شرف و فضل بارگاہ نبوت کی طرف انتساب کی وجہ سے ہے

امام ابن الحاج فرماتے ہیں میں نے اپنے شیخ ابو محمد ابن ابی جمرہ صاحب مختصر البخاری کو فرماتے ہوئے سنا۔ دیکھیے تو سہی سرور کونین علیہ السلام کے مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت فرمانے اور وہیں سے ہی اللہ تعالیٰ کے ساتھ واصل ہونے میں کیا راز ہے اور کتنی عظیم حکمت و مصلحت ہے؟ اور وہ یہ ہے کہ تمام اشیاء شرف و فضل نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم سے حاصل کرتی ہیں نہ یہ کہ آپ دوسری اشیاء سے شرف و فضل حاصل کرتے ہیں لہٰذا اگر حبیب کریم علیہ السلام وصال شریف تک مکہ مکرمہ میں رہتے تو اس توہم کا امکان تھا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ مکرمہ سے شرف و فضیلت حاصل کی ہو۔ کیونکہ اس کو حضرت آدم علیہ السلام پھر حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام اور حضرت اسماعیل ذبیح اللہ علیہ السلام کی وجہ سے فضل و شرف حاصل ہو چکا تھا۔ جب اللہ تعالیٰ نے یہ ارادہ فرمایا کہ اپنی مخلوق اور خواص عباد پر واضح کرے کہ حبیب معظم صلی اللہ علیہ وسلم افضل الخلق علی الاطلاق ہیں تو آپ کو مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کرنے کا حکم دیا تو مدینہ منورہ کو آپ کی وجہ سے شرف و فضل نصیب ہو گیا کیا تمہیں معلوم نہیں ہے کہ اہل اسلام کا اس امر پر اجماع و اتفاق ہے کہ تمام جگہوں سے افضل و برتر وہ پاک جگہ اور قطعہ زمین ہے جو حبیب کبریاء علیہ التحیۃ والثناء کے مبارک اعضاء کو مس کیے ہوئے ہے۔ اور یہ تو پہلے معلوم ہی ہو چکا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

کعبہ اور دیگر تمام مقامات مقدسہ سے افضل ہیں۔ ذرا ان اشیاء کو دیکھیے جن کے ساتھ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا جسم اطہر مس ہو گیا ان کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے بقدر مساس و اتصال شرف و فضل حاصل ہو گیا اور اس تناسب سے ہی یہ فضیلت حاصل ہوتی ہے۔ دیکھیے سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ "تُرَابُ الْمَدِيْنَةِ شِفَاءٌ" مدینہ کی مٹی باعث شفاء ہے اور اس کا سبب صرف یہی ہے کہ محبوب کریم علیہ السلام اپنے مقدس و مبارک قدموں کے ساتھ اس پر چلتے پھرتے رہے کبھی کسی بیمار کی عیادت کے لیے کبھی کسی محتاج کی حاجت پوری کرنے اور مشکل دور کرنے کے لیے وغیرہ وغیرہ۔ اور چونکہ آپ کی آمد و رفت مسجد مدینہ میں زیادہ تھی بنسبت دوسرے مقامات میں آمد و رفت کے تو اس کا مرتبہ اس وجہ سے اتنا بلند ہو گیا کہ اس میں ایک نماز کا اجر و ثواب ہزار نماز کے برابر ہو گیا۔ اور چونکہ بنسبت مسجد شریف کے آپ کی آمد و رفت اپنے دولت کدہ اور منبر شریف کے درمیان زیادہ تھی لہٰذا وہ بقعہ مبارکہ بنفسہا روضہ من ریاض الجنۃ یعنی جنت کے باغات میں سے ایک باغ بن گیا۔ فخر عرب و عجم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "مَا بَيْنَ بَيْتِيْ وَمِنْبَرِيْ رَوْضَةٌ مِّنْ رِيَاضِ الْجَنَّةِ۔" اور اس کی تاویل و تفسیر میں علماء کرام کے دو قول ہیں۔

اول یہ کہ اس میں عمل خیر عامل کے لیے جنت کے باغات میں سے ایک باغ کے حصول کا ذریعہ بن جائے گا۔

دوسرا یہ ہے کہ یہ بقعہ مبارکہ بروز قیامت بنفسہا جنت کی طرف منتقل کر دیا جائے گا اور صحیح قول یہی ہے۔

علامہ ابن الحاج فرماتے ہیں کہ ہم پھر اپنے اصل موضوع یعنی زیارت قبور کے آداب کی طرف لوٹتے ہیں اور جو کچھ ہم نے ذکر کیا ہے یہ تو تھا ادب اور طریقہ اولیاء کرام اور علماء اعلام اور ارباب برکات و فیوض حضرات کی زیارت کا۔ لیکن انبیاء و مرسلین علیہم الصلوٰۃ والتسلیم کی جناب رفیع اور بارگاہ عظیم میں حاضری کا ادب و طریقہ یہ ہے کہ زائر ان کی بارگاہ میں حاضری دے خواہ دور دراز مقامات سے ہی کیوں نہ ان کی حاضری کا عزم و ارادہ لے کر حاضر ہونا پڑے۔ جب ان کی بارگاہ والا جاہ میں پہنچ جائے تو انتہائی عجز و انکسار اور مسکینی و فقر، حاجت مندی و اضطرار، خضوع و خشوع اور حضور قلب و استحضار خاطر کے ساتھ ان کی طرف متوجہ ہو۔ اور سر کی آنکھ سے نہیں بلکہ دل اور بصیرت کی نگاہ سے ان کا مشاہدہ کرنے کی کوشش کرے کیونکہ ان کے اجساد مبارکہ نہ بوسیدہ ہوتے ہیں اور نہ ہی ان میں تغیر و تبدل ہوتا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بجا لائے جس کا وہ اہل ہے۔ بعد ازاں ان انبیاء و مرسلین علیہم السلام پر درود و سلام بھیجے اور ان کے اصحاب کے حق میں اللہ تعالیٰ سے رضاء و کرم کی دعا کرے اور تا قیام قیامت ان کی احسن طریقہ پر اتباع کرنے والوں کے لیے۔ بعد ازاں ان کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی جناب میں اپنے قضاء حوائج اور حل مشکلات میں توسل کرے۔ ان کے ساتھ استغاثہ کرے اور اپنے حاجات ان سے طلب کرے (مگر ان کو مظہر عون الٰہی سمجھتے ہوئے) اور ان کی برکت سے اجابت دعا اور قضاء حاجت کا یقین رکھے۔ اور پوری طرح اس معاملہ میں حسن ظن سے کام لے کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کا کشادہ دروازہ ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کی سنت اس طرح جاری ہے کہ بندوں کے حوائج انہیں

کے ہاتھوں اور ان کے وسیلہ سے پورے فرماتا ہے۔ اور جو شخص ان کی بارگاہ اقدس میں حاضر ہونے سے قاصر ہو وہ ان کی طرف جانے والوں کے وسیلہ ان کی بارگاہ میں حاضری دینے والوں کے توسل سے سلام پیش کرے (اور یہ بھی نہ ہو تو یہیں سے سلامِ شوق قاصد روح وقلب کے ہاتھ بھیج دے) اور اپنے حاجات وضروریات کا ذکر کرے، علی الخصوص مغفرت ذنوب اور ستر عیوب وغیرہ کا کیونکہ وہ سادات کرام ہیں اور اہلِ کرم اپنے سائل کو خالی نہیں لوٹاتے اور نہ ان سے توسل کرنے والوں کو محروم کرتے ہیں۔ وہ اپنے جود وکرم پر نظر رکھ کر اپنی بارگاہ کا قصد کرنے والوں کو محروم التفات نہیں کرتے اور نہ ان کی پناہ پکڑنے والے سایۂ عاطفت سے محروم رہ سکتے ہیں۔

یہ تو ہے کلام بالعموم انبیاء کرام اور رسل عظام کی بارگاہ والا شان کی حاضری میں رہا سید الانبیاء والمرسلین کی بارگاہ رفعت جاہ اور آستان عرش نشان کی حاضری کا ادب وطریقہ تو جو کچھ انبیاء ومرسلین علیہم الصلوٰۃ والتسلیم کی حاضری میں آداب بیان کیے ہیں ان سے کئی گنا زیادہ عجز وانکسار اور مسکنت وافتقار کا مظاہرہ کرے کیونکہ آپ وہ شفیع اور مقبول الشفاعت ہیں کہ نہ آپ کی شفاعت رد کی جاتی ہے اور نہ آپ کے قصد وارادہ پر گھر سے چلنے والا ناکام تمنا رہتا ہے اور نہ وہ جوان کی چوکھٹ پر جبین نیاز جھکا دے۔ اور ان کے در پر بستر جما دے۔ اور نہ ہی وہ شخص جو ان سے استعانت کرے یا استغاثہ کیونکہ وہ محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام ہی دائرہ کمال کے قطب اور عروس مملکۃ اللہ ہیں۔

شب معراج سرورِ کونین علیہ السلام نے جو آیت کبریٰ دیکھی وہ دراصل اپنی ہی صورت تھی

اللہ تبارک وتعالیٰ کلام مجید میں ارشاد فرماتا ہے۔ وَلَقَدْ رَاٰی مِنْ آيَاتِ رَبِّهِ الْكُبْرٰى۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

لہ اقول بعینہ یہی الفاظ علامہ احمد قسطلانی نے مواہب لدنیہ میں ذکر فرمائے ہیں۔ ملاحظہ ہو مواہب مع الزرقانی ص۳۰۵ ج ۸۔ نیز اس عبارت میں صرف زائر کا مشاہدہ احوال اور معرفت نیت وغیرہ ذکر نہیں کی گئی لیکن پوری امت کا مشاہدہ اور ان کے احوال سے باخبر ہونا مذکور ہے جس سے آپ کے حاضر وناظر ہونے کا عقیدہ ظاہر وواضح ہے اور یہی معنی حضرت شاہ عبدالعزیز قدس سرہ نے قول باری تعالیٰ وَيَكُونَ الرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيدًا کا بیان فرمایا ہے۔ فرماتے ہیں۔ و باشد رسول شما بر شما گواہ زیرا کہ او مطلع است بنور نبوت بر رتبہ ہر متدین بدین خود کہ در کدام درجہ در دین من رسیدہ و حجابیکہ بداں از ترقی محجوب ماندہ کدام است پس او می شناسد گناہان شمارا و اعمال نیک وبد شمارا و اخلاص ونفاق شمارا ملاحظہ ہو تفسیر عزیزی جلد اول ص۲۲۳ ۵ اور یہی معنی حضرت عبداللہ بن مبارک نے حضرت سعید بن مسیب سے نقل کیا ہے۔

نے اپنے رب تعالیٰ کی بہت بڑی آیات میں سے بعض آیات دیکھیں۔ ہمارے علماء کرام فرماتے ہیں کہ وہ آیت کبریٰ جو آپ نے دیکھی وہ دراصل آپ کی ہی صورت تھی آپ نے اس مقام پر اپنے آپ کا مشاہدہ کیا تو اپنے آپ کو عروس مملکۃ اللہ پایا۔

لہٰذا جو شخص آپ کے ساتھ متوسل ومستغیث ہو اور آپ کے در دولت سے حوائج کا طلب گار ہو وہ نہ رد کیا جائیگا اور نہ ہی ناکامی ونامرادی سے دوچار ہوگا۔ یہی مشاہدہ ہے اور اسی پر آثار وروایات دلالت کرتے ہیں۔

زائر بارگاہ نبوی آپ کو اپنے جملہ احوال ظاہر وباطن اور عزائم وخواطر پر مطلع اور حاضر وناظر سمجھے

زائر بارگاہِ حبیب خدا کو مکمل ادب ونیاز کا مظاہرہ کرنا چاہیے اور علماء کرام نے فرمایا کہ زائر اپنے متعلق یہی سمجھے اور یہ عقیدہ رکھے کہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں اس طرح حاضر کھڑا ہوں جس طرح کہ حالتِ حیات ظاہرہ میں کیونکہ آپ کی حالت موت وحیات میں باہم امت کے مشاہدہ اور ان کے احوال کی معرفت واطلاع اور نیات عزائم اور خواطر کے علم وادراک کے لحاظ سے کوئی فرق نہیں ہے اور یہ سب امور آپ پر واضح اور روشن ہیں قطعاً کوئی خفا اور حجاب نہیں ہے۔ اصل عبارت ملاحظہ ہو۔ اِذْ لَا فَرْقَ بَيْنَ مَوْتِهٖ وَحَيَاتِهٖ اَعْنِيْ فِيْ مُشَاهَدَتِهٖ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِاُمَّتِهٖ وَمَعْرِفَتِهٖ بِاَحْوَالِهِمْ وَنِيَّاتِهِمْ وَعَزَائِمِهِمْ وَخَوَاطِرِهِمْ وَذٰلِكَ عِنْدَهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَلِيٌّ لَا خِفَاءَ فِيْهِ۔

سوال:۔

اگر کوئی شخص یہ کہے کہ یہ صفات تو اللہ تعالیٰ کے ساتھ مختص ہیں۔ سرور کونین علیہ السلام کے لیے انہیں کس طرح ثابت کیا جا سکتا ہے۔

جواب:۔

یہ ہے کہ جو شخص بھی اہلِ ایمان میں سے دار آخرت کی طرف منتقل ہوتا ہے وہ بالعموم زندہ لوگوں کے احوال کو جانتا ہے درچہ جائیکہ انبیاء ومرسلین اور سید الکل رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے علم وادراک میں اس قدر بکثرت حکایات وارد ہیں کہ جن کا منتہی ہی نہیں ہے۔ خواہ ان کے علم وادراک کی صورت یہ ہو کہ ان پر احیاء کے اعمال پیش کیے جاتے ہیں لہٰذا بوقت عرض اعمال وہ ان کے احوال سے باخبر ہوتے ہیں۔ اور ہو سکتا ہے کہ ان کے علم ومعرفت کا کوئی دوسرا ذریعہ ہو یہ امور ہم سے غیب ہیں۔ مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر اعمال کے پیش ہونے کی خبر دی ہے، لہٰذا اس امر کا وقوع واجب ولازم ہے۔ رہی کیفیت تو وہ ہمیں معلوم نہیں۔ اللہ تعالیٰ ہی اس کو بہتر جانتا ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی اس کے ثبوت و تحقیق کے لیے کافی ہے۔ آپ فرماتے ہیں "اَلْمُؤْمِنُ يَنْظُرُ بِنُوْرِ اللهِ وَنُوْرُ اللهِ لَا يَحْجُبُهٗ شَيْئٌ" ، مومن اللہ تعالیٰ کے نور سے دیکھتا ہے اور اس کے نور کے لیے کوئی چیز حجاب اور ستر نہیں بن سکتی۔ یہ تو ہے زندہ اہل ایمان کے متعلق فرمان (جو دنیا کے تنگنا میں بمنزلہ قیدی ہیں۔ الدنیا سجن المومن اور ان کی روح اور جوہر مدرک بدن کے پنجرہ میں بند ہے جو محدود ذرائع سے دیکھنے سننے وغیرہ پر مجبور رہے) تو جو اس دار فناء سے دار بقا کی طرف کوچ کر جائیں (اور اس پنجرہ سے آزاد ہو کر اور قید خانہ سے رہائی پا کر اپنے اصل مرکز کی طرف لوٹ جائیں۔ يٰۤاَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِيْۤ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً الآیۃ) تو اس وقت ان کی قوت رویت اور طاقت سماع کا کیا اندازہ ہو سکتا ہے (اور جب عام اہل ایمان کا حال یہ ہے تو سید رسل علیہ السلام کا حال کیا ہوگا) امام ابو عبداللہ القرطبی اپنے تذکرہ میں فرماتے ہیں۔

عن عبد الله بن المبارك عن رجل من الانصار عن المنهال بن عمرو حدثنا انه سمع سعيد بن المسيب يقول۔ لَيْسَ مِنْ يَوْمٍ اِلَّا وَتُعْرَضُ عَلَى النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم اَعْمَالُ اُمَّتِهٖ غُدْوَةً وَعَشِيَّةً فَيَعْرِفُهُمْ بِسِيْمَاهُمْ وَاَعْمَالِهِمْ فَلِذٰلِكَ يَشْهَدُ عَلَيْهِمْ[1]

حضرت عبداللہ بن مبارک اپنی سند کے ساتھ حضرت سعید بن المسیب سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کوئی دن ایسا نہیں ہے جس میں صبح و شام نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر ان کی امت کے اعمال پیش نہ ہوتے ہوں پس آپ ان کو اعمال کے ساتھ بھی اور چہروں کے لحاظ سے بھی جانتے ہیں۔ اسی لیے بروز قیامت ان کے حق میں (صفائی کی) گواہی دیں گے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔

"فَكَيْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ بِشَهِيْدٍ وَّجِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰۤؤُلَاۤءِ شَهِيْدًا" ، کیسا منظر ہوگا وہ جب ہم ہر امت سے ایک (نبی کو ان کے حال پر) گواہ بنا کر لائیں گے۔ اور تمہیں ان سب پر گواہ بنا کر لائیں گے۔[2]

---

[1] کذا فی المواہب مع الزرقانی جلد ۸ صـ ۳۰۵ و ج ۵ صـ ۳۲۵ ۔ فتح الباری شرح بخاری جلد ۔ صـ فتح الملہم شرح مسلم جلد اول صـ ۳۱۳)

[2] نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم امت کے لیے صفائی کے گواہ ہوں گے اور صفائی کی گواہی بغیر امت کی ذوات اور ان کے افعال و اعمال کی معرفت کے ممکن نہیں ہے۔ نیز اگر ملائکہ کے اعمال امت کی اطلاع دینے کی بناء پر آپ صفائی کے گواہ بنیں گے تو محض عمل کی معرفت ہو اور عمل والے کی معرفت نہ ہو تو اس کی صفائی کیسے ممکن ہے۔ نیز اصل گواہ ملائکہ ہوئے اور اہل شاہد کے ہوتے ہوئے شہادت علی الشہادت کا اعتبار نہیں ہوتا بلکہ جب اصل گواہ عدالت میں موجود ہو اور گواہی نہ دے تو اس شہادت علی الشہادت کو غلط اور ناقابل اعتبار تصور کیا جائے گا جیسے کہ کتب فقہ میں تصریح موجود ہے لہذا ثابت ہوا کہ آپ کی یہ گواہی (بقیہ حاشیہ صفحہ آئندہ)

روایات میں باہم تعارض کا جواب

اور پہلے گزر چکا ہے کہ اعمال عباد رب عباد کی بارگاہ میں ہر جمعرات اور سوموار کو پیش ہوتے ہیں اور انبیاء کرام علیہم السلام اور آباء و امہات پر جمعہ کے دن (جس سے لازم آتا ہے کہ سرور انبیاء علیہ السلام پر بھی جمعہ کے روز اعمال پیش ہوں نہ کہ ہر دن صبح و شام۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ ان میں باہم کوئی تعارض و تخالف نہیں ہے، کیونکہ ہو سکتا ہے کہ نبی الانبیاء علیہ السلام پر ہر دن عمل پیش ہوں اور دیگر انبیاء علیہم السلام کے ساتھ بھی ہر جمعہ میں پیش ہوں[1]۔

امام ابن الحاج زائر کے لیے بوقت زیارت سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے احوال پر حاضر و ناظر اور مطلع و باخبر سمجھ کر آپ کی بارگاہ والا میں کھڑا ہونے کا درس دینے اور تلقین کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

(بقیہ صفحہ سابقہ) ذاتی علم و معرفت پر مبنی ہے جو امت کی ذوات اور ان کے افعال و اعمال دونوں کو محیط اور شامل ہے اور یہی بنیاد حضرت سعید بن المسیب کی روایت یعنی فلذالک یشہد علیہم سے ظاہر ہے۔ محمد اشرف۔

[1] علامہ زرقانی شرح مواہب میں اس طرح تطبیق دیتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر اعمال امت ہر روز تفصیلاً پیش ہوتے اور جمعہ کو اجمالاً لانیمتاز صلی اللہ علیہ وسلم بعرض اعمال امتہ کل یوم تفصیلا و یوم الجمعۃ اجمالا زرقانی علی المواہب ج ۵ ص ۳۳۷ اور یہ ظاہر ہے کہ یہاں اجمال بمعنی کل میزان اور مجموعی ٹوٹل ہے لہذا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تمام انبیاء علیہم السلام سے تفاصیل اعمال پر مطلع ہونے کے لحاظ سے بھی ممتاز ہیں اور امت کی ذوات و اشخاص کو بھی بالتفصیل جاننے کے لحاظ سے۔

نیز یہ بھی ہو سکتا ہے کہ سعید بن المسیب والی روایت میں عرض اعمال سے سرور مجید صلی اللہ علیہ وسلم کا اعمال اور ارباب اعمال کو نور نبوت کے ساتھ دیکھنا مراد ہو جس کو مجازاً عرض سے تعبیر کیا گیا ہو لہذا یہ انکشاف علی الدوام ہو جبکہ ملائکہ کسی خاص مصلحت کے تحت صرف جمعہ کے دن اعمال امت پیش کرتے ہوں جبکہ اعمال پیش کیے جانے سے پہلے در پیچھے لاعلمی اور بے خبری لازم نہیں آتی نہ بذات خود جاننے کی نفی ہو سکتی ہے ورنہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں بھی جمعرات اور سوموار کو پیش ہوتے ہیں تو نعوذ باللہ ان دو دنوں کے علاوہ اعمال سے لاعلمی لازم آئے گی اور اصحابِ اعمال سے کلیۃً بے خبری۔

علاوہ ازیں احناف کے مذہب و مسلک کے مطابق تنصیص علی الشئی ماسوائے نفی کو مستلزم نہیں ہوتی تو انبیاء علیہم السلام کے حق میں جمعہ کا خصوصی ذکر اور اللہ تعالیٰ کے حق میں دو دن کی تخصیص و تنصیص باقی ایام میں عرض اعمال یا ان کی معرفت اور علم و ادراک کے لیے نافی نہیں ہے۔ ھذا قامل حق القائل۔

محمد اشرف غفر لہ۔

کے ساتھ توسل کرے۔ کیونکہ آپ کے ساتھ توسل ہی گناہوں کے بوجھ کو دور کرنے کا ذریعہ ہے اور ذنوب وآثام اور سیئات وخطیئات کے بارِگراں کو عاصیان غمزدہ کی پشت دوتا سے دور کرنے کا سبب ہے کیونکہ آپ کی برکت شفاعت اور عنداللہ عظمت اتنی زیادہ ہے کہ کوئی گناہ اس سے بڑا نہیں ہے کیونکہ سب امور سے زیادہ عظیم وہی ہیں لہٰذا جس کو شرفِ زیارت نصیب ہوگیا ہے اس کے لیے عظیم مژدہ ہے اور جو شخص ابھی اس سعادت سے بہرہ ور نہیں ہوا وہ اللہ تعالیٰ کی جناب میں شفاعت مصطفویٰ کے وسیلہ سے پناہ حاصل کرے۔ اے اللہ ہمیں اپنی جناب میں ان کی شفاعتِ عامہ سے محروم نہ فرما آمین یارب العالمین۔ اور جس کا عقیدہ اس کے خلاف ہے تو وہ ازلی محروم ہے اور شقاوت و بدبختی کا شکار۔ کیا اس نے اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد گرامی نہیں سنا۔

وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا

اور اگر وہ لوگ اپنی جانوں پر ظلم و تعدی کر بیٹھیں پھر تمہاری بارگاہ میں حاضری دیں۔ پس اللہ تعالیٰ سے استغفار کریں اور اللہ تعالیٰ کا رسول مقبول علیہ السلام بھی ان کے لیے شفاعت و استغفار فرما دے تو وہ یقیناً اللہ تعالیٰ کو توبہ قبول کرنے والا اور انعام واکرام سے بہرہ ور کرنے والا پائیں گے، لہٰذا جو شخص آپ کی بارگاہ بے کس پناہ میں حاضر ہو اور ان کے درِ اقدس پر دست بستہ کھڑا ہو۔ اور آپ سے توسل کرے تو لامحالہ اللہ تعالیٰ کو تواب و رحیم پائے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے بارگاہِ نبوت میں حاضر ہو کر اور ان کے درِ اقدس پر کھڑے ہو کر آپ سے (دعائے مغفرت کا سوال کرنے والے، اور رب کریم سے مغفرت کا سوال کرنے والے کے ساتھ قبول توبہ کا وعدہ کر رکھا ہے اور اللہ تعالیٰ اس سے منزہ ہے کہ وہ وعدہ کی خلاف ورزی کرے۔ "اِنَّ اللّٰهَ لَا يُخْلِفُ الْمِيْعَادَ" اور اس امر میں شک و تردد وہی شخص کر سکتا ہے جو منکرِ دین ہے اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بغض و عناد رکھنے والا۔ نعوذ باللہ من الحرمان۔

اکابر ائمہ اور علماء کرام کا ادب بارگاہ نبوت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم میں

بعض اکابر کے متعلق مروی و منقول ہے کہ وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کے لیے حاضر ہوتے تو مدینہ طیبہ علیٰ ساکنہا الصلوٰۃ والسلام میں داخل نہ ہوتے بلکہ از رہ ادب و تواضع باہر سے ہی زیارت کی جب ان سے عرض کیا گیا کہ شہر نبوی میں داخل ہوتے تو انہوں نے فرمایا کیا مجھ جیسا شخص سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم کے شہر مقدس میں قدم رکھنے کی لیاقت رکھتا ہے میں اپنے اندر یہ لیاقت و اہلیت نہیں پاتا۔[1]

[1] امام اہل سنت نے فرمایا۔ ے حرم کی زمین اور قدم رکھ کے چلنا۔ ارے سر کا موقعہ او جانے والے

امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کے حکومت وقت کی ایذا رسانی اور زدوکوب کی وجہ سے دونوں ہاتھوں اور پاؤں کے جوڑ اکھڑ گئے اور وہ چلنے پھرنے سے معذور ہوگئے۔ خلیفۃ المسلمین کا ایلچی ان کے پاس خچر لایا تاکہ اس پر سوار ہو کر خلیفہ کے پاس تشریف لے چلیں تو آپ نے اس پر سوار ہونے سے انکار کر دیا اور فرمایا یہ وہ مقدس مقام ہے جہاں حبیب خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے پائے ناز لگے ہیں تو میں اپنے اندر کب اتنی جراءت رکھتا ہوں کہ ان مقدس جگہوں کو خچر کے سموں سے پامال کروں۔ اور دو آدمیوں کے کندھوں پر ہاتھ رکھ کر اور ان کا سہارا لے کر خلیفہ کے پاس شہر سے باہر اس حال میں پہنچے کہ ان کے قدم زمین پر خط کھینچتے جا رہے تھے (اور آنے والی اہل اسلام کی نسلوں کے لیے بارگاہِ نبوی کے ساتھ ادب و نیاز کے ان مٹ نقوش قائم کرتے جا رہے تھے) اور وہاں جو کچھ کہنا سننا تھا کہا سنا اور پھر واپس مسجدِ نبوی میں حاضر ہوئے تو خلیفہ نے دریافت کیا کہ میں قبلہ رو ہو کر دعا کروں یا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف تو آپ نے فرمایا تو ان سے اپنا منہ کیوں موڑتا ہے حالانکہ وہ تیرے اور تیرے باپ حضرت آدم علیہ السلام کے وسیلہ ہیں اور پوری تفصیل نقل فرمائی جو قاضی عیاض علیہ الرحمۃ نے شفاء شریف میں بیان کی ہے۔

مدینہ طیبہ کی طرف عازم سفر ہونے اور اس میں داخل ہونے کا شرف حاصل کرنے والے کے لیے ضروری آداب کا بیان

صاحب مدخل نے منسک حج پر کلام کرنے کے بعد بارگاہِ نبوی کی حاضری کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا۔

فصل۔

جب مکہ مکرمہ سے نکلے تو اس کی نیت و عزیمت اور مکمل توجہ صرف زیارتِ نبوی میں مرتکز ہو اور زیارتِ مسجد شریف اور اس میں نماز پڑھنے کی طرف یا ان امور کی طرف مبذول ہو جن کا ان مقاصد عالیہ سے تعلق ہو اور ان مطالبِ عالیہ کے ساتھ کسی دوسرے مقصد و حاجت وغیرہ کی شرکت گوارا نہ کرے۔ کیونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم متبوع ہیں نہ کہ تابع اور وہی امور مطلوبہ اور مقاصد مہمہ کی اصل اور بنیاد ہیں اور مطلوب اعظم۔ جب مدینہ طیبہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام تک پہنچنے کی سعادت سے بہرہ ور ہو جائے تو مستحب یہ ہے کہ معرس میں اترے جو مدینہ طیبہ سے باہر مسافروں کے اترنے کے لیے منزل ہے تاکہ مدینہ منورہ میں داخل ہونے کی تیاری کر سکے۔ غسل اور وضو کرے۔ اچھے سے اچھا لباس زیب تن کرے۔ نفل ادا کرے۔ تجدید توبہ کرے۔ پھر پیدل چلتا ہوا اندر داخل ہو۔ دراں حالیکہ اس پر عجز و انکسار تواضع و افتقار اور اضطراب و اضطرار کے آثار ہوں۔

روایات میں وارد ہے کہ جب وفد عبد القیس حبیب خدا علیہ التحیۃ والثناء کی بارگاہِ اقدس میں حاضر ہوا تو

سب اہل وفد بے تابانہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں پر جا گرے اور پروانہ وار اس شمع نبوت و رسالت کے گرد پلائے شوق کے ساتھ محو رقص و وجد تھے صرف ان کے سردار اور قائد اشج نے حلم و حوصلے اور تمکن و وقار کا مظاہرہ کیا پہلے غسل کیا پھر حسین ترین لباس پہنا پھر بارگاہِ نبوی میں حاضر ہو کر سلام پیش کیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہارے اندر دو خصلتیں ہیں جن کو اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول قبول و پسند کرتے ہیں اور وہ ہیں حلم و حوصلہ اور آہنگی و وقار۔ یہ تھی تحقیق امام ابن الحاج مالکی کی جو انہوں نے مدخل میں بیان فرمائی۔

امام سبکیؒ کی طرف سے جوازِ زیارت اور درود و سلام اور دعا کے جواز پر استدلال اور ابن تیمیہ وغیرہ کے شبہات کا جواب

امام تقی الدین سبکی فرماتے ہیں۔ مخالفین کا وہ شبہ جس کی بنا پر انہوں نے زیارتِ قبور اور ان پر سلام اور ان کے پاس دعا کو شرک قرار دیا ہے۔ یہ ہے کہ قبور کو مساجد بنانا شرک ہے (اور زیارت وغیرہ میں ان کا مساجد بنانا لازم آتا ہے لہٰذا یہ بھی شرک ہے) اور اسلاف کرام کی ایک جماعت نے اس قول باری تعالیٰ کی تفسیر میں فرمایا ہے۔ قَالُوْا لَا تَذَرُنَّ اٰلِهَتَكُمْ وَلَا تَذَرُنَّ وَدًّا وَّلَا سُوَاعًا وَّلَا يَغُوْثَ وَيَعُوْقَ وَنَسْرًا کہ ود، سواع، یغوث اور یعوق ونسر حضرت نوح علیہ السلام کی قوم میں بہت نیک اور صالح افراد تھے۔ جب وہ فوت ہو گئے تو لوگ ان کی قبروں پر معتکف ہو گئے پھر ان کی صورتوں کے مطابق پتھر کی مورتیاں تیار کر لیں اور اسی حالت پر عرصہ دراز گزرنے پر آنے والی نسلوں میں ان تصاویر کی پرستش کا رواج پڑ گیا۔ تو ابن تیمیہ کا بھی یہی گمان ہے کہ زیارتِ قبور سے روکنا اور ان کی طرف سفر کو حرام قرار دینا محافظت توحید ہے اور یہ افعال شرک کا موجب ہیں۔ لیکن یہ تخیل فاسد اور زعم باطل ہے کیونکہ قبور کو سجدہ گاہ بنا لینا اور ان پر معتکف ہونا۔ اور ان کے مقابر پر ان کی مورتوں کو لٹکانا موجب شرک ہے اور یہ شرعاً ممنوع ہے جیسے کہ احادیث صحیح میں سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان وارد ہے۔ " لَعَنَ اللّٰهُ الْيَهُوْدَ وَالنَّصَارٰى اِتَّخَذُوْا قُبُوْرَ اَنْبِيَاءِهِمْ مَسَاجِدَ " اللہ تعالیٰ یہود و نصاریٰ پر لعنت کرے۔ انہوں نے اپنے انبیاء علیہم السلام کی قبروں کو سجدہ گاہ بنا لیا۔ جس سے آپ کا مقصد یہ تھا کہ امت کو اس قسم کے افعال و اعمال سے ڈرائیں اور دور رکھیں۔ اور جب رسالت مآب علیہ السلام کو حبشہ کے علاقہ میں موجود کنیسہ اور عبادت خانہ کی کیفیت عرض کی گئی تو آپ نے فرمایا۔

اُولٰٓئِكَ اِذَا مَاتَ فِيْهِمُ الرَّجُلُ الصَّالِحُ بَنَوْا عَلٰى قَبْرِهٖ مَسْجِدًا ثُمَّ صَوَّرُوْا فِيْهِ تِلْكَ الصُّوَرَ اُولٰٓئِكَ شِرَارُ الْخَلْقِ عِنْدَ اللّٰهِ "

ان لوگوں میں جب کوئی نیک آدمی فوت ہو جاتا تو وہ اس کی قبر پر مسجد بنا لیتے اور ان صالحین کی تصویریں بنا کر ان مساجد میں نصب کر دیتے۔ وہ لوگ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ساری مخلوق سے بدتر ہیں۔ لیکن قبور کی زیارت اور اہلِ قبور کو سلام کہنا اور ان کے پاس دعا کرنا شرک کا موجب و باعث نہیں ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے (شرک کو حرام اور ناقابل معافی جرم اور ظلم عظیم قرار دینے کے باوجود) زبان رسالت سے ان امور کو مشروع اور مسنون قرار دیا جس طرح کہ روایات سابقہ سے از روئے قول اور عمل مصطفوی اور بطریق تواتر و اجماع ان امور کا جواز ثابت ہو چکا ہے۔ اگر زیارتِ قبور میں قبور کی ایسی تعظیم ہوتی جو شرک کا موجب تھی جیسے کہ قبور کو مساجد بنانا اور اولیاء و صالحین کی تصویریں اور تماثیل وہاں نصب کرنا تو قطعاً اللہ رب العزت کسی صالح کے حق میں اس کو مشروع قرار نہ دیتا۔ اور نہ ہی نبی الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام علیہم الرضوان سے شہداء احد اور اہلِ بقیع وغیرہ کی زیارت کا فعل سرزد ہوتا۔

سد ذرائع کے تحت کون سے امور حرام قرار دیے جا سکتے ہیں

ہم صرف اس امر کو حرام قرار دے سکتے ہیں جس کو اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہو۔ اگرچہ ہمارا گمان یہی ہو کہ یہ امر ممنوع و حرام اشیاء کا موجب ہے اور صرف اسی شے کو مباح قرار دے سکتے ہیں جس کو اللہ تعالیٰ نے مباح قرار دیا ہو خواہ ہمارا گمان یہی ہو کہ وہ کسی محذور و ممنوع امر کا موجب نہیں ہے۔ جب اللہ تعالیٰ کے رسول اور ہادیٔ اُمم صلی اللہ علیہ وسلم نے زیارت قبور کو مباح اور مشروع و مسنون قرار دیا اور قبور کو مساجد بنانے اور ان پر صور و تماثیل نصب کرنے سے منع فرمایا اور ان امور کو حرام قرار دیا تو اب جو شخص زیارتِ قبور کا حرمت و ممنوعیت میں قبور کو مساجد بنانے اور ان پر تصاویر و تماثیل نصب کرنے پر قیاس کرتا ہے تو یہ قیاس نص صریح اور فرمانِ جلی کے مخالف ہونے کی وجہ سے باطل ہے جیسے کہ کوئی شخص قبور کو مساجد بنانے کا زیارتِ قبور پر جواز و اباحت اور موجب شرک نہ ہونے میں قیاس کرتا ہے۔ وہ وسائل جن سے مقاصد کا تحقق نہیں ہوتا ان پر مقاصد و مطالب والا حکم لگا دینا ہمارے اختیار میں نہیں ہے بلکہ ان پر حکم لگانا نص شارع علیہ السلام پر موقوف ہو گا کیونکہ یہی تو صورت ہے سد ذرائع کی جن پر کوئی دلیل جواز قائم نہیں ہوئی، کیونکہ جو چیز موجب شرک ہے وہ لامحالہ حرام ہے لیکن جو امور کبھی سبب شرک ہوں اور کبھی نہ ہوں تو ان سب میں سے جن کو شریعتِ مطہرہ حرام کہے وہ حرام ہوں گے اور جن کو حرام نہ کہے وہ کسی محذور و ممنوع امر کو مستلزم نہ ہونے کی وجہ سے حلال و مباح ہوں گے۔

اور جن امور کے جواز و اباحت کے درپے ہم ہیں وہ اسی قبیل سے ہیں ان میں قبور کا مساجد بنانا۔ ان پر تصاویر و تماثیل نصب کرنا اور اعتکاف بیٹھنا ممنوع ہے اور ان کی زیارت اور سلام و دعا مشروع ہے اور ہر عقلمند دونوں طرح کے امور میں واضح فرق محسوس کرتا ہے۔ اور دوسری صورت کے متعلق یقین رکھتا ہے کہ جب اس پر آداب شرعیہ کو

ملحوظ رکھتے ہوئے عمل کیا جائے تو کوئی خرابی لازم نہیں آتی۔ اور جو شخص محض سد ذرائع کے تحت ان پر دو قسم کے افعال و اعمال کو حرام و ممنوع قرار دیتا ہے تو وہ نہ صرف اللہ تعالیٰ اور اس کے حبیب پاک صاحب لولاک علیہ افضل الصلوات پر بہتان و افتراء پردازی کا مرتکب ہے بلکہ اصحابِ قبور کے لیے شرعاً جو حقوقِ زیارت ثابت ہیں ان میں کمی و کوتاہی کا مرتکب ہے۔

زیارت کے ساتھ ممنوع امور کا اقتران اس کے مطلق ممنوع ہونے کو مستلزم نہیں جیسے نماز کے ساتھ ایسے امور کا اقتران

امام موصوف اس تقریر سے ذرا پہلے فرماتے ہیں۔ زیارت کے بعض انواع کے ساتھ بعض جہال کی طرف سے ممنوعہ امور کا مل جانا اس کے ممنوع ہونے کو مستلزم نہیں ہے لہٰذا جو شخص یہ دعویٰ کرتا ہے کہ زیارت قبور اس قسم کے ممنوع امور کے اقتران کے بغیر بھی بدعت ہے تو اس نے کذب بیانی سے کام لیا اور جہالت کا مظاہرہ کیا اور جس نے اس کو حرام قرار دیا تو اس نے اللہ تعالیٰ کے حلال کردہ امور کو حرام قرار دینے کی جسارت کی۔ اور جس نے اس کے بعض انواع کو حرام ہونے یا بعض انواع کے ساتھ وجوہِ تحریم کے مقترن ہونے کی وجہ سے مطلق اس کو حرام کہہ دیا تو وہ پرلے درجے کا جاہل ہے اور اس طرح جو شخص مطلق زیارت قبور کو مستحب نہیں کہتا کیونکہ اس کے بعض انواع کا بعض جاہل لوگوں سے وقوع و صدور علیٰ وجہ التحریم ہوتا ہے تو وہ سخت جہالت کا شکار ہے کیونکہ نماز بھی کبھی ممنوع صورت میں ادا کی جاتی ہے۔ مثلاً مغصوب زمین میں اس کا ادا کرنا یا طہارت کے بغیر وغیر ذالک۔ لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس کو قربت و عبادت کہنا ممنوع ہو یا اس کو واجب و فرض کہنا حرام ہو۔ تو زیارت کا معاملہ بھی اس طرح ہے کہ وہ نفس ذات اور حقیقت کے لحاظ سے قربت و عبادت ہے اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کی اطاعت "زُوْرُوْا الْقُبُوْرَ" قبور کی زیارت کرو۔ اگرچہ اس کے بعض اقسام بھی ممنوع صورت میں ادا کیے جاتے ہیں۔ لیکن وہ ممنوع وجہ منع و دوام ہوگی اور اس خاص نوع کو بدعت کہہ دینا ہمیں مضر نہیں ہے۔ ہم ایسے امور کا بدعت ہونا تسلیم نہیں کرتے اور اس کے مرتکب کو اس سے منع کرتے ہیں۔ لیکن علی الاطلاق زیارت قبور کو بدعت کہنا خود بدعتی ہونے کے مترادف ہے۔

ربوبیت و رسالت دونوں کے حقوق و آداب کی بیک وقت رعایت واجب و لازم ہے

جاننا چاہیے کہ یہاں دو امر ہیں اور دونوں کا وجود و تحقق ضروری ہے۔ اول تعظیم مصطفوی کا وجوب و لزوم اور آپ کی تمام مخلوق پر مرتبہ و مقام کے لحاظ سے رفعت و سربلندی کا اعتقاد۔ دوسرا۔ ربوبیت کے متعلق اعتقاد تفرد و توحد یعنی یہ

عقیدہ کہ اللہ تعالیٰ اپنی ذات، صفات اور افعال میں تمام مخلوق سے منفرد ہے۔ جو مخلوق میں سے کسی بھی فرد کی اللہ تعالیٰ کے ساتھ مشارکت کا عقیدہ رکھتا ہے تو وہ مشرک ہے اور اس نے جانب ربوبیت کے حقوق واجبہ میں خیانت سے کام لیا ہے اور رسول کریم علیہ السلام پر بھی امت کے ادا کردہ حقوق کے معاملہ میں خیانت اور عصیان کا مظاہرہ کیا ہے اور جس نے رسول کریم علیہ السلام کے مرتبہ و مقام میں ذرہ بھر تقصیر اور کوتاہی کا مظاہرہ کیا تو اس نے رسالت کے حقوقِ واجبہ ادا کرنے میں تقصیر کا مظاہرہ کر کے عصیان و طغیان کا ارتکاب کیا ہے اور اللہ تعالیٰ کے اپنے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق واجب فرمودہ حقوق میں تقصیر و تفریط سے کام لیا ہے اور جس شخص نے آپ کی مختلف انواع و اقسام کی تعظیم کی اور اس میں مبالغہ سے کام لیا مگر باری تعالیٰ کے ساتھ مختص امور میں سے کوئی بھی آپ کے لیے ثابت نہ کیا تو اس نے حق و صواب کو پا لیا اور جناب نبوت و رسالت اور جنابِ توحید و ربوبیت کا پورا پورا تحفظ کیا اور یہی وہ درمیانی راستہ ہے جو صراط مستقیم و مستوی اور افراط و تفریط سے منزہ و مبرّیٰ ہے۔

اور یہ بات واضح ہے کہ بارگاہِ نبوت کی حاضری اور زیارت روضۂ اطہر بقصد تبرک اور تعظیم و تکریم تعظیم کے اس درجہ تک نہیں پہنچتے جو ربوبیت کے حقوق سے ہے اور نہ اس تعظیم و توقیر سے بڑھ جاتے ہیں جو قرآن و سنت میں منصوص ہے اور صحابہ کرام علیہم الرضوان سے آپ کے حق میں حیات ظاہرہ میں اور بعد از وصال مروی و منقول ہے تو اس کے ممنوع و معذور ہونے کا تخیل و گمان کیونکر کیا جا سکتا ہے؟ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ۔

ابن تیمیہ نے یہ خیال فاسد ذہن میں جما رکھا ہے کہ زیارت کے لیے حاضری دینے والے لوگ شرک کے درپے ہیں اور اس نے اپنی تمام بحث و گفتگو کو اسی پر محصور و مقصور رکھا ہے اور جو دلیل نافی شرک اس پر وارد ہوتی ہے اس کو ناموزوں محمل کی طرف پھیرتا ہے اور جو شبہ اس امر کو شرک بناتا ہوا دکھائی دیتا ہے اس سے اپنی غرض فاسد کے اثبات میں استعانت کرتا ہے اور اس کا سہارا لیتا ہے یہ ایسی بیماری اور قلبی مرض ہے جس کا ماسوا اس کے اور کوئی علاج نہیں کہ اللہ تعالیٰ ہی اپنی قدرت قاہرہ غالبہ سے اس کے دل میں حق و صواب کا الہام و القاء کرے۔ انتہی کلام الامام السبکی رحمۃ اللہ علیہ۔

سرورِ کونین علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دربار والاتبار کی زیارت مشروعہ کی کیفیت کا بیان

میں نے اس امر کا جزمی و حتمی فیصلہ کیا ہے کہ اس مقام میں مذاہب اربعہ کے ائمہ اعلام میں سے ایسے چار حضرات کا کلام نقل کروں جن کا ذکر پہلے نہیں آیا۔ جس میں بارگاہ نبوی کی کیفیت زیارت کا بیان بھی ہو اور اس کے جواز اور مشروعیت

کا بیان بھی ہو۔

کیونکہ زیارت کے شرعی جواز کا اثبات اگرچہ دلائل سابقہ سے اس قدر قطعی انداز میں کیا جا چکا ہے کہ اب اس میں شک و تردد صرف وہی شخص کر سکتا ہے جو کورا جاہل ہے اور جانوروں کے حکم میں ہو یا ضدی، ہٹ دھرم اور مذموم ہے۔ لیکن ابھی تک اس کی مکمل کیفیت کا بیان اور اس کے ضمن میں علماء اعلام کے ذکر کردہ فوائد کا مکمل بیان پہلے نہیں آیا اس لیے میں نے اس کو مناسب سمجھا کہ اس امر کا بیان تفصیلاً ذکر کروں تا کہ حبیب کریم علیہ السلام سے محبت و عقیدت رکھنے والوں اور ان کے در والا پر حاضری دینے والوں کے لیے نفع تام کا موجب بن جائے۔ زیارت کی کیفیت کو مفصل طور پر بہت سے علماء اعلام اور ائمہ اسلام نے بیان کیا ہے جن میں علامہ ابن حجر مکی صاحب "الجوہر المنظم" اور "حسن التوسل فی زیارت سید الرسل" کے مولف شیخ عبدالقادر فاکہانی مصری تلمیذ حافظ سیوطی، صاحب خلاصۃ الوفاء اور سید سمہودی قابل ذکر ہیں اور سر فہرست ان کی یہ کتابیں طبع ہو کر شائع ہو چکی ہیں اور جو شخص بھی ان کا مطالعہ کرنا چاہے تو بسہولت ان کو حاصل کر کے ان سے استفادہ کر سکتا ہے۔

لیکن میرا مقصد یہ ہے کہ میں مذاہب اربعہ کے ایسے ائمہ اعلام کی عبارات نقل کروں جن کا ذکر پہلے نہیں آیا اور اگرچہ وہ عبارات از روئے معنی و مقصد بالکل متحد ہیں اور ان میں باہم کوئی اختلاف نہیں ماسوا اقل قلیل مقدار کے اور ان عبارات میں سے ہر عبارت ہر مسلمان کے لیے احکام زیارت کو بطریق احسن بیان کر کے حسن عمل کی راہ ہموار کر دیتی ہے خواہ اس کا تعلق صاحب عبارت امام و علامہ کے مذہب و مسلک سے ہو یا نہ۔ لیکن چونکہ ہر شخص اپنے علماء مذہب کے کلام سے زیادہ مانوس ہوتا ہے لہذا میں نے ہر مذہب کے امام کی عبارت الگ ذکر کرنا موزوں و مناسب سمجھا خواہ وہ قول مقاصد و مطالب میں باہم متحد ہی کیوں نہ ہوں۔ اور میں نے ان عبارات کی ترتیب ذکری میں ان ائمہ کرام کے زمانوں کو ملحوظ رکھا ہے اور مراتب و مقامات کو مدنظر نہیں رکھا۔ اور ان کی یہ عبارات فصل سابق میں منقول مباحث یعنی سرور کونین علیہ السلام کی زیارت اور جملہ انبیاء و مرسلین علیہم السلام اور صالحین و اولیاء کاملین کی زیارات کے جواز کی موید بھی ہیں اور اس سے منع کرنے والے مبتدعین کے رد پر بھی مشتمل ہیں۔

کلام الغوث الاعظم سیدنا شیخ عبدالقادر الجیلانی الحنبلی قدس سرہ العزیز المتوفی ۵۶۱ھ

حضرت محبوب سبحانی شیخ عبدالقادر الجیلانی قدس سرہ العزیز اپنی کتاب "غنیۃ الطالبین" میں حج و عمرہ پر کلام کرنے کے بعد فرماتے ہیں جب اللہ تعالیٰ حج و عمرہ کی سعادت سے بہرہ ور ہونے کے بعد سلامتی و عافیت سے رکھے اور

مدینہ منورہ کی حاضری نصیب فرمائے تو زائر کے لیے مستحب یہ ہے کہ مسجد شریف میں داخل ہو اور بوقت دخول درود شریف پڑھے۔ اللھم صل علی سیدنا محمد وعلی آل سیدنا محمد۔ پھر یہ دعا مانگے۔ وافتح لی ابواب رحمتک وکف عنی ابواب عذابک الحمد للہ رب العالمین۔ اے اللہ میرے لیے اپنی رحمت کے دروازے کھول دے اور عذاب و نقمت کے دروازے بند فرما سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں جو سب جہانوں کی پرورش فرمانے والا ہے۔

قبر انور پر حاضری کا طریقہ

پھر قبر منور پر حاضر ہو اور مزار انور کے درمیان اور قبلہ کے درمیان کھڑا ہو، قبلہ کو پیٹھ کے پیچھے اور قبر انور کو چہرہ کے سامنے منبر شریف کو بائیں جانب رکھے اور منبر شریف کے بالکل قریب کھڑا ہو۔ اور پھر کہے۔

السلام علیک ایھا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، اللھم صل علی محمد وعلی ال محمد کما صلیت علی ابراھیم انک حمید مجید، اللھم ات سیدنا محمدا الوسیلۃ والفضیلۃ والدرجۃ الرفیعۃ والمقام المحمود الذی وعدتہ۔ اللھم صل علی روح محمد فی الارواح وصل علی جسدہ فی الاجساد کما بلغ رسالتک وتلا آیاتک وصدع بامرک وجاھد فی سبیلک وامر بطاعتک ونھی عن معصیتک وعادی عدوک ووالی ولیک وعبدک حتی اتاہ الیقین۔

سلام ہو آپ پر اے اللہ تعالیٰ کے نبی مکرم اور اس کی رحمتیں اور برکتیں۔ اے اللہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر رحمت بھیج اور ان کی آل امجاد پر جیسے کہ تو نے ابراہیم علیہ السلام پر رحمت بھیجی بے شک تو تمام محامد و اوصاف کمال کے ساتھ موصوف و متصف ہے اور مجد کامل کا مالک ہے۔ اے اللہ ہمارے سید و سرور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو مقام وسیلہ و فضیلت عطا فرما۔ انہیں درجات رفیعہ سے بہرہ ور فرما۔ اور اس مقام محمود پر فائز فرما جس کا تو نے ان کو وعدہ دے رکھا ہے۔ اے اللہ جملہ ارواح میں روح محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر درود و صلوٰۃ بھیج۔ اور آپ کے جسد اطہر پر جملہ اجساد میں درود و صلوٰۃ بھیج جیسے کہ انہوں نے تیرے احکام رسالت کو پہنچایا۔ آیات کلام مجید کو لوگوں پر تلاوت فرمایا اور تیرے حکم کی تعمیل میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی تیری راہ میں جہاد کیا۔ لوگوں کو تیری طاعت کا حکم دیا۔ اور معصیت و نافرمانی سے روکا۔ تیرے اعداء سے بغض و عداوت کا اظہار کیا اور تیرے اولیاء و احباء سے محبت و الفت کا مظاہرہ فرمایا۔ اور تادم واپسیں تیری عبادت و بندگی میں مشغول و مستغرق رہے۔

اے اللہ تو نے اپنے فرقان حمید اور کلام مجید میں نبی کریم سے ارشاد فرمایا ہے اور انہیں حکم دیا ہے۔

وَلَوْ اَنَّھُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَھُمْ جَآءُوْکَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰہَ وَاسْتَغْفَرَ لَھُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰہَ

تَوَّابًا رَّحِیْمًا۔ اور اگر وہ لوگ اپنی جانوں پر ظلم وستم ڈھائیں پھر تمہاری بارگاہ میں حاضر ہوں پس اللہ تعالیٰ سے استغفار کریں اور رسول خدا بھی ان کے لیے استغفار کریں تو یقیناً وہ اللہ کو توبہ قبول کرنے والا اور رحیم پائیں گے۔ میں تیرے نبی مکرم کی بارگاہ معظم میں حاضر ہوا ہوں۔ دراں حالیکہ اپنے گناہوں سے توبہ کرنے والا ہوں۔ اور طلب گار مغفرت وبخشش تو میں تجھ سے سوال کرتا ہوں کہ میرے لیے مغفرت وبخشش کو واجب ومتحقق فرما جس طرح تونے ان لوگوں کے لیے اس کو اپنے ذمہ کرم پر لازم فرمایا جو تیرے محبوب کی ظاہری حیات طیبہ میں حاضر بارگاہ اقدس ہوئے۔ اپنے ذنوب وآثام کا اقرار کیا اور رسول محتشم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا سے تونے ان کو مغفرت اور قبول توبہ سے سرفراز فرمایا۔

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَتَوَجَّهُ اِلَیْكَ بِنَبِیِّكَ عَلَیْهِ سَلَامُكَ نَبِیِّ الرَّحْمَةِ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنِّیْ اَتَوَجَّهُ بِكَ اِلٰی رَبِّیْ لِیَغْفِرَ لِیْ ذُنُوْبِیْ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْاَلُكَ بِحَقِّهٖ اَنْ تَغْفِرَ لِیْ وَتَرْحَمْنِیْ۔

اے اللہ میں تیری طرف تیرے نبی کریم علیہ السلام نبی رحمت کے وسیلہ سے متوجہ ہوتا ہوں۔ یا رسول اللہ میں آپ کے وسیلہ سے اپنے رب کی طرف متوجہ ہوتا ہوں تاکہ میرے ذنوب سے درگزر فرمائے۔ اے اللہ میں تجھ سے تیرے محبوب کے ان حقوق کا واسطہ دے کر مغفرت اور رحمت کا سوال کرتا ہوں جو تونے اپنے ذمہ کرم پر لے رکھے ہیں۔

اللھم اجعل محمدا اول الشافعین وانجح السائلین واکرم الاولین والآخرین، اللھم کما امنا به ولم نره وصدقناه ولم نلقه فادخلنا مدخله واحشرنا فی زمرته واوردنا حوضه واسقنا بکاسه مشربا رویا سائغا هنیئا لا نظما بعده ابدا غیر خزایا ولا ناکثین ولا مارقین ولا جاحدین ولا مرتابین ولا مغضوبا علیهم ولا ضالین واجعلنا من اهل شفاعته۔

اے اللہ محمد کریم علیہ السلام کو سب شافعین سے پہلا شفیع بنا اور انہیں سائلین کو حصول مقاصد میں کامیاب کرنے والا بنا اور سب اولین وآخرین پر ان کو عزت وکرامت سے سرفراز فرما۔ اے اللہ جس طرح ہم ان کے ساتھ ایمان لائے حالانکہ ہم نے ان کا شرفِ زیارت حاصل نہیں کیا اور ان کی جمیع احکام رسالت میں تائید وتصدیق کی حالانکہ ان سے ملاقات نہیں کی (تو ہمارے اس اخلاص کی بدولت) ہمیں ان کے مکان کرامت نشان میں داخل فرما۔ ان کے زمرہ میں ہمیں حشر ونشر نصیب فرما۔ ان کے حوض پر پہنچا کر ان کے دست جود ونوال سے جام جانفزا نوش کرنے کی سعادت عطا فرما جو سیراب کرنے والا ہو اور خوشگوار اور خوش ذائقہ جس کے بعد ہمیں کبھی بھی پیاس کی شدت محسوس نہ ہو دراں حالیکہ ہم نہ ذلت ورسوائی سے دوچار ہونے والے ہوں نہ عہد وپیمان کو توڑنے والے۔ نہ دین وطاعت سے خروج کرنے والے نہ حق کا انکار اور اس میں شک وتردد کے شکار ہوں۔ نہ تیرے غضب وقہر کا نشانہ ہوں اور نہ راہ راست سے بھٹکے ہوئے اور ہمیں ان کی شفاعت کا مستحق بنا۔ (آمین)

پھر دائیں جانب ہٹ کر صدیق وفاروق رضی اللہ عنہما کی بارگاہ مقدس میں ہدیہ سلام پیش کرے اور کہے:۔

اَلسَّلَامُ عَلَیْكُمَا یَا صَاحِبَیْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ۔ اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ یَا اَبَا بَكْرِ الصِّدِّیْقِ اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ یَا عُمَرُ الْفَارُوْقُ اَللّٰهُمَّ اجْزِهُمَا عَنْ نَّبِیِّهِمَا وَعَنِ الْاِسْلَامِ خَیْرًا وَاغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِیْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِیْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِیْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَا اِنَّكَ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ۔

سلام ہو آپ دونوں پر اے رسول گرامی کے ساتھیو اور اللہ تعالیٰ کی رحمت وبرکات۔ اے ابوبکر صدیق آپ پر سلام ہو اے عمر فاروق! آپ پر سلام ہو۔ اے اللہ ان دونوں مقدس ہستیوں کو اپنے نبی مکرم اور اسلام کی طرف سے بہتر جزاء اور بدلہ عطا فرما۔ اور ہمارے لیے اور ہمارے ان بھائیوں کے لیے مغفرت وبخشش فرما جو ہم سب سے ایمان کے ساتھ سبقت لے گئے اور ہمارے دلوں میں اہل ایمان کے خلاف بغض وکینہ پیدا نہ فرما۔ اے ہمارے پروردگار تو بہت ہی رافت ورحمت فرمانے والا ہے۔

پھر دو رکعت نماز ادا کرے اور بیٹھ جائے اور مستحب یہ ہے کہ قبر انور اور منبر شریف کے درمیان جنت کی کیاری میں نماز ادا کرے اور اگر دل میں یہ جذبہ محبت انگڑائی لے کہ منبر مقدس سے برکت حاصل کرنے کے لیے اسے مسح ومس کرے اور مسجد قبا میں نماز پڑھ کر اور قبور شہداء کی زیارت کر کے فیوض برکات حاصل کرے تو بے شک ان امور کو سرانجام دے اور ان مقامات پر بکثرت دعا کرے۔

پھر جب مدینہ منورہ سے رخصت ہونے کا ارادہ کرے تو مسجد نبوی میں حاضر ہو۔ روضۂ اطہر کی حاضری دے۔ بارگاہِ رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم میں ہدیہ سلام پیش کرے اور پہلی حاضری پر عرض حاجت اور طلب مقصد کے لیے جو طریقہ اختیار کیا تھا اب بھی وہی طریقہ اختیار کرے اور آپ کو الوداع کہے اور آپ کے صاحبین صدیق وفاروق رضی اللہ عنہما کی خدمت میں حاضری دے جس طرح پہلے بیان ہو چکا ہے۔ پھر عرض کرے۔

اَللّٰهُمَّ لَا تَجْعَلْهُ اٰخِرَ الْعَهْدِ مِنِّیْ بِزِیَارَتِ قَبْرِ نَبِیِّكَ وَاِذَا تَوَفَّیْتَنِیْ فَتَوَفَّنِیْ عَلٰی مَحَبَّتِهٖ وَسُنَّتِهٖ اٰمِیْنَ یَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ۔

اے اللہ! بارگاہ مکرم کی حاضری اور زیارت قبر انور کو میری طرف سے آخری عہد نہ بنا۔ اور جب مجھے فوت کرے تو ان کی محبت والفت اور سنت وسیرت پر فوت کرنا آمین یا ارحم الراحمین۔ انتہی کلام الغوث الصمدانی الشیخ عبدالقادر الجیلانی رضی اللہ عنہ۔

بیان فوائد کلام غوث ثقلین

آپ نے اپنے اس کلام میں اگرچہ قصد زیارت کے ساتھ سفر کے جواز کی تصریح نہیں فرمائی۔ لیکن متعدد وجوہ سے اس کا افادہ بیان سے ہو رہا ہے۔ مثلاً آپ سے استغاثہ کا ذکر فرمانا، اللہ تعالیٰ سے آپ کے حق کے وسیلہ

سے دعا کرنا۔ پہلے پہل آپ کی زیارت کا اہتمام کرنا دوبارہ پھر الوداعی زیارت اور سلام نیاز و شوق عرض کرنا۔ آپ کو الوداع کہنا اور آپ کے پاس اپنی حاجات کے لیے اللہ تعالیٰ سے دعا کرنا۔ اور پھر عرض کرنا کہ اللہ میری یہ حاضری اور زیارت آخری حاضری اور زیارت نہ ہو۔ یہ تمام امور اس امر کا فائدہ دیتے ہیں کہ آپ کے نزدیک سفر زیارت احسن ترین طاعات سے ہے اور اللہ تعالیٰ کی جناب میں سب قربات وعبادات سے زیادہ باعث قرب ہے اور یہی واضح حقیقت ہے اور یہی بلاشبہ وارتیاب غوث اعظم کا مذہب ہے اور ان کا یہی عقیدہ سُنیہ وسَنیہ ہونا امور بدیعیہ سے ہے کیونکہ وہ اکابر ائمہ اہل سنت یعنی فقہاء ومحدثین اور صوفیہ صافیہ میں سے ایک اہم فرد ہیں۔ اور آپ نے قبورِ شہداء کی زیارت کے موقع پر بھی دعا مانگنے کی تصریح فرمائی ہے۔ حالانکہ یہ جملہ امور ابن تیمیہ اور اس کے فرقہ وہابیہ کے نزدیک ممنوع ہیں۔

اس تحقیق سے تمہیں معلوم ہوگیا کہ ابن تیمیہ اور اس کی جماعت نے جس طرح مذاہب ثلاثہ کی مخالفت کی ہے اسی طرح مذہب امام احمد کی بھی مخالفت کی ہے اور اپنی اس بدعت سے انہوں نے امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے اجماع کی خلاف ورزی کی ہے۔ اور ان کی یہ بدعت اسلام اور اہل اسلام پر ایک عظیم مصیبت ہے جس کے نقصانات کا اندازہ کرنا مشکل ہے۔ اور بہت سے ائمہ حنابلہ نے ان کے امام اور اس فرقہ کے علماء کے رد میں کتابیں تصنیف کی ہیں اور ان کی اس بدعت مذمومہ پر سخت انکار کیا ہے۔ ولاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم

امام نووی شافعیؒ المتوفی ۶۷۶ھ کا کلام متعلق بہ آداب زیارت بارگاہ نبوی علی صاحبہ الصلوٰۃ والسلام

امام موصوف "ایضاح المناسک" کے باب ششم میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر انور اور روضہ اطہر کی زیارت کے آداب اور متعلقہ امور کے بیان میں منعقد کر کے فرماتے ہیں۔

مدینہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے پانچ اسماء مبارکہ ہیں۔ مدینہ۔ طابہ۔ طیبہ۔ الدار اور یثرب اور پانچوں اسماء کے ساتھ موسوم ہونے کی وجہ بھی بیان فرمائی۔ بعد ازاں فرمایا کہ اس باب میں کئی مسائل ہیں۔

مسئلہ ۱: جب حجاج کرام حج وعمرہ سے فارغ ہو کر مکہ مکرمہ سے لوٹیں تو چاہیے کہ مدینہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں سرور عالمیان سید الانس والجان صلی اللہ علیہ وسلم کی تربت اقدس کی زیارت کے لیے متوجہ ہوں کیونکہ وہ اہم قربات وعبادات سے ہے اور نتیجہ خیز سعی۔ بزار و دارقطنی نے اپنی سندوں کے ساتھ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے نقل فرمایا ہے۔

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ زَارَ قَبْرِیْ وَجَبَتْ لَہٗ شَفَاعَتِیْ۔

رحمت عالم وعالمیاں علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا جس شخص نے میری قبر کی زیارت کی اس کی شفاعت مجھ پر واجب و لازم ہوگئی۔

مسئلہ ۲: زائر بارگاہ والا کے لیے مستحب یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نیت زیارت کے ساتھ آپ کی مسجد شریف کی طرف سفر کی نیت کر کے جناب باری میں تقرب کا قصد وارادہ کرے۔

مسئلہ ۳: مدینہ (اور اس میں نماز پڑھنے کی) منورہ کے راستہ میں بکثرت درود وسلام پڑھے اور جب اس کی نگاہ مدینہ کے درختوں، حرم مقدس اور دیگر آثار و علامات پر پڑے تو زیادہ سے زیادہ درود وسلام پڑھے اور اللہ تعالیٰ سے دعا والتجاء کرے کہ اس کی حاضری اور زیارت قبول فرمائے اور اس کی منفعت اور فیوض و برکات سے بہرہ ور فرمائے۔

مسئلہ ۴: زائر کے لیے مستحب یہ ہے کہ مدینہ طیبہ میں داخل ہونے سے قبل غسل کر کے اچھی طرح نظافت و طہارت حاصل کرے اور عمدہ ترین کپڑے استعمال کرے اور انتہائی صاف ستھرے۔

مسئلہ ۵: مدینہ مبارکہ میں داخل ہونے سے پہلے یہ امر اچھی طرح ذہن میں مستحضر رکھے کہ یہاں وہ قدم رکھ رہا ہے یہ وہ مقدس مقام ہے کہ بعض علماء کرام کے نزدیک سوائے مکہ مکرمہ کے تمام دنیا کے مقدس مقامات سے افضل واعلیٰ ہے اور بعض کے نزدیک علی الاطلاق پوری دنیا کے مقامات مقدسہ سے شرف وفضل میں افضل و برتر ہے۔ اور جس ذات والا صفات کے قدوم میمنت لزوم سے اس کو یہ شرف ملا ہے۔ وہ بلا استثناء سب خلائق سے بالا و بلند مقام ومرتبہ کے مالک ہیں اور چاہیے کہ پہلا قدم حرم مدینہ میں رکھنے کے وقت سے آخر دم تک نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت بے غایت کو مدنظر رکھے رہے اور دل میں ان کی ہیبت وجلال کا اس طرح غلبہ وتسلط ہو گویا کہ آپ کو چشم ظاہر سے دیکھ رہا ہے۔

مسئلہ ۶: جب مسجد نبوی کے دروازے پر پہنچے تو وہی کلمات زبان پر لائے جو ہم نے مسجد حرام میں داخل ہوتے وقت پڑھنے کے لیے ذکر کیے ہیں اور وہ یہ ہیں۔ اعوذ باللہ العظیم وبوجھہ الکریم وسلطانہ القدیم من الشیطٰن الرجیم۔ بسم اللہ والحمد للہ اللھم صل علی محمد وعلیٰ اٰل محمد وسلم۔ اللھم اغفر لی ذنوبی وافتح لی ابواب رحمتك۔

اور جب نکلے تو بھی یہی کلمات کہے البتہ ابواب رحمتک کی بجائے ابواب فضلک ذکر کرے۔ داخل ہوتے وقت دایاں قدم پہلے رکھے اور نکلتے وقت بایاں پاؤں پہلے باہر رکھے اور تمام مساجد میں اسی طریقہ پر عمل کرے۔ مسجد شریف میں داخل ہو کر روضۃ من ریاض الجنۃ کا قصد کرے۔ جو منبر شریف اور روضہ اقدس کے درمیان ہے۔ منبر شریف کے پہلو میں دو رکعت

تحیۃ المسجد ادا کرے۔

امام غزالی نے احیاء العلوم میں فرمایا ہے کہ منبر شریف کا ستون اپنے دائیں کندھے کے بالمقابل رکھے اور جس ستون کے پہلو میں مصحف کا صندوق تھا اس کی طرف سیدھا نہ رکھے۔ اور وہ دائرہ جو مسجد شریف کی سمت قبلہ میں ہے اس کو دونوں آنکھوں کے درمیان رکھے۔ یہ ہے وہ مقام جہاں نبی کریم علیہ السلام قیام فرما ہوتے تھے۔ بعد ازاں مسجد شریف میں توسیع کر دی گئی۔

کتاب المدینہ میں مذکور ہے کہ منبر شریف اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے محل قیام کے درمیان جہاں آپ آخری وقت تک نماز ادا فرماتے رہے چودہ ہاتھ اور ایک بالشت کا فاصلہ ہے۔ اور منبر شریف اور قبر اطہر کے درمیان ترپن ۵۳ ہاتھ اور ایک بالشت کا فاصلہ ہے۔

مسئلہ ۷: جب ریاض جنت میں یا مسجد مقدس کی کسی جگہ میں تحیۃ المسجد ادا کرے تو اس نعمت پر اللہ تعالیٰ کا شکریہ ادا کرے۔ اور اس کی بارگاہ میں اتمام مقصد اور قبولیت زیارت کی درخواست پیش کرے۔ پھر قبر اطہر کے پاس حاضر ہو کر قبلہ کی طرف پشت کرے اور قبر انور کی دیوار کی طرف منہ کرے اور قبر اقدس کے سرہانے سے چار ہاتھ دور ہٹ کر کھڑا ہو۔ اور احیاء العلوم میں اس طرح مذکور ہے کہ مزار مقدس کے سرہانے جو ستون ہے اس سے چار ہاتھ کے قریب پائنتی کی جانب ہٹ کر دیوار مزار کی طرف متوجہ ہو اور وہ قندیل جو مزار مقدس کے قبلہ کی سمت میں ہے اس کو اپنے سر پر رکھے اور اس انداز سے کھڑا ہو کہ اس کی نگاہیں سامنے والی دیوار کے نچلے حصہ پر پڑ رہی ہوں۔ ہیبت و جلال بزرگی کو مدنظر رکھتے ہوئے آنکھیں بند کیے ہوئے ہو۔ دل دنیوی علائق اور تعلقات و روابط سے کلیتہً فارغ ہو جس مقدس مبارک مقام پر کھڑا ہے اس کی جلالت و عظمت کو دل میں مستحضر رکھے اور اس ذات اقدس کی رفعت شان اور بلندی کو پیش نظر رکھے ہوئے ہو جن کے آستانِ عرش نشاں کے سامنے کھڑا ہے۔ بعد ازاں سلام پیش کرے مگر آواز بلند نہ کرے بلکہ درمیانے انداز میں عرض کرے۔ السلام علیك یا رسول الله. السلام علیك یا نبی الله. السلام علیك یا خیرة الله السلام علیك یا خیر خلق الله. السلام علیك یا حبیب الله. السلام علیك یا نذیر. السلام علیك یا بشیر السلام علیك یا طهر. السلام علیك یا طاهر. السلام علیك یا نبی الرحمة. السلام علیك یا نبی الامة السلام علیك یا ابا القاسم. السلام علیك یا رسول رب العلمین. السلام علیك یا سید المرسلین و خاتم النبیین السلام علیك یا خیر الخلائق اجمعین السلام علیك یا قائد الغر المحجلین. السلام علیك وعلی آلك واهل بیتك وازواجك وذریتك واصحابك اجمعین. السلام علیك وعلی سائر الانبیاء وجمیع عباد الله الصالحین

یہ سلام پیش کرنے کے بعد عرض کرے۔

جَزَاكَ اللهُ یَا رَسُوْلَ اللهِ عَنَّا اَفْضَلَ مَا جَزٰی نَبِیًّا وَّرَسُوْلًا عَنْ اُمَّتِهٖ

اے رسول خدا اللہ تعالیٰ آپ کو ہماری طرف سے ایسی جزاء اور بدلہ تبلیغِ احکام رسالت کا عطا فرمائے جو ان تمام جزاؤں سے افضل و برتر ہو جو کسی بھی رسول و نبی کو اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائی ہیں۔

وَصَلَّی اللهُ عَلَیْكَ یَا رَسُوْلَ اللهِ كُلَّمَا ذَكَرَكَ ذَاكِرٌ وَّغَفَلَ عَنْ ذِكْرِكَ غَافِلٌ وَّاَفْضَلَ وَاَكْمَلَ وَاَطْیَبَ مَا صَلّٰی عَلٰی اَحَدٍ مِّنَ الْخَلْقِ اَجْمَعِیْنَ

اللہ تعالیٰ آپ پر درود بھیجے اتنی مقدار میں جس قدر آپ کو کوئی یاد کرنے والا یاد کرے اور غافل آپ کے ذکر سے غافل ہوں جو ان تمام صلوات و تسلیمات سے افضل و اکمل اور اطیب ہو جو اس نے ساری مخلوق میں سے کسی بھی فرد پر بھیجی ہوں۔

اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِیْكَ لَهٗ وَاَشْهَدُ اَنَّكَ عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ وَخِیَرَتُهٗ مِنْ خَلْقِهٖ۔ وَاَشْهَدُ اَنَّكَ قَدْ بَلَّغْتَ الرِّسَالَةَ وَاَدَّیْتَ الْاَمَانَةَ وَنَصَحْتَ الْاُمَّةَ وَجَاهَدْتَّ فِی اللهِ حَقَّ جِهَادِهٖ۔

میں اللہ وحدہ لاشریک لہ کے معبود برحق ہونے کی گواہی دیتا ہوں اور اس امر کی شہادت کہ آپ اللہ تعالیٰ کے عبد خاص اور رسول برحق ہیں اور تمام مخلوق میں اس کے نزدیک بہتر اور میں شہادت دیتا ہوں کہ آپ نے احکام رسالت کی تبلیغ فرما دی۔ امانتِ خداوندی کو ادا فرما دیا۔ امت کے ساتھ خلوص اور ہمدردی کا حق ادا کر دیا۔ اور راہِ خدا میں جہاد کرنے کا حق ادا کر دیا۔

اَللّٰهُمَّ وَاٰتِهِ الْوَسِیْلَةَ وَالْفَضِیْلَةَ وَابْعَثْهُ مَقَامًا مَّحْمُوْدَا ن الَّذِیْ وَعَدْتَّهٗ وَاٰتِهٖ نِهَایَةَ مَا یَنْبَغِیْ اَنْ یَّسْاَلَهُ السَّائِلُوْنَ۔

اے اللہ اور انہیں مقام وسیلہ و فضیلت عطا فرما اور ان کو اس مقام محمود پر فائز فرما جس کا تو نے ان کو وعدہ دیا ہے اور وہ انعامات عطا فرما جو سائلین کے ذہن رسا سے ماوراء ہیں۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ عَبْدِكَ وَرَسُوْلِكَ النَّبِیِّ الْاُمِّیِّ وَعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ وَّاَزْوَاجِهٖ وَذُرِّیَّتِهٖ كَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرَاهِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاهِیْمَ وَبَارِكْ عَلٰی مُحَمَّدِ النَّبِیِّ الْاُمِّیِّ وَعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ وَّاَزْوَاجِهٖ وَذُرِّیَّتِهٖ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰی اِبْرَاهِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاهِیْمَ فِی الْعَالَمِیْنَ اِنَّكَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ۔

جو شخص یہ سب کلمات قدسی صفات یاد نہ کر سکے یا وقت کے دامن میں اتنی وسعت نہ ہو تو وہ بعض پر اکتفاء کرے اور کمتر ین مقدار السلام علیک یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اور دیگر بعض اسلاف سے بہت زیادہ اختصار منقول ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر عرض کیا کرتے تھے۔ السلام علیک یا رسول اللہ السلام علیک یا ابا بکر السلام علیک یا اباہ۔

حضرت امام مالک سے منقول ہے کہ وہ عرض کرتے تھے۔ السلام علیک ایھا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

پھر اگر کسی نے اس کو سلام پیش کرنے کی وصیت کی ہو تو عرض کرے۔ یارسول اللہ فلاں بن فلاں کی طرف سے آپ پر سلام ہو۔ یا اس طرح عرض کرے فلاں بن فلاں آپ پر سلام بھیجتا ہے یا جو بھی عبارت اس معنی کو ادا کرتی ہے عرض کرے۔

پھر اس جگہ سے دائیں جانب ایک ہاتھ کی مقدار ہٹ کر کھڑا ہو۔ اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ پر سلام پیش کرے کیونکہ ان کا سر مبارک رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے کندھے مبارک کے برابر ہے۔ اور عرض کرے۔ السلام علیک یا ابا بکر صفی رسول اللہ و ثانیہ فی الغار جزاک اللہ عن امۃ نبیہ خیرا۔

پھر ایک ہاتھ کی مقدار دائیں جانب ہٹ کر کھڑا ہو اور حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کو سلام پیش کرے۔ اور عرض کرے اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا عُمَرُ اَعَزَّ اللّٰهُ بِكَ الْاِسْلَامَ جَزَاكَ اللّٰهُ عَنْ اُمَّةِ مُحَمَّدٍ خَيْرًا۔ پھر اپنی پہلی جگہ پر آ جائے یعنی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مواجہہ شریف میں آ کر کھڑا ہو اور آپ سے اپنی ذات کے متعلق جناب الٰہی میں توسل کرے اور بارگاہ خداوندی میں شفاعت کے لیے عرض کرے اور سب سے بہتر انداز توسل و تشفع کا وہ ہے جو ہمارے اصحاب نبی علماء اعلام اور ائمہ اسلام نے عتبی سے نقل کیا ہے اور اس کو انتہائی مستحسن قرار دیا ہے۔

توسل و استغاثہ کا انتہائی مستحسن انداز

عتبی فرماتے ہیں میں روضہ اطہر کے قریب بیٹھا تھا کہ ایک اعرابی حاضر بارگاہ ہوا۔ اور عرض کیا السلام علیک یارسول اللہ، میں نے اللہ رب العزت کو فرماتے ہوئے سنا۔ وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا میں بھی آپ کی خدمت میں حاضر ہو گیا ہوں۔ دراں حالیکہ اپنے ذنوب و معاصی سے استغفار کرنے والا ہوں اور آپ کو اللہ تعالیٰ کی جناب میں اپنا شفیع بنانے والا ہوں۔ پھر اس نے یہ اشعار پڑھنے شروع کیے ؎

يَا خَيْرَ مَنْ دُفِنَتْ بِالْقَاعِ اَعْظُمُهٗ فَطَابَ مِنْ طِيْبِهِنَّ الْقَاعُ وَ الْاُكُمُ

اے وہ ذات اقدس جو ان تمام لوگوں سے افضل و برتر ہے جن کا جسم چٹیل زمین میں دفن کیا گیا پس ان اعضاء مبارکہ کی وجہ سے زمین اور ٹیلے خوشبوؤں سے مہک اٹھے۔

نَفْسِي الْفِدَآءُ لِقَبْرٍ اَنْتَ سَاكِنُهٗ فِيْهِ الْعَفَافُ وَفِيْهِ الْجُوْدُ وَالْكَرَمُ

میری جان فدا ہو اس قبر اقدس پر جن میں آپ کی سکونت ہے۔ اسی میں عفت و طہارت ہے اور اسی میں سراپا جود و کرم موجود ہیں۔

اَنْتَ الشَّفِيْعُ الَّذِيْ تُرْجٰى شَفَاعَتُهٗ عَلَى الصِّرَاطِ اِذَا مَا زَلَّتِ الْقَدَمُ

آپ ہی وہ شفیع ہیں جن کی شفاعت کی بارگاہ خداوندی میں امید کی جا سکتی ہے جب کہ پل صراط پر بہت سے لوگوں کے قدم پھسلیں گے۔

وَصَاحِبَاكَ فَلَا اَنْسَاهُمَا اَبَدًا مِنِّي السَّلَامُ عَلَيْكُمْ مَا جَرَى الْقَلَمُ

اور آپ کے دونوں مصاحبین کو میں کبھی بھی دعوات خیر میں بھول نہیں سکتا۔ میری طرف سے آپ سب پر سلام ہو جب تک راہوار قلم میدانِ قرطاس میں محو خرام رہے۔

فرماتے ہیں وہ یہ عرض کر کے لوٹ گیا۔ مجھے نیند آ گئی تو میں نے حالت نیند میں محبوب کریم علیہ السلام کو دیکھا کہ آپ فرماتے ہیں۔ يَا عُتْبِيُّ اَلْحِقِ الْاَعْرَابِيَّ وَبَشِّرْهُ بِاَنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى قَدْ غَفَرَ لَهٗ اے عتبی اٹھ اعرابی کو جا مل اور اس کو مژدہ سنا دے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو بخش دیا ہے۔

پھر حبیب کریم علیہ السلام کے مزار اقدس کے سرہانے جو ستون ہے اس کے اور مزار شریف کے درمیان کھڑا ہو اور قبلہ رو ہو کر اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا اور مجد و بزرگی کا اظہار کرے اور جو اہم ہو اور محبوب و پسندیدہ وہ دعا مانگے وہ اپنے لیے بھی اور اپنے والدین کے لیے اور دیگر اقارب اور شیوخ و اخوان اور تمام اہل اسلام کے لیے پھر ریاض الجنۃ میں حاضر ہو اور بکثرت دعا مانگے اور نماز پڑھے۔ کیوں کہ صحیحین یعنی بخاری شریف اور مسلم شریف میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ سید عرب و عجم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مَا بَيْنَ قَبْرِيْ وَمِنْبَرِيْ رَوْضَةٌ مِّنْ رِيَاضِ الْجَنَّةِ وَمِنْبَرِيْ عَلٰى حَوْضِيْ میری قبر اور منبر کی درمیانی جگہ جنت کے باغات میں سے ایک باغ ہے اور میرا منبر میرے حوض کوثر پر ہے۔ پھر منبر شریف کے پاس کھڑا ہو کر دعا مانگے۔

مسئلہ ۸ :۔ قبر انور کا طواف کرنا جائز نہیں ہے۔ اور پیٹ یا پیٹھ کا مزار انور کی دیوار کے ساتھ لگانا بھی مکروہ ہے۔ جیسے کہ امام حلیمی وغیرہ نے فرمایا ہے۔ اور ہاتھ لگانا اور بوسہ دینا بھی مکروہ ہے بلکہ ادب کا تقاضا یہ ہے کہ دور ہٹ کر کھڑا ہو جیسے ظاہری حیات طیبہ میں حاضر ہوتا تو دور ہٹ کر کھڑا ہوتا۔ یہی صحیح و صواب ہے اور جملہ علماء کرام کا اسی پر اجماع و اتفاق ہے۔ اس کے بعد امام نووی نے جو کچھ فرمایا وہ علامہ ابن حجر کے کلام میں منقول ہو گا لہٰذا یہاں اختصاراً اس کو ذکر نہیں کیا گیا۔

مسئلہ ۹ :۔ زائر کے لیے مناسب و موزوں اور مستحب یہ ہے کہ مدینہ منورہ میں قیام کے دوران تمام نمازیں مسجد نبوی میں ادا کرے۔ اور مسجد میں اعتکاف کی نیت سے بیٹھے جیسے کہ مسجد حرام کے متعلق ہم نے عرض کیا ہے۔

مسئلہ ۱۰ :۔ مستحب یہ ہے کہ ہر روز جنت البقیع کی طرف جائے علی الخصوص جمعہ کے دن۔ پہلے

بارگاہ رسالت میں حاضری دے اور پھر جنت البقیع میں حاضر ہو اور وہاں پہنچ کر کہے۔ السلام علیکم دار قوم مومنین و انا ان شاء اللہ بکم لاحقون اللھم اغفر لاھل البقیع الغرقد اللھم اغفر لنا ولھم۔ سلام ہو تم پر اے قوم مومنین اور ہم ان شاء اللہ تمہارے ساتھ لاحق ہونے والے ہیں۔ اے اللہ اہل بقیع غرقد کے لیے مغفرت فرما اے اللہ ہمیں اور انہیں مغفرت و بخشش سے سرفراز فرما۔ اور بقیع شریف میں جو نمایاں قبور ہیں ان کی زیارت کرے مثلاً حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ دلخت جگر رسول صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عثمان، حضرت عباس، حضرت امام حسن، امام زین العابدین۔ امام محمد باقر امام جعفر صادق وغیرہ رضی اللہ عنہم اور حضرت صفیہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی صاحبہ رضی اللہ عنہا کے مزار اقدس پر سلسلہ زیارت کو ختم کرے۔ صحیح بخاری میں بقیع شریف کی قبروں کی فضیلت اور زیارت کے استحباب سے متعلق متعدد روایات موجود ہیں۔

مسئلہ ۱۱: مستحب یہ ہے کہ شہدا احد کی قبروں کی زیارت کرے اور بہتر یہ ہے کہ جمعرات کے روز ان کی زیارت کرے۔ اور ابتداء زیارت کی حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے مزار مبارک سے کرے۔ صبح کی نماز مسجد نبوی میں ادا کر کے جلد از جلد ادھر جائے تاکہ واپس ہو کر ظہر کی نماز باجماعت مسجد نبوی میں ادا کر سکے۔

مسئلہ ۱۲: بہت زیادہ تاکیدی مستحب یہ ہے کہ مسجد قبا میں نماز پڑھنے کی نیت سے قبا میں آئے اور مسجد شریف کی زیارت کرے۔ اور بہتر یہ ہے کہ ہفتہ کے دن حاضر ہو۔

ترمذی شریف اور دیگر کتب صحاح میں حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ صَلٰوۃٌ فِیْ مَسْجِدِ قُبَاءٍ کَعُمْرَۃٍ "مسجد قبا میں نماز پڑھنا اجر و ثواب میں عمرہ کے برابر ہے اور بخاری و مسلم میں حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَأْتِیْ مَسْجِدَ قُبَاءٍ مَاشِیًا وَّرَاکِبًا فَیُصَلِّیْ فِیْہِ رَکْعَتَیْنِ۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مسجد قبا میں تشریف لاتے کبھی پیدل اور کبھی سوار ہو کر اور اس میں دو رکعت نماز ادا فرماتے۔ اور ایک صحیح روایت میں وارد ہے کَانَ یَاْتِیْہِ کُلَّ سَبْتٍ آپ ہر ہفتہ کو اس مسجد میں تشریف لاتے تھے۔

اور یہ بھی مستحب ہے کہ بئر اریس پر حاضر ہو اور اس سے پانی پیے جس کے متعلق مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس پر تشریف لائے اور اس میں لعاب دہن ڈالا۔ یہ کنواں مسجد قبا کے قریب ہے۔

مسئلہ ۱۳: مدینہ میں تمام مشاھد اور قابل زیارت مقامات میں حاضر ہو کر ان کی زیارت سے آنکھوں کو مشرف کرنا امور مستحبہ میں سے ہے۔ اور وہ تقریباً تیس ۳۰ مقامات ہیں جن کو اہل مدینہ اچھی طرح جانتے ہیں۔ لہٰذا جہاں تک ممکن ہو تمام کی یا اکثر کی زیارت کرے اور ان سات کنوؤں پر بھی حاضری مستحب ہے جہاں سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پانی پیئے اور وضو و غسل فرماتے تھے۔

مسئلہ ۱۴: عوام کی جہالت اور بدعت یہ ہے کہ وہ صیحانی کھجوریں ریاض الجنۃ میں کھانا موجب تقرب سمجھتے ہیں۔ اور اپنے بال کٹوا کر قندیل کبیر میں پھینک دیتے ہیں۔ یہ انتہائی قبیح حرکت اور امر منکر ہے۔

مسئلہ ۱۵: امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اہل مدینہ کے لیے مسجد شریف میں ہر بار داخل ہونے اور اس سے نکلنے پر روضہ اقدس اور مزار اقدس کے پاس کھڑا ہونا مکروہ ہے۔ اور فرماتے ہیں کہ یہ امر غرباء اور مسافروں کے لیے درست ہے۔ ہاں البتہ اہل مدینہ کا کوئی فرد سفر سے واپس آئے یا سفر پر جانے لگے تو اس کے لیے بارگاہِ نبوی کی حاضری اور زیارت۔ سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے درود و سلام اور وہاں کھڑے ہو کر اپنے لیے دعا مانگنے میں کوئی حرج نہیں ہے اور علیٰ ہذا القیاس شیخین رضی اللہ عنہما کی زیارت اور ان کے لیے سلام میں بھی حرج نہیں ہے۔

علامہ باجی فرماتے ہیں کہ امام مالک نے اہل مدینہ اور مسافروں کے درمیان فرق کیا ہے کیونکہ مسافر و غرباء دور دراز سے اسی مقصد کے لیے حاضر ہوتے ہیں اور اہل مدینہ وہیں مقیم ہیں۔ اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

اَللّٰھُمَّ لَا تَجْعَلْ قَبْرِیْ وَثَنًا یُّعْبَدُ۔

اے اللہ میری قبر کو ایسا بت نہ بنا دینا جس کی عبادت کی جائے۔

امام ابن حجر نے مناسک کے حاشیہ پر فرمایا قولہ کرہ مالک۔ یعنی امام مالک نے اہل مدینہ کے لیے ہر بار مسجد نبوی میں حاضر ہونے یا رخصت ہونے پر روضہ اقدس پر وقوف کو مکروہ قرار دیا ہے تو علامہ سبکی اس کی وجہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ان کا یہ فرمان سد ذرائع والے قاعدہ پر مبنی ہے کیونکہ ہو سکتا ہے کہ وہاں زیادہ دفعہ قیام و وقوف موجب ملال بن جائے (اور جو شخص بارگاہ نبوی میں قیام سے ملال محسوس کرے گا اس کا انجام برا ہو گا۔ اسی لیے آنحضرت نے حضرت ابوہریرہ کو فرمایا تھا یا اباھریرۃ زرنی غِبًّا تَزْدَدْ حُبًّا۔ اے ابوہریرہ کبھی کبھی میری زیارت کیا کرو۔ تمہارے اندر محبت زیادہ ہو جائے گی) اور یہ صرف امام مالک علیہ الرحمۃ کا مسلک ہے جب کہ باقی تینوں مذاہب میں بکثرت حاضری امور مستحبہ میں سے ہے کیونکہ خیر کی کثرت خیر ہی ہوتی ہے۔ انتھت عبارۃ السبکی۔

علامہ ابن حجر امام سبکی کی تحقیق نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ امام نودی کے اذکار کی عبارت بھی اس کی تائید کرتی ہے۔ وہ فرماتے ہیں۔

یُسَنُّ الْاِکْثَارُ مِنْ زِیَارَۃِ الْقُبُوْرِ وَاِکْثَارُ الْوُقُوْفِ عِنْدَ قُبُوْرِ اَھْلِ الْخَیْرِ وَالصَّلَاحِ۔

قبور کی بکثرت زیارت کرنا مسنون ہے اور علی الخصوص اہل خیر اور صلحاء کی قبور کے پاس زیادہ دیر اور بار بار وقوف کرنا مسنون ہے۔ انتھت عبارۃ حاشیہ ابن حجر۔

مسئلہ ۱۶: زائر مدینہ کے لیے مستحب یہ ہے کہ وہ قیامِ مدینہ کے دوران اپنے دل میں اس شہر مقدس

کی جلالتِ شان کا لحاظ رکھے اور ہر وقت اس امر کو ذہن نشین رکھے کہ یہ وہ مقدس شہر ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے نبی الانبیاء فخر عرب و عجم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت اور ان کی وطنیت اور آخری آرام گاہ کے لیے منتخب فرمایا ہے اور اسی طرح محبوب کریم علیہ السلام کا اس میں بار بار آنا جانا اور اس کے مختلف مقامات پر پیدل چلنا ملحوظ خاطر رکھے۔

مسئلہ ۱۷: ۔ مدینہ منورہ میں قیام و سکونت مستحب ہے لیکن وہ انہیں شرائط کے ساتھ مشروط ہے جو مکہ مکرمہ کی سکونت کے لیے ذکر کی گئی ہیں یعنی مذہب مختار یہ ہے کہ اس میں اقامت مستحب ہے مگر جب گمان غالب یہ ہو کہ اس سے محذور و ممنوع اور سرزد ہوں تو پھر اقامت سے گریز کرے۔ صحیح مسلم میں حضرت عبداللہ بن عمر اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہم سے مروی ہے کہ نبی کریم علیہ السلام نے فرمایا:۔

مَنْ صَبَرَ علی لاواءِ الْمَدِیْنَۃِ وَشِدَّتِہَا کُنْتُ لَہٗ شَہِیْدًا اَوْ شَفِیْعًا یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ۔

جو شخص مدینہ منورہ کے شدائد اور تکالیف پر صبر سے کام لے گا اور اس میں سکونت کو ترک نہیں کرے گا میں بروز قیامت اس کے لیے شہید و گواہ ہوں گا۔ یا فرمایا شفیع اور سفارشی ہوں گا۔

مسئلہ ۱۸: ۔ مستحب یہ ہے کہ جس قدر زیادہ روزے رکھ سکے روزے رکھے اور جہاں تک ممکن ہو مدینہ منورہ کے باشندوں اور محبوب خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے پڑوسیوں پر صدقات و خیرات کرے کیونکہ یہ امر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ برّ و احسان میں داخل ہے۔ اور آپ کی رضا مندی و خوشنودی کا موجب ہے۔

مسئلہ ۱۹: ۔ مدینہ منورہ کی تراب اقدس یا پتھروں سے بنی ہوئی اشیاء مثلاً لوٹے۔ گلاس اور پیالے اور گوے وغیرہ ہمراہ لے جانا مناسب نہیں ہے جیسے کہ حرم مکہ کے آداب زیارت میں اس کی بحث گزر چکی ہے۔

مسئلہ ۲۰: ۔ حرم مدینہ کا شکار۔ اس کے درختوں کا کاٹنا محرم اور غیر محرم سب کے لیے حرام ہے جیسے کہ حرم مکہ کے احکام میں اس کی توضیح کی جا چکی ہے اور حرم مدینہ کی حدود عیر اور احد کا درمیانی حصہ ہے

(بخاری و مسلم)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ لَوْ رَءَیْتُ الظِّبَاءَ بِالْمَدِیْنَۃِ تَرْتَعُ مَا ذَعَرْتُہَا اگر میں مدینہ منورہ میں ہرنیوں کو چرتے ہوئے دیکھوں تو میں ان کو پریشان نہیں کروں گا۔ کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے مَا بَیْنَ لَابَتَیْہَا حَرَامٌ ۔ مدینہ منورہ کے دو سنگستانوں اور پتھریلے علاقوں کا درمیانی حصہ حرم ہے۔ گویا دو طرف کی حدود عیر اور احد پہاڑ ہیں اور دو طرف کی حدود سیاہ پتھروں والی زمین۔

مسئلہ ۲۱: ۔ جب مدینہ منورہ سے رخصت ہونے کا ارادہ کرے اور گھر یا کسی اور علاقہ کی طرف جانے کا تو مستحب یہ ہے کہ مسجد شریف میں دو رکعت نماز ادا کر کے مسجد شریف کو الوداع کہے اور جو دعائیں پسند ہوں جناب باری تعالیٰ میں عرض کرے اور پھر بارگاہ رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہو اور جو کلماتِ سلام اور

دعوات کے ابتداء زیارت میں ذکر کیے گئے ہیں انہیں کا اعادہ و تکرار کرے اور اللہ تعالیٰ سے عرض کرے۔

اَللّٰہُمَّ لَا تَجْعَلْ ہٰذَا آخِرَ الْعَہْدِ بِحَرَمِ رَسُوْلِکَ وَیَسِّرْ لِیْ الْعَوْدَ اِلَی الْحَرَمَیْنِ سَبِیْلًا سَہْلَۃً وَارْزُقْنِیْ الْعَفْوَ وَالْعَافِیَۃَ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ وَرُدَّنَا سَالِمِیْنَ غَانِمِیْنَ۔

اے اللہ ہماری اس حاضری کو حرم رسول علیہ السلام کی آخری حاضری نہ بنا اور میرے لیے حرمین طیبین میں دوبارہ حاضری کے لیے راستہ کی دشواریوں کو دور فرما اور بسہولت حاضری کی توفیق مرحمت فرما۔ اور مجھے دنیا و آخرت میں عفو و عافیت نصیب فرما۔ اور ہمیں بسلامت واپسی نصیب فرما۔ دراں حالیکہ ہم ثواب جمیل اور اجر جزیل کی غنیمتوں سے بہرہ ور ہونے والے ہوں۔ اور واپسی پر سیدھے منہ چلے اور الٹے پاؤں نہ چلے۔

مسجد نبوی سے متعلق چند اہم امور

مسئلہ ۲۲: ۔ مسجد نبوی کا وہ احاطہ جو سرور دو عالم علیہ السلام کے زمان سعادت نشان میں تھا۔ احادیث میں مروی فضائل صرف اسی کے لیے ہیں۔

حضرت خارجہ بن زید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے جس وقت مسجد شریف کی بنیاد رکھی تھی۔ اس وقت مسجد شریف کی لمبائی ستر ہاتھ تھی۔ بعد ازاں اس میں وقتاً فوقتاً اضافہ ہوتا رہا لہٰذا زائر کے لیے موزوں یہی ہے کہ اس جگہ نماز پڑھنے کا اہتمام اور التزام کرے جو سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمان سعادت نشان میں مسجد نبوی میں داخل تھی۔ کیونکہ حدیث نبوی صَلٰوۃٌ فِیْ مَسْجِدِیْ ہٰذَا اَفْضَلُ مِنْ اَلْفِ صَلٰوۃٍ فِیْمَا سِوَاہُ مِنَ الْمَسَاجِدِ میں مسجد شریف میں پڑھی ہوئی ایک نماز کو جو دیگر مساجد میں پڑھی ہوئی ہزار نماز پر فضیلت ہے تو وہ اسی حصہ کے لحاظ سے ہے جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ اقدس میں تھی لیکن اگر با جماعت نماز ادا کرے تو پھر پہلی صف میں کھڑا ہونا بہتر ہے۔ بعد ازاں دوسری صف میں خواہ صف میں شمولیت کے لیے ایسی جگہ ہی کیوں نہ کھڑا ہونا پڑے جس کا مسجد شریف میں اضافہ بعد میں کیا گیا ہو۔ انتہیٰ کلام الامام النووی[1]

[1] امام نووی کے اس قول کا دار و مدار ھذا کے استعارہ سے تعین شخصی مراد لینے پر ہے جبکہ جمہور علماء نے اس کو تعین وصفی کے معنی میں لیا ہے یعنی جس پر بھی مسجد نبوی صادق آئے خواہ اس میں جتنی بھی توسیع کر دی جائے لہٰذا ان کے نزدیک مسجد نبوی کے کسی حصہ میں نماز ادا کر لینا اسی اجر و ثواب کا موجب ہے البتہ اس حصہ کی فضیلت میں کلام نہیں ہو سکتا جو سرور کونین علیہ السلام کے زمان سعادت نشان میں تھی اور آپ کے اقدام و اعضاء مبارکہ سے مشرف ہوئی اور وہ صرف مسجد کے ساتھ خاص نہیں بلکہ کعبہ مبارکہ کے جس حصہ میں آپ نے نماز ادا فرمائی وہ بھی دوسرے حصوں سے افضل و اعلیٰ ہے۔ مزید تفصیل کے لیے عمدۃ القاری اور فتح الباری وغیرہ ملاحظہ فرمائیں اور بعض حضرات نے تصریح فرمائی ہے کہ امام نووی نے اس قول سے رجوع فرما لیا تھا۔ واللہ اعلم۔ (محمد اشرف)

تنبیہ :- امام نووی نے اس مقام پر چند تاریخی اور لغوی فوائد بیان کیے تھے جن کا ذکر کرنا لازم وضروری نہیں تھا لہٰذا ہم نے ان کو ازراہ اختصار حذف کر دیا ہے۔

زیارت خلیل علیہ السلام اور بیت المقدس کی زیارت کا حکم

حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کی زیارت مستقل عبادت ہے اس کو حج بیت اللہ اور زیارت نبوی کے ساتھ لازم یا ملزوم اور شرط یا مشروط ہونے کے لحاظ سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ لہٰذا وہ حدیث جو کہ عوام روایت کرتے ہیں جس نے میری اور میرے باپ ابراہیم علیہ السلام کی ایک ہی سال میں زیارت کی میں اس کے لیے جنت کا ضامن ہوں۔ باطل محض ہے اور مرفوع۔ علی ہذا القیاس بیت المقدس کی زیارت مستحب ہے لیکن وہ بھی حج سے متعلق نہیں ہے۔ لہٰذا بعض عوام کا یہ اعتقاد باطل محض ہے کہ حج کی تکمیل و تتمیم بیت المقدس کی زیارت پر موقوف ہے۔

علامہ امام کمال الدین بن الہمام الحنفی المتوفی ۸۶۱ھ کا زیارت کی اہمیت اور آداب سے متعلق کلام

علامہ موصوف فتح القدیر میں کتاب الحج کے آخر میں اس موضوع پر بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

المقصود الثالث فی زیارۃ قبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔ ہمارے مشائخ کرام فرماتے ہیں کہ روضہ اطہر کی زیارت افضل مندوبات و مستحبات سے ہے اور مناسک فارسی و شرح المختار میں ہے کہ زیارت روضۂ اقدس صاحب وسعت کے لیے واجبات کے حکم میں ہے۔ دارقطنی اور بزار نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت نقل فرمائی۔ مَنْ زَارَ قَبْرِیْ وَجَبَتْ لَہٗ شَفَاعَتِیْ۔ جس نے میری قبر کی زیارت کی اس کے لیے میری شفاعت واجب ہو گئی۔

دارقطنی نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل فرمایا۔

مَنْ جَآءَنِیْ زَائِرًا لَا تَعْمَلُہٗ حَاجَۃٌ اِلَّا زِیَارَتِیْ کَانَ حَقًّا عَلَیَّ اَنْ اَکُوْنَ لَہٗ شَفِیْعًا یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ۔

جو میری زیارت کے لیے حاضر ہوا اور سوائے میری زیارت کے دوسری کوئی حاجت اس کو اس عمل پر برانگیختہ کرنے والی نہ ہو تو مجھ پر واجب و لازم ہے کہ میں قیامت کے دن اس کا شفیع بنوں۔

اور دارقطنی نے حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم روایت فرمائی ہے۔

مَنْ حَجَّ وَزَارَ قَبْرِیْ بَعْدَ مَوْتِیْ کَانَ کَمَنْ زَارَنِیْ فِیْ حَیَاتِیْ

جس نے حج کیا اور میری وفات کے بعد میری زیارت کی تو وہ اس شخص کی مانند ہوگا جس نے میری زندگی میں

میری زیارت کی۔

حج و زیارت میں ترتیب کا بیان

اگر حج فرض ادا کرنا ہے تو پھر افضل یہ ہے کہ ابتداء حج کے ساتھ کرے اور بعد ازاں زیارت رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے مشرف ہو۔ اور اگر نفلی حج ہے تو اختیار ہے جس کو پہلے ادا کرے اور جب قبر انور کی زیارت کا ارادہ کرے تو اس کے ساتھ مسجد رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کا بھی ارادہ و قصد کرے کیونکہ وہ ان تین مساجد سے ہے جن کی طرف سواریوں کو چلایا جا سکتا ہے۔ حدیث شریف میں ہے۔

لَا تُشَدُّ الرِّحَالُ اِلَّا لِثَلَاثَۃٍ: مَسَاجِدَ اَلْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَمَسْجِدِیْ ھٰذَا وَالْمَسْجِدِ الْاَقْصٰی۔

صرف تین مساجد کے لیے سواریوں پر پالان رکھے جائیں۔ مسجد حرام، مسجد نبوی اور مسجد اقصیٰ۔

زائر کے لیے بہتر یہ ہے کہ فقط روضہ اطہر کی زیارت کے ارادہ سے آغاز سفر کرے

جب زیارت روضۂ اقدس کی طرف متوجہ ہو تو بکثرت درود وسلام پڑھے اور جب تک اس راہ شوق پر گامزن رہے زبان اسی ذکر سے رطب اور تر و تازہ رہے۔ اس عبد ضعیف کے نزدیک بہتر یہ ہے کہ صرف بارگاہ نبوی کی حاضری کی نیت کرے جب مدینہ منورہ میں حاضر ہو جائے تو پھر مسجد نبوی کی زیارت کی نیت کرے۔ یا اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے اس فضیلت و کرامت کا مطالبہ کرے کہ دوبارہ اسے ہر سعادت نصیب ہو لہٰذا دوبارہ حاضری کے وقت زیارت نبوی اور زیارت مسجد دونوں کی اکٹھی نیت کرے۔ کیونکہ صرف زیارت نبوی کے ارادہ میں بارگاہ نبوت کا اجلال و اعظام زیادہ ہے اور حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ظاہری معنی و مفہوم کے مطابق و موافق بھی یہی ہے یعنی لا تعملہ حاجۃ الا زیارتی کا مقتضیٰ ظاہری یہی ہے کہ زائر فقط نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے سعادت مند ہونے کی نیت کرے۔

جب مدینہ منورہ میں پہنچے تو اندر داخل ہونے سے پہلے غسل کرے یا وضوء اور غسل کرنا زیادہ اولیٰ اور بہتر ہے۔ صاف ستھرے کپڑے استعمال کرے اور بہتر یہ ہے کہ نئے ہوں۔ اور بعض لوگوں کا یہ طریقہ کہ مدینہ منورہ کے قریب اتر پڑتے ہیں اور پھر پیدل چل کر داخل ہوتے ہیں بہت ہی عمدہ اور پسندیدہ ہے اور علیٰ ہذا القیاس ہر وہ فعل جس کو ادب و اجلال نبوی میں کوئی دخل ہوگا وہ اسی تناسب سے افضل و احسن ہوگا۔ جب مدینہ منورہ میں داخل ہو تو اس طرح کہے۔

بِسْمِ اللّٰہِ وَرَبِّ اَدْخِلْنِیْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّ اَخْرِجْنِیْ مُخْرَجَ صِدْقٍ وَّاجْعَلْ لِّیْ مِنْ لَّدُنْکَ

سُلْطَانًا نَّصِيْرًا۔ اَللّٰهُمَّ افْتَحْ لِيْ اَبْوَابَ رَحْمَتِكَ وَارْزُقْنِيْ مِنْ زِيَارَةِ رَسُوْلِكَ مَا رَزَقْتَ اَوْلِيَآءَكَ وَاَهْلَ طَاعَتِكَ وَاغْفِرْ لِيْ وَارْحَمْنِيْ يَا خَيْرَ مَسْئُوْلٍ

اللہ تعالیٰ کے نام کی برکت سے۔ اے میرے پروردگار مجھے مقام صدق وصفا میں داخل فرما اور مجھے صدق وصفا کے مقام کی طرف نکلنے کی توفیق عطا فرما اور مجھے اپنے پاس سے حجت قاہرہ عطا فرما جو میری معاون و مددگار ثابت ہو۔ میرے لیے رحمت کے دروازے کھول دے اور مجھے اسی طرح زیارت رسول علیہ السلام کا شرف بخش جس طرح تونے اولیاء کرام اور اہل طاعت کو بخشا ہے اور میرے لیے مغفرت وبخشش فرما۔ اور مجھے رحمت سے مشرف فرما۔ اے اللہ تیری ہی جناب سوال ودعا کا بہترین مقام ہے۔

اور چاہیے کہ زائر دوران زیارت اور حاضری مدینہ مجسم تواضع اور خضوع وخشوع بنا ہوا ہو۔ اور حرمت حرم نبوی کی عظمت وجلالت کو مدنظر رکھنے والا ہو اور کسی وقت بھی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود وسلام بھیجنے میں سستی اور کاہلی کا مظاہرہ نہ کرے۔ اور ہر وقت اس حقیقت کو مدنظر رکھنے والا ہو کہ یہ وہ شہر ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کریم علیہ السلام کے لیے منتخب فرمایا ہے۔ اسی کو ان کا دار ہجرت بنایا اور مہبط وحی وقرآن اور اسی کو ایمان واسلام اور احکام شرعیہ کے لیے سرچشمہ ومنبع بنایا۔

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا ارشاد ہے۔ كُلُّ الْبِلَادِ افْتُتِحَتْ بِالسَّيْفِ اِلَّا الْمَدِيْنَةَ فَاِنَّهَا افْتُتِحَتْ بِالْقُرْاٰنِ الْعَظِيْمِ۔ تمام شہر تلوار اور زور بازو سے فتح کیے گئے مگر مدینہ طیبہ قرآن مجید کے ساتھ فتح کیا گیا یعنی تعلیم وارشاد کے ساتھ۔ اور ہر وقت یہ امر ملحوظ خاطر رہے کہ جہاں اس کا قدم پڑ رہا ہے یہاں بسا اوقات محبوب خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے پائے ناز لگے ہوں گے۔

امام مالک اور ادب مدینہ

اسی لیے امام مالک مدینہ منورہ کے راستوں پر سوار ہو کر گزرنا پسند نہیں کرتے تھے اور کہتے تھے اَسْتَحْيِيْ مِنَ اللّٰهِ اَنْ اَطَاَ تُرْبَةً فِيْهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ بِحَافِرِ دَابَّةٍ۔ مجھے اللہ تعالیٰ سے حیا وشرم آتی ہے کہ میں اس زمین کو سواری کے سموں سے پامال کروں جس میں اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم محو استراحت ہیں۔

جب مسجد نبوی میں داخل ہو تو مساجد میں داخل ہوتے وقت جو امور مسنون ہوتے ہیں انہیں بجالائے یعنی دائیں پاؤں کو پہلے رکھے پھر بائیں کو اور کہے۔ اَللّٰهُمَّ اغفرلی ذنوبی وافتح لی ابواب رحمتك باب جبرئیل علیہ السلام سے داخل ہو یا دوسرے دروازوں سے، پہلے ریاض الجنۃ میں داخل ہو یہ قطعہ مبارکہ منبر شریف اور قبر انور کے درمیان ہے۔ اس میں تحیتہ المسجد ادا کرے۔ اور اس ستون کی طرف متوجہ ہو جس کے نیچے تابوت مصحف ہے، منبر شریف کا عمود دائیں کندھے

کے مقابل ہو اور وہ دائرہ جو مسجد کے قبلے میں ہے وہ اس کی آنکھوں کے درمیان ہو تو یہ ہے وہ مقام جہاں سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم قیام فرما ہوتے تھے بعد ازاں مسجد شریف میں تبدیلی پیدا ہو گئی اور بعض کتب مناسک میں یوں ہے کہ تحیت المسجد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے موقف اور محل قیام میں ادا کرے۔ علامہ کرمانی اور صاحب اختیار فرماتے ہیں کہ اللہ تعالےٰ کے اس احسان وانعام پر اللہ تعالیٰ کی جناب میں سجدۂ شکر بجالائے اور اس سے اس نعمت کے اتمام اور قبولیت کا سوال کرے۔

ایک روایت یہ ہے کہ سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے منبر شریف اور محبوب کریم علیہ السلام کے موقف کے درمیان جہاں آپ نماز ادا فرماتے تھے چودہ ہاتھ اور ایک بالشت کا فاصلہ ہے۔ اور منبر شریف اور قبر انور کے درمیان ترپن[۵۳] ہاتھ اور ایک بالشت کا فاصلہ ہے۔ پھر روضۂ اقدس پر حاضری دے اور قبلہ کی طرف پشت کرتے ہوئے قبر انور کی قبلہ والی دیوار کی طرف متوجہ ہو کر کھڑا ہو۔ اور جو ستون قبر انور کے سرہانے ہے اس سے چار ہاتھ کے قریب دائیں جانب ہٹ کر کھڑا ہو۔

روضۂ اقدس کی حاضری کے وقت قبلہ رو کھڑے ہونے کی روایت باطل ہے

ابو اللیث سے مروی یہ روایت کہ مزار پر انوار پر حاضری کے وقت قبلہ رو ہو کر کھڑا ہو مردود اور ناقابل اعتبار ہے کیونکہ امام الائمہ حضرت امام ابو حنیفہ نے اپنی مسند میں حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت فرماتی ہے۔ فرماتے ہیں۔ مِنَ السُّنَّةِ اَنْ تَاْتِيَ قَبْرَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ قِبَلِ الْقِبْلَةِ وَتَجْعَلُ ظَهْرَكَ اِلَى الْقِبْلَةِ وَتَسْتَقْبِلَ الْقَبْرَ بِوَجْهِكَ ثُمَّ تَقُوْلُ اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ۔

سنت یہ ہے کہ تو قبلہ کی جانب سے قبر انور کی حاضری دے۔ اور اپنی پیٹھ قبلہ کی طرف کرے۔ اور منہ مزار پر انوار کی طرف کر کے عرض کرے السلام علیک ایھا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

ہاں یہ توجیہ ہو سکتی ہے کہ اس انداز میں کھڑا ہو کہ ذرا سا منہ قبلہ کی طرف بھی ہو۔ کیونکہ سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم دائیں پہلو پر قبلہ رو آرام فرما ہیں۔ اور مطلقاً قبور کی زیارت کے متعلق فقہاء کرام کا یہی ارشاد ہے کہ زائر کے لیے اولیٰ اور بہتر یہ ہے کہ میت کے پاؤں کی جانب سے حاضر ہو، سر کی جانب سے حاضر نہ ہو کیونکہ اس صورت میں میت کو نگاہیں پھیر کر زائر کی طرف دیکھنا پڑتا ہے جو کہ اس کے لیے موجب تعب وتکلیف ہے۔ بخلاف پہلی صورت کے کیونکہ اس میں یہ کلفت لازم نہیں آتی بلکہ زائر میت کی نگاہوں کے سامنے ہوتا ہے کیونکہ میت جب دائیں پہلو پر لیٹی ہے تو اس کی نگاہیں اس کے پاؤں کی طرف ہوں گی۔ لہٰذا جو شخص بارگاہ نبوت میں قبر انور کی پائنتی کی طرف سے حاضر ہوگا تو قبلہ اس کی بائیں جانب ہو جائے گا۔ اور اگر چہرہ اقدس کے سامنے کھڑا ہو تو قبلہ بالکل پیٹھ کے پیچھے رہ جائے گا لیکن جب

بالکل قبلہ کی سمت میں نہ ہو بلکہ اکثر میلان سرور کونین علیہ السلام کی طرف ہو تو قبلہ بالکل پس پشت نہیں ہو گا بلکہ کچھ حصہ اس کے منہ کی سمت ہو گا اگرچہ اکثر حصہ پیٹھ کی جانب ہو گا الغرض اس صورت میں قبلہ کی طرف جہاں استدبار صادق آتا ہے تو اس کو کسی قدر استقبال سے بھی تعبیر کیا جا سکتا ہے۔ اور یہی صورت زیادہ موزوں ہے اور زائر کو اس طریقہ کے مطابق کھڑے ہونا چاہیے جو ہم نے ذکر کیا ہے نہ مکمل طور پر قبلہ کی طرف پشت ہو اور سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف مکمل استقبال کیونکہ اس طرح حبیب اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ اقدس زائر کے پہلو کی طرف ہو گی اور پاؤں کی سمت سے حاضری دے تو بالکل نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ اقدس اور نگاہ مبارک سامنے ہو گا لہذا یہی صورت اولیٰ و انسب ہے۔

پھر اس موقف میں کھڑے ہو کر عرض کرے۔

السلام علیک یا رسول اللہ۔ السلام علیک یا خیر خلق اللہ۔ السلام علیک یا خِیَرَۃَ اللہِ من جمیع خلقہ السلام علیک یا حبیب اللہ السلام علیک یا سید ولد آدم۔ السلام علیک ایھا النبی رحمۃ اللہ وبرکاتہ! اے رسول خدا! میں گواہی دیتا ہوں۔ لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ کی اور اس امر کی کہ آپ اللہ تعالیٰ کے عبد خاص اور رسول مکرم ہیں۔

اے رسول خدا! میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ نے احکام رسالت کی تبلیغ فرما دی۔ امانتِ خداوندی کو ادا کر دیا۔ امت کے ساتھ اخلاص اور ہمدردی کا حق ادا کر دیا۔ اور ان کی مشکلات کو دور فرما دیا۔ فجزاک اللہ لنا خیر الجزاء۔

اللہ تعالیٰ آپ کو ہماری طرف سے ان تمام جزاؤں سے بہتر اور برتر جزاء عطا فرمائے جو کسی بھی نبی کو اُن کی اُمت کی طرف سے جزاء عطا فرمائی ہے۔

اَللّٰھُمَّ اَعْطِ سَیِّدَنَا عَبْدَکَ وَرَسُوْلَکَ مُحَمَّدَانِ الْوَسِیْلَۃَ وَالْفَضِیْلَۃَ وَالدَّرَجَۃَ الْعَالِیَۃَ الرَّفِیْعَۃَ وَابْعَثْہُ الْمَقَامَ الْمَحْمُوْدَ الَّذِیْ وَعَدْتَّہٗ وَاَنْزِلْہُ الْمَنْزِلَ الْمُقَرَّبَ عِنْدَکَ اِنَّکَ سُبْحَانَکَ ذُوالْفَضْلِ الْعَظِیْمِ ؁

اے اللہ ہمارے سردار اور اپنے عبد خاص اور رسول مکرم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو مقام وسیلہ و فضیلت اور درجہ عالیہ و رفیعہ عطا فرما اور ان کو اس مقام محمود پر فائز فرما جس کا تو نے ان کو وعدہ دے رکھا ہے۔ اور انہیں اپنے ہاں انتہائی مقرب مقام پر فائز المرام فرما بے شک اے ذات سبحان تو فضل عظیم کا مالک ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ کی جانب میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا وسیلہ پیش کرتے ہوتے اپنی حاجت کا سوال کرے۔ اور سب سوالات و دعوات سے عظیم تر اور اہم ترین سوال و التجاء یہ ہے کہ اپنے حسن خاتمہ، اللہ تعالیٰ کی رضامندی اور مغفرت و بخشش کا سوال کرے۔ پھر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے شفاعت و سفارش کی التجاء کرے۔ اور عرض کرے۔

یَا رَسُوْلَ اللہِ اَسْاَلُکَ الشَّفَاعَۃَ یَا رَسُوْلَ اللہِ اَسْئَلُکَ الشَّفَاعَۃَ وَاَتَوَسَّلُ بِکَ اِلَی اللہِ فِیْ اَنْ اَمُوْتَ مُسْلِمًا عَلٰی مِلَّتِکَ وَسُنَّتِکَ۔

یا رسول اللہ میں آپ سے شفاعت کا سوال کرتا ہوں۔ یا رسول اللہ میں آپ سے شفاعت کا سوال کرتا ہوں اور آپ کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی جناب میں توسل کرتے ہوئے یہ التجاء کرتا ہوں کہ میری وفات حالت اسلام پر ہو اور آپ کی ملت و سنّت پر۔

اور اس قسم کے الفاظ ذکر کرے جو حبیب کبریاء علیہ التحیۃ والثناء سے رفق و رحمت اور نگاہِ لطف و کرم کی طلب پر دلالت کرتے ہوں اور ایسے الفاظ سے اجتناب کرے جو آپ کی جنابِ ارفع و اعلیٰ میں ناز اور افتخارِ قرب پر دلالت کرتے ہوں کیونکہ یہ سوء ادب ہے۔

مزار اقدس پر صلی اللہ علیک یا محمد پڑھنے کا اجر و ثواب

ابن ابی فدیک سے مروی ہے کہ مجھے جن حضرات کا شرف ملاقات نصیب ہوا اُن میں سے بعض کو فرماتے ہوئے سنا کہ جو شخص آپ کے مزار اقدس پر حاضری دے۔ اور یہ آیۃ کریمہ تلاوت کرے۔

اِنَّ اللہَ وَمَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا۔ ستر مرتبہ کہے صلی اللہ علیک وسلم یا محمد تو اس کو فرشتہ پکار کر کہے گا وعلیک یا فلاں۔ تجھ پر بھی اس طرح صلوٰۃ ہو اے فلاں۔ اور اس کی جملہ حاجات پوری کر دی جائیں گی۔

بعد ازاں جس شخص نے اسے بارگاہ نبوی میں سلام پیش کرنے کی وصیت کی ہو اس کا سلام پیش کرے۔ اور عرض کرے یا رسول اللہ آپ پر فلاں بن فلاں کی طرف سے سلام ہو اور یا اس طرح عرض کرے یا رسول اللہ فلاں بن فلاں آپ پر سلام بھیجتا ہے۔ حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہ کے متعلق مروی ہے کہ وہ شام سے مدینہ منورہ آدمی بھیجتے جو ان کی طرف سے بارگاہ رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم میں سلام پیش کرتا۔ اور جو لوگ حاضر بارگاہ ہو رہے ہوتے انہیں بھی سلام پیش کرنے کی وصیت فرمایا کرتے تھے۔ اور اگر وقت کے دامن میں اتنی وسعت نہ ہو کہ جو کچھ ہم نے ذکر کیا ہے وہ بتمامہ عرض کر سکے تو اس میں بقدر الامکان اختصار سے کام لے اور بعض اسلاف سے اس ضمن میں بہت ہی اختصار مروی و منقول ہے۔

شیخین رضی اللہ عنہما کی خدمت میں سلام عرض کرنے کی صورت

پھر ایک ہاتھ کے قریب دائیں جانب ہٹ جائے اگر ممکن ہو تو، اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خدمت میں سلام پیش کرے کیونکہ ان کا سر مبارک نبی کریم علیہ السلام کے کندھے کے برابر ہے۔ لہذا اس قدر دائیں جانب ہٹنے سے اس کی توجہ حضرت صدیق کے چہرہ اقدس کی طرف ہو جائے گی اور عرض کرے۔

السلام علیک یا خلیفۃ رسول اللہ و ثانیہ فی الغار ابا بکرِ الصدیق جزاک اللہ عن امۃ محمد صلی اللہ علیہ وسلم خیراً۔ اے

خلیفہ رسول اے ابوبکر صدیق اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے غار والے ساتھی تم پر سلام ہو اللہ تعالےٰ تمہیں امت محمد علیہ السلام کی طرف سے بہتر جزاء عطا فرمائے۔

پھر ایک ہاتھ کے قریب دائیں جانب ہٹ کر کھڑا ہو اور حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی خدمت میں ہدیہ سلام پیش کرے۔ کیونکہ ان کا سر مبارک بھی حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے کندھے کے برابر ہے جیسے کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا سر اقدس سرور دو عالم کے مقدس کندھے کے برابر ہے۔ اور عرض کرے۔

السلام علیک یا امیر المومنین عمر الفاروق اَلَّذِیْ اَعَزَّ اللّٰہُ بِہٖ الْاِسْلَامَ جَزَاکَ اللّٰہُ عَنْ اُمَّۃِ مُحَمَّدٍ صلی اللہ علیہ وسلم خَیْرًا۔

اے امیر المومنین عمر فاروق جن کی بدولت اللہ تعالیٰ نے اسلام کو عزت و غلبہ عطا فرمایا آپ پر سلام ہو۔ اللہ تعالےٰ آپ کو امت مصطفوی کی طرف سے بہتر جزاء اور خدمات اسلام کا عظیم اجر اور صلہ عطا فرمائے ع

بعد ازاں رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے چہرۂ اقدس کے سامنے آ کر کھڑا ہو اور اللہ تعالےٰ کی حمد و ثنا بجا لائے اور نبی کریم علیہ السلام کی بارگاہ اقدس میں ہدیہ صلوات و تسلیمات پیش کرے۔ اور اپنے لیے دعا و شفاعت طلب کرے اور اپنے والدین اور دیگر دوست و احباب کے لیے۔ اور اپنی دعا کو صلوٰۃ و سلام اور آمین پر ختم کرے۔ ایک قول یہ ہے کہ دوبارہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مواجہہ شریف میں کھڑا ہونا صحابہ اکرام اور تابعین سے منقول نہیں ہے۔

قبور مبارکہ کی کیفیت ترتیب اور زمین سے بلندی اور کیفیت شکل و صورت کا بیان

ابوداؤد نے اپنی سند کے ساتھ حضرت قاسم بن محمد رضی اللہ عنہ سے نقل فرمایا کہ فرماتے ہیں میں ام المومنین حضرت صدیقہ رضی

ف ع: زائر کے لیے مقربان بارگاہ خداوندی کے چہروں کے سامنے کھڑے ہو کر سلام پیش کرنے کا حکم دینا اور علی الخصوص سرور کونین علیہ السلام سے شفاعت کا سوال کرنے کا ارشاد اس امر کی بین دلیل ہے کہ ان علماء اعلام کے نزدیک سرور کونین علیہ السلام اور شیخین رضی اللہ عنہما اپنی قبور میں زندہ ہیں اور سلام کلام کو سنتے ہیں اور یہی تمام اہل اسلام کا مذہب ہے۔

نیز شیخین کے مزارات کی ترتیب اس امر کی دلیل ہے کہ وہ بعد از وصال اپنی قبروں کا نبی کریم علیہ السلام کی قبر انور کے برابر ہونا بھی پسند نہیں فرماتے تھے اور نہ ہی صحابہ کرام علیہم الرضوان نے اس امر کو پسند فرمایا تو اس سے ان مقدس ہستیوں کا ادب و احترام ظاہر و واضح ہے۔ اور یہ بھی واضح ہے کہ جو حضرات محبوب کریم علیہ السلام کی قبر کے برابر کسی کی قبر کو خلاف ادب سمجھتے ہیں ان کا حالتِ حیاتِ ظاہرہ میں ادب و احترام کا نشان کیا ہو گا؟ اے اللہ اپنے ان مقربین کا صدقہ ہمیں بھی ادب مصطفوی کی دولت سے مالامال فرما آمین۔ محمد اشرف

کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا میرے لیے حبیب کریم علیہ السلام کے مزار مقدس اور شیخین رضی اللہ عنہما کے مزارات سے پردہ و حجاب ہٹائیں۔ چنانچہ انہوں نے تین قبور مقدسہ سے حجاب و پردہ ہٹایا جو نہ زیادہ بلند تھیں اور نہ بالکل زمین کے ساتھ پیوست اور ان پر سرخ سنگریزے ڈالے ہوئے تھے اس روایت کو حاکم نے بھی روایت کیا ہے اور اس میں اتنا اضافہ کیا ہے۔ فَرَاَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ مُقَدَّمًا وَاَبَا بَکْرٍ رَاْسُہٗ بَیْنَ کَتِفَیْ رَسُوْلِ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم وَعُمَرَ رَاْسُہٗ عِنْدَ رِجْلِ النَّبِیِّ صلی اللہ علیہ وسلم صححہ الحاکم۔ تو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سب سے مقدم جانب قبلہ میں دیکھا اور بعد ازاں ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو جن کا سر اقدس سرور کونین علیہ السلام کے مبارک کندھوں کے برابر تھا اور عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ ان کا سر ناز حبیب کریم علیہ السلام کے پائے ناز کے قریب تھا۔ اس روایت کو حاکم نے صحیح قرار دیا ہے۔

جب روضہ اقدس کی زیارت سے فارغ ہو جائے تو ریاض الجنۃ میں حاضری دے اور بکثرت نماز ادا کرے بشرطیکہ وقت مکروہ نہ ہو اور دعا مانگنے میں مبالغہ سے کام لے کیونکہ صحیحین میں روایت موجود ہے۔ مَا بَیْنَ بَیْتِیْ وَمِنْبَرِیْ رَوْضَۃٌ مِّنْ رِّیَاضِ الْجَنَّۃِ۔ میرے گھر اور میرے منبر کے درمیان جنت کے باغات سے ایک باغیچہ ہے۔ اور ایک روایت میں قبری و منبری کے لفظ ہیں یعنی میری قبر اور منبر کے درمیان جنتی قطعہ ہے۔ (ف)

محبوب خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے منبر شریف کے پاس کھڑا ہو کر دعا مانگے کیونکہ حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں وارد ہے۔ قَوَاعِدُ مِنْبَرِیْ رَوَاتِبُ فِی الْجَنَّۃِ۔ میرے منبر کے پائے جنت میں گڑے ہوتے ہیں۔ اور یہ بھی مروی ہے مِنْبَرِیْ عَلٰی تُرْعَۃٍ مِّنْ تُرَعِ الْجَنَّۃِ میرا منبر جنت کے ٹیلوں میں سے ایک ٹیلہ پر ہے۔

اسلاف اس امر کو مستحب سمجھتے تھے کہ زائر منبر شریف کے پہلو پر انار کی مانند گول اٹھے ہوئے حصہ پر بطور تبرک ہاتھ رکھے جس پر حبیب خدا صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ دیتے وقت ہاتھ مبارک رکھتے تھے۔ اور منبر شریف کا دوسرا حصہ تو بالکل مستور و محجوب ہے البتہ اس جگہ ایک طاق سا ہے جس سے لوگ اپنے ہاتھ اندر داخل کر کے منبر شریف کے اس حصہ کو مس کرتے ہیں اور برکات و فیوض حاصل کرتے ہیں۔ اور کہا جاتا ہے کہ وہ حصہ اسی منبر شریف کے بقایاجات سے ہے۔

مدینہ منورہ کے قیام کے دوران یہ کوشش کرے کہ مسجد نبوی میں نماز ادا کرنے کی سعادت سے محروم نہ رہے کیونکہ

ف اور دونو روایات میں کوئی منافات نہیں ہے کیونکہ وہی گھر دنیوی حیات کے لحاظ سے بھی تھا اور وہی گھر اخروی محل استراحت بھی بن گیا ان روایات میں یہ اطلاع ہے کہ میرا مزار میرے اس گھر میں ہی ہو گا۔ نیز صرف حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ مبارک کو اپنا گھر قرار دیا ہے حالانکہ سبھی ازواج مطہرات کے حجرات مبارکہ آپ کے ہی گھر تھے تو اس کی وجہ واللہ ورسولہ اعلم یہی معلوم ہوتی ہے کہ باقی گھر تھے فقط حیات دنیویہ ظاہرہ کے لحاظ سے اور یہ گھر وہ ہے جس میں بعد از وصال تا قیام قیامت سکونت رہے گی۔ نیز اس میں حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کی دیگر ازواج مطہرات پر برتری اور فوقیت کا اظہار بھی ہے (هذا محمد اشرف)

صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ مسجد نبوی میں ادا کی ہوئی ایک نماز دیگر مساجد میں ادا کی ہوئی ہزار نماز کے برابر ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ یہ فضیلت صرف فرائض میں ہے اور دوسرا قول یہ ہے کہ نوافل میں بھی یہی فضیلت ہے (اور یہی مختار ہے اور صحیح ترین قول بھی یہی ہے۔

زیارت قبور الاولیاء والصالحین

مستحب یہ ہے کہ ہر روز بقیع الغرقد میں حاضر ہو اور جو قبور اس میں موجود ہیں ان کی زیارت کرے علی الخصوص جمعہ کے دن بعد صبح سویرے جائے تاکہ اس کے لیے نماز ظہر باجماعت مسجد نبوی میں ادا کرنا ممکن ہو۔ محبوبِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم جنت البقیع میں تشریف لے جاتے۔ اور آپ نے ام قیس بنت محصن کا ہاتھ مبارک پکڑا جنت البقیع میں مل کر گئے اور انہیں فرمایا ان قبور کو دیکھتی ہو۔ فرماتی ہیں میں نے عرض کیا ہاں یا رسول اللہ۔ آپ نے فرمایا۔ يُبْعَثُ مِنْهَا سَبْعُوْنَ اَلْفًا عَلٰى صُوْرَةِ الْقَمَرِ لَيْلَةَ الْبَدْرِ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ بِغَيْرِ حِسَابٍ یہاں سے بروز قیامت ستر ہزار ایسے اشخاص اٹھائے جائیں گے جن کے چہرے نورانیت اور تابانی کے لحاظ سے چودھویں کے چاند کی مانند ہوں گے اور بلا حساب وکتاب جنت میں داخل ہوں گے۔

جب بقیع الغرقد میں پہنچے تو کہے۔ اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ دَارَ قَوْمٍ مُؤْمِنِيْنَ وَاِنَّا اِنْ شَآءَ اللّٰهُ بِكُمْ لَاحِقُوْنَ - اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِاَهْلِ بَقِيْعِ الْغَرْقَدِ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لَنَا وَلَهُمْ۔ سلام ہو تم پر اے قوم مومنین۔ اور ہم بھی ان شاء اللہ تمہارے ساتھ لاحق ہونے والے ہیں۔ اے اللہ اہل بقیع غرقد کے لیے مغفرت فرما۔ اے اللہ ہمیں بھی بخش اور ان کے لیے بھی مغفرت و بخشش فرما۔

بقیع شریف میں مشہور مقابر کی زیارت کرے مثلاً حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی قبر انور اور حضرت عباس بن عبد المطلب کا مزار مقدس جو مشہور قبہ میں ہے جس میں دو قبریں ہیں غربی قبر حضرت عباس کی ہے اور شرقی حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما کی ہے۔ نیز امام زین العابدین رضی اللہ عنہ۔ امام محمد باقر رضی اللہ عنہ۔ اور امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کی قبور مبارکہ کی زیارت کرے جو کہ ایک ہی مقبرہ میں ہیں۔ اور بقیع شریف کے دروازہ سے نکلتے وقت بائیں ہاتھ جو قبر ہے وہ محبوبِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی حضرت صفیہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا کا مزار ہے اور اس قبر میں حضرت علی المرتضےٰ رضی اللہ عنہ کی والدہ ماجدہ حضرت فاطمہ بنت اسد رضی اللہ عنہا کا مزار شریف ہے۔ اور بقیع شریف میں حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کی مسجد میں نماز ادا کرے جو بیت الاحزان کے نام سے معروف ومشہور ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ ان کا مزار مبارک بھی اسی میں ہے اور دوسرا قول یہ ہے کہ ریاض الجنۃ میں امام کے مصلی کے سامنے جو صندوق ہے اس میں ہے۔ مگر بعض علمائے اس قول کو بعید از واقعیت قرار دیا ہے۔ اور تیسرا قول یہ ہے کہ آپ کا مزار مبارک آپ کے مکان میں

ہی ہے۔ اور اس پر لکڑی کا محراب اور طاق سا ہے اور اس کے ارد گرد لکڑی کا جنگلہ سا ہے۔ جو کہ سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے حجرہ مبارکہ کے پیچھے ہے۔ اور زیادہ ظاہر یہی قول ہے۔ اور بقیع شریف میں ایک قبر ہے جس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ اس میں حضرت عقیل بن ابو طالب رضی اللہ عنہ اور ان کے بھتیجے حضرت عبد اللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ کے مزارات ہیں اور یہ بھی منقول ہے کہ حضرت عقیل کا مزار ان کے گھر کی چار دیواری میں ہی ہے۔ اور بقیع شریف میں ایک چھوٹی سی چار دیواری ہے جو پتھروں سے تیار کی ہوئی ہے اس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ اس میں ازواج مطہرات رضی اللہ عنہم کے مزارات مبارکہ ہیں۔ اور نبی الانبیاء علیہ وعلیہم السلام کے فرزند ارجمند حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کا مزار مبارک بھی بقیع شریف میں حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کے پہلو میں ہے۔ اور انہیں کے پہلو میں ہی حضرت عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ مدفون ہیں۔ حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ وہ پہلے شخص ہیں جو بقیع شریف میں ہجرت کے تیس ماہ بعد مدفون ہوئے۔

جمعرات کے روز سویرے سویرے اُحد کی طرف جائے تاکہ ظہر کی نماز باجماعت مسجد نبوی میں ادا کر سکے۔ وہاں پر شہداء احد کے مزارات کی زیارت کرے۔ اور ابتداء زیارت حضرت سید الشہداء حمزہ رضی اللہ عنہ کے مزار کے ساتھ کرے۔ اور احد پہاڑ کی بھی زیارت کرے۔ کیونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے صحیح حدیث میں مروی ہے کہ آپ نے فرمایا اُحُدٌ جَبَلٌ يُحِبُّنَا وَنُحِبُّهٗ - ف احد پہاڑ ہم سے محبت رکھتا ہے۔ اور ہم اس سے محبت رکھتے ہیں (بخاری شریف) اور ابن ماجہ کی ایک روایت میں ہے: اِنَّهٗ عَلٰى تُرْعَةٍ مِنْ تُرَعِ الْجَنَّةِ وَاِنَّ عَيْرًا عَلٰى تُرْعَةٍ مِنْ تُرَعِ النَّارِ - جبل احد جنت کے ٹیلوں میں سے ایک ٹیلہ پر ہے اور عیر پہاڑ جہنم کے ٹیلوں میں سے ایک ٹیلہ پر ہے۔

حیات شہداء اور ان کی طرف سے جواب سلام

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا گذر حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کے مزار مبارک پر ہوا تو آپ نے فرمایا۔

اَشْهَدُ اَنَّكُمْ اَحْيَآءٌ عِنْدَ اللّٰهِ فَزُوْرُوْهُمْ وَسَلِّمُوْا عَلَيْهِمْ فَوَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ لَا يُسَلِّمُ عَلَيْهِمْ

ف احد پہاڑ کا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرنا امور غیبیہ سے ہے لہذا اس کا جاننا اعلام نبوت سے ہے اور دلیل علم غیب نیز اس سے جمادات میں علم وادراک اور شعور وفہم ثابت ہو گیا حالانکہ ان کے ساتھ ارواح انسانیہ کا تعلق نہیں ہے تو اجساد انسانیہ خواہ مٹی کے ساتھ مٹی بھی ہو جائیں مگر ان کے ساتھ ارواح کا تعلق ثابت ہے تو ان کے لیے بطریق اولی علم وادراک اور فہم وشعور ثابت ہو جائے گا فافہم ؛

محمد اشرف سیالوی غفرلہ

اَحَدٌ اِلَّا رَدَّدُ وا عَلَيْهِ السَّلَامَ اِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ -

میں گواہی دیتا ہوں کہ تم اللہ تعالے کے ہاں زندہ ہو اے میری امت ان کی زیارت کرو - انہیں سلام دو مجھے اس ذات اقدس کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے قیامت تک جو شخص بھی ان کو سلام دے گا شہداء اس کے سلام کا جواب دیتے رہیں گے -

مسجد قباء کی زیارت

مستحب یہ ہے کہ سنیچر کے دن مسجد قباء کی زیارت کرے جس طرح کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم اس کی زیارت کے لیے تشریف لے جاتے تھے کبھی پیدل اور کبھی سوار ہو کر (بخاری ومسلم) یہ پہلی مسجد ہے جو مدینہ منورہ میں تعمیر کی گئی - اس میں پہلا پتھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے رکھا اور دوسرا حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے تیسرا پتھر حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے اور چوتھا حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ نے رکھا - جہاں اس کی زیارت کی نیت کرے وہاں اس میں نماز ادا کرنے کی نیت بھی کرے - کیونکہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے صحیح حدیث میں مروی ہے کہ اس میں ایک نماز ادا کرنا عمرہ کے برابر ہے - اِنَّ الصَّلٰوةَ فِيْهِ كَعُمْرَةٍ اور قباء کے علاقہ میں جو کنواں بئر اریس کے نام سے موسوم ہے اس پر حاضر ہو اس کنوئیں میں نبی کریم علیہ السلام نے لعاب دہن ڈالا تھا اور اسی میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی انگوٹھی گری تھی جو کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں تھی - الغرض اس کنوئیں کے پانی سے وضو کرے - اور اس کا پانی پیئے - اور مسجد فتح کی بھی زیارت کرے - یہ مسجد جبل سلع کے غربی جانب ایک چٹان پر ہے - اس میں نماز پڑھے اور دعا مانگے - حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما نے روایت فرمائی ہے کہ غزوۂ احزاب کے موقعہ پر اس جگہ تین دن تک آنحضرت علیہ السلام نے لشکر کفار اور اس میں شامل قبائل کے خلاف دعا فرمائی تو بدھ کے روز نماز ظہر و عصر کے درمیان آپ کی دعا مقبول ہوئی - اس مقام پر جو مساجد ہیں ان میں سے ایک مسجد بنی ظفر ہے جس میں وہ پتھر ہے جس پر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرماتے تھے -

جو عورت مسجد بنی ظفر والے پتھر پر حصول اولاد کے ارادہ سے بیٹھے لامحالہ واصل مراد ہوگی

کہا جاتا ہے کہ جب بھی کوئی عورت اس پتھر پر اس نیت سے بیٹھے کہ اسے اولاد حاصل ہو تو بفضلہ تعالے اُس کو اولاد نصیب ہوگی - اور کہا جاتا ہے کہ مدینہ منورہ میں تیس مساجد ہیں اور مقامات فاضلہ متبرکہ جن کو اہل مدینہ جانتے ہیں - ان کنوؤں پر بھی حاضری دے جن سے نبی کریم علیہ السلام وضو، فرماتے تھے اور جن کا پانی پیتے تھے اور وہ کل سات کنوئیں ہیں جن میں سے ایک بئر بضاعہ بھی ہے واللہ اعلم -

فصل - جب اپنے اہل کی طرف رجوع کا ارادہ کرے تو مستحب یہ ہے کہ مسجد نبوی میں نماز ادا کر کے اس کو الوداع کہے - اور اس کے بعد جو دعا پسند کرے مانگے پھر روضہ اقدس پر حاضری دے - سلام نیاز اور نذرانۂ شوق پیش کرے - اور اپنے لیے اپنے والدین اور بھائیوں، بچوں اور اہل وعیال کے لیے اور مال واسباب کے لیے جو دعا پسند ہو مانگے - اور اللہ تعالیٰ سے التجاء کرے کہ اللہ تعالیٰ اس کو سلامتی وعافیت کے ساتھ اور ثواب جمیل واجر جزیل کے غنائم کے ساتھ بلیات دنیا وآخرت سے امن وسلامتی کے ساتھ اہل وعیال تک پہنچائے اور عرض کرے غَيْرَ مُوَدِّعٍ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ - مجھے نگاہ التفات اور نظر کرم سے محروم نہ رکھنا اور میری یہ حاضری آخری حاضری نہ ہو - اور اللہ تعالے سے دعا کرے کہ اسے اپنے حرم پاک اور حرم رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بعافیت دوبارہ حاضری نصیب فرمائے - اور ریاض الجنت میں نمازوں کے بعد اور روضہ اقدس پر حاضر ہو کر بکثرت یہ دعائیں کرے - اور آنکھوں سے آنسو بہانے کی کوشش کرے کیونکہ ان کا بہنا قبولیت کی علامت ہے - اور وسعت وطاقت کے مطابق سرور کونین سید الثقلین صلی اللہ علیہ وسلم کے پڑوسیوں اور ان کے زیر سایہ بسنے والوں پر صدقہ کرے - پھر روتے ہوئے اور بارگاہ نبوی سے جدائی اور فراق پر سراپا حسرت وحرمان بنکر واپس ہو -

امام ومحدث شیخ حسن عدوی مصری مالکی متوفی ۱۳۰۳ھ کا آداب زیارت کے متعلق کلام صداقت نشان

شیخ حسن موصوف نے اپنی کتاب مشارق الانوار میں فرمایا کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی قبر انور کی زیارت عظیم ترین قربات وعبادات سے ہے مقبول ترین طاعات سے ہے اور اعلیٰ درجات تک وصول کا عظیم ذریعہ ہے - جو شخص بھی اس سعادت سے بہرہ ور ہونے کا قصد وارادہ کرے تو اس کے ساتھ ہی مسجد نبوی میں نماز پڑھنے اور اس کی زیارت کا ارادہ بھی کرے کہ وہ ان تین مساجد سے ہے جن کے لیے دور ودراز کی مسافتیں قطع کر کے زیارت کرنا اعظم مندوبات ومستحبات سے ہے - اور امام مالک رحمہ اللہ تعالے کے نزدیک مسجد نبوی دیگر دونوں مساجد سے افضل ہے -

جو شخص بارادہ زیارت گھر سے نکلے اس کے لیے مناسب یہی ہے کہ دوران سفر بکثرت صلوٰۃ وسلام نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس پر بھیجے - اور جب زائر کی نظر مدینہ منورہ کے علامات ونشانات پر پڑے جن سے اس کو معلوم ہو جائے کہ یہ شہر نبوی ہے - تو صلوٰۃ وسلام کی مزید تکرار کرے - اور اللہ تعالے سے التجا کرے کہ اسے اس زیارت کے ساتھ نفع مند کرے اور اس کے طفیل اسے دارین میں سعادت مند کرے - مدینہ طیبہ میں داخل ہونے سے پہلے غسل کرے - صاف ستھرے کپڑے استعمال کرے اور پیدل چلتا ہوا آنسو بہاتا ہوا محبوب خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ بیکس پناہ کی طرف روانہ ہو -

جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ اقدس میں وفد عبد القیس حاضر ہوا نبی کریم علیہ السلام پر جونہی نظر پڑی تو

اونٹوں کو بٹھائے بغیر ہی ان سے چھلانگیں لگا دیں۔ اور بعجلت تمام بارگاہ خیر الانام علیہ السلام میں حاضر ہوگئے مگر سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی یہ کیفیت اضطراب وشوق دیکھ کر ان پر انکار نہیں فرمایا۔

زیارت روضۂ اطہر سے قبل دو رکعت تحیۃ المسجد ریاض الجنۃ میں یا جہاں بھی موقع ملے ادا کر لینا مستحب ہے بشرطیکہ اس کا گذر مواجھہ شریف کی طرف سے نہ ہو ورنہ پہلے زیارت کرنا مستحب ہے۔ اور بعض علماء نے مطلقاً پہلے زیارت کرنے کی رخصت دی ہے۔ اور امام ابن الحاج صاحب مدخل فرماتے ہیں کہ ہر دو صورت میں رخصت ہے پہلے تحیۃ المسجد ادا کرے یا بارگاہ نبوی کی زیارت کرے۔

بوقتِ سلام آواز درمیانہ بلند ہو

زائر کے لیے انسب و اولیٰ یہ ہے کہ جس قدر خضوع وخشوع ممکن ہو اس کا اظہار کرے اور سلام پیش کرتے وقت درمیانی آواز ہو نہ بالکل بلند اور نہ ہی بالکل آہستہ۔ بخاری شریف میں ہے کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے طائف کے دو آدمیوں کو فرمایا جو مسجد نبوی میں بلند آواز کے ساتھ باہم گفتگو کر رہے تھے لَوْ كُنْتُمَا مِنْ اَهْلِ الْبَلَدِ لَاَوْجَعْتُكُمَا ضَرْبًا تَرْفَعَانِ اَصْوَاتَكُمَا فِيْ مَسْجِدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم۔ اگر تم شہر مدینہ کے باشندے ہوتے تو میں تمہیں سزا دیتا تم مسجد رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں اپنی آوازوں کو بلند کر رہے ہو۔

زائر کے لیے صحیح موقف کا تعین اور کیفیت قیام کا بیان

بارگاہ نبوت میں حاضری دینے والے کے لیے اولیٰ و انسب یہ ہے کہ وہ محبوب خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے مواجھہ شریف کی طرف سے حاضری دے۔ اور اگر شیخین رضی اللہ عنہما کے پاؤں والی سمت سے حاضر ہو تو بھی درست ہے اور زیادہ ادب و احترام پر مشتمل ہے بہ نسبت سر اقدس کی جانب سے حاضر ہونے کے، قبلہ کی طرف پشت کئے ہوئے اور سرور کونین علیہ السلام کے چہرہ انور کی طرف منہ کئے ہوئے کھڑا ہو یعنی دیوار قبلہ میں نصب سنگ رخام میں گڑی ہوئی۔ میخ کی طرف متوجہ ہو۔ علامہ زرقانی فرماتے ہیں اب یہ میخ ہٹا دی گئی ہے اور اس کی جگہ پیتل کی جالی نصب کر دی گئی ہے لہٰذا اس کی طرف منہ کر کے کھڑا ہو۔

امام مالک سے مروی ہے کہ جب ان سے خلیفہ ابو جعفر منصور عباسی نے سوال کیا، اے ابو عبد اللہ کیا میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منہ کر کے دعا کروں یا قبلہ رو ہو کر کھڑا ہو جاؤں اور دعا کروں تو آپ نے فرمایا۔

لِمَ تَصْرِفُ وَجْهَكَ عَنْهُ وَهُوَ وَسِيْلَتُكَ وَوَسِيْلَةُ اَبِيْكَ آدَمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ اِلَى اللّٰهِ عزوجل يَوْمَ الْقِيَامَةِ

آپ اپنا چہرہ اور منہ اس ذات اقدس سے کیوں موڑتے ہیں حالانکہ وہ آپ کے لیے اور آپ کے باپ

حضرت آدم علیہ السلام کے لیے بروز قیامت اللہ تعالیٰ کی بارگاہ بے نیاز میں وسیلہ ہیں۔

زائر کے لیے موزوں ترین صورت قیام کی یہ ہے کہ مزار پر انوار کے سرہانے سے چار ہاتھ دائیں جانب ہٹ کر کھڑا ہو۔ اور کمال ادب و نیاز۔ عجز و انکسار اور انتہائی خضوع وخشوع کا اظہار کرے۔ آنکھیں بند ہوں اور نیچی جیسے حالت حیات ظاہرہ میں حاضر ہوتا تو اس پر ہیبت و اجلال والی حاجت طاری ہوتی اسی حالت میں اب بھی اس بارگاہ عرش آستاں پر کھڑا ہو۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے متعلق دانا و بینا اور اپنے سلام و کلام کا شنوا سمجھے

وہاں قیام کے دوران نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے وقوف و قیام سے آگاہ سمجھے۔ اور اپنے سلام و کلام کا شنوا و سامع سمجھے جیسے کہ حالت حیات میں حاضر بارگاہ ہونے کا یہی عقیدہ و نظریہ رکھتا تھا وصال شریف کے بعد بھی یہی عقیدہ رکھے۔

حبیب کبریا علیہ التحیۃ والثناء تمام امت کے احوال سے حالت حیات و ممات میں باخبر ہیں

اِذْ لَا فَرْقَ بَيْنَ مَوْتِهٖ وَحَيَاتِهٖ صلی اللہ علیہ وسلم فِيْ مُشَاهَدَتِهٖ لِاُمَّتِهٖ وَمَعْرِفَتِهٖ بِاَحْوَالِهِمْ وَنِيَّاتِهِمْ وَعَزَائِمِهِمْ وَخَوَاطِرِهِمْ وَذَالِكَ عِنْدَهٗ جَلِيٌّ لَا خِفَاءَ بِهٖ۔

کیونکہ رسول کریم علیہ السلام کے لیے امت کے مشاہدہ اور ان کے احوال، نیات اور عزائم و خواطر کی معرفت کے اعتبار سے موت و حیات میں کوئی فرق نہیں ہے بلکہ دونوں حالتیں برابر ہیں۔ اور یہ سب امور آپ پر واضح و روشن ہیں ان میں آپ پر کسی قسم کا خفاء نہیں ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم امت کو اعمال وصور کے لحاظ سے پہچانتے ہیں

حضرت عبد اللہ بن مبارک رضی اللہ عنہ نے حضرت سعید بن المسیب سے نقل فرمایا ہے۔

لَيْسَ مِنْ يَوْمٍ اِلَّا وَيُعْرَضُ عَلَى النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم اَعْمَالُ اُمَّتِهٖ غُدْوَةً وَعَشِيَّةً فَيَعْرِفُهُمْ بِسِيْمَاهُمْ وَاَعْمَالِهِمْ فَلِذَالِكَ يَشْهَدُ عَلَيْهِمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔

کوئی دن ایسا نہیں جس میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں امت کے اعمال صبح و مساء

پیش نہ ہوتے ہوں لہٰذا آپ ان کو اعمال کے ساتھ بھی اور چہروں مہروں کے لحاظ سے بھی جانتے ہیں اسی لیے قیامت کے دن ان کے حق میں صفائی کی گواہی دیں گے (اور جب تک کسی شخص کے اعمال اور اس کی ذات کی معرفت نہ ہو اس کی صفائی بیان نہیں کی جاسکتی۔)

زائر نبی کریم علیہ السلام کے چہرہ انور کا تصور کرے۔ اور اپنے دل میں ان کے جلال مرتبت، علو منزلت اور عظمت حرمت کا استحضار کرے۔ اور اس امر پر نظر رکھے کہ اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم ان کی خداداد عظمت کو مدِنظر رکھتے ہوئے اس طرح آپ سے گفتگو کرتے تھے جیسے کہ سرگوشی کرنے والے رازدارانہ لہجہ میں گفتگو کر رہے ہوں۔ پھر حضورِ قلب کے ساتھ نگاہ اور آواز کو پست رکھتے ہوئے اور سراپا سکون و قرار بن کر عرض کرے۔

السلام علیک یا رسول اللہ۔ السلام علیک یا نبی اللہ۔ السلام علیک یا حبیب اللہ۔ السلام علیک یا خیرۃ اللہ، السلام علیک یا صفوۃ اللہ۔ السلام علیک یا سید المرسلین وخاتم النبیین۔ السلام علیک یا قائد الْغُرِّ الْمُحَجَّلِیْنَ، السلام علیک وعلیٰ اہل بیتک الطیبین الطاہرین۔ السلام علیک وعلیٰ ازواجک الطاہرات امہات المومنین۔ السلام علیک وعلیٰ اصحابک اجمعین۔ السلام علیک وعلیٰ سائر الانبیاء وسائر عباد اللہ الصالحین۔

اللہ تعالیٰ سے آپ کو ان تمام جزاؤں سے افضل و اکمل ترین جزاء عطا فرمائے جو کسی بھی نبی و رسول کو ان کی امت کی طرف سے عطا فرمائی ہیں۔

وَصَلَّى اللّٰهُ عَلَيْكَ كُلَّمَا ذَكَرَكَ الذَّاكِرُوْنَ وَغَفَلَ عَنْ ذِكْرِكَ الْغَافِلُوْنَ۔

اللہ رب العزت آپ پر درود و صلوات بھیجے ہر بار کہ آپ کا ذکر کرنیوالے آپ کا ذکر کریں۔ اور جتنی بار آپ کے ذکر سے غفلت برتنے والے غفلت کا شکار ہوں۔

اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّكَ عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ وَاَمِيْنُهٗ وَخِيَرَتُهٗ مِنْ خَلْقِهٖ۔

میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ نے احکام رسالت کو ادا کر دیا۔ امانت خداوندی کو کما حقہ مستحق حضرات کے حوالے کر دیا۔ امت کے ساتھ خلوص و ہمدردوں کا حق ادا کر دیا۔ اور اللہ تعالےٰ کی راہ میں جہاد کرنے کا جیسے حق تھا ویسے ہی جہاد کیا۔

اور جس کے دامن وقت میں وسعت نہ ہو وہ بقدر الامکان صلوٰۃ و سلام پر اکتفاء کرے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ آپ جب بھی کسی سفر سے واپس تشریف لاتے تو مسجد شریف میں داخل ہوتے۔ دو رکعت تحیۃ المسجد ادا کرتے پھر قبر مقدس پر حاضر ہوتے اور عرض کرتے۔ السلام علیک یا رسول اللہ۔ السلام علیک یا ابا بکر، السلام علیک یا ابتاہ۔ اور مناسب یہی ہے کہ دعا میں سجع بندی کے تکلف سے گریز کرے۔

حضور بارگاہِ نبوی کے فوائد و برکات کا بیان

حضرت حسن بصری سے مروی ہے فرماتے ہیں حاتم اصم بارگاہ نبی کریم علیہ السلام میں حاضر ہوئے۔ اور عرض کیا۔

یَارَبِّ اِنَّا زُرْنَا قَبْرَ نَبِيِّكَ فَلَا تَرُدَّنَا خَائِبِيْنَ فَنُوْدِيَ يَا هٰذَا مَا اَذِنَّا لَكَ فِيْ زِيَارَةِ قَبْرِ حَبِيْبِنَا اِلَّا وَقَدْ قَبِلْنَاكَ فَارْجِعْ اَنْتَ وَمَنْ مَعَكَ مِنَ الزُّوَّارِ مَغْفُوْرًا لَّكُمْ۔

اے اللہ ہم نے تیرے نبی کریم علیہ السلام کی قبر انور کی زیارت کی ہے لہٰذا ہم کو خائب و خاسر اور ناکام تمنا واپس نہ فرما تو ان کو آواز آئی اے حاتم ہم نے تجھے اپنے حبیب کے مزار اقدس کی زیارت کا اذن ہی اس وقت دیا جب ہم نے تجھ کو قبول کر لیا تھا لہٰذا تم اور تمہارے سب ساتھی مغفرت و بخشش کا مژدہ لے کر اپنے گھروں کو واپس ہو جاؤ۔

فرماتے ہیں ہمیں یہ روایت پہنچی ہے کہ جو شخص محبوبِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے مزار پر انوار پر کھڑا ہو کر اس آیۃ مبارکہ کی تلاوت کرے۔

اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا۔

اور پھر ان الفاظ میں ستر مرتبہ درودِ پاک پڑھے۔ صلی اللہ علیک یا محمد تو اس کو فرشتہ پکار کر کہے گا اے فلاں تجھ پر بھی اللہ تعالےٰ کی طرف سے صلوٰۃ و رحمت ہو۔ اور اس کے جملہ حاجات پورے کر دیئے جائیں گے۔

شیخ زین الدین مراغی اور دیگر اکابر علماء فرماتے ہیں اگرچہ روایت میں یا محمد کا لفظ ہے مگر اولیٰ و انسب یہ ہے کہ اس جگہ یا رسول اللہ کہے۔ اگر کسی نے اس کو بارگاہِ رسالت پناہ میں سلام پیش کرنے کی وصیت کی ہو تو سلام پیش کرے۔ اور یوں عرض کرے السلام علیک یا رسول اللہ من فلاں۔ فلاں شخص کی طرف سے یا رسول اللہ آپ پر سلام ہو۔

پھر ایک ہاتھ کے قریب دائیں جانب ہٹ کر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خدمت میں سلام پیش کرے کیونکہ ان کا سر اقدس نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے کندھے مبارک کے برابر ہے۔ اور یوں سلام عرض کرے۔ اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا خَلِيْفَةَ سَيِّدِ الْمُرْسَلِيْنَ اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا مَنْ اَيَّدَ اللّٰهُ بِهٖ يَوْمَ الرِّدَّةِ الدِّيْنَ۔ جَزَاكَ اللّٰهُ عَنِ الْاِسْلَامِ وَالْمُسْلِمِيْنَ خَيْرًا اَللّٰهُمَّ ارْضَ عَنْهُ وَارْضَ عَنَّا بِهٖ سلام ہو آپ پر اے سید المرسلین کے خلیفہ۔ سلام ہو آپ پر اے وہ ذات والا جن کے طفیل اللہ تعالےٰ نے ارتداد کے موقعہ پر دین کو تائید و تقویت بخشی آپ کو اللہ تعالیٰ اسلام اور اہل اسلام کی طرف سے جزاء خیر عطا فرمائے۔ اے اللہ ان سے راضی ہو اور ان کے طفیل ہم سے راضی ہو۔

پھر دائیں جانب ایک ہاتھ کی مقدار ہٹ کر حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کو سلام پیش کرے۔ اور اس طرح عرض کرے۔

اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ یَا اَمِیْرَ الْمُؤْمِنِیْنَ ۔ اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ یَا مَنْ اَیَّدَ اللّٰهُ بِهِ الدِّیْنَ جَزَاكَ اللّٰهُ عَنِ الْاِسْلَامِ وَالْمُسْلِمِیْنَ خَیْرًا اَللّٰهُمَّ ارْضَ عَنْهُ وَارْضَ عَنَّا بِهٖ ۔

پھر اپنی پہلی جگہ پر واپس آجائے یعنی نبی الانبیاء سرور ہر دوسرا صلی اللہ علیہ وسلم کے مواجہہ شریف میں ۔ اور اللہ تعالےٰ کی حمد وثناء بجالائے ۔ اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود وسلام پیش کرے ۔ اور بکثرت دعا وزاری کرے ۔ اور آپ کی بارگاہ میں تجدید توبہ کرے ۔ اور ان کے جاہ ومرتبت کا واسطہ دے کر اللہ تعالےٰ سے سوال کرے کہ اس کی توبہ کو خالص توبہ اور انابت بنائے ۔ اور آپ کی بارگاہ اقدس میں حاضری کے وقت بہت زیادہ تعداد میں درود وسلام بھیجے کیونکہ آپ اس کا درود وسلام خود سنتے ہیں اور جواب سے بھی مشرف فرماتے ہیں ۔

نبی کریم علیہ السلامؑ کا سلام زائرین سننا اور انہیں جواب دینا

شفاء قاضی عیاض میں حضرت سلیمان بن سحیم سے مروی ہے کہ میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا تو عرض کیا یارسول اللہ هٰؤُلَاءِ الَّذِیْنَ یَاْتُوْنَكَ فَیُسَلِّمُوْنَ عَلَیْكَ اَتَفْقَهُ سَلَامَهُمْ؟ قَالَ نَعَمْ وَاَرُدُّ عَلَیْهِمْ ۔ یہ لوگ جو آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں اور سلام پیش کرتے ہیں کیا آپ ان کے سلام کو سنتے ہیں ؟ آپ نے فرمایا ہاں اور میں ان کو جواب بھی دیتا ہوں ۔

قاضی عیاض فرماتے ہیں اس میں شک وشبہ کی گنجائش نہیں ہے کہ حیات انبیاء علیہم السلام ثابت ہے اور وہ قطعاً وحتماً معلوم ہے اور امت کے درمیان مشہور ومعروف ۔ اور ہمارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان سب سے افضل ہیں لہٰذا آپ کی حیات طیبہ ان سب سے اکمل واتم ہوگی (لہٰذا ظاہری حیات طیبہ میں تو آپ ہر سلام دینے والے کے سلام کا جواب دیتے تھے تو لامحالہ اب بھی آپ از رہ لطف وکرم ہر زائر کے سلام کا جواب دیتے ہیں) ف

ف اقول ۔ آنحضور شافع یوم النشور صلی اللہ علیہ وسلم کے سلام سننے کی دلیل صرف سلیمان بن سحیم کا خواب نہیں ہے بلکہ ابوداؤد شریف کی صحیح حدیث میں آپ کا ہر سلام دینے والے کے سلام کو سننا اور اس کا جواب دینا ثابت ہے ۔
مَامِنْ مُسْلِمٍ یُسَلِّمُ عَلَیَّ اِلَّا رَدَّ اللّٰهُ عَلَیَّ رُوْحِیْ حَتّٰی اَرُدَّ عَلَیْهِ السَّلَامَ جو مسلمان مجھ پر درود بھیجتا ہے اللہ تعالےٰ میری روح کو میری طرف لوٹاتا ہے اور میں اس کے سلام کا جواب دیتا ہوں ۔ اور یہ بھی حدیث شریف میں وارد ہے ۔ مَنْ صَلّٰی عَلَیَّ عِنْدَ قَبْرِیْ سَمِعْتُهٗ وَمَنْ صَلّٰی عَلَیَّ غَائِبًا اُبْلِغْتُهٗ (مشکوٰۃ شریف صہ ۸۶) جو میرے مزار اقدس کے پاس درود بھیجتا ہے میں خود اس کو سنتا ہوں اور جو دور سے درود بھیجتا ہے وہ میری خدمت میں پیش کیا جاتا ہے ۔
نیز حدیث قدسی جو بخاری شریف جلد ثانی باب التواضع میں مروی ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ جو شخص مرتبہ محبوبیت پر فائز ہو

ابوسعید سمعانی نے حضرت علی رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے نقل فرمایا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دفن کرنے کے تین دن بعد ہمارے پاس ایک اعرابی آیا اس نے اپنے آپ کو محبوب خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے مزار اقدس پر بے ساختہ گرادیا اور مزار اقدس کی مٹی اپنے سر پر ڈال لی ۔ اور عرض کیا یارسول اللہ آپ نے ارشاد فرمایا اور ہم نے آپ کے ارشاد کو دل کے کانوں سے سنا اور جو کچھ آپ نے اللہ تعالےٰ سے حاصل کیا اور حفظ وضبط کیا ہم نے اسے آپ سے حاصل کیا اور محفوظ رکھا اور جو آیات بینات آپ پر نازل ہوئیں ان میں ایک آیۃ مبارکہ یہ بھی تھی ۔
وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِیْمًا ۔
اور میں نے بھی اپنی جان پر ظلم کیا ہے اور آپ کی جناب میں اس لیے حاضر ہوا ہوں کہ آپ میرے لیے استغفار کریں ۔ تو قبر اقدس سے ندا آئی کہ تمہاری مغفرت ہو چکی ہے اور بعد ازاں عتبی کا قصہ ذکر کیا (جو گذر چکا ہے)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت آپ کی خوشی کا موجب ہے اور قصۂ بلال رضی اللہ عنہ

اور اس امر میں شک وشبہ کی گنجائش نہیں ہے کہ امت کی زیارت سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خوشی ومسرت حاصل ہوتی ہے ۔ اور محبوب خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشی ومسرت زائر کے لیے افادۂ تام اور نفع عام کا موجب بنتی ہے ۔ اور زیارت سے حصولِ فرحت وانبساط کی دلیلِ صادق اور برہانِ ناطق وہ روایت ہے جو ابن عساکر نے سند جید کے ساتھ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے نقل فرمائی ہے ۔
فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال شریف کے بعد حضرت بلال بن رباح رضی اللہ عنہ شام کی طرف منتقل ہو گئے تھے اور بیت المقدس میں سکونت پذیر تھے ۔ خواب میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دیدار سے مشرف ہوئے آپ نے فرمایا ۔
مَا هٰذِهِ الْجَفْوَةُ یَا بِلَالُ اَمَا اٰنَ لَكَ اَنْ تَزُوْرَنِیْ ۔
اے بلال یہ کیسی جفا کاری ہے کیا وہ وقت ابھی قریب نہیں ہوا کہ تم میری زیارت کرو ؟ ۔ انہوں نے رات کاٹی مگر انتہائی حزن وملال اور خوف واندیشہ کی حالت میں ۔ صبح ہوتے ہی سواری پر سوار ہو کر مدینہ طیبہ کی راہ لی ۔ جب قبرِ انور پر پہنچے تو رونے لگے اور اپنا چہرہ اس خاک پاک پر ملنے لگے ۔ حضرت حسن وحسین رضی اللہ عنہما تشریف لائے تو ان کو اپنے سینہ سے لگانے لگے

جاتا ہے اللہ تعالےٰ اس کے کان ہوتا ہے جن سے سنتا ہے اور اللہ تعالیٰ اس کی آنکھیں ہوتا ہے جن سے وہ دیکھتا ہے ۔ كُنْتُ سَمْعَهُ الَّذِیْ یَسْمَعُ بِهٖ وَبَصَرَهُ الَّذِیْ یُبْصِرُ بِهٖ اور جس کی آنکھیں اور کان اللہ تعالیٰ ہو وہ دور ونزدیک سے برابر سنے گا اور دیکھے گا ۔ نیز یہ ثمرات مقام محبوبیت کے ہیں اور بعد از وصال بھی محبوبِ خدا محبوب ہی رہتا ہے لہٰذا وہ اس طرح قریب وبعید سے سن سکتا ہے اور دیکھ سکتا ہے اور جن کی اتباع کے طفیل اولیاء اللہ کو یہ مقام حاصل ہوگا اس محبوب ازلی کا مقام کیا ہوگا ؟ فافہم محمد اشرف غفرلہ

اور بوسے دینے لگے ان حضرات نے فرمائش کی کہ ہم تمہاری وہ اذان سننا چاہتے ہیں جو تم رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ظاہری حیات طیبہ میں مسجد نبوی کے اندر دیا کرتے تھے۔ حضرت بلال حسب الارشاد مسجد کی چھت پر چڑھے اور اس مقام پر کھڑے ہوئے جہاں پہلے اذان کے لیے کھڑے ہوا کرتے تھے۔ جونہی اللہ اکبر کہا تو گویا مدینہ طیبہ میں ہلچل مچ گئی جب اشہدان لاالہ الا اللہ کہا تو اس کیفیت میں اور زیادہ اضافہ ہوگیا۔ جب اشہدان محمدارسول اللہ کہا۔ تو کنواری پردہ دار عورتیں بھی اپنے پردوں سے باہر آگئیں اور کہنے لگیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم مزار اقدس سے باہر آگئے ہیں۔ تو ہم نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال شریف کے بعد اس دن سے بڑھ کر کسی دن میں اہل مدینہ کے مردوں اور عورتوں کو روتے نہیں دیکھا۔

ہماری اس گذارش سے آپ کو معلوم ہوگیا ہوگا کہ زیارت روضہ اطہر حبیب مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ قرب و وصال کا موجب ہے لہٰذا زائر کے لیے اس سے بڑھ کر کون سی سعادت ہوسکتی ہے کہ محبوب خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال اور قرب نصیب ہو جائے۔ بعض عارفین کو بوقت زیارت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ باہم خطاب و کلام اور سوال و جواب کا موقعہ نصیب ہوا اور اس قبیل سے وہ واقعہ بھی ہے جو بعض عرفاء نے قطب رفاعی سے دورانِ زیارت روضۂ اطہر نقل کیا ہے۔ جب وہ روضہ انور پر حاضر ہوئے تو عرض کیا ؎

فِی حَالَۃِ الْبُعْدِ رُوْحِی کُنْتُ اُرْسِلُھَا۔ تُقَبِّلُ الْاَرْضَ عَنِّی فَھِیَ نَائِبَتِی

وَھٰذِہٖ دَوْلَۃُ الْاَشْبَاحِ قَدْ حَضَرَتْ۔ فَامْدُدْ یَمِیْنَکَ کَیْ تَحْظٰی بِھَا شَفَتِی

جب میں درِ دولت سے جسمانی لحاظ سے دور تھا تو اپنی روح کو بھیجا کرتا تھا جو میری نیابت کرتے ہوئے اس آستانِ عرش نشاں کی خاک بوسی کیا کرتی تھی۔ اب میرا جسم درِ دولت پر حاضر ہے اپنا دایاں ہاتھ بڑھائیں اور مزار اقدس سے باہر نکالیں تاکہ میرے ہونٹ ان کا بوسہ دے کر لطف اندوز ہوں۔

تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جالی مبارک سے اپنا دست کرم باہر نکال دیا اور حضرت قطب رفاعی نے اس کو بوسہ دے کر دل و روح کو تازگی بخشی۔

پیدل حاضری بارگاہ رسالت افضل ہے

اس بارگاہِ والا کی حاضری پیدل ہو یا حالت سواری میں ہر دو صورت میں درست ہے لیکن قدرت و استطاعت ہو تو پیدل چل کر حاضری دینا افضل و بہتر ہے۔ کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ مَنِ اغْبَرَّتْ قَدَمَاہُ فِی سَبِیْلِ اللّٰہِ غُفِرَلَہٗ جس کے قدم اللہ تعالےٰ کی راہ میں خاک آلود ہوئے اس کو بخش دیا جائے گا اور سبیل اللہ سے مراد مطلقاً اللہ تعالےٰ کی طاعت ہے جس طرح کہ فقہاء کرام نے عید اور جمعہ کے لیے سعی کو سعی فی سبیل اللہ کہا ہے۔ علاوہ ازیں عادۃً خاک آلودگی پاؤں کی پیدل چلنے میں ہی ہوتی ہے لہٰذا یہاں مجاز مرسل ہے اور مسبب بول کر اس سے سبب مراد لیا گیا ہے۔

ازالہ توہم: حج میں سوار ہوکر حاضری دینا افضل ہے (تو لامحالہ یہاں بھی سوار ہونا افضل ہوگا) تو اس کا جواب یہ ہے کہ حج میں سوار ہونے کی افضلیت فقط اس لیے ہے کہ محبوب کریم علیہ السلام نے سوار ہوکر حج فرمایا ورنہ پیدل چلنے کی فضیلت وہاں بھی زائد ہے کیونکہ روایات میں وارد ہے۔ اِنَّ الْمَلَائِکَۃَ تُصَافِحُ رِکَابَ الْاِبِلِ وَتُعَانِقُ الْمُشَاۃَ۔ اللہ تعالےٰ کے فرشتے اونٹوں پر سوار حجاج کے ساتھ مصافحہ کرتے ہیں اور پیدل چلنے والوں کے ساتھ معانقہ کرتے ہیں۔ واللہ یختص برحمتہ من یشآء واللہ ذوالفضل العظیم اللہ جس کو چاہتا ہے اپنی رحمت خاصہ کے ساتھ نوازتا ہے اور اللہ تعالےٰ فضل عظیم کا مالک ہے۔

انتہی کلام الشیخ الحسن العدوی صاحب مشارق الانوار

الغرض مذاہب اربعہ کے علماء اعلام کی ان عبارات سے واضح ہوگیا کہ محبوبِ کریم علیہ السلام کی زیارت کے لیے سفر اور اس زیارت کے لیے بقدر الامکان اہتمام تمام علماء و عوام کے نزدیک متفق علیہ ہے اور جو شخص بھی اپنے آپ کو مسلمان کہتا ہے وہ بہر حال اس کے جواز اور مشروعیت کا قائل ہے۔

لہٰذا تمہیں ان جمہور اہلِ اسلام کے مخالف شر ذمۂ قلیلہ کے فتووں سے مرعوب اور خوف زدہ نہیں ہونا چاہیے جنہوں نے اس مسئلہ میں اپنے دین و مذہب کی بنیاد خیالات واوہام پر رکھی ہے۔ اور ایسی بیہودہ اور لغو دلیلیں بلکہ شبہات ذکر کئے ہیں جن کے سننے سے کان متنفر ہیں۔ طبائع بیزار اور عقول و اذہان انکاری ہیں حتیٰ کہ بعض علماءِ اعلام نے ان کو اس اقدام کی وجہ سے کافر قرار دے دیا ہے اگرچہ معتمد علیہ قول یہی ہے کہ وہ ان اقوال واہیہ اور اوہام باطلہ کی وجہ سے اسلام سے خارج نہیں ہوتے بلکہ وہ فی الجملہ امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں داخل ہیں۔ غفراللہ لنا ولہم ورزقنا حسن الختام۔

اور کتنا ہی خوب ہے میرا وہ قول جو میں نے قصائد معشرات میں کہا ہے جن کو السابقات الجیاد فی مدح سید العباد صلی اللہ علیہ وسلم کے نام سے موسوم کیا ہے۔ اور اس قصیدہ کے ان اشعار کو میں نے قافیۃ الواو میں اس کتاب کے آٹھویں باب میں بھی نقل کیا ہے۔

۱- اَلَا لَیْتَ شِعْرِیْ وَھِیَ اَعْظَمُ مُنْیَۃٍ مَتٰی شُقَّۃُ الْبَیْدَاءِ مَا بَیْنَنَا تُطْوٰی۔

اے کاش میری سمجھ میں یہ بات آتی کہ منزل محبوب اور میرے درمیان حائل بیداء والی مسافت کب طے ہوگی اور یہی بہت بڑی آرزو ہے۔

۲- اَشُدُّ رِحَالِیْ کَیْ اَرَی الْبَدْرَ مُشْرِقًا۔ بِمَطْلَعِہٖ فِیْھَا وَمَا ضَرَّہُ الْعَوٰی۔

میں اپنی سواریوں پر پالان باندھتا ہوں تاکہ مطلعِ مدینہ میں بدر منیر کو چمکتا ہوا دیکھوں جس کو کتوں کے بھونکنے نے کسی قسم کا ضرر نہیں پہنچایا۔

۳- وَاَعْجَبَ شَیْءٍ قَدْ ھُدِیَ اِلَی الْوَرٰی۔ وَقَدْ ضَلَّ فِیْ اَنْوَارِہٖ ذَالِکَ الْعَوٰی

اور اس عجیب ترین چیز کو دیکھوں جو مخلوق کی طرف بطور ہدیہ بھیجی گئی اور جس کے انوار میں مخالفین کا شور و غوغا گم ہو

کر رہ گیا عوا سے مراد کتوں کا بھونکنا ہے اور اُن کی عادت ہوتی ہے کہ چاند کی چاندنی دیکھ کر بھونکتے ہیں اور عوا سے مراد شور و غل ہے۔ اور عواو عوا سے مراد ان لوگوں کا واویلا ہے جو حبیب کریم علیہ السلام کی زیارت کے لیے سفر کرنا اور سواریوں کا بندوبست کرنا ممنوع و حرام قرار دیتے ہیں اور میرا مقصد کسی معین شخص پر طعن و تشنیع کرنا نہیں ہے۔ نیز لفظ عوا میں توریہ ہی ہے کیونکہ وہ چاند کی منازل میں سے ایک منزل ہے۔

فصل :

مدینہ منورہ علیٰ صاحبہا افضل الصلوات و التسلیمات کی فضیلت کا بیان

چونکہ مدینہ منورہ نے صرف نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی بدولت یہ فضل عظیم حاصل کیا ہے۔ اسی لئے اہلِ ایمان کی سواریاں ہمیشہ سے اس راہ شوق پر چلتی آرہی ہیں اور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے محبوں کے قلوب و ارواح اس کی زیارت اور اس میں اقامت کے لیے بے چین اور بے قرار نظر آتے ہیں لہٰذا میں نے اس کے بعض فضائل کا بیان کرنا لازم و ضروری سمجھا اگرچہ علامہ سید سمہودی نے خلاصۃ الوفاء میں اس فریضہ کو کما حقہٗ ادا کر دیا ہے اور علیٰ ہذا القیاس دیگر علماء اعلام نے جنھوں نے اس موضوع پر قلم اٹھایا۔ اور اس مہتم بالشان امر میں تالیف و تصنیف کا بیڑا اٹھایا۔

اور چونکہ امام کبیر و شہیر، امام الاولیاء العارفین۔ قدوۃ العلماء المحققین سیدی ابو الحسن البکری المصری تاج العارفین نے مدینہ منورہ کی فضیلت میں چالیس احادیث جمع کی تھیں جو کہ اس شہر مبارک کے فضائل ماثورہ اور مناقب مشکورہ کے جملہ جمیلہ پر مشتمل تھیں لہٰذا میں نے مناسب سمجھا ہے کہ اس کے ذکر پر اکتفاء کردں۔ اور جو شخص مزید تفصیلی احوال معلوم کرنا چاہے تو وہ خلاصۃ الوفاء کا مطالعہ کرے کیونکہ وہ طبع ہو چکی ہے اور اس کا حصول بالکل سہل اور آسان ہے۔ تو اب اربعین فضائل مدینہ منورہ کو شروع کرتا ہوں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ اللہ تعالےٰ کے لیے حمد و ثناء ہے جس نے مدینہ طیبہ کو قبۃ الاسلام بنایا اور حلال و حرام کے علم اور امتیاز کے لیے دار العلم والعرفان بنایا۔ میں اس کے انعام جزیل پر حمد و شکر بجا لاتا ہوں۔ اشہد ان لا الٰہ الا اللہ وحدہٗ لاشریک لہ الملک العلام۔ واشہد ان سیدنا محمدا عبدہٗ ورسولہ شارع دین الاسلام۔ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ اشرف صلوٰۃ واتم سلام امابعد! اس کتاب کا لقب الدرۃ الثمینہ فی فضل المدینہ ہے۔ اس میں میں نے چالیس احادیث ذکر کی ہیں جو مدینہ طیبہ کے فضائل پر مشتمل ہیں اور اس موضوع کے اثبات کے لیے انہیں اس موضوع پر تالیف ہونے والی کتابوں میں ذکر کیا جاتا ہے اللہ تعالےٰ ہماری اس سعی کو شرف قبولیت بخشے آمین۔

حدیث ۱ :- حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اَلْمَدِيْنَةُ قُبَّةُ الْاِسْلَامِ وَدَارُ الْاِيْمَانِ وَاَرْضُ الْهِجْرَةِ وَمَثْوَى الْحَلَالِ وَالْحَرَامِ۔ اخرجہ الطبرانی فی الاوسط مدینہ طیبہ قبۂ اسلام ہے اور ایمان کا گھر اور دار ہجرت اور حلال و حرام کے علم و معرفت کے لیے مرجع خلائق۔

حدیث ۲ :- حضرت سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا :-

اَلْمَدِيْنَةُ حَرَمٌ اٰمِنٌ مدینہ طیبہ امن والا حرم ہے یعنی اس میں نقضِ امن و سکون حرام ہے اور فتنہ و فساد پھیلانا عظیم جرم۔ (ابو عوانہ)

حدیث ۳ :- حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :-

اَلْمَدِيْنَةُ خَيْرٌ مِّنْ مَّكَّةَ۔ مدینہ منورہ مکہ مکرمہ سے بہتر ہے۔ (طبرانی کبیر اور دار قطنی)

اس روایت کی سند ثابت نہیں ہے لہٰذا اس سے مدینہ منورہ کی مکہ مکرمہ پر افضلیت ثابت نہیں کی جا سکتی۔ علاوہ ازیں اگر یہ حدیث پایۂ صحت کو پہنچ بھی جائے تو اس سے جزوی فضیلت مراد ہے یعنی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام علیہم الرضوان کے کفار و مشرکین کی ایذاء رسانیوں اور تکالیف و شدائد سے تحفظ و سلامتی کے لحاظ سے فضیلت مراد ہے۔

حدیث ۴ :- حضرت علی المرتضےٰ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول محتشم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اَللّٰهُمَّ اِنَّ اِبْرَاهِيْمَ كَانَ عَبْدَكَ وَخَلِيْلَكَ دَعَاكَ لِاَهْلِ مَكَّةَ بِالْبَرَكَةِ وَاَنَا عَبْدُكَ وَرَسُوْلُكَ اَدْعُوْكَ لِاَهْلِ الْمَدِيْنَةِ اَنْ تُبَارِكَ لَهُمْ فِيْ مُدِّهِمْ وَصَاعِهِمْ مِثْلَيْ مَا بَارَكْتَ لِاَهْلِ مَكَّةَ مَعَ الْبَرَكَةِ بَرَكَتَيْنِ۔ اخرجہ الترمذیؒ

ترجمہ : اے اللہ تحقیق ابراہیم علیہ السلام تیرے بندے مقرب اور خلیل تھے انہوں نے تجھ سے اہل مکہ کے لیے برکت کی دعا کی تھی اور میں تیرا بندۂ خاص اور رسول ہوں میں تجھ سے اہل مدینہ کے لیے دعا کرتا ہوں کہ ان کے پیمانہ مد اور صاع میں اہل مکہ کی نسبت دو چند برکتیں عطا فرما اہل مکہ کے لیے جہاں ایک برکت ہو اہل مدینہ کے لئے دوگنی برکت ہو۔

حدیث ۵ :- حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے فرمایا۔

اَللّٰهُمَّ اِنَّ اِبْرَاهِيْمَ حَرَّمَ مَكَّةَ فَجَعَلَهَا حَرَمًا وَاِنِّيْ حَرَّمْتُ الْمَدِيْنَةَ، حَرَامٌ مَا بَيْنَ مَأْزَمَيْهَا اَنْ يُّرَاقَ فِيْهَا دَمٌ وَلَا يُحْمَلُ فِيْهَا سِلَاحٌ لِقِتَالٍ وَلَا يُخْبَطُ فِيْهَا شَجَرَةٌ اِلَّا لِعَلْفٍ اَللّٰهُمَّ بَارِكْ لَنَا فِيْ مَدِيْنَتِنَا اَللّٰهُمَّ بَارِكْ لَنَا فِيْ صَاعِنَا اَللّٰهُمَّ بَارِكْ لَنَا فِيْ مُدِّنَا اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ مَعَ الْبَرَكَةِ بَرَكَتَيْنِ وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ مَا مِنَ الْمَدِيْنَةِ شِعْبٌ وَلَا نَقْبٌ اِلَّا عَلَيْهِ مَلَكَانِ يَحْرُسَانِهَا حَتّٰى تَقْدَمُوْا اِلَيْهَا۔

ترجمہ : اے اللہ بے شک ابراہیم علیہ السلام نے مکہ مکرمہ کو حرمت بخشی اور اسے حرم بنایا اور میں نے مدینہ منورہ کو

حرم بنایا ہے۔ اس کے دونوں پہاڑی راستوں کا درمیانی حصہ حرم ہے اس میں خون بہانا اور قتال کے لیے ہتھیار اٹھانا حرام ہے۔ اس کے درختوں کے پتے نہ جھاڑے جائیں مگر چارہ کے لیے۔ اے اللہ ہمارے لیے ہمارے مدینہ میں برکت عطا فرما اے اللہ تعالٰی ہمارے صاع میں برکت عطا فرما اور ہمارے مد میں برکت عطا فرما اے اللہ مکہ مکرمہ کی ایک برکت کے مقابل یہاں دو برکتیں عطا فرما۔ مجھے اس ذات اقدس کی قسم ہے جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے مدینہ منورہ کی کوئی گھاٹی اور کوئی راستہ ایسا نہیں جس پر دو فرشتے پہرہ نہ دے رہے ہوں تا آنکہ تم اس میں واپس آؤ (مسلم شریف)

تنبیہ صاع تقریباً چار سیر کا پیمانہ ہے اور مُد ایک سیر کا پیمانہ ہے۔

حدیث ع۶ :۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول معظم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :۔

اَللّٰھُمَّ اجْعَلْ بِالْمَدِیْنَةِ ضِعْفَ مَا جَعَلْتَ بِمَكَّةَ مِنَ الْبَرَكَةِ ۔ مسند امام احمد اور بخاری شریف و مسلم شریف میں ہے :۔ اے اللہ مدینہ منورہ میں مکہ مکرمہ کی نسبت دوگنی برکت پیدا فرما

حدیث ع۷ :۔ حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول الثقلین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :۔

اِنَّ اللّٰهَ سَمّٰى الْمَدِیْنَةَ طَابَةَ - (امام احمد۔ مسلم۔ نسائی) بے شک اللہ تعالٰی نے مدینہ کا نام طابہ رکھا ہے۔

حدیث ع۸ :۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :۔

اِنَّ الْاِیْمَانَ لَیَاْرِزُ اِلَى الْمَدِیْنَةِ كَمَا تَاْرِزُ الْحَیَّةُ اِلٰى جُحْرِهَا ۔ (اخرجہ الامام احمد والشیخان وابن ماجہ)

بے شک ایمان مدینہ طیبہ کی طرف اس طرح پناہ پکڑے گا جس طرح سانپ اپنے بل کی طرف پناہ پکڑتا ہے۔

حدیث ع۹ :۔ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :۔

اِنَّ اِبْرَاهِیْمَ حَرَّمَ بَیْتَ اللّٰهِ وَاٰمَنَهٗ وَاِنِّیْ حَرَّمْتُ الْمَدِیْنَةَ مَا بَیْنَ لَابَتَیْهَا لَا یُقْطَعُ عِضَاهُهَا وَلَا یُصَادُ صَیْدُهَا (مسلم)

بے شک اللہ تعالٰی کے خلیل حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بیت اللہ شریف کو حرم بنایا اور محل امن اور میں مدینہ منورہ کو حرم بناتا ہوں اس کے دو سنگستانوں کا درمیانی حصہ حرم ہے۔ نہ اس میں کسی درخت کو اکھیڑا جا سکتا ہے اور نہ ہی اس میں شکار کیا جا سکتا ہے۔

حدیث ع۱۰ :۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے کہ نبی الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :۔

اِنَّ الْمَدِیْنَةَ كَالْكِیْرِ تَنْفِیْ خَبَثَهَا وَتَنْصَعُ طِیْبَهَا ۔ (امام احمد۔ بخاری و مسلم اور ترمذی و نسائی)

مدینہ طیبہ بھتہ آہن گر کی مانند ہے جس طرح وہ کھوٹ کو الگ کرتی ہے اور خالص سونے وغیرہ کو الگ اسی طرح مدینہ طیبہ بھی اہل ایمان اور اہل نفاق میں باہم امتیاز کر دیتا ہے۔

حدیث ع۱۱ :۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی الامت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :۔

اَنَا اَوَّلُ مَنْ تَنْشَقُّ عَنْهُ الْاَرْضُ ثُمَّ اَبُوْ بَكْرٍ ثُمَّ عُمَرُ ثُمَّ اٰتِیْ اَهْلَ الْبَقِیْعِ فَیُحْشَرُوْنَ مَعِیْ ثُمَّ اَنْتَظِرُ اَهْلَ مَكَّةَ ۔

میں سب سے پہلا شخص ہوں گا جس سے حجاب قبر الگ ہوگا۔ پھر ابوبکر بعد ازاں عمر رضی اللہ عنہما سے قبر کا حجاب الگ ہوگا۔ بعد ازاں میں اہل بقیع کے پاس آؤں گا ان کا حشر میرے ساتھ ہوگا پھر میں اہل مکہ کا انتظار کروں گا (ترمذی شریف مستدرک حاکم)

حدیث ع۱۲ :۔ حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ارشاد فرمایا :۔

اَوَّلُ مَنْ اَشْفَعُ لَهٗ مِنْ اُمَّتِیْ اَهْلُ الْمَدِیْنَةِ وَاَهْلُ مَكَّةَ وَاَهْلُ الطَّائِفِ - (طبرانی فی المعجم الکبیر)

سب سے پہلے جن کے لیے میں شفاعت کروں گا وہ اہلِ مدینہ[ف]۔ اہل مکہ اور اہل طائف ہوں گے باقی امت ان کے بعد میری شفاعت سے بہرہ ور اور سعادت مند ہوگی۔

حدیث ع۱۳ :۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی کریم علیہ السلام نے فرمایا۔

اَوَّلُ مَنْ تَنْشَقُّ عَنْهُ الْاَرْضُ اَنَا وَلَا فَخْرَ ثُمَّ تَنْشَقُّ عَنْ اَبِیْ بَكْرٍ وَعُمَرَ ثُمَّ تَنْشَقُّ عَنْ اَهْلِ الْحَرَمَیْنِ مَكَّةَ وَالْمَدِیْنَةِ ثُمَّ اُبْعَثُ بَیْنَهُمَا :۔

سب سے پہلے جس شخص پر سے زمین پھٹ کر الگ ہوگی وہ میں ہوں گا اور یہ اعلان بطور فخر نہیں کر رہا ہوں۔ پھر ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما سے پھٹ کر الگ ہوگی اور بعد ازاں اہل حرمین یعنی اہل مکہ اور اہل مدینہ سے پھر میں ان دونوں حرموں کے درمیان کھڑا کیا جاؤں گا۔ (رواہ الحاکم فی المستدرک)

حدیث ع۱۴ :۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے رسول کائنات علیہ افضل الصلوات سے روایت کیا ہے۔

حَرَمُ اللّٰهِ مَا بَیْنَ لَابَتَیِ الْمَدِیْنَةِ عَلٰى لِسَانِیْ (اخرجہ البخاری)

اللہ تعالٰی کا حرم میری زبان اور اعلان کے مطابق مدینہ منورہ کے دو سنگستانوں کا درمیانی حصہ ہے۔

حدیث ع۱۵ :۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :۔

ف ۔ اگرچہ واو مطلق جمع کے لیے ہوتی ہے مگر افصح الفصحاء کے کلام میں اہل المدینہ کا تقدم خالی از حکمت و مصلحت نہیں ہو سکتا لہٰذا اس سے اہلِ مدینہ کا استحقاق شفاعت میں مقدم ثابت ہو گیا اور وہ محض سکونت مدینہ کی بنا پر ہے لہٰذا اس کا اس جہت سے مکہ مکرمہ اور طائف شریف پر تقدم ثابت ہو گیا نیز یہاں فضیلت مدینہ منورہ کا بیان مطلوب ہے نہ کہ اس کی افضلیت کا لہٰذا وہ مدعا یہاں سے باحسن طریق ثابت ہو رہا ہے۔ ہٰذا، محمد اشرف

اَلْخِلَافَةُ بِالْمَدِیْنَةِ وَالْمُلْکُ بِالشَّامِ (اخرجہ البخاری فی تاریخہ والحاکم)

خلافت ونیابتِ رسالت مآب علیہ السلام مدینہ منورہ میں ہے اور ملک وسلطنت شام میں ہے۔

یہ حدیث پاک جہاں فضیلت مدینہ منورہ کی دلیل ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دلائل نبوت ورسالت سے بھی ہے کیونکہ خلافت کا دور حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کی دستبرداری پر ختم ہوا۔ اور بعدازاں ملک وسلطنت کا آغاز ہوا جس کا آغاز حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے ہوا۔

حدیث ۱۶ :: حضرت بلال بن الحارث مزنی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

رَمَضَانُ بِالْمَدِیْنَةِ خَیْرٌ مِّنْ اَلْفِ رَمَضَانٍ فِیْمَا سِوَاهَا مِنَ الْبُلْدَانِ۔ (طبرانی فی المعجم الکبیر)

مدینہ طیبہ میں ایک رمضان کے روزے رکھنا دوسرے شہروں میں ہزار رمضان کے روزے رکھنے سے بھی بہتر ہے۔

حدیث ۱۷ :: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہی مروی ہے کہ رسول رب العالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

صَلٰوةٌ فِیْ مَسْجِدِیْ هٰذَا اَفْضَلُ مِنْ سَبْعِیْنَ اَلْفَ صَلٰوةٍ فِیْمَا سِوَاهُ مِنَ الْمَسَاجِدِ اِلَّا الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ۔

میری اس مسجد میں ایک نماز مسجد حرام کے علاوہ تمام مساجد میں ادا کی گئی ستر ہزار نمازوں سے بھی افضل وبرتر ہے۔

(بخاری ومسلم وغیرھما)

حدیث ۱۸ :: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ خاتم الانبیاء والمرسلین علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے فرمایا۔

صَلٰوةٌ فِیْ مَسْجِدِیْ هٰذَا اَفْضَلُ مِنْ اَلْفِ صَلٰوةٍ فِیْمَا سِوَاهُ مِنَ الْمَسَاجِدِ اِلَّا الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ فَاِنِّیْ آخِرُ الْاَنْبِیَاءِ وَمَسْجِدِیْ آخِرُ الْمَسَاجِدِ۔ (اخرجہ المسلم والترمذی)

میری اس مسجد میں ایک نماز مسجد حرام کے علاوہ تمام مساجد میں ادا کی ہوئی ہزار نماز سے افضل واعلیٰ ہے۔ کیونکہ میں آخری نبی ہوں اور میری مسجد مساجد انبیاء علیہم السلام میں سے آخری مسجد ہے۔ (نہ میرے بعد نیا نبی ہوگا اور نہ ہی کسی نبی کی نئی مسجد ہوگی)۔

حدیث ۱۹ :: حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ سید عرب وعجم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

صَلٰوةٌ فِیْ مَسْجِدِیْ هٰذَا اَفْضَلُ مِنْ اَلْفِ صَلٰوةٍ فِیْمَا سِوَاهُ اِلَّا الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَصَلٰوةٌ فِی الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اَفْضَلُ مِنْ مِائَةِ اَلْفِ صَلٰوةٍ فِیْمَا سِوَاهُ۔ (اخرجہ الامام احمد وابن ماجہ وھو صحیح)

میری اس مسجد میں ایک نماز مسجد حرام کے علاوہ تمام مساجد میں ادا کی ہوئی ہزار نماز سے افضل ہے اور مسجد حرام میں ادا کی ہوئی ایک نماز دوسری مساجد کی ایک لاکھ نمازوں سے افضل ہے۔

حدیث ۲۰ :: حضرت ابو الزبیر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ فخر عرب وعجم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

صَلٰوةٌ فِیْ مَسْجِدِیْ هٰذَا اَفْضَلُ مِنْ اَلْفِ صَلٰوةٍ فِیْمَا سِوَاهُ مِنَ الْمَسَاجِدِ اِلَّا الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ

وَصَلٰوةٌ فِی الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اَفْضَلُ مِنْ صَلٰوةٍ فِیْ مَسْجِدِیْ هٰذَا بِمِائَةِ صَلٰوةٍ۔

(اخرجہ الامام احمد وابن حبان فی صحیحہ)

میری اس مسجد کی ایک نماز مسجد حرام کے علاوہ دیگر تمام مساجد کی ہزار نمازوں سے افضل ہے۔ اور مسجد حرام کی ایک نماز میری مسجد کی سو نمازوں سے بہتر وافضل ہے۔

حدیث ۲۱ :: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے سید بنی آدم وآدم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے۔

صَلٰوةٌ فِیْ مَسْجِدِیْ هٰذَا کَاَلْفِ صَلٰوةٍ فِیْمَا سِوَاهُ اِلَّا الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَصِیَامُ رَمَضَانَ بِالْمَدِیْنَةِ کَصِیَامِ اَلْفِ شَهْرٍ فِیْمَا سِوَاهَا وَصَلٰوةُ الْجُمُعَةِ بِالْمَدِیْنَةِ کَاَلْفِ جُمُعَةٍ فِیْمَا سِوَاهَا۔

(اخرجہ البیہقی فی الشعب الایمان)

میری اس مسجد میں ایک نماز ادا کرنا مسجد حرام کے علاوہ تمام مساجد کے اندر ادا کی ہوئی ہزار نمازوں کی مانند ہے۔ اور مدینہ طیبہ میں ایک رمضان المبارک کے روزے رکھنا دوسرے شہروں میں ہزار رمضان المبارک کے روزے رکھنے کے برابر ہے۔ اور مدینہ منورہ میں جمعہ کی ایک نماز ادا کرنا دوسرے شہروں کے ہزار جمعہ کے برابر ہے۔

حدیث ۲۲ :: حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ فخر کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

صَلٰوةٌ فِی الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ بِمِائَةِ اَلْفِ صَلٰوةٍ وَصَلٰوةٌ فِیْ مَسْجِدِیْ بِاَلْفِ صَلٰوةٍ وَفِیْ بَیْتِ الْمَقْدِسِ بِخَمْسِمِائَةِ صَلٰوةٍ۔ (اخرجہ البیہقی فی الشعب ایضاً)

مسجد حرام میں ایک نماز ایک لاکھ نماز کے برابر ہے۔ اور میری مسجد میں ایک نماز ہزار کے برابر ہے۔ اور بیت المقدس میں ایک نماز پانچ سو کے برابر ہے۔

تنبیہ :: روایات میں صلوات کے باہمی تفاضل کے لحاظ سے بظاہر تعارض موجود ہے ہم نے اس پر اپنی کتاب فضل الصلوات میں بحث کی ہے اور اس مقام کی ایسی تحقیق وتدقیق کی ہے جو دوسری کتابوں میں دستیاب نہیں ہوسکتی لہذا دفعہ تعارض کے لیے اس کی طرف رجوع کیا جائے۔

حدیث ۲۳ :: ام المومنین حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ فخر دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اُفْتُتِحَتِ الْقُرٰی بِالسَّیْفِ وَافْتُتِحَتِ الْمَدِیْنَةُ بِالْقُرْآنِ۔ (بیہقی شعب الایمان)

تمام شہر اور بلاد تلوار کے ساتھ اور بزور شمشیر فتح کئے گئے لیکن مدینہ منورہ قرآن مجید وفرقان حمید کے ساتھ فتح کیا گیا یعنی اہل مدینہ محض تعلیم وارشاد کے ساتھ حقانیت اسلام کے قائل ہوگئے اور ایمان واسلام اور قرآن وصاحب قرآن کو اپنے ہاں جگہ دی۔

حدیث ۲۴ :: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رحمت دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

عَلٰی اَنْقَابِ الْمَدِیْنَۃِ مَلَائِکَۃٌ لَا یَدْخُلُھَا الطَّاعُوْنَ وَلَا الدَّجَّالُ ؛ (اخرجہ مالک واحمد و الشیخان)

مدینہ طیبہ کی طرف اترنے والے پہاڑی راستوں پر ملائکہ محافظین موجود ہیں۔ اس میں نہ طاعون داخل ہوگا اور نہ ہی دجال ملعون

حدیث ۲۵ : حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سلطانِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسیلمہ کذاب کے متعلق فرمایا۔ تم نے اس کے متعلق بہت زیادہ سوالات کئے تو سنئے وہ ان تیس کذابوں میں داخل ہے جو دجال سے پہلے نکلیں گے۔ اور ہر شہر وقریہ میں دجال کا رعب اثر انداز ہوگا بخلاف مدینہ طیبہ کے۔ اس کے راستوں میں سے ہر راستہ پر دو فرشتے ہوں گے جو اس سے مسیح دجال کے رعب و دبدبہ کو دور رکھیں گے۔ اس روایت کو امام احمد نے مسند میں طبرانی نے معجم کبیر میں اور حاکم نے مستدرک میں نقل کیا ہے۔

فائدہ۔ نقب اس جہت و سمت کو کہتے ہیں جس سے کسی چیز کی طرف رسائی حاصل کی جائے جیسے دروازہ اور راستہ۔ اور دجال کو مسیح اس لیے کہتے ہیں کہ وہ زمین کو قلیل مدت میں طے کرلے گا اور ہر خطہ وعلاقہ کو پامال کرلے گا۔ اور یہ تیس اقوال میں سے ایک قول ہے۔ اور اس کو مسیح بھی کہا جاتا ہے کیونکہ اس کی ایک آنکھ مسخ کردی گئی ہے اور وہ کانا ہے۔

حدیث ۲۶ : حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ شہنشہِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔
اُمِرْتُ بِقَرْیَۃٍ تَاکُلُ الْقُرٰی یَقُوْلُوْنَ یَثْرِبَ وَھِیَ الْمَدِیْنَۃُ تَنْفِی النَّاسَ کَمَا یَنْفِی الْکِیْرُ خُبْثَ الْحَدِیْدِ۔
بخاری ومسلم وغیرھما۔
میں اس قریہ اور شہر میں ہجرت کرکے جانے اور اقامت پذیر ہونے کا حکم دیا گیا ہوں جو دوسرے بلاد وامصار پر غالب و قاہر ہے لوگ اس کو یثرب کہتے ہیں مگر وہ درحقیقت مدینہ ہے وہ اہلِ نفاق اور ناخالص لوگوں کو اس طرح دور کردے گا۔ جس طرح لوہار کی بھٹی یا کٹھالی لوہے کے زنگ اور کھوٹ کو دور کرتی ہے۔

حدیث ۲۷ : حضرت ثابت بن قیس بن شماس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ غُبَارُ الْمَدِیْنَۃِ شِفَاءٌ مِنَ الْجُذَامِ مدینہ منورہ کا غبار مرض جذام اور کوڑھ میں موجب شفاء بلکہ سراسر شفا ہے۔ اس روایت کو ابونعیم نے طب نبوی میں نقل کیا ہے۔

حدیث ۲۸ : ابوبکر بن محمد بن سالم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ سید الثقلین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ غُبَارُ الْمَدِیْنَۃِ یُبْرِئُ الْجُذَامَ مدینہ طیبہ کا غبار جذام سے برات بخشتا ہے۔ اس روایت کو ابن السنی اور ابونعیم نے طب نبوی میں مرسلاً نقل کیا ہے۔

اور زبیر بن بکار نے اخبار المدینہ میں حضرت ابراہیم نخعی سے متصل سند کے ساتھ نقل کیا ہے کہ سرور ہر دوسرا علیہ التحیۃ والثناء نے فرمایا غُبَارُ الْمَدِیْنَۃِ یُطْفِئُ الْجُذَامَ۔ غبارِ مدینہ مرض جذام کو بجھاتا اور ختم کرتا ہے۔

حدیث ۲۹ : حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے نبی الحرمین صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت فرمائی ہے۔ لِکُلِّ نَبِیٍّ حَرَمٌ وَحَرَمِی الْمَدِیْنَۃُ ہر نبی کے لیے حرم ہوتا ہے اور میرا حرم مدینہ منورہ ہے۔ اس روایت کو امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی سند میں نقل کیا ہے۔

حدیث ۳۰ : حضرت عبداللہ بن زید مازنی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ سید الاولین والآخرین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

مَا بَیْنَ بَیْتِیْ وَمِنْبَرِیْ رَوْضَۃٌ مِنْ رِیَاضِ الْجَنَّۃِ۔
میرے گھر اور منبر شریف کا درمیانی حصہ جنت کے باغات اور سبزہ زاروں میں سے ایک باغ اور سبزہ زار ہے۔ اس روایت کو امام احمد۔ امام بخاری۔ امام مسلم اور نسائی نے نقل فرمایا ہے۔

حدیث ۳۱ : ابن شہاب زہری سے مرسلاً منقول ہے کہ سید الانبیاء والمرسلین علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے فرمایا۔
مَا وَضَعْتُ قِبْلَۃَ مَسْجِدِیْ حَتّٰی فُرِجَ لِیْ مَا بَیْنِیْ وَبَیْنَ الْکَعْبَۃِ۔
میں نے اپنی مسجد کا محراب اس وقت تک نہیں رکھا جب تک میرے اور کعبہ کے درمیانی حجابات الگ نہیں کردیئے گئے۔ اور اس روایت کو زبیر بن بکار نے اخبار المدینہ میں مرسلاً نقل کیا ہے۔

حدیث ۳۲ : حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ محبوب خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :۔
مَنْ آذٰی اَھْلَ الْمَدِیْنَۃِ آذَاہُ اللّٰہُ وَعَلَیْہِ لَعْنَۃُ اللّٰہِ وَالْمَلَائِکَۃِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْنَ لَا یُقْبَلُ مِنْہُ صَرْفٌ وَلَا عَدْلٌ۔ (اخرجہ الطبرانی فی المعجم الکبیر)
جس شخص نے اہل مدینہ کو دکھ پہنچایا اللہ تعالیٰ اس کو بلیات ومصائب میں مبتلا کرے گا۔ اور اس پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہوگی اور اس کے تمام ملائکہ اور سبھی لوگوں کی۔ نہ اس سے نفلی عبادت قبول کی جائے گی اور نہ ہی فرض عبادات۔

حدیث ۳۳ : حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حبیب خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔
مَنْ اَخَافَ اَھْلَ الْمَدِیْنَۃِ اَخَافَہُ اللّٰہُ تعالیٰ۔
جس شخص نے اہل مدینہ کو خوف زدہ کیا اللہ تعالیٰ اس کو خوف واندیشہ میں مبتلا کرے گا۔ (صحیح ابن حبان)

حدیث ۳۴ : حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حبیب کبریاء علیہ السلام نے فرمایا۔
مَنْ اَخَافَ اَھْلَ الْمَدِیْنَۃِ فَکَاَنَّمَا اَخَافَ مَا بَیْنَ جَنْبَیَّ۔
جس شخص نے اہل مدینہ کو خوف زدہ کیا تو گویا اس نے میرے نفس و روح کو خوفزدہ کیا۔ اس روایت کو امام احمد نے نقل فرمایا ہے۔

حدیث ۳۵ : حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ومنقول ہے کہ رحمت مجسم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :۔
مَنْ اَرَادَ اَھْلَ الْمَدِیْنَۃِ بِسُوْءٍ اَذَابَہُ اللّٰہُ کَمَا یَذُوْبُ الْمِلْحُ فِی الْمَاءِ ؛
جو اہلِ مدینہ کے ساتھ بری نیت اور برے ارادہ سے پیش آئے گا اور انہیں پریشانیوں میں مبتلا کرنے کا ارادہ کرے گا اللہ تعالیٰ اس کو اس طرح پگھلا دے گا جیسے نمک پانی میں گھل جاتا ہے۔
(مسند امام احمد۔ مسلم۔ ابن ماجہ)

حدیث ۳۶: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نورِ مجسم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔
مَنِ اسْتَطَاعَ اَنْ یَّمُوْتَ بِالْمَدِیْنَةِ فَلْیَمُتْ بِهَا فَاِنِّیْ اَشْفَعُ لِمَنْ یَّمُوْتُ بِهَا۔
جو شخص مدینہ طیبہ میں فوت ہونے کی طاقت رکھے یعنی یہاں وقت موت تک مقیم رہنے کی استطاعت رکھے تو وہ یہیں قیام پذیر رہے اور فوت ہو کیونکہ جو شخص مدینہ منورہ میں فوت ہوگا میں اس کی شفاعت کروں گا۔
(مسند امام احمد۔ ترمذی اور ابن ماجہ)

حدیث ۳۷: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ شفیع معظم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔
مَنْ زَارَنِیْ بِالْمَدِیْنَةِ مُحْتَسِبًا كُنْتُ لَهٗ شَهِیْدًا وَّ شَفِیْعًا یَوْمَ الْقِیَامَةِ۔
جس شخص نے ازرہ ثواب واخلاص مدینہ منورہ میں میری زیارت کی میں بروز قیامت اس کے لیے شفیع ہوں گا اور گواہ۔
اس روایت کو امام بیہقی نے شعب الایمان میں اور سنن کبریٰ میں نقل کیا ہے۔ اور طبرانی نے معجم کبیر میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مرفوعاً ان الفاظ کے ساتھ روایت کیا ہے۔ مَنْ حَجَّ فَزَارَ قَبْرِیْ بَعْدَ وَفَاتِیْ كَانَ كَمَنْ زَارَنِیْ فِیْ حَیَاتِیْ۔ جس شخص نے حج کیا اور میرے وصال کے بعد میری قبر کی زیارت کی تو وہ شخص اجر و ثواب اور حصول درجات میں ان اشخاص کی مانند ہوگا جنہوں نے میری زندگی میں میری زیارت کی ابن عدی نے کامل میں۔ اور بیہقی نے شعب الایمان میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مرفوعاً اس طرح روایت کی ہے مَنْ زَارَ قَبْرِیْ وَجَبَتْ لَهٗ شَفَاعَتِیْ۔ جس نے میری قبر انور کی زیارت کی اس کے لیے میری شفاعت واجب ولازم ہوگئی۔

حدیث ۳۸: حضرت براء بن العازب رضی اللہ عنہ تاج دار مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا۔
مَنْ سَمَّی الْمَدِیْنَةَ یَثْرِبَ فَلْیَسْتَغْفِرِ اللّٰهَ، هِیَ طَابَةٌ هِیَ طَابَةٌ۔
جو شخص مدینہ طیبہ کو یثرب کے نام سے پکارے وہ اللہ تعالےٰ کی جناب میں توبہ واستغفار کرے۔ یہ طابہ ہے۔ یہ طابہ ہے۔ (مسند امام احمد)

سوال: قرآن مجید میں یَا اَهْلَ یَثْرِبَ لَا مُقَامَ لَكُمْ وارد ہے لہٰذا حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور کلام مجید میں تعارض و تخالف لازم آگیا۔

جواب: یہ قولِ غیر کی حکایت ہے (لہٰذا اس سے رخصتِ اطلاق ثابت نہیں ہوتی جس طرح فرعون وغیرہ کے کلام اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰی کی حکایت سے اس کا برحق ہونا لازم نہیں آتا) یا اس میں لوگوں کو اس نام سے خطاب کیا گیا ہے جس کو وہ جانتے تھے اور مدینہ کا نام بعد میں معروف ومشہور ہوا۔

حدیث ۳۹: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ تاجدار عرب وعجم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
لا تشد الرحال الا الی ثلاثة مساجد، المسجد الحرام ومسجدی هذا والمسجد الاقصی۔

صرف تین مساجد کی طرف دور دور از سفر کی صعوبت برداشت کی جائے یعنی مسجد حرام، مسجد نبوی اور مسجد اقصیٰ۔
(بخاری شریف، مسلم شریف۔ ابو داؤد شریف وغیرہ)

حدیث ۴۰۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نے روایت کیا کہ امام الانبیاء والمرسلین قائد الغر المحجلین عالم علوم الاولین والآخرین صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔
اَلنَّاسُ تَبَعٌ لَّكُمْ یَا اَهْلَ الْمَدِیْنَةِ فِی الْعِلْمِ (اخرجہ ابن عساکر)
اے اہل مدینہ تمام اہل اسلام علم دین اور احکام شرع میں تمہارے تابع ہیں اور درپے اتباع واطاعت۔

خاتمہ: قبر انور کی خاک پاک جو اعضاء مبارکہ سے متصل ہے وہ بیت اللہ اور عرش اعظم سے بھی افضل ہے۔
اہل علم کا باہم اختلاف ہے کہ مدینہ منورہ افضل ہے یا مکہ مکرمہ۔ ہر ایک نے ان دو میں سے ایک قول اختیار کیا ہے۔ اور بعض حضرات نے توقف سے کام لیا ہے حضرت عمر بن الخطاب اور امام مالک افضلیت مدینہ کے قائل ہیں اور جمہور افضلیت مکہ مکرمہ کے لیکن اس پر سب کا اجماع واتفاق ہے کہ وہ حصہ جو سرور انبیاء علیہ وعلیہم السلام کے اعضاء سے منضم اور متصل ہے وہ ہر مکان سے افضل ہے حتیٰ کہ کعبہ وغیرہ سے بھی۔ اور ان علماء اعلام نے اس دعوٰی پر مختلف دلائل قائم کئے ہیں۔ جن کا ذکر موجبِ طوالت ہے۔
اس میں بھی علماء کرام اور ائمہ اسلام کا باہم اختلاف ہے کہ مابین قبری ومنبری روضة من ریاض الجنة کا کیا معنی ہے۔ اور منبری هذا علی ترعة من ترع الجنة سے آپ کی مراد کیا ہے؟ ایک جماعت تو اس کی قائل ہے کہ یہی منبر شریف بروز قیامت صحیح وسالم برآمد کیا جائے گا جیسے کہ دوسرے لوگ اپنی اپنی قبروں سے اٹھائے جائیں گے اور مسجد نبوی کی اسی جگہ پر حوض کوثر کے آخر میں جنت کے کنارہ پر نصب کیا جائے گا۔ اور ایک گروہ اس کا قائل ہے کہ وہ منبر اس سے الگ ہوگا جس کو اس دن اللہ تعالیٰ تخلیق فرمائے گا مگر صحیح قول پہلا ہی ہے۔ اور روضة من ریاض الجنة کے متعلق راجح اور مختار قول یہ ہے کہ یہ حصہ جنت کی طرف منتقل کر دیا جائے گا۔ اور زمین کے دوسرے قطعات کی مانند فنا پذیر نہیں ہوگا۔ دوسرا قول یہ ہے کہ اس خطۂ مقدس میں عبادت کا التزام عابد کے لیے دخول جنت کا ذریعہ بن جائے گا۔ تیسرا قول یہ ہے کہ نزولِ رحمت کے لحاظ سے یہ قطعہ مبارکہ جنت کی مانند ہے۔ اور چوتھا قول یہ ہے کہ یہ قطعۂ مبارکہ دراصل جنت سے نازل ہوا ہے جس طرح کہ حجر اسود جنت سے ہے اور قیامت کے دن پھر اپنی اصل یعنی جنت کی طرف لوٹ کر اس کا باغیچہ بن جائے گا اور یہ قول الفاظِ حدیث کے قریب تر ہے لہٰذا حدیث پاک کو اسی معنی پر محمول کرنا چاہیے۔ اور اس معاملہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابراہیم علیہ السلام میں مشابہت ومناسبت ہوگی کہ خلیل علیہ السلام جنتی پتھر کے ساتھ مخصوص ٹھہرائے گئے ہیں تو نبی الانبیاء والمرسلین حبیب رب العالمین صلی اللہ علیہ وسلم جنتی روضہ اور باغیچہ کے ساتھ مخصوص ٹھہرائے گئے ہیں۔ یہ تھی آخری مراد ہماری اور مکمل مقصود ہمارا والحمد للہ اولا وآخرا وظاهرا وباطنا وصلی اللہ علی سیدنا محمد وعلی آله وصحبه وازواجه

وذریته وسلم تسلیما کثیرا دائما ابدًا الی یوم الدین وحسبنا الله ونعم الوکیل ولا حول ولا قوۃ الا بالله العلی العظیم اللهم تقبله برحمتك یا ارحم الراحمین انتهی "کتاب الدرۃ الثمین فی فضائل المدینة"

ان امور کا بیان جن کا کرنا زائر کے لیے مناسب نہیں ہے

علامہ ابن حجر الجوہر المنظم میں فرماتے ہیں نبی کریم علیہ السلام کے مزار اقدس کا طواف کرنا جائز نہیں ہے جیسے کہ امام نووی نے تمام علماء اعلام کا اس پر اجماع و اتفاق نقل کیا ہے اور اس کی توجیہ یہ ہے کہ جس طرح نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم و تکریم کے لیے آپ کے مزار اقدس کی طرف منہ کر کے نماز ادا کرنے کی حرمت پر علماء کرام کا اجماع ہے اسی طرح آپ کی قبر انور کا طواف کرنے کی حرمت پر بھی اتفاق ہے۔ کیونکہ طواف بمنزلہ نماز کے ہے۔

امام حلیمی اور دیگر اکابر ائمہ نے فرمایا ہے کہ قبر انور کی دیوار مبارک کے ساتھ پیٹ یا پیٹھ کا لگانا اور چمٹانا مکروہ ہے اور جس طرح روضہ اقدس و حجرہ مبارکہ کی دیوار کے ساتھ پیٹ اور پشت کا لگانا مکروہ ہے اسی طرح باہر کی دیوار کا حکم بھی ہے۔

قیاس تو یہ تھا کہ یہاں بھی حرمت کا حکم لگایا جاتا لیکن چونکہ اس فعل کے مرتکب محض تبرک کے طور پر یہ فعل کرتے ہیں جب کہ وہ صحیح ادب و احترام سے جاہل اور بے خبر ہوتے ہیں لہٰذا ان کے اس زعم و اعتقاد کا تقاضا یہ ہے کہ حکم حرمت اٹھ جائے اور محض کراہت ثابت کی جائے۔ اور اس قصد تبرک اور ارادۂ استفادہ کو رفع کراہت میں کوئی دخل نہیں ہے بلکہ یہ حکم لگانا ضروری ہے تاکہ لوگ آپ پر ہجوم کرنے سے باز رہیں اور جو طریقۂ ادب و احترام کا ان کے لیے مشروع قرار نہیں دیا گیا اس سے رکے رہیں۔ اسی لیے ہر شخص پر لازم ہے کہ آپ کا ادب اس طریقہ کے مطابق کرے جس کی اللہ تعالےٰ نے آپ کی امت کے لیے رخصت دے رکھی ہے اور مخلوق کے لیے اس قسم کا ادب و احترام ادا رکھا گیا ہے۔ کیونکہ اس سے تجاوز کرنا العیاذ باللہ کفر کا موجب بن جائے گا بلکہ جو حد ادب و احترام کی شرعاً وارد ہے اس سے تجاوز بھی بسا اوقات ارتکاب محذور کا باعث بن جاتا ہے لہٰذا صرف جس قدر ادب و احترام اور اس کی جو کیفیت شرعاً ثابت ہے اسی پر اکتفاء کیا جائے۔

یہ امر متقرر و ثابت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے درِ اقدس کے علاوہ تمام مقامات کو مبتدعات و محدثات سے محفوظ رکھنا ضروری ہے تو پھر بارگاہ نبوت کی ان امور سے حفاظت بطریق اولیٰ ضروری ہے کیونکہ جو شخص بادشاہ کے پایۂ تخت کے سامنے اس کی موجودگی میں مخالفت کرتا ہے وہ بہت بڑے جرم کا مرتکب ہے اور وہ اس امر کا زیادہ حقدار ہے کہ اس کو عتاب و عقاب کیا جائے اور دربارِ شاہی سے نکال باہر کیا جائے بہ نسبت اس کے جو دور رہ کر حکم شاہی کی خلاف ورزی کرتا ہے۔

ایضاح میں امام نووی نے فرمایا کہ علماءِ اعلام اور ائمہ اسلام نے فرمایا ہے کہ قبر انور اور روضۂ اطہر کی دیوار کو ہاتھ لگانا اور بوسہ دینا مکروہ ہے بلکہ صحیح ادب و نیاز مندی یہ ہے کہ جس طرح حالتِ حیات طیبہ ظاہرہ میں حاضر ہوتا تو دور ہٹ کر بیٹھتا اب بھی اسی طرح دور ہٹ کر بیٹھے یا کھڑا ہو یہی صواب اور راہ راست ہے اور یہ سب علماء کا متفق علیہ قول ہے۔ اور عوام

کی اکثریت کو اس کے خلاف عمل پیدا دیکھ کر دھوکہ نہیں کھانا چاہیئے کیونکہ اقتداء صرف اقوال علماء کی درست ہے اور انہیں پہ عمل کرنا جائز ہے۔ عوام کے محدثات اور انکے خیالات کی طرف التفات نہیں کرنا چاہیے۔

جس شخص کے دل میں یہ وہم پیدا ہو کہ ہاتھ لگانا اور بوسہ دینا وغیرہ زیادہ باعث برکت ہے تو یہ اس کی غفلت اور جہالت ہے کیونکہ برکت و فیض صرف اور صرف موافقت شرع اور متابعت اقوال علماء میں ہے اور راہِ صواب و صراطِ مستقیم کی مخالفت کر کے کس طرح فضیلت اور برتری حاصل کی جاسکتی ہے۔ انتہی کلام الایضاح۔

قبر انور کو بوسہ دینے اور ہاتھ لگانے کا جواز

ابن حجر مکی نے ذکر فرمایا کہ عز بن جماعہ اور دیگر علماء اعلام اور ائمہ اسلام نے امام نووی کے حکم کراہت پر امام احمد کے قول سے اعتراض کیا ہے جب ان سے قبر انور کی دیوار اقدس کو بوسہ دینے اور مس کرنے کے متعلق دریافت کیا گیا تو انہوں نے فرمایا لاباس بہ اس میں حرج نہیں ہے۔ نیز محب طبری اور ابن ابی الصیف نے فرمایا۔

یَجُوْزُ تَقْبِیْلُ الْقَبْرِ الشَّرِیْفِ وَمَسُّهٗ وَعَلَیْهِ عَمَلُ الْعُلَمَاءِ الصَّالِحِیْنَ۔ قبر انور کو بوسہ دینا اور اس کو ہاتھ لگانا جائز ہے اور اس پر علماء صالحین کا عمل ہے۔ علامہ سبکی فرماتے ہیں اِنَّ عَدَمَ التَّمَسُّحِ بِالْقَبْرِ الشَّرِیْفِ لَیْسَ مِمَّا قَامَ عَلَیْهِ الْاِجْمَاعُ قبر انور کو ہاتھ نہ لگانے پر اجماع منعقد نہیں ہے۔ پھر ابن حجر نے ان اقوال منقولہ کا جواب دیا اور امام نووی کے کلام کو راجح قرار دیا کہ یہ امور مکروہ ہیں۔ اور من جملہ کراہت پر دال اقوال کے امام غزالی کا قول احیاء العلوم سے نقل فرمایا ہے۔ مَسُّ الْمَشَاهِدِ وَتَقْبِیْلُهَا عَادَةُ الْیَهُوْدِ وَالنَّصَارٰی۔ مشاہد خیر کو مس کرنا اور انہیں بوسہ دینا یہود و نصاریٰ کی عادت ہے۔ اور علامہ زعفرانی فرماتے ہیں وَضْعُ الْیَدِ عَلَی الْقَبْرِ وَمَسُّهٗ وَتَقْبِیْلُهٗ مِنَ الْبِدَعِ الَّتِیْ تُنْکَرُ شَرْعًا۔ قبر اطہر کے اوپر ہاتھ رکھنا اور مس کرنا اور بوسہ دینا اُن بدعات سے ہے جن پہ شرعًا انکار کیا جانا چاہیے۔

الغرض ان اقوال سے معلوم ہو گیا کہ مشاہد اولیاء کو ہاتھ لگانا اور بوسہ دینا مکروہ ہے۔ ہاں غلبۂ حال اور حالت وجد میں اگر کرتا ہے تو اس میں حرج نہیں ہے۔ اور اس کی دلیل حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے۔

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ آپ مزار پر انوار پر اوندھے پڑے تھے کہ عین اس حالت میں مروان بن الحکم اموی آ پہنچا۔ اور ان کی گردن کو پکڑ لیا۔ پھر کہا هَلْ تَدْرِیْ مَاذَا تَصْنَعُ؟ جانتے ہو کیا کر رہے ہو؟ آپ نے اس کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا۔ نَعَمْ اِنِّیْ لَمْ آتِ الْحَجَرَ وَلَا اللَّبِنَ وَاِنَّمَا جِئْتُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَا تَبْکُوْا عَلَی الدِّیْنِ اِذَا وَلِیَهٗ اَهْلُهٗ وَلٰکِنْ اِبْکُوْا عَلَیْهِ اِذَا وَلِیَهٗ غَیْرُ اَهْلِهٖ۔ ہاں میں جانتا ہوں۔ نہ میں کسی پتھر کے پاس آیا ہوں اور نہ کسی اینٹ کے پاس میں بارگاہِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہوا ہوں، دین پر اس وقت تک رونے اور ماتم کرنے کی ضرورت نہیں ہے جب تک اس کے حاکم اہل اور لائق ہوں اور جب اس

کا انتظام نا اہل لوگوں کے ہاتھ میں ہو تو پھر اس پر رونے اور ماتم کرنے کی ضرورت ہے (اس میں مروان پر تعریض ہے کہ وہ نا اہل ہے کہ اسے پتھر و صنم اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان فرق معلوم نہیں ہوا۔) اور حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے اس جواب میں واضح اشارہ ہے کہ انہوں نے محض قبر انور کے پتھروں اور اینٹوں کے مسح اور تقبیل وغیرہ کا ارادہ نہیں کیا بلکہ ان کا مقصد کچھ اور ہی ہے کیونکہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر مقدس میں زندہ ہیں لہٰذا ان کا اعزاز و اکرام پیش نظر رکھتے ہوئے قبر اطہر کا اکرام کیا ہے تو گویا یہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا احترام اور اکرام ہے۔ ف

بعض زائرین نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو قبر شریف میں دیکھ کر حالتِ وجد میں بوسہ دیتے ہیں

کبھی محبت اور شوق کا بعض زائرین پر اس قدر غلبہ ہو جاتا ہے کہ ان کی نگاہ سے حجاب قبر ہٹ جاتا ہے اور وہ گویا اپنی آنکھوں سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا مشاہدہ کرتے ہیں اور یہ کیفیت ان کو عاداتِ خلق اور ان کے معمولات سے نکال کر منازل حقائق کی طرف لے جاتی ہے (لہٰذا ان کا معاملہ عوام سے مختلف ہے) اَذَاقَنَا اللہُ سُبْحَانَہٗ وَتَعَالٰی ذَالِکَ وَالْمُحْسِنِیْنَ اِلَیْنَا وَذَرَارِیْنَا بِمَنِّہٖ وَجُوْدِہٖ وَکَرَمِہٖ آمین۔

ابن حجر فرماتے ہیں بعض علماء نے امام مالک، شافعی اور احمد رحمہم اللہ تعالیٰ سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے ان تین امور پر سخت انکار فرمایا یعنی قبر اطہر کا طواف۔ پیٹ اور پشت کا دیوارِ روضۂ اقدس سے چمٹانا۔ اور اسے ہاتھ لگانا اور بوسہ دینا محل انکار و اعتراض ٹھہرایا اور سند جید کے ساتھ مروی ہے کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے جب خواب میں سرکار دو عالم

ف ولنعم ما قال مجنون لیلیٰ ؎ اَمُرُّ عَلَی الدِّیَارِ دِیَارِ لَیْلٰی، اُقَبِّلُ ذَا الْجِدَارَ وَذَا الْجِدَارَ
وَمَا حُبُّ الدِّیَارِ شَغَفْنَ قَلْبِیْ. وَلٰکِنْ حُبُّ مَنْ سَکَنَ الدِّیَارَ

میں دیار لیلیٰ پر گزرتا ہوں تو کبھی اس دیوار کو بوسہ دیتا ہوں اور کبھی اُس دیوار کو۔ میرے دل کو مشغوب و مشغول صرف ان دیار نے نہیں کر رکھا بلکہ دراصل دل میں صرف اسی ذات کا گھر ہے جو کبھی ان دیار میں سکونت پذیر تھی۔

لہٰذا اگر کوئی شخص قبر کو نہیں بلکہ صاحب قبر کو مدنظر رکھتے ہوئے (قبر انور کو) ہاتھ لگائے اور اس کا بوسہ لے لے تو کیا حرج ہے۔ حضرت ابو ایوب انصاری کا فعل۔ حضرت بلال بن رباح کا فعل۔ حضرت سیدہ زہراء رضی اللہ عنہا کا عمل، امام احمد کا فرمان۔ محب طبری اور ابن ابی الصیف کا فتویٰ اور اس کو عمل علما صالحین قرار دینا۔ اس امر کی واضح دلیل ہے کہ ان امور میں شرعاً کوئی خاص حرج نہیں ہے چہ جائے کہ ان افعال کے مرتکبین کو کافر و مشرک قرار دیا جاتے نعوذ باللہ من ذالک
جس طرح کہ آج کل کے نجدیوں اور نجدیت کے پرستاروں کا تکیۂ کلام ہے اور اس کو صنم پرستی اور بت پرستی قرار دیتے ہیں العیاذ باللہ محمد اشرف

صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ اے بلال یہ کیا جفا کاری ہے کہ ہماری زیارت کو نہیں آتے تو انہوں نے فوراً شام سے مدینہ منورہ کا قصد کیا۔ اور اس راہِ شوق پر سر کے بل چلتے ہوئے جب منزلِ مقصود پر پہنچے تو آنکھوں سے آنسو بہا رہے تھے اور اپنا چہرہ قبر انور کی خاک پاک پر مل رہے تھے جَعَلَ یَبْکِیْ وَیُمَرِّغُ وَجْهَهٗ عَلَی الْقَبْرِ الشَّرِیْفِ۔

اور حضرت سیدہ فاطمہ زہراء رضی اللہ عنہا سے منقول ہے کہ انہوں نے جب قبر اطہر سے مٹی کی مٹھی بھری اور آنکھوں پر لگائی تو روتے ہوئے دو بیت زبان اقدس سے پڑھے ؎

مَاذَا عَلٰی مَنْ شَمَّ تُرْبَةَ اَحْمَدَ. اَنْ لَّا یَشُمَّ مَدَی الزَّمَانِ غَوَالِیَا
صُبَّتْ عَلَیَّ مَصَائِبُ لَوْ اَنَّهَا۔ صُبَّتْ عَلَی الْاَیَّامِ صِرْنَ لَیَالِیَا

جس نے احمد مجتبیٰ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی تربت اطہر کو سونگھ لیا ہے وہ اگر رہتی دنیا تک غوالی اور بیش قیمت خوشبوؤں کو نہ سونگھے تو کیا حرج ہے بلکہ اس قربۂ اقدس میں محبوب کریم علیہ السلام کی رچی بسی خوشبو اس کو دنیا کی تمام خوشبوؤں سے بے نیاز کر دے گی۔

مجھ پر فراق نبوی میں اس قدر مصائب و حوادث ڈھائے گئے ہیں کہ اگر ان کو چمکتے اور روشن دنوں پر ڈالا جاتا تو وہ شب تاریک میں تبدیل ہو جاتے اس روایت کو خطیب بن حملہ نے نقل کیا اور فرمایا کہ اس میں شک نہیں ہے کہ محبت میں استغراق و شغف ان امور کے اذن و رخصت کا متقاضی ہے اور مقصد حقیقی ان سب امور میں احترام و اکرام اور توقیر و تعظیم ہے اور لوگوں کے مراتب ان معاملات میں مختلف ہیں جیسے کہ حالتِ حیات ظاہرہ میں مختلف مراتب ہوتے تھے بعض تو دیکھتے ہی پروانہ وار اس شمع رسالت پر نثار ہونے لگتے اور بعض حلم و حوصلہ اور تمکن و وقار کا مظاہرہ کرتے (جس طرح وفد عبدالقیس میں شامل حضرات نے شمع نبوت کو دیکھنے پر مظاہرہ کیا) مگر سب کا مقصد نیک ہے۔ نیت درست ہے لہٰذا محل اعتراض و انکار نہیں ہیں (جس طرح آپ نے وفد عبدالقیس پر اعتراض نہ فرمایا۔)

قبر انور کے لیے انحناء اور اس کے سامنے زمین بوسی سخت مکروہ فعل ہے

قبر انور کے لیے انحناء اور جھکنا مکروہ ہے۔ اور اس کے سامنے زمین بوسی اس سے بھی زیادہ قبیح ہے جیسے کہ ابن جماعہ نے ذکر کیا ہے۔ ان کا کلام ان کے ہی الفاظ میں ملاحظہ فرمائیے۔ فرماتے ہیں بعض علماء کرام نے فرمایا۔ یہ امر بدعات قبیحہ سے ہے۔ اور بے علم و بے خبر لوگ سمجھتے ہیں کہ یہ شعارِ تعظیم اور علاماتِ توقیر سے ہے۔ اور اس سے قبیح تر یہ فعل ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم و تکریم کے لیے زمین کو بوسہ دیا جائے۔ کیونکہ سلف صالحین سے یہ فعل منقول نہیں ہے۔ اور خیر و برکت انہیں کی اتباع و اطاعت میں ہے۔ اور جس شخص کا خیال یہ ہے کہ زمین بوسی میں بہت زیادہ برکت ہے تو یہ اس کی جہالت اور غفلت ہے۔ کیونکہ برکت صرف موافقت شریعت میں ہے اور متابعت اقوال و اعمال علماء اعلام ہیں۔ بیں ان لوگوں

پر متعجب نہیں ہوں جو بے خبری اور لاعلمی میں ان امور کا ارتکاب کرتے ہیں۔ بلکہ مجھے حیرانگی ہے تو ان علماء پر ہے جنہوں نے جانتے ہوئے اس امر قبیح کو مستحسن قرار دیا ہے یعنی اگر عمل اسلاف میں ذرہ بھر تامل سے کام لیتے تو اس امر کی قباحت ان پر واضح ہو جاتی۔

صاحب خلاصۃ الوفاء علامہ سید سمہودی فرماتے ہیں میں نے بعض جاہل قاضیوں کو دیکھا کہ وہ بارگاہِ ملا علی قاری میں اس فعل شنیع کا ارتکاب کر رہے تھے۔ اور سجدہ کرنے والے شخص کی مانند پیشانی کو زمین پر رکھا اور عوام نے بھی ان کی اتباع شروع کر لی۔

علامہ ابن حجر فرماتے ہیں کہ بعض صالحین سے بھی اس قسم کا فعل قبور اولیاء پر دیکھنے میں آیا ہے لیکن ظاہر یہی ہے کہ ان پر اس وقت کوئی ایسی حالت طاری تھی جس نے ان کو اپنے آپ سے باہر کر دیا تھا اور یہ فعل ان سے لاشعوری طور پر سرزد ہوا تھا اور جو اس مرتبہ تک واصل ہو چکا ہو اس پر اعتراض نہیں کیا جا سکتا۔

الحاصل یہ تو تھا کلام محلق انحناء میں یعنی سر اور گردن کو جھکانے میں لیکن بالکل رکوع کی صورت میں جھک جانا بعض علماء کے نزدیک حرام ہے اور سرورکونین صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے زمین بوسی تو وہ سجدہ کے بہت مشابہ ہے بلکہ عین سجود ہے لہذا اس کو حرام کہنے میں توقف کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

انحناء بصورت رکوع کی حرمت اور زمین بوسی کی کراہت

علامہ ابن حجر فرماتے ہیں کہ ان علماء کا قول تحریم رکوع کے متعلق تو درست ہے جب کہ اس سے تعظیم مقصود ہو۔ بخلاف زمین بوسی کے۔ اور ان میں باہم فرق یہ ہے کہ رکوع کی صورت، صورتِ عبادت ہے لہذا مخلوق کے لیے بقصد تعظیم و تکریم اس کا فعل موہم تشریک فی العبادت ہے لہذا حرام ہے بلکہ جب اس قسم کی تعظیم کا ارادہ کرے جو اللہ تعالٰے کے شایان شان ہے تو یہ فعل موجب کفر بن جائے گا۔ لیکن زمین کا اس طرح چومنا جو عبادت کی صورت پر نہ ہو تو وہ مس و مسح قبر اور پشت و پیٹ دیوار قبر سے چمٹانے کے متشابہ ہے لہذا حرام نہیں ہو گا بلکہ مکروہ ہو گا کیونکہ اس میں صورتِ رکوع کی مانند ایہام شرک فی العبادت کا نہیں ہے لہذا اس میں حرمت کا موجب و باعث موجود نہیں ہے۔ فتامل ذالک فانہ مہم انتہی کلام ابن حجر۔

ابن حجر کا یہ سارا کلام خلاصۃ الوفاء سمہودی سے منقول ہے کیونکہ اس میں یہ ساری تقریر بمع اضافہ کے موجود ہے اور میں نے اس کو خلاصۃ الوفاء کی بجائے الجوہر المنظم سے اس لئے نقل کیا ہے تاکہ ابن حجر کی تصدیق سے اس میں مزید قوت پیدا ہو جائے۔

منبر شریف اور قبر انور کو تبرکاً ہاتھ لگانا اور بوسہ دینا درست ہے۔

علامہ سمہودی خلاصۃ الوفاء میں فرماتے ہیں کہ امام عبداللہ بن الامام احمد نے کتاب العلل والسؤالات میں نقل فرمایا ہے کہ میں نے اپنے والد گرامی امام احمد سے دریافت کیا کہ جو شخص منبر شریف کو بطور تبرک ہاتھ لگاتا ہے اور بوسہ دیتا ہے اور قبر انور کے

ساتھ بھی برکت حاصل کرنے کے لیے یہ فعل کرتا ہے تو اس کے متعلق کیا حکم ہے جب کہ اس کا مقصد محض برکت کا حصول ہے اور اللہ تعالٰے سے ثواب کی امید تو آپ نے فرمایا کہ اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ لا باس بہ۔

علامہ اذرعی فرماتے ہیں کہ قبور الانبیاء (اولیاء) کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے کی حرمت کا جزم و یقین کئے بغیر چارہ نہیں ہے خواہ اس سے مقصد تبرک و تعظیم ہی ہو۔

اور تتمۃ متولی میں ہے کہ قبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف متوجہ ہو کر نماز ادا کرنا حرام ہے۔ علامہ اذرعی فرماتے ہیں کہ یہ حکم صرف نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مزار مقدس کے ساتھ خاص نہیں ہے بلکہ سب قبور انبیاء و اولیاء کا حکم یہی ہے۔ بعدازاں انہوں نے حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کا اپنے چہرہ کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مزار پر انوار پر رکھنا، مروان کا ان پر اعتراض کرنا اور ان کا جواب دینا نقل کیا۔ اسی طرح حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا شام سے بقصد زیارت حاضر ہو، اور اپنے چہرہ کو تربت انور پر ملنا ذکر کیا۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا دایاں ہاتھ مزار مقدس پر رکھنا ذکر کیا۔ علاوہ ازیں خطیب بن جملہ کا یہ فتویٰ جیسے کہ ابن حجر کے کلام میں گذرا کہ محبت میں استغراق اور بے خودی ان امور کے اذن اور رخصت کی متقاضی ہے اور مقصد فقط تعظیم ہے اور لوگوں کے مراتب تعظیم و تکریم اور ادب و احترام کے لحاظ سے مختلف ہوتے ہیں جس طرح ان میں حالتِ حیات میں تفاوت تھا وصال کے بعد بھی اسی طرح تفاوت ہے۔ بعض کی نظر اس جمال جہاں آرا پر پڑتی تو بے تابانہ دوڑ کر محبوب کریم کے قدموں پر گر پڑتے اور بعض حلم و حوصلہ اور تمکن و وقار کا مظاہرہ کرتے۔

علاوہ ازیں ابن ابی الصیف اور محب طبری رحمہما اللہ تعالیٰ سے قبورِ صالحین کو بوسہ دینے کا جواز منقول ہے اسماعیل الیمنی سے منقول ہے کہ محمد بن المنکدر تابعی کو زبان میں بندش کا عارضہ لاحق ہو جاتا اور وہ بولنے سے قاصر و عاجز ہو جاتے تو آکر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مزار مقدس پر اپنا رخسار رکھ دیتے انہیں اس فعل کے ارتکاب پر عتاب کیا گیا تو انہوں نے فرمایا میں محبوبِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے مزار اقدس سے اپنی بیماری سے شفایابی میں توسل حاصل کرتا ہوں۔

حضرت عارف کبیر سیدی شیخ عبدالغنی نابلسی قدس سرہ العزیز نے ایک کتاب تالیف فرمائی ہے جس کا نام "جمع الاسرار فی منع الاشرار عن الطعن فی الصوفیۃ الاخیار" رکھا ہے اس میں انہوں نے مذاہب اربعہ کے مشاہیر علماء اعلام کے فتاوے نقل کئے ہیں جن میں سے ایک فتویٰ یہ ہے جو کہ شیخ امام علامہ محمد شوبری مصری شافعی کی خدمت میں پیش کیا گیا۔

استفتاء - کیا کرامات اولیاء ان کے وصال کے بعد بھی ثابت ہیں ؟ کیا ان کے تصرفات بعد از وصال منقطع ہوتے ہیں یا نہیں ؟ اور آیا اولیاء کرام کے تابوتوں اور ان کی چوکھٹوں کو بوسہ دینا جائز ہے یا نہیں ؟

جواب :- کرامات اولیاء بعد از وصال بھی ثابت ہیں۔ اور ان کے تصرفات موت کی وجہ سے منقطع نہیں ہوتے۔ ان کے ساتھ بارگاہ خداوندی میں توسل جائز ہے۔ اور انبیاء و مرسلین اور علماء و صالحین سے موت کے بعد بھی استغاثہ جائز ہے کیونکہ

معجزات انبیاء اور کرامات اولیاء موت سے منقطع نہیں ہوتیں۔ انبیاء کرام کے معجزات کا عدم انقطاع تو اس لیے ہے کہ وہ اپنی قبور میں زندہ ہیں نمازیں ادا کرتے ہیں اور حج کرتے ہیں جیسے کہ اخبار و احادیث اس پر شاہد ہیں اور بطور معجزہ وہ اغاثہ اور فریاد رسی پر قادر ہیں۔ لیکن اولیاء کرام کے تصرفات اور فریاد رسی تو یہ ان کی کرامت ہے۔ اور شیخ شہاب رملی فرماتے ہیں بعد از وصال اولیاء کرام سے کرامات کا صدور مشاہدات کے قبیلہ سے ہے لہٰذا اس کا انکار ممکن نہیں ہے ہم بہر حال یہی عقیدہ رکھتے ہیں کہ ان کی کرامات بعد از وفات اسی طرح ثابت ہیں جس طرح حالتِ حیات میں۔ اور موت کی وجہ سے منقطع نہیں ہوتیں۔

رہا اولیاء کرام کے تابوتوں اور ان کی چوکھٹوں کو بوسہ دینا تو اس کے جواز میں کسی طرح کا اختلاف نہیں ہے بلکہ بطور تبرک بوسہ دینے میں کراہت بھی نہیں ہے جیسے کہ شیخ رملی نے فتویٰ دیا ہے۔ علامہ شوبری اس فتویٰ کے آخر میں فرماتے ہیں یہ امر بالکل ظاہر ہے اور محتاج دلیل نہیں ہے۔ کیونکہ دلیل کی ضرورت صرف جاہل کو ہو سکتی ہے یا منکر و معاند کو جن کی طرف نہ التفات کیا جاتا ہے اور نہ ہی مباحث شرعیہ میں ان پر اعتماد کیا جاتا ہے۔ انتہت فتویٰ العلامہ شوبری بنقل العلامہ النابلسی قدس سرہ العزیز

فتویٰ الشیخ حسن العدوی المالکی مصری

علامہ موصوف اپنی کتاب مشارق الانوار میں فرماتے ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مزار اقدس کو بوسہ دینا مکروہ ہے۔ لیکن امام بوصیری کا یہ قول ہے

لَا طِيْبَ يَعْدِلُ تُرْبًا ضَمَّ اَعْظُمَهٗ   طُوْبٰى لِمُنْتَشِقٍ مِنْهُ وَمُلْتَثِمِ

کوئی خوشبو اس تراب اطہر کا مقابلہ و برابری نہیں کر سکتی جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اعضاء مبارکہ سے ملنے والی ہے مبارک ہے اس کو سونگھنے والے کے لیے اور اس کو بوسہ دینے والے کے لیے۔ تو شارح القصیدہ علامہ ابن مرزوق فرماتے ہیں کہ اس کا کم از کم مصداق یہ ہے۔ کہ مسجد نبوی میں سجدہ ریز ہوتے وقت اپنی پیشانی اور ناک کو خاک آلود کرے۔ اور اس کا مصداق قبر انور کو بوسہ دینا نہیں ہے کیونکہ وہ مکروہ ہے۔ علامہ شبر املسی حاشیہ مواہب میں فرماتے ہیں ہمارے شیخ المشائخ علامہ رملی نے منہاج کے حاشیہ میں تصریح کی ہے کہ قبر پر چھت ڈالنا اور قبر کے اوپر والے تابوت و تعویذ کو بوسہ دینا اور ہاتھ لگانا اور مزارات کی زیارت کے لیے داخل ہوتے وقت چوکھٹوں کو بوسہ دینا مکروہ ہے۔

البتہ اگر بوسہ دینے میں اصل مقصود تبرک و استفاضہ ہو تو اس میں حرج نہیں ہے جیسے کہ والا گرامی نے فتویٰ دیا ہے کیونکہ علماء کرام نے تصریح فرمائی ہے کہ اگر حجر اسود کو بوسہ دینے سے عاجز آ جائے تو چھڑی کے ساتھ اس کی طرف اشارہ کرے اس کو بوسہ دے دے (تو اگر دور سے چھڑی کے ساتھ اشارہ کرنے پر چھڑی کا بوسہ از رہ تبرک درست ہے تو اولیاء کاملین کے مزارات کا بطریق اولیٰ)

علامہ شیخ عدوی اس کے بعد فرماتے ہیں کہ جب اولیاء کرام کے مزارات کا بوسہ بطور تبرک جائز ہے تو سید الانبیاء علیہ السلام

کے مزارِ اقدس کا بوسہ خواہ بطور تبرک نہ بھی ہو لامحالہ جائز ہو گا لہٰذا امام بوصیری رحمۃ اللہ تعالےٰ کا وہ قول اسی مقصد پر محمول ہو گا علی الخصوص جب کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبرِ انور روضۃ من ریاض الجنۃ ہے۔

علامہ موصوف فرماتے ہیں کہ قبر اطہر کے قریب کھڑا رہے یا بیٹھ جائے دراں حالیکہ وہ حزن و ملال کا مظہر ہو اور مجسم عبرت لیکن قبر انور کے گرد طواف نہ کرے کیونکہ یہ مکروہ ہے۔ اور بعض نے اس کی حرمت کا قول کیا ہے۔ اور علیٰ ہذا القیاس قبر شریف کو بوسہ دینا، اس کو ہاتھ لگانا اور نکلتے وقت الٹے پاؤں نکلنا۔ کنز الاسرار میں فرماتے ہیں کہ یہ سب افعال نصاریٰ کے افعال سے ہیں جو کہ اپنے اصنام کے ساتھ اس طرح کا سلوک کرتے تھے۔ اور مزارات اولیاء کرام کی دہلیزوں کو بوسہ نہ دے ہاں مگر بطور تبرک دے لے تو حرج نہیں ہے جیسے کہ قطب شعرانی نے تصریح فرمائی ہے۔

علامہ اجھوری فرماتے ہیں کہ آیا بوقت زیارت ولی اللہ کے قریب کھڑا ہونا درست ہے یا نہیں؟ ظاہر یہ ہے کہ اس معاملہ میں زائرین کے مرتبہ و مقام کا لحاظ ضروری ہے اور اصحاب مزارات کا بھی۔ زائر اکمل ہے تو قرب درست ہے اور صاحبِ مزار اکمل ہے تو دور ہٹ کر کھڑا ہونا ضروری ہے۔ اور بعض حضرات نے مزارات اولیاء کرام کی دہلیز اور ان کی پالکیوں کو بوسہ دینا جائز رکھا ہے جب کہ زائر کا اعتقاد درست ہو اور وہ مقتدیٰ و امام نہ ہو۔

امام قضاعی سے بھی قرب مزار اور بعد کے اندر وہ تفصیل منقول ہے جو علامہ اجھوری سے منقول ہے۔ فرماتے ہیں کہ ابو موسیٰ نے کہا میں سیدہ نفیسہ رضی اللہ عنہا کے مزار مقدس پہ حاضر ہوا اور اس پر اپنا ہاتھ رکھ دیا تو قبر کے اندر سے آواز آتی آهکذا يُدْخَلُ عَلٰى اَهْلِ بَيْتِ النُّبُوَّةِ۔ کیا اہل بیت نبوی کے ہاں حاضری کی یہی صورت ہے؟ اسی طرح اولیاء کرام کے مزارات کی دہلیزوں پر رخسار رکھنا بھی درست ہے بشرطیکہ ہیئت سجود پر نہ ہو ورنہ حرام ہے لیکن اس کو کفر قرار دینا غلط ہے کیونکہ یہاں مخلوق کے لئے سجود اور عبادت کا قصد و ارادہ نہیں ہے بلکہ اس میں محض ان کے اعتاب اور دہلیزوں سے محبت اور قلبی لگاؤ کا اظہار ہے۔

اولیاء کرام کے لیے نذر ماننے کا حکم

بعض عوام جو مزارات پر حاضری کے موقعہ پر عرض کرتے ہیں یا سیدی فلاں اگر تم نے میری فلاں حاجت پوری کر دی یا میرے مریض کو شفا دے دی تو تمہارے لیے مجھ پر یہ چیز دینا لازم ہے تو یہ کیفیت، طلب و سوال میں طریقہ مسنونہ اور انداز مشروع سے جہالت پر مبنی ہے اس کو کفر نہیں کہہ سکتے کیونکہ عوام کالانعام بھی ولی اللہ کے لیے ایجاد و تخلیق کی قدرت تسلیم نہیں کرتے۔ بلکہ ان کی نیت اور دلی ارادہ و قصد صرف ان کے ساتھ اللہ تعالےٰ کی جناب میں توسل کا ہونا ہے جب کہ ان کے اعتقاد کے مطابق صاحب مزار اللہ تعالےٰ کے ہاں مقام قرب اور درجۂ محبوب پر فائز ہو۔ کیا دیکھتے نہیں ہو وہ بار بار اپنے کلام میں اس امر کا تکرار کرتے ہیں۔

یَا صَاحِبَ النَّفْسِ الطَّاهِرِ عِنْدَ رَبِّكَ اُطْلُبْ لِیْ مِنْ مَوْلَاكَ یَفْعَلْ لِیْ كَذَا - اے اللہ تعالیٰ کے ہاں پاکیزہ نفس وروح کے مالک میرے لیے اپنے رب کریم سے اس امر کا مطالبہ کرو کہ اللہ تعالیٰ مجھے یہ چیز عنایت فرما دے! میری یہ مشکل حل فرمائے۔ لہذا ان کا یہ قول اس امر کی واضح دلیل ہے کہ وہ صرف اللہ تعالیٰ کو ہی ان مطالب و مقاصد کی تخلیق وایجاد میں مستقل ومنفرد سمجھتے ہیں۔ اور ولی اللہ محض وسیلہ وسبب ہے۔ اور ان کا عقیدہ صرف یہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے محبوبان کرام سے توسل کرنے والے کو ٹھکراتا نہیں ہے۔ کیونکہ مقام قرب اور مرتبہ محبوبیت پر فائز حضرات کی طلب ضرور شرمندہ حصول ہوتی ہے۔ جس طرح کہ سید المحبوبین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے رُبَّ رجل اَشْعَثَ اَغْبَرَ ذِیْ طِمْرَیْنِ لَوْ اَقْسَمَ عَلَی اللّٰہِ لَاَبَرَّہٗ کتنے پراگندہ بال اور غبار آلود پھٹے پرانے لباس میں ملبوس لوگ ہیں (جو بظاہر اس قدر ناقابل التفات ہیں مگر اللہ تعالیٰ کے ہاں اس مرتبہ کے مالک ہیں کہ) اگر اللہ تعالیٰ پر قسم کھائیں تو وہ لامحالہ ان کی قسم پوری کرے گا (اور ان کو قسم میں حانث نہیں ہونے دے گا)

اور بعض علماء عارفین فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا ولی موت کے بعد اللہ تعالیٰ کے ہاں زیادہ مکرم ومعظم ہوتا ہے بہ نسبت حالت حیات کے کیونکہ اس کا مخلوق سے تعلق منقطع ہو جاتا ہے اور اس کی روح اللہ تعالیٰ کے لیے متجرد وخالص ہو جاتی ہے۔ لہذا اللہ تعالیٰ اس کی عزت وکرامت کے طفیل ان کے متوسلین کی حاجات پوری فرما کر اس کی شان محبوبی ظاہر فرماتا ہے ؏

الغرض گذشتہ حوالجات سے واضح ہو گیا کہ امام احمد (بقول عبداللہ بن الامام احمد کے) محب طبری۔ ابن ابی الصیف۔ علامہ شمس

ف؎: حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی اشعۃ اللمعات جلد اول ص ۷۶۲ پر فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ حضرت ابو العباس حضرمی نے سیدی احمد بن مرزدق سے جو کہ دیار مغرب کے اعاظم علما وفقہاء اور مشائخ سے ہیں دریافت فرمایا کہ زندہ ولی کی امداد قوی ہے یا فوت شدہ کی تو انہوں نے جواب میں فرمایا بعض لوگ تو یہ کہتے ہیں کہ زندہ کی امداد قوی تر ہے مگر میرا نظریہ یہ ہے کہ فوت شدہ کی امداد اقوی ہے تو شیخ ابو العباس نے فرمایا ہاں یہ درست ہے۔ زیرا کہ او در بساط حق ست دور حضرت اوست۔ کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ قرب میں مسند محبوبیت پر فائز ہے۔

نیز محقق دہلوی اشعۃ اللمعات جلد سوم ص ۴۰۱ پر قاضی بیضاوی سے نقل کرتے ہوئے اور امام رازی تفسیر کبیر میں۔ علامہ اسماعیل حقی روح البیان میں اور علامہ آلوسی روح المعانی میں قول باری فالمدبرات امرًا کے تحت فرماتے ہیں کہ ان سے مراد کاملین کے ارواح طیبہ اور نفوس قدسیہ ہیں جن کو وصال کے بعد اللہ تعالیٰ تدبیر کائنات پر مامور فرماتا ہے۔ اور اسماعیل حقی فرماتے ہیں کہ زندگی میں اگرچہ عبادات وریاضات سے ابدان کو منزہ ومصفیٰ کر لیا جاتا ہے لیکن وہ پھر بھی ایک گونہ حجاب بنے رہتے ہیں جس طرح سورج کے آگے خفیف سا سفید بادل بھی حائل ہو جائے تو اس کی چمک ودمک میں فرق پڑ جاتا ہے اسی طرح اولیاء کرام کے آفتاب روح سے جب تک بدن کا حجاب علیحدہ نہیں ہوتا ان کی روح کی پوری قوت وطاقت اور نورانیت ظاہر نہیں ہوتی لہذا وصال کے بعد ان کو اس منصب پر فائز کیا جاتا ہے۔ تفصیلی بحث ہماری کتاب جلاء الصدور میں ملاحظہ فرمائیں۔ محمد اشرف غفرلہ

رملی ان کے والد گرامی شیخ شہاب رملی۔ ابن حجر ہیتمی مکی اور دیگر علماء اعلام اور ائمہ اسلام شافعی ہوں یا حنفی ومالکی اس امر کے قائل ہیں اور اس کے جواز کے معترف کہ روضۂ اطہر اور مزار منور کو تبرکاً بوسہ دینا یا دیوار روضہ کو بوسہ دینا اور اس کو ہاتھ لگانا جائز ہے۔ بلکہ قبور اولیاء وصالحین کا بھی ان کے نزدیک یہی حکم ہے۔ اور ان میں سے بعض نے بطور تبرک مزارات کی دہلیزوں کو بوسہ دینا بھی جائز رکھا ہے اور جو شرط تبرکاً کی لگائی ہے وہ ہر زائر کا اصل مقصد ہوتا ہے خواہ وہ اجہل الجاہلین ہی کیوں نہ ہو لہذا سب کے حق میں جواز کا ثبوت واضح ہو گیا کیونکہ کسی کا مقصد بھی نبی ورسول کی ذات مقدسہ اور ولی کی ذات مقدسہ سے تبرک حاصل کرنے کے علاوہ اور کچھ نہیں ہوتا۔

مزارات کی تقبیل اور مسح کفر وشرک نہیں * ابن تیمیہ وغیرہ کی خطا فاحش اور ضلالت

ان علماء اعلام اور خصوصًا امام احمد کا بطور تبرک بوسہ کو جائز رکھنا اہل اسلام کے لیے بہت بڑی وسعت اور تیسیر وتسہیل کا موجب ہے اور یہی امر محاسن شریعت کے لائق ومناسب ہے۔ اور علامہ ابن حجر نے اس جواز کو مغلوب الحال لوگوں کے لیے جائز رکھا اور جو اس مرتبہ پر فائز نہ ہوں ان کے لیے صرف کراہت کا قول کیا ہے نہ کہ کفر وشرک کا۔ تو دیکھیے ایک طرف علماء اعلام مقتدایان انام کے اقوال یہ ہیں اور دوسری طرف ایک شرذمۂ قلیلہ ہے جو مجسم جہالت ہیں اور سراپا غرور وتکبر وہ محض اپنے اوہام باطلہ اور تخیلات فاسدہ کی بناء پر رسول الثقلین اور انبیاء واولیاء کے مزارات کو بطور تبرک بوسہ دینے کو بھی موجب کفر وشرک قرار دیتے ہیں۔

ہم دریافت کرتے ہیں کہ یہ امر موجب کفر وشرک کیوں ہے جب کہ سب اہل اسلام عوام ہوں یا خواص اگر ان انبیاء واولیاء میں اللہ تعالیٰ کے ہاں تقرب اور محبوبیت کا اعتقاد نہ رکھتے تو ان میں سے کسی کی زیارت نہ کرتے تو وہ ان کو اپنے معبود حقیقی کا شریک کیسے بنا سکتے ہیں۔ بخدا میں کسی جاہل ترین عامی اہل اسلام کے متعلق بھی یہ گمان نہیں کر سکتا کہ وہ کسی نبی وولی کے حق میں یہ عقیدہ رکھتا ہو کہ وہ اللہ تعالیٰ کا شریک ہے یا بذاتِ خود نفع ونقصان دے سکتا ہے۔ بلکہ وہ سب قطعًا وحتمًا اور یقینًا وجزمًا جانتے ہیں کہ نفع وضرر کا مالک حقیقی صرف اللہ تعالیٰ ہے جو وحدہ لاشریک لہ ہے۔ لہٰذا اہل اسلام پر اس قدر سختی اور تشدید وتغلیظ قطعًا اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک پسندیدہ نہیں ہے۔ اور نہ ہی دین مبین کے ائمہ کرام اور علماء اعلام کے لائق ہے۔

اس امر میں شک وشبہ کی گنجائش نہیں کہ امام احمد رضی اللہ عنہ کے فتویٰ سے قطع نظر علامہ شمس رملی اور ان کے والد علامہ شہاب رملی۔ اور ابن حجر، ابن تیمیہ کے مقابلہ میں فقہ کے اندر انتہائی جلالت قدر اور دقتِ نظر کے مالک ہیں۔ اور اس حقیقت کا انکار وہی کر سکتا ہے جو عالم ہونے کے باوجود شدت تعصب اور بے جا ہٹ دھرمی کی وجہ سے ابن تیمیہ کا اندھا

…بن کر اپنی بصیرت کھو بیٹھا ہو، اور یا کورا جاہل ہو اور ان علماء اعلام اور مقتدایانِ انام کے مرتبہ و مقام سے ناواقف ہو۔

ہم نے اگرچہ ان ائمہ دین کا زمانہ نہیں پایا اور نہ ہی ان کے درجۂ علم پر فائز ہو سکے ہیں لہٰذا ہم اپنے علم کو ان کے درمیان امتیازِ مراتب کے لیے معیار اور کسوٹی نہیں بنا سکتے لیکن ہمارے پاس ایک ایسا معیار ہے جس سے بآسانی ان کے مراتب میں فرق واضح ہو سکتا ہے۔ اور معلوم ہو سکتا ہے کہ ان میں سے افضل و اکمل کون ہے۔ اور وہ معیار یہ ہے کہ ہم ان کے اپنے مذاہب میں ان کے اقوال کا مرتبہ و مقام دیکھتے ہیں تو ہمیں پتہ چلتا ہے کہ ان تینوں حضرات کا امام شافعیؒ کے مسلک و مذہب میں اتنا بلند درجہ و مقام ہے کہ عام علماء الشافعیہ کے نزدیک ان سے بڑھ کر اس درجہ معتد بہ اور معتمد علیہ اور کوئی نہیں ہے۔ لیکن اس کے برعکس ابن تیمیہ کے بہت سے اقوال مذہب حنفی میں مردود اور ناقابل التفات و اعتبار ہیں۔ نہ حنبلی ان پر عمل پیرا ہیں اور نہ ہی ان پر اعتماد کرتے ہیں اگرچہ ابن تیمیہ علماء حنابلہ کے نزدیک کثیر العلم ہے اور کتاب و سنت کا وسیع حفظ و ضبط اس کو حاصل ہے اور اکابر حفاظ و محدثین میں شمار ہوتا ہے مگر بعض مسائل میں اپنے اجتہاد پر عمل پیرا ہوتا ہے۔ اور مذہب حنبلی کے جملہ علماء اعلام کی بالکلیۃ مخالفت کرتا ہے اور بطور فخر کہتا ہے کہ یہ مسائل تیمیہ ہیں حنبلیہ نہیں ہیں جب کہ دوسرے علماء کرام صرف حنبلی ہونے پر نازاں ہیں اور اس کے ان اقوال کی اتباع کو ناجائز قرار دیتے ہیں جو مخالف مذہب ہوں تو کیا اس سے بڑھ کر ان تینوں ائمہ اعلام کے ابن تیمیہ سے افضل ہونے کی کوئی قوی دلیل ہو سکتی ہے؟

علاوہ ازیں وہ حضرات فقہ میں ابن تیمیہ کی نسبت یقیناً بدرجہا جلیل القدر ہیں اور دقیق النظر اور بایں ہمہ وہ اس کے قائل ہیں کہ اولیاء کرام کی آستان بوسی جائز ہے چہ جائے کہ انبیاء کرام اور علی الخصوص سید الانبیاء والمرسلین علیہ وعلیہم الصلوٰۃ والتسلیم کی آستان بوسی جائز نہ ہو۔ علامہ رملی اور ان کے فرزند ارجمند کے نزدیک اس میں کراہت بھی نہیں چہ جائے کہ حرمت متحقق ہو جب کہ بوسہ دینے والے کا مقصد حصولِ برکت ہو۔ اور علامہ ابن حجر کے نزدیک اس صورت میں جائز ہے جب زائر پر محبت اور حسن عقیدت کا انتہائی غلبہ ہو اور اس پر بے خودی کی حالت طاری ہو ورنہ کراہت ہے۔ اور یہ حضرات اس فتویٰ میں منفرد نہیں ہیں بلکہ اکابر ائمہ کے ساتھ متفق و موافق ہیں جن میں سے بعض کا ذکر پہلے آچکا ہے۔

لیکن اس کے برعکس ابن تیمیہ اور اس کے دونوں شاگردوں ابن قیم اور ابن عبد الہادی کو دیکھئے کہ وہ ان افعال کے سرزد ہونے پر زائرین کو گمراہ قرار دیتے ہیں اور مشرکین کے الفاظ سے تعبیر کرتے ہیں۔ ان پر طعن و تشنیع میں اس قدر مبالغہ کرتے ہیں کہ ان کی عبارات کو پڑھنے سننے والا یونہی سمجھتا ہے کہ یہ زائرین بہت بڑے مشرکین و کفار میں سے ہیں۔ حالانکہ تمہیں معلوم ہو چکا ہے کہ ان تینوں استاد اور شاگردوں کا احکام فقہ میں استنباط و اجتہاد اپنے مذہب حنبلی میں بھی قابل اعتداد و اعتبار نہیں ہے۔ تو دوسرے مذاہب میں اس کا کیا اعتبار ہو سکتا ہے؟ اور یہ بھی عام عادی احکام کی بات

ہے جس کا تعلق معاملات سے ہو چہ جائے کہ تمام اہل اسلام کی تکفیر کا معاملہ ہو اور اس کی بنیاد بھی ضعیف ترین ادلّہ ہوں اور کمزور ترین اسباب۔ تو اس امر میں کس کو شک و شبہ ہو سکتا ہے کہ انہوں نے طریق سداد کی مخالفت کی ہے۔ اور راہ صواب و رشاد سے بھٹک گئے ہیں۔

اس لیے دوسرے علماء مذاہب کو طرح خود حنبلی مذہب کے علماء اعلام نے ان پر اور ان کے متبعین پر ان مسائل میں ضلالت و گمراہی کا فتویٰ دیا ہے جس طرح کہ وہابیہ پر۔ اور لوگوں کو ان کی ان اباطیل میں اتباع و پیروی سے دور رہنے کی تلقین کی ہے۔

حسبنا اللہ ونعم الوکیل وھو سبحانہ وتعالیٰ یقول الحق وھو یھدی السبیل۔

باب دوم :

سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے استغاثہ اور فریاد رسی کی درخواست کا جواز

یہ باب چار فصلوں پر مشتمل ہے۔

فصل اول ان احادیث کے بیان میں ہے جن سے لوگوں کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ کی ظاہری حیاتِ طیبہ میں استغاثہ اور توسل ثابت ہے۔

دوسری فصل میں بروزِ قیامت شفاعتِ خلق والی احادیث کا بیان ہے۔ شفاعت و استغاثہ کی یہ قسم سرورِ کائنات علیہ افضل الصلوات کے ساتھ حیاتِ ظاہرہ اور بعد از وصال استغاثات میں سب سے اعظم اور اعلیٰ قسم کا استغاثہ ہے۔

تیسری فصل میں ائمہ کرام اور علماءِ عظام کے ان اقوال اور دلائل کا بیان ہے جن سے انہوں نے آپ سے استغاثہ کا جواز ثابت کیا ہے۔

چوتھی فصل میں مولف کتاب (علامہ نبہانی) کی طرف سے مسئلہ استغاثہ کی ایسی توضیح و تشریح ہے جو اسے ہر منصف اور صاحب عقل سلیمہ کے ذہن نشین ہو اسے جواز استغاثہ و توسل کے اعتقاد و اعتراف کی طرف مائل و راغب کرے گی جس کا اللہ تعالےٰ اور اس کے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم پہ ایمان ہے۔

فصل اول :

ان احادیث کا بیان جن میں اہل اسلام کا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے قحط سالی کے وقت بارش طلب کرنے کے لیے استغاثہ ثابت ہے۔

روی ابوداود ابن حبان عن عائشة ام المومنین رضی الله عنها قالت شکا الناس الی رسول الله صلی الله علیه وسلم قحط المطر فامر بمنبر فوضع له فی المصلی ووعد الناس یوما یخرجون فیه، فخرج حین بدا حاجب الشمس فقعد علی المنبر فکبر وحمد الله، ثم قال:

ابوداؤد اور ابن حبان نے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ سے روایت نقل کی ہے کہ لوگوں نے بارگاہ رسالت مآب علیہ افضل الصلوات میں بارش کے منقطع ہونے کی شکایت کی تو آپ نے عیدگاہ میں منبر رکھنے کا حکم دیا۔

چنانچہ وہاں منبر رکھ دیا گیا اور آپ نے لوگوں کو ایک دن کا وعدہ دیا جس میں سبھی لوگ عیدگاہ کی طرف نکلیں اور آپ بھی قدم رنجہ فرمائیں گے جب مقررہ دن آیا تو آپ سورج کا کنارہ نظر آتے ہی دولتکدہ سے باہر تشریف لائے۔ منبر پر رونق افروز ہوئے۔ اللہ تعالیٰ کی عظمت و کبریائی اور حمد و ثناء کے بعد ارشاد فرمایا۔

انکم شکوتم جدب دیارکم واستئخار المطر عن ابان زمانه، وقد امرکم الله ان تدعوه ووعدکم ان یستجیب لکم ثم قال۔

تم نے اپنے علاقوں کی خشکی اور بارش کے اپنے موسم سے متاخر ہونے کی شکایت کی ہے۔ اللہ تعالےٰ نے تمہیں دعا کرنے کا حکم دیا ہے۔ اور دعائیں قبول کرنے کا وعدہ فرمایا ہے۔ بعد ازاں فرمایا۔

الحمد لله رب العلمین الرحمٰن الرحیم مالک یوم الدین الذی لا اله الا هو یفعل ما یرید اللهم انت الله لا اله الا انت الغنی ونحن الفقراء انزل علینا الغیث، واجعل ما انزلت لنا قوة وبلاغا الی حین، ثم رفع یدیه حتی بدا بیاض ابطیه، ثم حول الی الناس ظهره واستقبل القبلة وحول رداءه وهو رافع یدیه ثم اقبل علی الناس ونزل فصلی رکعتین، فانشاء الله سحابا فرعدت وبرقت، ثم امطرت باذن الله فلم یات مسجده حتی سالت السیول، فلما رای ذلک وسرعتهم الی السکن ضحک حتی بدت نواجذه، فقال اشهد ان الله علی کل شیء قدیر وانی عبده ورسوله۔

تمام تعریفیں اللہ تعالےٰ کے لیے ہیں جو سب جہانوں کا پرورش کرنے والا ہے دنیا و آخرت میں فضل و احسان کی بارشیں برسانے والا ہے اور قیامت کے دن کا مالک ہے۔ صرف وہی معبود برحق ہے اور جو چاہتا ہے کرتا ہے اے اللہ صرف تو معبود برحق ہے تیرے سوا کوئی مستحقِ عبادت نہیں، تو بے نیاز ہے اور ہم محتاج و فقیر ہیں۔ ہم پر بارانِ رحمت نازل فرما اور جو بارش نازل فرمائے اسے ہمارے لیے ایک وقت تک قوت و توانائی کا ذریعہ بنا۔ پھر آپ نے دعاء کے لیے ہاتھ مبارک اتنے بلند فرمائے کہ آپ کی مبارک بغلوں کی سفیدی نظر آنے لگی۔ بعد ازاں لوگوں کی طرف پشت مبارک پھیری۔ قبلہ کی طرف متوجہ ہوئے اور اپنی چادر مبارک کی تحویل فرمائی اوپر والا حصہ نیچے اور باہر والا حصہ اندر کر دیا، جب کہ آپ نے دعا میں ہاتھ بلند کئے ہوئے تھے۔ پھر لوگوں کی طرف متوجہ ہوئے۔ منبر سے نیچے اترے۔ دو رکعت نماز ادا فرمائی۔ اللہ تعالےٰ نے (اپنے فضل و کرم) سے بادل پیدا فرمایا۔ جو گرجا اور چمکا اور زور دار مینہ برسنے لگا۔ ابھی آپ واپس مسجد شریف میں نہیں پہنچنے پائے تھے کہ وادیاں بھر کر بہنے لگیں۔

جب سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے بارش کا زور سے برسنا اور لوگوں کا گھروں کی طرف تیزی سے دوڑنا

ملاحظہ فرمایا۔ تو فرطِ مسرت سے ہنسے حتیٰ کہ آپ کی ڈاڑھیں مبارک نظر آنے لگیں اور فرمایا اشہد ان اللہ علیٰ کل شیء قدیر وانی عبدہ ورسولہ۔

وروی البخاری ومسلم عن انس رضی اللہ عنہ ان رجلا دخل المسجد یوم الجمعۃ من باب کان نحو دار القضاء ورسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قائم یخطب فاستقبل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قائما۔

میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پہ قادر ہے اور میں اللہ تعالےٰ کا عبد خاص اور رسول برحق ہوں (اسی لیے میرے عرض کرنے پہ فوراً موسلا دھار بارش نازل فرمادی اور میرے قرب خاص اور منصب نبوت و رسالت کو واضح فرمادیا)

امام بخاری اور امام مسلم نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت نقل فرمائی ہے کہ جمعہ کے دن رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کھڑے ہو کر خطبہ دے رہے تھے کہ دار القضاء کی سمت والے دروازہ سے ایک شخص مسجد شریف میں داخل ہوا۔ اور کھڑے ہو کر بارگاہ رسالت مآب علیہ افضل الصلوات کی طرف متوجہ ہو کر عرض کیا۔

یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ هَلَكَتِ الْاَمْوَالُ وَانْقَطَعَتِ السُّبُلُ فَادْعُ اللّٰہَ یُغِیْثُنَا۔

اے رسولِ خدا! مال مویشی ہلاک ہو چکے ہیں اور راستے (سواریوں کی ہلاکت کی وجہ سے) منقطع ہو چکے ہیں لہٰذا اللہ تعالےٰ سے دعا کریں کہ وہ ہمیں بارانِ رحمت سے نوازے۔

محبوبِ کریم علیہ السلام نے حالت خطبہ میں ہی دست دعا بارگاہ کبریاء میں بلند کر دیتے اور تین مرتبہ عرض کیا اے اللہ ہمیں بارش عطا فرما۔ حضرت انس فرماتے ہیں بخدا (رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دست دعا اٹھنے سے پہلے) نہ ہمیں آسمان پہ بادل نظر آتا تھا اور نہ ہی بادل کا کوئی ٹکڑا۔ حالانکہ ہمارے اور دامن سلع کے درمیان نہ کوئی مکان تھا اور نہ حویلی (کہ ہماری نظر کے لیے حجاب اور رکاوٹ ثابت ہو)

سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے سے ڈھال کے برابر چھوٹی سی بدلی رونما ہوئی۔ آسمان کے درمیان میں پہنچ کر پھیل گئی اور فوراً مینہ برسنے لگا اور مسلسل ایک ہفتہ بادل چھایا رہا اور زوردار مینہ برستا رہا اگلے جمعہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ دے رہے تھے کہ اسی دروازے سے ایک آدمی داخل ہوا۔ اور آنحضور علیہ السلام کی طرف منہ کر کے بحالتِ قیام عرض پرداز ہوا یا رسول اللہ (اب پانی کی کثرت سے) مال مویشی ہلاک ہو رہے ہیں اور راستے منقطع ہو چکے ہیں لہٰذا اللہ تعالےٰ سے دعا کریں کہ ہم سے بارش کو روک لے۔

رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں ہاتھ مبارک دعا کے لیے بلند کئے اور بارگاہِ خداوندی میں عرض کیا اے اللہ ہمارے اردگرد بارش ہوتی رہے اور ہم پہ نہ ہو۔ اے بارالٰہ پہاڑیوں ٹیلوں۔ وادیوں اور جنگلات پہ بارش نازل

ہوتی رہے حضرت انس فرماتے ہیں ہم جمعہ سے فارغ ہو کر نکلے تو دھوپ نکلی ہوئی تھی اور اسی میں چل کر گھروں کو لوٹے۔

شریک راوی حدیث نے حضرت انسؓ سے دریافت کیا کہ دوبارہ بارش تھمنے کی دعا کرانے والا وہی پہلا شخص تھا یا کوئی اور تو انہوں نے فرمایا مجھے یہ تسلی نہیں ہے۔

اور مسلم شریف کی روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ محبوبِ کریم علیہ السلام اللہم حوالینا ولا علینا کہتے جاتے تھے اور بادلوں کی طرف اشارہ فرماتے جاتے تھے۔ دستِ اقدس سے جس سمت بھی اشارہ فرماتے بادل پھٹ جاتا حتیٰ کہ ہمیں مدینہ طیبہ مستدیر اور گول تالاب کے اندر کھڑا محسوس ہوتا تھا۔ اور وادی قناۃ ایک ماہ مسلسل لبالب بہتی رہی اور جدھر سے بھی کوئی آدمی آیا اس نے بہت ہی موسلا دھار بارش برسنے کی اطلاع دی عـہ

امام بیہقی نے دلائل النبوت میں یزید بن علبید سلمی رضی اللہ عنہ کے واسطہ سے نقل فرمایا ہے کہ جب رسول مکرم صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ تبوک سے مراجعت فرما ہوئے تو آپ کی بارگاہ اقدس میں بنی فزارہ کے تیرہ چودہ آدمیوں کا وفد حاضر ہوا جن میں خارجہ بن حصن بھی تھے اور حر بن قیس بھی جو کہ سب سے کم عمر تھا۔ رملہ بنت حرث کے مکان پر فروکش ہوئے۔ جن اونٹوں پر سوار ہو کر آئے وہ انتہائی لاغر اور ضعیف و نزار تھے اور وہ خود قحط سالی سے پریشان حال تھے۔ اسلام و ایمان سے بہرہ ور ہوئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے علاقہ کی حالت دریافت فرمائی تو انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ہمارے شہر اور آبادیاں قحط سالی کی لپیٹ میں ہیں۔ پورے علاقہ پر خشکی اور ویرانی چھائی ہوئی ہے۔ اہل و عیال فقر و فاقہ سے دوچار ہیں۔ مویشی ہلاک ہو چکے ہیں لہٰذا اللہ تعالےٰ سے دعا کریں ہمیں باران رحمت سے سرشار فرمائے۔ آپ ہمارے لیے بارگاہِ رب کریم میں شفاعت کریں اور اللہ تعالےٰ آپ کی بارگاہ میں ہماری شفاعت فرمائے۔

سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سبحان اللہ! تمہارے لیے مقام افسوس ہے میں نے تو بارگاہِ خداوندی میں تمہاری شفاعت کر دی تو وہ کون سی ذات ہے کہ اللہ تعالےٰ رب العزت اس کے پاس تمہاری شفاعت کرے۔ وہی الٰہ برحق ہے اور بلندی و برتری اور عظمت و کبریائی کا مالک اس کی کرسی اقتدار و اختیار سب آسمانوں اور زمینوں کو محیط ہے مگر (اس قدر وسعت و عظمت کے باوجود) جلال و عظمت باری کی وجہ سے کڑکڑاتی ہے جیسے کہ نیا پالان بوجھ کی وجہ سے کڑکڑ کی آواز دیتا ہے۔

عـہ محبوبِ کریم علیہ السلام نے باران رحمت طلب فرمائی تو جب تک آپ نے بس نہ کہا بادل نے برسنا بند نہ کیا ولقد صدق من قائل ولسوف یعطیک ربک فترضیٰ۔ رسول مکرم نے جس سمت اشارہ فرمایا۔ بادل چھٹ گیا تو معلوم ہوا بادل باذن اللہ تابع فرمان ہیں اور مطیعِ امر۔ نیز کلیتہً بارش بند ہونے کی دعا نہ فرمائی بلکہ جناب باری میں ادب و نیاز فقر و احتیاج اور تواضع و انکسار کا اظہار کرتے ہوئے صرف آبادیوں پر سے بند ہونے کی دعا فرمائی تاکہ لوگ پریشانی سے دوچار نہ ہوں۔

رسول معظم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اللہ رب العزت تمہارے خوف وخشیت کی وجہ سے اور عنقریب بارانِ رحمت کے نزول کے باعث (اپنی شان کریمی کے لائق) تبسم کناں ہے اور محوِ ضحک اور ہنسی۔ تو ایک اعرابی نے عرض کیا آیا ہمارا رب تبارک وتعالیٰ ہنستا ہے؟ یارسول اللہ۔ آپ نے فرمایا ہاں۔ تو اس نے عرض کیا پھر ہم اس کریم کی بارگاہ کرم سے محروم نہیں رہ سکتے جو خیر وبرکت کے ساتھ ہنستا ہے۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اعرابی کا یہ کلام سن کر ہنس پڑے۔

بعدازاں منبر شریف پر جلوہ فگن ہوئے۔ چند کلمات طیبات زبان اقدس پر جاری فرمائے۔ اور دعا کے لئے دست اقدس بلند فرمائے اور آپ بارش کی دعا میں جتنے ہاتھ مبارک بلند فرماتے تھے اس قدر اور کسی دعا میں ہاتھ بلند نہیں فرماتے تھے۔ چنانچہ آپ نے اس قدر ہاتھ مبارک بلند کئے کہ آپ کی بغل مبارک کی سفیدی نظر آنے لگ گئی۔

آپ کی دعا استسقاء کے جو کلمات محفوظ ہو سکے وہ یہ ہیں اے اللہ اپنے بلاد اور چارپایوں کو سیراب فرما، اپنی رحمت کو پھیلا اور مردہ شہروں میں حیاتِ نو پیدا فرما۔ اے اللہ ہمیں سیراب کرنے والی بارانِ رحمت عطا فرما جو خوشگوار ہو اور سبزوں کو اُگانے والی۔ تمام علاقوں پر محیط ہو اور ان کو اپنے گھیرے میں لینے والی۔ فوری نازل ہونے والی ہو اور دیر سے برسنے والی نہ ہو۔ نفع رساں ہو اور نقصان دہ نہ ہو۔ اے اللہ رحمت کی بارش ہو۔ عذاب والی بارش نہ ہو۔ نہ مکانوں کو گرانے والی، نہ مویشیوں کو غرق کرنے والی ہو اور نہ ہی فصلوں وغیرہ کو بے نام ونشان کرنے والی اے اللہ ہمیں بارانِ رحمت عطا فرما اور دشمنوں پر غلبہ نصیب فرما۔

حضرت ابولبابہ بن منذر رضی اللہ عنہ نے اٹھ کر عرض کیا یارسول اللہ کھجوریں کھلیانوں میں پڑی ہیں (اور بارش سے ضائع ہو جائیں گی) آپ نے فرمایا اے اللہ بارش نازل فرما۔ حضرت ابولبابہ نے تین مرتبہ عرض کیا یارسول اللہ کھجوریں کھلیانوں میں ہیں۔ آپ نے فرمایا اے اللہ ہمیں بارش عطا فرما حتیٰ کہ ابولبابہ اٹھے اور بدن سے چادر اتار کر اپنے کھلیان کے (اندر سے پانی نکالنے والے) سوراخ کو بند کر دیا۔

حضرت یزید بن عبید فرماتے ہیں بخدا آسمان پر نہ کوئی بادل تھا نہ اس کا ٹکڑا۔ اور نہ ہی مسجد نبوی اور کوہ سلع کے دامن تک کوئی عمارت اور مکان تھا (جس کی وجہ سے بادل نظر نہ آ رہے ہوں) چنانچہ کوہ سلع کے پیچھے سے ڈھال کی مانند چھوٹی سی بدلی اٹھی۔ آسمان کے درمیان میں پہنچی اور دیکھتے ہی دیکھتے پورے آسمان پر پھیل گئی اور بارش برسانے لگی۔ بخدا پورا ہفتہ لوگوں کو سورج نظر نہ آیا۔ اور حضرت ابولبابہ برہنگی کی حالت میں اٹھے اور اپنے کھلیان کے سوراخ کو اپنی چادر سے بند کیا تاکہ اس سے کھجوریں باہر بہہ نہ جائیں۔

چنانچہ اسی آدمی نے آپ سے دوبارہ عرض کیا جس نے پہلے بارش کی دعا کے لیے عرض کیا تھا۔ اے رسول خدا مال مویشی ہلاک ہو رہے ہیں اور راستے منقطع ہو رہے ہیں۔ محبوبِ خدا علیہ التحیۃ والثناء منبر پر رونق افروز ہوتے دعا

کے لیے ہاتھ اٹھائے اور انہیں بہت زیادہ بلند فرمایا حتیٰ کہ آپ کی مبارک بغلوں کی سفیدی نظر آنے لگ گئی اور جنابِ الٰہی میں عرض کیا اے اللہ ہمارے ارد گرد برستی رہے ہم پر نہ برسے۔ پہاڑیوں۔ ٹیلوں۔ وادیوں اور جنگلات پر بارش برستی رہے دعا کے یہ کلمات طیبات زبانِ اقدس سے نکلے ہی تھے کہ مدینہ منورہ پر سے بادل اس طرح چھٹ گیا گویا اس کو کپڑوں کی طرح لپیٹ دیا گیا ہے ف

امام بیہقی نے دلائل النبوت میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے یہ روایت نقل فرمائی ہے کہ ایک اعرابی بارگاہِ رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہوا۔ اور عرض کیا اے رسول خدا ہم اس حالت میں جناب والا کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے ہیں کہ ہمارا نہ کوئی خراٹے مارنے والا بچہ ہے اور نہ بارکش اونٹ جس کا پالان بوجھ کی وجہ سے کڑکڑائے اور چند اشعار کہے جن میں قحط سالی کی وجہ سے درپیش بدحالی اور تنگی کا ذکر تھا۔ اور آخر میں اس نے یہ شعر کہا

وَلَيْسَ لَنَا اِلَّا اِلَيْكَ فِرَارُنَا   وَاَيْنَ فِرَارُ النَّاسِ اِلَّا اِلَى الرُّسُلِ

ہمارے لیے سوائے جناب والا کے اور کوئی جائے پناہ نہیں ہے جس کی طرف بھاگ کر جائیں اور لوگوں کے لیے رسل کرام کے دامن ہائے رحمت ورافت کے علاوہ اور کہیں جائے پناہ ہو ہی کیونکر سکتی ہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کی فریاد رسی فرماتے ہوتے بڑی سرعت کے ساتھ اوپر کی چادر مبارک بدن پر اوڑھنے سے پہلے ہی بلکہ اسے گھسیٹتے ہوئے منبر شریف پر جلوہ فرما ہوئے۔ ہاتھ مبارک آسمان کی طرف بلند فرمائے اور بارگاہ جل وعلا میں عرض کیا۔

اے اللہ ہمیں سیراب کر دینے والی بارانِ رحمت سے سرشار فرما۔ جو سبزہ اور پودوں کو اگانے والی ہو۔ موسلا دھار اور بڑے قطرات والی ہو پورے علاقے پر پھیلنے والی ہو نفع مند ہو نقصان دہ نہ ہو۔ فوراً اترنے والی ہو اور دیر کرنے والی نہ ہو۔ جس سے شیر دار جانوروں کے پستان دودھ سے بھر جائیں۔ کھیتیاں لہلہانے لگیں۔ اور مردہ زمین کو تازہ زندگی نصیب ہو جائے۔

محبوب کریم علیہ السلام کے دست دعا ابھی سینے تک لوٹ کر نہیں آئے تھے کہ آسمان پر بجلیاں کوندنے لگیں (اور اس زور کا مینہ برسا) کہ نشیبی علاقوں کے لوگ چیختے چلاتے اور فریاد وزاری کرتے ہوئے بارگاہِ رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم میں دوڑ کر حاضر ہوئے اور عرض کیا یارسول اللہ ہم غرق ہوئے جاتے ہیں ہمیں غرق ہونے سے بچائیے۔ حضور اکرم صلی اللہ

ف: امام احمد رضا قدس سرہٗ فرماتے ہیں

جن کو سوتے آسماں پھیلا کے جل تھل بھر دئے
صدقہ ان ہاتھوں کا پیارے ہم کو بھی درکار ہے

علیہ وسلم نے دعا فرمائی کہ ہمارے اردگرد بارش ہوتی رہے مگر ہم پر نہ ہو تو مدینہ طیبہ سے فوراً بادل چھٹ گیا اور اس کے اردگرد اس طرح چھایا ہوا تھا جیسے تاج کے گرد اگر د جواہر سے مزین پٹی اور سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم اس شان اعجازی کے ظہور پر فرطِ مسرت سے ہنسے یہاں تک کہ آپ کی ڈاڑھیں مبارک نمایاں طور پر نظر آنے لگیں۔ پھر فرمایا۔ حمد اللہ تعالےٰ کے لیے ہے ابوطالب آج اگر زندہ ہوتے اور یہ منظر دیکھتے تو لازماً ان کی آنکھیں فرحت و سرور سے ٹھنڈی ہوتیں کوئی شخص ہے جو ہمیں ان کے اشعار سنائے۔ حضرت علی المرتضٰے رضی اللہ عنہ اٹھے اور عرض کیا یا رسول اللہ گویا آپ کا مقصد یہ اشعار ہیں ؎

وَاَبْیَضُ یُسْتَسْقَی الْغَمَامُ بِوَجْہِہٖ ثِمَالُ الْیَتَامٰی عِصْمَۃٌ لِلْاَرَامِلِ

وہ سفید چمکیلی رنگت والے ہیں جن کے چہرہ اقدس کے یمن و برکت سے بارش برسانے والے بادل کی آرزو کی جاتی ہے۔ وہ یتیموں کے ملجاو ماویٰ ہیں اور بے سہارا مساکین و فقراء کے لیے سامانِ زیست اور سببِ عیش و گذران۔

تُطِیْفُ بِہٖ الْھُلَّاکُ مِنْ آلِ ھَاشِمٍ فَھُمْ عِنْدَہٗ فِیْ نِعْمَۃٍ وَّفَوَاضِلِ

آل ہاشم کے تباہ حال لوگ ان کی بارگاہ اقدس کے گرد طواف کرتے رہتے ہیں اور ان کی بدولت مختلف نعمتوں اور مال و متاع سے مالا مال ہوتے ہیں۔

کَذَبْتُمْ وَبَیْتِ اللّٰہِ نُبْزِیْ مُحَمَّدًا وَلَمَّا نُطَاعِنْ حَوْلَہٗ وَنُنَاضِلِ

اے کفار مشرکین مجھے بیت اللہ کی قسم تم جھوٹ کہتے ہو کہ ہم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو مغلوب و مقہور ہونے دیں گے؟ ایسا ہرگز نہیں ہوگا۔ ابھی ہم نے ان کی حفاظت کے لیے نہ نیزے سنبھالے اور نہ ہی تیر برسائے تو تھک ہار کیسے گئے۔

وَنُسْلِمُہٗ حَتّٰی نُصَرَّعَ حَوْلَہٗ وَنَذْھَلُ عَنْ اَبْنَائِنَا وَالْحَلَائِلِ

ہم ان کو دشمنوں کے حوالے نہیں کریں گے جب تک ان کے اردگرد ہماری لاشیں نہ تڑپ رہی ہوں گی اور ان کی حفاظت کے لیے ہم اپنے بیٹوں بیویوں کو بھلا دیں گے اور نظر انداز کر دیں گے۔

امام بخاری نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت نقل فرمائی ہے کہ جب قریش نے حلقہ بگوش اسلام ہونے میں سستی کا مظاہرہ کیا تو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لیے قحط سالی کی دعا فرمائی چنانچہ وہ قحط سالی کا شکار ہو گئے اور ہلاکت کے قریب پہنچ گئے ناچار مردار اور ہڈیوں تک کو کھانے سے گریز نہ کیا۔ جب ان میں سے کوئی شخص آسمان کی طرف نظر اٹھا کر دیکھتا تو بھوک کی وجہ سے دھواں ہی دھواں نظر آتا۔

(جب حالت یہ ہو گئی تو) ابوسفیان بارگاہ نبوی میں حاضر ہوا۔ اور عرض کیا اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ صلہ رحمی کا حکم دینے کے لیے تشریف لائے اور آپ کی قوم ہلاک ہو رہی ہے لہٰذا اللہ تعالےٰ سے دعا کریں۔ آپ نے یہ

آیت مبارکہ اس کے سامنے تلاوت فرمائی "فَارْتَقِبْ یَوْمَ تَاْتِی السَّمَاءُ بِدُخَانٍ مُّبِیْنٍ" یعنی اس دن کا انتظار کرو جب آسمان کھلم کھلا دھواں لائے گا اور نمودار کرے گا (یعنی آج وہ وعدہ پورا ہو گیا) چنانچہ ان کے منت سماجت پر بارش کے لیے دعا فرمائی اور اللہ تعالیٰ نے انہیں بارانِ رحمت سے بہرہ ور فرمایا۔ لیکن بعد ازاں وہ پھر اپنے کفر کی طرف مائل و راغب ہو گئے تو اللہ تعالےٰ نے ارشاد فرمایا۔

یَوْمَ نَبْطِشُ الْبَطْشَۃَ الْکُبْرٰی۔ جس دن ہم ان کو سخت گرفت کا نشانہ بنائیں گے یعنی بدر کے دن اسباط نے منصور کے واسطہ سے اس قدر اضافہ کیا ہے۔ کہ (ابوسفیان کے عرض کرنے پر) نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی چنانچہ اللہ تعالےٰ نے ان کو بارش عطا فرمائی اور سات دن تک بارش نے ان کو اپنے احاطہ میں لیے رکھا۔ جب لوگوں نے بارش کی کثرت کی شکایت کی تو آپ نے فرمایا۔ ہمارے اردگرد ہو ہم پر نہ ہو تو فوراً بادل آپ کے اوپر سے ہٹ گیا اور آس پاس لوگوں پر بارش برستی رہی ع؎

امام بیہقی نے دلائل النبوت میں نقل فرمایا کہ حضرت عبداللہ بن عباس سے مروی ہے لوگوں نے حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے عرض کیا ہمیں ساعت العسرۃ کے متعلق تفصیلات سے آگاہ کریں تو آپ نے فرمایا ہم سخت گرمی میں تبوک کی طرف نکلے دوران سفر ایک مقام پر اترے شدتِ پیاس سے ہم نے یوں سمجھا کہ ہماری گردنیں کٹ جائیں گی حتیٰ کہ جب کوئی شخص دوسرے آدمی کو تلاش کرنے جاتا تو اس کو یہی گمان گذرتا کہ میرے واپس پہنچنے تک میرا کام تمام ہو جائے گا (سواریوں کی انتہائی قلت کے باوجود) بعض آدمی اپنے اونٹوں کو ذبح کر ڈالتے اور ان کا شکنبہ نچوڑ کر پی جاتے اور جو بچ جاتا اسے اپنے جگر پر رکھتے (تاکہ کچھ ٹھنڈک پہنچے)

(لوگوں کی اس پریشانی کو دیکھ کر) حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہِ اقدس

ع؎: حل مشکلات اور قضاء حاجات کے لیے اہل ایمان تو محبوب خدا علیہ التحیۃ والثناء کی دعاؤں کا سہارا لیتے ہی تھے مگر اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ کفار و مشرکین بھی ناچار و مجبور ہو کر اسی بارگاہ بیکس پناہ اور رحمت دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا سہارا لیتے تھے۔ اگر کسی گروہ نے آخر دم تک اپنی ضد نہیں چھوڑی اور محبوب کریم کے آستانِ عرش نشان کی عظمت و رفعت کے آگے جبین نیاز نہیں جھکائی تو وہ ہے منافقین کا گروہ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے وَاِذَا قِیْلَ لَھُمْ تَعَالَوْا یَسْتَغْفِرْ لَکُمْ رَسُوْلُ اللّٰہِ لَوَّوْا رُءُوْسَھُمْ۔ جب ان سیاہ باطن سنگ دل منافقین سے کہا جاتا ہے بارگاہ رسالت میں حاضر ہو جاؤ وہ تمہارے لیے دعاء مغفرت کر دیں گے اور تمہاری عاقبت سنور جائے گی تو وہ ازراہ غرور و تکبر اپنے سروں کو پھیرتے ہیں اور دعا کرانے سے انکار کرتے ہیں۔ اس مقام سے ان لوگوں کو عبرت حاصل کرنی چاہیے جو محبوبان خداوندی سے دعا کرانا توحید میں مخل سمجھتے ہیں اور نادانستہ منافقین کی راہ ضلالت پر گامزن ہیں ؛

(واللہ ورسولہ اعلم محمد اشرف)

میں حاضر ہو کر عرض کیا۔ یا رسول اللہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو دعاء کے معاملہ میں خیر و برکت کا عادی بنا رکھا ہے اور آپ کی دعا ہمیشہ قبول ہوتی ہے۔ لہذا ہمارے لیے اللہ تعالیٰ سے دعا فرما دیں۔ آپ نے فرمایا کیا تم اس امر کو پسند کرتے ہو اور دل و جان سے اس کے آرزو مند ہو۔ انہوں نے عرض کیا ہاں یا رسول اللہ آپ نے فوراً بارگاہِ ذو الجلال میں دست دعا بلند کئے اور ابھی ان کو واپس نہیں لوٹایا تھا کہ آسمان پر بادل آمڈ آئے اور اس نے پانی کے دہانے کھول دئے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کے پاس جتنے برتن تھے انہوں نے سب کو بھر لیا جب ادھر ادھر نکل کر دیکھا کہ بارش کہاں تک برسی ہے تو معلوم ہوا کہ صرف لشکر کی قیام گاہ کے اوپر ہی برسی ہے اور اس سے تجاوز نہیں کیا ؎

دوسری فصل:

شفیعِ معظم صلی اللہ علیہ وسلم کے روزِ قیامت شفاعت فرمانے سے متعلق چالیس احادیث کا بیان اور ان فضائل و کمالات کا بیان جن کے ساتھ سرورِ انبیاء علیہ وعلیہم السّلام مختص ہیں

تمام اہلِ محشر کے سردار محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ استغاثہ اور ان سے فریاد رسی کی اپیل کرنا سب استغاثوں سے اعظم ترین استغاثہ ہے کیونکہ جس رنج والم اور درد و کرب کا انہیں محشر میں سامنا ہوگا وہ اور کہیں نہیں ہو سکتا۔

؎ تنبیہ: بعض حضرات نے توحید کامل کا انحصار اسی میں سمجھا ہوا ہے کہ کسی سے اطامت کراؤ۔ اللہ تعالیٰ ہر ایک کی سنتا ہے یہ عقیدہ کہ ہماری نہیں سنتا فلاں کی سنتا ہے کفر و شرک ہے۔ مگر جب اس نظریہ کو صحابہ رضی اللہ عنہم کے عمل کی کسوٹی پر پرکھتے ہیں تو انتہائی لغو معلوم ہوتا ہے۔ بلکہ خود سرورِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل بھی اس کی تکذیب کرتا ہے کیونکہ آپ نے کبھی کسی صحابی کو یہ نہ فرمایا کہ میرے پاس آنے یا مجھ سے دعا کرانے کی ضرورت نہیں یا یہ عقیدہ توحید کے منافی ہے بلکہ ان کی عرض کو شرفِ قبولیت بخشتے دعاءِ خیر سے نوازتے اور ان کی مطلب برآری اور حاجت روائی فرماتے۔

نیز کسی اہل ایمان کا یہ عقیدہ نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہماری دعا نہ سننے اور نہ قبول کرنے کی قسم کھا رکھی ہے وہ صرف اور صرف محبوبانِ خداوندی کی دعاؤں کو سریع الاجابت سمجھتے ہوئے ان سے عرض کرتے ہیں۔ نیز مطلوب رسول ہر حال میں اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ اپنی زبان اور ہاتھوں کو دعا میں استعمال کرنے کی بجائے ان مقبولانِ بارگاہ خداوندی کے ہاتھوں اور زبان کو وسیلہ بنا لیتے ہیں اس میں کفر و شرک والا پہلو کیونکر نکل سکتا ہے (محمد اشرف)

اور اس استغاثہ کے اندر سرورِ عالم و عالمیاں علیہ الصلوٰۃ والسلام کا جس قدر فضل و شرف حضرات انبیاء مرسلین اور دیگر خلائق پر ظاہر ہوگا وہ اور کہیں ظہور پذیر نہیں ہو سکتا۔ اور آپ سے اس وقت شفاعت کی درخواست سے استغاثہ کا جواز و استحسان اور اس کا نفع و فائدہ بعد از وفات و وصال بھی واضح ہوتا ہے کیونکہ حالتِ حیات میں آپ کی ذات ستودہ صفات سے استغاثہ ثابت ہو چکا اور بعد از وصال بھی ثابت ہوتا ہے لہذا احادیثِ شفاعت کا یہاں ذکر کرنا بہت ہی موزوں ہے۔ اور علی الخصوص اہلِ محشر کا پہلے پہل ساداتِ رسل سے عند اللہ شفاعت کی التجاء کرنا اور ان کا معذرت ظاہر کرنا اور اس امرِ عظیم کو سید رسل، شفیعِ کل، حبیبِ کریم، صاحبِ مقام محمود اور صفوت الانبیاء اور مجتبیٰ الرسل محبوب ترین خلق سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے کرنا جن حدیثوں میں مذکور ہے ان کا بیان اس مقام کے ساتھ بہت زیادہ مناسبت رکھتا ہے۔

حافظ منذری "ترغیب و ترہیب" کی فصل شفاعت میں فرماتے ہیں کہ رسول معظم صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر انبیاء کرام علیہم السلام کی شفاعت سے متعلق احادیث بہت زیادہ ہیں جو صحاح ستہ اور دیگر کتب حدیث میں مذکور ہیں۔

امام سبکی شفاء السقام میں فرماتے ہیں کہ شفاعت کے ضمن میں وارد احادیث کی تعداد بہت زیادہ ہے جن کا مجموعہ حد تواتر تک پہنچتا ہے۔ اور تواتر سے مراد معنی شفاعت والی احادیث کا تواتر ہے نہ کہ کسی خاص لفظ سے مروی حدیث کا تواتر۔ تواتر معنوی سنن و احادیث میں بکثرت موجود ہے البتہ کسی خاص حدیث کا از روئے لفظ متواتر ہونا بہت کمیاب ہے

اور میں (علامہ نبہانی) نے اس امر کو موزوں اور پسندیدہ سمجھا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت عظمیٰ اور فضائل اخرویہ سے متعلق چالیس احادیث شفاء قاضی عیاض۔ ترغیب و ترہیب المنذری۔ شفاء السقام علامہ سبکی۔ مشکوٰۃ المصابیح مولفہ ولی الدین تبریزی۔ مواہب لدنیہ مولفہ امام قسطلانی اور جامع صغیر اور اس کی ذیل مولفہ امام سیوطی سے نقل کروں۔

اگرچہ ان چالیس میں سے صرف پہلی حدیث میں لوگوں کا بروز قیامت انبیاء و مرسلین علیہم السلام سے استغاثہ اور شفاعت کی التماس کرنا۔ اور ان مقبولان بارگاہ خداوندی کا سب کو سرور دوعالم علیہ السلام کی طرف بھیجنا مذکور ہوگا لیکن باقی احادیث میں بھی آپ کے ان فضائل و مناقب جلیلہ اور مراتب و درجات رفیعہ کا بیان ہوگا جن میں دوسرا کوئی نبی و رسول آپ کا شریک و سہیم نہیں ہے۔ اور یہ محض اللہ تعالیٰ کا آپ پر فضل عمیم اور احسان عظیم ہے کیونکہ آپ سب حضرات انبیاء و مرسلین سے از روئے عبودیت مخلص ترین ہیں اور من جمیع الوجوہ محبوب ترین ہیں۔

والحمد للہ علیٰ ذالک

لیجئے اب احادیث کا بیان شروع کرتا ہوں۔

حدیث اول :

روی البخاری ومسلم عن ابی هریرة رضی الله عنه قال : قال رسول الله صلی الله علیه وسلم
انا سید الناس یوم القیامة هل تدرون مم ذلک یجمع الله الاولین والآخرین فی صعید
واحد فیبصرهم الناظر ویسمعهم الداعی وتدنو الشمس من جماجم الناس فیبلغ الناس
من الغم والکرب مالا یطیقون ولا یحتملون فیقولون الناس الاترون الی ما انتم فیه،
الاترون ما بلغکم، الاتنظرون من یشفع لکم الی ربکم ؟ فیقول بعض الناس لبعض : ائتوا
آدم فیاتونه فیقولون یا آدم انت ابو البشر خلقک الله بیده ونفخ فیک من روحه وأمر
الملائکة فسجدوا لک واسکنک الجنة الا تشفع لنا الی ربک الاتری مانحن فیه وما بلغنا
فقال ان ربی غضب الیوم غضبا لم یغضب قبله مثله ولا یغضب بعده مثله وانه نهانی عن الشجرة فعصیته
نفسی نفسی، اذهبوا الی غیری اذهبوا الی نوح فیاتون نوحا علیه الصلاة والسلام،
فیقولون یا نوح انت اول الرسل بعث الی اهل الارض وقد سماک الله عبدا شکورا
الاتری الی مانحن فیه ؟ الاتری الی ما بلغنا، الاتشفع لنا الی ربک ؟ فیقول ان ربی غضب
الیوم غضبا لم یغضب قبله مثله ولا یغضب بعده مثله وانه قد کانت لی دعوة دعوت
بها علی قومی نفسی نفسی اذهبوا الی غیر اذهبوا الی ابراهیم. فیاتون ابراهیم،
فیقولون : انت نبی الله وخلیله من اهل الارض اشفع لنا الی ربک الاتری مانحن فیه ؟
فیقول لهم ان ربی غضب الیوم غضبا لم یغضب قبله مثله ولم یغضب بعده مثله وانی
کنت کذبت ثلاث کذبات فذکرها نفسی نفسی اذهبوا الی غیری اذهبوا الی موسیٰ فیاتون
موسی فیقولون یا موسیٰ انت رسول الله فضلک الله برسالته وبکلامه علی الناس الاتری مانحن
فیه ؟ اشفع لنا الی ربک فیقول ان ربی غضب الیوم غضبا لم یغضب قبله مثله ولن یغضب
بعده مثله، وانی قد قتلت نفسا لم اومر بقتلها، نفسی نفسی اذهبوا الی غیری اذهبوا
الی عیسیٰ فیاتون عیسی فیقولون یا عیسیٰ انت رسول الله وکلمته القاها الی مریم وروح منه و
کلمت الناس فی المهد، الاتری الی مانحن فیه ؟ اشفع لنا الی ربک فیقول عیسیٰ. ربی غضب
الیوم غضبا لم یغضب قبله مثله ولن یغضب بعده مثله، نفسی نفسی، ولم یذکر
ذنبا، اذهبوا الی غیری اذهبوا الی محمد، فیاتون محمدا صلی الله علیه وسلم فیقولون :
یا محمد انت رسول الله وخاتم الانبیاء وقد غفر الله لک ما تقدم من ذنبک وما تاخر،

الاتری مانحن فیه ؟ اشفع لنا الی ربک فأنطلق فاتی تحت العرش فاقع ساجدا لربی ثم
یفتح الله علی من محامده وحسن الثناء علیه شیئًا لم یفتحه علی احد قبلی ثم یقال : یا محمد
ارفع راسک سل تعطه واشفع تشفع فارفع راسی فاقول امتی یارب فیقال امتی یارب یا محمد ادخل من امتک
من لاحساب علیه من الباب الایمن من ابواب الجنة وهم شرکاء الناس فیما سوی ذلک
من الابواب، والذی نفسی بیده ان بین المصراعین من مصاریع الجنة لکما بین مکة وهجر
اوکما بین مکة وبصری۔

بخاری ومسلم میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسولِ خدا علیہ التحیۃ والثناء نے ارشاد فرمایا
میں قیامت کے دن لوگوں کا سردار ہوں اور ان کا ملجأ وماویٰ۔ کیا تمہیں معلوم ہے کہ وہ کیوں کر ہے۔ اللہ
تعالےٰ سب اولین وآخرین کو ایک ہموار میدان میں جمع فرمائے گا کہ دیکھنے والا سبھی اہلِ محشر کو دیکھ سکے گا
اور ان کو بلانے والا سب تک اپنی آواز پہنچا سکے گا۔ سورج لوگوں کے سروں کے قریب آجائے گا اور لوگوں
کو اس قدر کرب والم لاحق ہوگا جو ان کی قوت برداشت سے باہر ہوگا چنانچہ وہ باہم صلاح ومشورہ کریں گے
کہ تم سب کو اپنی حالتِ زار معلوم ہے۔ اور جس محنت ومشقت سے دوچار ہو وہ تمہاری نگاہوں سے اوجھل
نہیں ہے۔
کیا تم کسی ایسے محبوب ومقبولِ بارگاہ خداوندی کو تلاش نہیں کرتے جو اللہ تعالےٰ کے ہاں تمہاری شفاعت
کرے۔ ان میں سے بعض یہ رائے دیں گے کہ تمہارے باپ حضرت آدم علیہ السلام اس امرِ عظیم کے لائق
ہیں۔ ان کی خدمت بابرکت میں حاضر ہو کر عرض کریں گے اے آدم! آپ ابو البشر ہیں۔ آپ کو اللہ تعالےٰ نے
اپنے دست قدرت سے پیدا فرمایا ہے۔ اور آپ میں اپنی مخصوص روح کو پھونکا۔ اور ملائکہ کو حکم دیا انہوں نے
آپ کو سجدہ تحیت وتعظیم کیا آپ کو جنت میں ٹھہرایا کیا آپ ہمارے لئے شفاعت نہیں فرماتے دیکھتے نہیں
ہم کس حال میں ہیں اور ہمیں کتنی محنت ومشقت اور کرب والم کا سامنا ہے۔
حضرت آدم علیہ السلام فرمائیں گے میرے رب تعالےٰ نے آج اس قدر غضب وجلال کا اظہار فرمایا ہے کہ نہ ایسا
اظہار کبھی پہلے فرمایا اور نہ بعد ازاں فرمائے گا۔ اور اللہ تعالےٰ نے مجھے شجرِ جنت کے قریب جانے سے
منع فرمایا تھا لیکن میں اس حکم کی تعمیل نہ کر سکا۔ میں اپنی ذات کی فکر میں ہوں۔ استغاثہ اور شفاعت کے
لیے میرے علاوہ کسی دوسرے پیغمبر کے پاس جاؤ حضرت نوح علیہ السلام سے جا کر عرض کرو۔
سبھی لوگ حضرت نوح علیہ السلام کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوں گے اور یوں عرض پرداز ہوں گے کہ اے
نوح! آپ سب سے پہلے رسول ہیں جنہیں اہلِ ارض کی طرف مبعوث فرمایا گیا۔ اور آپ کو اللہ تعالےٰ نے بہت

زیادہ شکر گزار عبد قرار دیا ہے کیا دیکھتے نہیں کہ ہمارا حال کیا ہے؟ ہماری مشکلات اور پریشانیاں آپ کو نظر نہیں آ رہی ہیں؟ کیا (از رہ کرم) اللہ تعالیٰ کی جناب میں ہماری شفاعت نہیں فرماتے۔ وہ فرمائیں گے میرے رب تعالیٰ نے جس قہر و غضب کا آج مظاہرہ فرمایا ہے نہ اس طرح کا مظاہرہ آج سے پہلے فرمایا۔ اور نہ ہی آج کے بعد فرمائے گا۔

مجھے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک دعا (واجب القبول والا جابت) کا حق دیا گیا تھا جس کو میں نے اپنی قوم کی ہلاکت میں استعمال کر دیا۔ مجھے اپنے نفس کا فکر ہے اور سب سے اول وہ مستحق شفاعت ہے میرے علاوہ کسی دوسرے سے جا کر عرض کرو۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے التجاء شفاعت کرو۔

سب امم و اقوام حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کی بارگاہ والا جاہ میں حاضر ہوں گی۔ اور یوں عرض گزار ہوں گی آپ اللہ تعالیٰ کے نبی ہیں اور تمام روئے زمین کے لوگوں میں سے اس کے خلیل۔ ہمارے لئے جنابِ الٰہی میں شفاعت کیجئے۔ وہ جواب میں فرمائیں گے رب تعالیٰ نے آج کے دن جس قہر و جلال کا اظہار فرمایا ہے ایسا ظہور نہ پہلے دیکھنے میں آیا اور نہ ہی آج کے بعد دیکھنے میں آئے گا۔ مجھ سے تین ایسے امور سرزد ہوتے جو (بنظر ظاہر میں) خلاف واقع تھے اور حقیقت کے خلاف پھر آپ ان کی تفصیل بیان کریں گے۔ لہٰذا مجھے اپنے نفس کی فکر دامن گیر ہے۔ اس اہم کام کے لیے کسی دوسرے سے عرض کرو (اور میرے خیال میں اس کام کے لائق حضرت موسیٰ علیہ السلام ہیں لہٰذا) حضرت موسیٰ کلیم علیہ السلام سے جا کر عرض کرو۔

اہلِ محشر کا یہ سیلِ بے پناہ رواں دواں حضرت کلیم اللہ علیہ السلام کی بارگاہِ اقدس میں حاضر ہوگا اور ان سے عرض کریں گے اے موسیٰ! آپ اللہ تعالیٰ کے وہ عظیم الشان رسول ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے تمام لوگوں پر اپنی رسالت اور ہم کلامی کے ساتھ فوقیت و برتری سے سرفراز فرمایا ہے۔ آپ دیکھ نہیں رہے ہو ہم کس حالِ زار میں ہیں۔ بارگاہِ رب کریم میں حاضر ہو کر ہمارے لیے شفاعت فرمائیے۔ وہ فرمائیں گے آج رب قہار کا جو غضب و جلال ظہور پذیر ہے وہ نہ آج سے پہلے دیکھنے میں آیا ہے اور نہ ہی بعد میں دیکھنے میں آئے گا۔ مجھ سے ایسے شخص کا قتل سرزد ہو گیا تھا جس کے قتل کرنے کا مجھے اللہ تعالیٰ نے حکم نہیں دیا تھا۔ میں اپنی ذات کے لیے خوف زدہ ہوں اور سب سے پہلے اس کو شفاعت کا مستحق سمجھتا ہوں لہٰذا اس امر خطیر کے لیے کسی دوسری ہستی کی خدمت میں حاضری دو (اور میرے مشورہ پر چلو تو) حضرت عیسٰی روح اللہ کی طرف جاؤ۔

(سب پریشان حال لوگ شفیع کی تلاش ضروری سمجھتے ہوئے حضرت کلیم کے فرمان پر عمل پیرا ہوں گے) اور حضرت عیسٰی روح اللہ علیہ السلام کی بارگاہ اقدس میں حاضر ہوں گے۔ ان سے عرض کریں گے اے عیسٰی! آپ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں اور کلمۃ اللہ جن کو حضرت مریم کی طرف القاء فرمایا گیا اور آپ اللہ تعالیٰ کی

روح مکرم ہیں جن کو اس نے دیگر ارواح سے مخصوص فرما لیا۔ آپ نے حالتِ شیر خوارگی اور عالمِ مہد میں لوگوں سے کلام فرمایا۔ دیکھتے نہیں ہماری زبوں حالی کہاں تک پہنچ چکی ہے۔ ہمارے لیے بارگاہِ رب قدوس میں شفاعت فرمائیں۔ حضرت روح اللہ ارشاد فرمائیں گے۔ میرے رب کا غضب و جلال آج کے دن جس عروج پر ہے ایسا نہ کبھی پہلے غضب ناک ہوا اور نہ بعد ازاں ہوگا میں اپنے لیے فکر مند ہوں اور خود اپنے نفس کو مستحق شفاعت سمجھتا ہوں وہ کسی ذنب اور تقصیر کا ذکر نہیں فرمائیں گے (ارشاد ہوگا) میرے علاوہ کسی اور ذاتِ والا اور برتر و اعلیٰ ہستی سے جا کر عرض کرو۔ جاؤ محمد کریم علیہ السلام سے جا کر عرض کرو۔

سب انبیاء و رسل کی امتیں اور ان کی اولاد روحانی و جسمانی یکے بعد دیگرے انبیاء و رسل کی بارگاہ سے ناکام و نامراد لوٹنے کے بعد حضرت عیسٰی علیہ السلام کے ارشاد اور رہنمائی کے مطابق خاتم الانبیاء والمرسلین کی بارگاہ بیکس پناہ میں حاضری دیں گے اور آپ سے عرض کریں گے۔ اے محبوبِ خدا اور محمودِ خلق آپ اللہ تعالیٰ کے رسولِ برحق اور پیغمبر آخر الزمان ہیں اللہ تعالیٰ نے آپ کے لیے آپ کے پہلوں اور پچھلوں کے گناہوں کی مغفرت کا اعلان کر دیا ہے (اور آپ کو اپنی ذات کے غم و الم سے آزاد کر دیا ہے اور صرف دوسروں کے غم کھانے اور ان پر رحم فرمانے کے لیے مخصوص فرما دیا ہے) ہماری حالتِ زار اور پریشانی و سرگردانی آپ کی نگاہ اقدس میں ہے۔ ہمارے لئے اپنے رب کریم کی جناب میں شفاعت فرمائیے۔ اور ہمیں ان غموم و آلام سے نجات دلائیے۔

سرورِ ہر دوسرا، محبوب خدا علیہ التحیۃ والثناء فرماتے ہیں میں ان کی سفارش و شفاعت اور فریاد رسی و مشکل کشائی کے لیے بارگاہِ ذو الجلال میں حاضری دوں گا۔ حریم قدس میں داخل ہوتے ہی عرشِ عظمت کے آگے سجدہ ریز ہو جاؤں گا۔ پھر اللہ کریم مجھ پر اپنے محامد و محاسن اور حسن ثناء و ستائش کے وہ خزائن منکشف فرمائے گا۔ جو مجھ سے پہلے کسی پر منکشف نہیں ہوئے۔ پھر ارشاد باری ہوگا اے محمد اپنا سر اٹھاؤ۔ جو مانگو تمہیں دیا جائے گا۔ اور جس کی شفاعت کرو قبول کی جاتے گی۔ میں اپنے سر کو سجدہ سے اٹھاؤں گا اور عرض کروں گا اے میرے رب کریم! میری امت کی مغفرت و بخشش فرما۔ میری امت پر نگاہِ لطف و کرم فرما۔ مجھے حکم دیا جائے گا اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کے ان افراد کو جن پر حساب و مواخذہ نہیں ہے جنت کے دروازوں میں سے دائیں دروازہ سے جنت کے اندر داخل کر دو اور وہ دوسرے دروازوں سے داخل ہونے میں بھی لوگوں کے ساتھ برابر کے شریک ہیں۔

مجھے اس ذات اقدس کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے جنت کے دروازوں میں سے ہر دروازہ کی دونوں جانب کا باہمی فاصلہ اور فراخی اس قدر ہے جس قدر کہ مکہ مکرمہ اور ہجر کے درمیان بعد اور مسافت

ہے یا مکہ مشرفہ اور بُصریٰ کے درمیان۔

نکات الحدیث عہ[۱] :-

امام سبکی شفاء السقام میں ارشاد فرماتے ہیں اللہ تعالےٰ کی طرف سے امم و اقوام کو یہ الہام کیا جانا کہ حضرت آدم علیہ السلام اور ان کے بعد تشریف لانے والے انبیاء علیہم السلام سے شفاعت کا سوال کرو اور ابتداء و آغاز میں نبی الانبیاء فخر المرسلین علیہ الصلوٰۃ والتسلیم سے سوال کرنے کا الہام نہ کیا جانا اس حکمت و مصلحت کے پیشِ نظر ہے واللہ اعلم بحقیقۃ الحال۔ اگر اہل محشر پہلی مرتبہ اسی بارگاہِ عالیجاہ میں حاضر ہو کر سوال کرتے اور فائز المرام ہو جاتے تو یہ گمان ہو سکتا تھا کہ دوسرے حضرات بھی اہلِ محشر کی حاجت روائی کر سکتے تھے مگر چونکہ ان سے سوال نہیں کیا گیا لہٰذا ان کی اس قدرت و طاقت اور قرب و منزلت کا ظہور نہیں ہو سکا۔

مگر جب سب نے سوال و التجاء میں اپنی پوری کوشش اور جدوجہد کر دیکھی اور منزلِ مقصود تک رسائی کے لیے کوئی کسر اٹھا نہ رکھی اور سرورِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ جملہ رسل کرام ؑ اصفیاء باری اور اولوا العزم ہستیوں سے سوال کر چکے اور انہوں نے اس مشکل امر میں کام آنے سے مجبوری ظاہر کر دی۔ البتہ ان کی ہمدردی اور رہنمائی میں کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہ کیا (اور یکے بعد دیگرے مقربانِ بارگاہِ خداوندی کی طرف رہنمائی فرماتے گئے۔) حتیٰ کہ سائلین کا قافلہ اس سیدِ کریم کی بارگاہ والاجاہ تک جا پہنچا اور اپنے مدعا و مطلوب تک واصل ہو گیا۔ تو ہر ایک کو محبوبِ کریم علیہ السلام کی بلندئ مرتبت۔ رفعتِ منزلت۔ کمال قرب۔ کرم خداوندی پر اعتماد و ناز۔ ذاتِ باری تعالےٰ سے انس و تعلق اور سب مخلوق رسل و انبیاء انسانوں اور فرشتوں پر آپ کا شرف و فضل معلوم ہو گیا عہ

ایسے منصب و مقام پہ فائز ذاتِ والاصفات کو ہی سید الانبیاء اور سرورِ امم ہونا زیبا ہے۔ اور ہر ایک کے لیے فرض ہے کہ ان کی بارگاہ اقدس میں سر کے بل چل کر حاضری دے نہ کہ قدموں کے ساتھ چل کر عہ

عہ[۲] : لوگوں کا اس روز انبیاء علیہم السلام سے (خلاصی و نجات کے لیے) شفاعت کی درخواست کرنا (حالانکہ اللہ تعالےٰ اس دن بلا حجاب سب اہل اسلام و ایمان کے سامنے ہوگا) توسل و استغاثہ کے جواز کی واضح ترین اور قوی ترین دلیل ہے اور اس میں یہ اشارہ ہے کہ ہر گناہ گار کو اللہ تعالےٰ کے مقرب ترین بندوں کا وسیلہ اختیار کرنا چاہیے اور یہ امر اتنا مسلم اور اجماعی ہے کہ اہلِ اسلام میں سے کوئی شخص اس کا منکر نہیں ہے۔

عہ امام اہل السنت فرماتے ہیں ؎ خلیل و نجی کلیم و مسیح سبھی سے کہی کہیں نہ بنی
یہ بے خبری کہ خلق پھری کہاں سے کہاں ہمارے لیے

عہ : حرم کی زمین اور قدم رکھ کے چلنا۔ ارے سر کا موقعہ ہے او جانے والے

عہ[۳] امام زرقانی شرح مواہب لدنیہ میں قاضی عیاض علیہ الرحمۃ سے نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ یہ امر عین ممکن ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام کو قطعی طور پر معلوم ہو کہ آج شفاعت کے مالک صرف اور صرف نبی آخر الزمان علیہ السلام ہیں۔ اور ہر نبی کا اہل محشر کو دوسرے نبی کی طرف بھیجتے چلے جانا (اور بالخصوص سرورِ دوعالم علیہ السلام کی طرف رہنمائی نہ کرنا) اس عظیم مقام میں آپ کے شرف فضل کو ظاہر کرنے کے لیے ہے۔

عہ[۴] : مقام توسل و استغاثہ میں صرف پانچ انبیاء کرام اور رسل عظام علیہم السلام کی تخصیص کرنا یعنی انہیں کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہونا اور دوسروں کی بارگاہ میں حاضر نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ یہ مقدس ہستیاں سب رسل و انبیاء سے معروف و مشہور ہیں اور ان کی شریعتوں پر عرصہ دراز تک عمل ہوتا رہا ہے۔ نیز حضرت آدم علیہ السلام جملہ انبیاء علیہم السلام اور نسل انسانی کے باپ ہیں۔ حضرت نوح علیہ السلام گویا آدم ثانی ہیں اور حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام تمام مذاہب و ملل پر کاربند لوگوں کے نزدیک قابل مدح و ثناء ہیں اور بعد میں تشریف لانے والے جملہ انبیاء علیہم السلام کے باپ ہیں۔ حضرت موسیٰ کلیم علیہ السلام فخر مرسلین علیہ السلام کے علاوہ جملہ انبیاء کرام سے زیادہ امت کے والی اور مقتداء و پیشوا ہیں۔ اور حضرت عیسیٰ روح اللہ علیہ السلام کی تخصیص اس لیے کی گئی کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے درمیان کوئی دوسرا نبی نہ تھا اور وہ آپ کی امت سے بھی ہیں۔

اور پہلی دفعہ شفیع و مغیث کے طلب گار کو اس شفیعِ عاصیاں اور چارۂ بے چارگان کی بارگاہِ بیکس پناہ میں حاضری دینے کا الہام اس لیے نہ کیا گیا تاکہ آپ کا فضلِ عظیم اور مقام رفیع لوگوں پر ظاہر ہو جائے۔

عہ[۵] : (علامہ زرقانی نے نقل فرمایا) حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالےٰ فرماتے ہیں کہ روزِ محشر شفاعت اور فریاد رسی کی درخواست کرنے والوں میں وہ لوگ بھی شامل ہوں گے جنہوں نے یہ حدیث سن رکھی ہوگی اور شفاعت عظمیٰ کے حبیب مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خاص ہونے کی معرفت تامہ اور علم یقینی ان کو حاصل ہوگا لیکن باوجود اس کے اس وقت یہ علم و ادراک روحِ قلب سے محو ہو جائے گا اور مستحضر نہ رہے گا تو یہ محض اللہ تعالےٰ کی قدرت کاملہ کے تصرف اور نسیان طاری کر دینے کی وجہ سے ہوگا تاکہ ہر ایک پر عظمتِ محبوب ظاہر کی جائے۔

عہ[۶] : امام عبد الوہاب شعرانی الیواقیت والجواہر میں حضرت شیخ محی الدین ابن العربی سے نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں (روزِ محشر ہر ایک کو معلوم ہو جائے گا کہ شفیع روزِ جزا کون ہے) سرورِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں اس کی خبر کیوں دی ہے کہ شافعِ اول بھی میں ہوں اور سب سے اول میری شفاعت ہی قبول ہونی ہے یہ محض ہم پر شفقت عامہ اور رحمتِ تامہ کا اظہار ہے تاکہ ہم یکے بعد دیگرے انبیاء علیہم السلام کے پاس جانے اور ان سے نفسی نفسی کا جواب سن کر لوٹنے کی مشقت نہ اٹھائیں لہٰذا آپ نے ہمیں خداداد رفعت و عظمت کی اطلاع دے کر یہ سمجھانا چاہا کہ ہم اپنی جگہ پر آرام و سکون اور راحت و اطمینان کے ساتھ کھڑے رہیں تا آنکہ محبوب کریم علیہ السلام کا وقت شفاعت آ پہنچے اور آپ انا لہا،

اَنَا لَهَا (میں ہوں شفاعت کے لیے۔ میں ہوں شفاعت کے لیے اے شفیع اور فریادرس کے متلاشیو اِدھر آؤ) کا اعلان فرمائیں۔

وہ لوگ جن کو یہ حدیث معلوم ہی نہ ہوگی یا معلوم تو ہوگی مگر اس وقت اس کو بھول جائیں گے وہ تو لامحالہ مشقت و محنت میں مبتلا ہوں گے اور یکے بعد دیگرے مختلف انبیاء علیہم السلام کی بارگاہ میں حاضری دیں گے۔ بخلاف ان مخلص امتیوں کے جن کو یہ حدیث معلوم ہوگی اور اس دن یاد بھی رہے گی وہ اس تھکان اور کوفت سے محفوظ رہیں گے۔ اللہ تعالیٰ اس جواد و کریم اور سراپا رافت و رحمت نبی پر درود و سلام بھیجے، وہ اپنی امت پر کس درجہ شفیق اور رحیم ہیں۔

ع‍ـ: سرورِ عالم و عالمیاں علیہ السلام نے (اس مضمون کی احادیث میں) وَلَا فَخْرَ کا جملہ مبارکہ زبانِ اقدس پر جاری فرمایا تو اس میں یہ وضاحت مقصود و مطلوب ہے کہ میں اولادِ آدم علیہ السلام کا سردار ہونے پر فخر و ناز نہیں کر رہا ہوں۔ بلکہ میرا اس اعلان اعلام سے مقصد صرف تمہیں راحت پہنچانا اور یکے بعد دیگرے انبیاء کرام کی خدمت میں حاضری کی مشقت سے بچانا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے پہلے سے میرے ساتھ اول شافع اور اول مقبول الشفاعت ہونے کا وعدہ کر رکھا ہے۔ لہٰذا آپ کا اپنی رفعت و برتری اور فضل و شرف کا اظہار صرف اس پاکیزہ غرض اور ارفع و اعلیٰ غایت کے تحت ہے۔ انتہی کلام الامام شعرانی۔

یہی ایک حدیث اگرچہ اثباتِ مطلب اور احقاقِ مدعیٰ یعنی اہلِ محشر کے آپ کے ساتھ استغاثہ اور آپ سے طلب شفاعت کرنے اور آپ کی شفاعت کے عنداللہ مقبول ہونے کے لیے کافی و وافی ہے اور تالیف کتاب کا مقصد بھی یہی ہے مگر میں نے مناسب و موزوں یہی جانا ہے کہ ایسی چند احادیث کو ذکر کر دوں جن میں شفیعِ روزِ جزاء علیہ التحیۃ والثناء کی شفاعت۔ آپ کے شرف و فضل کا بیان! جملہ انبیاء مرسلین اور خلقِ خدا پر آپ کے مقدم و مفضل ہونے کا بیان ہو اگرچہ ان میں اہلِ محشر کی فریاد رسی کی درخواست اور شفاعت و سفارش کی التجاء مذکور نہ ہو۔

حدیث ۲

الحدیث الثانی: قال صلی اللہ علیہ وسلم "انا اول الناس خروجا اذا بعثوا، وانا خطیبہم اذا وفدوا وانا مبشرھم اذا ایسوا ؟ لواء الحمد یومئذ بیدی، وانا اکرم ولد آدم علی ربی ولا فخر"، رواہ الترمذی عن انس۔

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ جب لوگوں کو روز قیامت اپنی قبروں سے اٹھایا جائے گا تو میں سب سے پہلے اپنی مزارِ اقدس سے نکلنے والا ہوں گا۔ اور میں ہی ان کی طرف سے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کلام کروں گا جب وہ جنابِ باری میں سائل بن کر حاضر ہوں گے۔ اور میں ہی اُن کو مژدہ مغفرت و بخشش سنانے والا ہوں گا جب کہ وہ نااُمید ہونے لگیں گے۔ لواء الحمد اس دن میرے ہاتھ میں ہوگا۔ میں تمام اولاد

آدم اور نسلِ انسانی سے اللہ تعالیٰ کے نزدیک زیادہ معظم و مکرم ہوں گا اور انکشاف اور اعلان بطور فخر نہیں کر رہا ہوں (بلکہ بیان واقعہ اور تحدیث نعمت کے لیے) اس روایت کو امام ترمذی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کے واسطہ سے نقل فرمایا ہے۔

حدیث ۳

الحدیث الثالث قال صلی اللہ علیہ وسلم "انا اکثر الانبیاء تبعا یوم القیامۃ وانا اول من یقرع باب الجنۃ" رواہ مسلم عن انس۔

امام مسلم نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے نقل فرمایا کہ رسول خدا علیہ التحیۃ والثناء نے فرمایا میں بروز قیامت امت اور تابعین کی کثرت و فراوانی کے لحاظ سے سب انبیاء علیہم السلام سے افضل ہوں گا اور میں پہلا نبی ہوں گا جو جنت کا دروازہ کھٹکھٹاؤں گا

حدیث ۴

الحدیث الرابع: قال صلی اللہ علیہ وسلم "انا اول شفیع فی الجنۃ لم یصدق نبی من الانبیاء ماصدقت وان من الانبیاء نبیا ما یصدقہ من امتہ الا رجل واحد"، رواہ مسلم عن انس۔

امام مسلمؒ نے بروایت حضرت انس نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل فرمایا کہ میں جنت میں پہلا شفیع ہوں گا۔ جس قدر میری تصدیق کی گئی ہے اس قدر کسی نبی کی تصدیق (اس کی امت کی طرف سے) نہیں کی گئی۔ انبیاء علیہم السلام میں سے بعض ایسے نبی بھی ہوں گے جن کی تائید و تصدیق صرف ایک شخص نے کی ہوگی۔

حدیث ۵

الحدیث الخامس قال صلی اللہ علیہ وسلم "انا اول من تنشق الارض عنہ فاکسی حلۃ من حلل الجنۃ ثم اقوم عن یمین العرش لیس احد من الخلائق یقوم ذلک المقام غیری"، رواہ الترمذی عن ابوھریرۃ۔

امام ترمذی نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے نقل فرمایا کہ حبیب مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں پہلا شخص ہوں گا جس پر سے اس کی قبر شق ہوگی بعد ازاں مجھے جنتی حلّوں اور پوشاکوں میں سے ایک پوشاک اور حلہ زیب تن کرایا جائے گا۔ پھر میں عرش کی دائیں جانب ایسے مقام (مقام محمود) پر کھڑا ہوں گا جہاں تمام مخلوق میں سے کوئی بھی میرے علاوہ کھڑا ہونے کی اہلیت و لیاقت نہیں رکھے گا۔

حدیث ۶

الحدیث السادس قال صلی اللہ علیہ وسلم "أنا أول من یاخذ بحلقۃ باب الجنۃ فاقعقعھا

رواہ الامام احمد والترمذی عن انس۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں پہلا نبی و رسول ہوں گا جو جنت کے دروازہ کی زنجیر پکڑ کر ہلاؤں گا (اور کھولنے کے لیے) دستک دوں گا۔ امام احمد و ترمذی رحمہا اللہ تعالیٰ۔

حدیث ۷

الحدیث السابع قال صلی اللہ علیہ وسلم "انا اول من یدق باب الجنۃ فلم تسمع الآذان احسن من طنین الحلق علی تلک المصاریع" رواہ ابن النجار عن انس۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی امت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ میں سب سے پہلے جنت کا دروازہ کھٹکھٹاؤں گا اور میرے زنجیر کو دروازہ پر مارنے اور کھٹکھٹانے سے ایسی حسین آواز پیدا ہوگی جو کبھی کسی کان نے سنی ہی نہ ہوگی۔ ابن نجار

حدیث ۸

الحدیث الثامن قال صلی اللہ علیہ وسلم "انا سید ولد آدم یوم القیامۃ، واول من ینشق عنہ القبر واول شافع واول مشفع"، رواہ مسلم وابوداود عن ابی ہریرۃ۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسولِ پاک، صاحبِ لولاک علیہ افضل الصلوات نے ارشاد فرمایا: میں قیامت کے روز اولادِ آدم اور نسلِ انسانی کا سردار ہوں۔ سب سے پہلے حجاب قبر مجھ سے الگ ہوگا۔ میں پہلا شفیع ہوں اور عنداللہ پہلا مقبول الشفاعت۔ مسلم شریف وابوداؤد شریف

حدیث ۹

الحدیث التاسع قال صلی اللہ علیہ وسلم انا سید ولد آدم یوم القیامۃ ولا فخر وبیدی لواء الحمد ولا فخر، وما من نبی یومئذ آدم فمن سواہ الا تحت لوائی، وانا اول شافع واول مشفع ولا فخر"، رواہ الامام احمد والترمذی وابن ماجہ عن ابی سعید الخدری۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول معظم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ میں قیامت کے دن نسلِ انسانی (بلکہ سب اہل محشر) کا سردار ہوں اور میں اس کو بطور فخر نہیں بیان کر رہا۔ صرف میرے ہی ہاتھ میں لواء الحمد ہو گا اور مجھے اس پر فخر نہیں ہے۔ اور قیامت کے دن حضرت آدم علیہ السلام اور ان کے علاوہ تمام انبیاء علیہم السلام میرے جھنڈے کے نیچے ہوں گے۔ میں سب سے پہلا شفاعت کرنے والا ہوں اور پہلا مقبول الشفاعت اور میرا یہ اعلان اظہارِ فخر و ناز کے لیے نہیں ہے۔

امام احمد، ترمذی اور ابن ماجہ

حدیث ۱۰

الحدیث العاشر قال صلی اللہ علیہ وسلم انا قائد المرسلین ولا فخر وانا خاتم النبیین ولا فخر، وانا اول شافع ومشفع ولا فخر رواہ الدارمی عن جابر۔

دارمی نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت نقل فرمائی ہے کہ رسول کریم علیہ السلام نے فرمایا میں سب رسل کرام کا قائد ہوں اور مجھے اس پر فخر نہیں ہے۔ میں خاتم النبیین اور آخر الزمان نبی ہوں اور اس پر فخر و ناز نہیں ہے۔ میں پہلا شافع اور مقبول الشفاعت ہوں اور اس کا اظہار بطور فخر نہیں کر رہا ہوں۔

حدیث ۱۱

الحدیث الحادی عشر قال صلی اللہ علیہ وسلم "اذا کان یوم القیامۃ کنت امام النبیین وخطیبہم وصاحب شفاعتہم غیر فخر"، رواہ الترمذی عن ابی بن کعب۔

امام ترمذی نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے نقل فرمایا کہ سرور دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ میں قیامت کے دن سب انبیاء علیہم السلام کا امام ہوں گا۔ اور ان کی طرف سے اللہ تعالیٰ کے ساتھ گفتگو کرنے والا (ترجمان) اور ان کو اللہ تعالیٰ سے شفاعت کا حق دلانے والا۔ میں حقیقت کا اظہار کرتا ہوں نہ کہ فخر و تکبر کا اظہار۔

حدیث ۱۲

الحدیث الثانی عشر قال صلی اللہ علیہ وسلم "انا حبیب اللہ ولا فخر وانا حامل لواء الحمد یوم القیامۃ ولا فخر، وانا اول شافع واول مشفع یوم القیامۃ ولا فخر، واول من یحرک حلق الجنۃ فیفتح اللہ لی فیدخلنیہا ومعی فقراء المومنین ولا فخر وانا اکرم الاولین والآخرین ولا فخر"، رواہ الترمذی عن ابن عباس۔

امام ترمذی حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل فرماتے ہیں کہ سرور عالمیاں علیہ السلام نے فرمایا۔ میں اللہ تعالیٰ کا حبیب ہوں اور مجھے اس اعلان و اعلام پر فخر و ناز نے برانگیختہ نہیں کیا۔ میں ہی قیامت کے دن لواء الحمد کا اٹھانے والا ہوں گا اور مجھے اس پر فخر نہیں ہے۔ میں ہی قیامت کے دن پہلا شفیع اور مقبول الشفاعت ہوں اور یہ اعلان بطور فخر نہیں ہے میں ہی وہ پہلا نبی ہوں جو جنت کی زنجیروں کو ہلاؤں گا۔ اللہ تعالیٰ میرے لیے اس کے دروازے کھلوائے گا اور مجھے اس میں داخل فرمائے گا جب کہ میرے ساتھ فقراء مومنین ہوں گے اور مجھے اس پر فخر نہیں ہے۔ میں سب اولین و آخرین سے زیادہ عزت و کرامت والا ہوں اور مجھے اس پر غرور و ناز نہیں ہے۔

حدیث ۱۳

الحدیث الثالث عشر قال صلی اللہ علیہ وسلم "اذا کان یوم القیامۃ شفعت فقلت یارب ادخل الجنۃ من فی قلبہ خردلۃ فیدخلون، ثم اقول ادخل الجنۃ من کان فی قلبہ ادنی شیء" رواہ البخاری عن انس۔

امام بخاری حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت فرماتے ہیں کہ شفیع خلائق صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ قیامت کے دن مجھے شفیع بنایا جائے گا تو میں اللہ تعالےٰ سے عرض کروں گا اے اللہ ان تمام لوگوں کو جنت میں داخل فرما جن کے دلوں میں رائی کے دانہ کی مقدار ایمان و اخلاص ہے چنانچہ انہیں جنت میں داخل کر دیا جائے گا۔ میں پھر عرض کروں گا اے اللہ ان تمام لوگوں کو جنت میں داخل فرما جن کے دلوں میں ادنیٰ ترین مقدار میں ایمان و اخلاص موجود ہے۔

حدیث ۱۴

الحدیث الرابع عشر قال صلی اللہ علیہ وسلم "یبعث الناس یوم القیامۃ فاکون انا وامتی علی تل ویکسونی ربی حلۃ خضراء ثم یوذن لی فاقول ماشاء اللہ ان اقول فذلک المقام المحمود" رواہ احمد عن کعب بن مالک۔

امام احمد حضرت کعب بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت فرماتے ہیں کہ قیامت کے دن لوگوں کو قبروں سے اٹھایا جائے گا چنانچہ میں اور میری امت ایک ٹیلے پر جمع ہوں گے۔ مجھے میرا پروردگار سبز حلہ اور پوشاک پہنائے گا۔ پھر مجھے شفاعت کا اذن ملے گا اور جو اللہ تعالیٰ کو منظور ہو گا میری زبان پر وہی آئے گا یہی ہے مقام محمود (جس کا اللہ تعالیٰ نے مجھے وعدہ دے رکھا ہے)

حدیث ۱۵

الحدیث الخامس عشر قال صلی اللہ علیہ وسلم "آتی باب الجنۃ یوم القیامۃ فاستفتح فیقول الخازن من انت؟ فاقول: محمد فیقول بک امرت ان لا افتح لاحد قبلک" رواہ مسلم عن انس۔

امام مسلم نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول کریم علیہ افضل التسلیم نے فرمایا۔ میں قیامت کے دن جنت کے دروازے پر آؤں گا اور کھولنے کی خواہش کروں گا تو خازنِ جنت مجھ سے دریافت کرے گا آپ کون ہیں؟ میں جواب میں کہوں گا میں محمد ہوں تو وہ کہے گا صرف آپ کے متعلق ہی مجھے امر دیا گیا تھا کہ آپ سے پہلے قطعاً کسی کے لیے باب جنت نہ کھولوں۔

حدیث ۱۶

الحدیث السادس عشر قال صلی اللہ علیہ وسلم "ما من الانبیاء من نبی الا قد اعطی من الآیات ما مثلہ آمن علیہ البشر وانما کان الذی اوتیت وحیا اوحی اللہ الی فارجو ان اکون اکثرھم تابعا یوم القیامۃ" رواہ البخاری ومسلم عن ابی ھریرۃ۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ سرور انبیاء علیہ التحیۃ والثناء نے فرمایا ہر نبی کو اس قدر آیات و معجزات عطا کئے گئے جن کی بدولت لوگ ان پر ایمان لائے اور ان کو سچا نبی سمجھا اور جو معجزہ مجھے تصدیقِ رسالت اور تائیدِ نبوت کے لیے عطا کیا گیا ہے وہ کلام مجید اور فرقان حمید ہے جو اللہ تعالےٰ نے مجھ پر نازل فرمایا۔ (چونکہ یہ برہانِ صداقت اور دلیلِ حقانیت سب براہین و دلائل سے قوی ہے) لہٰذا مجھے امید ہے کہ قیامت کے دن سب انبیاء علیہم السلام سے میرے متبعین زیادہ ہوں گے (بخاری ومسلم)

حدیث ۱۷

الحدیث السابع عشر قال صلی اللہ علیہ وسلم اعطیت خمسا لم یعطھن احد قبلی: نصرت بالرعب مسیرۃ شھر، وجعلت لی الارض مسجدا وطھورا فایما رجل من امتی ادرکتہ الصلاۃ فلیصل، واحلت لی المغانم ولم تحل لاحد قبلی، واعطیت الشفاعۃ وکان النبی یبعث الی قومہ خاصۃ وبعثت الی الناس عامۃ" رواہ البخاری ومسلم عن جابر۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے ایسے پانچ خصائل حمیدہ اور اوصاف محمودہ سے نوازا گیا ہے جو کسی دوسرے نبی کو عطا نہیں کئے گئے۔ مجھے ایک ماہ کی مسافت تک رعب و دبدبہ اور جاہ و جلال کے ساتھ منصور و موید فرمایا گیا (اور قیصر و کسریٰ اور نجاشی وغیرہ میرے نام سے لرزتے کانپتے ہیں)

۲۔ تمام روئے زمین کو میرے لئے (اور میری امت کے لیے جائے عبادت اور موجب طہارت (بصورت تیمم) بنا دیا گیا ہے میرے امتی کو جہاں بھی وقتِ نماز آئے اسی جگہ نماز پڑھنے کی رخصت ہے ۔ اور امم ماضیہ کی طرح مساجد کے اندر ادا کرنا لازم نہیں ہے)

۳۔ میرے لیے (اور میری امت کے لیے) اموال غنیمت کو حلال کر دیا گیا ہے اور مجھ سے پہلے کسی نبی کے لیے ان کو حلال نہیں کیا گیا تھا۔

۴۔ مجھے شفاعت عظمیٰ عطا کی گئی ہے (جو تمام تر شفاعت کے لیے اصل اور بنیاد ہے اور سب شفاعات اس میں مندرج و مندمج ہیں۔

۵۔ ہر نبی ایک قوم کی طرف مبعوث ہوتا تھا اور میں تمام نوع انسانی کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں (اور قیامت تک پیدا ہونے والے میری امت دعوت اور امت اجابت ہیں) (بخاری و مسلم)

حدایث ع۱۸

الحدیث الثامن عشر، عن ابن عباس رضی اللہ عنہما قال "جلس ناس من اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فخرج حتی اذا دنا منہم سمعہم یتذاکرون، قال بعضہم: ان اللہ اتخذ ابراہیم خلیلا، وقال اخر: موسیٰ کلمہ تکلیما، وقال آخر: فعیسی کلمۃ اللہ وروحہ وقال آخر: آدم اصطفاہ اللہ، فخرج علیہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وقال قد سمعت کلامکم وعجبکم ان ابراہیم خلیل اللہ وھو کذلک، وموسیٰ نجی اللہ وھو کذلک، وعیسی روحہ وکلمتہ وھو کذلک، وآدم اصطفاہ اللہ وھو کذلک الا وانا حبیب اللہ ولا فخر، وانا حامل لواء الحمد یوم القیامۃ تحتہ آدم فمن دونہ ولا فخر، وانا اول شافع واول مشفع یوم القیامۃ ولا فخر، وانا اول من یحرک حلق الجنۃ فیفتح اللہ لی فیدخلنیہا ومعی فقراء المؤمنین ولا فخر، وانا اکرم الاولین والآخرین علی اللہ ولا فخر"، رواہ الترمذی والدارمی۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ اصحابِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں سے بعض حضرات محفل جمائے بیٹھے تھے۔ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم دولتکدہ سے باہر تشریف لائے اور انہیں باہم یہ تذکرہ کرتے ہوئے سنا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اللہ تعالےٰ نے اپنا خلیل بنایا ہے۔ دوسرے نے کہا موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالےٰ نے شرف کلیمی سے مشرف فرمایا ہے۔ تیسرے نے کہا حضرت عیسیٰ علیہ السلام روح اللہ اور کلمۃ اللہ ہیں۔ چوتھے نے کہا حضرت آدم علیہ السلام کو اللہ تعالےٰ نے مقام اصطفیٰ عطا فرمایا۔

سرورِ انبیاء علیہم السلام ان کے پاس پہنچے تو فرمایا میں نے تمہارا کلام بھی سنا اور اس امر پر خوشی اور تعجب کا اظہار بھی۔ کہ ابراہیم علیہ السلام خلیل اللہ ہیں اور واقعی وہ اسی مقام کے مالک ہیں۔ موسیٰ علیہ السلام کلیم خدا ہیں ان کا مقام و مرتبہ ایسے ہی ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام روح اللہ اور کلمۃ اللہ ہیں یہ بھی حقیقت ہے۔ آدم صفی اللہ ہیں یہ بھی عین حقیقت ہے۔

(مگر تم نے میرا منصب و مقام بیان نہیں کیا آؤ وہ میری زبانی سن لو) اور اچھی طرح ذہن نشین کر لیجئے میں اللہ تعالےٰ کا حبیب و محبوب ہوں۔ اور میں اپنا یہ شرف و فضل بطور فخر و ناز بیان نہیں کر رہا ہوں۔ اور میں قیامت کے دن لواء الحمد کو اپنے دستِ اقدس میں اٹھانے والا ہوں گا۔ اسی کے نیچے حضرت آدم ؑ

ہوں گے اور ان کے بعد آنے والے انبیاء علیہم السلام۔ یہ بیان بھی بطور فخر و ناز نہیں ہے۔ میں بروزِ قیامت پہلا شفیع اور مقبول الشفاعت ہوں گا۔ اور یہ اعلان بھی از روئے فخر نہیں ہے۔ میں ہی وہ پہلا نبی ہوں گا جو جنت کی زنجیروں کو ہلاؤں گا۔ اللہ تعالےٰ اسے میرے لیے کھولے گا اور مجھے اس میں داخل فرمائے گا جب کہ فقراء مومنین بھی میرے ساتھ ہوں گے۔ اور یہ انکشاف بھی ازرہ فخر و تکبر نہیں ہے میں اللہ تعالےٰ کے نزدیک تمام اولین و آخرین سے زیادہ عزت و کرامت والا ہوں۔ یہ فرمان بھی فخر و غرور پر مبنی نہیں ہے۔ (ترمذی و دارمی)

حدیث ع۱۹

الحدیث التاسع عشر قال صلی اللہ علیہ وسلم "نحن الآخرون ونحن السابقون یوم القیامۃ وانی قائل قولا غیر فخر: ابراہیم خلیل اللہ وموسی صفی اللہ وانا حبیب اللہ ومعی لواء الحمد یوم القیامۃ وان اللہ وعدنی فی امتی واجارھم من ثلاث، لا یعمہم بسنۃ ولا یستأصلہم عدو ولا یجمعہم علی ضلالۃ"، رواہ الدارمی عن عمرو بن قیس۔

حضرت عمرو بن قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حبیبِ خدا علیہ السلام نے فرمایا۔ ہم ہی آخری ہیں (بعثت و ظہور کے اعتبار سے) اور ہم ہی اول و سابق ہیں بروزِ قیامت (شرف و فضل کے اعتبار سے) اور میں تمہارے سامنے ایک بات بیان کرنے والا ہوں جس میں اظہارِ فخر اور تفوق نہیں ہے بلکہ بیانِ حقیقت اور واقعہ ابراہیم خلیل اللہ ہیں۔ موسیٰ صفی اللہ ہیں اور میں حبیب اللہ ہوں میرے ساتھ قیامت کے دن لواء الحمد ہو گا۔ اور تحقیق اللہ تعالےٰ نے میرے ساتھ میری امت کے معاملہ میں تین امور کا وعدہ فرمایا ہے اور تین چیزوں سے ان کو پناہ دی ہے۔ ان سب کو قحط سالی کا نشانہ نہیں بنائے گا اور ہلاکت میں مبتلا نہیں کرے گا اور کوئی دشمن اور کینہ ور ان کو بالکلیہ نیست و نابود نہیں کر سکے گا اور نہ ہی ان کو ضلالت و گمراہی پر متفق ہونے دے گا (بلکہ ایک طائفہ ہمیشہ حق پر قائم و دائم رہے گا تا آنکہ قیامت کے آثار خاصہ ظہور پذیر ہو جائیں گے) (دارمی)

حدیث ع۲۰

الحدیث العشرون، قال صلی اللہ علیہ وسلم "انا اول الناس خروجا اذا بعثوا، وانا قائدھم اذا وفدوا، وانا خطیبہم اذا انصتوا، وانا مستشفعہم اذا حبسوا، وانا مبشرھم اذا ایسوا، الکرامۃ والمفاتیح یومئذ بیدی، ولواء الحمد یومئذ بیدی، وانا اکرم ولد آدم علی ربی یطوف علی الف خادم کانہن بیض مکنون او لؤلؤ منثور"، رواہ الترمذی والدارمی عن انس۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ سید المرسلین علیہ وعلیہم الصلوٰۃ والتسلیم نے ارشاد فرمایا

میں سب لوگوں سے پہلے قبر سے نکلوں گا جب کہ انہیں قبروں سے اٹھایا جائے گا۔ میں ان کا قائد اور پیشوا ہوں گا جب کہ وہ بارگاہِ خداوندی میں حاضر ہوں گے۔ میں ہی ان کی طرف سے اللہ تعالےٰ کے ساتھ کلام کرنے والا ہوں گا جب کہ وہ خاموش ہو جائیں گے اور لبِ سوال ہونے سے قاصر۔ میں ان کے لئے طلب گارِ شفاعت ہوں گا جب کہ انہیں میدان محشر میں روک دیا جائے گا۔ میں ہی ان کو مژدۂ مغفرت و بخشش سنانے والا ہوں گا جب انہیں خلاصی اور چھٹکارا کی امید نہیں ہوگی۔ عزت و کرامت اور خزائن آخرت کی چابیاں اس دن میرے ہاتھ میں ہوں گی۔ لواء الحمد میرے ہاتھ میں ہوگا۔ میں تمام اولادِ آدم علیہ السلام سے اللہ تعالےٰ کے ہاں زیادہ معظم و مکرم ہوں گا میری خدمت کے لیے ہزار خادم کمربستہ حاضرِ بارگاہ ہوں گے۔ گویا کہ وہ سفید موتی ہوں گے جو پردوں میں مستور ہوں۔ یہ بکھرے ہوئے موتیوں کی مانند ہوں گے۔

(ترمذی اور دارمی)

حدیث ۲۱

الحدیث الحادی والعشرون قال صلی اللہ علیہ وسلم سلوا اللہ لی الوسیلة، قالوا یا رسول اللہ وما الوسیلة؟ قال اعلی درجة فی الجنة لا ینالها الا رجل واحد وارجو ان اکون انا هو، رواہ الترمذی عن ابی هریرة۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ سید الانبیاء علیہ السلام نے فرمایا۔ میرے لیے اللہ تعالیٰ سے وسیلہ کی دعا کرو۔ صحابہ کرام علیہم الرضوان نے عرض کیا یا رسول اللہ وسیلہ کون سی چیز ہے؟ آپ نے فرمایا وہ جنت کا بلند ترین مقام ہے جسے صرف ایک ہی شخص حاصل کر سکے گا۔ اور میں امید رکھتا ہوں کہ اس درجہ عالیہ پر فائز ہونے والا شخص میں ہی ہوں گا (متیقن کو صورت مرجو اور یقین کو صورت رجاء و امید میں ذکر کرنا محض تواضع و انکسار پر مبنی ہے ورنہ اس مرتبہ کا حصول آپ کے لیے یقینی ہے اور رجاء حبیب بارگاہِ مجیب میں محروم تکمیل نہیں رہ سکتی) (ترمذی)

حدیث ۲۲

الحدیث الثانی والعشرون، عن ابن عمر رضی اللہ عنهما انه قال "ان الناس یصیرون یوم القیامة حتی کل امة تتبع نبیها یقولون یا فلان اشفع لنا یا فلان اشفع لنا حتی تنتهی الشفاعة الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فذلک یوم یبعثه اللہ المقام المحمود"، قال الشهاب فی شرح الشفاء: وهذا الحدیث) رواہ البخاری فی التفسیر موقوفا علی ابن عمر، ومثله مما لا مجال للرأی فیه، فله حکم المرفوع۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ لوگ قیامت کے دن میدانِ محشر میں گردش کریں گے۔ اور ہر امت اپنے نبی کے درپے ہوگی اور اس سے شفاعت کے لیے عرض کرے گی حتیٰ کہ سلسلہ سوال و التجاء آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچ جائے گا۔ یہ ہے وہ دن جس میں اللہ تعالےٰ آپ کو مقام محمود پر فائز فرمائے گا۔

شارح شفاء علامہ شہاب الدین خفاجی فرماتے ہیں اس حدیث کو امام بخاری علیہ الرحمہ نے کتاب التفسیر میں حضرت عبداللہ بن عمر پر موقوف کر کے نقل فرمایا ہے مگر یہ حکم مرفوع میں ہے کیونکہ ایسے امور میں عقل و قیاس کا دخل نہیں ہے لہٰذا لامحالہ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سن کر ہی اسے روایت فرمایا ہے۔

حدیث ۲۳

الحدیث الثالث والعشرون، قال صلی اللہ علیہ وسلم "کل نبی سأل سؤالا" او قال "لکل نبی دعوة قد دعاها لامته وانی اختبأت دعوتی شفاعة لامتی"، رواہ البخاری ومسلم عن انس۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ہر نبی کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک دعا کا اذن تھا (جس کی قبولیت اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمۂ کرم پر لی تھی) جو انہوں نے دنیا میں ہی اپنی امت کے لیے استعمال فرمالیا۔ اور میں نے اپنا حقِ دعا قیامت کے دن امت کی شفاعت کے لیے بچا کر رکھا ہوا ہے۔ (بخاری و مسلم)

حدیث ۲۴

الحدیث الرابع والعشرون، قال صلی اللہ علیہ وسلم "رأیت ما تلقی امتی من بعدی وسفک بعضهم دماء بعض فاحزننی وسبق ذلک من اللہ عزوجل کما سبق فی الامم قبلهم، فسألته ان یولینی فیهم شفاعة یوم القیامة ففعل" رواہ البیهقی فی البعث وصحح اسنادہ عن ام حبیبة۔

حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی الانبیاء علیہ السلام نے فرمایا۔ میں نے ان احوال کو دیکھا جو میرے بعد میری امت کو درپیش ہوں گے بالخصوص ان کا ایک دوسرے کو قتل کرنا تو بہت غمگین ہوا۔ اور اس امر کا حتمی و قطعی فیصلہ علم الٰہی میں ہو چکا تھا جیسا کہ پہلی امتوں کے متعلق عذاب و نکال کے حتمی فیصلے علمِ الٰہی میں ہو چکے تھے (لہٰذا ان احوال کی تبدیلی تو محال تھی ورنہ علمِ الٰہی میں تغییر لازم آتا لہٰذا اس کا سوال کرنے کی بجائے) میں نے اللہ تعالےٰ سے یہ التجاء کی کہ مجھے ان کا حق شفاعت عطا فرمائے

اللہ تعالیٰ نے میری اس دعا کو شرف اجابت وقبولیت بخش دیا۔ (بیہقی کتاب البعث والنشور)

حدیث ع ٢٥

الحدیث الخامس والعشرون، قال صلی اللہ علیہ وسلم لقد اعطیت اللیلۃ خمسا ما اعطیہن احد قبلی، اما انا فارسلت الی الناس کلہم عامۃ، وکان من قبلی انما یرسل الی قومہ ونصرت علی العدو بالرعب ولو کان بینی وبینہ مسیرۃ شہر ملی منہ، واحلت لی الغنائم آکلہا وکان من قبلی یعظمون اکلہا کانوا یحرقونہا، وجعلت لی الارض مسجدا وطہورا، اینما ادرکتنی الصلوٰۃ تمسحت وصلیت، وکان من قبلی یعظمون ذلک انما کانوا یصلون فی کنائسہم وبیعہم، والخامسۃ ہی ما ہی؟ قیل لی سل فان کل نبی قد سال فاخرت مسالتی الی یوم القیامۃ فہی لکم ولمن شہد ان لا الہ الا اللہ» رواہ احمد باسناد صحیح عن عبد اللہ بن عمر۔

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے رسول ثقلین علیہ السلام نے فرمایا۔ مجھے آج رات پانچ فضائل اور خصوصیات عطا کی گئی ہیں جو مجھ سے پہلے کسی نبی کو مرحمت نہیں کی گئیں۔ مجھے تمام نوع انسانی کی طرف (ہمیشہ کے لیے) رسول بنا کر بھیجا گیا ہے جب کہ پہلے انبیاء علیہم السلام کو صرف اپنی قوم کی طرف (وقت مخصوص کے لیے) مبعوث فرمایا گیا۔ مجھے اپنے اعداء پر رعب و دبدبہ کے ساتھ نصرت اور تائید بخشی گئی ہے خواہ میرے اور ان کے درمیان ایک ماہ کی طویل مسافت ہی کیوں نہ ہو تو وہ سخت مرعوبیت و مغلوبیت کا شکار ہو گا۔ مجھ پر اموال غنیمت کا کھانا اور استعمال کرنا حلال کر دیا گیا ہے جب کہ پہلے انبیاء علیہم السلام ان کے کھانے کو عظیم گناہ سمجھتے تھے بلکہ ان کو جلا دیتے تھے۔ میرے لیے ساری زمین جائے نماز اور موجب طہارت بنا دی گئی ہے۔ جہاں بھی وقت نماز ہو جاتے میں تیمم کر سکتا ہوں اور نماز ادا کر سکتا ہوں جب کہ مجھ سے قبل مبعوث انبیاء علیہم السلام اس کو عظیم گناہ سمجھتے تھے اور صرف اپنے معابد و کنیسہ وغیرہ میں نماز ادا کرتے تھے۔ اور پانچویں فضیلت نرالا شان رکھتی ہے اس کا کیا کہنا؟ مجھے فرمایا گیا تم بھی کوئی دعا کر لو کیونکہ ہر نبی نے ایک دعا کی ہے مگر میں نے اپنی دعا کو قیامت کے دن کے لیے وقف کر دیا ہے لہٰذا وہ دعا تمہارے لیے ہے اور تمام لا الٰہ الا اللہ کی شہادت دینے والے اہل ایمان کے لیے ہے۔

(رواہ احمد باسناد صحیح)

حدیث ع ٢٦

الحدیث السادس والعشرون، عن عبد الرحمٰن بن ابی عقیل رضی اللہ عنہ قال انطلقت فی

وفد الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاتیناہ فانخنا بالباب وما فی الناس ابغض الینا من رجل یلج علیہ فما خرجنا حتی ما کان فی الناس احب الینا من رجل دخل علیہ، فقال قائل منا یا رسول اللہ الا سالت ربک ملکا کملک سلیمان؟ قال فضحک ثم قال: فلعل لصاحبکم عند اللہ افضل من ملک سلیمان ان اللہ لم یبعث نبیا الا اعطاہ دعوۃ، منہم من اتخذہا دنیا فاعطیہا ومنہم من دعا بہا علی قومہ اذ عصوہ فاہلکوا بہا، وان اللہ اعطانی دعوۃ فخبأتہا عند ربی شفاعۃ لأمتی یوم القیامۃ» رواہ الطبرانی والبزار باسناد جید۔

حضرت عبد الرحمٰن بن ابی عقیل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ میں ایک وفد میں شامل ہو کر بارگاہ نبوی میں حاضر ہوا، جب ہم حاضر بارگاہ ہوئے تو اونٹوں کو مسجد کے دروازہ پر بٹھایا اور اندر داخل ہوئے اس وقت ہماری حالت یہ تھی کہ ہمارے نزدیک اس شخص سے بڑھ کر کوئی شخص مبغوض اور ناپسندہ نہیں ہوتا تھا جو آپ کی خدمت میں حاضر ہوتا لیکن جب ہم آپ کی محفل مبارک سے اٹھے تو کوئی شخص ہمیں اس سے زیادہ محبوب اور پسندیدہ نہیں تھا جو ان کی بارگاہ والاجاہ میں حاضری کا شرف حاصل کرے۔

ہم میں سے کسی شخص نے آپ سے عرض کیا یا رسول اللہ آپ نے اپنے رب کریم سے ایسا ملک کیوں طلب نہ فرمایا جیسا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کا تھا۔ آپ ہنسے اور فرمایا امید قوی ہے کہ تمہارے نبی کا ملک اللہ تعالیٰ کے ہاں حضرت سلیمان علیہ السلام کے ملک سے افضل و برتر ہو۔ اللہ تعالیٰ نے جس نبی کو مبعوث فرمایا اسے ایک دعا کا حق عطا فرمایا۔ بعض نے اس کو دنیوی جاہ و جلال کا ذریعہ بنایا اللہ تعالیٰ نے اس کو اس کا مطلوب عطا فرما دیا۔ بعض نے اس دعا کو اپنی قوم کی ہلاکت اور تباہی و بربادی کے لیے استعمال کر دیا جب انہوں نے اطاعت سے سرکشی کی تو اس دعا کی وجہ سے ہلاک کر دئے گئے اور اللہ تعالیٰ مجھے دعا کا حق عطا فرمایا ہے جو میں نے قیامت کے دن اپنی امت کی شفاعت کے لیے اللہ تعالیٰ کے ہاں ذخیرہ کر رکھا ہے۔

(طبرانی و بزار باسناد جید)

حدیث ع ٢٧

الحدیث السابع والعشرون قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم «اعطیت خمسا لم یعطہن احد قبلی، جعلت لی الارض مسجدا وطہورا، واحلت لی الغنائم ولم تحل لنبی کان قبلی، ونصرت بالرعب مسیرۃ شہر علی عدوی وبعثت الی کل احمر واسود، واعطیت الشفاعۃ وہی نائلۃ من امتی من لا یشرک باللہ شیئا» رواہ البزار عن ابی ذر واسنادہ جید۔

حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ سید عرب و عجم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ مجھے پانچ فضائل

کے ساتھ مخصوص ٹھہرایا گیا ہے۔ جو مجھ سے پہلے کسی کو عطا نہیں کئے گئے۔

۱۔ تمام روئے زمین میرے لیے جائے نماز اور قابلِ طہارت وتیمم بنادی گئی ہے۔

۲۔ اموال غنیمت میرے لیے حلال قرار دئیے گئے ہیں جب کہ پہلے انبیا علیہم السلام کے لیے حلال نہیں تھے۔

۳۔ مجھے ایک ماہ کی مسافت تک موجود اعداء پر رُعب و دبدبہ کے ساتھ نصرت اور امداد دی گئی ہے۔

۴۔ سیاہ وسفید یعنی عرب وعجم کی طرف مبعوث فرمایا گیا ہے۔

۵۔ اور مجھے شفاعت عظمیٰ عطا کی گئی ہے اور وہ ان شاء اللہ میری امت کے ان تمام افراد کو اپنے احاطہ میں لے لے گی جو شرک وکفر سے محفوظ رہ کر دنیا سے رخصت ہوئے ہوں گے (رواہ بزار)

حدیث ۲۸

الحديث الثامن والعشرون عن عوف بن مالك الاشجعي رضي الله عنه قال «سافرنا مع رسول الله صلى الله عليه وسلم سفرا حتى اذا كان في الليل ارقت عيناى فلم يأتنى النوم فقمت فاذا ليس في العسكر دابة الا واضع خده الى الارض وارى وقع كل شىء في نفسي فقلت لآتين رسول الله صلى الله عليه وسلم فلا كلمنه الليلة حتى اصبح فخرجت اتخلل الرجال حتى خرجت من العسكر فاذا انا بسواد فتيممت ذلك السواد فاذا هوا بوعبيدة بن الجراح ومعاذ بن جبل فقالا لي ما الذى اخرجك؟ فقلت الذى اخرجكما فاذا نحن بغيضة منا غير بعيدة فمشينا الى الغيضة. فاذا نحن نسمع فيها كدوى النحل وكخفيق الرياح، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم ههنا ابوعبيدة بن الجراح؟ قلنا نعم، قال ومعاذ بن جبل؟ قلنا نعم، قال وعوف بن مالك؟ قلنا نعم، فخرج الينا رسول الله صلى الله عليه وسلم لا نسأله عن شىء ولا يسالنا عن شىء حتى رجع الى رحله، فقال الا اخبركم بما خيرنى ربى آنفا؟ قلنا بلى يارسول الله قال خيرني بين ان يدخل ثلثي امتي الجنة بغير حساب ولا عذاب وبين الشفاعة، قلنا يارسول الله ما الذى اخترت؟ قال اخترت الشفاعة. قلنا جميعًا يارسول الله اجعلنا من اهل شفاعتك. قال ان شفاعتي لكل مسلم رواه ابن حبان والطبراني بأسانيد احدها جيد۔

حضرت عوف بن مالک اشجعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ہم ایک سفر میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تھے۔ ایک رات میری آنکھیں نہ لگیں اور نیند کافور ہوگئی۔ چنانچہ میں اپنی جگہ سے اٹھا کیا دیکھتا ہوں کہ لشکر کی قیام گاہ میں حدنگاہ تک ہر جانور زمین پر سر رکھ کر سویا ہوا ہے میرے دل میں خیال آیا کہ میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ اقدس میں حاضری دیتا ہوں اور صبح تک آپ کے

ساتھ بات چیت میں مصروف رہتا ہوں۔ میں لوگوں کے درمیان سے گزرتا ہوا معسکر سے باہر نکلا تو کسی شخص کا اثر ونشان محسوس ہوا ادھر روانہ ہوا تو وہ حضرت ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ تھے اور حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ ان دونوں نے مجھ سے دریافت کیا کہ اس وقت باہر نکلنے کا موجب کیا ہے میں نے کہا جس چیز نے آپ کو ادھر نکلنے پر مجبور کیا ہے اسی نے مجھے یہاں تک پہنچایا ہے۔ ہمارے قریب ہی درختوں کا ایک جھنڈ تھا۔ ہم اس کی طرف چلے تو ہمیں شہد کی مکھیوں کی بھنبھناہٹ اور ہواؤں کی سرسراہٹ سی محسوس ہوئی۔ رسول کریم علیہ السلام نے فرمایا یہاں ابوعبیدہ بن الجراح ہیں، ہم نے عرض کیا جی ہاں! آپ نے فرمایا اور معاذ بن جبل ہیں؟ عرض کیا جی ہاں! آپ نے دریافت فرمایا کیا عوف بن مالک ہیں، ہم نے عرض کیا جی ہاں! پھر آپ ہماری طرف محوِ خرام ناز ہوئے۔ نہ آپ ہم سے کوئی سوال فرماتے اور نہ ہم آپ سے حتیٰ کہ آپ (اس جھنڈ سے) اپنی قیام گاہ کی طرف مراجعت فرما ہوئے۔ تب آپ نے فرمایا کیا میں تمہیں اس امر کی خبر نہ دوں جس کا اختیار ابھی ابھی میرے رب تبارک وتعالیٰ نے مجھے دیا ہے؟ ہم نے عرض کیا ہاں کیوں نہیں ضرور بتلائیں۔

آپ نے فرمایا۔ مجھے میرے رب نے یہ اختیار دیا ہے کہ میری دو تہائی امت کو بلا حساب وعذاب جنت میں داخل کردے اور یا مجھے حق شفاعت دے دے۔ ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ نے کس امر کو اختیار فرمایا ہے تو آپ نے فرمایا میں نے شفاعت کو اختیار کیا ہے۔ ہم سب نے مل کر عرض کیا یا رسول اللہ ہمیں بھی اپنی شفاعت کے قابل لوگوں میں داخل فرمالیں آپ نے فرمایا میری شفاعت تمام اہل اسلام کے لیے ہے۔ (ابن حبان اور طبرانی)

حدیث ۲۹

الحديث التاسع والعشرون، عن سلمان رضي الله عنه قال «تعطى الشمس يوم القيامة حر عشر سنين ثم تدنى من جماجم الناس قال فذكر الحديث قال فيأتون النبي صلى الله عليه وسلم فيقولون يانبى الله انت الذى فتح الله لك وغفرلك ما تقدم من ذنبك وما تأخر، وقد ترى ما نحن فيه فاشفع لنا الى ربك فيقول انا صاحبكم فيخرج يجوس بين الناس حتى ينتهى الى باب الجنة فيأخذ بحلقة في الباب من ذهب فيقرع الباب فيقول: من هذا؟ فيقول محمد فيفتح له حتى يقوم بين يدى الله عزوجل فيسجد فينادى: ارفع راسك سل تعطه واشفع تشفع فذلك المقام المحمود» رواه الطبراني باسناد صحيح۔

حضرت سلمان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ قیامت کے دن سورج کو دس سال کی حرارت اور تمازت

کی مانند م گرمی عطا کی جائے گی پھر اسے لوگوں کے سروں کے بالکل قریب کر دیا جائے گا (تفصیلی واقعات بیان کرتے ہوتے) فرمایا پھر لوگ بارگاہِ سرورِ کائنات علیہ افضل الصلوات میں حاضر ہوں گے اور عرض کریں گے اے نبیٔ خدا! آپ ہی وہ ہستی مبارک ہیں جن کے لیے اللہ تعالٰے نے مکہ فتح فرمایا (بلکہ خزائن ارضی وسماوی اور فیوض ظاہری و باطنی کے دروازے کھول دئے ہیں) اور آپ کے لیے پہلے اور پچھلے ذنوب کی مغفرت و بخشش کا اعلان فرما دیا ہے۔ آپ دیکھ رہے ہو کہ ہم کس پریشانی اور زبوں حالی کا شکار ہیں۔ بارگاہ خداوندی میں حاضر ہو کر ہمارے لیے شفاعت فرمایئے۔

فخر موجودات صلی اللہ علیہ وسلم فرمائیں گے ہاں ہاں میں ہی تمہاری شفاعت کا مالک ہوں تو آپ لوگوں کی صفوں کو چیرتے ہوئے بابِ جنت تک جا پہنچیں گے۔ اُس کے سنہری حلقہ کو ہلائیں گے۔ خازنِ جنت دریافت کرے گا۔ دروازے پر دستک دینے والا کون ہے؟ آپ فرمائیں گے میں محمد ہوں۔ وہ دروازہ کھول دے گا حتیٰ کہ آپ بارگاہِ خداوندی میں حاضری دیں گے اور سجود نیاز میں گر کر حمد وثنا بجا لائیں گے۔

اللہ تعالٰے کی طرف سے نداء دی جائے گی اے قابلِ مدح وثناء اور آفرین وستائش کے لائق محبوب سر اُٹھاؤ جو مانگو گے تمہیں عطا کیا جائے گا۔ اور جس کی شفاعت کرو گے قبول کی جاتے گی۔ یہ ہے مقام محمود (جس کا اللہ تعالٰے نے آپ سے وعدہ کر رکھا ہے)۔ (طبرانی باسناد صحیح)

حدیث ع۳۰

الحدیث الثلاثون، قال صلی اللہ علیه وسلم انی لقائم انتظر امتی تعبر اذجاء عیسی علیه السلام، قال فقال هذه الانبیاء قدجاء تک یا محمد یسالون، اوقال یجتمعون الیک تدعو اللہ ان یفرق بین جمع الامم الی حیث یشاء لعظم ماهم فیه فالخلق ملجمون فی العرق، فأما المومن فهو علیه کالزکمة، واما الکافر فیغشاه الموت قال یا عیسی انتظر حتی ارجع الیک. قال وذهب نبی اللہ صلی اللہ علیه وسلم نقام تحت العرش فلقی مالم یلق ملک مصطفی ولانبی مرسل، فاوحی اللہ الی جبریل علیه السلام ان اذهب الی محمد فقل له ارفع راسک سل تعطه واشفع تشفع. قال فشفعت فی أمتی ان اخرج من کل تسعة وتسعین انسانا واحدا قال فما زلت اتردد علی ربی فلا اقوم فیه مقاما الا شفعت حتی أعطانی اللہ من ذلک أن قال ادخل من امتک من خلق اللہ من شهد ان لا اله الا اللہ یوما واحد مخلصا ومات علی ذلک رواه احمد ورواته محتج بهم فی الصحیح عن انس۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ سیّدُ الانبیاء علیہ التحیۃ والثناء نے ارشاد فرمایا:۔ میں قیامت کے دن پل صراط کے قریب کھڑا ہو کر اپنی امت کے پل پر سے گذرنے کا انتظار کر رہا ہوں گا کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام میرے پاس آئیں گے اور کہیں گے کہ سبھی انبیاء علیہم السلام آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں اور آپ سے ایک درخواست کرتے ہیں اور وہ یہ ہے کہ آپ اللہ تعالٰے سے دعا کریں کہ وہ تمام امم کو اپنے اپنے ٹھکانوں تک پہنچائے اور اس میدان کے شدائد و مصائب سے ان کو خلاصی دے۔ وہ سبھی اپنے اپنے پسینہ میں غرق ہو رہے ہیں اور پسینہ ان کے موہنوں تک پہنچا ہوا ہے مومن پر تو میدانِ محشر میں زکام کی سی حالت طاری ہو گی مگر کافر پر موت کا سا عالم ہو گا۔

آپ حضرت عیسٰی علیہ السلام سے فرمائیں گے آپ یہیں ٹھہریں تاآنکہ میں واپس آپ کے پاس پہنچوں سرورِ کائنات علیہ افضل الصلوات بارگاہِ خداوندی میں حاضر ہوں گے۔ عرشِ عظمت کے نیچے کھڑے ہوں گے۔ اور اس قرب و دنو سے نواز سے جائیں گے جو نہ کسی مقرب فرشتہ کو حاصل ہو گا اور نہ ہی نبی مرسل کو (اور اللہ تعالٰے کے فضل واحسان کا شکر بجا لاتے ہوئے سجدہ ریز ہو جائیں گے) اللہ تعالیٰ جبرئیل علیہ السلام کو حکم دے گا کہ محمد کریم علیہ السلام کے پاس جاؤ اور ان سے عرض کرو اپنا سر بلند کیجئے۔ جو مانگو آپ کو دیا جائے گا۔ جس کی شفاعت کرو گے قبول کی جائے گی چنانچہ مجھے امت میں شفاعت کا حق دیا جائے گا اور (پہلی دفعہ) اور ہر ننانوے افراد میں سے ایک فرد کو جہنم کی دہکتی آگ سے نکال کر جنت میں لے جانے کا اختیار دیا جائے گا (ان کو نکال کر پھر اللہ تعالٰے کی بارگاہ میں حاضری دوں گا اور حسب سابق عرض کروں گا) اور یہ سلسلہ جاری رہے گا حتیٰ کہ اللہ تعالٰے مجھ کو یہ اختیار عطا فرماتے گا کہ جا کر ہر اس شخص کو جنت میں داخل کر دو جس نے زندگی بھر ایک مرتبہ بھی خلوص دل سے لآ الٰہ الا اللہ کی شہادت دی ہو اور اسی پر فوت ہوا ہو۔ (رواہ احمد)

حدیث ع۳۱

الحدیث الحادی والثلاثون قال صلی اللہ علیه وسلم یدخل من اهل هذه القبلة النار من لا یحصی عددهم الا اللہ بما عصوا اللہ واجترءوا علی معصیتهٖ وخالفوا طاعته فیؤذن لی فی الشفاعة فأثنی علی اللہ ساجدا کما اثنی علیه قائما فیقال لی ارفع راسک وسل تعطه واشفع تشفع رواه الطبرانی فی الکبیر والصغیر باسناد حسن عن عبد اللہ بن عمرو بن العاص۔

حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد

فرمایا کہ اہلِ قبلہ اور اہلِ اسلام میں سے بے شمار لوگ عصیان وطغیان اور ارتکاب معاصی و سیئات کی وجہ سے جہنم میں داخل کر دئے جائیں گے۔

مجھے ان کی شفاعت کا اذن دیا جائے گا میں سجدہ ریز ہو کر اللہ رب العزت کی حمد وثنا بجالاؤں گا جیسے کہ کھڑا ہو کر اس کی حمد وثنا بجالاؤں گا۔ مجھے حکم دیا جائے گا کہ اپنے سر کو سجدہ سے اٹھاؤ جو چاہو مانگو تمہیں دیتے ہیں اور جس کی شفاعت کرنا چاہتے ہو کرو تمہاری شفاعت قبول کرتے ہیں۔ (طبرانی کبیر وصغیر)

حدیث ۳۲

الحديث الثانی والثلاثون، روی الامام احمد وابن حبان فی صحیحه عن ابی هريرة رضی الله عنه قال سألت رسول الله صلی الله عليه وسلم قلت يارسول الله ماذا رد اليك ربك فی الشفاعة؟ قال والذی نفس محمد بيده، لقد ظننت انك اول من يسالنی عن ذلك من امتی لما رايت من حرصك علی العلم، والذی نفس محمد بيده لما يهمنی من انقضاضهم علی ابواب الجنة اهم عندی من تمام شفاعتی لهم وشفاعتی لمن شهد ان لا اله الا الله مخلصا وان محمدا رسول الله يصدق لسانه قلبه وقلبه لسانه۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے رسولِ کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم سے عرض کیا کہ اللہ تعالےٰ نے آپ کو شفاعتِ امم کی صورت میں کیا وعدہ دے رکھا ہے؟ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے قسم ہے اس ذاتِ اقدس کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے میرا گمان یہی تھا کہ سب سے پہلے تم ہی مجھ سے یہ سوال کرو گے کیونکہ میں نے تمہیں علم کے معاملہ میں بہت حریص دیکھا ہے۔ بخدا میرے امتیوں کا جنت کے دروازوں پر بھیڑ کرنا اور باہم دھکم پیل کی وجہ سے ان کا مشقت اٹھانا مجھے بنسبت اتمام شفاعت کے زیادہ غمگین کرنے والا ہے اور پریشانی میں ڈالنے والا۔

میری شفاعت تو ہر اس شخص کو نصیب ہوگی جس نے خلوص دل سے لاآلہٰ الا اللہ کی شہادت دی اور محمد رسول اللہ کا اقرار واعتراف کرلیا۔ جب کہ اس کا دل زبان کی تائید وتصدیق کرتا ہو اور زبان دل کی تصدیق وتائید۔

(مسند امام احمد۔ صحیح ابن حبان)

حدیث ۳۳

الحديث الثالث والثلاثون۔ قال صلی الله عليه وسلم ان لكل نبی يوم القيامة منبرا من نور وانی لعلی اطولها وانورها، فيجیء منادينادی ابن النبی الامی؟ قال فتقول الانبياء: كلنا نبی امی فالی اینا ارسل فيرجع الثانية فيقول ابن النبی الامی العربی؟ قال

فينزل محمد صلی الله عليه وسلم حتی ياتی باب الجنة فيقرعه، فيقال من؟ فيقول: محمد واحمد فيقال اوقد ارسل اليه، فيقول نعم، فيفتح له فيدخل فيتجلی له الرب تبارك وتعالیٰ ولا يتجلی لنبی قبله فيخر لله ساجدا ويحمد بمحامد لم يحمده بها احد ممن كان قبله ولا يحمده بها احد ممن كان بعده فيقال له يامحمد ارفع راسك تكلم تسمع، اشفع تشفع رواه ابن حبان فی صحيحه عن انس بن مالك۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ قیامت کے دن ہر نبی کے لیے نورانی منبر ہوگا اور میں بہت بڑے اونچے اور نورانی منبر پر ہوں گا۔ ایک ندا دینے والا ندا دے گا کہ نبی امی کہاں ہیں؟ سب انبیاء علیہم السلام کہیں گے ہم سب امی نبی ہیں تجھے کس کی طرف بھیجا گیا ہے؟ وہ دوبارہ لوٹ کر آئے گا اور کہے گا نبی امی عربی کہاں ہیں؟ اس کے پکارنے اور بلانے پر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم منبر سے اتریں گے اور جنت کے دروازے پر آکر اسے کھٹکھٹائیں گے۔ پوچھا جائے گا کون ہیں کھٹکھٹانے والے؟ تو آپ فرمائیں گے میں محمد احمد ہوں۔ پوچھا جائے گا کیا آپ کو بلایا گیا ہے؟ آپ فرمائیں گے ہاں! چنانچہ دروازہ کھول دیا جائے گا۔ آپ اندر داخل ہوں گے۔ اللہ رب العزت آپ کے سامنے آشکارا ہوگا اور آپ سے پہلے کسی کے لیے بھی آشکارا نہیں ہوگا۔ آپ اس کی تجلی ذات کا مشاہدہ کرتے ہی سجدہ ریز ہوں گے اور ایسے کلمات طیبات کے ساتھ اللہ تعالےٰ کی حمد بجالائیں گے جن کے ساتھ نہ پہلے کسی نے اللہ تعالےٰ کی حمد وثنا کی ہوگی اور نہ بعدازاں کوئی کرے گا آپ سے کہا جائے گا اے محمد سر کو بلند کرو، جو کہو گے ہم سنیں گے۔ جس کی شفاعت کرو گے ہم قبول کریں گے۔ (صحیح ابن حبان)

حدیث ۳۴

الحديث الرابع والثلاثون، قال رسول الله صلی الله عليه وسلم انا سيد ولد آدم يوم القيامة ولا فخر وبيدی لواء الحمد ولا فخر ومامن نبی يومئذ آدم فمن سواه الا تحت لوائی وانا اول من تنشق عنه الارض ولا فخر، قال فيفزع الناس ثلاث فزعات فيأتون، آدم فذكر الحديث الی ان قال فيأتونی فانطلق معهم قال ابن جدعان قال انس فكانی انظر الی رسول الله صلی الله عليه وسلم قال: فآخذ بحلقة باب الجنة فاقعقعها، فيقال من هذا؟ فيقال محمد فيفتحون لی ويرحبون، فيقولون مرحبا، فاخر ساجدا، فيلهمنی الله من الثناء والحمد فيقال لی ارفع راسك سل تعطه واشفع تشفع وقل يسمع لقولك

وھو المقام المحمود الذی قال اللہ (عسیٰ ان یبعثک ربک مقاما محمودا) رواہ الترمذی عن ابی سعید۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں قیامت کے دن (تمام نسل انسانی اور) اولاد آدم علیہ السلام کا سردار ہوں اور یہ اعلان بطور فخر نہیں کر رہا ہوں۔ میرے ہی ہاتھ میں لواء الحمد ہوگا اور یہ اظہار از روئے فخر و ناز نہیں ہے۔ اس دن آدم علیہ السلام اور ان کے بعد تشریف لانے والے تمام انبیاء علیہم السلام میرے جھنڈے کے نیچے ہوں گے۔ میں ہی وہ پہلا شخص ہوں گا جس پر سے حجاب قبر شق ہوگا اور یہ انکشاف از رہ غرور و تکبر نہیں ہے۔ لوگ تین مرتبہ خوف و ہراس کا شکار ہوں گے تب طلبِ شفاعت کے لیے حضرت آدم علیہ السلام کی بارگاہ میں حاضری دیں گے۔ (تفصیلاً حدیث بیان کرتے ہوئے آخر میں یوں فرمایا کہ بعدازاں) میرے پاس حاضر ہوں گے میں شفاعت و سفارش کے لیے ان کے ساتھ چلوں گا۔ ابن جدعان فرماتے ہیں کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا گویا میں رسول کریم علیہ السلام کو ابھی دیکھ رہا ہوں جب کہ آپ فرما رہے تھے کہ میں جنّت کے دروازہ کی زنجیر پکڑ کر ہلاؤں گا۔ دربان دریافت کرے گا کون؟ میں کہوں گا محمد۔ خازن اور دربان و خدام فوراً بابِ جنّت کھولیں گے اور مجھے خوش آمدید اور مرحبا مرحبا کہیں گے۔ میں فوراً ذات کبریاء کی تعظیم و تکریم بجا لاتے ہوئے سجدہ ریز ہو جاؤں گا۔ اور اللہ تعالیٰ مجھے حمد و ثناء (مخصوص کلمات طیبات) الہام فرمائے گا۔ پھر مجھے حکم دیا جائے گا۔ اے محمد اپنے سر کو بلند کرو، جو مانگو تمہیں دیا جائے گا۔ جس کی شفاعت کرو قبول کی جائے گی۔ جو چاہو کہو تمہاری بات پوری توجہ سے سنی جائے گی۔ یہ ہے وہ مقام محمود جس کا اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے عَسٰیٓ اَنْ یَّبْعَثَکَ رَبُّکَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا وہ وقت قریب ہے کہ تمہارا رب تمہیں مقام محمود پر کھڑا کرے۔ (ترمذی شریف)

حدیث ۳۵۔

الحدیث الخامس والثلاثون، قال صلی اللہ علیہ وسلم یوضع الانبیاء منابر من نور یجلسون علیھا ویبقی منبری لا اجلس علیہ، اوقال لا اقعد علیہ قائما بین یدی ربی مخافۃ ان یبعث بی الی الجنۃ وتبقی امتی بعدی، فاقول یارب امتی امتی فیقول اللہ عزوجل یا محمد ما ترید ان اصنع بامتک؟ فاقول یا رب عجل حسابھم فیدعیٰ بھم فیحاسبون، فمنھم من یدخل الجنۃ برحمتہ، ومنھم من یدخل الجنۃ بشفاعتی، فما ازال اشفع حتی اعطی صکاکا برجال قد بعث بھم الی النار، وحتی ان مالکا خازن النار یقول یا محمد ما ترکت لغضب

ربک فی امتک من نقمۃ رواہ الطبرانی فی الکبیر والاوسط والبیھقی فی البعث عن ابن عباس۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ حبیب رب العالمین علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے ارشاد فرمایا قیامت کے دن انبیاء علیہم السلام کے لیے نورانی منبر رکھے جائیں گے جن پر وہ تشریف فرما ہوں گے۔ مگر میرا منبر خالی رہے گا میں اس پر نہیں بیٹھوں گا بلکہ اپنے رب کریم کے حضور اس خوف و خطر اور اندیشہ کے تحت کھڑا رہوں گا کہ کہیں مجھے جنّت کی طرف بھیج دیا جائے اور میری امت جنت میں داخل ہونے سے رہ جائے۔ لہٰذا میں اللہ تعالےٰ سے عرض کروں گا اے بارِ الٰہ ان کا حساب جلد شروع فرما۔ چنانچہ ان کو بلا کر حساب شروع کیا جائے گا۔ ان میں سے بعض محض فضل و رحمتِ خداوندی سے جنت میں داخل ہوں گے اور بعض میری شفاعت سے جنت میں داخل ہوں گے۔ میں ہمیشہ سلسلہ شفاعت جاری رکھوں گا حتیٰ کہ مجھے ان لوگوں کی تفصیلی فہرست دے دی جائے گی جن کو آگ میں بھیجا جا چکا ہوگا اور خازن جنت مجھ سے کہے گا کہ آپ نے رب قہار کے غضب و قہر کے لیے اپنی امت میں انتقام کے لیے کوئی گنجائش نہیں چھوڑی۔ (طبرانی کبیر، طبرانی اوسط، بیہقی کتاب البعث)

حدیث ۳۶

الحدیث السادس والثلاثون، قال صلی اللہ علیہ وسلم اشفع لامتی حتی ینادینی ربی تبارک وتعالیٰ، فیقول قد رضیت یا محمد فاقول ای رب رضیت رواہ البزار والطبرانی عن علی، واسنادہ حسن۔

حضرت علی المرتضےٰ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ فخر الاولین والآخرین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ میں اپنی امت کے لیے شفاعت کروں گا حتیٰ کہ اللہ تعالےٰ مجھے پکار کر فرمائے گا اے محمد کیا راضی ہو گئے ہو؟ میں عرض کروں گا اے میرے رب میں راضی ہو چکا ہوں۔ (بزار و طبرانی)

حدیث ۳۷

الحدیث السابع والثلاثون، قال صلی اللہ علیہ وسلم شفاعتی لاھل الکبائر من امتی رواہ ابوداؤد والبزار والطبرانی عن انس وابن حبان فی صحیحہ والبیھقی عن انس وجابر۔

رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے فرمایا میری شفاعت امت کے کبیرہ گناہوں کے مرتکب افراد کے لیے ہے۔ (ابوداؤد، طبرانی، بزار بروایت انس، صحیح ابن حبان و بیہقی بروایت انس و جابر)

حدیث ۳۸

الحدیث الثامن والثلاثون، قال صلی اللہ علیہ وسلم خیرت بین الشفاعۃ او یدخل نصف امتی الجنۃ، فاخترت الشفاعۃ لانہا اعم واکفی، اما انہا لیست للمؤمنین المتقین ولکنہا للمذنبین الخاطئین المتلوثین رواہ الامام احمد والطبرانی، واسنادہ جید عن انس وابن ماجہ عن ابی موسی الاشعری۔

حضرت انس اور حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ حبیب خدا علیہ التحیۃ والثناء نے فرمایا مجھے اختیار دیا گیا ہے کہ نصف امت کو بلا حساب وعتاب جنت میں داخل کرادوں یا حق شفاعت لے لوں مگر میں نے شفاعت کو اختیار کیا ہے کیونکہ وہ تمام افراد امت کو شامل ہوگی اور دفع مکروہات وترقی درجات میں بہت ہی کفایت کرنے والی ہوگی۔ غور سے سنو میری شفاعت (صرف) اہل تقویٰ مومنین کے لیے نہیں ہوگی بلکہ وہ گناہ گار خطا کار اور آلودہ گناہ سبھی کو شامل ہوگی۔

(مسند امام احمد وطبرانی بروایتِ حضرت انس اور ابن ماجہ بروایت ابوموسیٰ)

حدیث ۳۹

الحدیث التاسع والثلاثون قال صلی اللہ علیہ وسلم انی لارجو ان اشفع یوم القیامۃ عدد ما علی الارض من شجرۃ ومدرۃ رواہ الامام احمد عن بریدۃ۔

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رحمت مجسم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ مجھے امید ہے کہ میں قیامت کے دن روئے زمین کے جملہ درختوں پودوں ڈھیلوں اور پتھروں کی مقدار افراد امت کی شفاعت کرکے انہیں نجات دلاؤں گا۔ (مسند امام احمد)

حدیث ۴۰

الحدیث الاربعون، قال صلی اللہ علیہ وسلم اذا اراد اللہ ان یقضی بین خلقہ نادی منادٍ این محمد وامتہ، فاقوم وتتبعنی امتی غرا محجلین من اثر الطہور فنحن الآخرون الاولون واول من یحاسب وتفرج لنا الامم عن طریقنا، وتقول الامم کادت ہذہ الامۃ ان تکون انبیاء کلہا، رواہ ابوداود الطیالسی عن ابن عباس۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ سید المرسلین علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے فرمایا۔ جب اللہ تعالیٰ مخلوق میں قضاء حکم اور حکم فصل کا ارادہ فرمائے گا تو ندا دینے والا ندا دے گا کہاں ہیں محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کی امت میں اٹھ کر بارگاہِ رب العالمین میں حاضر ہوں گا اور میرے

پیچھے پیچھے میری امت ہوگی جب کہ ان کے چہرے اور اعضاء وضوء کی وجہ سے نورانی ہوں گے الغرض ہم آخری ہیں (بعثت وظہور کے لحاظ سے) اور اول بھی ہیں حساب وکتاب اور دخول جنت کے اعتبار سے ہماری راہ سے دوسری امتوں کو ہٹایا جائے گا اور ہمارا راستہ صاف کیا جائے گا ہماری اس عزت وکرامت کو دیکھ کر دوسری امتیں کہیں گی یہ تو ساری امت اس مرتبہ کو پہنچی ہوئی ہے کہ گویا نبی ہیں۔ (ابوداؤد، طیالسی)

فائدہ اولیٰ

علامہ قسطلانی مواہب میں، امام نووی شرح مسلم میں اور قاضی عیاض شفاء شریف میں فرماتے ہیں کہ شفاعت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پانچ قسم ہے۔ پہلی لوگوں کو میدان محشر کی ہولناکیوں سے راحت دلانے کے لیے۔ دوسری امت کے بعض افراد کو بلا حساب وعتاب جنت میں داخل کرنے کے لیے۔ تیسری بعد از حساب جہنم کے مستحق افراد کو عذابِ نار میں داخل ہونے سے پہلے جنت میں داخل کرنے کے لیے۔ چوتھی۔ جہنم میں داخل ہو جانے والے گناہگاروں کو عذابِ جہنم سے نکالنے کے لیے۔ پانچویں۔ امت کی ترقیٔ درجات اور رفعتِ منازل کے لیے۔

"فائدہ ثانیہ" ساقئ روزِ محشر صلی اللہ علیہ وسلم کے حوض اور نہر کوثر کا بیان

علامہ قسطلانی مواہب لدنیہ میں، حافظ ابن کثیر کے حوالہ سے فرماتے ہیں کہ کوثر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ضمن میں وارد احادیث متواتر ہیں اور وہ ایسی اسنادات کے ساتھ مروی ہیں جو بہت سے ائمہ حدیث کے نزدیک مفید جزم و یقین ہیں۔ اور یہی حالت احادیث حوض کی ہے۔ اور حضرت انس۔ ابو العالیہ۔ مجاہد اور دیگر بے شمار ائمہ اسلاف سے مروی ومنقول ہے کہ کوثر جنت کی نہر ہے۔ اور بخاری شریف کی حدیث میں ہے کہ کوثر جنت کی نہر ہے جس کا پانی (دو پرنالوں کے ذریعے) حوض کوثر میں ڈالا جائے گا۔

امام نووی شرح مسلم میں فرماتے ہیں کہ قاضی عیاض علیہ الرحمہ نے فرمایا۔ حوض کوثر کے متعلق وارد احادیث صحیح ہیں اور ان پر ایمان لانا فرض ہے اور ان کی صحت وصداقت کا قول جزو ایمان ہے۔ اہل السنت کے نزدیک وہ احادیث اپنے ظاہری معنی ومفہوم پر محمول ہیں نہ ان میں تاویل کی گنجائش ہے اور نہ اختلاف کی۔ بلکہ یہ احادیث از روئے اسناد ونقل متواتر ہیں جن کو صحابہ کرام علیہم الرضوان سے کثیر جماعات نے نقل کیا ہے اور احادیث حوض بہت زیادہ ہیں جو ان کی تفصیلات معلوم کرنا چاہے وہ کتب حدیث کی طرف رجوع کرے

اللہ تعالٰے ہمیں بھی ان لوگوں میں داخل فرمائے جو حوض سے پانی پینے کا شرف حاصل کریں گے تاکہ اس کے بعد ہمیشہ کے لیے الم عطش سے محفوظ رہیں بطفیل مالک حوض نبی کریم رؤف رحیم علیہ افضل الصلوات والتسلیم

تیسری فصل

ائمہ کرام اور علما اعلام کے ان دلائل وبراہین کا بیان جن کے ساتھ انہوں استغاثہ کا جواز ثابت کیا ہے۔

۱۔ امام ابن حجر ہیتمی مکی رحمۃ اللہ تعالٰی۔

امام ابن حجر جوہر منظم میں فرماتے ہیں ابن تیمیہ کے ان خرافات میں سے جن کا اس سے پہلے کسی نے قول نہیں کیا اور جن کی وجہ سے وہ اہلِ اسلام کے درمیان بہت بری مثال بن گیا ہے ایک بیہودہ اور لغو قول یہ ہے کہ سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ توسل اور استغاثہ جائز نہیں ہے حالانکہ حقیقت اس کے فتوٰی کے برعکس ہے۔ اور سرور انبیاء علیہ وعلیہم التحیۃ والثناء کے ساتھ توسل واستغاثہ ہر حال میں مستحسن ہے آپ کی تخلیق عنصری سے قبل بھی، ولادت شریفہ کے بعد بھی، دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔

حاشیہ: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے الکوثر ہو الخیر الکثیر کلہ۔ کوثر عبادت ہے تمام تر خیرات وبرکات، فیوض وفتوح، درجات ومراتب اور فضائل وفواضل سے جو اللہ تعالٰے نے اپنے محبوب علیہ السلام کو عطا فرمائے ہیں۔ امام رازی فرماتے ہیں الکوثر متصف ہے اور اس کا موصوف یہاں مذکور نہیں اس میں اللہ تعالٰے کی طرف سے اشارہ ہے کہ اے اہل فہم ودانش تم جن اوصاف وکمال اور درجات ومراتب عالیہ کا تصور کر سکتے ہو تمہارا سمند عقل اس میدان میں جس غایت تک دوڑ سکتا ہے اس کو دوڑاؤ تمہارا شہباز فکر وفہم اس فضائیں جہاں تک پرواز کر سکتا ہے اس کو اس بلندی تک لے جاؤ تم ہرگز ہرگز میرے محبوب کے خداداد اوصاف وکمال اور درجات ومراتب کا احاطہ نہیں کر سکو گے اور جن کا تصور کر و گے ان میں بھی میرے محبوب کے کمالات کی کنہ حقیقت تک رسائی تمہارے لیے ناممکن ہے۔ جو کچھ آپ کو عطا کیا گیا وہ بزبان شیخ عبدالحق محدث دہلوی یہ ہے ؎

ہر مرتبہ کہ بود در امکان بروست ختم
ہر نعمتے کہ داشت خدا شد بروتمام

نہر کوثر ہو یا حوض کوثر وہ ناقابل تحدید وتقیید بحر اوصاف کا قطرہ ہیں لہٰذا سبھی تفاسیر برحق ہیں۔

امام اہل السنت احمد رضا بریلوی فرماتے ہیں: جس کی دو بوند ہیں کوثر وسلسبیل۔ ہے وہ رحمت کا دریا ہمارا نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) مزید تفصیل وتشریح کے لیے مترجم کی کتاب کوثر الخیرات لسید السادات علیہ افضل الصلوات کا مطالعہ فرما دیں۔

محمد اشرف سیالوی غفرلہ

قبل از ولادت شریف جواز توسل کے دلائل

یہ صورتِ توسل سلف صالحین اولیاء کاملین بلکہ انبیاء ومرسلین علیہم الصلوٰۃ والتسلیم کی سیرت طیبہ ہے اور طریقہ مرضیہ وپسندیدہ ہے لہٰذا ابن تیمیہ کا قول افتراء وبہتان ہے اور بے اصل وبے سند۔

امام حاکم نے مستدرک میں اس روایت کو نقل کیا ہے اور اسے صحیح قرار دیا ہے۔ کہ جب حضرت آدم علیہ السلام سے جنت میں خطا غیر ارادی صادر ہوئی تو انہوں نے بارگاہ خداوندی میں عرض کیا۔

یَا رَبِّ اَسْئَلُکَ بِحَقِّ مُحَمَّدٍ صلی اللہ علیہ وسلم اِلَّا مَا غَفَرْتَ لِیْ:

اے میرے رب کریم میں تجھ سے حق محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ جلیلہ سے سوال کرتا ہوں کہ مجھے بخش دے۔

اللہ تعالٰے نے فرمایا اے آدم تم نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو کیسے پہچان لیا حالانکہ میں نے ابھی ان کو پیدا بھی نہیں کیا۔ انہوں نے عرض کیا جب تو نے مجھے اپنے دستِ قدرت سے پیدا فرمایا اور میرے اندر اپنی پیدا کردہ ارواح میں سے ایک خاص روح کو پھونکا اور میں نے سر اٹھایا تو عرشِ عظمت کے پایوں پر لآ الٰہ الا محمد رسول اللہ لکھا ہوا دیکھا تو مجھے یقین ہو گیا کہ تو نے اپنے نام نامی کے ساتھ اسی ذاتِ اقدس کا نام ملایا ہے اور اپنے اسم مبارک کے ساتھ انہیں کا نام مبارک لکھوایا ہے جو تجھے ساری مخلوق سے زیادہ پیارے اور محبوب ہیں۔

اللہ تعالٰے نے فرمایا۔ اے آدم تم نے درست کہا وہ واقعی مجھے ساری مخلوق سے زیادہ پیارے ہیں۔ وَاِذْ سَئَلْتَنِیْ بِحَقِّہٖ فَقَدْ غَفَرْتُ لَکَ وَلَوْلَا مُحَمَّدٌ مَا خَلَقْتُکَ۔ چونکہ تم نے ان کے حق کے ساتھ مجھ سے مغفرت وبخشش کا سوال کیا ہے لہٰذا میں نے تمہیں بخش دیا ہے۔ اور اگر میرے محبوب محمد صلی اللہ علیہ وسلم موجود نہ ہوتے تو میں تمہیں پیدا ہی نہ کرتا۔

تنبیہ نبیہ۔ ۱؎ روایت مذکورۃ الصدر میں بحق محمد کا جو لفظ وارد ہے اس سے مراد سرور انبیاء علیہ السلام کا عنداللہ مرتبہ ودرجہ ہے یا اس سے مراد آپ کا وہ حق ہے جو اللہ تعالٰے نے مخلوق پر واجب ولازم قرار دیا ہے۔ اور یا وہ حق ہے جو اللہ تعالٰے نے محض اپنے فضل وکرم سے اپنے ذمہ کرم پر لے لیا ہے جیسے کہ حدیث صحیح میں فَمَا حَقُّ الْعِبَادِ عَلَی اللہ وارد ہے۔ (بندوں کا حق اللہ تعالٰے پر کیا ہے یعنی ان کے شرک نہ کرنے کی صورت میں ان کو عذاب نہ دے) یہاں حق بمعنی فرض اور واجب نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالٰی پر کوئی امر فرض وواجب نہیں۔

۲؎ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ سے سوال درحقیقت آپ سے سوال نہیں تاکہ اشتراک وغیرہ لازم آتے بلکہ سوال تو درحقیقت اللہ تعالٰے سے ہے۔ اور اس ہستی مقدس کی قدر عامی۔ رتبۂ بالا اور جاہ عظیم کو محض وسیلۂ اجابت اور ذریعہ قبولیت بنایا گیا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالٰے کے ہاں ان کی عزت وکرامت اتنی زیادہ ہے کہ وہ ان کے وسیلہ سے سوال کرنے والے اور ان کی ذات سے توسل کرنے والے کو محروم التفات نہیں فرماتا۔ اور منکر توسل کی تذلیل و

تحقیر کے لیے یہی امر کافی ہے کہ وہ وسیلۂ دارین علیہ السلام کی رحمت و برکت سے محروم رہے گا اعاذنا اللہ من ذلک ؀

وسیلۂ کونین علیہ السلام سے حیات ظاہرہ میں توسل کا ثبوت

حضرت عثمان بن حنیف سے مروی ہے۔

ان رجلًا ضَرِیْرًا اَتَی النَّبِیَّ صلی اللہ علیہ وسلم فَقَالَ اُدْعُ اللّٰہَ لِیْ اَنْ یُّعَافِیَنِیْ فَقَالَ اِنْ شِئْتَ دَعَوْتُ وَاِنْ شِئْتَ صَبَرْتَ وَھُوَ خَیْرٌ لَّکَ قَالَ فَادْعُہُ وَفِیْ رِوَایَۃٍ لَیْسَ لِیْ قَائِدٌ وَقَدْ شَقَّ عَلَیَّ فَاَمَرَہٗ اَنْ یَّتَوَضَّأَ فَیُحْسِنَ وُضُوْءَہٗ وَیَدْعُوَ بِھٰذَا الدُّعَاءِ۔

ایک نابینا شخص بارگاہ نبوی میں حاضر ہوا اور عرض کیا میرے لیے اللہ تعالےٰ سے دعا فرمادیں کہ مجھے اندھے پن سے عافیت نصیب فرمائے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اگر چاہے تو میں دعا کر دیتا ہوں اور اگر چاہے تو صبر سے کام لے صبر و سکون سے کام لینا (آخرت کے لحاظ سے) تیرے حق میں بہتر ہے۔ اس نے عرض کیا آپ دعا فرمائیں۔ اور ایک روایت میں ہے اس نے عرض کیا میرے لیے کوئی قائد و رہنما اور دستگیری کرنے والا نہیں ہے اور مجھ پر آنکھوں کی بینائی کا فقدان بہت مشقت و تکلیف کا باعث بن گیا ہے (لہٰذا آپ دعا ہی فرمادیں) آپ نے اس کو اچھی طرح وضوء کرنے کا حکم دیا اور بعد ازاں یہ دعا پڑھنے کا حکم دیا۔

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْأَلُکَ وَاَتَوَجَّہُ اِلَیْکَ بِنَبِیِّکَ مُحَمَّدٍ صلی اللہ علیہ وسلم نَبِیِّ الرَّحْمَۃِ یَا مُحَمَّدُ اِنِّیْ اَتَوَجَّہُ بِکَ اِلٰی رَبِّیْ فِیْ قَضَاءِ حَاجَتِیْ لِتُقْضٰی لِیَ اَللّٰھُمَّ شَفِّعْہُ فِیَّ ؀

اے اللہ میں تیری بارگاہ اقدس میں یہ عرض پیش کرتا ہوں اور تیری ذات اقدس کی طرف متوجہ ہوتا ہوں۔ تیرے اس نبی خاص اور رسول مکرم کے وسیلہ سے جن کا نام نامی اور اسم گرامی محمد ہے جو نبی رحمت ہیں اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں آپ کے وسیلہ جلیلہ سے آپ کے رب رحیم کی طرف توجہ کرتا ہوں۔ اپنی اس غرض و حاجت میں تاکہ وہ پوری ہو جائے اے اللہ تو ان کو میرے حق میں شفیع بنا اور ان کی شفاعت قبول فرما۔

اس حدیث کو امام نسائی نے روایت کیا ہے اور امام ترمذی نے بھی اس کو روایت کیا اور صحیح قرار دیا علاوہ ازیں امام بیہقی نے اس روایت کو صحیح قرار دیا ہے اور اس میں اتنا اضافہ بھی فرمایا۔

فَقَامَ وَقَدْ اَبْصَرَ ؀ (وہ شخص بجدہ میں گیا تو نابینا تھا مگر جب دعا مکمل کر کے) اٹھا تو بینا ہو چکا تھا۔ اور ایک روایت میں ہے۔ "اَللّٰھُمَّ شَفِّعْہُ فِیَّ وَشَفِّعْنِیْ فِیْ نَفْسِیْ" اے اللہ انہیں میرے حق میں شفیع بنا اور مجھے بھی میرے حق میں شفیع بنا ؀

نکتہ ؀ سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے براہ راست اس شخص کے لیے اللہ تعالیٰ سے دعا نہ فرمائی (بلکہ اس کو دعا کرنے کا حکم دیا) تو اس میں آپ کا مقصد یہ تھا کہ اس کو بارگاہ محمدی کی طرف پوری توجہ حاصل ہو۔ اور وہ پوری طرح اپنے فقر و حاجت اور عجز و انکسار۔ اور مجبوری و معذوری کو بارگاہِ خداوندی میں پیش کرے جب کہ حبیبِ کبریاء علیہ التحیۃ والثناء سے استغاثہ و فریاد رسی بھی کرنے والا ہوتا کہ اس کا مقصد کامل طریقہ پر اسے حاصل ہو جائے ؏

تفریع ؀ جس طرح آپ کی حالتِ حیات ظاہرہ میں آپ سے استغاثہ مقاصد و مطالب کے علی الوجہ الکمال حصول کا ذریعہ ہے۔ اسی طرح بعد از وصال بھی یہ انداز طلب اور طرز سوال موجب حصولِ مقصود ہے۔

بعد از وصال استغاثہ کا جواز

اسی لیے اسلاف کرام نے اس دعا کو سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال شریف کے بعد بھی قضاء حاجات اور حل مشکلات میں استعمال کیا ہے۔ اور اس حدیث کے راوی حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ نے زمانۂ خلافت عثمان رضی اللہ تعالی عنہ میں ایک شخص کو یہ دعا سکھائی جس کو امیر المؤمنین عثمان رضی اللہ عنہ سے کام تھا اور اس مقصد کا حصول اس شخص پر دشوار ہو چکا تھا اور اس حاجت کا پورا ہونا ناممکن نظر آ رہا تھا مگر جونہی اس اندازِ طلب کو روبہ عمل لائے فوراً ہی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اس شخص کا کام کر دیا۔ جیسے کہ طبرانی اور بیہقی نے اس روایت کو نقل فرمایا ہے۔

(۲) انہ صلی اللہ علیہ وسلم ذکر فی دعائہ بحق نبیک والانبیاء الذین من قبلی رواہ الطبرانی بسند جید۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی دعا میں یوں توسل و استغاثہ فرمایا اے اللہ اپنے نبی (آخر الزمان علیہ السلام) کے حق اور ان انبیاء علیہم السلام کے حق کا صدقہ جو مجھ سے پہلے دنیا پر تشریف لائے۔

؏ فائدہ ؛ سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے فرمایا اگر چاہے تو میں دعا کرتا ہوں اور چاہے تو صبر کر اور جنت کا حقدار بن جا۔ اس تخییر سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی دعاؤں کی اجابت و قبولیت کا یقین تھا ورنہ دعا کو صبر اور جنت کے حصول کے مقابل ذکر نہ فرماتے کیونکہ پھر یہ امکان بھی ہو سکتا تھا کہ دعا قبول نہ ہوتی نہ آنکھیں حاصل ہوتیں اور نہ ہی جنت حاصل ہوتی نہ دنیوی فائدہ حاصل ہوتا اور نہ اخروی اجر حاصل ہوتا العیاذ باللہ تو اس تقابل سے واضح ہو گیا کہ آپ کو اپنے مقبول الدعا ہونے کا یقین تھا اور اللہ تعالےٰ کے آپ پر فضل و کرم کا تقاضا ہے اور یہی امت کا بھی عقیدہ ہونا چاہیئے امام اہل السنت فرماتے ہیں ؀ اجابت نے بڑھ کر گلے سے لگایا۔ دلہن بن کے نکلی دعائے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) محمد اشرف

تفریع :۔ توسل کا لفظ ہو یا استغاثہ کا اور شفاعت کا ہو یا توجہ کا ان سب کا مفاد و مدلول واحد ہے لہٰذا ہر ایک کا استعمال جائز ہے۔ اسی طرح توسل و استغاثہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہو یا دوسرے انبیاء کرام اور اولیاء عظام کے ساتھ سب جائز اور درست ہے۔ کیونکہ جب اعمال کے ساتھ توسل جائز ہے حالانکہ وہ اعراض و صفات کے قبیل سے ہیں جیسا کہ حدیثِ غار سے ثابت ہے تو ذوات قدسیہ فضائل مآب اور سرچشمۂ فواضل کے ساتھ بطریق اولیٰ جائز ہوگا۔

(۳) نیز حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے قحط سالی کے دور کرنے اور طلبِ باراں کے لیے جنابِ الٰہی میں حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے ساتھ توسل کیا۔ ان کی قرابتِ نبوی کو وسیلہ بنایا مگر کسی صحابی نے ان پر انکار نہ کیا (تو اس سے واضح ہوا کہ ذوات قدسیہ کے ساتھ توسل صحابہ کرام علیہم الرضوان کا اجماعی مسلک ہے۔)

نکتہ : حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو نزول باران رحمت کا وسیلہ بنایا اور حبیب کریم علیہ السلام کی ذات اقدس اور آپ کے مزار مقدس کو ذریعہ حصول مراد نہیں بنایا تو اس کی حکمت و مصلحت یہ ہے کہ اپنی شان عجز و نیاز اور تواضع و انکسار کو ظاہر کریں اور سرور کونین علیہ السلام کے قرابت داروں کی عظمت و رفعت ظاہر کریں لہٰذا حضرت عباس کے ساتھ توسل (محض قرابت نبوی کی وجہ سے تھا لہٰذا) درحقیقت یہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ توسل کی دلیل ہے بلکہ اس سے بھی بڑھ کر ثبوت اور برہان ہے۔

سوال :۔ توجہ اور استغاثہ کے الفاظ سے یہ وہم پیدا ہوتا ہے کہ جس ذات قدسی صفات کو توجہ الی اللہ اور استغاثہ کا ذریعہ بنایا گیا ہے وہ ذات باری تعالےٰ جو کہ متوجہ الیہ اور مستغاث ہے اس سے افضل و اعلیٰ ہوا العیاذ باللہ۔

جواب :۔ اس وہم کی یہاں قطعاً کوئی گنجائش نہیں ہے کیونکہ توجہ کا لفظ جاہ (علو منزلت و مرتبت) سے ماخوذ ہے اور کبھی صاحبِ جاہ و منزلت کو اس ذات اقدس کی طرف وسیلہ بنایا جاتا ہے جو اس سے منزلت و مرتبت میں اعلیٰ ترین ہو۔ اور استغاثہ کا معنی ہے طلب غوث یعنی فریاد رسی کی درخواست اور استغاثہ کرنے والا مستغاث بہ اور فریاد رس سے یہی مطالبہ کرتا ہے کہ ان کے ذریعے ایک ذات والا صفات سے فریاد رسی حاصل ہو اگرچہ وہ ذات مستغاث بہ سے افضل و اعلیٰ ہی کیوں نہ ہو۔

الغرض آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر مقبولانِ بارگاہِ خداوندی کے ساتھ توجہ الی اللہ اور استغاثہ کا معنی و مفہوم تمام اہلِ اسلام کے قلوب و افہام میں صرف اور صرف یہی ہے اور اس کے علاوہ کوئی دوسرا معنی و مفہوم ان کے دل و دماغ میں نہیں ہوتا لہٰذا جس کی سمجھ میں یہ بات نہیں آسکتی اور اس کو اس امر کا شرح صدر نصیب نہیں ہوتا تو اسے اپنی حرمان نصیبی اور کم فہمی کا ماتم کرنا چاہیئے (نہ کہ اہل اسلام پر تنقید و اعتراض بلکہ کفر و شرک کے فتوے صادر کرنے چاہئیں) نسال اللہ العافیۃ۔

بلکہ مستغاث درحقیقت اللہ تعالےٰ کی ذات اقدس ہے اور نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم مستغیث اور اللہ تعالےٰ کے درمیان محض واسطہ ہیں اور فریاد رس درحقیقت اللہ تعالےٰ ہے مطلوب و مقصود کے خلق و ایجاد کے لحاظ سے بھی اور مستغیث تک پہنچانے کے لحاظ سے بھی۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مستغاث ہیں مگر فریاد رسی آپ کی طرف سے محض سببیت اور کسب کے اعتبار سے ہے اور مجازی طور پر۔

خلاصۃ المرام اینکہ ہر وہ شخص جس سے حصولِ مطلوب اور نیلِ مرام میں فریاد رسی حاصل ہو اگرچہ باعتبار سبب اور واسطہ ہونے کے ہی کیوں نہ ہو اس کو استغاثہ سے تعبیر کرنا قطعاً معلوم و معروف ہے نہ از روئے لغت اس میں شک و تردد کی گنجائش ہے اور نہ ہی از روئے شرع متین لہٰذا لفظ سوال ذکر کرنے میں جس طرح کوئی حرج نہیں اس میں بھی حرج کی کوئی وجہ نہیں ہے علی الخصوص جب کہ بخاری شریف جیسی حدیث کی مشہور و معروف کتاب میں حدیث شفاعت کے ضمن میں منقول ہے۔

فَبَيْنَمَا هُمْ كَذَالِكَ اِسْتَغَاثُوْا بِآدَمَ ثُمَّ بِمُوْسٰى ثُمَّ بِمُحَمَّدٍ صلی اللہ علیہ وسلم

وہ اسی حال پُر اضطراب میں تھے اور خلاصی و نجات کے لیے پہلے پہل حضرت آدم علیہ السلام سے استغاثہ کیا بعد ازاں موسیٰ علیہ السلام سے اور بالآخر محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے۔

(۴) نیز کبھی توسل بالنبی صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد ہوتا ہے آپ سے دعا کی درخواست کرنا اور چونکہ آپ مزار اقدس میں زندہ ہیں اور سائلین کے سوالات اور معروضات کو سنتے اور جانتے ہیں اور صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے زمانہ اقدس میں لوگ قحط کا شکار ہو گئے تو ایک صحابی (بلال بن حارث مزنی) مزار پر انوار پر حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ اپنی امت کے حق میں بارانِ رحمت کے لیے دعا فرمادیں کیونکہ وہ ہلاکت کے قریب پہنچ چکی ہے۔ رسولِ پاک علیہ افضل الصلوات نے ان کو خواب میں شرفِ دیدار سے مشرف فرمایا اور یہ مژدہ سنایا کہ بارش آجائے گی (گھبرانے کی ضرورت نہیں چنانچہ اسی طرح ہوا اور ساتھ ہی یہ بھی ارشاد فرمایا) کہ عمر بن الخطاب کے پاس جاؤ اور ان سے کہو : عَلَيْكَ الْكَيْسَ الْكَيْسَ : اے عمر رفق اور نرمی سے کام لو چونکہ آپ دین خداوندی میں انتہائی متصلب تھے اور اس معاملہ میں سخت گیر (لہٰذا ان کو ذرا نرمی برتنے کا حکم دیا گیا) چنانچہ وہ حسب الارشاد حضرت عمر کے پاس حاضر ہوئے اور ان کو فرمان نبوی سے مطلع کیا تو آپ رو پڑے اور فرمایا۔ یارب ما آلوا الا ماعجزت عنہ اے میرے رب میں فرمان نبوی کی تعمیل میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھوں گا مگر جہاں میرا بس نہ چلے (وہاں مجھے معذور رکھنا) اور ایک روایت میں یہ تصریح موجود ہے کہ خواب دیکھنے والے حضرت بلال بن الحارث مزنی صحابی تھے۔

الغرض اس روایت سے معلوم ہوگیا کہ محبوبِ کریم علیہ السلام سے بعد از وصال حصول مراد اور حل مشکلات کے لیے دعا کرانا جائز ہے جیسے کہ حالتِ حیاتِ ظاہرہ میں کیونکہ آپ ہر سائل کے سوال کو جانتے ہیں اور عطاء مسئول میں دعاؤ

سوال اور سفارش وشفاعت الی اللہ کے ذریعہ سبب و واسطہ بننے پر قدرت بھی رکھتے ہیں۔ اور سرور انبیاء علیہ التحیۃ والثناء کے ساتھ ہر خیر کے حصول میں توسل جائز ہے خواہ عالم عناصر میں ظہور سے پہلے کا دور ہو یا حالتِ حیات ظاہرہ ہو اور خواہ وصال شریف کے بعد کا زمانہ ہو اور خواہ میدان محشر اور عرصات قیامت کا مشکل ترین مرحلہ ہو۔ اور یہ امر باجماع اتفاق امت سے بھی ثابت ہے اور اخبار متواتر کے ساتھ بھی۔

حضرت عیسٰی علیہ السلام کو سرورِ دو عالم پر ایمان لانے کا امر اور ان پر عظمت محبوب کا اظہار

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے صحیح سند کے ساتھ مروی ہے کہ اللہ تعالٰی نے حضرت عیسٰی علیہ السلام کی طرف وحی فرمائی۔ کہ تم خود بھی محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لاؤ اور اپنی امت کو بھی حکم دو کہ تم میں سے جو شخص نبی آخر الزمان علیہ السلام کا زمانہ پائے وہ ضرور ان پر ایمان لائے۔ کیونکہ وہ میرے ایسے مقرب و مکرم رسول ہیں کہ اگر وہ موجود نہ ہوتے تو میں آدم علیہ السلام کو پیدا نہ کرتا اور اگر وہ نہ ہوتے تو میں جنت اور دوزخ کو پیدا نہ کرتا۔

فَلَوْلَا مُحَمَّدٌ مَا خَلَقْتُ اٰدَمَ وَلَوْلَا مُحَمَّدٌ مَا خَلَقْتُ الْجَنَّةَ وَالنَّارَ

اور یقین جانیے میں نے عرش کو پانی پر پیدا کیا تو وہ لرزنے اور کانپنے لگ گیا میں نے اس پر لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ لکھوا دیا تو اس کو سکون و قرار نصیب ہو گیا۔

تو ایسے محبوب کریم علیہ السلام سے شفاعت کیونکر طلب نہ کی جائے اور ان کو حاجات و مشکلات میں وسیلہ کیوں نہ بنایا جائے جن کو عنداللہ اس قدر وسیع جاہ وجلال اور منیع و بلند قدر و کمال حاصل ہو اور اللہ تعالٰی نے ان کو ان کمالات اور انعامات کے ساتھ منعم و مشرف ٹھہرایا ہو۔ انتہی کلام الامام ابن الحجر

فائدہ: امام سبکی نے حضرت آدم علیہ السلام والی حدیث اَسْئَلُكَ بِحَقِّ مُحَمَّدٍ لَمَّا غَفَرْتَ لِی اور فرمان خداوندی اِذْ سَأَلْتَنِیْ بِحَقِّهٖ فَقَدْ غَفَرْتُ لَكَ وَلَوْلَا مُحَمَّدٌ مَا خَلَقْتُكَ۔ ذکر کرنے کے بعد فرمایا یہ حدیث صحیح الاسناد ہے۔ اس کو حاکم نے روایت کیا ہے اور اس کے ساتھ ہی حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی حدیث (مذکورہ بالا یعنی اوحی اللہ الی عیسٰی الحدیث کو ذکر کر کے فرمایا یہ حدیث حسن اور صحیح الاسناد ہے۔

امام سبکی نے حضرت نوح۔ حضرت ابراہیم اور دیگر حضرات انبیاء علیہم السلام سے توسل کا ذکر کرنے کے بعد فرمایا کہ تمام مفسرین نے اس کو ذکر کیا ہے مگر ہم نے اسی سلسلہ میں صرف اسی حدیث پر اکتفاء کیا ہے کیونکہ وہ ثابت ہے اور حاکم نے اس کو صحیح قرار دیا ہے۔ انتہی۔

تنبیہ: جواز استغاثہ و توسل کے ثبوت کے لیے ابن حجر کا کلام سابق اگرچہ کافی تھا لیکن امام سبکی کا کلام مستقل طور پر ذکر کرنا خالی از فائدہ نہیں ہوگا۔ اگرچہ بعض عبارات میں تکرار لازم آئے گا کیونکہ ابن حجر نے انہی کے کلام کو ان کی طرف منسوب کئے بغیر ذکر کیا ہے۔

۲-امام سبکی کا کلام و بیان جواز توسل اور ثبوت استغاثہ سے متعلق

ہر ذی عقل و شعور مومن کو معلوم ہونا چاہیئے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس کے ساتھ بارگاہ خداوندی میں توسل و استغاثہ اور شفاعت جائز اور مستحسن امر ہے اور اس کا جواز بلکہ استحسان ہر دیندار کو معلوم ہے اور اس کا فعل انبیاء و مرسلین ہونا سیرت سلف صالحین ہونا اور عوام و خواص علماء مسلمین کا انداز طلب ہونا معروف و مشہور ہے۔ نیز آپ کے ساتھ توسل جس طرح آپ کی حیات ظاہرہ میں جائز ہے اسی طرح وجود عنصری سے قبل اور وصال اقدس کے بعد بھی مدت برزخ اور مزار مقدس میں تشریف فرما ہونے کی صورت میں بھی اور بعد از حشر و نشر میدان محشر عرصات قیامت اور جنت میں بھی جائز ہے۔

توسل کے اقسام: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ توسل تین انواع و اقسام پر منقسم ہے۔

قسم اول۔ صاحب حاجت حبیب مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس یا آپ کی قدر و منزلت یا آپ کے خیرات و برکات کے وسیلہ جلیلہ سے بارگاہ خداوندی میں سوال پیش کرے توسل کی یہ قسم تینوں احوال میں جائز ہے۔ اور ہر حالت میں یعنی قبل از وجود عنصری۔ حالت حیات ظاہرہ میں اور بعد از وصال صحیح احادیث سے ثابت ہے اور عنوان جو بھی اختیار کر لیا جائے۔ توسل ہو یا استغاثہ تشفع ہو یا توجہ مقصود سائل کے لحاظ سے ان میں کوئی فرق نہیں ہے۔ اور اس انداز طلب کو اختیار کرنے والے بہر حال اللہ تعالٰی کی جناب میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے توسل کر رہا ہے۔ کیونکہ اس نے قبولیت دعا اور حصول مقصد کے لئے آپ کو وسیلہ بنایا ہے اور آپ کے ساتھ استغاثہ کو اپنایا ہے۔ اور آپ کے عنداللہ مرتبہ و مقام کو ذریعہ شفاعت بنایا ہے۔

اور مقصد توسل بھی یہی ہے کہ سائل ایسی ذات اقدس کو اللہ تعالٰی سے مقاصد و مطالب کی درخواست میں وسیلہ بنائے جس کے عنداللہ مقرب و مکرم ہونے کا اسے یقین ہو۔ اور یہ بات شک و شبہ سے بالاتر ہے کہ نبی اکرم رسول معظم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالٰی کی بارگاہ میں قدر عالی۔ مرتبہ رفیع اور جاہ عظیم حاصل ہے۔ اور یہ امر عادات اہل زمان سے ہے اور ہر ایک کے نزدیک معروف و مشہور کہ جس شخص کو کسی کے ہاں قدر و منزلت حاصل ہو اس کی شفاعت اس کے ہاں مقبول ہوا کرتی ہے۔ اور جب کوئی شخص اس کی عدم موجودگی میں ان سے اپنا ربط اور تعلق ظاہر کرے اور توسل اختیار کرے تو پھر بھی اس کی شفاعت اس کے حق میں ثابت ہو جائے گی اگرچہ علاً اس

نے شفاعت نہیں کی اور موجود بھی نہیں اور وہ محبوب و مکرم ہستی سائل کی اجابت دعا کا سبب بن جائے گی جیسے کہ ادعیہ ماثورہ میں وارد ہے۔

اَسْئَلُكَ بِكُلِّ اِسْمٍ لَّكَ۔ اَسْئَلُكَ بِاَسْمَائِكَ الْحُسْنٰى وَاَسْئَلُكَ بِاَنَّكَ اَنْتَ اللّٰهُ وَاَعُوْذُ بِرِضَاكَ مِنْ سُخْطِكَ وَبِمُعَافَاتِكَ مِنْ عُقُوْبَتِكَ وَبِكَ مِنْكَ۔

اے اللہ میں تجھ سے تیرے ہر اسم مبارک کے وسیلہ سے طلب کرتا ہوں۔ تیرے تمام اسماء حسنیٰ کے توسل سے۔ تیرے اللہ ہونے کے وسیلہ سے۔ تیری رضا کے طفیل تیری ناراضگی سے اور تیری عفو و درگزر والی شانِ اقدس کے طفیل تیری عقوبت سے اور تیری ذاتِ اقدس کے وسیلہ سے تجھ سے پناہ پکڑتا ہوں۔

اور حدیثِ غار جس میں اعمال صالحہ کے وسیلہ سے دعا کیا جانا ثابت ہے (اور دعا کا قبول ہونا) اور یہ حدیث صحیح و مشہور ہے۔

ان تمام صورتوں میں مسئول صرف اللہ تعالےٰ کی ذات اقدس ہے اور سوال کے ذرائع اور وسائل مختلف ہیں علیٰ ھذا القیاس نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ سے سوال کرنا یہ آپ سے سوال نہیں بلکہ سوال یہاں بھی صرف اللہ تعالےٰ سے ہے مگر بوسیلہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم۔

ہاں توسل میں کبھی مسئول بہ اور وسیلہ امسئول سے افضل و اعلیٰ ہوتا ہے جیسے کہ ارشادِ نبوی مَنْ سَئَلَكُمْ بِاللّٰهِ فَاَعْطُوْهُ، "جو تم سے اللہ تعالےٰ کے وسیلہ سے مانگے اسے ضرور عطا کرو"، میں مسئول بہ اور وسیلہ اللہ تعالےٰ ہے اور مسئول و مستغاث بعض انسان ہیں۔ اور کبھی مسئول و مستغاث وسیلہ سے افضل و اعلیٰ ہوگا جس طرح اللہ تعالےٰ سے نبی اکرم علیہ السلام کے توسل سے سوال ہیں۔ لیکن اس میں شک و تردد کی گنجائش نہیں کہ سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو عند اللہ قدر اعلیٰ اور رتبہ بالا حاصل ہے لہٰذا اس توسل کا جواز بھی بلا ریب ہے خواہ اَسْئَلُكَ بِالنَّبِيِّ کے کلمات استعمال کرے یا بِحَقِّ مُحَمَّدٍ کے۔

تنبیہ: مقام توسل و استغاثہ میں مذکور لفظ حق سے مراد آپ کا عند اللہ مرتبہ و مقام ہے یا وہ حق جو اللہ تعالےٰ نے مخلوق پر لازم فرمایا یا وہ حق جو اللہ تعالےٰ نے محض اپنے فضل و کرم سے اپنے آپ پر لازم فرما لیا ہے۔ جیسے کہ حدیث صحیح میں وارد ہے فَمَا حَقُّ الْعِبَادِ عَلَى اللّٰهِ "بندوں کا حق اللہ تعالےٰ پر کیا ہے"، اور حق سے مراد ابتداءً واجب اور فرض امر نہیں کیونکہ اللہ تعالےٰ پر کسی کے لیے کوئی چیز فرض و واجب نہیں جس کی ادائیگی کا وہ پابند ہو اور اس پر قابل مواخذہ ہو العیاذ باللہ۔

اس تقریر کے بعد امام سبکی نے احادیثِ شفاعت کو ذکر فرمایا اور اہل محشر کا رسل کرام کی بارگاہائے مقدسہ میں حاضر ہو کر التجاء کرنا ذکر کیا اور فرمایا کہ یہ التجاء والتماس اور علی الخصوص یومِ حساب میں (جب کہ مشرک لوگ اپنے شرک

سے انکار کر جائیں گے اور جھوٹ بول کر خلاصی حاصل کرنے کی سعی لاحاصل کریں گے) دنیا و آخرت میں مقربانِ بارگہِ ناز کے ساتھ توسل جائز ہونے کی انتہائی قوی دلیل ہے اور بین برہان۔ نیز ان احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر مذنب و خطاکار کو اس ذات قدسی صفات کو وسیلہ بنانا چاہیئے جو اس سے اللہ تعالیٰ کے ہاں زیادہ مکرم و مقرب ہے اور اس توسل کا کوئی شخص منکر نہیں ہوسکتا اور یہاں اختلافِ عنوانات یعنی توسل و تشفع اور استغاثہ و توجہ وغیرہ سے جواز و عدم جواز کا فرق پیدا نہیں ہوسکتا۔

تنبیہ: اس توسل و تشفع کو مشرکین کے عبادتِ اصنام وغیرہ کے ذریعے تقرب الی اللہ کے زعم فاسد سے کوئی نسبت نہیں ہے کیونکہ وہ بہرحال کفر و شرک ہے۔ اور اہلِ اسلام جب نبی کریم علیہ السلام یا دیگر صالحین و کاملین انبیاء و مرسلین کو وسیلہ بناتے ہیں تو ان کی عبادت نہیں کرتے اور نہ توحید باری تعالیٰ کا اور اس کے نفع و ضرر میں منفرد و مستقل ہونے کا انکار کرتے ہیں لہٰذا سائل کا اسأل اللہ تعالےٰ برسولہ کہنا بالکل جائز ہے کیونکہ وہ صرف اللہ تعالےٰ سے سوال کر رہا ہے نہ کہ غیر اللہ سے ۔ انتہی کلام الامام السبکی

(علامہ نبہانی فرماتے ہیں) میں نے امام سبکی کی یہ تقریر ان کی کتاب شفاء السقام فی زیارۃ خیر الانام علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مختلف مقامات سے جمع کی ہے اور وہ کتاب طبع ہو کر شہرہ آفاق ہوچکی ہے مزید تفصیل معلوم کرنے کے لئے اصل ماخذ کی طرف رجوع کیا جائے۔

(۳) علامہ سمہودی صاحب خلاصہ الوفا

طلبِ حاجات اور حلِ مشکلات میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ توسل کے وقت لفظ توسل استعمال کریں یا استغاثہ و توجہ ہر طرح جواز و مشروعیت مسلم ہے اور اس استغاثہ سے کبھی مطلوب یہ ہوتا ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بعد از وصال بھی دعا کرنے کی التجاء کی جائے جیسے کہ حالتِ حیاتِ ظاہرہ میں کی جاتی تھی کیونکہ جب آپ کو سائلین اور ان کے سوالات کا علم ہے تو دعا کرنے میں آپ کے لئے کون سا امر مانع ہوسکتا ہے ؟ اور تقریباً یہی مضمون تفصیلاً ابن حجر علیہ الرحمہ کے کلام میں گذر چکا ہے۔

خلاصۃ المرام: کلام سابق کا خلاصہ یہ نکلا کہ سرورِ کونین علیہ السلام کے ساتھ استغاثہ دو قسم پر واقع ہے۔ اول یہ کہ مستغیث اللہ تعالےٰ سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم یا آپ کے مرتبہ و مقام یا حق گرامی یا خیر و برکت کا واسطہ دے کر اللہ تعالےٰ سے اپنی قضاء حاجت کا مطالبہ کرے۔ اس تقدیر پر مستغیث وہ بندہ ہے جو اللہ تعالےٰ سے دعا کر رہا ہے اور مستغاث اللہ تعالےٰ کی ذات مقدسہ ہے اور مستغیث نے اللہ تعالےٰ کے ہاں قبولیت مسئول و مطلوب کے لیے نبی معظم اور حبیب مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو واسطہ و وسیلہ بنایا ہے۔ دوسری قسم استغاثہ کی یہ ہے کہ مستغیث نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے التجاء کرے کہ آپ میرے لیے اللہ تعالےٰ سے دعا کریں اور قضاء حاجت اور حل مشکل کے لیے

اللہ تعالٰے سے سوال کریں کیونکہ آپ مزار اقدس میں زندہ ہیں یہ استغاثہ بھی اسی طرح جائز ہے جیسے کہ قیامت میں تمام اہل محشر آپ سے التجاء شفاعت کریں گے اور آپ ان کی عرض کو شرفِ قبولیت بخشتے ہوئے شفاعت فرمادیں گے اور حیاتِ دنیویہ ظاہرہ میں طلب باراں وغیرہ کے لیے صحابہ کرام آپ سے التماس دعا کرتے رہے اور آپ نے ان کی درخواست کو پذیرائی بخشتے ہوئے دعا فرمائی اور اللہ تعالٰے نے قبول فرماکر لوگوں کی حاجت روائی فرمائی اور آپ کی عزت افزائی کی۔

اور ہماری اس کتاب شواہد الحق میں جتنے استغاثات وارد ہیں وہ ان دونوں اقسام سے باہر نہیں ہیں۔

(۴) سیدی عارف باللہ شیخ عبدالغنی نابلسی رضی اللہ عنہ کا استدلال جواز استغاثہ پر

حضرت شیخ نابلسی نے اپنی کتاب "جمع الاسرار فی منع الاشرار عن الطعن فی الصوفیۃ الاخیار" میں ارشاد فرمایا۔

سوال :۔ حضرت علامہ شہاب الدین رملی شافعی سے سوال کیا گیا کہ عوام شدائد و مصائب میں مبتلا ہو جانے پر یا شیخ فلاں وغیرہ کہتے ہیں آیا یہ جائز ہے؟

جواب :۔ تو انہوں نے فرمایا انبیاء و مرسلین علیہم الصلوٰۃ والتسلیم اور اولیاء و صالحین کے ساتھ استغاثہ جائز ہے شیخ عبدالغنی فرماتے ہیں کہ اللہ تعالٰے کا قول "یَآ اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ وَابْتَغُوْٓا اِلَیْہِ الْوَسِیْلَۃَ" اے ایمان والو اللہ تعالٰے سے ڈرو اور اس کی جناب میں رسائی اور حاجت روائی کے لیے وسیلہ کی طلب و تلاش کرو، بھی جواز پر دال ہے اور یہاں سے توسل و استغاثہ کا ثبوت صراحۃً لازم آرہا ہے۔

(۵) شیخ شہاب رملی فرماتے ہیں۔ رسل و انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام بعد از وصال لوگوں کی فریاد رسی پر قادر ہیں کیونکہ انبیاء علیہم السلام کے معجزات اور اولیاء کرام کی کرامات موت و وصال سے منقطع نہیں ہوتیں۔ (انبیاء علیہم السلام زندہ ہیں اور) شہداء کرام بھی زندہ ہیں اور انہیں دن کے اجالے میں، میدانِ کارزار میں کفار کے ساتھ جنگ و جہاد کرتے دیکھا گیا ہے۔ لہٰذا یہ اغاثہ و فریاد رسی انبیاء علیہم السلام کا معجزہ ہے اور اولیاء کرام کی کرامت۔

علامہ شہاب رملی کا یہ کلام ذکر کرنے کے بعد عارف باللہ نابلسی نے شیخ عبدالحی شرنبلالی حنفی کا فتویٰ نقل فرمایا (جو ہدیہ قارئین ہے۔

(۶) علامہ عبدالحی شرنبلالی حنفی کا فتویٰ متعلق بہ جواز توسل و استغاثہ

انبیاء کرام اور اولیاء عظام سے توسل جائز و مشروع ہے۔ کیونکہ کسی مسلمان کے حق میں یہ گمان نہیں کیا جاسکتا

کہ وہ سید احمد رفاعی یا دیگر اولیاء کرام کے متعلق کسی مصلحت و منفعت کے ایجاد کرنے اور تخلیق کرنے کا اعتقاد رکھتا ہو یا دفع مضرت اور حل مشکل کے ایجاد و تخلیق کا مگر ارادہ باری تعالٰے اور اس کی ایجاد و تخلیق اور تعلق قدرت سے اور مسلمان کے کلام کو جب تک معنیٰ صحیح پر اور کفر و شرک سے بعید مقاصد و مطالب پر محمول کرنا ممکن ہو اسی معنی و مقصد پر محل کرنا لازم و واجب ہوتا ہے۔ انتہی کلام العلامہ الشرنبلالی ۔

اس فتویٰ کو نقل کرنے کے بعد علامہ نابلسی نے شیخ سلیمان شبر خیتی مالکی کا فتویٰ جواز توسل سے متعلق نقل فرمایا۔ اور بعد ازاں شمس شوبری شافعی کا فتویٰ نقل کیا جس کو میں نے اس کتاب کے باب اول کے اختتام پر ذکر کیا ہے۔ پھر علامہ امام ہمام شیخ محمد خلیلی شافعی کا مفصل فتویٰ جواز استغاثہ سے متعلق نقل کرتے ہوئے آخر میں ذکر فرمایا۔

(۷) علامہ شیخ محمد خلیلی شافعی کا فرمان

یقین جانیے کہ صوفیہ صافیہ پر اعتراض موجب خذلان ہے اور مرتکب اعتراض کے لیے وادی خسران میں گرنے کا باعث جیسے کہ علامہ ابن حجر شافعی نے تصریح فرمائی ہے۔ لہٰذا جو شخص ان پر اعتراض کرے اس کے سوء خاتمہ کا اندیشہ ہے جیسے کہ بہت سے لوگ اس امر شنیع کے مرتکب ہوتے اور اللہ تعالٰے کے غیظ و غضب کا نشانہ بن گئے اور فوز و فلاح سے محروم ہو گئے۔

فَمَنْ یُّرِدِ اللّٰہُ اَنْ یَّھْدِیَہٗ یَشْرَحْ صَدْرَہٗ لِلْاِسْلَامِ وَمَنْ یُّرِدْ اَنْ یُّضِلَّہٗ یَجْعَلْ صَدْرَہٗ ضَیِّقًا حَرَجًا۔

جس شخص کو اللہ تعالٰے ہدایت دینا چاہے اس کا دل و دماغ اسلام کے لیے کھول دیتا ہے۔ اور جس کو گمراہ رکھنے کا ارادہ فرماتا ہے اس کا سینہ تنگ اور بیزار کر دیتا ہے۔

علامہ خلیلی فرماتے ہیں معترضین کا یہ کہنا کہ انبیاء کرام علیہم السلام اور اولیاء کرام علیہم الرضوان کے ساتھ توسل درست نہیں ہے تو یہ کذب و افتراء ہے۔ اور ہمارے ائمہ ہدیٰ نے تصریح فرمائی ہے کہ اہلِ خیر و صلاح کے ساتھ توسل جائز ہے اور کوئی عام سے عام اور جاہل سے جاہل بھی یہ گمان نہیں کرتا کہ سیدی احمد بدوی مثلاً عالم کون و فساد میں مالک تخلیق و ایجاد ہیں چہ جائے کہ خواص اس طرح کا گمان کریں بلکہ عوام و خواص صرف اس امر کو مدِ نظر رکھتے ہوئے ان سے توسل کرتے ہیں کہ ہم براہ راست اللہ تعالٰے سے سوال کے اہل نہیں ہیں لہٰذا ان کے یمن و برکت کو اجابتِ دعوات اور قضاء حاجات کا وسیلہ سمجھتے ہیں۔

اس تقریر سے واضح ہو گیا کہ انبیاء و اولیاء کے ساتھ توسل جائز ہے اور سلف و خلف کے عمل سے ثابت ہے احیاء سے بھی اور اموات سے بھی۔ اور اس کا انکار صرف وہی شخص کرتا ہے جو مبتلاء حرمان اور بدعقیدگی

نعوذ باللہ منہ ومن سیرتہ الغرض جو کچھ معترض ومنکر نے کہا ہے وہ مردود اور ناقابل اعتداد واعتبار ہے۔

(۸) فتوی الشیخ الامام العلامہ ابو العز احمد بن العجمی الشافعی الوفائی الازہری

علامہ عبد الغنی نابلسیؒ نے اسی کتاب میں ابو العز احمد بن العجمی کا فتوی نقل کرتے ہوئے فرمایا۔

یا سیدی احمد و یا سیدی فلاں کہنا قطعاً شرک و کفر نہیں ہے کیونکہ مقصود قائل محض توسل اور استغاثہ ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔

"یَآ اَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ وَابْتَغُوْا اِلَیْہِ الْوَسِیْلَۃَ"

اے ایمان والو اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور جناب باری میں وسیلہ تلاش کرو۔

فصل ۴ مسئلہ استغاثہ وتوسل کی توضیح

علماء اعلام کے کلمات طیبات کے جامع یوسف نبہانی کہتے ہیں۔ کہ تمام اہل اسلام جو کہ اللہ تعالیٰ کے عباد صالحین خصوصاً انبیاء و مرسلین علی الخصوص سید الانبیاء وفخر المرسلین علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی زیارت کرتے ہیں اور ان سے استغاثہ و فریاد رسی کی درخواست کرتے ہیں وہ ان مقدس ہستیوں کی انتہائی تعظیم و تکریم کا اعتقاد رکھنے اور ان کو وسیلہ حاجات جاننے کے باوجود یہ یقین رکھتے ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے بندے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر نہ اپنے لیے نفع ونقصان کے مالک ہیں اور نہ دوسروں کے لیے۔ لیکن وہ اللہ تعالیٰ کو سب بندوں سے زیادہ محبوب ہیں اور اس کے ہاں سب سے زیادہ مقرب و مکرم ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو بالعموم اور رسل وانبیاء کو بالخصوص اپنے اور مخلوق کے درمیان تبلیغ شرائع اور احکام کے لیے وسائط و وسائل بنایا ہے۔ اور مخلوق خدا نے ان کی دعوت پر لبیک کہتے ہوئے اور ان کی نبوت و رسالت کی تصدیق کرتے ہوئے ان کو اپنے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان غفران زلات، عفو سیئات اور قضاء حاجات کے لیے وسائط و وسائل بنا لیا ہے کیونکہ انہیں یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ اور ان مقبولان بارگاہ کے درمیان بہت قوی مناسبت اور ربط و تعلق موجود ہے بنسبت دوسرے لوگوں کے اگرچہ سبھی اللہ تعالیٰ کے بندے ہیں۔

جب یہ بات صحیفہ خاطر پر منتقش ہو چکی تو یقیناً یہ بات بھی ذہن نشین ہو جائے گی کہ ان کی تعظیم و توقیر اور ان کے ساتھ توسل الی اللہ مغز توحید واخلاص ہے اور دین خالص اور عبادات باری تعالیٰ کے جملہ انواع میں سے احسن ترین عبادت ہے چہ جائے کہ وہ شرک ہو اور توحید واخلاص میں مخل۔ اس تعظیم و تکریم اور توسل و استغاثہ کو توحید و تفرید میں مخل قرار دینا تو بخدا خلاف حقیقت ہے اور کوئی صاحب توفیق مسلمان اس قول کی جرأت نہیں کر سکتا۔ فالحمد للہ الذی عافانا مما ابتلیٰ بہ کثیرا من خلقہ

اگر منکرین توسل اور مخالفین استغاثہ کو ادنی درجہ تحقیق وتدقیق کا حاصل ہوتا تو وہ لامحالہ اپنی خطا اور غلطی کو پہچان جاتے کیونکہ وہ اس معاملہ میں سواد اعظم سے شذوذ اور علیحدگی اختیار کئے ہوئے ہیں اور جمہور امت کے پسندیدہ راستہ سے انحراف کئے ہوتے ہیں۔ حتیٰ کہ زیارت نبی کریم علیہ السلام کے لیے سفر کی مشروعیت و جواز اور آپ سے استغاثہ والتجاء شفاعت کا جواز واستحسان ان امور سے ہیں جن کا اصل دین واسلام ہونا جمیع علماء اعلام اور عوام اہل اسلام کو بالضرورۃ اور بالبداہتہ معلوم ہے۔ حتیٰ کہ بعض ائمہ مالکیہ نے منکرین توسل وتشفع کے کفر کا قول کیا ہے جیسے کہ امام سبکی نے شفاء السقام میں اور علامہ ابن حجر نے الجوہر المنظم میں نقل کیا ہے اگرچہ یہ قول معتمد علیہ نہیں (مگر اس سے توسل واستغاثہ کا ضروریات دین سے ہونا بہر حال واضح ہو جاتا ہے)

بارگاہ نبوی میں حاضری دینے کے لیے سواریوں کا بندوبست کرنے میں اور بارگاہ مقدس میں حاضر ہو کر استغاثہ وتوسل میں نہ عقلاً کوئی قباحت ہے اور نہ ہی شرعاً کوئی رکاوٹ ہے شد رحال کی حدیث (جس سے سفر کے عدم جواز پر استدلال کیا جاتا ہے وہ) مساجد کے متعلق وارد ہے اور اس سے تین مساجد کے علاوہ کسی مسجد کی طرف سفر کرنا تاکہ اس میں اجر و ثواب زیادہ سے زیادہ حاصل ہو ممنوع معلوم ہوتا ہے اور اس خصوصیت کی تصریح خود مسند امام احمد کی حدیث میں موجود ہے لہٰذا اس کو تمام بقاع مبارکہ اور مقامات مقدسہ پر منطبق کرنے کا کوئی امر باعث موجود نہیں ہے۔ اور نہ عبارت حدیث از روئے عربیت اس تعمیم کی مقتضی ہے۔ (کیونکہ استثناء میں اصل اتصال ہے لہذا جب مستثنیٰ مساجد ہیں تو لامحالہ مستثنیٰ منہ بھی مساجد ہی ہوں گی) نیز یہ تعمیم بلحاظ احکام شرعیہ بھی درست نہیں ہے۔ اور اس کی تفصیلی بحث باب اول میں گذر چکی ہے۔

منکرین توسل واستغاثہ نے جو محذورات اور اوہام اس ضمن میں ذکر کئے ہیں وہ سب شریعت حنیفیہ سمحہ کے مزاج کے خلاف ہیں اور دین اسلام کے مقتضیات سے خارج۔ اور نہ اہل اسلام میں سے کسی پر یہ امر مخفی ہے اور نہ ہی ان لوگوں پر جو غیر مسلم ہونے کے باوجود اس دین مبین کی معمولی سوجھ بوجھ رکھتے ہیں اور اہل ایمان کے احوال سے باخبر ہیں کہ جمہور امت فقہا و محدثین۔ صوفیہ و متکلمین اور جمیع فرق اسلامیہ کے خواص وعوام قولاً و عملاً حوائج دینویہ واخرویہ میں استغاثہ وتوسل اور توجہ وتشفع بالنبی علیہ السلام پر متفق و مجتمع ہیں اور شد رحال استحباب اور زیارت نبوی کے لیے جواز سفر پر سب متفق متحد ہیں خواہ اقطار واکناف عالم سے ہی کیوں نہ ہو۔ حتیٰ کہ یہ امر ان کے نزدیک ضروریات دین سے ہو چکا ہے نہ تو کوئی اس سے بے خبر ہے اور نہ ہی اس کا خلاف ان کے نزدیک قابل توجہ و تصور۔ بلکہ اس کے خلاف کا توہم وتخیل بہتر ہے طلبۂ علم کو بھی نہیں ہوتا چہ جائے کہ اکثر عوام جن کو اس قسم کے معاملات کا خیال تک بھی دل میں نہیں گزرتا بلکہ ان کے نزدیک اس امر کے استحسان میں کسی مخالف کا وجود بھی قابل فہم نہیں ہے۔ اور ہمیشہ سے امت محمدیہ کے اخلاف اسلاف سے اور متاخرین متقدمین سے ان امور کا جواز بلکہ استحسان معلوم کرتے چلے آئے ہیں اور یہی عقیدہ رکھتے رہے ہیں

کہ یہ امور افضل الطاعات او اکمل العبادات سے ہیں۔

استغاثہ و توسل کا انکار کب ہوا اور کس نے کیا

حتیٰ کہ ان جمہور اہلِ اسلام اور سوادِ اعظم سے اقل قلیل افراد نے شذوذ و انحراف سے کام لیا اور نئے نظریہ و عقیدہ کا اختراع کیا جن میں مشہور ترین ابن تیمیہ ہے اور اس کے دو شاگرد اور ماضی کے تمام تر منکرین کو اگر جمع کر لیں تو انتہائی قلیل ترین گروہ سامنے آئے گا۔ جن کی نسبت اگر علماء امت کی عظیم اکثریت کے ساتھ معلوم کریں خواہ ان کا مشرب و مسلک کوئی بھی ہو تو ایک ایک مخالف و منکر کے مقابل لاکھوں علماء اعلام نظر آئیں گے اور ان کے علاوہ خواص و عوام کا تو اندازہ ہی کیا ہو سکتا ہے۔ اگر فقط اسی تناسب کو مدنظر رکھ لیا جائے تو پھر بھی واضح ہو جاتا ہے کہ حق اُدھر ہے جدھر سوادِ اعظم ہے اور جب امت میں اختلاف ہو تو شارع علیہ السلام کے فرمان واجب الاذعان کے مطابق سوادِ اعظم کی اتباع واجب ہے نہ کہ شرذمہ قلیلہ کی لہٰذا حق ان کے ساتھ کیوں کر ہو سکتا ہے۔

بلکہ نبی مختار علیہ صلوات الابرار سے مروی حدیث میں وارد ہے "من شذ شذ فی النار" جو شخص امت کے سوادِ اعظم سے منحرف ہوا اور ان سے علیحدہ راہ اختیار کی وہ دوزخ کے گڑھے میں جا گرا۔

توسل و استغاثہ کی حقانیت کا اعتقاد تعظیم بارگاہ رسالت پناہ ہے اور انکار خلاف تعظیم

ہر عقلمند جس کو اللہ تعالےٰ نے حقیقت بینی کی توفیق مرحمت فرمائی ہے ذرا توجہ کرے اور غور و فکر سے کام لے تو اسے معلوم ہو جائے گا کہ حق واضح ان جماہیر علماء عظام کے ساتھ ہے اور خطا فاضح اس شرذمہ قلیلہ کے ساتھ ہے اور بایں ہمہ جو کچھ جماہیر علماء و محدثین اور فقہا و متکلمین نے کہا۔ اور عملاً کیا۔ اور مخالفین و منکرین پر جو رد و قدح کیا ہے۔ اور جس پر تمام امت عمل پیرا ہے یعنی استغاثہ کا جواز زیارت نبوی کے لیے جوازِ سفر تو اس میں حبیبِ کریم علیہ السلام کی تعظیم و تکریم ہے جس کے ہم اللہ تعالےٰ کی طرف سے مکلف ٹھہرائے گئے ہیں اور اس سے گریز اور پرہیز کا کوئی راستہ نہیں ہے بلکہ اس کے بغیر نہ ایمان صحیح ہوتا ہے اور نہ کامل جیسے کہ کتاب و سنت میں تصریح موجود ہے اور امت میں معروف و مشہور ہے۔

اور جو کچھ اس ناقابل اعتداد و اعتبار گروہ نے کہا ہے اس میں بارگاہِ نبوت کی رفعتِ قدر اور بلندیٔ مرتبت کو ملحوظ نہیں رکھا گیا۔ جن اوہام کو وہ لوگوں کے سامنے ظاہر کرتے ہیں اور اپنے آپ کو ان کی وجہ سے مغالطہ دیتے ہیں۔ اور عوام پر تخلیط و التباس کا ذریعہ بناتے ہیں وہ قطعاً ان کے لیے سود مند نہیں ہیں اور نہ ہی عقلمند ان کو قبول کر سکتے ہیں۔

بلکہ دین اسلام کی خوبیاں اس سے بالاتر ہیں کہ ایسے اوہام کی وہاں گنجائش نکل سکے۔

ان کا یہ واویلا کہ استغاثہ و توسل وغیرہ اللہ تعالےٰ کی تعظیم شان میں مخل اور موجب شرک ہے حالانکہ یہ توہم ان لوگوں کے نقصان عقل اور قصور فہم کی دلیل ہے جن کو شیطان نے التباس و اشتباہ میں اور حیرت و حیرانگی میں مبتلا کر دیا ہے۔ اور وہ لوگ محض اپنے اوہام باطلہ اور اذہان قاصرہ کے ساتھ ایسے احکام کا استنباط کرتے ہیں جن کا شریعت مطہرہ واضح اباء کرتی ہے جس کا وضوح اس درجہ کا ہے کہ اس کی رات دن کی مانند روشن ہے اس میں گمراہ وہی ہو سکتا ہے جو نورِ ہدایت سے ازلاً محروم ہے۔ ان لوگوں نے اپنے عقیدہ باطلہ کے لیے بعض آیات و احادیث کا سہارا لیا ہے۔ حالانکہ ان کا مطلب و مفہوم عند الشارع ان کے مدعا کے خلاف ہے علی الخصوص ان احکام میں جو سید الوجود صاحب مقام محمود صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق ہیں۔ محض ان آیات و احادیث سے لوگوں کو التباس و اشتباہ میں ڈالتے ہیں اور خود حقیقت و حق کے خلاف اعتقاد رکھے ہوئے ہیں۔ اور اس امت مرحومہ کے متفق علیہ صراطِ مستقیم کو چھوڑ کر نیا راستہ اختیار کرتے ہیں حالانکہ اس امت مرحومہ کی خصوصیت ہی یہ ہے کہ وہ ضلالت و گمراہی اور خطا و ناصواب پر مجتمع و متفق نہیں ہو سکتی۔

اللہ تعالےٰ نے اپنے فضل و کرم سے ان کو راہ راست کا الہام فرما دیا ہے۔ اور اپنی ذات مقدسہ کے شان والا کے لیے واجب و لازم تعظیم کے درجات کی رہنمائی فرما دی اور اپنے مقبولانِ بارگاہ عبید کرام سادات انام کی تعظیم و تکریم کے حدود بھی بتلا دیے جن کو اس نے سب مخلوق سے منتخب فرما لیا بالخصوص حبیب اعظم شفیع مکرم صلی اللہ علیہ وسلم۔

اور کسی صاحب عقل و فہم کو اس میں شک و تردد کی گنجائش نہیں ہے کہ اللہ تعالےٰ کے خواص عباد و اصفیاء یعنی انبیاء و اولیاء کی تعظیم حالتِ حیات میں اور بعد از وصال و وفات یہ درحقیقت اللہ تعالےٰ کی تعظیم ہے اور کوئی صاحب توفیق نہیں سمجھتا کہ ان کی تعظیم باری تعالےٰ کے ساتھ شرک ہے۔ کیونکہ یہ اللہ تعالےٰ کے مطیع بندے ہیں اور مخلص غلام جنہوں نے اپنی زندگیوں کا قیمتی سرمایہ طاعت و خدمت مولیٰ تعالےٰ میں صرف کیا۔ اور اس کی رضاء و رغبت کے مطابق یہی مقدس ہستیاں اللہ تعالےٰ اور اس کی مخلوق کے درمیان تبلیغ دین و شرائع۔ اور ارشاد و ہدایت دین اسلام کی تعریف و توضیح کیفیات عبادت کے بیان۔ اوصاف کمال کے وجوب اور اوصاف نقص کے استحالہ وغیرہ کے بیان میں وسائط تھے اسی وجہ سے وہ تمام بندگانِ خدا سے ممتاز و سرفراز ہو گئے اور سب سے زیادہ مقرب و محبوب ہو گئے۔ اور تعظیم تکریم خلق کے حقدار ہو گئے لیکن محض اپنی ذاتی حیثیات کے لحاظ سے نہیں بلکہ اس لحاظ سے کہ ان کو اللہ تعالےٰ نے معظم مکرم ٹھہرایا ہے تو جن کی عزت افزائی خالقِ کائنات کرے مخلوق کی کیا مجال کہ وہ ان کی تعظیم و توقیر سے اعراض و انحراف کرے لہٰذا ان کی تعظیم و توقیر درحقیقت اللہ تعالےٰ کی تعظیم و توقیر ہے۔

تعظیم اولیاء و انبیاء کرام اور تعظیم رب الارباب جل و علیٰ کا یہ فرق بلکہ ان کی تعظیم کا تعظیم باری تعالےٰ ہونا کوئی

بنادیا وہ دیگر خصوصیات یعنی فضل وشرف، تقویٰ وصالحیت اور محاسن صفات کے علاوہ اس وجہ سے مزید تعظیم وتکریم کے مستحق قرار پاتے ہیں۔

اور اولیاء کاملین جن سے مراد ہمارے نزدیک مومنین متقین اور علماء عاملین اور غازی ومجاہدین فی سبیل اللہ ہیں تو ان کا امتیاز وتفرد بھی علم وفضل اور تقویٰ وصالحیت کی وجہ سے ہے اور امت مسلمہ کو علوم ومعارف کے افادہ اور جہاد وقتال کے ذریعے اسلام اور اہلِ اسلام کے دفاع وتحفظ کی وجہ سے ہے خواہ وہ جہاد نوکِ قلم سے ہو یا تلوار کی دھار سے

الغرض جب اہلِ اسلام کو مشاہدہ یا تواتر اور ثقہ وقابل اعتماد ناقلینِ اخبار وروایات کے ذریعے معلوم ہوگیا کہ فلاں شخص اولیاء عارفین یا علماء عاملین سے ہے مومنین صالحین سے ہے یا شہداء ومجاہدین سے تو وہ لامحالہ اپنی معلومات کے مطابق عنداللہ حسبِ مراتب اسے مقرب ومکرم سمجھیں گے اسی کے مطابق اس کی زیارت کریں گے اور جس قدر اس کو اللہ تعالےٰ کا مطیع اور تابع فرمان سمجھیں گے اسی کے مطابق اس سے توسل واستغاثہ کریں گے اور کسی کی تعظیم وتکریم محض ذاتی حیثیت سے نہیں بجالاتے۔ لہٰذا یہ تعظیم وتکریم ساری کی ساری تعظیم باری کی طرف راجع ہے۔ اور اللہ تعالےٰ کی ان طاعات میں داخل ہے۔ جن پر ان شاء اللہ ضرور اجر وثواب مترتب ہوگا خواہ ان میں سے بعض اس درجہ اور مرتبہ ولایت محبوبیت پر فائز نہ بھی ہوں جس پر زائرین ان کو سمجھتے ہیں مگر زائرین تو بہرحال اولیاء اللہ سے محبت کرتے ہیں اور محض اللہ تعالےٰ کے لیے ان سے قلبی لگاؤ اور تعلق رکھتے ہیں۔ اور وہ اس امر کا یقین رکھتے ہیں کہ مخلوق خواہ کتنے ہی بلند وبالا مقام پر فائز کیوں نہ ہو محض اپنی ذات کے لحاظ سے ذرہ بھر تعظیم وتکریم کی حقدار نہیں ہے۔ بلکہ دراصل ان کی یہ تعظیم باری تعالےٰ کی طرف راجع ہے کیونکہ یہ اُن پر اللہ تعالےٰ کا فضل وکرم ہے کہ اُن کو ایسے اوصافِ جمیلہ عطا فرمائے جن کے ساتھ دیگر بندگانِ خدا پر ان کو امتیاز حاصل ہوگیا۔ اور بندگانِ خدا کی توقیر کے حقدار بن گئے اور ان کو حلل کرامت کی خلعت بخشی لہٰذا وہ دنیا وآخرت اور حالت حیات و ممات میں واجب التعظیم والتکریم بن گئے۔ وہو البر الکریم۔

تعظیم اولیاء اور توقیر انبیاء کے مخالفین تعظیم باری تعالیٰ اور حقوق خداوندی میں رکاوٹ ڈالنے کے مرتکب ہیں۔

ابن تیمیہ کے شر ذمہ قلیلہ اور زمرۂ شاذہ نے مقربان بارگاہِ خداوندی کی تعظیم وتکریم اس زعم فاسد اور اعتقاد باطل کے تحت ممنوع ومحظور قرار دے کر کہ وہ مخل فی التوحید ہے اور تعظیم باری تعالےٰ کے خلاف ہے حق وحقیقت کا خلاف کیا ہے اور اپنی رائے فاسد کے ذریعے حقوق اللہ پر تعدی کی ہے اور اللہ تعالےٰ اپنے اوصاف ربوبیت اور سیادت مطلقہ کی وجہ سے جس تعظیم کا حقدار تھا اس میں خلل اندازی کی ہے اور اس بدحواس گروہ نے اللہ تعالےٰ کے اختیارات مطلقہ کو پابندی اور تقیید میں بدلنے کی ناپاک سعی کی ہے کہ وہ اپنے بندگان خاص کو ایسے اوصاف جمیلہ سے مخصوص کیوں

دقیق مبحث نہیں جس کو صرف علماء اعلام ہی سمجھ سکیں اور عوام کے مرغ عقل کی وہاں تک رسائی نہ ہو۔ بلکہ یہ ان امور سے ہے جو ہر ایک کو بالبداہتہ معلوم ہیں اور ہر عالم وجاہل اپنی طبیعت اور ذاتی وجدان کے ساتھ ان کو جانتا ہے۔ کیونکہ اس امر کی معرفت میں ادنیٰ تمیز رکھنے والا اور افضل ترین عقل ودانش کا مالک برابر ہیں کہ بادشاہ وقت کے عبید واتباع کا اعزاز اکرام اور تعظیم وتکریم بادشاہ کے ہاں قضاء حاجات اور حصولِ مطالب کے لیے اعلیٰ ترین وجوہ تقرب سے ہے۔ اور جس قدر وہ تابع عبد خاص اور مقرب ومحبوب ہوگا۔ اسی قدر اس کی تعظیم وتکریم اور اس کے ساتھ توسل، حصولِ مقصد اور حاجت برآری کے زیادہ قریب ہوگا جیسے کہ اس کے عبید وخدام کی توہین وتحقیر اس کی ناراضگی کا باعث ہے اور اس پر اس کا غیظ وغضب جوش میں آتا ہے ایسے ہی ان کی تعظیم وتکریم پر ان کی رضامندی مترتب ہوگی۔ اور جیسے اہل دنیا کو یہ امر بداہتہً معلوم ہے یہ امر بھی لامحالہ معلوم ہے کہ اللہ تعالےٰ کے انبیاء واصفیاء اور اخص الخواص عباد کی تعظیم اللہ تعالےٰ کی رضامندی کا بہت بڑا ذریعہ ہے جیسے کہ ان کی توہین وتحقیر اللہ تعالےٰ کے قہر وغضب کا موجب وباعث ہے۔

جب تم اہل اسلام کے ہر ہر فرد کو غور سے دیکھو گے خواہ عوام ہوں یا خواص تو ان میں سے کسی کے دل میں بھی ماسوائے اس کے دوسرا کوئی داعیہ ان مقبولان بارگاہ کے ساتھ تقرب وتوسل کا نہیں پاؤ گے کہ یہ اللہ تعالےٰ کے مقرب بندے ہیں لہٰذا ان کے وسیلہ سے ہماری حاجتیں بر آئیں گی باوجود اس یقین کے کہ وہ اللہ تعالےٰ کے بندگان خاص ہیں اور بذات خود کسی امر کے مالک نہیں ہیں۔

الغرض اہلِ ایمان واسلام کے قلوب واذہان، ان کے اجزاء واعضاء بدن اور ان کا گوشت وپوست بحمد اللہ فطرتی اور پیدائشی طور پر توحید خداوندی کے اعتقاد واذعان پر ہیں اور اسی عقیدہ پر عدم سے وجود میں آئے ہیں کہ اللہ تعالےٰ ہی فعال مطلق ہے اور بالاصالت تعظیم کا مستحق وہی وحدہ لاشریک لہ ہے۔ اور اللہ تعالےٰ کے علاوہ مقربان بارگاہ اور خواص عباد کی تعظیم فقط اللہ تعالےٰ کے ہاں ان کی قدر ومنزلت کے مطابق ہے جیسا کہ ان کے علم میں ہو۔ لہٰذا وہ اللہ تعالیٰ کے حبیبِ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم سب مخلوق سے زیادہ بجالاتے ہیں کیونکہ ان کو یقین ہے کہ آپ سب عباد اللہ المخلصین سے زیادہ محبوب اور مقرب ہیں۔ بعدازاں انبیاء مرسلین کی بنسبت دوسرے لوگوں کے زیادہ تعظیم وتوقیر بجالاتے ہیں کیونکہ ان کے مراتب ودرجات حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مرتبہ ودرجہ کے قریب ہیں پھر انبیاء غیر مرسلین کی بنسبت اولیاء کرام کے زیادہ تعظیم وتکریم بجالاتے ہیں کیونکہ وہ ان کے نزدیک اولیاء کرام سے افضل ہیں۔ بعدازاں اہل بیتِ کرام اور اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عنداللہ وعندالرسول درجہ ومرتبہ کے مطابق توقیر وتکریم بجالاتے ہیں علیٰ ہذا القیاس تمام اولیاء کرام کی توقیر وتعظیم ان کے عنداللہ قرب ومنزلت کے مطابق ادا کرتے ہیں جیسے بھی ان کو مراتب ودرجات کے تفاوت کا علم ہوا۔

آل واصحاب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قرابت وصحبت کے شرف نے انہیں دیگر اولیاء کرام سے عنداللہ ممتاز ومنفرد

ٹھہراتا ہے جو انہیں اللہ تعالےٰ کے مقرب بنا دیتے ہیں اور لوگوں کو ان کی تعظیم وتکریم پر برانگیختہ کرتے ہیں اور ان کے ساتھ اللہ تعالےٰ کی جناب میں توسل واستغاثہ پر آمادہ کرتے ہیں۔

جس طرح اہل اسلام کو اولیاء اللہ سے محبت ہے اسی طرح اعداء اللہ سے بغض وعداوت ہے اور زندہ ومردہ مبغوضان خداوندی سے نفرت وبیزاری کا اظہار کرتے ہیں۔ اور یہی اَلحُبُّ فی اللہ اور البغض فی اللہ ہے اور یہی شرعی حکم ہے کہ محبوبان خدا سے محبت رکھو اور مبغوضانِ خدا سے بغض وعداوت رکھو۔ کتنی آیات واحادیث الحب فی اللہ اور البغض فی اللہ کی اہمیت کے سلسلہ میں وارد ہیں جیسے کہ انبیاء اللہ اور اصفیاء اللہ کی مدح وثنا میں وارد ہیں علی الخصوص سید الانبیاء والاصفیاء حبیب اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ رفیع میں کیا یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کی محبت وتعظیم نہیں ہے؟ ایسے ہی اعداء اللہ کی مذمت میں وارد آیات واحادیث میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کی تحقیر ہے۔ کیا اللہ تعالیٰ کی طاعت کا کمال وانتہا یہ نہیں ہے کہ ہم اس کے اصفیاء واحباء سے محبت کریں جن کی عظمت شان اور حمد وثناء خود اس نے بیان فرمائی ہے۔ اور ان لوگوں سے بغض وعداوت رکھیں اور ان کی توہین وتحقیر کریں جن کی مذمت اور قباحتِ حال اللہ تعالیٰ نے بیان فرمائی ہے۔

کیا خود اللہ تعالےٰ نے اپنے ان اولیاء کی مدح وثناء فرما کر ان کے مرتبہ ومقام اور علوِ مرتبت ومنزلت اور شان محبوبی کے پاس ولحاظ کی طرف ہماری رہنمائی نہیں فرمائی۔ تو کیا اس وقت ہم شرک وکفر میں مبتلا ہو جائیں گے جب کہ ہم ان کی تعظیم وتکریم بجا لائیں اور ان کے ساتھ اللہ تعالےٰ کی جناب پاک میں حاجات دینوی اور مشکلات اخرویہ کے حل وقضاء میں تقرب وتوسل اور توجہ وتشفع حاصل کریں۔

باوجود اس پختہ عقیدہ اور خطاء دخلل اور لغزش وزلل سے محفوظ جزم واعتقاد رکھنے کے کہ وہ اللہ تعالےٰ کے بندے ہیں۔ اور اللہ تعالےٰ کے ساتھ کسی معاملہ میں شریک نہیں اور اللہ تعالےٰ پر ان کی شفاعت قبول کرنا فرض ولازم بھی نہیں چاہے قبول فرمائے اور چاہے تو رد فرما دے۔ "مَنْ ذَا الَّذِیْ یَشْفَعُ عِنْدَہٗ اِلَّا بِاِذْنِہٖ" اللہ تعالےٰ کا ان کی مدح وثناء فرمانا اور اس کے محبوبِ کریم علیہ السلام کا اپنی احادیث میں ان کی مدح سرائی کرنا اور ان کے اوصاف جمیلہ بیان فرمانا محض اللہ تعالےٰ کے فضل وکرم سے ہے۔ یہ سب ان کے صدقِ عبودیت اور حسنِ خدمت کی برکت ہے۔ اور یہی سبب ہے ہماری توقیر وتکریم کا۔ اور قضاء حوائج میں ان کو وسائط ووسائل بنانے کا کیونکہ وہ اصل عبودیت میں ہمارے ساتھ شریک ہونے کے باوجود اللہ تعالےٰ کی طرف سے شرف نبوت ورسالت اور ولایت ومحبوبیت عطا کئے جانے اور فضیلت علم وعمل سے بہرہ ور کئے جانے اور طاعت وعمل کی توفیق مرحمت فرمائے جانے کی وجہ سے ہم سے ممتاز وسرفراز ہیں۔ تو ان کی یہ عزت وتکریم قطعاً شرک نہیں ہوگی بلکہ جو اللہ تعالےٰ کے ہاں معظم ومکرم ہیں ان کی تعظیم وتوقیر کر کے اور اپنے ذنوب وآثام اور خطاؤں اور لغزشوں کے پیش نظر اپنے آپ کو حقیر سمجھ کر اور براہ راست طلب حاجات سے اپنے آپ کو نا اہل اعتقاد کر کے ہم اللہ تعالےٰ کے طاعت گذار بندے ثابت ہوں گے اور یہی سبب ہے ہمارے ان کو وسائطِ حاجات بنانے کا اور اس کے نیلِ فضل کا ذریعہ بنانے کا۔

الغرض ہر عقل مند کے نزدیک یہ امر شک وشبہ سے بالاتر ہے کہ یہ اللہ تعالےٰ کے ساتھ حسنِ ادب ہے اور اس کی رضا کا موجب۔ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ ہَدَانَا لِہٰذَا وَمَا کُنَّا لِنَہْتَدِیَ لَوْلَا اَنْ ہَدَانَا اللّٰہُ۔

ابن تیمیہ اور اس کے متبعین کا جمہور اہل اسلام اور سواد اعظم کے ساتھ توافق فی الاعتقاد اور ان کے نظریات کا باہم تضاد

یقین جانیئے کہ یہ شرذمہ قلیلہ جو توسل واستغاثہ سے منع کرتا ہے یہ خود جمہور اہل اسلام علماء ومسلمین کے ساتھ اس عقیدہ میں متحد ومتفق ہے کہ انبیاء واولیاء کو اللہ تعالےٰ کے ہاں ایک گونہ خصوصیت حاصل ہے جس کی وجہ سے وہ دنیوی زندگی میں اور قیامت کے دن عام لوگوں سے ممتاز ومنفرد ہیں۔ اور ان کے ساتھ دنیوی زندگی میں بھی توسل واستغاثہ وغیرہ جائز ہے جیسے کہ بروز قیامت جائز اور مشروع ہے۔ اور احادیث صحیحہ سے ثابت ہے۔ اور وہ یہ بھی تسلیم کرتے ہیں کہ انبیاء علیہم السلام قبروں میں زندہ ہیں جیسے کہ احادیث کثیرہ صحیحہ سے ثابت ہے لیکن وہ کہتے ہیں کہ یہ حیات برزخی ہے اور دنیوی یا اخروی کی مانند نہیں ہے۔ اور یہ بھی تسلیم کرتے ہیں کہ ارواح اولیاء کو بلکہ تمام اہل ایمان کی ارواح کو ان کے ابدان واجساد سے اپنی قبور میں اتصال اور تعلق خاص حاصل ہے اور بعض اوقات ارواح زیارتِ ابدان کے لیے قبور پر آتے ہیں۔ اور زائرین کو پہچانتے ہیں۔ اور یہ عقیدہ بھی رکھتے ہیں کہ میت کو ان تکلیف دہ امور سے دکھ پہنچتا ہے جو زندہ لوگوں کے لیے موجب ایذا وتکلیف ہوتے ہیں۔ اسی لیے قبروں پر چلنا اور ان پر بیٹھنا حرام قرار دیا گیا ہے جیسے کہ احادیث صحیحہ اس پر دال ہیں۔ اور اس اعتقاد کے بغیر بھی ان کے لیے چارہ کار نہیں ہے کہ قبور کی زیارت مستحب ہے اور اموات کو احادیث میں وارد سلام وکلام کے ساتھ خطاب کرنا بھی مستحب ہے یعنی ان کو السلام علیکم دار قوم مومنین کہنا۔

اور جب یہ سب امور ان کے نزدیک مسلم ہیں اور یقیناً مسلم ہیں تو ہم یہ دریافت کرنے میں حق بجانب ہیں کہ بندگان خاص کے ساتھ علی الخصوص انبیاء ومرسلین اور اولیاء کاملین کے ساتھ بعد از وصال توسل واستغاثہ اور طلب شفاعت کیوں جائز نہیں جب کہ حالت حیات دنیویہ میں بھی جائز اور آخرت میں بھی جائز تو درمیان میں ناجائز ہونے کی آخر وجہ کیا ہے جب کہ اللہ تعالےٰ تینوں احوال میں اور تینوں مواطن ومقامات میں وحدہ لاشریک لہ ہے۔ دنیا وآخرت میں ان کے ساتھ توسل واستغاثہ کے جواز کی وجہ یہ وہ صرف یہی ہے کہ وہ خواصِ بارگاہ سے ہیں تو کیا وصال سے یہ خصوصیت زائل ہو جاتی ہے؟ لہٰذا توسل واستغاثہ کرنے والوں پر اعتراض اور ان کی مذمت کی کوئی وجہ نہیں ہے اور نہ ممنوعیت توسل کی کوئی وجہ ہو سکتی ہے بلکہ یہ محض ان کا زعم فاسد ہے۔

ہم نے اسلام کے صدرِ اول سے لے کر آج تک کسی مسلمان کو نہیں سنا کہ اس نے موت ووصال کے بعد ان مقدس

ہستیوں میں الوہیت وربوبیت کا عقیدہ رکھا ہو۔ بلکہ جو لوگ ان مقربانِ بارگاہِ خداوندی کے حق میں گمراہ ہوئے اور ان میں الوہیت کا اعتقاد رکھنے لگے تو وہ ان کی حیاتِ ظاہرہ میں اس غلط راہ پر چلے۔ اور ان کے معجزات اور خوارق عادات دیکھ کر اس گمراہی کا شکار ہوئے اور وہی بدعقیدگی پچھلوں میں راسخ ہو گئی۔

الغرض اس گمراہی و بددینی کا آغاز ان کی موت کے بعد نہیں ہوا اور نہ زیارت قبور اور استغاثہ کی وجہ سے بلکہ ان کی زندگی میں ہوا۔ حالانکہ مخالفین و منکرین انبیاء و اولیاء کی حیاتِ ظاہرہ میں سفر زیارت اور استغاثہ کو ممنوع قرار نہیں دیتے تو ثابت ہو گیا اور روز روشن سے بھی زیادہ عیاں ہو گیا کہ ان کا بیان کردہ مبنیٰ فساد ناقابل اعتداد و اعتبار ہے۔ اور ان کا دنیوی حیات، حالتِ موت اور قیامت کے دن میں فرق کرنا بے محل ہے۔ کیوں کہ یہ فرق ان کے اذہان قاصرہ کی پیداوار ہے۔ وہ ذاتِ اقدس جس نے اپنے خواص عباد کو اوصافِ جمیلہ عطا کر کے صدق عبودیت اور حسن عبادت سے مشرف فرما کر لوگوں پر سرفرازی بخشی ہے۔ اس کے نزدیک ان تینوں مقامات میں ان کے درجات و مراتب اور قرب و درجات میں اور ان سے رضامندی و محبت میں کوئی فرق نہیں ہے بلکہ کوئی جاہل و مکابر ہی بعد از وصال ان کے ارواح طاہرہ کی صفائی و نورانیت اور قوت و قدرت کی برتری و تفوق کا انکار کر سکتا ہے اور عالم اور مخلص مومن سے یہ توقع قطعاً نہیں کی جا سکتی۔

استغاثہ و توسل میں توہم شرک کی گنجائش نہیں ہے

سب اہلِ اسلام کا یہ قطعی عقیدہ ہے کہ سب مخلوقات کا سید مطلق اللہ تعالیٰ ہے اور سبھی اس کے بندے ہیں وصفِ عبودیت میں متقی اور غیر متقی برابر ہیں۔ لیکن باہم تفاوت درجات تسلیم کئے بغیر چارۂ کار نہیں۔ وصفِ عبودیت میں سب سے فائق انبیاء کرام اور ملائکہ ہیں۔ کیونکہ انہیں دوسروں کی نسبت عظمت و جلالِ باری کی معرفت اتم و اکمل طریقہ پر حاصل ہے۔ اور ان میں باہم بھی درجات و مراتب کے لحاظ سے تفاوت موجود ہے۔ سب سے بلند و بالا مقامِ عبودیت سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل ہے جو تمام عباد اللہ کے سردار و آقا ہیں اور من جمیع الوجوہ اللہ تعالیٰ کو محبوب اور پیارے ہیں ان کے بعد دوسرے درجہ میں انبیاء کرام اور اولیاء ملائکہ ہیں۔ پھر عوام ملائکہ اور اولیاء موحدین بعد ازاں عوام مومنین باعتبار تقویٰ اور معرفت کے مختلف درجات پر فائز ہیں۔

سب سے کم ترین درجہ عبودیت میں کفار و مشرکین کا ہے جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کے مرتکب ہوئے اور اخلاص عبودیت سے محروم رہے اور صرف اللہ وحدہ لاشریک لہ کا بندہ بننے کی بجائے اپنے آپ کو دوسروں کے عبید بنا لیا عباد الاصنام اور عباد المسیح وغیرہ بن گئے اگرچہ ان کی زبان حال خود اس زعم فاسد میں ان کی تکذیب کرتی ہے۔

اس تمہید کے بعد یہ معلوم ہو گیا کہ مخلوق کے شرف و فضل میں کمی و بیشی وصفِ عبودیت میں کمی و بیشی کے لحاظ سے ہے۔ جو عبودیت میں قوی ہے وہ شرف و فضل میں اعلیٰ و برتر ہے۔ اور یہیں سے بات کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ سرور کونین علیہ

الصلوٰۃ والسلام کی بعد از خدا بزرگی و برتری اور سب مخلوق کی سرداری و سروری کا دار و مدار عبودیت میں اعلیٰ مقام پر فائز ہونے اور اخلاص میں انتہائی مقام پر واصل ہونے پر ہے۔ لہٰذا وہ اللہ تعالیٰ کے عبدِ خالص ہیں جنہوں نے اُلوہیت کی بو بھی نہیں سونگھی اور علیٰ ہذا القیاس انبیاء و مرسلین اور ان کے وارث و جانشین اولیاء کاملین۔ اگرچہ سرور کونین علیہ السلام اس مقام میں سب سے زیادہ راسخ ہیں اور اللہ تعالیٰ نے ان کو اس سے محفوظ رکھا ہے کہ کوئی امتی ان کے حق میں الوہیت کا دعویٰ کرے جیسے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت علی المرتضےٰ رضی اللہ عنہ کے حق میں یہ دعویٰ کیا گیا حالانکہ آپ سے ظہور پذیر رونما ہونے والے معجزات و خوارق عادات میں کوئی شخص آپ کا ہمسر اور شریک و سہیم نہیں ہے اور جتنی محبت آپ کی امت کو آپ سے ہے اتنی محبت و عقیدت کسی امت کو اپنے انبیاء سے بھی نہیں مگر باایں ہمہ ابتداء سے لے کر اب تک اہل اسلام میں سے کسی نے آپ کے حق میں الوہیت کا دعویٰ نہیں کیا اور نہ سننے میں آیا ہے۔

تو دوپہر کے اجالے سے بھی زیادہ واضح ہو گیا کہ جن اوہام و خیالات اور محذورات و خطورات کا ابن تیمیہ نے گمان و وہم کیا ہے وہ ناقابل التفات و اعتبار ہیں اور نہ ہی ان میں سے کسی کا کوئی وجود حقیقی ہے۔ یہ محض اوہام و اختراعات ہیں جن پر احکامِ شرع کی بنیاد نہیں رکھی جا سکتی۔ اور اس نے جن احادیث کا سہارا لیا ہے قطعاً ان کا وہ محمل نہیں ہے جیسے کہ علماء اعلام نے ان کے صحیح محامل اور مطالب بیان کر دئیے ہیں اور میں نے مختلف مقامات پر ان کو ذکر کیا ہے۔

فائدہ مہمہ: بارگاہِ نبوی کا درِ جود و نوال اور عطا و بخشش قیام قیامت تک حاجت مندوں اور مستمندوں کے لیے کشادہ ہے

عارف کبیر مشہور آفاق سیدی عبد الوہاب شعرانی المنن الکبریٰ میں فرماتے ہیں کہ میں نے سیدی علی الخواص رضی اللہ عنہ کو فرماتے ہوئے سنا کہ اپنی حاجات فوت شدہ اولیاء کرام سے طلب نہ کرو کیونکہ ان میں سے اکثریت کو قبور میں تصرف حاصل نہیں ہے۔ اور بعض کو اگرچہ تصرف حاصل ہے جیسے کہ امام شافعی۔ امام اللیث اور سیدی احمد بدوی وغیرہم کہ مستغیث کے صدق توجہ اور اخلاص ہمت کی بدولت وہ ان کی طرف متوجہ ہو کر اظہار تصرف فرماتے ہیں اور قضا حاجات اور حل مشکلات میں کام آتے ہیں لیکن جملہ اولیاء کرام کے دروازے قریب ہے کہ بند کر دئیے جائیں اور صرف نبوت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم کا درِ اقدس ہی کھلا اور کشادہ رہے۔ لہٰذا جس شخص کو جس قسم کی حاجت درپیش ہو وہ توجہ تام اور اخلاص کامل سے ہزار مرتبہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجے پھر آپ سے قضاء حاجت کے لیے سوال کرے ان شاء اللہ وہ حاجت ضرور بر آئے گی اور وہ مشکل حل ہو کر رہے گی۔

حاشیہ: فائدہ: اولیاء کرام کے دارِ دنیا سے دارِ آخرت کی طرف منتقل ہونے پر تصرف میں کمی کی یہ وجہ نہیں کہ العیاذ باللہ ان کا شرفِ ولایت و محبوبیت ان سے سلب ہو جاتا ہے بلکہ اصل وجہ یہ ہے کہ ان پر روحانیت غالب ہو جاتی ہے بلکہ سراسر روح بن جاتے

تتمۃ المبحث

تتمہ میں بعض ائمہ علماء و اولیاء کا قبورِ صالحین کی زیارت اور ان سے انتفاع کے متعلق بیان و کلام درج کروں گا۔ بعد از وصال ارواح کاملین کے صفاء و نورانیت پر ان کا تبصرہ نقل کروں گا۔

سیدی علامہ احمد دحلان اپنی کتاب تقریب الاصول لتسہیل الوصول میں فرماتے ہیں۔

بے شمار عرفاء کاملین نے تصریح فرمائی ہے کہ ولی کامل کی روح بعد از وصال اپنے مریدین سے متعلق و مرتبط رہتی ہے اور انہیں اس کی بدولت بے حد وحساب انوار و برکات حاصل ہوتے ہیں۔ انہیں عرفاء میں سے قطب الارشاد سیدی عبداللہ بن علوی الحداد ہیں۔ ان کا فرمان ملاحظہ ہو۔

ولیٔ خدا کا اپنے اہلِ قرابت اور ان کے دامنِ لطف و کرم میں پناہ لینے والوں کے ساتھ اعتناء و التفات بعد از وصال بنسبت حالتِ حیات کے زیادہ ہو جاتا ہے۔ کیونکہ وہ حالتِ حیات میں امور تکلیفیہ کے ساتھ مشغول تھا۔ اور وصال و وفات کی صورت میں یہ بوجھ اس سے اُتر گیا۔ نیز حجاب بشریت سے بھی تجرد و تفرد حاصل ہو گیا۔ اور زندہ کو بشریت والی کثافت بھی درپیش ہے اور دوسرے علائق و روابط بھی۔ اور اللہ تعالے سے ربط خاص اور مناسبت بھی اور بسا اوقات

ہیں اور احکام بدن مغلوب بلکہ کالعدم ہو جاتے ہیں اور سائلین و مستغیثین پر احکام بدن غالب ہوتے ہیں بلکہ وہ سراسر کثافت ہوتے ہیں اور مادیت و کثافت محضہ کو روحانیت و لطافت محضہ کے ساتھ مناسبت تامہ اور ربط کامل حاصل نہیں ہو سکتا اور افاضہ و استفادہ کے لیے مناسبت کا تحقق عادۃً واجب و لازم ہے اور جب سائل روحانیت میں کامل ہو اور اس کو مناسبت تامہ حاصل ہو تو فیض بھی اسی طرح حاصل ہوتا ہے جیسے کہ دنیا میں بلکہ اس سے بھی اتم و اکمل شیخ محقق علی الاطلاق عبدالحق محدث دہلوی فرماتے ہیں۔ کہ شیخ احمد بن مرزوق جو کہ اعاظم علماء و مشائخ دیار مغرب سے ہیں حضرت شیخ ابو العباس حضرمی نے ان سے دریافت کیا کہ زندہ ولی کی امداد و اعانت قوی تر ہے یا میت کی تو انہوں نے فرمایا بعض لوگ تو کہتے ہیں کہ زندہ کی امداد اقوی ہے مگر میرا عقیدہ یہ ہے کہ میت کی امداد قوی ترین ہے تو حضرت شیخ ابو العباس نے اس کی تائید و تصدیق کرتے ہوتے فرمایا نعم زیرا کہ وے در بساطِ حق است و در حضرت اوست۔ نیز آیات و احادیث سے روح کی بقاء و ابدیت ثابت ہے اور زائرین کا علم و شعور بھی اور ارواح کاملین کو بعد از وصال بھی قرب منزلت اور جاہ و مرتبت حاصل ہوتی ہے جیسے کہ حیاتِ دنیا میں بلکہ اس سے بھی زیادہ اور اولیاء کرام کو عالمِ کون و فساد میں کرامات و تصرفات بھی حاصل ہیں اور وہ حالت حیات میں بھی روح ہی کو حاصل ہوتی ہیں لہذا بعد از ممات بھی لامحالہ حاصل ہوں گی اور کتاب و سنت یا اقوال سلف میں ہر دو حالت میں فرق پر قطعا کوئی دلیل موجود نہیں ہے۔ اشعۃ اللمعات جلد اول ص ۷۶۲ و ص ۷۶۳ لہذا حالتِ حیات و ممات میں فرق کی اصل وجہ وہی ہے جو ہم نے اوپر ذکر کی ہے ھذا واللہ ورسولہ اعلم۔

محمد اشرف

ایک حالت دوسری پر غالب آجاتی ہے خصوصاً اس زمانہ میں بشریت اور اس کی کثافت، روحانیت اور مناسبت خاصہ پر غالب ہے۔ اور بعد از موت فقط روحانیت اور مناسبتِ خاصہ ہی غالب رہتی ہے۔

یہی قطب الارشاد الحداد فرماتے ہیں۔ اولیاء اخیار جب انتقال فرماتے ہیں تو نگاہِ خلق سے فقط ان کے اعیان و اجساد اور صور و اشکال اوجھل ہوتے ہیں۔ ان کے حقائق اور نفوس و ارواح موجود ہوتے ہیں لہذا وہ اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور ان کے علم و فہم، عقل و دانش اور قوائے روحانیہ میں کوئی کمی واقع نہیں ہوتی بلکہ بعد از وصال ان کی بصیرت و فراست، علم و ادراک حیات روحانیہ اور توجہ الی اللہ ترقی پذیر ہوتے ہیں لہذا جب ان کی ارواح کسی معاملہ میں اللہ تعالے کی طرف توجہ کریں تو اللہ تعالے لامحالہ اس کو پورا فرما دے گا" تاکہ ان کی عنداللہ عزت و کرامت ظاہر ہو۔ اور یہی مقصد ہے ان حضرات کا جنہوں نے کہا ہے کہ ارواح کاملین اکوان میں تصرف فرماتے ہیں۔ کیونکہ تصرف حقیقی جو عنوان ہے خلق و ایجاد اور ترتب المعلول علی العلت کا تو یہ فقط اللہ تعالے کے ساتھ مخصوص ہے اور ولی و غیر ولی کو اس میں قطعاً کوئی دخل نہیں ہے خواہ زندہ ہو یا دارفانی کی طرف انتقال کر چکا ہو۔ اگر کوئی شخص کسی ولی یا غیر ولی میں تاثیر اور ایجاد و تخلیق کا اعتقاد رکھتا ہے تو وہ اللہ وحدہ لاشریک لہ کے ساتھ کفر و شرک کا مرتکب ہے۔ البتہ اہل برزخ اولیاء کرام بساط حق اور بارگاہ خداوندی میں مقعدِ صدق پر فائز ہیں لہذا کوئی شخص اُن کی طرف متوجہ ہو اور ان سے توسل کرے تو وہ اللہ تعالے کی طرف اس کی قضاء حاجت اور حصول مطلوب کے لیے متوجہ ہوں گے (اور اللہ تعالے ان کی برکت سے اس کی حاجت پوری فرما دے گا) لہذا ان کو جو تصرف حاصل ہے وہ روحانی توجہ ہے اور تصرف حقیقی صرف اللہ تعالے کے ساتھ مخصوص ہے۔ الغرض جو تصرف ان کو حاصل ہے وہ اسباب عادیہ کے قبیل سے ہے وہ بذات خود مؤثر نہیں ہوتے بلکہ اللہ تعالے کی عادت کریمہ اسی طرح جاری ہے کہ اُن کے موجود و متحقق ہونے پر اشیاء مسببہ کا وجود و تحقق ہو جاتا ہے نہ یہ کہ وہ علل مؤثرہ ہیں اور اشیاء کے ایجاد و ابداع میں مستقل (جیسے کہ زندہ شخص کی قوت و قدرت افعال اختیاریہ کے لیے سبب ہے نہ کہ علت اسی طرح انبیاء کرام اور اولیاء عظام کی خدا داد قدرت و قوت افعال خارقہ للعادۃ کے لیے سبب ہے نہ کہ علت تامّہ)

سیدی ابو المواہب شاذلی اور شیخ ابو عثمان مغربی کا ارشاد: علامہ دحلان نے اسی تقریب الاصول میں ان کا کلام نقل کرتے ہوئے فرمایا۔ کہ ابو المواہب فرماتے ہیں میں نے شیخ ابو عثمان مغربی کو فرماتے ہوئے سنا۔

جب کوئی انسان ولی کی قبر کی زیارت کرتا ہے تو وہ ولی اس کو پہچان لیتا ہے۔ اور یہ سلام کرے تو اس کے سلام کا جواب بھی دیتا ہے۔ اور اگر اس کے مزار منور پر اللہ تعالے کا ذکر کرے تو وہ بھی ذکر میں اس کے ساتھ شامل ہو جاتا ہے علی الخصوص لا الٰہ الا اللہ کا ذکر کرنے پر ولی اپنے مزار سے اٹھ کھڑا ہوتا ہے اور اس کے ساتھ بحالت تربع (چوکڑی) بیٹھ کر ذکر میں مشغول ہو جاتا ہے۔

شیخ ابو المواہب فرماتے ہیں کہ پناہ بخدا کہ عارفین کاملین کے قلوب صافیہ بغیر فہم و ادراک کے کسی امر کی خبر دیں

(لہٰذا شیخ مغربی نے جو کچھ فرمایا ہے یہ ان کا مشاہدہ و تجربہ ہے نہ محض ظن و گمان اور وہم و خیال) اور یہ امر سب کو معلوم ہے کہ اولیاء اللہ اپنی قبروں میں زندہ ہیں ان کی موت فقط ایک مکان سے دوسرے مکان کی طرف انتقال کی مانند ہے۔ لہٰذا ان کی عزت و حرمت بعد از وصال اسی طرح واجب و لازم ہے جس طرح کہ حالتِ حیاتِ ظاہرہ میں اور ان کا ادب و احترام بعد از موت حالتِ حیات کی طرح ضروری ہے۔ جب کسی ولی کا وصال ہوتا ہے تو تمام ارواح انبیاء و اولیاء اس پر نمازِ جنازہ پڑھتے ہیں۔

صاحب الحقائق والدقائق کے قول حَاشَا الصُّوفِیِّ اَنْ یَّمُوْتَ "پناہ بخدا کہ صوفی فوت ہو جائے،" کا محمل بھی یہی ہے جیسا کہ شیخ ابوالمواہب نے نقل کیا یعنی ان کا وصال محض ایک مکان سے دوسرے مکان کی طرف انتقال کی مانند ہے۔

شیخ ابوالمواہب فرمایا کرتے تھے۔ کہ اولیاء کرام میں سے بعض ایسے صاحب تصرف ہیں کہ وہ بعد از وصال مریدوں کو اس سے زیادہ نفع پہنچاتے ہیں جتنا کہ حالتِ حیات میں پہنچاتے تھے۔ اور اللہ تعالیٰ کے بندوں میں سے بعض تو ایسے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کی روحانی تربیت براہِ راست خود فرماتا ہے اور بعض کی تربیت اولیاء کرام کی وساطت سے فرماتا ہے خواہ وہ دارِ فانی سے دارِ باقی کی طرف انتقال ہی کیوں نہ کر چکے ہوں۔ لہٰذا وہ قبر میں ہوتے ہوئے اپنے مرید کی تربیت فرماتے ہیں اور ان کا مرید قبر سے ان کی آواز کو سنتا اور رہنمائی حاصل کرتا ہے۔

بعض اللہ تعالیٰ کے بندے ایسے ہیں جن کی تربیت خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بلاواسطہ فرماتے ہیں کیونکہ وہ آپ پر بہت زیادہ درود و سلام بھیجتے ہیں۔

امام فخر الدین رازی کا ارشاد:

فخر المفسرین والمتکلمین مطالب کی تیرھویں فصل میں زیارت قبور و اموات سے انتفاع کی کیفیت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ جب انسان کسی ایسے انسان کی قبر پر جاتا ہے جس کا نفس و روح قوی اور جوہر کامل ہو اور کچھ دیر وہاں قیام پذیر رہے تو اس کے دل میں زائر کی تربت کے ساتھ خاص تعلق پیدا ہونے کی وجہ سے ایک گونہ تاثیر پیدا ہوگی (اور وہ زائر کی طرف متوجہ ہوگا) کیونکہ میت کے روح و نفس کو بھی اس تربت سے مخصوص تعلق ہے تو اس وقت دونوں کے تربت کے ساتھ تعلق کی وجہ سے زائر اور صاحب قبر کے ارواح و نفوس میں باہم ملاقات اور ربط تعلق پیدا ہو جائے گا۔ اور یہ دونوں نفوس باہم اس طرح متقابل ہوں گے جیسے دو صاف و شفاف آئینے ایک دوسرے کے مقابل رکھے ہوئے ہوں کہ ہر ایک سے شعاعیں دوسرے کی طرف منعکس ہو رہی ہوں لہٰذا جو کچھ زائر کے روح و نفس میں معارف و براہین۔ علوم کسبیہ اور اخلاق فاضلہ یعنی خشوع و خضوع اور رضاء بالقضاء وغیرہ ہوں گے ان کا نور میت کے آئینہ قلب میں منعکس ہوگا۔ اور اس میت میں جو کچھ علوم و معارف نورانیہ اور آثار قویہ کاملہ ہوں گے وہ اس زائر کے آئینہ دل میں منعکس ہو جائیں گے اور اس طرح یہ زیارت اس منفعتِ کبریٰ اور بہجتِ عظمیٰ کے حصول کا ذریعہ بن جاتی ہے۔ زائر کے لیے بھی (اور صاحب قبر کے لیے بھی) اور یہی سبب ہے مشروعیت زیارت کا اور اس کی بنیادی وجہ یہ بھی عین ممکن ہے کہ زیارتِ قبور کی وجہ سے ایسے اسرار حاصل ہوں جو ہمارے بیان کردہ سبب سے ادق اور اخفیٰ ہوں اور تمام حقائق کا علم صرف اللہ علیم و خبیر کو ہے۔ انتہی کلام الامام الرازی۔

شیخ ابوالمواہب فرماتے ہیں۔

بعض عرفاء نے فرمایا جب زندہ اولیاء کرام فوت شدہ اولیاء کرام کے مزارات پر زیارت کے لیے جائیں تو اس وقت عجیب و غریب واقعات اور بیحد و نہایت غرائب وقوع پذیر ہوتے ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ صاحب مزار نے زائر کی قابلیت اور توجہ کے مطابق کس قدر ان کو اہمیت دی ہے اور ان کی طرف کامل توجہ مبذول فرمائی ہے۔

انتہی کلام السید الدحلان رحمہ اللہ تعالیٰ

۴۔ وَلَا تَدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا آخَرَ فَتَكُوْنَ مِنَ الْمُعَذَّبِيْنَ ۔
اور اللہ تعالے کے ساتھ کسی دوسرے معبود کو مت پکارو ورنہ ان لوگوں سے ہوجاؤ گے جو عذاب خداوندی میں مبتلا ہیں ۔

۵۔ وَلَا تَدْعُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُكَ وَلَا يَضُرُّكَ فَاِنْ فَعَلْتَ فَاِنَّكَ اِذًا مِّنَ الظّٰلِمِيْنَ ۔
اور اللہ تعالے کو چھوڑ کر ان چیزوں کو نہ پکارو جو نہ تمہیں نفع دیتی ہیں اور نہ نقصان اگر ایسا کرو گے تو ظالموں میں سے ہوجاؤ گے ۔

۶۔ لَهٗ دَعْوَةُ الْحَقِّ وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ لَا يَسْتَجِيْبُوْنَ لَهُمْ بِشَيْءٍ اِلَّا كَبَاسِطِ كَفَّيْهِ اِلَى الْمَآءِ لِيَبْلُغَ فَاهُ وَمَا هُوَ بِبَالِغِهٖ وَمَا دُعَآءُ الْكٰفِرِيْنَ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ ۔
اللہ تعالیٰ کے لیے ہی دعوتِ حق ہے اور جو لوگ اللہ تعالے کو چھوڑ کر دوسرے لوگوں کو پکارتے ہیں وہ انہیں کسی قسم کا جواب نہیں دیتے مگر مثل اس شخص کے جو دونوں ہتھیلیاں پانی کی طرف پھیلاتا ہے تاکہ پانی کے منہ تک خود ہی پہنچ جاتے حالانکہ وہ خود بخود پہنچنے والا نہیں ہے اور کفار کی دعاء و پکار جناب باری تک راہ پانے والی نہیں ہے ۔

۷۔ وَالَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ مَا يَمْلِكُوْنَ مِنْ قِطْمِيْرٍ ۔ اِنْ تَدْعُوْهُمْ لَا يَسْمَعُوْا دُعَآءَكُمْ وَلَوْ سَمِعُوْا مَا اسْتَجَابُوْا لَكُمْ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكْفُرُوْنَ بِشِرْكِكُمْ وَلَا يُنَبِّئُكَ مِثْلُ خَبِيْرٍ ؛
اور وہ معبودات باطلہ جن کو تم اللہ تعالے کے علاوہ پکارتے ہو وہ کھجور کی گٹھلی پر موجود باریک جھلی کے بھی مالک نہیں ہیں ۔ اگر انہیں پکارو تو تمہاری پکار نہیں سنیں گے اور بالفرض سن لیں تو تمہاری حاجت کو پورا نہیں کریں گے اور قیامت کے دن تمہارے شرک سے انکار کریں گے اور تمہیں اللہ تعالے علیم و خبیر کی مانند حقائق امور کی خبر دینے والا اور کوئی نہیں ہے ۔

۸۔ قُلِ ادْعُوا الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ فَلَا يَمْلِكُوْنَ كَشْفَ الضُّرِّ عَنْكُمْ وَلَا تَحْوِيْلًا ۔ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ يَبْتَغُوْنَ اِلٰى رَبِّهِمُ الْوَسِيْلَةَ اَيُّهُمْ اَقْرَبُ وَيَرْجُوْنَ رَحْمَتَهٗ وَيَخَافُوْنَ عَذَابَهٗ اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ كَانَ مَحْذُوْرًا ۔
فرما دو جن کو تم نے اللہ تعالے کے علاوہ معبود فرض کر رکھا ہے انہیں پکارو وہ تم سے ضرر و نقصان دور کرنے اور پھیرنے کی طاقت نہیں رکھتے یہ جن کو پکارتے ہیں وہ اپنے میں سے مقرب ترین شخص کا اللہ تعالے کی جناب میں وسیلہ پکڑتے ہیں اور اس کی رحمت کی امید رکھتے ہیں اور اس کے عذاب سے خوف زدہ ہیں بے شک تیرے رب کا عذاب قابل حذر ہے اور ڈرنے کے لائق ۔

باب ۳

امام علامہ ناصر السنۃ سیدی احمد دحلان مفتی الشافعیۃ فی المکۃ المشرفۃ کا اپنی تصنیف "خلاصۃ الکلام فی بیان امراء البلد الحرام" میں وہابیہ کے تمسکات پر رد و قدح دلائل واضحہ اور براہین باہرہ کے ساتھ احقاقِ حق اور ابطال باطل کا بیان صداقت نشان ۔

اگرچہ امام موصوف کی وہابیہ کے رد میں ایک مستقل کتاب ہے لیکن اس کتاب میں جو کچھ انہوں نے بیان فرمایا ہے وہی کافی شافی ہے اور روائے مقصود میں وافی ہے لہذا میں اسی کو تمام نقل کرتا ہوں ۔ اگرچہ باب اول اور ثانی میں مذکور بعض ابحاث کی تکرار ہوجائے گی لیکن اس مبحث میں ان کا یہ بیان تمام واجب الذکر امور کو جامع و محیط ہے ؛ فرماتے ہیں ۔

شبہات تمسکات وہابیہ کا بیان ۔

سب سے پہلے مناسب یہ ہے کہ ان شبہات کو ذکر کریں جن کا سہارا لے کر ابن عبد الوہاب نے لوگوں کو گمراہ کیا پھر ان کا رد اور جواب وافی ذکر کریں گے اور یہ حقیقت کھل کر سامنے آئے گی کہ جو کچھ اس نے مقام استدلال میں پیش کیا ہے وہ کذب و افتراء ہے اور عوام موحدین کو التباس و اشتباہ میں ڈالنے کی ناپاک سعی ہے ۔

شبہ اولیٰ ۔ اس کا دعویٰ یہ ہے کہ لوگ آنحضرت کے ساتھ توسل و استغاثہ اور دیگر انبیاء و اولیاء کے ساتھ استعانت کی وجہ سے نیز ان کے مزارات کی زیارت اور آپ کو یا رسول اللہ کہہ کر پکارنے اور شفاعت طلب کرنے کی وجہ سے مشرک ہیں ۔ اور محمد بن عبد الوہاب کا گمان ہے کہ یہ جملہ امور شرک ہیں اور اسی زعم فاسد کے تحت جو آیات کلام مجید کفار و مشرکین کے حق میں نازل ہوئی تھیں ان کو عوام و خواص مومنین پر چسپاں کر دیا ۔

۱۔ مثلاً قول باری تعالے ۔ فَلَا تَدْعُوْا مَعَ اللّٰهِ اَحَدًا ؛
اللہ تعالے کے ساتھ کسی کو مت پکارو اور پوجو ۔

۲۔ وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ يَّدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَنْ لَّا يَسْتَجِيْبُ لَهٗ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ وَهُمْ عَنْ دُعَآئِهِمْ غٰفِلُوْنَ ۔
اور کون زیادہ گمراہ ہے ان لوگوں سے جو اللہ تعالے سے تجاوز کر کے ایسے غیر اللہ کی عبادت کرتے ہیں جو ان کو قیامت تک جواب نہیں دیں گے اور وہ ان کی پکار و عبادت سے غافل ہیں ۔

۳۔ وَاِذَا حُشِرَ النَّاسُ كَانُوْا لَهُمْ اَعْدَآءً وَّكَانُوْا بِعِبَادَتِهِمْ كٰفِرِيْنَ ۔
اور جب ان لوگوں کو بروز قیامت اٹھایا جائے گا تو وہ معبودات ان کے دشمن بن جائیں گے اور ان کی عبادت کا انکار کریں گے ۔

یہ آیات اور اس مضمون کی دوسری جتنی آیات مبارکہ ہیں ان سب کو اہلِ ایمان اور موحدین کاملین پر چسپاں کر دیا۔ محمد بن عبدالوہاب کا دعویٰ ہے کہ جس شخص نے نبی اکرم اور دیگر انبیاء و صالحین کے ساتھ استغاثہ و توسل کیا ان کو پکارا اور ان سے شفاعت کا سوال کیا وہ ان مشرکین کی مانند ہو گیا اور عموم آیات میں داخل ہو گیا اور قبرِ انور۔ روضہ مطہرہ کی زیارت کو بھی شرک میں داخل کر دیا۔

ارشاد باری تعالےٰ جو قول کفار سے حکایت ہے اور عبادات اصنام کے عذر پر مشتمل ہے۔ مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَا اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰىٓ " ہم اصنام کی عبادت صرف اس لیے کرتے ہیں کہ وہ ہمیں اللہ تعالےٰ کے قریب کر دیں (نہ کہ ان کی ذات بذات خود ہماری معبود ہیں)، اس کو بھی اہلِ ایمان پر منطبق کرتے ہوئے کہا کہ مقربانِ بارگاہِ خداوندی سے توسل و استعانت کرنے والے بھی انہیں مشرکین کی مانند ہیں۔ کیونکہ مشرکین نے اصنام و اوثان میں کبھی خالقیت کی صفت ثابت نہیں کی۔ بلکہ وہ خالق صرف اللہ تعالےٰ کو مانتے تھے جیسے کہ قرآن مجید شہادت دے رہا ہے۔

۱۔ قول باری تعالیٰ وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَهُمْ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ۔

اگر ان سے دریافت کرو تمہارا خالق کون ہے تو وہ کہیں گے اللہ تعالےٰ۔

۲۔ قول باری تعالےٰ وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ۔

اگر ان سے دریافت کرو کہ آسمانوں اور زمین کا خالق کون ہے تو وہ ضرور کہیں گے اللہ تعالےٰ۔

پھر بھی اللہ تعالےٰ نے ان کو کافر و مشرک قرار دیا ہے تو محض ان کے قول لِيُقَرِّبُوْنَآ اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰىٓ، کی وجہ سے لہٰذا جملہ موحدین متوسلین بھی انہیں مشرکین کی مانند ہیں۔ یہ ہے محمد بن عبدالوہاب اور اس کے متبعین کا طرزِ استدلال اور اندازِ احتجاج۔

ابطال شبہ:۔ یہ حجت باطلہ ہے اور شبہ واہیہ کیونکہ اہلِ ایمان نے انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام کو نہ الٰہ اور معبودات اعتقاد کیا ہے اور نہ اللہ تعالےٰ کا شریک بلکہ ان کا عقیدہ ہے کہ وہ اللہ تعالےٰ کے بندے اور اس کی مخلوق ہیں نہ مستحق عبادت ہیں اور نہ کسی چیز کی ایجاد و تخلیق پر قادر نہ نفع و نقصان میں مستقل۔

ان کا مقصد صرف ان سے برکت کا حصول ہوتا ہے کیونکہ یہ اللہ تعالےٰ کے محبوب ہیں اور مقربانِ بارگاہِ ناز۔ جن کو جملہ مخلوق سے اس نے امتیازی حیثیت اور مقام اجتبائ و اصطفائ پر سرفرازی بخشی ہے اور وہ ان کی برکت سے اپنے بندوں پر رحم و کرم فرماتا ہے۔ اور فیض و برکت حاصل کرنے کا جواز بے شمار شواہد و دلائل سے ثابت ہے جو کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں موجود ہیں اور ہم عنقریب ان میں سے اکثر کو بیان کریں گے۔

اہل ایمان کے عقیدہ اور اہل اصنام کے عقیدہ میں فرق کا بیان

اہلِ اسلام کا عقیدہ تو یہ ہے کہ خالق، نافع اور ضار صرف اللہ تعالےٰ ہے۔ وہی عبادت کا مستحق ہے اور مؤثر بھی فقط اسی کی ذات والاصفات ہے۔

اور بت پرستوں کا عقیدہ یہ ہے کہ اصنام آلہہ ہیں اور آلہہ کا معنیٰ مستحق عبادت ہے لہٰذا وہ اپنے اصنام کو عبادت کا حقدار سمجھتے تھے اور اسی عقیدہ نے ان کو ورطہ شرک میں مبتلا کیا۔ جب ان پر حجت قائم کی جاتی (کہ لائق عبادت وہ ذات ہے جو نفع و نقصان کی مالک ہے اور) اصنام و اوثان نفع و نقصان کے مالک نہیں ہیں تو وہ جواب میں کہتے ہم ان کی عبادت صرف اس لیے کرتے ہیں کہ ہمیں اللہ تعالےٰ کا مقرب بنا دیں۔ لہٰذا محمد بن عبدالوہاب اور اس کے متبعین کے لیے یہ کیوں کر جائز ہے کہ وہ مومنین مخلصین کو ان مشرکین کی مثل بتائیں جو اصنام کی الوہیت اور استحقاقِ عبادت کے قائل ہیں۔

آیات کا صحیح محمل

جب اہلِ اسلام اور بت پرست لوگوں کے عقائد کا باہم تفاوت معلوم ہو گیا تو یہ امر بھی واضح ہو گیا کہ نجدی کی پیش کردہ آیات اور ان کے مماثل دوسری آیات کا مصداق صرف کفار و مشرکین ہیں اور مومنین موحدین اس میں داخل نہیں ہیں۔ کیونکہ وہ غیر اللہ کی الوہیت اور استحقاقِ عبادت کے قائل نہیں ہیں۔

نجدی کا خارجی ہونا

بخاری شریف میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ خوارج کی علامت یہ ہے کہ وہ ان آیات کو جو کہ کفار و مشرکین کے حق میں نازل ہوئی ہیں اہلِ ایمان پر چسپاں کرتے ہیں؎ اور یہ علامت اور امتیازی نشان ابن عبدالوہاب اور اس کے متبعین پر صادق آتا ہے۔

توسل کا ثبوت از نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم و صحابہ کرام علیہم الرضوان

اہل اسلام جس توسل و استعانت اور استغاثہ وغیرہ کے قائل ہیں اگر وہ شرک ہوتا تو سرورِ دو عالم ہادی کونین صلی اللہ علیہ وسلم سے قطعاً صادر نہ ہوتا اور نہ صحابہ کرام علیہم الرضوان اور اسلاف و اخلاف سے حالانکہ وہ سارے توسل کرتے رہے ہیں۔

۱۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعاء مبارک یہ تھی " اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ بِحَقِّ السَّائِلِيْنَ عَلَيْكَ " اے اللہ میں تجھ سے تیرے درِ اقدس پر سائل بن کر حاضر ہونے والوں کے وسیلہ سے سوال کرتا ہوں۔ اور یہ صریح توسل ہے جس میں ریب و تردد اور شک و شبہ کی گنجائش نہیں ہے۔

یہی دعا مقتداء انام علیہ السلام نے اپنے صحابہ کرام کو سکھائی اور ان کو اس کا امر فرمایا۔ ابن ماجہ میں حضرت ابوسعید

؎ اس روایت کی اصل عبارت یہ ہے۔ کان ابن عمر یراہم شرار خلق اللہ و قال انہم انطلقوا الی ایات نزلت فی الکفار فجعلوھا علی المومنین حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما ان کو ساری مخلوق سے بدتر سمجھتے تھے اور فرماتے کہ وہ ان آیات کی طرف چلے گئے ہیں جو کفار اور ان کے معبودات کے حق میں نازل ہوئی ہیں پس ان کو اہلِ ایمان پر چسپاں کر دیا۔ یہ تھی خوارج کی علامت جو اس وقت صرف اور صرف اس نجدی ٹولہ میں نظر آتی ہے۔ ملاحظہ ہو۔ بخاری شریف۔ ج ۲ (محمد شریف سیالوی)

خدری رضی اللہ عنہ سے صحیح سند کے ساتھ ثابت ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اپنے گھر سے نماز کے لیے نکلے اور کہے۔

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ بِحَقِّ السَّائِلِيْنَ عَلَيْكَ وَاَسْئَلُكَ بِحَقِّ مَمْشَایَ هٰذَا اِلَيْكَ فَاِنِّیْ لَمْ اَخْرُجْ اَشَرًا وَلَا بَطَرًا وَّلَا رِيَاءً وَّلَا سُمْعَةً خَرَجْتُ اِتِّقَاءَ سُخْطِكَ وَابْتِغَاءَ مَرْضَاتِكَ فَاَسْئَلُكَ اَنْ تُعِيْذَنِیْ مِنَ النَّارِ وَاَنْ تَغْفِرَلِیْ ذُنُوْبِیْ فَاِنَّهٗ لَا يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اَنْتَ۔

اے اللہ میں تجھ سے سوال کرتا ہوں ان لوگوں کے وسیلہ سے جو مجسم سوال بن کر تیرے حضور حاضر ہونے والے ہیں اپنے ان قدموں کے وسیلہ سے جو تیری بارگاہ بیکس پناہ کی طرف اٹھے ہیں کیونکہ میں نہ فخر و ناز کی خاطر نکلا ہوں اور نہ ریاکاری اور دکھاوے کی خاطر میں محض تیری ناراضگی سے بچنے اور تیری رضا مندی حاصل کرنے کیلئے نکلا ہوں۔ تو میں تجھ سے یہ سوال کرتا ہوں کہ مجھے عذاب نار سے بچالے۔ اور میرے تمام گناہ معاف فرمادے۔ کیونکہ صرف تو ہی گناہوں کا بخشنے والا ہے۔

تو اللہ تعالیٰ اس کی طرف خصوصی توجہ فرمائے گا اور ستر ہزار فرشتے اس کے لیے استغفار کریں گے۔

نیز اس دعا کو ابن ماجہ کے علاوہ امام سیوطی نے جامع کبیر میں نقل فرمایا ہے۔ اور دیگر بے شمار ائمہ دین نے اپنی کتابوں میں نماز کی طرف نکلتے وقت کی مسنون دعا کو بیان کرتے ہوئے ذکر فرمایا ہے۔ بلکہ بعض نے تو یہاں تک تصریح فرمائی ہے کہ اسلاف میں کوئی ایسا فرد نہیں تھا جو نماز کے لیے نکلتے وقت یہ دعا نہ کرتا ہو۔ بحق السائلین علیک کے الفاظ پر غور کیجئے اس میں تمام عام اہلِ ایمان کے ساتھ توسل ہے چہ جائے کہ خواص اور اخص الخواص (کے ساتھ توسل کے جواز میں شک و شبہ کیا جائے)

ابن اسنی نے اسناد صحیح کے ساتھ موذن رسول صلی اللہ علیہ وسلم حضرت بلال سے نقل فرمایا ہے کہ جب رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے لیے باہر تشریف لاتے تو کہتے۔

بِسْمِ اللّٰهِ آمَنْتُ بِاللّٰهِ وَتَوَكَّلْتُ عَلَى اللّٰهِ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ بِحَقِّ السَّائِلِيْنَ عَلَيْكَ وَبِحَقِّ مَخْرَجِیْ هٰذَا فَاِنِّیْ لَمْ اَخْرُجْ بَطَرًا وَّلَا اَشَرًا وَّلَا رِيَاءً وَّلَا سُمْعَةً خَرَجْتُ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِكَ وَاتِّقَاءَ سُخْطِكَ۔ اَسْئَلُكَ اَنْ تُعِيْذَنِیْ مِنَ النَّارِ وَاَنْ تُدْخِلَنِی الْجَنَّةَ۔

اسی روایت کو حافظ ابو نعیم نے عمل الیوم واللیلہ میں ابو سعید خدری رضؓ سے نقل کیا ہے اور امام بیہقی نے کتاب الدعوات میں حضرت ابو سعید رضؓ سے روایت کیا۔ الغرض محل استدلال قول نبوی "بحق السائلین علیک" ہے کیوں یہ توسل و استغاثہ ہے جو نبی الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم سے صادر ہوا اور آپ نے صحابہ کرام علیہم السلام کو اس کا حکم دیا۔ اور تابعین، تبع تابعین اور بعد میں آنے والے جملہ اسلاف نماز کی طرف نکلتے وقت اس دعا پر عمل کرتے رہے اور ان پر کسی نے اعتراض و انکار نہ کیا۔

۲۔ سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے توسل کی دوسری روایت وہ ہے جس کو طبرانی نے کبیر اور اوسط میں نقل کیا ابن حبان

نے اپنی صحیح میں اور حاکم نے مستدرک میں ذکر کرکے اس کو صحیح قرار دیا ہے۔ اس میں الفاظ یہ ہیں۔

اِغْفِرْ لِاُمِّیْ فَاطِمَةَ بِنْتِ اَسَدٍ وَّوَسِّعْ عَلَيْهَا مُدْخَلَهَا بِحَقِّ نَبِيِّكَ وَالْاَنْبِيَاءِ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِیْ

تفصیلی روایت ملاحظہ ہو۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب فاطمہ بنت اسد رضی اللہ عنہا کا وصال ہوا۔ انہوں نے حبیب کریم علیہ السلام کی تربیت فرمائی تھی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی والدہ تھیں۔ ان کے ہاں سرور کونین تشریف لائے۔ ان کے سرہانے تشریف فرما ہوئے۔ اور فرمایا اے میری حقیقی والدہ کے بعد دوسری والدہ! اللہ تعالیٰ تم پر رحم فرمائے حضرت انس نے نبی کریم علیہ السلام کے ثنائیہ کلمات۔ اپنی چادر مبارک میں ان کو کفن دینے اور ان کی قبر کھودنے اور وسیع کرنے کا حکم ذکر کرنے کے بعد فرمایا کہ جب قبر کھودنے والے لحد تک پہنچے تو پھر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کدال وغیرہ ان کے ہاتھ سے لے کر خود لحد کھودی اور مٹی کو اپنے دستِ مبارک سے باہر نکالا جب کھدائی سے فارغ ہوئے تو لحد میں داخل ہو کر لیٹ گئے پھر دعا کی۔

اَللّٰهُ الَّذِیْ يُحْيِیْ وَيُمِيْتُ وَهُوَ حَیٌّ لَّا يَمُوْتُ اِغْفِرْ لِاُمِّیْ فَاطِمَةَ بِنْتِ اَسَدٍ وَّوَسِّعْ عَلَيْهَا مُدْخَلَهَا بِحَقِّ نَبِيِّكَ وَالْاَنْبِيَاءِ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِیْ فَاِنَّكَ اَرْحَمُ الرَّاحِمِيْنَ۔

اے بار الٰہ جو حیات و موت کا مالک ہے اور بذاتِ خود ازلاً ابداً زندہ ہے اور موت سے مبرّا۔ میری ماں فاطمہ بنت اسد کی مغفرت فرما۔ اور ان کی قبر کو وسیع فرما بطفیل اپنے نبی اکرم کے اور مجھ سے پہلے انبیاء علیہم السلام کے کیونکہ تو ہی ارحم الراحمین ہے۔

ابن ابی شیبہ نے حضرت جابر سے اسی طرح نقل کیا ہے۔ اور امام ابن عبد البر نے حضرت عبد اللہ بن عباس سے اسے نقل فرمایا۔ ابو نعیم نے حلیہ میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے اور ان تمام روایات کو حافظ جلال الدین سیوطی نے جامع کبیر میں ذکر کیا ہے۔

۳۔ تیسری حدیث نبوی جس میں توسل کی تصریح موجود ہے اس کو ترمذی و نسائی اور بیہقی و طبرانی نے اسناد صحیح کے ساتھ حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے۔

کہ ایک نابینا شخص بارگاہِ رسالت مآب علیہ افضل الصلوات میں حاضر ہوا اور عرض کیا اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ مجھے اندھے پن اور نابینائی سے عافیت بخشے۔ آپ نے فرمایا چاہو تو صبر کرو وہ زیادہ بہتر ہے۔ اور چاہو تو میں دعا کر دیتا ہوں۔ اس نے عرض کیا آپ ضرور دعا فرمادیں۔ آپ نے اسے اچھی طرح وضو کرنے کا حکم دیا۔ اور ان دعائیہ کلمات کے ساتھ دعا کرنے کا۔

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ وَاَتَوَجَّهُ اِلَيْكَ بِنَبِيِّكَ مُحَمَّدٍ نَّبِیِّ الرَّحْمَةِ يَا مُحَمَّدُ اِنِّیْ اَتَوَجَّهُ بِكَ اِلٰى رَبِّیْ فِیْ حَاجَتِیْ لِتُقْضٰى اَللّٰهُمَّ شَفِّعْهُ فِیَّ ؛

اے اللہ میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اور تیری طرف تیرے نبی مکرم محمد نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ جلیلہ

سے متوجہ ہوتا ہوں۔ اے محمد! صلی اللہ علیہ وسلم میں آپ کے وسیلہ سے اپنے رب کی طرف اپنی اس حاجت میں متوجہ ہوتا ہوں تاکہ اسے پورا کیا جائے اے اللہ انہیں میرا شفیع بنا اور قبول الشفاعت بنا جب وہ دعا مانگ کر واپس آیا تو بینا ہو چکا تھا۔

اور ایک روایت میں ہے کہ عثمان بن حنیف فرماتے ہیں۔ بخدا ہم ابھی اسی طرح مصروف گفتگو تھے اور کوئی دیر نہ گذری تھی اور اپنی جگہ سے اٹھنے بھی نہ پائے تھے کہ وہ شخص ہمارے ہاں واپس آیا اور یوں معلوم ہوتا تھا کہ اسے کبھی کوئی نابینائی والی تکلیف ہوئی ہی نہیں تھی۔ اس حدیث کو امام بخاری نے تاریخ میں۔ حاکم نے مستدرک میں اور ابن ماجہ نے سنن میں اور امام سیوطی نے جامع کبیر و صغیر میں ذکر کیا ہے۔ اس حدیث پاک میں توسل بھی ہے اور نداء و پکار بھی جب کہ نجدی ان دونوں کا منکر و مخالف ہے۔ اور ایسے لوگوں کو کافر و مشرک قرار دیتا ہے۔

شبہ کا ازالہ: نجدی کو یہاں اس توجیہ و تاویل کی گنجائش نہیں کہ یہ توسل اور نداء و پکار آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ مبارکہ میں تھے کیونکہ اس دعا پر صحابہ کرام اور تابعین نے آپ کے وصال شریف کے بعد بھی عمل کیا ہے اور قضا حاجات میں اس کو استعمال فرمایا۔

۴۔ طبرانی اور بیہقی نے روایت کیا ہے کہ ایک شخص حضرت عثمان ذی النورین رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں بار بار ان کی خدمت حاضر ہوتا تھا مگر آپ نہ اس کی طرف توجہ فرماتے اور نہ ہی اس کی حاجت و ضرورت پر نظر فرماتے۔ اس نے حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ سے آپ کی بے اعتنائی کی شکایت کی۔ آپ نے فرمایا غسل خانہ میں جاکر اچھی طرح وضوء کرو۔ پھر مسجد میں آکر دو رکعت نفل ادا کرو پھر ان دعائیہ کلمات کے ساتھ دعا کرو۔

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ وَاَتَوَجَّهُ اِلَيْكَ بِنَبِيِّنَا مُحَمَّدٍ نَبِيِّ الرَّحْمَةِ يَا مُحَمَّدُ اِنِّیْ اَتَوَجَّهُ بِكَ اِلٰى رَبِّكَ لِتَقْضِىْ حَاجَتِىْ۔

اور حاجتی کی جگہ اپنی ضرورت کا ذکر کرنا۔ اس آدمی نے ان کے فرمانے کے مطابق عمل کیا۔ پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دروازہ پر حاضر ہوا تو دربان نے اس کا ہاتھ پکڑ کر حضرت ذی النورین کی خدمت میں پہنچا دیا۔ آپ نے اسے اپنے ساتھ بٹھایا اور فرمایا کہئے کیا کام ہے؟ اس نے حاضری کا مقصد عرض کیا آپ نے اس کو پورا فرما دیا۔ اور ساتھ ہی فرمایا جو کام بھی تمہیں درپیش ہو میرے پاس آجایا کرو میں ضرور کر دیا کروں گا۔

وہ شخص بارگاہِ خلافت سے باہر نکلا تو حضرت عثمان بن حنیف سے ملاقات ہوگئی۔ انہیں عرض کیا آپ کا شکریہ اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر دے۔ پہلے تو وہ میرے ساتھ کلام بھی نہیں کرتے تھے اور ذرہ بھر توجہ نہیں فرماتے تھے لیکن آپ کی سفارش پر انہوں نے میرا کام بھی کر دیا ہے (اور عزت و اکرام سے بھی پیش آئے ہیں) آپ نے فرمایا۔ بخدا میں نے قطعاً تمہارے معاملہ میں ان سے بات چیت نہیں کی۔ البتہ میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھا کہ ایک نابینا حاضر ہوا

اور بینائی کے لیے دعا کے متعلق عرض کیا۔ آپ نے اس کو یہ دعا سکھلائی اور اس کی حاجت بر آئی لہٰذا میں نے تمہاری حاجت بر آری اور مشکل کشائی کے لیے وہی دعا بتا دی۔

الحاصل اس حدیث صحیح (اور تعامل عثمان و آل عثمان و اہلِ مدینہ) سے بعد از وصال نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ توسل و استغاثہ اور نداء و پکار کا جواز واضح ہو گیا۔

(۵) بیہقی اور ابن ابی شیبہ نے اسناد صحیح کے ساتھ نقل فرمایا ہے "کہ لوگ خلافت فاروق اعظم رضی اللہ عنہم میں قحط سالی کا شکار ہو گئے۔ بلال بن الحارث المزنی رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر انور پر حاضر ہوئے اور عرض کیا۔

يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِسْتَسْقِ لِاُمَّتِكَ فَاِنَّهُمْ هَلَكُوْا یا رسول اللہ اپنی امت کے لیے بارش کی دعا فرمائیے کیوں کہ وہ ہلاکت کے قریب پہنچ چکے ہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو خواب میں شرفِ دیدار سے مشرف فرمایا۔ اور نزول باراں کا مژدہ سنایا۔

شبہ کا جواب: یہاں حضرت بلال کے خواب اور زیارت نبوی سے استدلال مقصود نہیں کیونکہ آپ کی زیارت بے شک حق ہے اور توہم اقتباس و اشتباہ سے منزہ ہے لیکن اس سے احکام ثابت نہیں ہو سکتے کیونکہ رویت نبوی کا یقین ہونا آپ کے فرمان سمجھنے اور کلام کو یاد رکھنے کی قطعیت کو مستلزم نہیں، ہو سکتا ہے زیارت کرنے والے کو کلام یاد رکھنے میں اور اس کے سمجھنے میں اشتباہ واقع ہو گیا ہو۔

بلکہ استدلال کا دار و مدار حضرت بلال بن الحارث کے بیداری والے فعل پر ہے وہ اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے ہیں ان کا حاضر بارگاہ ہو کر آپ کو پکارنا اور امت کے لیے استسقاء کی التجاء کرنا ان امور کے جواز کی دلیل بین ہے اور یہی توسل و استغاثہ اور توجہ و تشفع ہے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ۔ اور یہ عظیم ترین عبادات اور قربات الٰہیہ سے ہے۔

(۶) آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ان کے اور تمام انبیاء و رسل کے باپ حضرت ابو البشر آدم علیہ السلام نے آپ کی ولادت باسعادت سے قبل توسل کیا جب کہ شجرہ ممنوعہ سے غیر ارادی طور پر کھا بیٹھے۔ بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ قول باری تعالےٰ "فَتَلَقّٰۤى اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ" (سیکھ لیے آدم علیہ السلام نے اپنے رب کریم سے چند کلمات جن کے وسیلہ سے دعا کرنے پر اللہ تعالیٰ نے ان پر نظر رحمت فرمائی) میں کلمات سے حضرت آدم کا سرور دو عالم فخر آدم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ توسل کرنا مراد ہے۔

(۷) امام بیہقی نے سند صحیح کے ساتھ اپنی شہرۂ آفاق کتاب دلائل النبوت میں روایت نقل فرمائی ہے اور یہ ایسی کتاب ہے جس کے متعلق حافظ ذہبی فرماتے ہیں عَلَيْكَ بِهٖ فَاِنَّهٗ كُلُّهٗ هُدًى وَّنُوْرٌ۔ اس کتاب کا مطالعہ اور حفظ و

ضبط لازمی ہے کیونکہ یہ ساری کتاب مجسم ہدایت اور نور ہے۔

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول خدا علیہ التحیۃ والثناء نے فرمایا۔ جب آدم علیہ السلام خطاء ولغزش کے مرتکب ہوئے۔ تو جنابِ الٰہی میں عرض کیا "یَارَبِّ اَسْئَلُكَ بِحَقِّ مُحَمَّدٍ اِلَّا مَاغَفَرْتَ لِی" اے میرے پروردگار میں تجھ سے بوسیلۂ محمد صلی اللہ علیہ وسلم سوال کرتا ہوں کہ میری مغفرت فرما، تو اللہ تعالےٰ نے فرمایا اے آدم تم نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو کیسے پہچان لیا حالانکہ میں نے ابھی ان کے وجودِ عنصری کو پیدا نہیں کیا انہوں نے عرض کیا اے ربِ کریم جب تو نے مجھے خلعتِ وجود عطا فرمائی اور زندگی بخشی اور میں نے اپنا سر بلند کیا تو عرش کے پائے میری نگاہ کے سامنے تھے ان پر لکھا ہوا دیکھا:-

لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ

تو مجھے یقین ہو گیا کہ تو نے اپنے نامِ اقدس کے ساتھ اسی ذاتِ والا کا نام لکھوایا ہے جو تجھے ساری مخلوق سے زیادہ محبوب و مرغوب ہے۔ اللہ تعالےٰ نے فرمایا۔ اے آدم تم نے درست کہا ہے بے شک وہ مجھے سب سے زیادہ محبوب ہیں اور چونکہ تم نے ان کا واسطہ دیا ہے اور ان کا وسیلہ پکڑا ہے لہٰذا میں نے تمہیں بخش دیا ہے۔

وَلَوْلَا مُحَمَّدٌ مَا خَلَقْتُكَ ۔ اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم نہ ہوتے تو میں تمہیں پیدا نہ کرتا۔

اس روایت کو حاکم نے مستدرک میں ذکر کیا ہے اور اس کی تصحیح کی ہے اور طبرانی نے بھی اس کو روایت کیا ہے اور اس میں اتنا قدر زائد ذکر کیا ہے۔ وَهُوَ آخِرُ الْاَنْبِيَاءِ مِنْ ذُرِّيَّتِكَ :: وہ تمہاری اولاد میں سے آخری نبی ہیں۔

(۸) امام مالک علیہ الرحمۃ کا فتویٰ جوازِ توسل سے متعلق۔

بنو العباس کے خلیفہ ثانی منصور نے جب حج کیا اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مزار اقدس کی زیارت کی اس وقت امام مالک مسجد شریف میں موجود تھے چنانچہ منصور نے ان سے دریافت کیا۔ اے ابا عبداللہ میں قبلہ رو ہو کر دعا کروں یا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف متوجہ ہو کر۔

امام مالک نے جواب میں فرمایا اے خلیفۃ المسلمین آپ اپنا منہ بارگاہِ رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کیوں پھیرتے ہیں حالانکہ وہ آپ کے اور آپ کے باپ حضرت آدم علیہ السلام کے وسیلہ ہیں۔ آپ حضور کی طرف منہ کر کے شفاعت کی بھیک مانگیں تاکہ اللہ تعالےٰ آپ کو حضور کی شفاعت نصیب کرے۔

ارشادِ خداوندِ تبارک وتعالےٰ ہے۔

وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَلَمُوْا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا ::

اگر وہ اپنی جانوں پر ظلم و زیادتی کر بیٹھیں پھر تمہاری بارگاہ میں حاضر ہو جائیں پس اللہ تعالےٰ سے استغفار

کریں اور رسول خدا بھی ان کے لیے دعائے مغفرت کریں تو یقیناً وہ اللہ تعالےٰ کو توبہ قبول کرنے والا اور انعامات سے نوازنے والا پائیں گے۔

امام مالک رحمہ اللہ کے اس جواب کو قاضی عیاض علیہ الرحمہ نے اسناد صحیح کے ساتھ شفا شریف میں نقل کیا ہے۔ امام سبکی نے اس کو شفاء السقام فی زیارۃ خیر الانام میں۔ علامہ سید سمہودی نے خلاصۃ الوفاء میں۔ علامہ قسطلانی شارح بخاری نے مواہب لدنیہ میں، علامہ ابن حجر نے تحفۃ الزوار اور الجوہر المنظم میں۔ اور ان کے علاوہ بے شمار اکابرین ملت، ائمہ دین اور محدثین کرام نے آدابِ زیارت نبوی میں اس حکایت کو نقل کیا ہے۔ علامہ ابن حجر جوہر منظم میں فرماتے ہیں کہ امام مالک علیہ الرحمۃ سے یہ روایت سند صحیح کے ساتھ ثابت ہے اس میں طعن و تشنیع کی گنجائش نہیں ہے۔ علامہ زرقانی نے شرح مواہب میں فرمایا۔ کہ اس روایت کو ابن فہد نے سند جید کے ساتھ نقل کیا ہے۔ قاضی عیاض نے شفا شریف میں اسناد صحیح کے ساتھ اس کو نقل کیا ہے اس کے اسناد میں جتنے راوی ہیں وہ سب ثقہ ہیں ان میں کوئی وضاع اور کذاب نہیں ہے۔ اور ان کا مقصد ان تصدیقات سے یہ ہے کہ ان لوگوں کے وہم و گمان فاسد کا رد کریں جنہوں نے اس روایت کی صحت سے انکار کیا۔ اور امام مالک علیہ الرحمہ کی طرف دعا میں مزار انور کی طرف متوجہ ہونے کی کراہت منسوب کی ہے لہٰذا یہ کراہت کے قول والی روایت مردود اور ناقابلِ اعتبار ہے۔

(۹) حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانۂ خلافت میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کے ساتھ توسل فرمایا جب کہ رمادہ کے سال لوگ سخت قحط کا شکار ہو گئے اور انہیں اس توسل کی بدولت بارانِ رحمت عطا کی گئی۔ یہ حدیث بخاری شریف میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے منقول ہے اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے وسیلہ سے دعا کرنا ہی توسل کے جواز کی بیّن دلیل ہے (جب کہ دعا کرنے والے حضرت عمر اور آمین کہنے والے اور ان سے اتفاق کرنے والے تمام مہاجرین وانصار ہیں)۔

بلکہ مواہب لدنیہ میں علامہ قسطلانی نقل فرماتے ہیں کہ جب حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے ساتھ استسقاء کیا تو لوگوں کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا اے لوگو! رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم حضرت عباس کی اس قدر تعظیم و تکریم فرماتے تھے جس قدر بیٹا باپ کی، تو تم بھی سرور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء کرتے ہوئے ان کا حقِ تعظیم و تکریم بجا لاؤ۔ اور انہیں اللہ تعالےٰ کی جناب میں وسیلہ بناؤ۔ وَاتَّخِذُوْهُ وَسِيْلَةً اِلَى اللّٰهِ تعالےٰ۔ اس سے زیادہ توسل کی تصریح کیا ہو گی؟

تفریعات :: اس روایت سے ان لوگوں کا قول باطل ہو گیا جو علی الاطلاق توسل کا انکار کرتے ہیں اور اسے ممنوع ٹھہراتے ہیں خواہ زندہ مقربانِ بارگاہِ خداوندی سے ہو یا فوت شدہ محبوبانِ خداوندِ کریم کے ساتھ۔

نیز ان لوگوں کا زعم فاسد بھی اس سے باطل ہو گیا جو صرف نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ توسل جائز رکھتے ہیں یا دوسرے

انبیاء ورسل کے ساتھ اور اولیاء کرام اور صلحاء امت کے ساتھ توسل واستغاثہ جائز نہیں رکھتے کیونکہ حضرت فاروق اعظم کا فعل وعمل حجت شرعیہ ہے رسول معظم علیہ السلام نے فرمایا۔

"اِنَّ اللّٰہَ جَعَلَ الْحَقَّ عَلٰی لِسَانِ عُمَرَ وَقَلْبِہٖ"

بے شک اللہ تعالےٰ نے عمر بن الخطاب کی زبان اور دل میں حق وصداقت کو دولیعت فرمادیا ہے۔

اس روایت کو امام احمد نے مسند میں حضرت عبداللہ بن عمر اور دیگر صحابہ سے روایت کیا ہے۔ اور طبرانی نے کبیر میں۔ اور ابن عدی نے کامل میں حضرت فضل بن عباس سے نقل کیا کہ رسول محتشم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

عُمَرُ مَعِی وَاَنَا مَعَ عُمَرَ وَالْحَقُّ بَعْدِی مَعَ عُمَرَ حَیْثُ کَانَ۔

حضرت عمر میرے ساتھ ہیں اور میں ان کا ساتھی ہوں اور حق وصداقت میرے بعد عمر کے ساتھ ہے جہاں کہیں بھی وہ ہوں۔ اور یہ حدیث اس حدیث پاک کی مانند ہے۔ جو حیدرِ کرار شیرِ خدا علی المرتضےٰ رضی اللہ عنہ کے حق میں وارد ہے۔ اَدِرِ الْحَقَّ مَعَہٗ حَیْثُ دَارَ "اے اللہ حق وصدق کو علی کے ساتھ دائر وسائر رکھ جہاں بھی وہ ہوں اور یہ حدیث صحیح ہے جس کو بہت سے اصحابِ سنن نے ذکر کیا ہے۔

الغرض حضرت عمر بن الخطاب اور حضرت علی المرتضےٰ رضی اللہ عنہما میں سے ہر ایک کے ساتھ حق ہے جہاں وہ ہوں گے وہیں حق وصداقت ہوں گے۔ اور یہ دونوں احادیث ان اَدِلّہ سے ہیں جن سے اہل السنت والجماعت نے خلفاء اربعہ رضی اللہ عنہم کی صحت وحقانیت پر استدلال کیا ہے کیونکہ حضرت علی خلفاء ثلاثہ کے ساتھ تھے اور قطعاً خلافت کے معاملہ میں ان کے ساتھ نزاع نہیں کیا۔ جب دورِ خلافت ان کی طرف دائر ہوا تو جس نے اختلاف ونزاع کا راستہ اختیار کیا آپ نے ان کے ساتھ قتال وجہاد کیا۔

نیز حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس توسل کے حجت شرعی ہونے کی دلیل سید کونین صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد گرامی ہے "لَوْ کَانَ بَعْدِیْ نَبِیٌّ لَکَانَ عُمَرُ" اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو عمر بن الخطاب ضرور نبی ہوتے اس روایت کو امام احمد نے اپنی مسند میں اور دیگر محدثین نے حضرت عقبہ بن عامر ودیگر صحابہ رضی اللہ عنہم سے نقل فرمایا ہے۔

علاوہ ازیں طبرانی نے کبیر میں حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ محبوبِ خدا علیہ التحیۃ والثناء نے فرمایا "اِقْتَدُوْا بِالَّذِیْنَ مِنْ بَعْدِیْ اَبِیْ بَکْرٍ وَّعُمَرَ فَاِنَّھُمَا حَبْلُ اللّٰہِ الْمَمْدُوْدُ وَمَنْ تَمَسَّکَ بِھِمَا فَقَدْ تَمَسَّکَ بِالْعُرْوَۃِ الْوُثْقٰی لَا انْفِصَامَ لَھَا"

میرے بعد ابوبکر وعمر کی اقتدا کرنا یہ دونوں اللہ تعالےٰ کی زمین تک دراز کی ہوئی رسی ہیں اور وصول الی اللہ کا ذریعہ کامل۔ جس نے ان کا دامن تھام لیا اس نے گویا مضبوط اور ناقابل شکست ورسخت کنڈے کے ساتھ چنگل مارا ہے۔

سوال وجواب :۔ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے حضرت عباس کو استسقاء کا وسیلہ بنایا اور رسولِ گرامی صلی اللہ علیہ وسلم

کو وسیلہ نہ بنایا تو اس کی حکمت ومصلحت صرف یہ تھی کہ لوگوں پر واضح کریں کہ انبیاء کرام اور علی الخصوص نبی الانبیاء سے ہی توسل واستغاثہ کا جواز مختص نہیں ہے بلکہ دوسرے مقربانِ بارگاہِ ناز کے ساتھ بھی توسل جائز ہے۔ کیونکہ محبوب خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نزولِ باراں میں توسل ان کے نزدیک معروف ومشہور تھا۔ اگر صرف اسی پر عمل جاری رہتا تو عین ممکن تھا کہ بعض لوگ اس توہم کا شکار ہوجائیں کہ دوسرے کاملین وصالحین کے ساتھ توسل واستغاثہ جائز نہیں ہے لہٰذا حضرت فاروق اعظم اور حق وصداقت کے مظہر اتم نے اپنے عمل سے اس توہم کو بیخ وبن سے اکھیڑ دیا۔ اور اگر آپ صرف نبی الانبیاء علیہ التحیۃ والثناء کے ساتھ ہی توسل واستغاثہ پر اکتفاء فرماتے تو اس گمان وتوہم کی گنجائش ہوسکتی تھی کہ جوازِ توسل صرف ذاتِ نبوی تک محدود ومنحصر ہے۔

توہم کا ازالہ :۔ اس وہم وگمان کی قطعاً کوئی وجہ صحت نہیں ہے کہ حضرت عباس چونکہ زندہ تھے لہٰذا ان کے ساتھ توسل کیا اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ وفات پاچکے تھے لہٰذا آپ کے ساتھ توسل نہ کیا کیونکہ زندہ محبوبانِ خدا کے ساتھ توسل جائز ہے فوت شدہ مقبولانِ بارگاہ کے ساتھ جائز نہیں ہے۔ لیکن یہ زعم فاسد اور قول باطل کئی وجوہ اور ادلہ سے مردود ہے کیونکہ صحابہ کرام علیہم الرضوان کا آپ سے بعد از وصال توسل حضرت عثمان بن حنیف والی روایت سے ثابت ہے اور حضرت بلال بن الحارث کی روایت سے جن کا ذکر پہلے آچکا ہے۔ نیز حضرت آدم علیہ السلام کا آپ کی ذات والا صفات سے توسل کرنا جیسے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی روایت متقدمہ سے ثابت ہے۔ لہٰذا بعد از وصال توسل کے عدم جواز کا قول کیونکر درست ہوسکتا ہے جب کہ آپ کے وجود عنصری سے قبل آپ کے ساتھ توسل واستغاثہ ثابت ہے اور اب تو آپ مزار مقدس میں زندہ وسلامت موجود ہیں (نیز اہلِ کتاب کا آپ کے ظہور سے قبل آپ کے ساتھ توسل قرآن مجید میں مذکور ہے وَکَانُوْا مِنْ قَبْلُ یَسْتَفْتِحُوْنَ عَلَی الَّذِیْنَ کَفَرُوْا :۔ اہل کتاب اس سے قبل ان کی بدولت کفار پر فتح ونصرت کی دعائیں کیا کرتے تھے)۔

خلاصۃ المرام :۔ اس تفصیل سے نتیجہ یہ نکلا کہ حبیبِ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ توسل واستغاثہ جیسے حالتِ حیاتِ ظاہرہ میں جائز تھا ایسے ہی قبل از وجود عنصری اور بعد از وصال بھی جائز ہے۔ نیز آپ کے علاوہ دیگر احباء اللہ سے بھی توسل مشروع وصحیح ہے جیسے کہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے عمل سے واضح ہے۔

"نکاتِ حدیث"

نکتہ ۱ :۔ حضرت فاروق رضی اللہ عنہ نے حضرت عباس کو توسل کے لیے منتخب کیا اور دوسرے کسی صحابی کو اس اعزاز واکرام سے نہ نوازا تو اس میں مصلحت وحکمت یہ ہے کہ اہلِ بیتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا شرف وفضل ظاہر کیا جائے۔ (اور ان سے اپنی عقیدت اور قلبی تعلق ظاہر کیا جائے تاکہ باہم عداوت ودشمنی کے افسانوں کا قلع قمع ہوجائے)۔

نکتہ ۲ :۔ نیز حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہوتے ہوئے ان سے توسل فرما کر واضح کردیا کہ افضل کے ہوتے ہوئے مفضول سے توسل جائز ہے کیوں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ خلفاء ثلاثہ کے بعد بالاتفاق

تمام امت سے افضل واعلیٰ ہیں۔ ؎

نکتہ ع۳: بعض عرفاء نے فرمایا کہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی سرور کونین علیہ السلام کی بجائے حضرت عباس کے ساتھ توسل واستغاثہ میں ایک اور حکمت ومصلحت ہے اور وہ ہے آپ کی ضعفاء مومنین اور عوام اہل اسلام پر شفقت وعنایت کیونکہ اگر آپ محبوب کریم علیہ السلام کے ساتھ توسل اختیار کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے باران رحمت طلب کرتے تو بارش تو بہر حال اللہ تعالیٰ کے ارادے اور اس کی مشیت سے ہی نازل ہونی تھی تو اجابت کے تاخر کی صورت میں ضعیف الایمان لوگوں کے دلوں میں وسواس واضطراب پیدا ہونے کا امکان تھا۔ اور بغیر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ توسل کی صورت میں قبولیت واجابت میں تاخیر واقع ہونے کے باوجود اس قسم کے وسوسہ واضطراب کا امکان نہیں تھا۔

حاصل بحث: الحاصل اہل السنت والجماعت کا مذہب یہ ہے کہ نبی الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اور دیگر انبیاء ومرسلین علیہم السلام کے ساتھ حالت حیات ظاہرہ میں بھی توسل واستغاثہ جائز ہے اور بعد از وفات ووصال بھی اور علیٰ ہذا القیاس اولیاء، کاملین اور عباد اللہ الصالحین سے بھی جیسے کہ احادیث سابقہ سے واضح ہو چکا کیونکہ ہم مؤثر حقیقی خالق وموجد اور نافع وضار صرف اللہ وحدہ لاشریک لہ کو جانتے ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہوں یا دوسرے انبیاء، واولیاء، اور صلحائے امت ان میں سے کسی میں بھی نفع وضرر۔ تاثیر وتخلیق اور ایجاد واعدام کے لحاظ سے قدرت وتصرف تسلیم نہیں کرتے نہ احیاء میں اور نہ ہی اموات میں لہٰذا توسل کے جواز وعدم جواز میں موت وحیات کے لحاظ سے فرق کرنے کا کوئی جواز موجود نہیں ہے۔ کیونکہ وہ کسی حالت میں بھی کسی چیز کے خالق نہیں نہ ان میں مؤثر بلکہ متوسلین کا مقصد ان سے برکت حاصل کرنا ہوتا ہے کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے محبوب ہیں اور خلق وایجاد اور تاثیر وتصرف حقیقت میں صرف اللہ وحدہٗ لاشریک لہٗ کے ساتھ مختص ہے۔

مانعین توسل اور منکرین استغاثہ کا کفر وشرک

جو لوگ توسل واستغاثہ میں احیاء، واموات کے اندر فرق کرتے ہیں تو وہ احیاء کی تاثیر وتخلیق اور ایجاد واعدام کی قدرت واہلیت کے قائل ہیں صرف اموات میں ان امور کی قوت وقدرت کے منکر ہیں تو شرک وکفران کے عقیدہ ونظریہ کے مطابق لازم آتا ہے کیونکہ جب توسل زندہ انبیاء، واولیاء، سے درست مانا تو ان کی تاثیر وتصرف کے قائل ہو گئے اور تاثیر و

ع۱: اقول یہیں سے منکرین کے بعد از وصال توسل کے انکار کا جواب بھی آ گیا کہ جب حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی تخصیص حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ توسل واستعانت کے عدم جواز کو مستلزم نہیں ہے اور نہ دیگر قرابت داران نبی علیہ السلام سے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے استعانت کے عدم جواز کو کیونکہ مستلزم ہو سکتی ہے الغرض چار وجوہ استدلال۔ عبارت۔ اشارت۔ دلالت اور اقتضاء میں سے کسی میں بھی منکرین کا یہ استدلال داخل نہیں ہے لہٰذا یہ استدلال لغو وباطل ہے ہذا۔ محمد اشرف سیالوی غفرلہ

تصرف حقیقۃً اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے لہٰذا خاصہ باری تعالیٰ کو غیر اللہ میں ثابت کر کے شرک کے مرتکب ہوئے بخلاف ہمارے مسلک ونظریہ کے کیونکہ ہم کہتے ہیں "اللہ خالق کل شیٔ ہے واللہ خلقکم وما تعملون" اللہ تعالیٰ ہی ہر چیز کا خالق ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے تمہیں پیدا کیا ہے اور تمہارے اعمال کو پیدا کیا تو یہ منکرین کس منہ سے اپنے آپ کو توحید کے محافظین سمجھتے ہیں اور دوسروں کو کافر ومشرک قرار دیتے ہیں؟ سبحانک ھذا بہتان عظیم

الغرض توسل واستغاثہ اور توجہ وتشفع سب ہم معنی ہیں اور اہل ایمان کے اذہان وقلوب میں ان کا معنی فقط یہ ہے کہ محبوبان خداوند تبارک وتعالیٰ کے ذکر سے خیر وبرکت کی جاتی کیونکہ وہ یقین رکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کی بدولت اپنے بندوں پر رحم فرماتا ہے خواہ وہ حالت حیات میں ہوں یا اللہ کے جوار رحمت میں پہنچ چکے ہوں حقیقی مؤثر وموجد صرف اللہ وحدہ ہے اور وہی علت تامہ ہے، ایجاد مخلوقات اور تاثیر وتصرف میں اور یہ مقربان بارگاہ بمنزلہ اسباب عادیہ کے ہیں کہ ان کے وجود وتحقق پر مسببات کا وجود وتحقق مترتب ہوتا ہے دیگر علت مؤثرہ کی وجہ سے نہ کہ ان کی وجہ سے نیز حیات انبیاء علیہم السلام بھی ادلہ کثیرہ کے ساتھ ثابت ہے اور حیات شہداء واولیاء بھی اور جب حیات ثابت ہے تو پھر موت وحیات کے فرق پر جواز وعدم جواز کا مدار رکھنا عبث ہے اور مسئلہ حیات میں اہل السنت کا مذہب معروف ومشہور ہے یہاں تفصیلی بحث کی گنجائش نہیں ہے۔

منکرین توسل کا منشاء انکار اور اس کا رد بلیغ

مانعین توسل واستغاثہ نے عذر انکار یہ بیان کیا ہے کہ انہوں نے بعض عامی اور جاہل لوگوں کو دیکھا کہ وہ کلام میں توسع کرتے ہیں اور ایسے الفاظ استعمال کر جاتے ہیں جن سے وہم پیدا ہوتا ہے کہ وہ ان محبوبان خدا کو مؤثر ومتصرف حقیقی تسلیم کرتے ہیں نیز وہ احیاء واموات صالحین وکاملین سے ایسی چیزوں کا سوال کرتے ہیں جو عادۃً صرف اللہ تعالیٰ سے طلب کی جاتی ہیں۔ اور اولیاء کرام سے عرض کرتے ہیں میرا فلاں فلاں کام کر دو۔ اور بسا اوقات ایسے لوگوں کی ولایت کا عقیدہ رکھتے ہیں جو بالکل

ف بلکہ یہ تو مجوس والی توحید ٹھہری وہ اللہ تعالیٰ کو خالق خیر مانتے ہیں اور اہرمن کو خالق شر وفساد بلکہ وہ دو مؤثر اور خالق تسلیم کرتے ہیں اور یہ ہر زندہ ولی ونبی کو مؤثر وموجد مانتے ہیں تو مجوس سے بھی بدتر ہوئے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ لاکھوں افراد کو ایجاد وتخلیق میں شریک کر دیا۔ نیز بعض نے مافوق الاسباب امور میں توسل واستعانت کو شرک قرار دیا لیکن ماتحت الاسباب امور میں اس کو جائز رکھا تو اس میں اللہ تعالیٰ مسبب الاسباب کی ایجاد وتاثیر عام کا انکار لازم آیا اور اس کے خالق کل شیٔ ہونے کا انکار۔ نیز لاکھوں کروڑوں افراد کا صنعت ایجاد وتخلیق میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک ماننا لازم آیا اور یہ بھی عین کفر وشرک ہے کیونکہ خالقیت علی الاطلاق اسی کا خاصہ ہے۔ ہذا واللہ ورسولہ اعلم

محمد اشرف سیالوی غفرلہ

اس سے متصف نہیں ہوتے بلکہ وہ تخلیط و تلبیس اور عدم استقامت کا شکار ہوتے ہیں۔ اور ان کی طرف ایسی کرامات، خوارق عادات اور احوال و مقامات کی نسبت کرتے ہیں جن کے نہ وہ اہل ہوتے ہیں اور نہ ہی ان میں ان امور سے کوئی چیز پائی جاتی ہے۔
لہٰذا ان مانعین و منکرین کا مقصود اصلی صرف یہ ہے کہ ان بے لگام عوام کو اس قسم کے توسعات و مبالغات سے منع کریں ایہام شرک و کفر کا دروازہ بند کریں اور کفر و شرک کے ذرائع کو مسدود کریں۔ اگرچہ وہ بخوبی جانتے ہیں کہ عوام کی اکثریت بلکہ تمام کے تمام غیر اللہ کے لیے ایجاد و تاثیر اور نفع و ضرر کے مالک ہونے کا عقیدہ نہیں رکھتے اور ان کا مقصود توسل و استغاثہ سے فقط ان مقبولان بارگاہ کے ذکر سے برکت کا حصول ہوتا ہے اور اگر بعض اشیاء کو اولیاء اللہ کی طرف منسوب کرتے ہیں تو بھی ایجاد و تخلیق کے لحاظ سے نسبت نہیں کرتے۔

جواب شبہ: جواباً گذارش ہے کہ منکرین کا اگر مطمح نظر اور مدعائے حقیقی یہ ہے تو پھر تمام امت مسلمہ علماء و جہلاء اور خواص و عوام کو کافر قرار دینے کا باعث و موجب کیا ہے؟ اور علی الاطلاق انکار توسل کا سبب و موجب کیا ہے؟ پھر تو صرف یہ صورت موزوں و مناسب تھی کہ عوام کو ایسے الفاظ موہمہ کے استعمال کرنے سے منع کرتے۔ اور توسل و استغاثہ میں رب الارباب کے ساتھ راہ ادب و نیاز پر چلنے کا حکم دیتے۔ علاوہ ازیں ان الفاظ موہمہ کے پیش نظر عوام کی تکفیر کا بھی کوئی جواز نہیں ہے کیونکہ ان کا اسناد مجازی عقلی پر حمل کرنا ممکن ہے جس طرح کوئی کہے مجھے طعام نے سیر کیا ہے۔ پانی نے سیراب کیا ہے، اس دوا نے نفع دیا۔ طبیب نے فائدہ پہنچایا۔ وغیرہ ذالک ایسے تمام الفاظ میں اہل السنت کا مذہب و مسلک یہی ہے کہ یہاں مجاز عقلی ہے کیونکہ درحقیقت سیر کرنے والا اللہ تعالےٰ ہے اور طعام صرف سبب عادی ہے نہ کہ موثر حقیقی۔ علی ہذا القیاس سیرابی اور فائدہ و منفعت سب دراصل اللہ تعالےٰ کی طرف سے ہے دیگر ان کلمات کو زبان پر جاری کرنے والے ان موحدین کے نزدیک نہ شرک میں مبتلا ہیں اور نہ ہی ایہام شرک میں) لہٰذا موحد و مسلم سے اگر بعض امور کی نسبت غیر اللہ کی طرف صادر ہو جن کی قدرت و طاقت اور اہلیت و استعداد ان میں نہیں ہے تو اس کے ایمان و اسلام کے قرینہ کو مدنظر رکھتے ہوتے اسے اسناد مجازی پر حمل کرنا واجب و لازم ہے۔ یہی تصریح علماء معانی و بیان نے اپنی کتابوں میں فرمائی ہے اور ان سب کا اس پر اجماع ہے (کہ کافر انبت الربیع البقل کہے تو حقیقت ہے کیونکہ وہ موسم بہار کو سبزہ وغیرہ پیدا کرنے کا اہل سمجھتا ہے لیکن مومن یہ جملہ بولے تو مجاز عقلی ہے کیونکہ اس کے نزدیک پیدا کرنا اللہ تعالےٰ کا فعل ہے نہ کہ موسم ربیع کا)۔

الغرض مطلقاً توسل سے منع کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہو سکتی جب کہ اس کا ثبوت احادیث صحیحہ سے واضح ہو چکا اور خود سرور کائنات اور صحابہ کرام اسلاف و اخلاف سے عملاً اس کا صدور واضح ہو چکا لہٰذا مانعین توسل میں سے بعض کا توسل کو حرام قرار دینا اور بعض کا اسے کفر و شرک قرار دینا لغو و باطل ہے ورنہ امت کی عظیم اکثریت کا حرام اور شرک پر اجماع لازم آئے گا کیونکہ اگر ہم صحابہ کرام اور علماء سلف و خلف کے کلام کا تتبع کریں تو ان سے توسل کا صادر ہونا قطعاً معلوم ہو جائے گا بلکہ ہر مومن سے اکثر اوقات توسل صادر ہوتا ہے اور جمہور امت کا حرام یا شرک پر اجماع و اتفاق حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم

کی رُو سے باطل ہے۔ آپ فرماتے ہیں "لَا تَجْتَمِعُ اُمَّتِیْ عَلَی الضَّلَالَۃِ"، میری امت گمراہی پر متفق نہیں ہو گی اور بعض محدثین نے تو اس حدیث کے متواتر ہونے کا دعویٰ کیا ہے (چہ جائے کہ اس کی صحت میں شک و شبہ کا امکان ہو نیز اللہ تعالےٰ فرماتا ہے "کُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّۃٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ" تم سب امم و اقوام سے بہتر امت ہو جو لوگوں کی بھلائی اور بہتری کے لیے پیدا کئے گئے ہو۔ تو کیسے ممکن ہے کہ وہ امت جو خیر امم ہے اور سب کی بھلائی کے لیے پیدا کی گئی ہے وہ خود ساری کی ساری یا اس کی عظیم اکثریت گمراہی پر متحد و متفق ہو جائے۔ لہٰذا ان منکرین کا مقصد اگر ذرائع کفر کا مسدود کرنا تھا اور الفاظ موہمہ سے منع کرنا) تو پھر ان کے لیے مناسب و موزوں انداز کلام یہ تھا کہ لوگوں کو بتلاتے کہ توسل و استغاثہ میں ادب خداوندی ملحوظ خاطر رہنا چاہیے اور ایسے الفاظ استعمال کرنے چاہئیں جن میں ایہام کفر و شرک نہ ہو مثلاً متوسل اس طرح کہے۔ اے اللہ میں تیری بارگاہ میں سوال پیش کرتا ہوں اور تیری طرف تیرے نبی مکرم علیہ السلام اور آپ سے پہلے انبیاء کرام علیہم السلام کا وسیلہ پیش کرتا ہوں اور تیرے عباد صالحین کا کہ میری فلاں فلاں حاجت پوری کر۔ نہ یہ کہ مطلق توسل کو ممنوع ٹھہرائیں اور موحدین و مومنین کو کافر و مشرک کہنے کی جرأت کریں جو صرف اللہ وحدہٗ لاشریک لہٗ کو مؤثر و متصرف حقیقت مانتے ہیں۔

منکرین توسل کا دوسرا شبہ اور اس کا ازالہ

توسل و استغاثہ کے مانع و منکر منع و انکار کا عذر یہ بیان کرتے ہیں کہ غیر اللہ سے کوئی چیز طلب کرنا جو عادۃً صرف اللہ تعالےٰ سے طلب کی جاتی ہو بظاہر اللہ تعالےٰ اور مخلوق کے درمیان مساوات کو مستلزم ہے اگرچہ اللہ تعالےٰ سے طلب از روئے ایجاد و تخلیق کے ہے۔ اور غیر خدا یعنی انبیاء و اولیاء سے سببیت و کسب کے اعتبار سے ہے لیکن اس انداز طلب سے بعض اوقات تاثیر کا ایہام پیدا ہوتا ہے لہٰذا اس ایہام کو دفع کرنے کے لیے ایسی طلب کو ممنوع قرار دینا ضروری ہے جیسا کہ اللہ تعالےٰ نے فرمایا۔

"لَا تَجْعَلُوْا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ بَیْنَکُمْ کَدُعَآءِ بَعْضِکُمْ بَعْضًا"

رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی ندا و پکار کو ایسے نہ بنا لو جیسے ایک دوسرے کی ندا و پکار کو۔

اللہ رب العزت نے اس آیت مبارکہ میں اہل ایمان کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عامیانہ انداز میں خطاب کرنے کو ممنوع قرار دیا ہے اور جو طریقہ ندا و خطاب کا باہم استعمال کرتے ہیں اسے نبی آخر الزمان علیہ السلام کے حق میں حرام قرار دیا ہے بایں طور کہ ان کو ذاتی نام کے ساتھ پکاریں (یا محمد یا احمد کہیں اور القاب و اوصاف رسالت و نبوت سے نہ پکاریں تاکہ نبی و امت میں امتیاز قائم رہے اور مساوات و ہمسری کا وہم پیدا نہ ہو تو معلوم ہوا کہ ایہام مساوات پر مشتمل انداز تخاطب ممنوع ہے تو پھر اللہ تعالےٰ کے ساتھ تاثیر و ایجاد میں اشتراک کی موہم عبارت بھی ممنوع ہو گی)۔

جواب: اس شبہ کے پیش نظر مطلق توسل کو ممنوع قرار دینے کا کوئی جواز نہیں ہے۔ اور نہ ہی موحد مخلص سے صادر

ہونیکی صورت میں اس انداز طلب کی ممنوعیت لازم آتی ہے کیونکہ وہ مجاز عقلی پر محمول ہوگا۔ اور توحید موحد اور ایمان مومن اس مجاز کا قرینہ بن جائے گا۔ لہٰذا اس کے حرام یا شرک ہونے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ ہاں اس کو خلاف ادب اور غیر اولیٰ قرار دیں اور مطلق توسل کو جائز رکھیں اور اس میں اندازِ ادب کا لحاظ ضروری قرار دیں اور الفاظ موہمہ سے اجتناب و احتراز واجب ٹھہرائیں تو البتہ اس کی وجہ جواز نکل سکتی ہے لیکن مطلقاً حرمت توسل کا دعویٰ اور استغاثہ کو کفر و شرک قرار دینے کی جرءت ناقابل معافی جرم ہے۔

بعد از وصال صحت توسل اور جواز استغاثہ کی اہم دلیل وہ روایت ہے جس کو علامہ سمہودی نے خلاصۃ الوفا میں نقل کیا ہے۔ فرماتے ہیں دارمی نے اپنی صحیح میں ابوالجوزا سے روایت نقل کی ہے "کہ اہل مدینہ سخت قحط سالی کا شکار ہو گئے۔ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہو کر اپنی پریشان حالی کی شکایت کی تو انہوں نے فرمایا کہ مزار اقدس پرے حجرہ مبارکہ کی چھت میں آسمان کی طرف ایک سوراخ کر دو تاکہ قبر انور اور آسمان کے درمیان سے چھت کا حجاب ہٹ جائے۔ اہلِ مدینہ نے ان کے فرمان کے مطابق عمل کیا تو بہت ہی موسلا دھار بارش ہوئی۔ بہت زیادہ گھاس اُگی حتیٰ کہ اونٹ کھا کھا اس قدر فربہ ہو گئے کہ ان کے کوہان چربی کیوجہ سے پھٹنے لگے اسی وجہ سے اس سال کو عام الفتق کا نام دیا گیا یعنی پھٹ جانے والا سال۔

علامہ مراغی فرماتے ہیں کہ قحط سالی کے موقع پر حجرہ مبارکہ میں روشندان کھولنا اہلِ مدینہ کی سنتِ معروفہ ہے البتہ اب سوراخ اور روشن دان حجرہ مبارک کے نچلے حصے میں کھولتے ہیں اگرچہ چھت کا حجاب مزار انور اور آسمان کے درمیان حائل ہی رہتا ہے۔
علامہ سید سمہودی فرماتے ہیں کہ آج کل اہلِ مدینہ میں مواجہہ شریف کے مقابل دروازہ کھولنے اور وہاں جمع ہو کر استسقاء کرنے کا رواج ہے اور ہر صورت میں مقصود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ توسل و استشفاع ہے اور ان کی قدر رفیع کو جناب الٰہی میں حصول مقصود کا ذریعہ بنانا (اور وہ اس حدیث سے واضح طور پر ثابت ہو رہا ہے)۔
علامہ سید سمہودی فرماتے ہیں۔ سرور کائنات علیہ افضل الصلوات کے ساتھ توسل اور آپ کے عند اللہ مرتبہ و مقام اور فیوض و برکات کو بارگاہ صمدیت میں ذریعہ شفاعت بنا، سنن انبیاء و مرسلین سے ہے اور سیرت سلف صالحین سے اور مذاہب اربعہ کے بے شمار علماء کرام نے کتب مناسک میں زیارتِ روضہ اقدس کے آداب بیان کرتے ہوئے تصریح کی ہے کہ زائر کیلئے مسنون یہ ہے کہ قبرِ منور کی طرف متوجہ ہو کر بارگاہِ خداوندی میں مغفرتِ ذنوب اور قضاء حاجات کے لیے شفاعت کی اپیل کرے اور آپ کی ذات با برکات سے توسل کرے۔

توسل و تشفع کا احسن طریقہ

علماء وائمہ فرماتے ہیں کہ احسن طریقہ توسل و شفاعت کا وہ ہے جو عتبی سے منقول ہے اور سفیان بن عیینہ سے مروی ہے اور وہ دونوں امام شافعی کے مشائخ سے ہیں۔ عتبی کا مشہور قصہ نقل کرنے کے بعد علامہ سمہودی فرماتے ہیں کہ محلِ استدلال محض خواب نہیں ہے کیونکہ اس میں احتمالِ اشتباہ ہے لہٰذا اس سے احکام ثابت نہیں ہو سکتے محل استدلال علماء کرام اور اسلاف امت کا اعرابی کے قول و عمل اور طرز و طریقہ کو ہر زائر کے لیے مستحسن قرار دینا اور اسے آداب زیارت میں داخل کرنا ہے۔

علامہ ابن حجر الجوہر المنظم میں فرماتے ہیں۔
بعض حفاظ نے ابوسعید سمعانی کے واسطہ سے حضرت علی المرتضٰے رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے۔ کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دفن کرنے کے تیسرے دن بعد ایک اعرابی مزارِ انور پر حاضر ہوا اور عالم بیتابی و بیقراری میں مزار اقدس پر لیٹ گیا۔ قبر انور کی کستوری و عنبر کو شرمانے والی مٹی سر پر ڈالتا تھا اور عرض کرتا تھا یا رسول اللہ آپ نے ارشاد فرمایا اور ہم نے آپ کا ارشاد سنا۔ آپ نے اللہ تعالےٰ سے احکام کو اخذ کیا اور ہم نے آپ سے انہیں حاصل کیا اور ضبط کیا۔
منجملہ ان احکام کے اللہ تعالےٰ کا نازل کردہ یہ فرمان بھی ہے۔
"وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا"
اگر وہ اپنی جانوں پر ظلم و تعدی کر بیٹھیں پھر تمہاری بارگاہ میں حاضر ہو کر اللہ تعالےٰ سے استغفار کریں اور رسول معظم بھی ان کے لیے استغفار کریں تو یقیناً وہ اللہ تعالےٰ کو توبہ قبول کرنے والا اور انعام و اکرام کرنے والا پائیں گے۔
اور میں نے بھی اپنے آپ پر ظلم و زیادتی کی ہے اور آپ کی بارگاہ بیکس پناہ میں حاضر ہوا ہوں تاکہ بارگاہ الٰہی میں میرے لیے مغفرت و بخشش کی درخواست کریں۔ تو مزارِ انور سے ندا آئی کہ تمہاری مغفرت و بخشش ہو گئی ہے۔
نیز یہ روایت حضرت علی المرتضٰے رضی اللہ عنہ سے دوسری سند کے ساتھ بھی ثابت ہے اور حدیث صحیح اس کی مؤید ہے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے فرمایا۔
"حَيَاتِيْ خَيْرٌ لَّكُمْ تُحَدِّثُوْنَ وَيُحَدَّثُ لَكُمْ وَوَفَاتِيْ خَيْرٌ لَّكُمْ تُعْرَضُ عَلَيَّ اَعْمَالُكُمْ مَا رَاَيْتُ مِنْ خَيْرٍ حَمِدْتُ اللّٰهَ وَمَا رَاَيْتُ مِنْ شَرٍّ اِسْتَغْفَرْتُ لَكُمْ"
میری زندگی تمہارے لیے بہتر ہے تم مجھ سے بات چیت کرتے ہو اور میری طرف سے تمہارے ساتھ بات چیت کی جاتی ہے۔ اور میری وفات بھی تمہارے لیے بہتر ہے تمہارے اعمال مجھ پر پیش ہوتے رہیں گے۔ اچھے اعمال دیکھوں گا تو اللہ تعالیٰ کی حمد بجا لاؤں گا۔ اور برے اعمال دیکھوں گا تو تمہارے لیے استغفار کروں گا (جب امت کے اچھے اور برے اعمال پیش ہوتے ہیں اور خیر و شر آپ کی نگاہِ اقدس سے اوجھل نہیں رہتا تو آپ سے مغفرت و بخشش کی دعا کے لیے عرض کرنا اور عند اللہ شفاعت و سفارش کے لیے عرض کرنا کیونکر ممنوع ہو سکتا ہے)۔

آدابِ زیارتِ بارگاہ نبوی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام

علماء اعلام نے آدابِ زیارت میں لکھا ہے کہ زائر کے لیے مستحب یہ ہے کہ اس موقفِ مبارک میں تجدید توبہ کرے۔ اور اللہ تعالٰی سے اپنی توبہ کو خالص توبہ بنانے کی دعا کرے اور قبولیت توبہ کے لیے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے شفاعت کی اپیل کرے اور فرمان خداوندی "وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا"، کی تلاوت کرنے کے بعد بہت زیادہ استغفار اور تضرع وزاری سے کام لے۔ اور عرض کرے اے رسولِ خدا ہم آپ کا وفد ہیں اور آپ کی زیارت کرنے والے! ہم آپ کا حقِ زیارت ادا کرنے کے لیے حاضر ہوئے ہیں اور خیر و برکت حاصل کرنے کے لیے۔ نیز جن ذنوب و آثام نے ہماری کمر توڑ کر رکھ دی ہے اور دلوں کو تاریک کر دیا ہے ان کے حق میں شفاعت کی درخواست لے کر حاضر ہوئے ہیں۔ آپ کے علاوہ ہمارا کوئی شفیع نہیں جس کی نظرِ کرم کی امید کر سکیں۔ اور نہ آپ کے درِ اقدس کے علاوہ کوئی جائے پناہ اور امید گاہ ہے جس تک ہم پہنچیں۔ لہٰذا ہمارے لیے استغفار فرما دیں اور اللہ تعالٰی کے ہاں ہماری سفارش وسفارش فرما دیں اور یہ دعا فرما دیں کہ اللہ تعالٰی ہمارے تمام مقاصد و مطالب پورے کر کے منت و احسان فرمائے اور ہمیں اپنے عباد صالحین اور علماء عاملین کے زمرہ میں داخل فرمائے۔

جوہر منظم میں علامہ ابن حجر نے نقل فرمایا ہے کہ ایک اعرابی قبرِ انور اور روضۂ اقدس پر حاضر ہوا اور عرض کیا۔ اے اللہ یہ تیرے محبوب کریم ہیں۔ میں تیرا بندہ ہوں اور شیطان تیرا دشمن ہے۔ اگر تو مجھے بخش دے تو تیرا حبیب خوش ہوگا۔ تیرا بندہ فلاح پا جائے گا اور تیرا دشمن غیظ و غضب میں مبتلا ہوگا۔ اور اگر تو مجھے نہیں بخشے گا تو تیرا محبوب پریشان ہوگا۔ تیرا گناہ گار بندہ ہلاک ہو جائے گا اور تیرا دشمن خوش ہوگا۔ اے اللہ عربوں کا دستور یہ ہے کہ جب ان میں کوئی معظم ومکرم فوت ہو جاتا ہے تو اس کی قبر پہ غلام آزاد کرتے ہیں۔ یہ تیرے محبوب سید العالمین ہیں لہٰذا مجھے ان کی قبرِ انور پر قیدِ ذنوب و آثام سے رہائی و خلاص نصیب فرما اور آزاد کر۔ حاضرین بارگاہ میں سے بعض نے اُس سے کہا اے عربی بھائی! اللہ تعالٰی نے آپ کو اس اندازِ طلب کے حسن وخوبی کی بدولت بخش دیا ہے۔

زیارت روضۂ اقدس اور دعا کے وقت مزارِ اقدس کی طرف متوجہ ہونے کا استحباب

علماءِ مناسک نے یہ بھی تصریح کی ہے کہ روضۂ اقدس کی زیارت اور دعا کے وقت قبلہ کی بجائے مزارِ انور کی طرف منہ کرنا اور ادھر متوجہ ہونا افضل ہے۔

۱۔ امام علامہ محقق کمال بن الہمام فرماتے ہیں کہ قبرِ انور کی طرف منہ کر کے کھڑا ہونا اور دعا کرنا قبلہ رُو ہو کر کھڑا ہونے سے

افضل ہے۔ اور امام ابو حنیفہ سے استقبال قبلہ کی جو روایت منسوب ہے وہ مردود اور ناقابل اعتبار ہے کیونکہ خود امام ہمام اپنی سند میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے نقل فرماتے ہیں۔ کہ سنت یہ ہے کہ قبر مکرم کی طرف منہ کر کے کھڑا ہوا اور قبلہ کی طرف پشت کرے۔

۲۔ علامہ ابن جماعہ نے امام کمال بن الہمام سے بھی پہلے امام ابو حنیفہ کا یہی قول "یعنی استقبال قبر انور کا استحباب" نقل کیا ہے۔ اور علامہ کرمانی کے قول کا رد کیا ہے کہ قبلہ رو ہو کر کھڑا ہو اور قبر انور کی طرف پشت کرے۔ انہوں نے فرمایا کہ اس کی روایت کی امام الائمہ سراج الامہ رضی اللہ عنہ کی طرف نسبت ناقابل اعتداد و اعتبار ہے۔

۳۔ علامہ ابن الحجر الجوہر المنظم میں فرماتے ہیں کہ مزارِ پرانوار کی طرف استقبال و توجہ کے استحباب کی دلیل یہ ہے کہ ہم سب اہل اسلام و ایمان حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اپنی قبر انور میں زندہ ہونے پر متفق ہیں اور آپ کے زائرین کو جاننے اور دیکھنے پر بھی مجتمع و متحد ہیں۔ اور یہ امر بدیہی ہے کہ سرور انس و جان علیہ السلام کی ظاہری حیاتِ طیبہ میں کوئی شخص حاضر بارگاہ اقدس ہوتا تو آپ کی طرف متوجہ ہوتے اور قبلہ کی طرف پشت کرنے کے علاوہ اس کے لیے کوئی چارہ کار نہ ہوتا لہٰذا روضہ انور کی زیارت کے وقت بھی یہی طریقہ اختیار کرنا ضروری ہے۔

۴۔ نیز جب ہم مسجد حرام کے کسی مدرس کو قبلہ رو بیٹھا ہوا پاتے ہیں تو یہ بھی مشاہدہ کرتے ہیں کہ اس کے تلامذہ اور متعلمین اس کی طرف متوجہ ہوئے ہیں اور قبلہ کی طرف پشت کئے ہوتے ہوتے ہیں تو کیا خیال ہے اس ذات اقدس کے متعلق (جو معلم ارواح انبیاء بھی ہیں فیض بخش عالم ملائکہ ہیں اور مربی کائنات ہیں) تو لامحالہ وہ اس سے اتم واکمل ادب واحترام کے مستحق ہیں۔

۵۔ اور ابھی ابھی عالم مدینہ امام مالک علیہ الرحمہ کا قول اور خلیفہ منصور کو ان کی نصیحت تمہاری نظروں سے گذر چکی ہے کہ آپ نے فرمایا۔ آپ ان سے منہ کیوں موڑتے ہیں۔ جب کہ وہ آپ کے اور آپ کے باپ حضرت آدم کے وسیلہ ہیں۔ بلکہ ان کی طرف منہ کیجئے اور ان سے شفاعت اور نظرِ عنایت کی بھیک مانگیے۔

۶۔ علامہ زرقانی شرح مواہب میں فرماتے ہیں کہ تمام مالکی مذہب کے علماء و ائمہ کی کتابیں اس تصریح سے بھرپور ہیں کہ بوقتِ زیارت قبرِ انور کی طرف متوجہ ہو کر قیام مستحب ہے اور قبلہ کی طرف پشت کر کے کھڑا ہونا کارِ ثواب ہے۔ بعد ازاں امام ہمام سراج الامہ اور امام شافعی رحمہما اللہ تعالٰی اور جمہور سے اس قول کو نقل کیا۔ البتہ امام احمد کے مذہب ومسلک میں روایات مختلف ہیں اور ان کے متبعین کے اقوال بھی مختلف ہیں۔ لیکن ان میں سے محققین کے نزدیک راجح و مختار یہی استقبال مزارِ انور ہے جیسے کہ بقیہ مذاہب میں یہی قول متعین ہے۔ اور اسی طرح توسل کے متعلق بھی امام احمد سے مختلف اقوال منقول ہیں مگر راجح و مختار عند المحققین جواز بلکہ استحباب توسل و استغاثہ ہے کیونکہ احادیث صحیحہ اس کے جواز و استحباب پر دلالت کرتی ہیں لہٰذا حنابلہ کے نزدیک بھی لامحالہ راجح و مختار وہی ہوگا جو کہ مذاہب ثلاثہ پر کاربند عظیم اکثریت کا مذہب و مسلک ہے۔

امام ابوحنیفہ علیہ الرحمہ کی طرف منسوب ممنوعیت توسّل کی روایت کا رد

علامہ آلوسی بغدادی حنفی نے اپنی تفسیر روح المعانی میں بعض اہلِ علم سے امام الائمہ ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کی طرف ممنوعیت توسل کی روایت منسوب کی ہے تو وہ درست نہیں ہے کیونکہ آپ کے متبعین میں سے کسی نے یہ روایت ذکر نہیں کی بلکہ ان کی کتب میں استحبابِ توسل کی تصریحات موجود ہیں اور دوسرے مذاہب پر کاربند حضرات کی روایات قابل قبول نہیں ہوتیں جب کہ اہل مذہب کی کتب میں اس کا وجود نہ ہو۔ لہٰذا اس نقل سے دھوکہ نہیں کھانا چاہیے۔

۷۔ امام سبکی نے اپنی شہرہ آفاق تصنیف "شفاء السقام فی زیارۃ خیر الانام"، میں مذاہب اربعہ کی کتب سے استحباب توسل کے نصوص بڑی بسط سے بیان کئے ہیں اگر تفصیل مطلوب ہے تو اس کا مطالعہ فرما دیں۔

۸۔ امام قسطلانی شارح بخاری مواہب لدنیہ میں ارشاد فرماتے ہیں۔

ایک اعرابی حبیب کبریاء علیہ التحیۃ والثناء کے مزار پر انوار پہ حاضر ہوا۔ اور عرض کیا۔ اے اللہ تعالےٰ! تو نے غلام آزاد کرنے کا حکم دیا ہے (اور کار خیر کا حکم دینے والے کو خود بھی اس پر عمل کرنا چاہیئے) یہ تیرے حبیب ہیں اور میں تیرا عاجز و ناقص بندہ۔ لہٰذا مجھے اپنے حبیب پاک کے مزار پر انوار پر عذاب نار سے آزاد فرما دے تو غیب سے اسے ندا آئی اے کم فہم! تو نے (اتنا بڑا واسطہ دے کر) صرف اپنے لیے عتق اور آزادی کا مطالعہ کیا ہے۔ ساری مخلوق کے لیے آزادی کا مطالبہ کیوں نہیں کیا۔ جا میں نے تجھ کو آزاد کر دیا ہے۔

اس روایت وحکایت کو نقل کر کے علامہ قسطلانی نے دو مشہور شعروں میں سے ایک کو نقل کیا اور شارح المواہب علامہ زرقانی نے دوسرا شعر بھی ساتھ نقل کر کے قطعہ مکمل کر دیا ؎

اِنَّ الْمُلُوْكَ اِذَا شَابَتْ عَبِيْدُهُمْ ۔۔۔ فِیْ رِقِّهِمْ اَعْتَقُوْهُمْ عِتْقَ اَحْرَارٖ

وَاَنْتَ يَاسَيِّدِیْ اَوْلٰی بِذَا كَرَمًا ۔۔۔ قَدْ شِبْتُ فِی الرِّقِّ مَا عْتِقْنِیْ مِنَ النَّارِ

ترجمہ: ملوک اور شہنشاہوں کا طریقہ یہ ہے کہ جب ان کے عبید و غلام ان کی غلامی میں عہد شباب کو فنا کر بیٹھتے ہیں۔ اور بڑھاپے میں قدم رکھتے ہیں تو وہ ان کو حریت و آزادی سے ہم کنار کر دیتے ہیں۔

(۲) اے میرے آقا تو اس کرم کا زیادہ سزاوار ہے۔ میں بھی تیرا عبد عاجز ہوں اور رقیت و غلامی میں بڑھاپے کی حد میں داخل ہو چکا ہوں لہٰذا مجھے عذاب نار سے آزادی اور خلاصی عطا فرما۔

۹۔ علامہ قسطلانی نے مواہب میں حضرت امام حسن بصری رضی اللہ عنہ کی روایت نقل فرمائی کہ حضرت حاتم اصم بارگاہِ حبیب کبریا، علیہ التحیۃ والثناء میں حاضر ہوئے۔ اور عرض کیا "يَارَبِّ اِنَّا زُرْنَا قَبْرَ نَبِيِّكَ فَلَا تَرُدَّنَا خَائِبِيْنَ"، اے میرے رب کریم! ہم نے تیرے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مزارِ اقدس کی زیارت کی ہے لہٰذا اس درِ اقدس اور

بارگاہ جود و نوال سے ہمیں خائب و خاسر اور نامراد و ناکام واپس نہ کرنا۔ تو غیب سے ندا آئی اے حاتم! ہم نے تجھے حبیب کرم کے مزار اقدس کی زیارت کا اذن ہی اس وقت دیا جب کہ تجھے اپنی بارگاہ میں قبول کر لیا۔ لہٰذا تم اور تمہارے تمام ساتھی مژدۂ مغفرت و بخشش قبول کرتے ہوئے اپنے گھروں کو لوٹ جاؤ۔

۱۰۔ ابن ابی فدیک فرماتے ہیں جن علماء السلام اور صلحاء کرام کا شرفِ دیدار و صحبت مجھے نصیب ہوا ہے ان میں سے بعض کو میں نے یوں فرماتے ہوئے سنا کہ ہمیں یہ روایت پہنچی ہے کہ جو اہلِ ایمان اور صاحبِ ذوق و محبت مزارِ انور پر کھڑا ہو کر یہ آیت مبارکہ تلاوت کرے۔

"اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا"،

اور پھر ستر مرتبہ "صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْكَ يَا مُحَمَّدُ" تو اللہ تعالےٰ کی طرف سے فرشتہ اس کو پکار کر کہتا ہے۔ اے محبوبِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجنے والے اللہ تعالےٰ تجھ پر درود بھیجے اور اس کی جملہ حاجات پوری کر دی جاتی ہیں۔

تنبیہ: شیخ زین الدین مراغی اور دیگر اکابر فرماتے ہیں کہ صلی اللہ علیک یا محمد کی بجائے صلی اللہ علیک یا رسول اللہ کہنا چاہیئے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ذاتی نام کے ساتھ ندا کرنا ممنوع ہے حالتِ حیاتِ ظاہرہ میں بھی اور بعد از وصال بھی خلاصہ احوال ابن ابی فدیک: یہ تبع تابعین سے ہیں اور ائمہ مشہورین میں سے۔ ان کی روایت کردہ احادیث بخاری و مسلم اور دیگر صحاح میں موجود ہیں۔ علامہ زرقانی شرح مواہب میں فرماتے ہیں۔ ان کا نام محمد بن اسماعیل بن مسلم دیلمی ہے ۲۰۰ھ دو سو ہجری میں ان کا وصال ہوا اور جو روایت علامہ قسطلانی نے مواہب میں نقل کی ہے یہ امام بیہقی نے بھی ابن ابی فدیک سے نقل کی ہے۔

۱۱۔ علامہ زرقانی شرح مواہب میں فرماتے ہیں جب دعا کرنے والا عرض کرتا ہے۔ اے اللہ میں تیری جنابِ اقدس میں تیرے نبی کریم کو شفیع بناتا ہوں۔ اے نبی رحمت میرے لیے اپنے رب کریم کے ہاں شفاعت کیجئے، تو لامحالہ اس کی دعا قبول ہو جاتی ہے۔

خلاصۂ ردِ ابن عبدالوہاب نجدی: اسلاف و اخلاف امت مرحومہ کی روایت کردہ ان نصوص سے روز روشن کی طرح عیاں ہو گیا کہ سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہِ اقدس میں حاضری دینا۔ آپ سے توسل اور شفاعت کی اپیل کرنا ان کے نزدیک صرف دوست ہی نہیں بلکہ عظیم ترین عبادات میں سے ہے۔ اور یہ امر بھی واضح ہو گیا کہ وسیلۂ دارین نبی علیہ السلام کے ساتھ ان کے وجود عنصری سے قبل، بعد از تخلیق حالتِ حیاتِ ظاہرہ میں بعد از وصال آپ سے توسل کیا گیا ہے۔ نیز قیامِ قیامت کے بعد بھی آپ سے شفاعت و توسل کی درخواست کی جائے گی جیسے کہ صحیحین یعنی بخاری و مسلم اور دیگر کتب احادیث میں بکثرت یہ احادیث مروی و منقول ہیں یہاں ان کو تفصیلاً بیان کر کے کلام کو مزید طویل کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

لہٰذا ان نصوص مذکورہ اور تصریحات علماء اعلام اور مقتدایان انام سے محمد بن عبدالوہاب نجدی کے جملہ بدعات و اختراعات اور افتراءات و بہتانات کا بطلان اظہر من الشمس ہو گیا اور اس کی تلبیس و تخلیط کا پول کھل گیا۔

۱۲۔ مواہب میں علامہ قسطلانی فرماتے ہیں۔ اللہ تعالےٰ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے فرزند ارجمند پر رحمت نازل فرمائے جنہوں نے مدح سرکار ابد قرار میں فرمایا ؎

بِهٖ قَدْ اَجَابَ اللّٰهُ آدَمَ اِذْ دَعَا وَنُجِّیَ فِیْ بَطْنِ السَّفِیْنَةِ نُوْحٌ

انہیں کی بدولت اللہ تعالےٰ نے دعاء آدم علیہ السلام کو شرف قبولیت بخشا جب کہ انہوں نے دعاء عفو و مغفرت کی۔ اور انہیں کے طفیل حضرت نوح علیہ السلام کو سفینہ میں سلامتی اور کامیابی نصیب ہوئی۔

وَمَا ضَرَّتِ النَّارُ الْخَلِیْلَ لِنُوْرِهٖ وَمِنْ اَجْلِهٖ نَالَ الْفِدَاءَ ذَبِیْحٌ

ان کے نور اقدس کا صدقہ آگ نے حضرت خلیل علیہ السلام کو ذرّہ بھر نقصان نہ پہنچایا۔ اور ان کے ہی وسیلہ سے حضرت ذبیح اللہ کی طرف سے اللہ تعالےٰ نے فدیہ دے کر ان کو ذبح ہونے سے بچالیا۔

الغرض آپ کے ساتھ حالتِ حیات میں اور وصال شریف کے بعد توسل و استغاثہ اتنا کثرت سے مروی و منقول ہے کہ ان جملہ روایات کا احاطہ اور مکمل بیان بہت مشکل و متعذر ہے۔ شیخ ابو عبداللہ بن نعمان نے اپنی کتاب "مصباح الظلام فی المستغیثین بخیر الانام" میں قدرِ وافی درج فرمایا ہے وہاں ملاحظہ فرماویں۔ بعدازاں صاحب مواہب نے بہت سے ایسے فیوض و برکات کا ذکر فرمایا ہے جو ان کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ توسل و استغاثہ کی بدولت نصیب ہوئے۔

۱۳۔ امام بیہقی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ ایک اعرابی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا وہ اپنی بلکہ وہ آپ سے بارانِ رحمت کے لیے دعاء کی درخواست کرنا چاہتا تھا۔ اس نے چند اشعار آپ کی بارگاہ بیکس پناہ میں پڑھے جس کا آخری شعر یہ تھا ؎

وَلَیْسَ لَنَا اِلَّا اِلَیْكَ فِرَارُنَا وَاَیْنَ فِرَارُ الْخَلْقِ اِلَّا اِلَی الرُّسُلِ

ہمارے لیے آپ کی بارگاہِ والا جاہ کی طرف بھاگ کر پناہ لینے کے علاوہ کوئی چارۂ کار نہیں ہے اور حقیقت بھی یہی ہے کہ خلق خدا کے لیے رسل کرام کے دامانِ رحمت کے علاوہ کوئی جائے پناہ ہے ہی نہیں۔

حبیبِ خدا ہادیٔ امم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ شعر سماعت فرمایا مگر اس پر انکار نہ کیا بلکہ حضرت انس فرماتے ہیں۔ اعرابی کے وہ توسل و استغاثہ پر مشتمل اشعار سن کر آپ انتہائی عجلت سے اوپر کی چادر گھسیٹتے ہوئے منبر شریف پر رونق افروز ہوتے۔ خطبہ دیا اور بارانِ رحمت کے لیے دعا کی اور اس وقت تک دست دعا واپس نہ کئے اور نہ ہی منبر سے اترے جب تک کہ آسمان سے موسلا دھار بارش کا نزول نہ ہوا۔

۱۴۔ صحیح بخاری میں مروی ہے کہ جب اعرابی نے حاضر ہو کر قحط سالی کی شکایت کی تو آپ نے اللہ تعالےٰ سے دعا کی اور آسمان سے زور دار مینہ برسنے لگا تو آپ نے فرمایا۔ اگر ابو طالب صاحب زندہ ہوتے تو یہ منظر دیکھ کر ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہوتیں اور ان کی فرحت و مسرت کی انتہا نہ ہوتی۔ کوئی ایسا شخص ہے جو ہمیں ان کا شعر سنائے۔ حضرت علی المرتضےٰ رضی اللہ عنہ

نے عرض کیا گویا کہ آپ کا مقصود ابو طالب صاحب کے اشعار میں سے یہ شعر ہے ؎

وَاَبْیَضَ یُسْتَسْقَی الْغَمَامُ بِوَجْهِهٖ ثِمَالُ الْیَتَامٰی عِصْمَةٌ لِلْاَرَامِلِ

وہ سفید فام (عزیز از جان) جن کے چہرے اقدس کے یُمن و برکت سے برستے بادل اللہ تعالےٰ سے طلب کئے جاتے ہیں وہ یتیموں کے سرمایۂ زیست ہیں اور بیوگان کے لیے موجب عفت اور سامان عصمت و پاکدامنی ہیں۔

سرورِ عرب و عجم صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرۂ اقدس خوشی سے چمک اٹھا اور حضرت علی کے شعر پڑھنے پر بھی اعتراض فرمایا اور نہ ہی یستسقی الغمام بوجھہ کے جملہ پر۔ اگر اس میں کفر و شرک کا ادنیٰ سا شائبہ بھی ہوتا تو لازماً آپ اس کا رد فرماتے اور اس کے پڑھنے کا مطالبہ ہی نہ فرماتے۔

آپ کے چچا ابو طالب کے اس قصیدہ کو لکھنے کا سبب، محرک و باعث یہ تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے قبل ایک دفعہ قریش قحط سالی کی لپیٹ میں آگئے۔ آپ نے انہیں ساتھ لے کر (بیت اللہ شریف کے پاس حاضر ہو کر) فخر عرب و عجم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ توسل کرتے ہوئے دعا کی تو فوراً گھٹائیں اُمڈ آئیں اور زور دار مینہ برسنا لگا تو انہوں نے یہ قصیدہ آپ کی مدح و ثنا میں پڑھا۔

۱۵۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے صحیح روایت کے ساتھ مروی ہے "کہ اللہ تعالےٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی نازل فرمائی اے عیسیٰ خود بھی محمد (عربی صلی اللہ علیہ وسلم) پر ایمان لاؤ۔ اور اپنی امت کو بھی حکم دو کہ ان میں سے جو شخص بھی اس زمانِ سعادت نشان کو پائے تو ضرور بالضرور ان پر ایمان لائے۔ کیونکہ اگر وہ نہ ہوتے تو میں نہ جنت کو پیدا کرتا اور نہ ہی دوزخ کو فَلَوْلَا مُحَمَّدٌ مَا خَلَقْتُ الْجَنَّةَ وَالنَّارَ۔ میں نے عرش مجید کو پانی پر پیدا کیا تو وہ لرزنے لگا۔ میں نے اس پر لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ لکھوا دیا تو اس کو سکون و قرار نصیب ہو گیا۔

علامہ ابن حجر جوہر منظم میں فرماتے ہیں جس ذاتِ والا صفات کا یہ منصب و مقام ہے کیا ان کے ساتھ توسل نہ کیا جائے؟

۱۶۔ علامہ قسطلانی شارح بخاری نے شرح بخاری میں فرمایا۔ کعب احبار سے مروی ہے کہ جب بنی اسرائیل قحط سالی کا شکار ہوتے تھے تو اپنے نبی کے اہل بیت سے توسل کرتے تھے۔ اس سے معلوم ہوا کہ توسل و استغاثہ صرف اس امت میں مروج و مشروع نہیں ہے بلکہ پہلی امتوں میں بھی مشروع تھا اور یہ امر قابلِ غور ہے کہ آسمانی مذاہب میں ایمان و کفر کا فرق نہیں ہو سکتا یعنی جو چیز ایک شریعت میں کفر ہو وہ دوسری میں عین ایمان و اسلام ہو اگر اختلاف ہے تو دوسرے احکام کے لحاظ سے ہے)۔

۱۷۔ سید سمہودی خلاصۃ الوفا میں ارشاد فرماتے ہیں۔ عادتِ اہلِ زمان یہی ہے کہ جب ایک شخص کسی کے پاس ایسے شخص کا وسیلہ پیش کرتا ہے جو اس کے نزدیک عزت و قدر کا مالک ہوتا ہے تو وہ اس کی خاطر اس شخص کی عزّت و تکریم کرے گا۔ اور اس کی حاجت برآری بھی کرے گا۔ اور کبھی عزت و تکریم والی شخصیت کو ایسی ذاتِ اقدس کی خدمت میں وسیلہ بنایا جاتا ہے جو اس سے مرتبہ و مقام اور عظمت شان میں بلند و بالا ہوتی ہے۔ اور جب اعمال صالحہ کے ساتھ توسل جائز ہے جیسے کہ

بخاری شریف کی صحیح روایت کے ساتھ ان تین اشخاص کا اپنے اپنے اعمال کے ساتھ توسل ثابت ہے جنہوں نے غار کی پناہ لی اور غار کا منہ ایک چٹان گرنے کی وجہ سے بند ہو گیا تو ان میں سے ہر ایک نے اپنے اس عمل کے وسیلہ سے دعا کی جو اللہ تعالےٰ کے ہاں زیادہ قابلِ قبول سمجھا تو وہ چٹان غار کے دروازہ سے الگ ہو گئی۔

تو آنحضور شافع یوم النشور علیہ السلام کے ساتھ توسل واستغاثہ بطریق اولیٰ جائز ہو گا خواہ آپ کی حالتِ حیاتِ ظاہرہ ہو یا حالتِ وصال کیونکہ نبوت ورسالت اور اس کے علاوہ دیگر فضائل وکمالات جو آپ میں ہیں ان کے ساتھ اربابِ غار کے اعمال کو کیا نسبت ہو سکتی ہے۔ اور جو مومن آپ کے ساتھ توسل کرتا ہے تو اس کے پیشِ نظر آپ کی نبوت ورسالت ہوتی ہے جو تمام تر فضائل وکمالات کی جامع ہے اور ان کا سرچشمہ۔

منکرین توسل کی ذہنی مفلسی

منکرین جب یہ تسلیم کرتے ہیں کہ اعمال صالحہ کے ساتھ توسل جائز ہے تو پھر ذوات فاضلہ قدسیہ کے ساتھ توسل بطریق اولیٰ جائز اور مشروع ماننا چاہیئے۔ کیونکہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے (اعمال کے ساتھ توسل کی بجائے) حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے ساتھ توسل اختیار فرمایا۔

نیز بقول ان کے جب اعمال کے ساتھ توسل درست تسلیم کر لیا جائے تو ہم ان سے دریافت کر سکتے ہیں کہ پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ توسل جائز نہ ہونے کی وجہ کیا ہے جب کہ نبوت ورسالت اور دوسرے ایسے کمالات وفضائل آپ کی ذاتِ اقدس میں موجود ہیں جو ہر کمال پر فوقیت رکھتے ہیں اور ہر عمل صالح پر عظمت وبرتری کے حامل ہیں حال میں بھی اور مآل میں بھی اور بایں ہمہ احادیث صحیحہ اس کے جواز ومشروعیت پر دلالت بھی کرتی ہیں۔

اور جب سید الرسل امام الانبیاء علیہ وعلیہم الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ توسل واستغاثہ جائز ہے تو پھر تمام انبیاء ورسل بلکہ اولیاء کاملین اور عباد اللہ الصالحین کے ساتھ بھی جائز ہو گا کیونکہ جو وجہِ جواز ومشروعیت آپ میں ہے وہ سب میں حسبِ مراتب موجود ہے یعنی طہارت وتقدس۔ اور اللہ رب العزت سے محبت وتعلق۔ اعلیٰ مراتب طاعت ویقین اور کامل معرفتِ رب العالمین اور یہ جملہ صفاتِ کمال ان کے اللہ تعالےٰ کے مقرب ترین بندے ہونے کا سبب ہیں لہٰذا ضرور بالضرور اللہ تعالےٰ ان عبادِ صالحین کے توسل سے حوائج مومنین کو پورا فرمائے گا۔ البتہ اس توسل واستغاثہ میں اللہ تعالےٰ کے ساتھ ادب ونیاز کا پورا پورا لحاظ ہونا چاہیئے۔ اور ایسے الفاظ سے اجتناب کرنا چاہیئے جن سے غیر اللہ کے مؤثر اور متصرف ہونے کا وہم پیدا ہوتا ہو۔

۱۸۔ من جملہ ادلۂ توسل کے حضرت سوار بن قارب رضی اللہ عنہ کا قصیدہ بھی ہے جس کو طبرانی نے معجم کبیر میں نقل کیا ہے انہوں نے بارگاہ رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم میں اس کو پڑھا چند شعر ملاحظہ ہوں ؎

فَاَشْهَدُ اَنَّ اللّٰهَ لَا رَبَّ غَيْرُهٗ   وَاَنَّكَ مَاْمُوْنٌ عَلٰى كُلِّ غَائِبٖ

اِلٰى اللّٰهِ يَا ابْنَ الْاَكْرَمِيْنَ الْاَطَائِبِ   وَاَنَّكَ اَدْنَى الْمُرْسَلِيْنَ وَسِيْلَةً

میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالےٰ کے علاوہ کوئی پروردگار نہیں ہے۔ اور اس امر کی شہادت دیتا ہوں کہ اللہ تعالےٰ نے آپ کو ہر غیب پر امین بنایا ہے اے کریم ترین اور پاکیزہ ترین ہستیوں کے لختِ جگر اور نورِ نظر آپ اللہ تعالےٰ کی جناب پاک میں سب انبیاء ومرسلین کی نسبت اقرب واقدم وسیلہ ہیں۔

فَمُرْنَا بِمَا يَاْتِيْكَ يَا خَيْرَ مُرْسَلٍ   وَاِنْ كَانَ فِيْمَا فِيْهِ شَيْبُ الذَّوَائِبِ

لہٰذا ہمیں اللہ تعالےٰ کی طرف سے نازل ہونے والے احکام کا امر فرمائیں اے سب رسولوں سے بہتر وبرتر۔ اگرچہ ان نازل شدہ احکام کے ساتھ مکلف ہونے میں اس قدر محنت ومشقت ہی کیونکہ نہ ہو جو جوانوں کو بڑھاپے کی حدود تک پہنچا دے۔

وَكُنْ لِيْ شَفِيْعًا يَوْمَ لَا ذُوْ شَفَاعَةٍ   بِمُغْنٍ فَتِيْلًا عَنْ سَوَادِ بْنِ قَارِبِ

اور اس دن مجھے اپنی شفاعت سے محروم نہ کرنا جس دن کو شفاعت کرنے والا سواد بن قارب کو ذرہ بھر فائدہ نہیں پہنچا سکے گا ہادی عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سواد بن قارب کے ان اشعار کو سنا اور ادنی المرسلین وسیلۃً پر اعتراض نہیں فرمایا اور نہ ہی کُنْ لِیْ شَفِیْعًا پر (لہٰذا قول صحابی اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث تقریری سے جواز توسل واضح ہو گیا)

۱۹۔ جوازِ توسل سرورِ کونین سید الثقلین صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کے مرثیہ سے بھی واضح ہے جو انہوں نے آپ کے وصال شریف کے بعد کہا جس میں یہ شعر بھی ہے ؎

اَلَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَنْتَ رَجَاؤُنَا   وَكُنْتَ بِنَا بَرًّا وَلَمْ تَكُ جَافِيًا

اے رسولِ خدا آپ ہی ہماری امیدوں کا مرکز ہیں اور مستقبل میں آسرا وسہارا۔ اور آپ ماضی میں بھی ہمارے محسن تھے اور قطعاً جفا کاری اور بیوفائی سے آپ کا دامن وفا آلودہ وملوث نہیں تھا۔

اس مرثیہ میں نداء یا رسول اللہ بھی ہے۔ اور ان کا انت رجاءنا کہہ کر اظہار عقیدہ وعقیدت بھی ہے لیکن کسی صحابی نے اس کے سننے پر تیوری چڑھائی نہ چین بجبین ہوئے اور نہ ان کے قول انت رجاءنا کو محلِ اعتراض قرار دیا۔

۲۰۔ علامہ ابن حجر اپنی کتاب "الخیرات الحسان فی مناقب الامام ابی حنیفہ النعمان" کی پچیسویں فصل میں فرماتے ہیں کہ جن دنوں حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ بغداد میں تھے وہ حضرت امام الائمہ کے مزار اقدس پر حاضری دیتے۔ سلام پیش کرتے پھر جناب الٰہی میں ان کا وسیلہ پیش کر کے حاجات طلب کرتے۔

۲۱۔ اور تحقیق امام احمد علیہ الرحمہ کا امام شافعی علیہ الرحمہ کے ساتھ توسل کرنا ثابت ہے حتیٰ کہ ان کے صاحبزادے حضرت عبد اللہ نے اظہار تعجب کیا کہ آپ جیسی شخصیت امام شافعی کے ساتھ توسل کرتی ہے؟ تو انہوں نے فرمایا (میں ان کے ساتھ توسل

کیوں نہ کروں، وہ لوگوں کے لیے بمنزلۂ آفتاب ہیں اور ابدان کے لیے بمنزلۂ عافیت ہیں۔

۲۲- جب امام شافعی علیہ الرحمہ کو یہ اطلاع پہنچی کہ اہلِ مغرب امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ توسل کرتے ہیں تو انہوں نے قطعاً اس پر اظہار ناپسندیدگی نہ کیا (اور یہ دونوں ائمہ تبع تابعین سے ہیں لہٰذا خیر القرون میں توسل کا ثبوت واضح ہوگیا اور وہ بھی ایسے اکابر ائمہ اور مقتدایان امت کے عمل سے جن کا علمی مقام اور کتاب و سنت پر کامل عبور اور فراست صادقہ سب کے نزدیک مسلم اور معروف و مشہور ہے)

۲۳- امام ابوالحسن شاذلی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں جسے اللہ تعالیٰ کی جناب میں کوئی حاجت درپیش ہو جس کے پورا کرانے کا ارادہ رکھتا ہو تو وہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں امام غزالی علیہ الرحمہ کا وسیلہ پیش کرے۔

۲۴- علامہ ابن حجر "صواعق محرقہ لاہل الضلال والزندقہ" میں فرماتے ہیں کہ امام شافعی نے ان ابیات میں اہل بیت نبوت کے ساتھ توسل کیا ہے ۔

آلُ النَّبِيِّ ذَرِيعَتِي، وَهُمْ إِلَيْهِ وَسِيلَتِي ۔ أَرْجُو بِهِمْ أُعْطَى غَدًا ، بِيَدِي الْيَمِينِ صَحِيفَتِي

آل نبی صلی اللہ علیہ وسلم میرا ذریعہ نجات و خلاص ہیں اور وہی اس کی جناب میں میرا وسیلہ ہیں۔ میں انہیں کے صدقے میں یہ امید رکھتا ہوں کہ میرا نامۂ اعمال میرے دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا۔

حفاظت ایمان اور خاتمہ بالخیر کی دعا جس کی تعلیم اللہ تعالیٰ نے دی

۲۵ علامہ سید طاہر بن محمد ہاشم باعلوی نے اپنی کتاب "مجمع الاحباب" میں حضرت امام ابوعیسیٰ ترمذی صاحب سنن کے حالات بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ انہوں نے خواب میں اللہ تعالیٰ کا دیدار کیا تو ایسی دعا کے متعلق عرض کیا جس کے ذریعے ایمان محفوظ رہے اور خاتمہ بالخیر ہو تو اللہ تعالیٰ نے انہیں فرمایا کہ سنت فجر اور فرض فجر کے درمیان یہ دعا مانگا کرو۔

إِلٰهِي بِحُرْمَةِ الْحَسَنِ وَأَخِيهِ وَجَدِّهِ وَبَنِيهِ وَأُمِّهِ وَأَبِيهِ نَجِّنِي مِنَ الْغَمِّ الَّذِي أَنَا فِيهِ يَا حَيُّ يَا قَيُّومُ يَا ذَا الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ أَسْأَلُكَ أَنْ تُحْيِيَ قَلْبِي بِنُورِ مَعْرِفَتِكَ يَا اللّٰهُ يَا اللّٰهُ يَا اللّٰهُ يَا أَرْحَمَ الرَّاحِمِينَ۔

اے اللہ! حضرت حسن اور ان کے بھائی جان ان کے نانا جان اور اولاد کرام ان کی والدہ ماجدہ اور والد گرامی کا صدقہ مجھے اس غم و اندوہ سے نجات عطا فرما جس میں مبتلا ہوں۔ اے حی قیوم اے ذوالجلال والاکرام میں تجھ سے درخواست کرتا ہوں کہ میرے دل کو اپنے نورِ معرفت سے زندہ فرما۔ یا اللہ یا اللہ یا اللہ یا ارحم الراحمین۔

امام ترمذی اللہ تعالیٰ کے فرمان کے مطابق ہمیشہ سنت فجر کے بعد یہ دعا مانگا کرتے تھے اور اپنے تلامذہ اور متعلقین کو بھی اس کی تلقین فرماتے اور مواظبت و مداومت پر آمادہ کرتے تھے۔

اگر توسل ممنوع ہوتا تو نہ امام ترمذی ان مقدس ہستیوں کے ساتھ توسل کرتے اور نہ اپنے متعلقین و تلامذہ کو اس کا حکم دیتے

(اور نہ ہی اللہ تعالیٰ کے فرمان کو درست تسلیم کرتے نہ اس خواب کو قابل اعتماد سمجھتے) بلکہ حقیقت یہ ہے کہ ان منکرین کے پیدا ہونے سے پہلے امت کے کسی فردِ سابق یا لاحق اور متقدم و متاخر سلف و خلف نے اس کا انکار نہیں کیا صرف وہابیہ نے ہی امت مرحومہ کے متفق علیہ اور اجماعی راستہ کو چھوڑ کر نیا راستہ اختیار کیا ہے)

امام نووی علیہ الرحمہ نے کتاب الاذکار میں نقل فرمایا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اہلِ ایمان کو بعد از نماز فجر تین مرتبہ یوں کہنا چاہیے۔ اَللّٰهُمَّ رَبَّ جِبْرَئِيلَ وَمِيكَائِيلَ وَإِسْرَافِيلَ وَعِزْرَائِيلَ وَمُحَمَّدٍ أَجِرْنِي مِنَ النَّارِ اے جبرئیل ومیکائیل اسرافیل وعزرائیل اور حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے رب مجھے نارِ جہنم سے امان دے۔ شرح اذکار میں فرمایا کہ ان مقدس ہستیوں کی تخصیص، قبولیت دعا کے لیے ان کے ساتھ توسل کی وجہ سے ہے ورنہ اللہ تعالیٰ تمام مخلوق کا رب ہے تو وجہ تخصیص بیان کرکے واضح کردیا کہ یہ مشروع توسل میں داخل ہے (بلکہ فرمانِ مصطفوی کے تحت مسنون)۔

امام زروق شرح حزب البحر میں متعدد اخیار و صالحین کا ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں "اے اللہ ہم تیری جناب میں ان کا وسیلہ پیش کرتے ہیں کیونکہ وہ تیرے محب ہیں۔ اور انہوں نے اس وقت تک تجھ سے محبت نہیں کی ہے جب تک تو نے ان کو محبوب نہ بنا لیا (يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّونَهُ) وہ تیری محبت کی وجہ سے تیرے محب ہونے کا درجہ پاسکے۔ اور ہم ابھی تک ان سے تیری خاطر بھی محبت رکھنے کے قابل نہیں ہوئے ہیں اور ان کے ساتھ حب فی اللہ کا درجہ ہمیں حاصل نہیں ہوا۔ لہٰذا ہمیں یہ درجۂ عالیہ اور مرتبہ رفیعہ نصیب فرما اور اس کے ساتھ ساتھ عافیت کاملہ بھی حتی کہ اے ارحم الراحمین ہمیں تیری ملاقات تو اسی حال میں نصیب ہو اور اسی کیفیت پر خاتمہ نصیب ہو۔

نورِ نگاہ کے تحفظ اور اس میں اضافہ و قوت کی دعا

بعض عرفاء کاملین سے یہ دعا منقول ہے۔

اَللّٰهُمَّ رَبَّ الْكَعْبَةِ وَبَانِيهَا وَفَاطِمَةَ وَأَبِيهَا وَبَعْلِهَا وَبَنِيهَا نَوِّرْ بَصَرِي وَبَصِيرَتِي وَسِرِّي وَسَرِيرَتِي۔

اے اللہ تعالیٰ جو کعبہ کا رب ہے اور اس کا بانی۔ حضرت سیدہ فاطمہ اور ان کے والد گرامی ان کے خاوند اور ان کی اولاد امجاد کا رب ہے میری نگاہ اور بصیرت کو منور فرما اور میرے اندرون اور باطن کو نورانی بنا۔

یہ دعا نگاہوں کو روشن رکھنے کے لیے مجرب ہے۔ اور جو شخص سرمہ لگاتے وقت یہ دعا پڑھے اللہ تعالیٰ ضرور اس کی آنکھوں کو روشن فرمائے گا۔ اور حقیقی مؤثر فقط اللہ تعالیٰ ہے یہ دعا اسباب عادیہ سے ہے نہ کہ حقیقی مؤثر۔ جیسے کہ طعام اور دیگر مشروبات بھوک اور پیاس دور کرنے کے سبب تو ہیں مگر حقیقتہً سیری و سیرابی اللہ تعالیٰ کا فعل دائر ہے۔ طاعت و فرمانبرداری سعادتِ دارین اور حصولِ درجات کا ذریعہ ہیں جب کہ درحقیقت سعادت و درجات کا عطا کرنے والا اللہ تعالیٰ

ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے ان مقدس ہستیوں کے ساتھ توسل کو قضاء حاجات کا سبب بنا دیا ہے جن کو اللہ تعالےٰ نے عظمتِ شان سے بہرہ ور فرمایا ہے اور ان کی تعظیم وتکریم کا حکم دیا ہے۔ لہٰذا اس میں کفر وشرک کا کوئی پہلو نہیں ہے۔ جو شخص بھی سلف وخلف کے اذکار اور ادعیہ واوراد کا تتبع کرے تو وہ انہیں لامحالہ توسل واستغاثہ پر مشتمل پائے گا مگر ان منکرین کے خراج وظہور سے قبل ان پر کسی نے انکار واعتراض نہیں کیا۔

اگر ہم اسلاف کے جملہ واقعات توسل واستغاثہ کا تذکرہ کریں تو کئی دفتر بھر جائیں لہٰذا اسی قدر کافی ہے (بشرطیکہ عقل سلیم اور طبع مستقیم ہو ورنہ دفتر بھی بیکار ہوں گے) اور جو تفصیل وتطویل پہلے کر چکے ہیں اس کا بھی مقصد وحید فقط یہی تھا کہ شکوک وشبہات میں مبتلاء لوگوں پر اس مسئلہ کی حقیقت پوری طرح واضح ہو جائے۔ کیونکہ محمد بن عبدالوہاب نجدی کے متبعین وپیروکار کتنے ہی سادہ لوح انسانوں کے سامنے ایسے شبہات واوہام پیش کرتے ہیں جن کے ذریعہ سے وہ انہیں اپنے مذہب باطل کی طرف مائل کرتے ہیں۔ تو عین ممکن ہے کہ جو شخص ان کے پیش کردہ شکوک وشبہات سے اپنا بچاؤ کرنا چاہتا ہو وہ ان نصوص اور دلائل پر مطلع ہو کر اپنا دامن بچائے بلکہ ان کے اوہام وخیالات باطلہ کے ابطال پر دلائل قائم کرے۔

توسل، تشفع، استغاثہ اور توجہ کا متحد المعنی ہونا

علامہ ابن حجر مکی الجوہر المنظم میں فرماتے ہیں کہ توسل خواہ لفظ استغاثہ اور توجہ کے ساتھ ہو یا تشفع اور توسل کے الفاظ سے ہر حال میں جائز ہے کیونکہ ان میں مقصد کے لحاظ سے باہم کوئی تفاوت نہیں ہے۔ لفظ توجہ جاہ سے ماخوذ ہے جس کا معنی بلندئ مرتبت ہے۔ اور کبھی عزت ومرتبت کے مالک کے ساتھ اس ذات والا کی طرف توسل کیا جاتا ہے جو اس سے مرتبہ میں اعلیٰ وبرتر ہو۔

استغاثہ کا لفظی معنی طلبِ غوث اور فریادرس کی اپیل ہے۔ اور فریادرسی کا متمنی اس امر کا طلب گار ہوتا ہے کہ اسے مستغاث بہ کے طفیل دوسری ذات سے فریادرسی نصیب ہو خواہ وہ مستغاث بہ سے اعلیٰ وبرتر ہی کیوں نہ ہو۔ الغرض آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ توجہ الی اللہ اور استغاثہ کا اہلِ اسلام کے قلوب واذہان میں صرف یہی معنی ہے اس کے علاوہ قطعاً اور کوئی معنی ان کے سامنے نہیں ہوتا جس کی سمجھ میں یہ بات نہیں آتی تو وہ اپنی عقل کا ماتم کرے اور دوسروں پر اعتراض سے گریز کرے مستغاث درحقیقت اللہ تعالےٰ ہے۔ نبی الانبیاء علیہ السلام فقط اللہ تعالےٰ اور بندۂ مستغیث کے درمیان واسطہ ہیں۔ اور محض سببیت وکسب کے لحاظ سے بطور مجاز آپ کو مستغاث کہا جاتا ہے اور حاجات ومطالب کے خلق وایجاد کے لحاظ سے فقط اللہ تعالےٰ مستغاث اور فریادرس ہے۔ جیسے کہ اللہ تعالےٰ کا ارشاد گرامی "وَمَا رَمَيْتَ إِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى" نہیں کنکریاں پھینکی تم نے کفار کی طرف جب کہ تم نے پھینکیں لیکن وہ صرف اللہ تعالےٰ نے پھینکی تھیں (یہاں بیک وقت پھینکنے کی نسبت بھی آپ کی طرف ہے اور آپ سے نفی کر کے صرف اللہ تعالےٰ کے ساتھ اختصاص بھی) تو یہاں یہی تاویل متعین ہے کہ آپ نے

ان کے اثر اور نتیجہ، ثمرتبہ کو ایجاد نہیں کیا بلکہ وہ اللہ تعالےٰ کی تاثیر وتخلیق ہے اگرچہ آپ باعتبار کسب سببیت کے پھینکنے والے بھی ہیں۔ علیٰ ہذا القیاس قول باری تعالےٰ "فَلَمْ تَقْتُلُوْهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ قَتَلَهُمْ" میں صحابہ کرام علیہم الرضوان سے کفار ومشرکین کے قتل کی نفی ہے لیکن خلق وایجاد کے لحاظ سے حالانکہ واقع میں قتل ان سے ہی صادر ہوا تھا لیکن ظاہری سبب ہونے کے اعتبار سے اور اسی طرح نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی "مَا أَنَا حَمَلْتُكُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ حَمَلَكُمْ" میں نے تمہیں ان سواریوں پر سوار نہیں کیا بلکہ اللہ تعالےٰ نے سوار کیا ہے۔ اور بسا اوقات سنت میں بیان حقیقت ہوتا ہے اور قرآن مجید میں اسناد مجازی یعنی کاسب وسبب کی طرف اسناد کر دیا جاتا ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں "لَنْ يَدْخُلَ أَحَدُ الْجَنَّةَ بِعَمَلِهِ" کوئی شخص بھی جنت میں اپنے عمل کی وجہ سے داخل نہیں ہو سکے گا باوجودیکہ کلام مجید میں ہے۔ "اُدْخُلُوا الْجَنَّةَ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ" جنت میں داخل ہو جاؤ بسبب ان اعمال خیر کے جو دنیا میں کیا کرتے تھے تو باہم تطبیق وتوافق کی صورت یہی ہے کہ آیت کریمہ میں دخول جنت کا سبب عادی بیان کیا گیا ہے۔ جو درحقیقت مؤثر نہیں ہے۔ اور حدیث پاک میں سبب حقیقی یعنی فضل خداوندی کا بیان ہے کیونکہ دخولِ جنت کی علت تامہ فضل خداوند تبارک وتعالےٰ ہی ہے۔

اغثنی یارسول اللہ کا حقیقی معنی

الغرض جس ذات والا صفات سے سببیت وکسب کے لحاظ سے فریادرسی حاصل ہو تو وہاں پر استغاثہ کا اطلاق لغت وشریعت دونوں میں جائز اور درست ہے۔ جب "أَغِثْنِيْ يَا اَللّٰهُ" کہا جائے تو اللہ تعالےٰ کی طرف اغاثہ اور فریادرسی کا اسناد مقصد کی خلق وایجاد کے لحاظ سے ہے اور حقیقی ہے۔ اور جب "أَغِثْنِيْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ" کہا جائے تو یہ اسناد مجازی ہوگا اور وجہِ مجاز آپ کا وسیلہ اور ذریعۂ اغاثہ وفریادرسی ہونا ہے یعنی دعا وشفاعت کے اعتبار سے اگر علماء وائمہ کے کلام کا تتبع کیا جائے۔ تو اس قسم کے مجازی اسناد کے تحت انبیاء واولیاء کو مغیث وفریادرس ہونا بکثرت نظر آئے گا۔ مثلاً صحیح بخاری میں مبحث حشر اور حساب ومحاسبہ کے لیے لوگوں کا وقوف بیان کرتے ہوئے ذکر کیا "اِسْتَغَاثُوْا بِآدَمَ ثُمَّ بِمُوْسٰى ثُمَّ بِمُحَمَّدٍ صلی اللہ علیہ وعلیہم وسلم" تو دیکھئے یہاں خود ہادی امم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت آدم علیہ السلام سے سفارش اور شفاعت کی التجاء کو استغاثہ سے تعبیر فرمایا ہے لیکن حقیقی مغیث بہرحال اللہ تعالےٰ ہے آدم صفی اللہ کی طرف نسبت مجازی ہے۔ اور علیٰ ہذا القیاس دیگر انبیاء علیہم السلام کی طرف بھی۔

۲۔ نیز آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے صحیح روایت کے ساتھ ثابت ہے کہ جس شخص کو امداد وتعاون کی ضرورت ہو تو یوں کہے "يَا عِبَادَ اللّٰهِ أَعِيْنُوْنِيْ (وفی روایۃ أَغِيْثُوْنِيْ)" اے اللہ تعالےٰ کے بندگان کرام میری مدد کرو اور میری فریاد کو پہنچو۔

۳۔ قارون کے خسف اور زمین میں دھنسنے کے واقعہ میں یوں مذکور ہے کہ جب اس کو زمین میں دھنسایا جانے لگا تو اس نے موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ استغاثہ کیا لیکن آپ نے فریادرسی نہ فرمائی۔ بلکہ فرمانے لگے اے زمین اسے پوری قوت کے

ساتھ اپنی گرفت میں لے لے تو اللہ تعالےٰ نے موسیٰ کلیم علیہ السلام کے اس طرزِ عمل کو پسندیدہ قرار نہ دیا بلکہ فرمایا اس نے تم سے فریاد رسی کی درخواست کی اور تم نے قبول نہ کی اگر مجھ سے کرتا تو ضرور قبول کر لیتا" اِسْتَغَاثَ بِكَ فَلَمْ تُغِثْهُ وَلَوِ اسْتَغَاثَ بِیْ لَاَغَثْتُهٗ "، تو کلام باری تعالےٰ میں اغاثہ اور فریاد رسی کی نسبت موسیٰ علیہ السلام کی طرف بھی ہے لیکن باعتبار اسناد مجازی کے اور اللہ تعالےٰ کی طرف بھی ہے لیکن باعتبار اسناد حقیقی کے ؏

توسّل کی حقیقت

کبھی توسل سے مقصود دعا کی اپیل ہوتی ہے اور بعد از وصال بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے توسل جائز ہے کیونکہ آپ زندہ ہیں اور سائلین کے سوال کو جانتے ہیں۔ اور قبل ازیں حضرت بلال بن حارث مزنی کی روایت گذر چکی ہے کہ انہوں نے روضہ اقدس پر حاضر ہو کر عرض کیا "یَارَسُوْلَ اللّٰہِ اِسْتَسْقِ لِاُمَّتِكَ "، اے رسول خدا امت کے لیے باران رحمت کی دعا کیجیے تو روز روشن کی طرح عیاں ہو گیا کہ محبوب کریم علیہ السلام کے وصال شریف کے بعد بھی حصولِ مراد اور حلِ مشکلات کی دعا کے لیے عرض کرنا جائز ہے جیسے کہ حالتِ حیاتِ ظاہرہ میں کیونکہ انہیں سوالات امت کا علم بھی ہوتا ہے اور وہ دعا و شفاعت کے ذریعے حصولِ مقاصد کا سبب بھی بن سکتے ہیں۔

اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ توسل ہر کار خیر میں جائز ہے خواہ اس دنیائے آب و گل میں ظہور فرما ہونے سے پہلے کا زمانہ ہو۔ یا حیاتِ دنیویہ اور عالم برزخ کا زمانہ ہو یا میدانِ محشر کی ہولناکیوں اور مصائب و شدائد کا دور ہو۔ اور یہ تمام صورتیں اخبار متواترہ اور اجماع اسلاف و اخلاف سے ثابت ہیں۔ اور منکرین اس اجماع کے مخالف ہیں۔ خلاصہ مقصود یہ ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کو اللہ تعالےٰ کے ہاں اس کے فضل و کرم اور عطاء و بخشش سے جاہ و مرتبتِ واسعہ حاصل ہے اور قدر عالی اور درجۂ رفیعہ (لہٰذا ان کو وسیلہ بنانا جائز بھی ہے اور اعظم القربات سے بھی ہے)۔

منکرین توسل کا تخیل فاسد اور زعم باطل

بعض محرومانِ سعادت کا خیال یہ ہے کہ توسل و زیارت سے منع کرنے میں توحید باری تعالےٰ کا تحفظ ہے اور رخصت و

ے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسل و احباب میں باہم راز و نیاز کی باتیں ہوتی ہیں ان میں دوسروں کو دخل اندازی کی مجال نہیں ہے۔ اللہ تعالےٰ ہی موسیٰ علیہ السلام کو حکم دے دیتا کہ اس کی فریاد رسی کر دو اس نے ان کو اللہ تعالےٰ کا نائب سمجھ کر ہی فریاد رسی کی درخواست کی تھی نہ اللہ تعالےٰ کا شریک اور مدمقابل سمجھ کر نیز فرعون نے توبہ و ندامت کا اظہار کیا اور ایمان لانے کا برملا اعلان کیا مگر اللہ تعالےٰ نے اس کا ایمان قبول نہ کیا اور اسے غرق ہونے سے نہ بچایا تو موسیٰ کلیم علیہ السلام کا یہ عمل اللہ تعالےٰ کے اسی عمل کی تقلید تھی۔ نیز یہ بھی معلوم ہو کہ گستاخانِ بارگاہ نبوت بہر حال تباہ و برباد اور نیست و نابود ہو کر رہتے ہیں اور ان کا معاملہ باذن اللہ رسل کرام کے ہاتھ میں دے دیا جاتا ہے۔ فاللہ و رسولہ اعلم فافہم محمد اشرف

اجازت میں توحید کے اندر خلل اندازی اور شرک ہے۔ تو یہ تخیل فاسد ہے کیونکہ جب زیارتِ روضۂ اقدس میں اور توسل و استغاثہ میں شریعت مطہرہ کے آداب کی رعائت کی جائے تو کسی غیر مشروع اور ممنوع امر کا ارتکاب لازم نہیں آتا۔

اور یہ کہنا کہ ہم سد ذرائع کے تحت توسل و زیارت کو ممنوع قرار دیتے ہیں تو یہ اللہ تعالےٰ اور اس کے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم پر بہتان اور افترا ہے۔ اور گویا ان مانعین کا عقیدہ یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم و تکریم جائز نہیں ہے۔ لہٰذا جہاں کہیں کسی مخلص مومن سے تعظیمِ نبوی صادر ہوتی ہے تو یہ لوگ کفر و شرک کا حکم لگا دیتے ہیں حالانکہ یہ حکم خلافِ حقیقت ہے۔ کیونکہ اللہ تعالےٰ نے طرح طرح سے حبیب اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت مقام اور تعظیم و تکریم کو بیان فرمایا ہے۔ تو اللہ تعالےٰ کے بندے ہونے کے ناطے ہم پر فرض ہے کہ ہم بھی اس ذات پاک کی تعظیم بجا لائیں جس کی تعظیم اللہ تعالےٰ کرے اور اس کا حکم دے۔ البتہ اتنا ضرور ہے کہ آپ کو صفات ربوبیت کے ساتھ قطعاً موصوف نہ ٹھہرائیں۔ اللہ تعالےٰ امام بوصیری کو خصوصی رحمتوں سے نوازے انہوں نے کیا خوب فرمایا ؎

دَعْ مَا ادَّعَتْهُ النَّصَارٰی فِیْ نَبِیِّهِمْ ۔۔۔ وَاحْكُمْ بِمَا شِئْتَ مَدْحًا فِیْهِ وَاحْتَكِمِ

ترجمہ: نصاریٰ نے اپنے نبی عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق الوہیت اور ابن اللہ ہونے کا جو دعویٰ کیا ہے اس کو ترک کرتے ہوئے دیگر فضائل و کمالات جس قدر چاہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم میں تسلیم کر اور ان کا حکم دے تاکہ لوگ بھی ان کا اعتقاد رکھیں۔

لہٰذا صفاتِ ربوبیت کے علاوہ فضائل و کمالات ثابت کرنے میں کوئی وجہ کفر و شرک کی نہیں ہے۔ بلکہ وہ عظیم ترین طاعات و عبادات سے ہے۔ اور یہی حکم ان تمام مقربانِ بارگاہِ خداوندی کا ہے جن کی عظمتِ شان اللہ تعالےٰ نے بیان فرمائی ہے۔ یعنی انبیاء و مرسلین علیہم الصلوٰۃ والتسلیم، ملائکہ مقربین اور صدیقین و شہداء اور صالحین۔

شعائر کی تعظیم اللہ تعالیٰ کی عبادت ہے اور شعائر اللہ کا بیان

اللہ تعالےٰ کا ارشاد گرامی ہے۔

"وَمَنْ يُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ"

جو شخص شعائر اللہ کی تعظیم بجا لائے تو یہ قلبی تقویٰ میں داخل ہے اور عبادت خداوندی ہے۔

اللہ تعالےٰ کا فرمان واجب الاذعان ہے

"وَمَنْ يُّعَظِّمْ حُرُمٰتِ اللّٰهِ فَهُوَ خَيْرٌ لَّهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ"

اور جو شخص اللہ تعالےٰ کے نزدیک عزت و حرمت کے لائق اشیاء کی تعظیم بجا لاتا ہے تو وہ اس کے لیے اللہ تعالیٰ کے ہاں بہتر ہے۔

اوران شعائر وحرمات میں کعبہ معظمہ، حجر اسود اور مقام ابراہیم علیہ السلام داخل ہیں۔ حالانکہ وہ پتھر ہیں مگر اللہ تعالےٰ نے بیت اللہ کے طواف، رکن یمانی کے مس کرنے، حجر اسود کو بوسہ دینے، مقام ابراہیم کے پیچھے نماز پڑھنے کا حکم دیا ہے۔ اور دعا کے لیے مستجار، باب کعبہ اور ملتزم کے پاس کھڑا ہونے کا امر فرمایا ہے لیکن ان تمام معاملات میں ہم نے صرف اللہ تعالےٰ کی عبادت کی ہے۔ اور کسی دوسری چیز کے مؤثر ہونے یا نافع اور نقصان وہ ہونے کا عقیدہ نہیں رکھا بلکہ ان امور کو صرف اللہ تعالےٰ کے ساتھ مختص مانتے ہیں۔

تعظیم مصطفوی اور شرک میں فرق

حاصل کلام یہ ہے کہ یہاں دو۲ امر ہیں ایک نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم وتکریم کا وجوب ولزوم اوران کے مرتبہ کا تمام مخلوق سے بلند وبرتر ہونا۔ دوسرا ربوبیت باری کو بلا شرکت غیرے تسلیم کرنا اور اللہ تعالےٰ کو ذات وصفات اور افعال میں منفرد ومتوحد ماننا جو شخص مخلوق میں سے کسی کی اللہ تعالےٰ کے ساتھ ان امور میں سے کسی امر کے اندر مشارکت تسلیم کرتا ہے تو وہ لامحالہ مشرک ہوگیا۔ جیسے کہ مشرکین جو اصنام واوثان میں الوہیت تسلیم کرتے تھے اوران کو مستحق عبادت سمجھتے تھے۔ اوراسی طرح جو شخص رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مرتبہ میں تقصیر وتفریط سے کام لیتا ہے تو وہ عصیان وکفر میں گرفتار ہوگیا۔ البتہ جو شخص انواع واقسام تعظیم کما حقہ بجالاتا ہے اور آپ کو صفات الوہیت کے ساتھ موصوف نہیں مانتا تو اس نے راہ حق کو پالیا۔ اور صحیح معنوں میں ربوبیت ورسالت کے حقوق ادا کردئے اوران کا پاس ولحاظ رکھا اور یہی وہ قول اور اعتقاد ہے جو افراط وتفریط سے پاک ہے۔

جہاں تک ممکن ہو مومن کے کلام کو ایسے معنی پر حمل کیا جائے جس میں کفر لازم نہ آئے

اگر مومنین کے کلام میں کسی چیز کی نسبت غیر اللہ کی طرف پائی جائے جس کا صدور اللہ تعالےٰ کے ساتھ خاص ہے تو اسے مجاز عقلی پر محمول کرنا لازم ہے اور اسے کافر قرار دینے کی کوئی وجہ نہیں کیونکہ مجاز عقلی خود کلام مجید میں بکثرت وارد ہے اور سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں بھی مثلاً قول باری تعالیٰ ہے۔ "وَاِذَا تُلِیَتْ عَلَیْہِمْ آیَاتُہٗ زَادَتْہُمْ اِیْمَانًا" جب ان پر اللہ تعالےٰ کی آیات تلاوت کی جائیں تو وہ ان کے ایمان میں اضافہ اور ترقی پیدا کرتی ہیں حالانکہ حقیقۃً ایمان میں ترقی اور اضافہ اللہ تعالےٰ پیدا فرماتا ہے اور آیات صرف اس کا سبب ہیں۔ تو یہ اسناد مجازی عقلی پر مبنی ہے۔ ارشادِ خداوندی ہے۔ "یَوْمًا یَّجْعَلُ الْوِلْدَانَ شِیْبًا" وہ دن جو بچوں کو بوڑھا کردے گا یہاں بھی مجاز عقلی ہے کیونکہ قیامت کا دن بچوں کے بوڑھا کرنے کا سبب ہے حقیقت میں ان کو بوڑھا کرنے والا اللہ رب العزت ہے۔ فرمان رب العزت ہے، "وَلَا یَغُوْثَ وَیَعُوْقَ وَنَسْرًا وَقَدْ اَضَلُّوْا کَثِیْرًا" یہاں گمراہ کرنے کی نسبت یغوث، یعوق اور نسر نامی بتوں کی طرف کی گئی ہے کیونکہ وہ منشاء ضلالت اور سبب گمراہی ہیں ورنہ حقیقت میں خالق

ہدایت وضلالت صرف اللہ وحدہٗ لاشریک لہٗ ہے لہٰذا یہاں بھی اسناد مجاز عقلی پر مبنی ہے۔ اللہ تعالےٰ نے قول فرعون کی حکایت کرتے ہوئے فرمایا "یَا ہَامَانُ ابْنِ لِیْ صَرْحًا" اے ہامان میرے لیے انتہائی بلند مکان بنا حالانکہ ہامان بنا کرنے کا حکم دینے والا تھا نہ کہ خود بنا کرنے والا۔ بانی تو معمار تھے اور ہامان سبب آمر تھا لہٰذا یہاں بھی بناء صرح کا اسناد ہامان کی طرف مجاز عقلی کے قبیل سے ہے۔

اسی طرح احادیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں مجاز عقلی بکثرت مذکور ہے جو شخص ان کی واقفیت رکھتا ہے اور اسناد حقیقی ومجازی کو سمجھتا ہے وہ لامحالہ اس پر مطلع ہوجائے گا ان کو نقل کرکے کلام کو مزید طول دینے کی ضرورت نہیں ہے۔

علماء کرام فرماتے ہیں اسناد مجازی کا اہل ایمان سے صدور ہی اس کو مجاز پر حمل کرنے کے لیے کافی ہے کیونکہ اعتقاد صحیح یہ ہے کہ عباد اوران کے افعال کا خالق صرف اللہ تعالےٰ ہے اس کے علاوہ کسی زندہ یا فوت شدہ ہستی کو ان میں قدرت تاثیر وتصرف نہیں ہے اور یہی توحید خالص ہے جو اس سے مختلف عقیدہ رکھے وہ شرک کا مرتکب ہوگا۔

مانعین توسل معتزلہ کی راہ پر

زندہ اور فوت شدہ اشخاص میں تاثیر وتصرف کے لحاظ سے فرق کرنا اور زندہ کو اپنے افعال واعمال کا خالق تسلیم کرنا بخلاف فوت شدہ کے تو یہ اہل السنت کا مذہب نہیں بلکہ معتزلہ کا ہے (قولِ باری خَالِقُ کُلِّ شَیْءٍ اور ارشاد خداوندی "وَاللّٰہُ خَلَقَکُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ" کا مصادم ومخالف ہے جس میں خالقیت کو اللہ تعالےٰ کے ساتھ خاص کردیا ہے اور ذوات عباد اور اعمال خلق کو اس کی خالقیت محیط وشامل قرار دی گئی ہے۔

اگر یہ مانعین جو بزعم خویش محافظ توحید بنے ہوئے ہیں اور الفاظ موہمۂ شرک سے منع کرنے کے درپے ہیں اور ذرائع واسباب کفر کا دروازہ بند کرنے کا عزم کئے ہوئے ہیں صرف عوام مومنین کو از راہ ادب ایسے الفاظ استعمال کرنے سے منع کرتے جن سے غیر اللہ کی تاثیر اور ایجاد کا وہم ہوتا ہو اور بصورت صدور ان کو مجاز عقلی پر محمول کرتے اور دائرۂ ادب ونیاز میں رہتے ہوئے توسل واستغاثہ کو جائز رکھتے تو ان کے کلام کی کوئی وجہ ہوسکتی تھی لیکن بالکل ہی اس کو ممنوع اور غیر مشروع قرار دینا احادیث صحیح کے مخالف اور اسلاف واخلاف کے عمل واعتقاد کے خلاف ہے لہٰذا جمہور کی اتباع اور سواد اعظم کی پیروی کو لازم پکڑیے اور شذوذ ومخالفت کے مرتکب لوگوں کی پیروی سے گریز کیجئے۔[۱]

اللہ تعالےٰ کا ارشاد ہے۔

"وَمَنْ یُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَیَّنَ لَہُ الْہُدٰی وَیَتَّبِعْ غَیْرَ سَبِیْلِ الْمُؤْمِنِیْنَ نُوَلِّہٖ مَا تَوَلّٰی وَنُصْلِہٖ

[۱] اتباع جمہور اور سواد اعظم ہی راہ راست پر ہونے کی ضمانت ہے

جَهَنَّمَ وَسَاءَتْ مَصِيْرًا۔

ترجمہ: جو شخص رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کرے بعد ازاں کہ حق وصواب اور راہِ ہدیٰ اس پر واضح ہو چکا اور اہل ایمان کے راستہ کو چھوڑ کر علیحدہ راہ اختیار کرے تو ہم اس کو ادھر پھیر دیں گے جدھر وہ پھرے گا اور اسے جہنم میں داخل کریں گے اور وہ بہت بُرا ٹھکانا ہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے۔

"عَلَيْكُمْ بِالسَّوَادِ الْاَعْظَمِ فَاِنَّمَا يَاكُلُ الذِّئْبُ مِنَ الْغَنَمِ الْقَاصِيَةَ۔

سواد اعظم کا ساتھ ہرگز نہ چھوڑو کیونکہ بھیڑیے اسی بھیڑ کو کھاتے ہیں جو ریوڑ سے الگ ہو جاتی ہے۔

رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ پاک ہے

"مَنْ فَارَقَ الْجَمَاعَةَ شِبْرًا فَقَدْ خَلَعَ رِبْقَةَ الْاِسْلَامِ مِنْ عُنُقِهٖ"

جو شخص جماعت اہل اسلام سے ایک بالشت بھی دور ہوا تو اس نے اسلام کی رسی اپنی گردن سے اتار پھینکی۔

علامہ ابن الجوزی نے تلبیس ابلیس میں بہت سی احادیث نقل فرمائی ہیں جن میں سواد اعظم سے علیحدگی پر سخت وعید فرمائی گئی ہے۔ من جملہ ان احادیث کے۔

حدیث عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے جابیہ کے مقام پر خطبہ دیا اور فرمایا جو شخص جنت کے وسط اور اعلیٰ درجہ پر پہنچنا چاہتا ہے تو جماعتِ اہل اسلام کے ساتھ رہنے کا التزام کرے۔ کیونکہ شیطان ایک کے ساتھ ہوتا ہے اور وہ دو سے نسبتاً دور ہوتا ہے۔

حضرت عرفجہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ میں نے رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کو فرماتے ہوئے سنا۔ يَدُ اللّٰهِ عَلَى الْجَمَاعَةِ وَالشَّيْطَانُ مَعَ مَنْ يُخَالِفُ الْجَمَاعَةَ۔ اللہ تعالےٰ کا دستِ حفظ وامان جماعت پر ہے اور شیطان اس کا ساتھی ہے جس نے جماعت سے علیحدگی اختیار کی۔

اسامہ بن شریک کی روایت میں ہے کہ میں نے نبی الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا، اللہ تعالےٰ کا دستِ فضل وکرم جماعت پر ہے جو ان سے علیحدگی اختیار کرتا ہے اس کو شیاطین اچک لیتے ہیں جیسے کہ بھیڑیا ریوڑ سے علیحدہ ہونے والی بھیڑ کو اچک لیتا ہے۔

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا شیطان انسان کے لیے بھیڑیا ہے جیسے کہ بھیڑوں کے لیے بھیڑیا ہوتا ہے اور ہر علیحدہ ہونے والی اور دوری اختیار کرنے والی بھیڑ کو لقمہ بنا لیتا ہے لہٰذا اپنے آپ کو مختلف گھاٹیوں میں جانے سے بچاؤ اور جماعت عامہ اور مسجد کو لازم پکڑے رہو۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ محبوب کریم علیہ السلام نے فرمایا "دو شخص جو باہم متحد ومتفق ہیں وہ اکیلے

شخص سے بہتر ہیں۔ تین دو سے بہتر ہیں اور چار تین سے۔ لہٰذا جماعت کی رفاقت کو لازم سمجھو کیونکہ اللہ تعالےٰ میری امت کو راہ ہدیٰ کے علاوہ اور کسی راہ پر جمع نہیں فرمائے گا۔

لیکن ان منکرین توسل اور مانعین استغاثہ نے جماعت اہل اسلام اور سواد اعظم سے مفارقت اختیار کی ہے اور ان آیات کا سہارا لیا ہے جو مشرکین اور بت پرست کفار کے حق میں نازل ہوئی تھیں اور انہیں ان اہل اسلام پر چسپاں کر دیا ہے جو صالحین کے مزارات کی زیارت کرتے ہیں اور ان سے توسل کرتے ہیں۔ اور اس طرح امت کی عظیم اکثریت علماء صلحاء اور عابدین وزاہدین اور عوام اہل اسلام کو کافر قرار دے دیا ہے۔ اور کہا کہ یہ سب ان مشرکین کی مانند ہیں جنہوں نے کہا "مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَا اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى" ہم ان اصنام واحجار کی عبادت صرف اس لیے کرتے ہیں کہ یہ ہمیں اللہ تعالےٰ کے قریب کر دیں۔ حالانکہ یہ ہر ایک کو معلوم ہے کہ مشرکین غیر اللہ کی الوہیت کے معتقد تھے۔ اور ان کے استحقاق عبادت کے قائل تھے۔ اور اس کے برعکس اہلِ ایمان کسی غیر اللہ میں یہ عقیدہ نہیں رکھتے تو یہ مانعین ومنکرین ان کو مشرکین کی مانند کیسے قرار دے سکتے ہیں۔ سُبْحَانَكَ هٰذَا بُهْتَانٌ عَظِيْمٌ۔

بزعم منکرین سرورِ دو عالم فخر عرب وعجم صلی اللہ علیہ وسلم سے طلب شفاعت کے وجوہ ممانعت

یہ خوارج حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے شفاعت کی اپیل کو ممنوع قرار دینے میں یہ شبہات پیش کرتے ہیں کہ

۱۔ اللہ تعالےٰ قرآن مجید فرقان حمید میں فرماتا ہے "مَنْ ذَا الَّذِيْ يَشْفَعُ عِنْدَهٗ اِلَّا بِاِذْنِهٖ" کون ہے وہ شخص جو اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کے اذن کے بغیر شفاعت کر سکے۔

۲۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے "وَلَا يَشْفَعُوْنَ اِلَّا لِمَنِ ارْتَضٰى" وہ شفاعت نہیں کریں گے مگر جس کے لیے ان کی شفاعت اللہ تعالےٰ پسند فرمائے گا۔

تو حبیبِ کریم علیہ السلام سے شفاعت کے طلب گار کو یہ کیسے معلوم ہو سکتا ہے کہ انہیں میرے حق میں شفاعت کا اذن مل چکا ہے تاکہ شفاعت طلب کرے۔ اور اسے اس امر کا وثوق کیونکر ہو سکتا ہے کہ میں بھی ان لوگوں سے ہوں جن کی شفاعت اللہ تعالےٰ کو پسند ہے تاکہ ان سے شفاعت کی اپیل کرے (کیونکہ کلامِ مجید نے شفاعت کو ان دو صورتوں میں منحصر کر دیا ہے)

مخالفین کے شبہات کا جواب: ان کا یہ استدلال اُن احادیث صحیحہ کے باعث مردود ہے جن سے سرور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے عملی طور پر اذن مل جانا ثابت ہے مثلاً

۱۔ ان لوگوں کے لیے اذن شفاعت ثابت ہے جو اذان اور اقامت کے بعد یہ دعا کریں۔ اَللّٰهُمَّ رَبَّ هٰذِهِ الدَّعْوَةِ التَّامَّةِ وَالصَّلٰوةِ الْقَائِمَةِ۔

۲۔ جو شخص جمعہ کے دن بکثرت درود وسلام بارگاہ سید انام علیہ الصلوٰۃ والسلام میں پیش کرے۔
۳۔ جو شخص قبرِ منور اور روضۂ اطہر کی زیارت کرے ان تمام لوگوں کے لیے بالفعل شفاعت کا اذن ثابت ہے۔
۴۔ بلکہ عصاۃ امت اور ذنوب وآثام میں مبتلا لوگوں کے لیے بھی شفاعت کا حصول صراحۃً ثابت ہے۔ حبیب معظم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں "شَفَاعَتِیْ لِاَھْلِ الْکَبَائِرِ مِنْ اُمَّتِیْ" میری شفاعت امت کے گنہگار اور کبیرہ گناہوں کے مرتکبین کے لیے ہے تو جو شخص بھی ایمان پر فوت ہو خواہ کتنا ہی گنہگار کیوں نہ ہو آپ کی شفاعت اس کو حاصل ہوگی۔ لہٰذا ان احادیث سے ثابت ہو گیا کہ تمام مومنین حیطۂ شفاعت میں داخل ہیں (اور وہ الا لمن ارتضیٰ میں مندرج ہیں) اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بالفعل اذن شفاعت مل چکا ہے (اور آپ الا باذنہ میں داخل ہیں)ع

لہٰذا جو شخص رسول محتشم صلی اللہ علیہ وسلم سے شفاعت طلب کرتا ہے وہ گویا اللہ تعالےٰ کی جناب میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ سے یہ دعا کرتا ہے کہ اللہ تعالےٰ اس کے ایمان کو محفوظ رکھے اور اسی پر اس کا خاتمہ کرے تاکہ اسے حبیب خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت نصیب ہو جائے الغرض تفصیلی دلائل کی یہاں ضرورت نہیں امر شفاعت بالکل واضح ہے ہاں نگاہ بصیرت ہی ختم ہو جائے اور دل ہی اندھا ہو جائے تو اس کا علاج ہمارے پاس کیا ہے۔

ندا غیر اللہ کے ممنوع ہونے پر پیش کردہ شبہات کا رد

غیر اللہ کو پکارنے کے متعلق منکرین توسل کا سہارا یہ وہم وتخیل ہے کہ جمادات، غائب اشیاء، اور اموات کو پکارنا شرک اکبر ہے جس کی وجہ سے مشرک کا خون بہانا اور مال چھین لینا مباح ہو جاتا ہے۔ اور ان کا منشا غلطی یہ ہے کہ اموات وجمادات اور غائبین کو ندا کرنا دعا ہے اور دعا، عبادت ہے بلکہ عبادت کا بھی مغز اور حاصل مقصود اور بہت سی آیاتِ قرآنیہ کو انہوں نے موحدین پر چسپاں کر کے انہیں مشرک قرار دے دیا حالانکہ وہ بت پرست مشرکین کے حق میں نازل ہوئی تھیں۔ اور ایسی کافی آیات کا ہم ذکر کر چکے ہیں۔

ع۔ کلام مجید فرقانِ حمید میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو مقام محمود پر فائز کرنے کی امید دلائی گئی ہے قال تعالیٰ عَسٰی اَنْ یَّبْعَثَکَ رَبُّکَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا اور مقام محمود مقام شفاعت ہے اور یہ کمال ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو عنقریب اس منصب پر فائز ہونے کی امید دلائے اور پھر محروم کردے بلکہ حدیث پاک میں جو دعا بعد الاذان مانگنے کا حکم دیا گیا ہے اور مستحق شفاعت ہونے کا مژدہ سنایا گیا ہے اس میں فرمایا گیا ہے۔ وابعثہ مقامًا محمودًا الذی وعدتہ۔ جس مقام محمود کا تو نے نبی کریم علیہ السلام کو وعدہ دیا ہے انہیں اس مقام پر فائز فرما۔ جب آپ نے اس آیت مبارکہ سے مقام محمود کا وعدہ سمجھا ہے تو یقیناً وہی حق ہے اور اس کا خلاف محال ہے لہٰذا اذن شفاعت عملی طور پر آپ کو حاصل ہے۔

محمد اشرف غفرلہ

حاصل رد وقدح: ان منکرین کی بنا اور مبنیٰ دونوں فاسد وباطل ہیں اول اس لئے کہ اموات اور غائبین کی ندا کے شرک ہونے کی ان کے پاس کوئی دلیل نہیں ہے بلکہ احادیث صحیحہ سے صراحۃً ان کے عقیدۂ مزعومہ کا بطلان ثابت ہے اور ثانی یعنی مبنیٰ کی وجہ بطلان یہ ہے کہ بے شک بعض اوقات ندا، کو دعا سے تعبیر کیا جاتا ہے جیسے کہ قول باری تعالےٰ "وَلَا تَجْعَلُوْا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ بَیْنَکُمْ کَدُعَآءِ بَعْضِکُمْ بَعْضًا" (آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ندا، وپکار کو ایک دوسرے کی ندا، وپکار کی مانند مت سمجھو) میں ندا، کو دعاء سے تعبیر کیا گیا ہے لیکن ہر دعا، عبادت نہیں ہے۔ اور اگر ہر ندا، عبادت ہو تو پھر تو اس میں زندہ اور فوت شدہ لوگوں کی ندا، وپکار بھی داخل ہو جائے گی اور ممنوع وحرام ہو گی حالانکہ یہ لازم باطل ہے تو لامحالہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ صرف وہ ندا، وپکار عبادت ہے جس میں منادیٰ (پکاری ہوئی ذات) کو اِلٰہ اور مستحق عبادت سمجھ کر ندا، کی جائے اور اس نظریہ کے تحت اس کی طرف رغبت ومیلان اور اس کے آگے خضوع وخشوع کیا جائے۔

الغرض موجب شرک فقط غیر اللہ میں الوہیت کا اعتقاد ہے اور غیر اللہ کی تاثیر کا عقیدہ، محض کسی شخص کو پکارنا خواہ اس کے متعلق الوہیت اور ایجاد وتخلیق کا عقیدہ نہ بھی ہو عبادت اور شرک نہیں ہے خواہ وہ منادیٰ میت ہو یا غائب وبعید یا جماد اور بے جان اشیاء، ہوں اور یہ سب ندائیں احادیث صحیحہ اور آثار صریحہ میں وارد ہیں۔

لہٰذا ان کا یہ دعویٰ کہ میت وجماد اور غائب کی ندا، دعاء ہے اور ہر دعا عبادت ہے۔ اس کی کلیت اور اطلاق وعموم غیر مسلم ہے۔ اور ہر ندا، عبادت ہو تو زندہ لوگوں کو پکارنا بھی ممنوع ہو گا جیسے کہ اموات کو پکارنا کیونکہ وہ دونوں غیر موثر ہونے میں برابر ہیں۔ اور نہ ہی کوئی مومن کسی غیر اللہ میں زندہ ہو یا مردہ الوہیت اور تاثیر وایجاد کا عقیدہ رکھتا ہے۔ جو دعا، عبادت بلکہ مغز اور روح عبادت ہے وہ اِلٰہ کی طرف رغبت اور اس کے حضور خضوع وخشوع ہے۔

میں بہت سی ایسی احادیث وروایات اور سنن وآثار تمہارے سامنے رکھتا ہوں جن میں اموات وغائبین اور جمادات کو ندا، کی گئی ہے۔ اگرچہ ان احادیث وآثار میں سے اکثر کا ذکر قبل ازیں ہو چکا ہے لیکن اعادہ بھی خالی از افادہ نہیں ہے۔

۱۔ حدیثِ ضریر جو حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ سے منقول ہے اس میں "یَا مُحَمَّدُ اِنِّیْ اَتَوَجَّہُ بِکَ اِلٰی رَبِّکَ" موجود ہے اور یہ بھی عرض کیا جا چکا ہے کہ صحابہ کرام علیہم الرضوان نے سرور دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال شریف کے بعد بھی اس دعاء پر عمل کیا۔

۲۔ حدیث بلال بن حارث مزنی میں وارد ہے کہ وہ قبر انور پر حاضر ہوئے اور عرض کیا "یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اِسْتَسْقِ لِاُمَّتِکَ" اس میں نداء وخطاب بھی ہے اور آپ سے استسقاء کی درخواست بھی ہے حالانکہ آپ کا وصال ہو چکا تھا۔

۳۔ جن احادیث میں زیارت قبور کا ذکر ہے ان میں اکثر کے اندر اموات کو ندا، وخطاب ہے مثلاً السلام علیکم یا اہل القبور۔ السلام علیکم اھل الدیار من المومنین وانا ان شآء اللہ بکم لاحقون، ان میں اموات کو ندا، وخطاب ہے اور یہ احادیث بکثرت کتب حدیث میں وارد ہیں (بلکہ تواتر وتوارث کے ساتھ ان کا معمول بہ ہونا بھی ثابت ہے اور یہ اہلِ اسلام کا شعار اور امتیازی

نشان ہے) لہٰذا ان کو مفصلاً بیان کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

۴۔ پہلے تفصیلی طور پر بیان ہو چکا ہے کہ مذاہب اربعہ کے علماء اسلاف و اخلاف نے قبرِ انور اور روضۂ اطہر کی زیارت کرنے والے کے لیے اس امر کو مستحب قرار دیا ہے کہ قبرِ اقدس کے سامنے کھڑا ہو کر عرض کرے۔

"یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اِنِّیْ جِئْتُکَ مُسْتَغْفِرًا مِنْ ذَنْبِیْ مُسْتَشْفِعًا بِکَ اِلٰی رَبِّیْ"

اے رسول خدا میں آپ کی خدمت میں اپنے گناہوں کی مغفرت طلب کرنے کے لیے اور آپ کے ساتھ جنابِ الٰہی میں توسل و استغاثہ کرنے کے لئے حاضر ہوا ہوں۔

۵۔ حضرت بلال بن حارث سے صحیح سند کے ساتھ ثابت ہے کہ انہوں نے مشہور قحط کے سال "جس کو عام رمادہ کہا جاتا ہے" ایک بکری ذبح کی جو بہت دبلی اور کمزور تھی تو پکار پکار کر کہنے لگے وَا مُحَمَّدَاہ وَا مُحَمَّدَاہ

۶۔ صحیح روایات سے ثابت ہے کہ جب صحابہ کرام علیہم الرضوان نے مسیلمہ کذاب اور اس کے متبعین کے ساتھ جہاد کیا تو میدان جنگ میں ان کا شعار اور امتیازی نشان یہ الفاظ تھے وا محمداہ وا محمداہ

۷۔ قاضی عیاض علیہ الرحمہ نے شفاء شریف میں ذکر کیا ہے۔ کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا پاؤں سُن ہو گیا تو ان سے عرض کیا گیا اس ذات اقدس کو یاد کیجیے جو آپ کو سب لوگوں سے زیادہ محبوب ہیں تو انہوں نے یوں پکارا وا محمداہ فوراً ان کا پاؤں درست ہو گیا۔

۸۔ وہ تشہد جسے ہر مسلمان ہر نماز میں پڑھتا ہے اس میں نداء و خطاب موجود ہے "اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّھَا النَّبِیُّ" اور یہ خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام علیہم الرضوان کو سکھلایا (لیکن یہ حکم نہیں دیا کہ صرف قریب رہنے والے پڑھیں اور نہ یہ حکم دیا کہ میرے وصال کے بعد اس کو ترک کر دینا تو کیا نعوذ باللہ قریب و بعید اور حالت حیات و ممات میں السلام علیک ایھا النبی کہنے والے مشرک ٹھہرے اور کیا شرک کا دروازہ خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کھولا؟)

۹۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی جگہ جنگل اور ویرانے میں پڑاؤ ڈالتے تو فرماتے "یَا اَرْضُ رَبِّیْ وَرَبُّکِ اللّٰہُ"، اے زمین تیرا اور میرا رب اللہ تعالےٰ ہے اس میں زمین کو جماد ہونے کے باوجود نداء دی گئی اور خطاب فرمایا گیا ہے۔

۱۰۔ فقہاء کرام آدابِ سفر میں فرماتے ہیں۔ کہ جب مسافر کی سواری کسی ایسی جگہ بھاگ کھڑی ہو جہاں کوئی مونس و غم خوار نہیں ہے تو کہے "یَا عِبَادَ اللّٰہِ اِحْبِسُوْا"، اے اللہ کے بندو اسے روکو۔ اور جب کوئی چیز گم ہو جائے یا امداد و تعاون کی ضرورت ہو تو یوں کہے "یَا عِبَادَ اللّٰہِ اَعِیْنُوْنِیْ اَوْ اَغِیْثُوْنِیْ فَاِنَّ لِلّٰہِ عِبَادًا لَا تَرَاھُمْ"

اے مقبولانِ خدا میری اعانت اور فریاد رسی کرو کیونکہ وہاں اللہ تعالےٰ کے بندے ہوتے ہیں جن کو ہر ایک دیکھ نہیں سکتا اور فقہاء کرام کے اس قول کی سند و دلیل وہ حدیث ہے جو ابن السنی نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے نقل کی ہے۔

۱۔ سرورِ کونین سید الثقلین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جب کسی کی سواری جنگل میں بھاگ جائے تو وہ یوں پکارے "یَا عِبَادَ اللّٰہِ اِحْبِسُوْا فَاِنَّ لِلّٰہِ عِبَادًا یُجِیْبُوْنَہٗ"، اے اللہ تعالےٰ کے بندو اسے روکنا کیونکہ وہاں اللہ تعالےٰ کے بندے "رجال غیب" ہوتے ہیں جو اس کی فریاد رسی کریں گے اور اس کی عرض کو شرفِ قبولیت بخشیں گے۔ تو اس روایت میں رجال غیب کے لیے نداء و پکار ہے۔ اور ان سے نفع رسانی کی درخواست بھی ہے حالانکہ اللہ تعالےٰ کے ان مقرب بندوں کا اس نے مشاہدہ بھی نہیں کیا۔

۲۔ طبرانی نے روایت نقل فرمائی ہے کہ رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے فرمایا۔

اِذَا ضَلَّ اَحَدُکُمْ شَیْئًا اَوْ اَرَادَ عَوْنًا وَھُوَ بِاَرْضٍ لَیْسَ بِھَا اَنِیْسٌ فَلْیَقُلْ یَا عِبَادَ اللّٰہِ اَعِیْنُوْنِیْ وَفِیْ رِوَایَۃٍ اَغِیْثُوْنِیْ فَاِنَّ لِلّٰہِ عِبَادًا لَا تَرَوْنَھُمْ۔

جب تم میں سے کسی کی کوئی چیز گم ہو جائے یا اسے مدد درکار ہو جب کہ وہ ایسی زمین میں ہو جہاں کوئی مونس و غمخوار نہ ہو تو چاہیئے کہ یا عباد اللہ اعینونی اور ایک روایت کے مطابق یا عباد اللہ اغیثونی کہے" اے اللہ کے بندو میری مدد کرو اور فریاد کو پہنچو کیونکہ اللہ تعالےٰ کے مقبول بندے (ایسے علاقوں میں) ہوتے ہیں جن کو تم نہیں دیکھ سکتے۔

علامہ ابن حجر "ایضاح المناسک" کے حاشیہ میں اس حدیث پاک کے تحت فرماتے ہیں کہ یہ حدیث مجرب ہے جیسے کہ راوی نے کہا ہے۔

۳۔ ابوداؤد شریف اور دیگر کتب حدیث میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول خدا علیہ التحیۃ والثناء جب سفر پر ہوتے اور رات آجاتی تو فرماتے "یَا اَرْضُ رَبِّیْ وَرَبُّکِ اللّٰہُ اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شَرِّکِ وَشَرِّ مَا فِیْکِ (الحدیث)" اے زمین تیرا اور میرا رب اللہ تعالےٰ ہے۔ میں اللہ تعالےٰ کی پناہ طلب کرتا ہوں تیرے اور تیرے اوپر بسنے والی اشیاء کے شر سے اور ان اشیاء کے شر سے جو تیرے اندر پیدا کی گئی ہیں اور تجھ پر چلنے والی ہیں۔ میں اللہ تعالےٰ کی پناہ طلب کرتا ہوں درندوں سانپوں سے بالخصوص سیاہ فام بچھوؤں اور جملہ آبادیوں میں رہنے والوں اور ان کے آباء سے اور ان کی اولاد و نسل سے۔

اور فقہاء کرام نے آدب سفر میں یہی تصریح فرمائی ہے کہ مسافر کے لیے آغاز شب میں یہ دعا پڑھنا مسنون ہے حالانکہ اس میں جماد یعنی زمین کو نداء و خطاب ہے۔

۴۔ امام ترمذی نے حضرت عبداللہ بن عمر سے اور دارمی نے حضرت طلحہ بن عبیداللہ سے روایت کی ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب پہلی رات کا چاند دیکھتے تو فرماتے "یَا ھِلَالُ رَبِّیْ وَرَبُّکَ اللّٰہُ"، اے ہلال تیرا اور میرا رب اللہ تعالےٰ ہے اس حدیث میں بھی جماد کو خطاب ہے (اور وہ بھی دور سے)۔

۵۔ صحیح روایت میں مروی ہے کہ جب رسالت مآب علیہ افضل الصلوات کا وصال ہو گیا تو حضرت ابوبکر صدیق آپ کی خبر وصال سن کر اپنے دولتکدہ سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ اقدس میں حاضر ہوئے۔ چہرۂ اقدس سے کپڑے

کو ہٹایا۔ جھک کر بوسہ دیا۔ پھر روئے اور عرض کیا۔

"بِأَبِیْ اَنْتَ وَاُمِّیْ طِبْتَ حَیًّا وَّمَیِّتًا اُذْكُرْنَا یَا مُحَمَّدُ عِنْدَ رَبِّكَ وَلْنَكُنْ مِنْ بَالِكَ"

میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں آپ حیات و ممات ہر دو حالت میں طیب و طاہر ہیں۔ اے محمودہ خصال ہمیں اپنے رب کریم کے ہاں یاد رکھنا اور ہمیں دل میں جگہ دیئے رہنا اور بھلانا نہیں۔

اور امام احمد کی ایک روایت میں ہے کہ انہوں نے آپ کی پیشانی مبارک کو بوسہ دیا۔ پھر کہا وَا نَبِیَّاہ پھر تین مرتبہ بوسہ دیا اور عرض کیا وَا صَفِیَّاہ۔ پھر تین دفعہ بوسہ دیا اور عرض کیا وَا خَلِیْلَاہ خلیفہ اول اور افضل الخلق بعد الانبیاء رضی اللہ عنہ کے اس کلام میں آپ کو حالت وفات میں نداء دی گئی ہے اور خطاب کیا گیا ہے (تو صدیق اکبر پر کیا فتویٰ لگے گا)

۶۔ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کو جب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے اعلان وصال سے آنحضرت کی وفات کا یقین ہو گیا۔ تو روتے ہوئے عرض کیا بِاَبِیْ اَنْتَ وَاُمِّیْ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں یا رسول اللہ۔ آپ ایک ستون کا سہارا لے کر خطبہ دیتے تھے جب لوگ زیادہ ہو گئے اور آپ نے منبر بنوا کر اس پر تشریف فرما ہوتے تاکہ لوگوں کو وعظ فرماویں تو آپ نے اس ستون کے رونے کی آواز سنی اور اس کے درد فراق کی آہوں کو محسوس فرما کر اس پر دست شفقت رکھا تو اسے سکون و قرار نصیب ہو گیا۔ تو امت اس بات کی زیادہ حقدار ہے کہ وہ آپ کے فراق میں غم کے آنسو بہائے میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں یا رسول اللہ، آپ کا عند اللہ یہ شرف و فضل ہے کہ اس نے آپ کی طاعت کو اپنی طاعت قرار دیا ہے یعنی مَنْ یُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰہَ۔ بابی انت وامی یا رسول اللہ۔ میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں یا رسول اللہ آپ کی فضیلت اللہ تعالیٰ کے ہاں اس قدر ہے کہ اس نے آپ کو آخر میں مبعوث فرما دیا لیکن ذکر میں جملہ انبیاء پر مقدم فرمایا قال تعالیٰ "وَاِذْ اَخَذْنَا مِنَ النَّبِیّٖنَ مِیْثَاقَهُمْ وَمِنْكَ وَمِنْ نُّوْحٍ" اس وقت کو یاد کیجئے جب کہ اللہ تعالیٰ نے جملہ انبیاء کرام علیہم السلام سے عہد لیا اور آپ سے اور نوح علیہ السلام سے۔ بابی انت وامی یا رسول اللہ اللہ تعالیٰ کے ہاں آپ کا مقام و مرتبہ اتنا بلند و بالا ہے کہ دوزخی بھی تمنا کریں گے اے کاش ہم نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کی ہوتی حالانکہ وہ دوزخ کے طبقات میں عذاب دیئے جا رہے ہوں گے "یَا لَیْتَنَا اَطَعْنَا اللّٰہَ وَاَطَعْنَا الرَّسُوْلَا" بابی انت وامی یا رسول اللہ، آپ کی عمر مبارک مختصر ہونے کے باوجود آپ کے متبعین اتنے زیادہ ہیں کہ نوح علیہ السلام کی طویل عمر اور کبر سنی میں بھی اس قدر لوگ ان کے متبع نہ بن سکے۔

دیکھئے یہ کلمات طیبات جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مرثیہ خوانی میں صادر ہوئے ان میں کس قدر تکرار کے ساتھ نداء و خطاب موجود ہے اور اس روایت کو بہت سے ائمہ حدیث نے ذکر کیا ہے۔ قاضی عیاض علیہ الرحمۃ نے شفا شریف میں۔ امام غزالی علیہ الرحمۃ نے احیاء العلوم میں علامہ قسطلانی نے مواہب لدنیہ میں اور علامہ ابن الحاج نے مدخل میں۔

لہٰذا اس روایت اور دیگر احادیث و آثار سے غیر اللہ کی نداء کے منکرین کا یہ دعویٰ باطل ہو گیا کہ ہر نداء دعا ہے اور ہر دعا عبادت ہے۔

۷۔ امام بخاری حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ جب رسول الثقلین صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہو گیا تو سیدہ زاہرہ طیبہ طاہرہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے آپ کے الم فراق کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا "یَا اَبَتَاہُ اَجَابَ رَبًّا دَعَاہُ یَا اَبَتَاہُ جَنَّةُ الْفِرْدَوْسِ مَاْوَاہُ یَا اَبَتَاہُ اِلٰی جِبْرِیْلَ نَنْعَاہُ اے ابا جان آپ نے رب تعالیٰ کی دعوت پر لبیک کہتے ہوئے دار باقی کو دار فانی پر اختیار فرما لیا۔ اے ابا جان آپ کا ٹھکانا جنت الفردوس میں ہے۔ اے ابا جان ہم جبرئیل کو آپ کے وصال کی خبر دیتے ہیں۔ اور ایک روایت میں ہے "اِلَیْنَا جِبْرِیْلُ نَعَاہُ جن کے وصال کی خبر ہمیں جبریل امین علیہ السلام نے دی ہے۔ نعیٰ کا معنی لغت میں کسی کی خبر وفات دینا ہے، اور کبھی موت کا علم رکھنے والے کو موت کی خبر دی جاتی ہے لیکن مقصود غیر معلوم امر کی اطلاع دینا نہیں ہوتا بلکہ اظہار حسرت و افسوس مقصود ہوتا ہے لہٰذا دونوں روایات از روئے معنی درست ہیں اور ان میں بھی نبی الانبیاء علیہ السلام کے وصال کے بعد آپ کو نداء دینا ثابت ہے۔

۸۔ امام قسطلانی نے مواہب لدنیہ میں ذکر کیا کہ رسول کریم علیہ السلام کی پھوپھی حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا نے آپ کے حق میں بہت سے مرثیے کہے۔ ایک مرثیہ کا مطلع یہ ہے ؎

اَلَا یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ كُنْتَ رَجَاءَنَا ۔۔۔ وَكُنْتَ بِنَا بَرًّا وَّلَمْ تَكُ جَافِیًا

اے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم آپ ہی ہماری امیدوں کا مرکز تھے۔ اور آپ ہمارے محسن و کرم فرما تھے اور آپ کا دامن وفا ہر قسم کی جفا کاری اور بیوفائی کی گرد و غبار سے محفوظ تھا۔

اس بیت میں بھی وصال شریف کے بعد آپ کو نداء و خطاب کیا گیا ہے اور تمام صحابہ کرام کی موجودگی میں انہوں نے یہ مرثیہ پڑھا مگر کسی نے اس پر اعتراض نہ کیا (تو اجماعاً میت کو بعد از ممات نداء کرنے کا جواز واضح ہو گیا)۔

۹۔ بعد از دفن میت کی تلقین بھی نداء و خطاب کے جواز کی واضح دلیل ہے اور تلقین کو بہت سے فقہا نے جائز رکھا ہے اور اس کی کیفیت تفصیلاً بیان کی اور ان کی سند و دلیل وہ حدیث ہے جس کو طبرانی نے حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے۔ اور دیگر کئی شواہد سے اس میں تقویت پیدا ہو گئی اور درجۂ ضعف سے نکل کر حسن کے درجہ تک پہنچ گئی ہے۔

تلقینِ میت کی صورت

میت کو دفن کرنے کے بعد اس کی قبر کے پاس کھڑے ہو کر یوں کہے۔

یا عبد اللہ ابن امۃ اللہ اذکر العہد الذی خرجت علیہ من الدنیا شہادۃ ان لا الٰہ الا اللہ وحدہٗ لا شریک لہٗ وان محمدًا عبدہٗ ورسولہٗ وان الجنۃ حق وان النار حق وان الساعۃ اٰتیۃ لا ریب

فیہا، وان اللہ یبعث من فی القبور، قل رضیت باللہ ربا و بالاسلام دینا وبمحمد صلی اللہ علیہ وسلم نبیا، وبالکعبۃ قبلۃ و بالمسلمین اخوانا، ربی لا الہ الا ھو رب العرش العظیم۔

اے اللہ کے بندے فلاں، اللہ تعالیٰ کی باندی فلانی کے بیٹے اس عہد کو یاد کر جس پر تو نے دنیا سے رخت سفر باندھا یعنی لا الٰہ الا اللہ وحدہٗ لاشریک لہٗ کی شہادت اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے عبد خاص اور رسول برحق ہونے کی شہادت اس امر کی گواہی کہ جنت حق ہے۔ دوزخ حق ہے اور قیامت یقیناً آنے والی ہے اس میں شک وشبہ کی گنجائش نہیں ہے اور اللہ تم یقیناً اہلِ قبور کو زندہ فرما کر قبروں سے اٹھائے گا۔ یوں کہہ کہ میں اللہ تعالیٰ کے رب ہونے پر راضی ہوں۔ اسلام پر ازروئے دین ہونے کے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ازروئے رسول ہونے کے رضی ہوں کعبہ پر بحیثیت قبلہ ہونے کے اور اہلِ اسلام پر ازراہ اخوت اور بھائی بندی کے راضی ہوں میرا رب وہ ہے جس کے علاوہ کوئی معبود نہیں ہے وہ عرشِ عظیم کا رب ہے۔

الغرض تلقین میں میت کو نداء وخطاب ہے (اور خود رسالتمآب علیہ السلام اس کی تعلیم دینے والے ہیں)

۱۰۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا مقتولین بدر کو ویران کنوئیں میں پھینکے جانے کے بعد نداء دینا مشہور ومعروف ہے اور اس روایت کو امام بخاری اور دیگر اصحاب سنن نے نقل کیا ہے اور یہ بھی ذکر کیا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے اور ان کے آباء کے نام لے کر انہیں نداء دینی شروع کر دی۔ اور ساتھ ہی فرماتے تھے "اَیَسُرُّکُمْ اَنَّکُمْ اَطَعْتُمُ اللہَ وَرَسُوْلَہٗ فَاِنَّا قَدْ وَجَدْنَا مَا وَعَدَنَا رَبُّنَا حَقًّا فَھَلْ وَجَدْتُّمْ مَا وَعَدَ رَبُّکُمْ حَقًّا"، کیا تمہیں یہ بات اچھی لگ رہی ہے کہ تم اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول علیہ السلام کی اطاعت کرتے جس امر کا وعدہ ہمیں ہمارے رب تعالیٰ نے دیا تھا ہم نے تو اس کو برحق پالیا ہے۔ جس عذاب وعقاب کا اللہ تعالیٰ نے تمہیں وعدہ دیا تھا وہ تم نے برحق پایا ہے یا نہیں؟

یہ تو ہے فقط احادیث وآثار کا بیان (اور وہ بھی علی وجہ الاختصار) لیکن ائمہ احبار، علماء اخیار اور اولیاء کبار سے مروی آثار جو جوازِ نداء وخطاب پر دلالت کرتے ہیں اگر ان کو تفصیلاً بیان کرنے لگیں تو ان کے بیان تام سے پہلے عمریں تمام ہو جائیں گی۔

بلا وجہ وجیہ مسلمان کو کافر کہنے کی مذمت

اس نظریہ جواز اور عقیدۂ استحسان پر زمانے گذرتے رہے اور کسی کو اعتراض وانکار کی نہ سوجھی، تو یہ کیسے ممکن ہے کہ ایسے امر کی وجہ سے لوگوں کو کافر قرار دے دیں جس کا جواز وثبوت براہین باہرہ اور دلائل قاہرہ سے ثابت ہے۔

حالانکہ صحیح حدیث میں مروی ہے کہ جو شخص اپنے مسلمان بھائی کو کافر کہہ کر پکارے تو اُن دونوں میں سے ایک اس کا نشانہ ضرور بنے گا۔ جس کو کافر کہا ہے وہ اس فتویٰ کا اور اس انداز نداء وخطاب کا حقدار ہے تو فبہا ورنہ کہنے والا اس کی زد میں ہوگا۔

علماء کرام فرماتے ہیں ہزار کافر کے قتل کو ترک دینا ایک مسلمان کا خون بہانے سے زیادہ بہتر ہے رجب کہ اس کی تکفیر موجب قتل ہے۔ لہٰذا تکفیر کے معاملہ میں سخت احتیاط کی ضرورت ہے۔ اور بغیر کسی واضح اور قطعی دلیل کے کسی اہلِ قبلہ کو کافر نہیں کہنا چاہیے۔

محمد بن عبدالوہاب نجدی کے عقیدۂ باطلہ کا رد اس کے شیخ محمد بن سلیمان کردی کی زبانی

شیخ محمد بن سلیمان کردی صاحب حواشی مختصر جو کہ نجدی کے استاد ہیں انہوں نے اپنے ایک رسالہ میں اس کا رد کرتے ہوئے فرمایا۔

اے ابن عبدالوہاب! سلام ہے ان لوگوں پر جو راہِ ہدایت پر گامزن ہیں۔

میں تجھے اللہ تعالیٰ کی رضاء کے لیے نصیحت کرتا ہوں کہ اہلِ اسلام سے اپنی زبان کو روک رکھ۔ اگر تو کسی شخص کے متعلق سنے کہ وہ غیر اللہ کو مؤثر وخالق تسلیم کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ تاثیر وایجاد کو مختص نہیں مانتا تو اس کو راہِ صواب کی نشاندہی کر اور دلائل کے ساتھ اس پر واضح کر کہ تاثیر وایجاد صرف اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے اگر پھر بھی وہ اس عقیدہ سے باز نہ آئے تو صرف اسی شخص کو کافر قرار دے۔ اور اہلِ اسلام کے سوادِ اعظم کو کافر کہنے کا تجھے کوئی حق نہیں ہے جب کہ تو خود سوادِ اعظم سے علیحدگی اختیار کرنے والا ہے لہٰذا کفر کی نسبت تو ایسے شذوذ انحراف کرنے والے شخص کی طرف کرنا زیادہ مناسب ہے کیونکہ اس نے اہلِ اسلام کا راستہ چھوڑ کر دوسرا راستہ اختیار کیا ہے اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

"وَمَنْ یُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَیَّنَ لَہُ الْھُدٰی وَیَتَّبِعْ غَیْرَ سَبِیْلِ الْمُؤْمِنِیْنَ نُوَلِّہٖ مَا تَوَلّٰی وَنُصْلِہٖ جَھَنَّمَ وَسَآءَتْ مَصِیْرًا"،

"جو شخص راہ صواب واضح ہو جانے کے بعد رسول گرامی کی مخالفت کرے اور مومنین کے راستہ کے علاوہ دوسرا راستہ اختیار کرے ہم اس کو ادھر پھیرتے جائیں گے جدھر اس کا منہ آئے گا پھر اسے جہنم میں داخل کریں گے اور وہ بُرا ٹھکانا ہے" اور بھیڑیا اسی بھیڑ کو لقمہ بناتا ہے جو ریوڑ سے علیحدگی اختیار کرتی ہے۔

الحاصل مشرق ومغرب کے علماء مذاہب اربعہ اور اتنے حضرات اہل علم نے نجدی پر رد وقدح کا اہتمام کیا کہ ان کی گنتی متعذر ہے۔ اور بہت سی مبسوط اور مختصر کتابیں اس کے رد میں لکھیں۔ اور بعض حضرات نے صرف امام احمد کے نصوص مذہب سے اس کے رد کا التزام کیا تاکہ یہ واضح کریں کہ نجدی[1] امام احمد کی طرف انتساب میں کاذب ہے اور تلبیس وتخلیط سے کام لینے والا ہے۔

---

[1] ایک طرف تو نجدی کے خلاف تمام دنیا کے علماء ہیں اور اس کے عقائد باطلہ اور نظریات فاسدہ پر مبسوط ومختصر کتابیں لکھ رہے ہیں۔ مگر دوسری طرف علماء دیوبند کے مقتداء وپیشواء مولانا رشید احمد صاحب نے اس بدعقیدہ اور فسادی شخص کی مدح سرائی اور قصیدہ خوانی کا ٹھیکہ

قبر انور، روضۂ اطہر کا استحباب زیارت

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ اقدس کی زیارت کو ممنوع ٹھہرانا کیونکر درست ہو سکتا ہے جب کہ صحابہ کرام علیہم الرضوان نے اور بعد ازاں اسلاف و اخلاف امت نے مزار پُر انوار کی زیارت کی اور تمام اہلِ اسلام کا فعلِ زیارت کے استحباب پر اجماع ہے۔ اور اس کی فضیلت و استحباب احادیث کثیرہ سے ثابت ہے اور خود رسالت مآب علیہ السلام نے اس کی ترغیب دی ہے۔

بقیہ حاشیہ ۔ لے رکھا ہے۔ فتاویٰ رشیدیہ ملاحظہ ہو۔

محمد بن عبدالوہاب کے مقتدیوں کو وہابی کہتے ہیں ان کے عقائد عمدہ تھے اور مذہب ان کا حنبلی تھا البتہ ان کے مزاج میں شدت تھی مگر وہ اور ان کے مقتدی اچھے ہیں مگر ہاں جو حد سے بڑھ گئے ان میں فساد آگیا اور عقائد سب کے متحد ہیں۔ اعمال میں فرق حنفی، شافعی، حنبلی مالکی کا ہے فتاویٰ رشید احمد گنگوہی ص ۲۳۵

محمد بن عبدالوہاب کو لوگ وہابی کہتے ہیں۔ وہ اچھا آدمی تھا۔ سنا ہے کہ مذہب حنبلی رکھتا تھا اور عامل بالحدیث تھا۔ بدعت و شرک سے روکتا تھا مگر تشدید اس کے مزاج میں تھی۔ فتاوی رشید احمد ص ۲۳۷۔

اقول ساری دنیا میں اس کے ظالم خونخوار فاسق باغی ہونے کا شہرہ اور اس کے نظریات و عقائد کے فاسد و باطل ہونے پر اجماع و اتفاق اور امام احمدؒ کی طرف اس کے انتساب کا محض تلبیس و تخلیط ہونا مسلم مگر مولانا رشید احمد صاحب ہیں کہ اپنے فتوی کی بنیاد کسی تحقیق پر نہیں بے بنیاد خبر پر رکھتے ہوئے فتوی دے رہے ہیں کہ سنا ہے مذہب حنبلی رکھتا تھا۔ کیا اس مفتی صاحب کو علامہ شامی حنفی معاصر ابن الوہاب کا ارشاد کہیں نظر نہ پڑا تھا؟

علامہ شامی خوارج کی بحث میں فرماتے ہیں کہ کسی شخص کے خارجی ہونے کے لیے اتنا قدر کافی ہے کہ جس کے خلاف خروج و بغاوت کا ارتکاب کریں اس کے کفر و شرک کا عقیدہ رکھتے ہوں۔ کما وقع فی زماننا فی اتباع عبدالوہاب الذین خرجوا من نجد و تغلبوا علی الحرمین وکانوا ینتحلون مذہب الحنابلۃ لکنہم اعتقدوا انہم ہم المسلمون وان من خالف اعتقادہم مشرکون واستباحوا بذالک قتل اہل السنت وقتل علماءہم حتی کسر اللہ شوکتہم وخرب بلادہم وظفر بہم عساکر المسلمین عام ثلاث وثلاثین ومائتین والف۔ شامی جلد ثالث ص ۳۳۷

جیسے کہ ہمارے زمانہ میں اتباع عبدالوہاب کے اندر یہی صورت حال رونما ہوئی یہ لوگ نجد عرب سے نکلے اور بزور شمشیر حرمین طیبین پر قبضہ کرلیا وہ مکاری و فریب کاری کے تحت اپنے آپ کو حنبلی کہتے تھے لیکن درحقیقت ان کا عقیدہ یہ تھا کہ صرف ہم ہی مسلمان ہیں اور جو لوگ ہمارے عقیدہ کے خلاف ہیں وہ مشرک ہیں اور اسی نظریہ فاسدہ کے تحت انہوں نے اہل السنت عوام اور ان کے علماء کرام کا قتل مباح قرار دے دیا

۱۔ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا "مَنْ زَارَ قَبْرِیْ کُنْتُ لَہٗ شَفِیْعًا وَشَہِیْدًا" (رواہ البیہقی) جس شخص نے میری قبر کی زیارت کی میں قیامت کے دن اس کی شفاعت کروں گا اور اس کے حق میں گواہی دوں گا۔ اور یہ انعام شفاعت فقط زائر کے ساتھ خاص ہے اور عصاۃ مومنین کے لیے شفاعت اس کے علاوہ ہے۔

۲۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے دارقطنی، ابن سکن اور دیگر محدثین نے روایت نقل کی ہے کہ سرور کونین علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا "مَنْ زَارَ قَبْرِیْ وَجَبَتْ لَہٗ شَفَاعَتِیْ" جس شخص نے میری قبر کی زیارت کی اس کی شفاعت کرنا مجھ پر واجب و لازم ہوگیا۔

۳۔ دوسری روایت میں ہے "مَنْ جَاءَنِیْ زَائِرًا لَا تُعْمِلُہٗ حَاجَۃٌ غَیْرُ زِیَارَتِیْ کَانَ حَقًّا عَلَیَّ اَنْ اَکُوْنَ لَہٗ شَفِیْعًا یَوْمَ الْقِیَامَۃِ" جو شخص میری زیارت کے لیے آئے اور سوائے زیارت کے اور کوئی مقصد اسے حاضری پر آمادہ کرنے والا نہ ہو تو مجھ پر لازم ہے کہ میں قیامت کے اس کی شفاعت کروں۔

۴۔ ابن مندہ کی روایت میں ہے "مَنْ زَارَنِیْ فِیْ مَسْجِدِیْ بَعْدَ وَفَاتِیْ کَانَ کَمَنْ زَارَنِیْ فِیْ حَیَاتِیْ" جس شخص نے میری وفات کے بعد میری مسجد میں میری زیارت کی وہ اس شخص کی مانند اجر و ثواب حاصل کرے گا جس نے ظاہری زندگی میں میری زیارت کی۔

حتیٰ کہ اللہ تعالےٰ نے ۱۲۳۳ھ میں ان کی شوکت و غلبہ کو ختم کر دیا۔ ان کے شہروں کو خراب و برباد کیا اور ان پر اہلِ اسلام کے لشکر غالب آگئے۔

علامہ شامی کی اس عبارت میں ان کے حنبلی ہونے کا رد بھی موجود ہے۔ ان کے عقائد کا فساد و بطلان بھی اور اہل السنت کے ساتھ عداوت و دشمنی کی بھیانک تصویر اور ان کے خارجی و باغی ہونے کی تصریح بھی۔ اور اسی عبارت کا سہارا علماء دیوبند نے اپنے رسالہ المہند میں لیا اور علامہ شامی کی طرح اس کو خارجی تسلیم کیا اور حسین احمد مدنی صاحب نے شہاب ثاقب میں اس کو ظالم و باغی فاسق خونخوار اور اہل حرمین و حجاز کے نزدیک یہود و نصاریٰ اور ہنود و مجوس سے بدتر اور مبغوض تر رکھا ہے۔ پتہ نہیں ان کو رشید احمد صاحب کے ان ثقہ راویوں پر کیوں اعتبار نہ آیا۔

مگر آج کل نہ المہند کے اجماعی مسلک کی پروا ہے۔ نہ مدنی صاحب کا عرب شریف میں اور حرمین شریفین میں رہ کر قریب سے دیکھے ہوئے حالات کا بیان قابل اعتماد ہے۔ پھر رشید احمد صاحب کے فرمان کے مطابق مدح سرائی اور قصیدہ خوانی کا طویل سلسلہ ختم ہونے پر نہیں آرہا۔

ف اس حدیث سے صاف واضح ہے کہ حبیب مکرم کو اپنی مزار اقدس کی جگہ کا علم تھا اور آپ نے اس کی خبر بھی دے دی تھی (اور یہی حقیقت فرمان نبوی ما بین منبری وقبری روضۃ من ریاض الجنۃ سے ظاہر ہے اور انصار کو جو خطاب تسلی و اطمینان دلانے کے لیے فرمایا اس سے بھی یعنی المحیا محیاکم الممات مماتکم۔ زندگی میں بھی تمہارے ساتھ رہوں گا اور وفات کے بعد بھی تمہارے ساتھ رہوں گا۔

(محمد اشرف غفرلہ)

۵۔ ابن عدی کی روایت میں ہے "مَنْ حَجَّ الْبَيْتَ وَلَمْ يَزُرْنِي فَقَدْ جَفَانِي" جس نے بیت اللہ کا حج کیا اور میری زیارت نہیں کی تو اس نے میرے ساتھ بے وفائی اور جفا کاری کا مظاہرہ کیا ہے۔ اور جفا سے مقصود طبیعت کی سختی، سنگ دلی اور محبوب کریم سے بُعد اور روگردانی ہے یعنی اس شخص نے جفا کار لوگوں والا کام کیا نہ یہ کہ اس نے حقیقت میں جفا کی ہے کیوں کہ وہ تو ایذاء ہے اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذاء دینا قطعاً روا نہیں ہے (بلکہ موجب لعنتِ دارین اور موجب عذاب مہین ہے قال تعالیٰ إِنَّ الَّذِينَ يُؤْذُونَ اللَّهَ لَعَنَهُمُ اللَّهُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَأَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُّهِينًا)

۶۔ دار قطنی کی روایت میں ہے "مَنْ زَارَنِي مُتَعَمِّدًا كَانَ فِي جِوَارِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَمَنْ مَاتَ فِي أَحَدِ الْحَرَمَيْنِ بَعَثَهُ اللَّهُ مِنَ الْآمِنِينَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ" جس شخص نے قصداً میری زیارت کی وہ قیامت کے دن میرے پہلو میں ہوگا اور میرے دامنِ رحمت کے سایہ میں اور جو شخص حرمِ مکہ یا حرمِ مدینہ میں سے کسی ایک میں فوت ہوا اللہ تعالیٰ اسے قیامت کے دن عذاب سے محفوظ لوگوں میں اٹھائے گا اور ایک روایت میں ہے جس شخص نے مدینہ طیبہ میں سکونت اختیار کی اور اس کے شدائد مصائب پر صبر سے کام لیا تو میں قیامت کے دن اس کا شفیع اور گواہ ہوں گا۔

۷۔ ابن جریج نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے۔ "مَنْ زَارَنِي فِي مَمَاتِي كَانَ كَمَنْ زَارَنِي فِي حَيَاتِي وَمَنْ زَارَنِي حَتَّى يَنْتَهِيَ إِلَى قَبْرِي كُنْتُ لَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ شَهِيدًا او قال شَفِيعًا" جس نے میری وفات کے بعد میری زیارت کی وہ اس شخص کی مانند ہوگا جس نے میری زندگی میں میری زیارت کی۔ اور جس نے میری قبر پہ حاضر ہو کر میری زیارت کی میں قیامت کے دن اس کے لیے گواہ ہوں گا یا فرمایا شفیع ہوں گا۔

اس ضمن میں وارد احادیث بہت زیادہ ہیں سب کے تفصیلی بیان اور تطویل کلام کی ضرورت نہیں ہے خصوصاً جب کہ استحباب زیارت پر ظہور منکرین سے قبل اسلاف و اخلاف کا اجماع منعقد ہو چکا ہے۔ لہٰذا اسی قدر پر اس شخص کے لیے کافی ہے اور موجب قناعت جس کو اللہ تعالیٰ نے دیکھنے اور سننے کی توفیق مرحمت فرمائی ہے۔

ہماری اس مفصل تقریر و توضیح سے محمد بن عبدالوہاب کے جملہ مبتدعات اور اختراعات کا رد ہو گیا اور ان کی تلبیس و تخلیط کا بطلان ظاہر ہو گیا جس کے ذریعے اس نے اہلِ اسلام کو گمراہ کرنے کی ناپاک سعی کی۔ اور اس نے اور اس کے متبعین نے اہلِ ایمان کے اموال چھیننے اور ان کے خون بہانے کو حلال قرار دیا۔ نجدی اور اس کے متبعین کے خلاف حرب و قتال پر کوئی شخص بھی شریف غالب کی طرح بے جگری سے قائم نہ رہا۔ صرف اس نے سالہا سال تک ان کے ساتھ تیغ آزمائی کو جاری رکھا اور اپنی پوری قوت صرف کردی اللہ تعالیٰ اسے اسلام اور اہل اسلام کی طرف سے جزاءِ کامل اور اجر وافر عطا فرمائے۔ اور قبل ازیں بتایا جا چکا ہے کہ شریف مسعود، مساعد، احمد بن سعید اور سرور میں سے کسی نے بھی نجدی کے متبعین کو حج کی اجازت نہیں دی۔ اور حجاز مقدس میں بالعموم اور حرمین طیبین میں بالخصوص ان کا ورود نامسعود گوارا نہ کیا۔ یہ تھی تفصیلی بحث علامہ سید احمد دحلان کی "نظریاتِ شیخ نجدی اور اس کے اوہام باطلہ پر"۔

چوتھا باب

مذاہب اربعہ کے علماء اعلام کی ان عبارات کا بیان جن میں انہوں نے ابن تیمیہ کا رد کیا ہے اور اس کی بعض کتابوں پر رد و قدح اور بعض اہم مسائل میں اہل السنت کی مخالفت کا بیان

علی الخصوص اللہ تعالیٰ کے لیے جہت و جانب اور مکان و محل کے عقیدہ کا رد و ابطال تعالیٰ اللہ عن ذلک وتقدس

۱۔ ابن تیمیہ کے معاصرین میں سے امام صدرالدین بن وکیل المعروف ابن مرحل شافعی ہیں جنہوں نے اس کے ساتھ مناظرہ بھی کیا تھا۔

۲۔ امام ابوحیان ہیں جو کہ اس کے انتہائی گہرے دوست تھے مگر جب اس کی بدعات پر مطلع ہوئے تو اس کو ہمیشہ کے لیے ترک کر دیا۔ اور لوگوں کو بھی اس سے دور رہنے کا حکم دیا۔

۳۔ امام عزالدین ابن جماعہ ہیں جنہوں نے ابن تیمیہ کا زبردست رد کیا اور اس پر سخت تشنیع کی مگر میں ان تینوں حضرات کی کتابوں پر مطلع نہیں ہو سکا ان کا ذکر علامہ ابن حجر اور دیگر اکابر نے کیا ہے۔

۴۔ ابن تیمیہ پر رد و قدح کرنے والوں میں سے امام کمال الدین زملکانی شافعی ہیں جن کی وفات ۷۲۷ھ میں ہوئی ابن الوردی نے اپنی کتاب تاریخ میں ان کے متعلق فرمایا کہ وہ علم کے سمندر تھے۔ مختلف فنون پہ کامل دسترس رکھتے تھے۔ فتویٰ میں انتہائی دقیقہ سنج تھے اور پختہ فکر کے مالک اور کشف الظنون میں ان کی تصنیف کردہ کتاب "کتاب الدرۃ المضیئۃ فی الرد علی ابن تیمیہ" کا تذکرہ کیا گیا ہے انہوں نے ابن تیمیہ کے ساتھ ان مسائل میں مناظرہ کیا جن میں اس نے مذاہب اربعہ سے شذوذ اور علیحدگی اختیار کی تھی جن میں سے اس کا ایک انتہائی قبیح اور بدتر یہ نظریہ بھی تھا کہ انبیاء و صالحین اور علی الخصوص سیدالمرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی قبور کی زیارت کے لیے سفر کرنا ممنوع ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر مرسلین و صالحین کے ساتھ توسل و استغاثہ بھی ممنوع ہے۔ میں ان کی اس کتاب کو بھی نہیں دیکھ سکا۔ البتہ ان کا مدحِ مصطفےٰ علیہ التحیۃ والثناء میں بہت ہی فصیح و بلیغ قصیدہ میری نظر سے گذرا ہے جس میں اس مفتون و مجنون گروہ کا رد کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

۵۔ يَا صَاحِبَ الْجَاهِ عِنْدَ خَالِقِهِ ۔۔۔ مَا رَدَّ جَاهَكَ إِلَّا كُلُّ أَفَّاكِ

اے محبوب کریم جو اپنے خالق و مالک کے ہاں عظیم جاہ و مرتبہ کے مالک ہیں۔ آپ کے اس خداداد منصب و مقام کا انکار صرف بہتان تراش اور افتراء پرداز لوگوں نے ہی کیا ہے۔

اَنْتَ الْوَجِیْہُ عَلٰی رَغْمِ الْعِدَا اَبَدًا   اَنْتَ الشَّفِیْعُ لِفَتَّاکٍ وَّنَسَّاکٍ

آپ اعداء، ابدخواہ لوگوں کی مرضی کے برعکس اللہ تعالےٰ کے ہاں بہت ہی وجیہ اور مقرب ترین ہیں اور آپ ہی ظلم و تعدی کے شکار اور عبادت گذار لوگوں کے شفیع ہیں۔

یَافِرْقَۃَ الزَّیْغِ لَالَقِیْتَ صَالِحَۃً   وَلَاشَفَی اللّٰہُ یَوْمًا قَلْبَ مَرْضَاکِ

اے زیغ و کجروی کا شکار گروہ اللہ کرے تمہیں کبھی نیکی نصیب نہ ہو۔ اور کسی دن بھی اللہ تعالےٰ تمہارے قلبی مرض کو دور نہ کرے۔

ولاحظیت بجاہِ المُصْطَفٰی اَبَدًا   وَمَنْ اَعَانَکَ فِی الدُّنْیَا وَوَالَاکِ

تجھے پیارے مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے جاہ و مرتبت کا قطعاً کوئی فائدہ نصیب نہ ہو۔ اور نہ دنیا میں تیرے معاونین اور محبوّں کو۔

۵۔ ان اکابرین ملت میں سے امام کبیر و شہید تقی الدین سبکی شافعی ہیں جنہوں نے اپنی تصنیف کردہ کتاب "شفاء السقام فی زیارۃ خیر الانام علیہ الصلوٰۃ والسلام" میں ابن تیمیہ کا رد کرتے ہوئے فرمایا:۔

یہ بات اچھی طرح ذہن نشین رہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ توسل و استغاثہ اور ان سے طلب شفاعت جائز و مستحسن ہے۔ اور اس کا حسن اور جواز شرعی ہر دیندار کے نزدیک معلوم و معروف۔ اور انبیاء و مرسلین، سلف صالحین اور علماء عوام مسلمین کے معروف و مشہور سیرت و طریقہ سے ہے۔ نہ کسی مومن نے اس کا انکار کیا اور نہ ہی ابن تیمیہ کے ظہور سے قبل کسی زمانہ میں اس کا انکار سننے میں آیا۔ یہی وہ پہلا شخص ہے جس نے اس مسئلہ پر کلام کیا اور سادہ لوح حنیف ایمان والے لوگوں پر اس مسئلہ کو خلط ملط کر دیا اور ایک ایسی بدعت پیدا کر دی جس کا پہلے تمام زمانوں میں کسی نے نام تک نہ لیا اور اس قول کی لغویت و بیہودگی کے لیے یہی قدر کافی ہے کہ ابن تیمیہ سے قبل کوئی عالم استغاثہ و توسل کا منکر نہیں ہوا۔ اور یہی شخص اس قول کی وجہ سے اہل اسلام کے درمیان ضرب المثل بن گیا ہے۔

میں اس مسئلہ میں اس کے طویل کلام پر مطلع ہوا جس کے متعلق میری پختہ رائے یہی ہے کہ میں اس سے اعراض کرتے ہوئے صراط مستقیم کی طرف رجوع کروں اور نقض و ابطال سے گریز کروں کیونکہ جو علماء کرام دین کی وضاحت اور اہل اسلام کی رہنمائی کے درپے ہوتے ہیں ان کا انداز و اسلوب یہی ہوتا ہے کہ وہ مسئلہ کی حقیقت اور اس کا معنی و مفہوم لوگوں پر واضح کرتے ہیں اور اس کے مقصود و حکم کو ان کے اذہان و افہام کے قریب کرتے ہیں لیکن اس شخص کا کلام اس کے برعکس ہے لہٰذا اس کا ذکر نہ کرنا ہی موزوں و مناسب ہے "انتہی کلام الامام السبکی"

علامہ قسطلانی نے امام سبکی کی کتاب شفاء السقام کے متعلق مواہب لدنیہ کے اندر زیارت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بحث میں ارشاد فرمایا "کہ شیخ ابن تیمیہ نے اس موضوع پر انتہائی قبیح اور قابل اعتراض کلام کیا جس میں بارگاہِ نبوی کی زیارت

کا قصد ممنوع قرار دیا ہے۔ اور اس کے عبادت ہونے کا انکار کیا بلکہ اس کو حرام فعل کا ارتکاب قرار دیا ہے۔ اور شیخ تقی الدین سبکی نے شفاء السقام میں اس کا رد کر کے اہل ایمان کے دلوں کو شفاء دی ہے اور ٹھنڈک پہنچائی ہے۔

امام سبکی نے خطبۂ شفاء میں فرمایا۔ اس کتاب میں اس شخص یعنی ابن تیمیہ کا رد ہے جس نے یہ زعم کیا ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے جواز زیارت بلکہ استحباب میں وارد احادیث سب موضوع اور من گھڑت ہیں۔ اور روضۂ اقدس کی زیارت بدعت غیر مشروعہ ہے۔ اور یہ مقالہ اس قدر ظاہر الفساد ہے کہ علماء کو اس کے ردکی ضرورت ہی نہیں ہے لیکن میری تالیف کردہ یہ کتاب "شفاء السقام" مستقل طور پر زیارت خیر الانام کے استحسان اور اسکے متعلقات میں سے قدر وافر پر مشتمل ہے جس کا جمع کرنا عام لوگوں کے لیے دشوار ہے جو اس مسئلہ کی تحقیق کے طلب گار ہیں وہ اس کا مطالعہ کریں۔

اسی کتاب میں ارشاد فرماتے ہیں۔

کہ اس شخص یعنی ابن تیمیہ نے یہ تخیل فاسد ذہن میں جما رکھا ہے کہ جو لوگ روضۂ اقدس کی زیارت کے لیے حاضر ہوتے ہیں وہ شرک کے درپے ہیں۔ اور اس کی ساری بحث اسی زعم فاسد اور خیالِ باطل پر مبنی ہے۔ اور جوازِ سفر و زیارت کی جو دلیل اس کے سامنے آتی ہے اس کی غلط توجیہ و تاویل کرتا ہے۔ اور جو شبہہ اس زعمِ فاسد کے موافق نظر آتا ہے اس سے استعانت کرتا ہے اور یہ ایسی بیماری ہے جس کا سوائے اس کے اور کوئی علاج نہیں ہے کہ اللہ تعالےٰ ہی حق و صداقت کی ہدایت نصیب فرمائے اور راہِ راست کی پیروی! کیا ابن تیمیہ نے جب خود سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہِ مقدس کا قصد زیارت کیا تھا تو خود اس نے بھی حرام فعل کا قصد کیا تھا اور اللہ تعالےٰ کے ساتھ شرک کیا تھا؟ نعوذ باللہ من ذالک۔

امام سبکی کا عریضہ بارگاہِ رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم میں

میں نے علامہ سبکی کی ایک عبارت اس مسئلہ کے متعلق دیکھی جو اب بھی ان کے اپنے دستِ مبارک کی لکھی ہوئی قدس شریف کے مکتبہ خالدیہ میں موجود ہے اور میں نے آدمی بھیج کر اسے نقل کرا لیا اور وہ یہ ہے:۔

امام سبکی فرماتے ہیں میں نے ۷۱۵ھ میں ابن تیمیہ کی ایک کتاب "صریح المعقول لصحیح المنقول"، دیکھی جو کہ اس کی کتاب منہاج السنہ کے حاشیہ پر چھپی ہوئی ہے میں نے اس کے چند مقامات دیکھے جو میرے نزدیک بہت ہی قابل اعتراض تھے اور بعض پر میں نے حواشی لکھ کر اس کا رد کر دیا مگر میں نے دیکھا کہ میرے اس اقدام سے بہتیرے لوگوں نے ناک بھوں چڑھائی ہے تو مجھے اس شخص کے ہم عقیدہ لوگوں کے پڑھنے اور اس کی بدعات کے عوام میں پھیلنے کا فکر دامن گیر ہوا۔ اور یہ خطرہ لاحق ہوا کہ چند دن کے بعد ان کا مقابلہ کرنے والا کوئی نہیں رہے گا۔ تو میں نے ہفتہ کی رات دس شوال ۷۱۵ھ میں ایک عریضہ بارگاہ رسالت مآب علیہ افضل الصلوات میں ارسال کیا جس کے آخر میں یہ جملہ تھا" اگر میں اپنے عقیدہ میں راہِ صواب پر ہوں تو میری تائید و تقویت کا سامان کیا جائے۔ اور اگر خطاء و ناصواب پر ہوں تو میری راہ راست کی طرف رہنمائی فرمائی جائے۔

صبح ہوئی تو وہ عریضہ شیخ نور الدین سخاوی کے حوالے کیا تاکہ بارگاہِ نبوی میں پیش کریں کیونکہ وہ حج پر جا رہے تھے یہ ظہر

سے پہلے کا واقعہ تھا۔ جوں ہی ظہر کا وقت ہوا تو ایک شخص میرے پاس آیا جس نے ابن تیمیہ کے متعلق ایسی خبر دی کہ اس نے میری حیرانگی اور تفکر میں اور اضافہ کر دیا۔ اس واقعہ سے چالیس سال قبل میں نے اس کے متعلق ایک شخص سے ایک مسئلہ سنا مگر اس وقت میں نے اس کی تصدیق نہ کی جب اِس شخص نے بھی اسی قسم کا مسئلہ بتایا تو میں اس واقعہ کو صحیح اور درست ماننے پر مجبور ہو گیا بعدازاں متعدد اشخاص یکے بعد دیگرے آنے لگے اور انہوں نے ابن تیمیہ کے بیان کردہ مختلف مسائل مجھے سنائے۔

بعدازاں میں نے ایک قصیدہ حضور رسالتمآب علیہ افضل الصلوات میں لکھا اسے بھی شیخ نورالدین کے ہمراہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں روانہ کیا۔ جب میں اس قصیدہ کو سوموار کی رات بارہ شوال کو سنہ مذکور میں مکمل کر چکا۔ تو میرے دل میں یہ خیال راسخ ہو گیا کہ اللہ تعالےٰ نے ان اخبار و اطلاعات کا بندوبست اس دن میں صرف اس لیے فرمایا ہے تاکہ میری رہنمائی ہو جائے اور جو کچھ میں نے رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم سے دریافت کیا ہے اس کا فوری جواب مجھے مل جائے۔ دیکھیئے یہ کتنا عجیب واقعہ ہے اور مجھ پر رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا کتنا فضل وکرم ہے۔

اب میں اپنے اس عریضہ کی تفصیل اور وہ قصیدہ آپ کے سامنے پیش کرتا ہوں۔ اور اللہ تعالےٰ کے فضل وکرم سے یہی امید ہے کہ وہ دونوں بارگاہِ رسالت پناہ میں [illegible] کر شرفِ باریابی سے فائز ہوں گے۔

عریضہ میں جو کچھ لکھا اس کی تفصیل یہ ہے :-

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف یا رسول اللہ! میں عبد ضعیف ہوں اور عاجز و مسکین۔ جو کچھ مجھے دنیا و آخرت کی خیر و برکت حاصل ہوئی ہے وہ آپ کے ہی سبب سے ہے اور آپ ہی اللہ تعالےٰ کی جناب میں میرے وسیلہ ہیں۔ میں دینِ اسلام پر ہی پیدا ہوا۔ کبھی کوئی شبہ اور خواہش نفس، بدعت و اختراع کا خیال تک نہ آیا۔ نہ کوئی غرض اور کسی دوسری جانب میلان ہی دل میں گذرا۔ اشہدان لاالٰہ الا اللہ واشہدان محمداً رسول اللہ کے علاوہ میں کچھ نہیں جانتا تھا۔

پھر قرآن مجید پڑھنا شروع کیا اور مذہب شافعی کے مطابق فقہ، نہ ان کے علاوہ کچھ جانتا تھا اور نہ ہی کبھی کوئی چیز سنی تھی نہ عقائد کے قبیل سے اور نہ دیگر امور سے۔ پھر نحو و صرف، اصولِ فقہ اور علمِ فرائض حاصل کرنے شروع کئے۔ بعدازاں علمِ حدیث جس کی نسبت آپکی طرف صحیح و صواب تھی۔ پھر کچھ علوم عقلیہ کی تحصیل کی اور علمِ کلام شیخ اشعری کے طریقہ کے مطابق حاصل کیا کیونکہ ہمارے علاقوں میں وہی مشہور ہے اور میں نے اپنے اہل و اقارب اور پوری قوم کو انہیں نظریات پر کاربند پایا۔ اور اسی کو راہِ اعتدال سمجھتا تھا۔ جو کہ حشو و اعتزال کے بین بین تھا۔ میں اسی حالت و کیفیت پر بیس سال تک برقرار رہا۔ حتیٰ کہ ہمارے دیار مصر میں ابن تیمیہ کی خبر مشہور ہوئی اور جو کچھ دمشق میں اس کے ساتھ واقعات پیش آ رہے تھے ان کی اطلاع موصول ہوئی۔ اور وہاں بکثرت ایسے علماء کرام موجود تھے جو اس کا مقابلہ کر رہے تھے۔ اور مصر و قاہرہ میں بھی کافی تعداد میں علماء و اکابر موجود تھے جنہوں نے اس کو حاضر کیا اور اسے اپنے عقائد کی وجہ سے جو کچھ پیش آیا وہ سب پر واضح ہے۔ پھر میں نے استغاثہ اور توسل کے متعلق

اس کا کلام نقل کیا اور یہ بھی عرض کیا کہ اس کے ساتھ مجھ سے بڑے علماء نے بحث و مباحثہ کیا، میں نے بھی اس کو دیکھا اور بسا اوقات اس سے ملاقات کی بعدازاں وہ شام کی طرف لوٹ گیا۔ پھر طلاق کے متعلق اس کے نئے فتوی کی اطلاع ملی کہ جو شخص طلاق کو بارادۂ یمین معلق کرے اور بعدازاں حانث ہو جائے تو وہ طلاق واقع نہیں ہو گی میں نے اس مسئلہ میں اس کا رد کیا بعدازاں اس کا آپ کی جناب میں حاضری کے سفر کو حرام قرار دینا اور اس سے روکنا معلوم ہوا۔ اس مسئلہ میں بھی میں نے اس کا رد کیا۔

وہ تو کب سے اس جہانِ فانی سے رخصت ہوا مگر اس کے ایسے معتقد مصاحبین ہیں جو اس کی کتابوں کو شائع کر رہے ہیں اور اس کے عقائد و نظریات کی تشہیر کر رہے ہیں۔ میں دمشق میں لوگوں کے حسنِ اعتقاد کے مطابق آپ کا نائب شریعت بن کر آیا۔ اور میرے پاس اس معاملہ میں آپ کی رضامندی کی کوئی ضمانت نہیں ہے کیونکہ میں آپ کا ادنیٰ ترین اور کم ترین خادم اور غلام ہوں۔ اور میں عقائد کے معاملہ میں فریقین کے اندر واقع باہمی اختلاف پر تبصرہ کرنے سے ساکت و خاموش ہوں کیونکہ میرے دل میں یہ امر راسخ ہو چکا ہے کہ تنزیہات باری تعالےٰ کے ادراک سے ہمارے عقول و اذہان قاصر ہیں۔ میں فطرت سلیمہ پر قائم رہنے کو کافی سمجھتا ہوں۔ اور اللہ تعالےٰ، اس کے تمام ملائکہ، جملہ کتب سماویہ، رسل کرام اور یوم قیامت پر ایمان و اذعان کو کافی سمجھتا ہوں اور میرا خیال یہ ہے کہ عوام کو اس سے زائد تحقیقات و تدقیقات پر متنبہ نہ کیا جائے اور جو عالم ہو وہ اللہ تعالےٰ کی عطا کردہ توفیق و استطاعت کے مطابق نظر و فکر سے کام لے اور تفصیلاتِ شرع پر ایمان لائے۔ اور معصوم و محفوظ خطا و ناصواب سے وہی رہ سکتا ہے جس کو اللہ تعالےٰ کی حفاظت اور پناہ نصیب ہو۔ البتہ طلاق اور سفرِ زیارت کے معاملہ میں ابن تیمیہ کے اقوال و نظریات کا سخت مخالف ہوں اور قلوب عوام کو جس قدر اس نے پریشانی میں ڈال رکھا ہے اور ان کو مضطرب کر دیا ہے وہ مجھے قطعاً پسند نہیں ہے عہ

یہ ہے عبارت امام سبکی کے عریضہ کی اور یہ ان کے اپنے قلم سے مرقوم تھی مگر اس پر نقاط نہیں تھے میں نے اس پر نقاط لگائے۔ اور جس قصیدہ کا انہوں نے ذکر کیا ہے وہ آج کل کہیں دستیاب نہیں ہے۔

علامہ ابن الحجر عسقلانی شافعی

(آپ بھی ان علماء اکابرین سے ہیں جنہوں نے ابن تیمیہ پر گرفت کی اور اس کے نظریات پر "رد و قدح کیا"، آپ کی جلالت

عہ اقول اس خطہ کا وہ تتمہ یہاں مذکور نہیں جس کا علامہ نبہانی نے ابتداء میں حوالہ دیا ہے یعنی میں راہ راست پر ہوں تو میری تائید و تقویت کا سامان کیا جائے اور اگر خطاء و ناصواب پر ہوں تو میری رہنمائی کی جائے۔ نیز عریضہ ارسال کرنے کا مقصد ظاہر نہیں ہوتا ظاہر ہے محض یہ اطلاعات پیش کرنا تو اصل مقصد نہیں ہو سکتا لہٰذا معلوم ہوتا ہے کہ یہ عریضہ مکمل نہیں ہے۔ ہٰذا واللہ و رسولہ اعلم محمد اشرف

قدر کثرت علم اور کتاب وسنت میں تبحر علم پر ساری امت متفق ہے حتیٰ کہ ابن تیمیہ کے متبعین وہابیہ بھی۔ اور یہ امر سب کے نزدیک مسلم ہے کہ آپ خاتمہ حفاظ الحدیث ہیں اور آپ کے بعد آپ کی مثل زمانہ میں پیدا نہیں ہوا۔

حافظ ابن حجر علیہ الرحمہ نے فتح الباری شرح البخاری میں حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم "لَا تُشَدُّ الرِّحَالُ اِلَّا اِلٰی ثَلَاثَۃِ مَسَاجِدَ" کے تحت امام سبکی کا ابن تیمیہ پر سفر زیارت کو حرام قرار دینے کا رد ذکر کرکے اور امام سبکی کی تائید وتصدیق کرتے ہوئے فرمایا ہے :۔

زیارت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے سفر کو حرام قرار دینا ان تمام مسائل سے قبیح ترین ہے جو ابن تیمیہ سے منقول ہیں۔

ابن تیمیہ کا استدلال :۔ دوسرے اکابر علماء نے جوازِ سفر اور مشروعیت زیارت پر اجماع امت کا جو دعویٰ کیا تھا۔ اس کا رد کرتے ہوئے ابن تیمیہ نے امام مالک علیہ الرحمہ سے منقول اس قول کا سہارا لیا ہے کہ "زُرْتُ قَبْرَ النَّبِیِّ" کہنا مکروہ ہے یعنی میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبرِ انور کی زیارت کی۔

جواب :۔ مگر امام مالک علیہ الرحمہ کے علماء مذہب نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ انہوں نے از روئے ادب قبر نبی کے لفظ کو ناپسند کیا ہے "بلکہ ان کا مقصد یہ ہے کہ زرت النبی کہا جائے یعنی میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی ہے نہ کہ وہ سرے سے زیارت کو مکروہ قرار دیتے ہیں کیونکہ وہ تو افضل اعمال سے ہے اور ان تمام عبادات سے اجلیٰ عبادت ہے جو بارگاہ ذوالجلال تک وصول کا ذریعہ ہیں۔ اور سفر زیارت کا مشروع ہونا اجماعی امور سے ہے اس میں نزاع وجدال کی گنجائش ہی نہیں ہے۔ واللہ الہادی الی الصواب۔

تحقیق حدیث "لَا تُشَدُّ الرِّحَالُ اِلَّا اِلٰی ثَلَاثَۃِ مَسَاجِدَ"

بعض محققین نے فرمایا ہے کہ اس حدیث پاک میں مستثنیٰ منہ محذوف و مقدر ہے تو لامحالہ یا اس کو عام فرض کیا جائے گا تو اب مقصد یہ ہوا کہ سواریوں پر پالان نہ رکھے جائیں کسی مکان کی طرف جانے کے لیے اور کسی بھی مقصد کے لیے مگر صرف تین مساجد کی طرف اور یا مستثنیٰ منہ اخص فرض کیا جائے گا۔ پہلی شق کا تو اعتبار ممکن نہیں ورنہ اس سے سفر تجارت۔ صلہ رحمی اور طلب علم وغیرہ کے لیے سفر کی حرمت بھی لازم آجائے گی (اور یہ لازم بدیہی البطلان ہے) تو دوسری شق متعین ہو گی (کہ مستثنیٰ منہ اخص اعتبار کیا جائے) اور چونکہ تین مساجد کا استثنا کیا گیا ہے تو مستثنیٰ منہ ایسا ہونا چاہیے جس کو اس سے کامل مناسبت ہو۔ اور وہ ہے مسجد کا لفظ۔ اب حاصل عبادت یہ ہوگا۔ لاتشد الرحال الی مسجد للصلوٰۃ فیہ الا الی ثلاثۃ مساجد" تین مساجد کے علاوہ کسی مسجد کی طرف نماز ادا کرنے کے لیے سواریوں کو نہ چلایا جائے اور درپے سفر کی مشقت نہ برداشت کی جائے ؏

؏ اقول مستثنیٰ منہ خاص مسجد کی تصریح مسند امام احمد کی روایت میں موجود ہے لہٰذا یہ محض اپنے طور پر فرض وتقدیر نہیں بلکہ کلام رسول علیہ السلام نے اپنی مراد خود واضح کردی ہے اور صرف دوسری مساجد کی طرف سفر کرنے کے متعلق یہ ارشاد ہے ملاحظہ ہو فتح الباری۔

لہٰذا اس حدیثِ پاک سے قبرِ انور اور روضۂ اطہر کے لیے سفر زیارت کو ممنوع قرار دینے والوں کے قول کی لغویت اور دیگر قبورِ صالحین کی زیارت کے لیے سفر کو حرام قرار دینے والوں کے قول کا بطلان واضح ہو گیا۔ واللہ اعلم بالصواب یہ ہے عبارت فتح الباری شرح البخاری کی۔

ابن تیمیہ پر فتویٰ کفر سے گریز کرنے والے علماء کرام

۱۔ حافظ ابن حجرؒ نے حافظ ابن ناصر دمشقی کے فتوی "الرد الوافر علی من زعم ان من اطلق علی ابن تیمیہ شیخ الاسلام کافر" پر یوں رقم فرمایا جیسے کہ صفی بخاری نے ان سے "قول جلی" میں نقل کیا کہ متعدد دفعہ علماء کرام کی جماعات نے ابن تیمیہ کی چند اصولی اور فروعی مسائل میں مخالفت کی۔ اور ان پر بحث ومناظرہ کے لیے قاہرہ ودمشق میں متعدد مجالس منعقد ہوئیں، مگر کسی عالم سے صحیح نقل کے ساتھ یہ ثابت نہیں کہ اس نے ابن تیمیہ کے زندیق ہونے کا فتویٰ دیا ہو یا اس کے قتل کو مباح قرار دیا ہو حالانکہ اہلِ مملکت میں اس کے ساتھ سخت تعصب رکھنے والے حضرات موجود تھے حتیٰ کہ اس کو قاہرہ میں اور بعد ازاں اسکندریہ میں قید وبند میں ڈالا گیا۔

اس تمام تر مخالفت کے باوجود تمام مخالف علماء اس کی وسعت علمی زہد وتقویٰ شجاعت وسخاوت اور مذہب اسلام کی نصرت واعانت اور علانیہ وخفیہ دعوت الی اللہ کے قائل ہیں۔ لہٰذا جو شخص اس کو کافر کہے اس کے قول وفتویٰ کا بہرحال رد کیا جائے گا بلکہ جو اسے شیخ الاسلام کہنے والے کو کافر قرار دے اس کا بھی شدید رد وانکار کیا جائے گا اور اس کو شیخ الاسلام کہنے میں کونسا کفر لازم آتا ہے کیونکہ وہ بلاشبہ شیخ الاسلام ہے۔ اور جن مسائل میں اس کا رد کیا گیا ہے وہ ان کا محض خواہشات نفس کے تحت قائل نہ تھا اور نہ ہی دلائل خلاف واضح ہو جانے کے باوجود ضد وعناد اور ہٹ دھرمی کے تحت ان پر مصر رہتا تھا۔ اس کی تصانیف ان لوگوں کے رد سے بھرپور ہیں جو اللہ تعالےٰ کی جسمیت کے قائل ہیں اور ان سے براءت وبیزاری کے اظہار سے معمور اور بایں ہمہ وہ بھی بشر ہے، خطاء کا مرتکب بھی ہو سکتا ہے اور راہِ صواب پر گامزن بھی۔ جن مسائل میں اس کی رائے صائب وصحیح ہے وہ بہت زیادہ ہیں ان میں اس سے استفادہ کیا جائے اور دعاء رحمت ومغفرت سے یاد کیا جائے اور جن مسائل میں اس سے خطا سرزد ہوئی ہے ان میں اس کی تقلید سے گریز کیا جائے۔ مثلاً زیارتِ بارگاہِ نبوی کا مسئلہ اور طلاق کا معاملہ۔ انتہی کلام ابن حجر بقدر الحاجۃ۔

۲۔ سید صفی الدین حنفی بخاری نزیل نابلس نے ایک مستقل کتاب بعنوان "القول الجلی فی ترجمۃ الشیخ تقی الدین بن تیمیہ الحنبلی" تالیف فرمائی جس میں ابن تیمیہ کے مناقب بیان کئے اور علماء کرام کے تعریفی کلمات اس میں درج فرمائے۔ کاتب نے اس کے آخر میں لکھا ہے کہ اس کتاب کی تالیف وتصنیف سنہ ۱۲۲۳ھ کو انجام پذیر ہوئی۔ اور اس پر اس وقت کے اکابر علماء مثل شیخ عبدالرحمٰن کزبری دمشقی، شیخ محمد تافلانی مغربی مفتی القدس وغیرہما کی تقریظات ہیں۔ اور یہ کتاب سید نعمان آفندی آلوسی کی کتاب "جلاء العینین فی محاکمۃ الاحمدین" کے حاشیہ پر چھاپی گئی ہے۔

سید صفی الدین اپنی اس کتاب میں فرماتے ہیں کہ علماء کرام کی ایک جماعت نے ابن تیمیہ کے متعلق تصریح فرمائی ہے کہ وہ درجہ

اجتہاد تک پہنچ چکا تھا۔ اور جن مسائل میں اس پر رد و قدح کیا گیا ہے وہ ان میں سے کسی کے اندر بھی متفرد نہیں ہے۔ اور اگر بعض مسائل میں ائمہ اربعہ کا خلاف کیا ہے تو ان مسائل میں بعض صحابہ کرام اور تابعین کی موافقت کی ہے۔

جو مسائل منکرہ اس کی طرف منسوب ہیں ان میں سے قبیح ترین مسئلہ بارگاہ نبوی کی زیارت کے لیے سفر کو حرام قرار دینا ہے۔ اور علی ھذا القیاس دیگر قبوروں کی زیارت۔ کو لیکن وہ اس مسئلہ میں بھی متفرد نہیں ہے بلکہ اس سے قبل ابو عبداللہ بن بطہ حنبلی نے یہی قول کیا ہے۔

سوال: سید صفی الدین اس کتاب میں ایک مقام پر فرماتے ہیں کہ اگر یہ سوال کیا جائے کہ اس کتاب میں مندرجہ عبارات سے تو معلوم ہوتا ہے کہ ابن تیمیہ ان تمام مسائل سے بری ہے جو اس کی طرف منسوب کئے گئے ہیں یعنی اللہ تعالیٰ کو دیگر اجسام کی مانند جسم قرار دینا اور باہم تشابہ و تماثل کا قول کرنا نعوذ باللہ تو پھر علی قاری۔ تقی حصنی اور ابن حجر ہیتمی وغیرھم اکابر علماء اس کی طرف ایسے قبیح عقائد و نظریات اور منکر و مردود مسائل کی نسبت کیوں کرتے ہیں؟

جواب: تو جواباً گذارش ہے کہ ابن تیمیہ علم و فضل اور حفظ سنت میں معروف و مشہور تھا۔ اور نصوص کو ظاہر پر رکھنے میں مبالغہ کرتا تھا اور ان میں تاویل اور صرف عن الظاہر کو سخت ناپسند کرتا تھا اور صوفیہ کرام کا مسئلہ وحدۃ الوجود وغیرہ میں رد کیا کرتا تھا جیسے کہ محدثین و فقہاء اور متکلمین کا طریقہ ہے۔ چنانچہ اس نے شیخ محی الدین ابن عربی۔ شیخ عمر بن الفارض اور شیخ عبدالحق بن سبعین وغیرھم پر رد و انکار کیا۔ اور بعض فروعی مسائل میں ائمہ اربعہ کا خلاف کیا مثلاً مسئلہ زیارت و طلاق۔ اور وہ ان مسائل میں علماء کرام کے ساتھ بحث و تمحیص کیا کرتا تھا۔ چنانچہ بعض علمائے کرام اس کی مخالفت پر کمر بستہ ہوئے۔ اور اس کے ساتھ بغض و عناد کا اظہار کیا۔ اور اس کی طرف ایسے مسائل کی نسبت بھی کر دی جس کا وہ قائل نہیں تھا مثلاً اللہ تعالیٰ کی جسمیت کا قول۔ اور اسے دیگر اجسام کے ساتھ تشبیہ و تمثیل دینے کا قول وغیرہ۔ یہی اقوال بعض اکابر علماء شافعیہ و حنفیہ نے سنے اور اس کی کتب مشہورہ سے ان کی تحقیق کئے بغیر محض سماع پر اعتماد کرتے ہوئے انہیں بیان کر دیا اور اس پر رد و قدح شروع کر دیا۔ اور یہ صرف ابن تیمیہ کے ساتھ ہی پہلا واقعہ نہیں ہوا بلکہ اس سے قبل بھی اکابر علماء کے ساتھ ایسے واقعات پیش آئے ہیں۔

علماء اعلام نے ابن تیمیہ پر جن مسائل میں گرفت کی ہے ان کا ذکر کرنا اور ان میں ابن تیمیہ کا عذر بیان کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔ منجملہ ان مسائل کے ایک مسئلہ یہ ہے کہ وہ زیارت قبور کے لیے سفر کو حرام قرار دیتا ہے۔ اور اس نے اجماع امت کی مخالفت کی ہے یہ درست ہے کہ شیخ مذکور اس مسئلہ میں سخت ترین خطا کا مرتکب ہوا ہے لیکن اس سے اس کا فاسق ہونا بھی لازم نہیں آتا چہ جائے کہ کافر ہونا کیونکہ یہ قول اس سے ایک شبہ کے تحت صادر ہوا ہے۔ اور اس نے ادلۂ شرعیہ میں سے کسی دلیل کا سہارا لے کر یہ دعویٰ کیا ہے اگرچہ اس کا استدلال غلط ہے اور ہمارے نزدیک ناقابل قبول۔

یہی طرز سے دیگر علماء اعلام کا بھی جنہوں نے اس کی تعریف و توصیف کی ہے کہ جس مسئلہ میں اس نے اجماع کی مخالفت کی ہے وہاں اس کی خطا فاحش کی تصریح کر دی ہے۔

انہی علماء کرام میں سے حافظ عماد الدین بن کثیر شافعی بھی ہیں جنہوں نے ابن تیمیہ کے شاگرد اور اس مسلک کے داعی ابن قیم کے متعلق فرمایا۔ ابن قیم اکابر علماء میں سے تھا۔ کبھی خطا کا مرتکب بھی ہوتا اور کبھی حق و صواب تک رسائی حاصل کرتا لیکن اس کی خطا اس کے صحیح مسائل کی نسبت یوں ہے جیسے بحر ناپیدا کنار میں ایک نقطہ و قطرہ اور اس کی خطا بھی قابل مغفرت ہے کیونکہ صحیح بخاری میں ہے "اذا اجتہد الحاکم فاصاب فلہ اجران واذا اجتہد فاخطاء فلہ اجر" جب حاکم و قاضی کسی مسئلہ میں اجتہاد و استنباط سے کام لے۔ اور صواب کو پالے تو اس کے لیے دو اجر ہیں اور اگر خطا سرزد ہو جائے تو ایک اجر کا حق دار ہے۔

امام مالک بن انس فرماتے ہیں ہر شخص کا قول قابل عمل بھی ہوتا ہے اور قابل ترک بھی ماسوا اس مزار انور میں آرام فرما ذات اقدس کے (کہ ان کا ہر قول صواب اور واجب العمل ہے)

حافظ ابن کثیر کا یہ قول بہت خوب ہے اور حافظ مذکور بالاتفاق ثقہ و حجت ہیں اور حافظ ابن حجر نے بہت عمدہ الفاظ میں ان کی تعریف و توصیف فرمائی ہے۔ لہٰذا شیخ تقی الدین حصنی نے ان کے متعلق حافظ ابن حجر سے جو کچھ نقل کیا ہے وہ قابل التفات نہیں ہے۔ البتہ حافظ ابن قیم بھی ابن تیمیہ کے مسلک کے مطابق طلاق کے مسئلہ میں فتویٰ دیتا تھا اور اس وجہ سے اس کو سخت ایذاء و تکلیف پہنچائی گئی۔ اس مسئلہ میں اگرچہ اس نے ائمہ اربعہ کی مخالفت کی ہے تاہم وہ اس میں منفرد نہیں ہے جیسے کہ اس امر کی حقیقت حال اپنی جگہ پر واضح کی جا چکی ہے۔ ابن قیم کا یہ قول اگرچہ خطاء فاحش ہے مگر شبہات و ادلہ کے ساتھ متمسک ہونے کی وجہ سے) اس کا فاسق ہونا بھی لازم نہیں آتا چہ جائے کہ کافر ہونا (انتہت عبارۃ القول الجلی)

شیخ الاسلام صالح البلقینی

سید صفی الدین "قول جلی" میں فرماتے ہیں کہ شیخ الاسلام صالح بن شیخ الاسلام عمر بلقینی نے "الرد الوافر" پر تقریظاً و تائیداً لکھا قاضی القضاۃ تاج الدین سبکی نے اس امر پر فخر کا اظہار کیا کہ حافظ مزی نے شیخ الاسلام کا لفظ ان کے باپ کے لیے استعمال کیا اور شیخ تقی الدین ابن تیمیہ و شیخ شمس الدین ابو عمر کے لیے اگر ابن تیمیہ علم و عمل میں درجہ غایت پر فائز نہ ہوتا تو علامہ سبکی کے فرزند ارجمند اپنے باپ کو ابن تیمیہ کے ساتھ اس منقبت مذکورہ میں شریک کرنے پر خوش نہ ہوتے اور اگر ابن تیمیہ زندیق یا مبتدع ہوتا تو وہ اس بات پر قطعاً رضامند نہ ہوتے کہ ان کے والد گرامی کا اس کے ساتھ ذکر ہو۔

البتہ شیخ ابن تیمیہ کی طرف چند مسائل منسوب ہیں جو اس کے مخالفین نے اس کی طرف منسوب کئے ہیں اور اس پر جرح و قدح کی ہے۔ اور شیخ تقی الدین سبکی نے زیارت و طلاق والے دونوں مسائل میں اس کے رد کا بیڑا اٹھایا اور ہر ایک کو مستقل تالیف کی شکل دی۔ لیکن مسائل میں اس کا شذوذ و انفراد اس کے کفر یا زندقہ کو مستلزم نہیں ہے۔ اور سوائے رسول کریم علیہ السلام کے دوسروں کا قول کبھی قابل قبول اور قابل عمل ہوتا ہے اور کبھی واجب الترک واجب الرد نیک بخت اور سعادت مند وہی ہے۔

جس کی غلطیاں اور کوتاہیاں کم ہوں (اور اقوال صحیح اور افکار صائبہ کثیر ہوں)۔

علاوہ ازیں شیخ ابن تیمیہ کے متعلق گمان غالب یہی ہے کہ اس سے جو کچھ سرزد ہوا وہ محض تحکم وسینہ زوری اور عدوان د طغیان کے تحت سرزد نہیں ہوا۔ حاش للہ۔ بلکہ عین ممکن ہے کہ اس کا منتہیٰ فکر یہی ہو۔ اور اس نے اس پر دلائل و براہین قائم کئے ہوں ہمیں بہرحال ابھی تک تلاش بسیار اور سعی بلیغ کے باوجود کوئی ایسا امر اس کے کلام میں نظر نہیں آیا جو اس کے کفر یا زندقہ پر دلالت کرتا ہو۔

حافظ جلال الدین سیوطی شافعی

صفی بخاری قول جلی میں امام ابن الفارض کے بعض معترضین کا رد کرنے کے بعد فرماتے ہیں۔ ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ ابن فارض بہت بڑے پایہ اور مرتبہ کے مالک ہیں۔ اور ہمارے شیخ جلال الدین سیوطی وحدۃ الوجود کے مسئلہ میں ان کی مخالفت کے باوجود ان کے ساتھ حُسنِ اعتقاد رکھتے تھے۔ اور ایک مختصر سا رسالہ بھی تصنیف فرمایا جس کا نام "قمع المعارض لابن الفارض" رکھا۔ جو جلاء العینین کے حاشیہ میں ہے کہ ابن الفارض کے متعلق امام سیوطی کا تالیف کردہ رسالہ پانچ اوراق پر مشتمل ہے جس میں انہوں نے جملہ ارباب فنون وعلوم یعنی شرعیہ وعقلیہ کا ذکر کیا ہے اور مذاہب اربعہ کے کار بند حضرات علماء کا، اور ہر فریق پر اپنے اندازِ فکر کے مطابق کلام کیا ہے چنانچہ فقہاء شافعیہ پر کلام کرتے ہوئے اور ان کا حق نصیحت اور خلوص و ہمدردی ادا کرتے ہوئے فرماتے ہیں: "اپنے علم پر فخر و ناز اور غرور و تکبر سے گریز کرو۔ تمہارے لیے غایت سعادت یہی ہے کہ تم اس سے بطور کفاف چھٹکارا حاصل کرو۔ تمہیں اس کا نفع پہنچے اور نہ نقصان لاحق ہو۔ بخدا میری آنکھ نے ابن تیمیہ جیسا وسیع علم کا مالک اور انتہائی ذکی شخص نہیں دیکھا علاوہ ازیں وہ خوراک، لباس اور عورتوں کے معاملہ میں بہت بڑا زاہد تھا۔ اور ہر ممکن طریقہ پر حق کو سربلند رکھنے والا تھا اور جہاد پر کمربستہ۔

میں سالہاسال سے اس کی مصیبت اور فتنہ میں غور و فکر کر رہا ہوں حتیٰ کہ تھک ہار چکا ہوں اور مجھے کوئی وجہ اہل مصر و شام کے اسے ضرر پہنچانے اور اس سے غم و غصہ کے اظہار اس کی توہین وتحقیر اور تکذیب وتکفیر کرنے کی مجھے نظر نہیں آئی ماسوا اس کے فخر و ناز اور غرور و تکبر کے اور حب ریاست و شیخت اور اکابر کی تذلیل و توہین کے دیکھئے دعاوی کا دبال کس قدر ہے اور اپنے آپ کو نمایاں اور امتیازی مقام پر فائز کرنے کی محبت کا انجام کیا ہے؟ نسأل اللہ المسامحۃ۔ چند لوگ اس کی مخالفت پر کمربستہ ہوگئے جو نہ تو اس سے زیادہ متقی و پرہیزگار تھے۔ اور نہ زیادہ صاحب علم و فضل بلکہ وہ اپنے احباب و رفقاء کے ذنوب و آثام سے درگذر کر لیتے تھے (مگر اس کے اور اس کے متبعین کے ذنوب و آثام سے چشم پوشی نہیں کر سکتے تھے) اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنے تقویٰ اور جلالت علمی کے لحاظ سے اس پر مسلط نہیں کیا تھا بلکہ اس کے گناہوں کی شامت سے! جو کچھ اس کے ساتھ اور اس کے متبعین کے ساتھ ہوا وہ اس کے مستحق تھے اور جو اللہ تعالیٰ نے ان سے دور رکھا وہ اس سے اکثر و زائد ہے

لہٰذا ریب و تردد کا شکار ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔

یہی امام سیوطی اُصولِ دین پر کلام کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ اگر تو اصول اور اس کے توابع یعنی منطق اور حکمت و فلسفہ میں ماہر ہوجائے تجھے اوائل کے آراء پر کامل دسترس حاصل ہوجائے۔ اور اہلِ عقول کے ساتھ محاذ آرائی پر اور اس کے ساتھ ساتھ کتاب و سنت اور احوالِ سلف کے ساتھ اعتصام حاصل ہوجائے اور معقول و منقول کے درمیان جامعیت نصیب ہوجائے تو بھی میں نہیں سمجھتا کہ ابن تیمیہ کے رتبہ کو پائے گا بلکہ اس کے قریب بھی پہنچ سکے گا اور اس کے باوجود تو دیکھ چکا کہ اس کا انجام کیا ہوا۔ کس قدر توہین وتحقیر کا نشانہ بنا۔ کتنی ہجو و تذلیل ہوئی اور اسے ناحق یا حق تضلیل وتکفیر کا کس قدر سامنا کرنا پڑا۔ اس صناعتِ جدال و مراء میں داخل ہونے سے قبل اس کی پیشانی روشن اور نورانی تھی اور اس کے چہرہ پر اسلاف کے انوار و برکات کے نشانات نظر آتے تھے۔ پھر وہ بہت زیادہ بے نور اور تاریک تر ہوگیا اور بہت سے لوگوں کے نزدیک روسیاہ ہوگیا۔ اعداء نے اس کو دجال کذاب و مفتری اور کافر کہا۔ اور بعض عقلاء وفضلاء نے اس کو بدیع الافکار، فاضل، محقق، بارع وفائق قرار دیا اور وہ اپنے عام معتقدین کے نزدیک حامل رایۃ الاسلام، حامی حفدۃ الدین اور محی السنتہ ہے (انتہت عبارۃ الامام السیوطی)

نتیجہ۔ علامہ سیوطی کی عبارت نقل کرتے ہوئے صدیق حسن خان بھوپالی (غیر مقلد) نے کہا کہ شیخ ابن تیمیہ کے متعلق امام سیوطی کا کلام دیکھئے اور اپنی عقل کے ساتھ اس کا موازنہ کیجئے اس میں تناقض ظاہر ہے واللہ اعلم بالسرائر۔

علامہ نبہانی فرماتے ہیں میں نے اپنی عقل سے ان کے کلام کا موازنہ کیا۔ مجھے اس میں کوئی تناقض وتخالف نظر نہیں آیا۔ بلکہ انہوں نے ابن تیمیہ کے احوال معلومہ کی حکایت فرمائی ہے بعض اوصافِ مدح تھے جن کے ساتھ اس کی مدح کردی اور بعض قابل مذمت، لہٰذا ان کے ساتھ اس کی مذمت کردی اس میں تناقض وتخالف والی کون سی بات ہے؟

شیخ عبدالرحمٰن کزبری دمشقی شافعی

علامہ سید صفی الدین کی کتاب القول الجلی پر تقریظ میں ابن تیمیہ کے حق میں تعریفی کلمات لکھنے کے بعد فرماتے ہیں:۔

ابن تیمیہ کی طرف بعض اصولی مسائل میں اختلاف اور بدعات کے ارتکاب کی نسبت درست نہیں ہے کیونکہ اس کی مشہور تالیفات میں جو تصریحات موجود ہیں وہ اہل سنت کے مسلک و مذہب کے بالکل مطابق و موافق ہیں[1] اور بعض فروعی مسائل میں اختلاف ساوات

---

[1] اقول: مثل مشہور ہے "تانہ باشد چیزکے، مردم نگویند چیزھا"، اگر ابن تیمیہ سے ذرہ بھر اصولی و فروعی مسائل میں مخالفتِ اسلاف سرزد نہ ہوتی اور بدعات کا ارتکاب نہ ہوتا تو اس کی طرف ان امور کی نسبت کیوں کی جاتی معلوم ہوتا ہے کچھ نہ کچھ اختلاف ضرور سرزد ہوا ہے۔ رہا مشہور تالیفات میں اس کا اہل السنت کے موافق ہونا تو اعتبار خواتیم اعمال اور انجام کار کا ہوتا ہے جو ایک وقت میں صحیح عقائد کا مالک ہے تو کیا دوسرے وقت میں اس کے اندر تبدیلی اور ارتداد وغیرہ کا طاری ہونا محال ہے۔ نیز یہ بھی غلط ہے کہ اس کی مشہور تالیفات میں

صوفیہ اور مقربان حضرت خداوند کریم کی شان اقدس میں طعن وتشنیع (کی نسبت اس کی طرف اگرچہ معروف ومشہور ہے) مگر ہم ان امور میں اس کی قطعاً موافقت نہیں کرتے اور نہ ہی اس نسبت کو درست تسلیم کرتے ہیں واللہ یقول الحق وہو یھدی السبیل انتہیٰ کلام الکزبری یہ تھا خلاصہ ان نقول کا جو میں نے القول الجلی اور اس کی تقاریظ سے نقل کیا ہے۔

بعض علماء اعلام کی ابن تیمیہ پر تغلیظ وتشدید اور اس کی تکفیر

علامہ علی القاری الحنفی : شرح شفا میں ارشاد فرماتے ہیں ابن تیمیہ حنبلی نے بارگاہِ نبوت میں انتہائی تفریط سے کام لیا اور شانِ نبوت کی توہین وتحقیر کا ارتکاب کیا حتیٰ کہ سفرِ زیارت کو حرام قرار دے دیا جب کہ بعض لوگوں نے اس مسئلہ میں افراط سے کام لیا اور کہا روضۂ انور کی زیارت کا عبادت وقربت ہونا ضروریاتِ دین سے ہے۔ اور اس کا منکر کافر ہے اور عین ممکن ہے کہ دوسرا قول صواب کے قریب تر ہو کیونکہ تمام علماء اعلام مقتدایان انام جس امر کو بالاجماع مستحب قرار دیں اس کو حرام قرار دینا کفر ہے کیونکہ یہ مباح کو حرام قرار دینے سے زیادہ قبیح ہے اور اس کے کفر ہونے پر اتفاق ہے (تو لامحالہ اس کے کفر ہونے پر بھی اتفاق ہونا چاہیے)۔

علامہ شہاب الدین خفاجی حنفی : شرح شفا میں "ارشاد نبوی لَعَنَ اللّٰہُ قَوْمًا اِتَّخَذُوا قُبُوْرَ اَنْبِیَاءِ ھِمْ مَسَاجِدَ" کے تحت فرماتے ہیں۔ کہ یہی حدیث ابن تیمیہ اور اس کے متبعین ابن قیم وغیرہ کے مقالۂ شنیعہ اور فتوائے قبیحہ یعنی تحریم سفرِ زیارت کا باعث بنی ہے جس کی وجہ سے اس کو کافر قرار دیا گیا ہے۔ اور علامہ سبکی نے اس مسئلہ کی تحقیق میں ایک مستقل کتاب تالیف فرمائی ہے (جو شفاء السقام فی زیارت خیر الانام علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نام سے معروف ومشہور ہے) حالانکہ سرور کونین سید الثقلین کی بارگاہ بیکس پناہ کی حاضری کا مقام تو یہ ہے ؎

لِمَھْبَطِ الْوَحْیِ حَقًّا تُرْحَلُ النُّجُبُ ۔۔۔ وَعِنْدَ ذَاکَ الْمُرَجّٰی یَنْتَھِی الطَّلَبُ

سواریوں پر پالان رکھنا اور سفر کی صعوبات اٹھانا دراصل درست اور صحیح ہے تو صرف اس ذات اقدس کے لیے جو

اہلِ السنت کے ساتھ اصولی وفروعی مخالفت نہیں بلکہ انہیں میں صریح مخالفت موجود ہے جیسے کہ آئندہ چل کر علامہ نبہانی مختلف اکابر کے ارشادات سے اور اپنی طرف سے اس کی عبارات پیش کرکے اس حقیقت کو واضح کریں گے۔ الغرض ان اکابر نے ان امور اختلافیہ اور مبتدع میں اس کی موافقت نہیں کی ان میں وہ بہرحال اہل السنت کے مسلک پر شدت سے قائم ہیں اور ابن تیمیہ کی طرف نسبت درست تسلیم کرتے ہوئے وہ اس کی تائید وہمنوائی قطعاً نہیں کرتے انہیں محض نسبت میں کلام ہے اور یا صرف یہ امر مدِ نظر ہے کہ اس کی نیکیاں اس کی ان برائیوں سے زیادہ ہیں لہٰذا محض ان برائیوں پر نظر مرکوز رکھ کر اس کی دوسری خوبیوں سے اغماض نہیں کرنا چاہیے ھذا واللہ ورسولہ اعلم۔

(محمد اشرف)

مہبط وحی ہے اور محلِ نزول آیات اور اسی امید گاہ تک پہنچ کر طلب کا انتہاء واختتام ہو جاتا ہے اور پھر کوئی تمنا وآرزو باقی نہیں رہتی۔

ابن تیمیہ نے یہ فتویٰ دے کر گمان کیا کہ میں نے توحید باری تعالیٰ کا تحفظ کیا ہے اور ایسی خرافات سے کام لیا جن کا ذکر کرنا بھی مناسب نہیں ہے۔ اور ان کا صدور کسی صاحب عقل وشعور سے بھی ممکن نہیں چہ جائے کہ کوئی عالم وفاضل ان کا مرتکب ہو۔ العیاذ باللہ حدیث مذکورہ بالا کی صحیح تشریح کرتے ہوئے فرمایا کہ اس سے مقصود یہ ہے کہ وہ قبور کی طرف سجدہ کرتے ہیں جیسے کہ بتوں کی طرف سجدہ کیا جاتا ہے۔ اور ایک دوسری روایت نقل فرمائی جس میں اس قوم کی تصریح کی گئی ہے جس نے اس فعل شنیع کا ارتکاب کیا اور مستحق لعنت ہوئے یعنی فرمانِ مصطفوی "لَعَنَ اللّٰہُ الْیَھُوْدَ وَالنَّصَارٰی اِتَّخَذُوْا قُبُوْرَ اَنْبِیَاءِ ھِمْ مَسَاجِدَ" اور یہ بات ہر ایک کو معلوم ہے کہ زائرین میں سے کوئی شخص قبرِ انور اور روضہ اطہر کو سجدہ نہیں کرتا کیونکہ قبور انبیاء علیہم السلام کو سجدہ کرنا بالاتفاق حرام وممنوع ہے جیسے کہ اس حدیث اور دیگر روایات سے واضح ہوتا ہے۔

شرح شفاء میں ایک اور مقام پر فرماتے ہیں، قاضی عیاض علیہ الرحمہ نے اپنی سند کے ساتھ ابن حمید سے نقل کیا ہے جو کہ امام مالک علیہ الرحمہ سے روایات نقل کرنے والوں میں سے ایک ہیں کہ ابوجعفر امیر المومنین نے امام مالک علیہ الرحمہ کے ساتھ مسجد نبوی میں مناظرہ کیا اور دورانِ گفتگو اس کی آواز بلند ہوئی تو آپ نے فرمایا۔ اے امیر المومنین اس مسجد میں اپنی آواز بلند نہ کیجئے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ایک قوم کو ادب وتہذیب کا درس دیتے ہوئے فرمایا لَا تَرْفَعُوْا اَصْوَاتَکُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِیِّ اپنی آواز کو بارگاہِ نبوی میں بلند نہ کرو۔ اور دوسرے لوگوں کی مدح وثناء کرتے ہوئے فرماتا ہے اِنَّ الَّذِیْنَ یَغُضُّوْنَ اَصْوَاتَھُمْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰہِ اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ امْتَحَنَ اللّٰہُ قُلُوْبَھُمْ لِلتَّقْوٰی بے شک وہ لوگ جو اپنی آوازوں کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہِ اقدس میں پست رکھتے ہیں وہی لوگ ہیں جن کے دلوں کو اللہ تعالیٰ نے تقویٰ وپرہیزگاری کے لیے منتخب فرما لیا ہے۔ اور ایک فریق کی مذمت کرتے ہوئے فرماتا ہے۔ اِنَّ الَّذِیْنَ یُنَادُوْنَکَ مِنْ وَّرَاءِ الْحُجُرَاتِ اَکْثَرُھُمْ لَا یَعْقِلُوْنَ۔ بے شک وہ لوگ جو تمہیں حجرات مبارکہ کے باہر سے بلند آوازوں کے ساتھ پکارتے ہیں (اور آپ کے آرام وسکون اور ادب واحترام کا لحاظ نہیں کرتے) ان میں سے اکثر عقل وفہم سے عاری ہیں۔ اور سرور انبیاء علیہ السلام کی عزت وتکریم بعد از وصال اسی طرح لازم وفرض ہے جس طرح کہ حالتِ حیاتِ ظاہرہ میں۔

یہ سنتے ہی امیر المومنین ابوجعفر نے تواضع وانکساری اور ادب ونیاز کا اظہار کیا اور آپ سے دریافت کیا کہ میں قبلہ رو ہو کر دعا کروں یا روضۂ اطہر کی طرف متوجہ ہو کر تو امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے ابوجعفر آپ ان سے کیوں منہ موڑتے ہیں جب کہ وہ آپ کے اور آپ کے باپ حضرت آدم علیہ السلام کے وسیلہ ہیں اور قیامت کے دن بارگاہ خداوندی میں ذریعۂ خلاص ونجات۔ انہیں کی طرف متوجہ ہو کر ان سے شفاعت کی التجاء کیجیے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن انہیں آپ کا شفیع بنائے۔

ابن تیمیہ کا دعویٰ بلا دلیل

علامہ خفاجی فرماتے ہیں کہ قاضی عیاض کی اس مستند روایت اور امام مالک علیہ الرحمہ کے اس فتویٰ سے ابن تیمیہ کے اس دعویٰ باطلہ کا رد ہو گیا کہ بوقتِ زیارت قبرِ انور کی طرف منہ کرنا امر منکر ہے جس کا کوئی شخص قائل نہیں ہے اور اس کا ثبوت صرف ایک روایت سے ملتا ہے جس میں امام مالک علیہ الرحمہ پر افترا کیا گیا ہے یعنی یہ قصہ جس کو قاضی عیاض علیہ الرحمہ نے شفا شریف میں نقل کیا ہے، اللہ تعالیٰ ان کا بھلا کرے انہوں نے اس کو صحیح سند کے ساتھ نقل فرما دیا اور یہ تصریح فرمائی کہ میں نے اس کو اپنے ثقہ مشائخ سے سنا اور یاد کیا ہے۔

لہٰذا ابن تیمیہ کا یہ دعویٰ کہ مزار پر انوار کی طرف بوقت دعا توجہ کرنا امرِ منکر ہے کذب محض ہے اور اس کے اپنے اختراعات و افتراءات میں سے ہے۔ اور اسی طرح یہ دعویٰ کہ استقبال قبرِ انور کسی سے منقول و مروی نہیں ہے۔ باطل ہے کیوں کہ امام مالک، امام احمد اور امام شافعی کا مذہب یہی ہے کہ بوقت دعا و سلام قبر انور کی طرف منہ کرنا مستحب امر ہے اور یہی ان کی کتابوں میں مذکور و مسطور ہے۔

علامہ شہاب خفاجی ایک دوسرے مقام پر حدیث رسول "لَا تَجْعَلُوْا قَبْرِیْ عِیْدًا" کے تحت فرماتے ہیں یعنی میری قبر کو عید کی مانند نہ ٹھہراؤ یعنی ایسا نہیں ہونا چاہیے کہ جس طرح عید میں اجتماع ہوتا ہے اس طرح یہاں بھی اجتماع و ازدحام کرو اور اس حدیث کا صحیح محمل پہلے بیان ہو چکا ہے اور اس امر کی وضاحت بھی کی جا چکی ہے کہ اس میں ابن تیمیہ وغیرہ کے لیے اپنے زعم فاسد پر استدلال کی کوئی وجہ نہیں ہے کیونکہ امت محمدیہ کا جوازِ زیارت پر اجماع اس کا متقاضی ہے کہ اس حدیثِ پاک کا وہ معنی نہیں ہے جو اس طائفہ نے سمجھا ہے بلکہ یہ محض شیطانی وسوسہ ہے اور دھوکہ و فریب نفسانی۔

وہ تاویل اور محمل حدیث جس کے متعلق یہاں اشارہ فرمایا ہے دوسری جگہ اس کی وضاحت یوں فرمائی ہے۔ کہ حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم "لا تجعلوا قبری عیدًا" کا محمل بعض حضرات کے نزدیک یہ ہے کہ معین دن میں ہیئت مخصوصہ پر وہاں اجتماع سے منع کرنا مقصود ہے جیسے کہ عید میں ہوتا ہے اور یہ معنی ہے کہ سال میں عید کی طرح صرف ایک مرتبہ زیارت نہ کرو بلکہ بار بار حاضری دو اور اگر بالفرض اس سے نہی مراد ہے اور زیارت سے روکنا تو لامحالہ وہ ایک خاص حالت پر محمول ہے یعنی عید کی مانند زیب و زینت سے کام لیتے ہوئے وہاں قیام پذیر نہ رہو۔ بلکہ زیارت کرو۔ سلام پیش کرو اور دعا مانگ کر رخصت ہو جاؤ (کیونکہ زیادہ دیر ٹھہرے رہنے سے ادب و احترام اور توقیر و اجلال میں بالعموم کمی واقع ہو جاتی ہے)۔

علامہ خلیل بن اسحاق مالکی کا قول

امام قسطلانی مواہب لدنیہ میں نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

روضہ اطہر اور مزارِ انور کی حاضری دینے والے کے لیے موزوں و مناسب یہ ہے کہ بکثرت دعا و تضرع، استغاثہ اور تشفع و توسل سے کام لے کیونکہ جو شخص اس محبوبِ کریم کے طفیل اور ان کی شفاعت سے مغفرت ذنوب اور تکفیر سیئات کا طلب گار ہو وہی اس قابل ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو اس کا شفیع بنائے۔

علامہ زرقانی نے شرح مواہب میں اس قول کو نقل کرنے کے بعد فرمایا کہ علامہ خلیل نے بھی اپنے منسک میں یہی مسلک بیان فرمایا ہے اور اتنا اضافہ فرمایا کہ زائر کو چاہیے کہ آپ سے توسل کرے اور عند اللہ آپ کے جاہ و منصب کا وسیلہ جناب باری میں پیش کرے کیونکہ بار گناہ اور اثقالِ ذنوب سے دو تا پشتوں کو چھٹکارا ملنے کی جگہ یہی ہے اور ہلاکت و تباہی سے خلاص و نجات کا ذریعہ یہی درگاہ والا ہے کیونکہ آپ کی شفاعت اور عظمتِ شان و مقام کی برکت سے کوئی گناہ بڑا نہیں ہے۔ تاکہ اس کی مغفرت میں دشواری پیش آئے اور جس کا عقیدہ اس کے برعکس ہے وہ حرماں نصیب اور بدبخت ہے اللہ تعالیٰ نے اس کی بصیرت سلب کر لی ہے اور اس کا باطن نورِ ایمان سے محروم کر دیا ہے۔ کیا اس کے کانوں تک اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی نہیں پہنچا:-

وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ الآیۃ اگر وہ لوگ اپنی جانوں پر ظلم کر بیٹھیں پھر تمہاری بارگاہ میں حاضر ہو جائیں اللہ تعالیٰ سے استغفار کریں اور اللہ تعالیٰ کا محبوب بھی ان کے لیے استغفار کرے تو لامحالہ وہ اللہ تعالیٰ کو توبہ قبول کرنے والا اور رحم فرمانے والا پائیں گے۔

اور غالباً ان کا اشارہ مسلوب البصیرت اور محروم قسمت کے کلمات مذمت میں ابن تیمیہ کی طرف ہے۔

علامہ محمد زرقانی مالکیؒ نے شرح مواہب میں علامہ قسطلانی کا کلام نقل کر کے "کہ امام مالک علیہ الرحمہ کا منصور کو بوقتِ دعا قبر انور کی طرف متوجہ ہونے کا حکم دینا ابن تیمیہ کے نزدیک امام مالک پر بہتان و افترا ہے" فرماتے ہیں کہ علامہ قسطلانی نے روایت کی تکذیب ابن تیمیہ کی طرف منسوب کر کے اپنا دامن اس تکذیب کی آلائش سے محفوظ کر لیا ہے کیوں کہ اس روایت کو علامہ ابو الحسن علی بن فہر نے اپنی کتاب فضائل مالک میں نقل کیا ہے۔ اور انہیں کے واسطہ سے حافظ ابو الفضل عیاض علیہ الرحمہ نے شفا میں ایسی سند کے ساتھ نقل کی ہے جس میں کلام نہیں کیا جا سکتا اور وہ سند بالکل صحیح ہے تو اس کے متعلق کذب و افترا کا دعویٰ کیونکر درست ہو سکتا ہے۔ حالانکہ اسکے راویوں میں نہ کوئی کاذب ہے اور نہ ہی روایات کو وضع کرنے والا اور اپنی طرف سے اختراع کرنے والا۔

البتہ ابن تیمیہ نے چونکہ ایک نیا مسلک و نظریہ اختراع کیا یعنی قبور کسی قسم کی بھی ہوں ان کی تعظیم نہیں کرنی چاہیئے بلکہ ان کی زیارت سے مقصود فقط عبرت حاصل کرنا ہے اور اہل قبور کے لیے دعاء رحمت و مغفرت۔ اور زیارتِ قبور میں بھی شرط جواز یہ ہے کہ اتنی مسافت پر نہ ہوں کہ سواریوں کی ضرورت پیش آئے اور نہ اونٹوں پر سفر کرنے کی اور پالان رکھنے کی تو جو دلیل بھی اس کے اختراعی مذہب و مسلک کے خلاف ہو تو وہ شخص حملہ آور درندہ کی مانند اس امر کی پروا نہیں کرتا کہ میں کس طرح دفاع کروں جو حیلہ و مکر اس کو سوجھے وہ اسی سے کام لیتا ہے اور جب دلائل خصم کے جواب میں کوئی کمزور سا شبہ بھی اس کو ہاتھ نہیں آتا تو وہ کمال ڈھٹائی اور وقاحت سے کام لیتے ہوئے یہ دعویٰ کر دیتا ہے کہ یہ اس شخص پر بہتان و افترا ہے۔

اور اس قول کی نسبت درست نہیں ہے۔ جس شخص نے اس کے متعلق یہ کہا ہے عِلْمُهُ أَكْبَرُ مِنْ عَقْلِهِ اس نے حق انصاف ادا کر دیا ہے یعنی ابن تیمیہ کا علم اس کی عقل سے زیادہ ہے۔ اور علم کا کنٹرولر عقل ہے اور اس کے محل استعمال کا فیصلہ کرنے والی عقل ہوتی ہے جب یہ کم ہے تو اس کا علم گویا محافظ و نگران سے محروم ہے اور موزوں و ناموزوں مقام کی پہچان سے عاری۔

علامہ قسطلانی نے مواہب میں فرمایا کہ امام مالک علیہ الرحمہ سے مروی ہے کہ جب ابو جعفر منصور عباسی نے ان سے دریافت کیا اے ابو عبداللہ کیا میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منہ کروں اور دعا مانگوں یا قبلہ رو ہو کر دعا کروں تو امام مالک علیہ الرحمہ نے فرمایا۔ آپ ان سے منہ کیوں موڑتے ہیں جب کہ وہ بروز قیامت جناب الٰہی میں آپ کے وسیلہ و آسرا ہیں اور آپ کے باپ حضرت آدم علیہ السلام کے لیکن میں نے منسک ابن تیمیہ میں دیکھا ہے کہ یہ حکایت امام مالک علیہ الرحمہ پر کذب و افتراء ہے اور قبر انور کے پاس ٹھہرنا بدعت ہے اور صحابہ کرام علیہم الرضوان میں سے کوئی بھی قبر انور کے پاس کھڑا ہو کر اپنے لیے دعا نہیں کرتا تھا بلکہ وہ قبلہ رو ہو کر مسجد نبوی میں دعا کیا کرتے تھے۔ ابن تیمیہ نے کہا کہ امام مالک تمام ائمہ کی نسبت اس امر کو زیادہ ناپسند کرنے والے ہیں۔ یہ تو تھی عبارت مواہب کی۔

علامہ زرقانی اس کی شرح میں ابن تیمیہ کے دعویٰ کذب و افتراء پر بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں یہ ابن تیمیہ کا عجیب تہور اور سینہ زوری بلکہ بے حیائی ہے کیونکہ اس حکایت کا راوی علی بن فہر ہے اور اس نے "فضائل مالک" میں اس کو ایسی سند کے ساتھ ذکر کیا ہے جو محل بحث و کلام نہیں ہے۔ اور قاضی عیاض علیہ الرحمہ نے اپنی سند کے ساتھ متعدد مشائخ سے اس کو نقل کیا ہے جو انتہائی قابل اعتماد اور قابل وثوق ہیں لہٰذا اس کے کذب و افتراء ہونے کا دعویٰ کیوں کر درست ہو سکتا ہے؟ جب کہ اس کی سند میں کوئی وضاع و کذاب نہیں ہے۔

نیز ابن تیمیہ کے اس دعویٰ پر کہ کوئی صحابی قبرِ انور کے پاس کھڑا ہو کر اپنے لئے دعا نہیں کرتا تھا اور یہ وقوف عند القبر بدعت ہے، تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں یہ دعویٰ نفی مردود و باطل ہے اور اس کے قصورِ فہم پر مبنی ہے اور یا محض سینہ زوری بلکہ منہ زوری ہے۔ کیونکہ شفاء قاضی عیاض علیہ الرحمہ میں ہے۔

بعض تابعین نے فرمایا میں نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مزار پر انوار پر حاضر ہوئے، وہاں قیام پذیر رہے اور ہاتھ بلند کئے حتیٰ کہ میں نے گمان کیا کہ انہوں نے نماز شروع کر دی ہے چنانچہ انہوں نے بارگاہِ نبوی میں سلام پیش کیا اور پھر مراجعت فرمائی۔

ابن تیمیہ کے اس دعویٰ کی تردید کرتے ہوئے کہ امام مالک قبر انور کی طرف متوجہ ہو کر دعا کرنے کے سخت خلاف ہیں فرماتے ہیں کہ یہ خطاء قبیح ہے کیونکہ مالکی علماء کی کتابیں ان تصریحات سے لبریز ہیں کہ قبرِ انور کے پاس کھڑے ہو کر قبلہ کی طرف پشت کر کے اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف متوجہ ہو کر دعا کرنا مستحب ہے۔ امام ابو الحسن قابسی، امام ابوبکر بن عبدالرحمٰن اور علامہ خلیل نے اپنے منسک میں اس کی تصریح کی ہے۔

شفاء میں قاضی عیاض علیہ الرحمہ نے ابن وہب کے واسطہ سے امام مالک علیہ الرحمہ سے نقل کیا ہے کہ جب بارگاہ رسالتمآب علیہ افضل الصلوات میں حاضری دے تو سلام پیش کرے اور دعا کرے جب کہ اس کا منہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہو اور قبلہ کی طرف پشت ہو۔ اور مزارِ اقدس سے قریب ہو کر کھڑا ہو اور سلام پیش کرے اور قبرِ انور کو ہاتھ نہ لگائے۔

یہی مذہب ہے امام شافعی علیہ الرحمہ اور جمہور ائمہ و علماء کرام کا اور یہی امام الائمہ سراج الامہ امام ابو حنیفہ سے منقول ہے۔

امام ابن ہمام فتح القدیر میں فرماتے ہیں کہ امام ابو حنیفہ کی طرف یہ منسوب کرنا کہ وہ بوقت دعا قبلہ رو ہو کر دعا مانگنے کا حکم دیتے ہیں مردود و باطل ہے کیوں کہ خود امام صاحب رحمہ اللہ تعالےٰ نے اپنی مسند میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت نقل فرمائی ہے "من السنة ان یستقبل القبر المکرم ویجعل ظهره للقبلة" سنت یہ ہے کہ قبر مکرم کی طرف منہ کرے اور قبلہ کی طرف پیٹھ کرے۔ اور امام صاحب علیہ الرحمہ کا یہی مذہب ہے اور علامہ کرمانی کا یہ دعویٰ کہ ان کا مذہب اس کے خلاف ہے قطعاً غلط اور مردود و ناقابل اعتبار ہے کیونکہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم زندہ ہیں اور جو شخص زندہ ہستی کی خدمت میں حاضر ہوتا ہے وہ اس کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔ نہ کہ اس کی طرف پشت کرتا ہے۔

زرقانی فرماتے ہیں حقیقت تو وہ ہے جو میں نے بیان کر دی لیکن ابن تیمیہ نے چونکہ اپنی عقل فاسد سے ایک نیا راستہ اختیار کر لیا ہے۔ کہ قبروں کی تعظیم مت کرو۔ اور ان کی زیارت محض عبرت حاصل کرنے کے لیے ہے اور دعاء اموات کے لیے اور وہ بھی اس شرط سے مشروط کہ سفر طویل نہ ہو اور سواریوں کی حاجت درپیش نہ ہو۔ لہٰذا اس کے مزعوم فاسد کے خلاف جو قول اس کی نظر میں آتا ہے تو خونی درندہ کی مانند اس پر حملہ آور ہوتا ہے اور دفاع کی کوئی خاص صورت اس کے نزدیک متعین نہیں ہوتی۔ دوسرا کوئی شبہ و وہم نظر نہ آئے تو پھر یہ پینترا بدل لیتا ہے کہ یہ روایت افتراء ہے اور اس کی نسبت غلط ہے حالانکہ یہ کمال بے انصافی ہے اور دعویٰ بیہودہ۔ اور اس شخص نے بہت ہی انصاف کی بات کی ہے جس نے ابن تیمیہ کے متعلق کہا ہے کہ اس کا علم اس کی عقل سے زیادہ ہے۔ عِلْمُهُ أَكْبَرُ مِنْ عَقْلِهِ۔

ابن تیمیہ کے اس دعویٰ کا رد کرتے ہوئے "کہ امام مالک سب ائمہ کی نسبت وقوف عند القبر المکرم کو اور قبرِ انور کی طرف منہ کر کے دعا کرنے کو زیادہ ناپسند کرتے"، فرماتے ہیں کہ ابن تیمیہ سے پوچھا جائے کہ کون سی کتاب میں اس کراہت کی تصریح و تنصیص موجود ہے؟ بلکہ اس کے برعکس ابن وہب جو امام مالک کے اجل مصاحبین میں سے ہیں ان سے نقل فرماتے ہیں کہ دعا کے لیے قبر انور کے پاس کھڑا ہو اور ایسی عبارت وجوب و لزوم پر نہیں تو کم از کم استحباب پر بہر حال دلالت کرتی ہے۔ اور یہی اعتقاد علامہ خلیل بن اسحاق کا ہے جیسے کہ انہوں نے اپنے منسک میں تصریح کی ہے اور یہی نظریہ حافظ ابو الحسن قابسی کا ہے اور ابوبکر بن عبدالرحمٰن وغیرہم ائمہ مالکیہ کا۔ کیا اس شخص کو حیا نہیں آتی کہ جس چیز کو اس کا علم محیط نہیں ہوتا اس کی تکذیب کر دیتا ہے۔ اور اپنے مزعوم فاسد کے مخالف امر کا خوفناک درندہ کی مانند ہر اوچھے ذریعے سے دفاع کرتا ہے۔

علامہ صلاح الدین صفدی شافعی

انہوں نے لامیۃ العجم کی شرح میں طغرانی کے قول ؎

وَلَا اَهَابُ الصِّفَاحَ الْبِيضَ تُسْعِدُنِي　　بِاللَّمْحِ مِنْ خَلَلِ الْاَسْتَارِ وَالْكِلَلِ

ترجمہ! میں سفید و براق چوڑی تلواروں سے خوف زدہ نہیں ہوتا صرف اتنا ہو کہ اسے محبوب تو نقاب و حجاب اور تاج عزت کے درمیان سے لطف و کرم کا اظہار کرتے ہوئے میری طرف اشارہ کر کے میری نصرت و امداد فرماتا رہے؛ کے تحت ذکر کیا کہ میں نے ۱۸ ؁ھ میں دمشق میں علامہ ابن تیمیہ کے ساتھ ملاقات کے دوران "داُخر متشابہات" کے متعلق دریافت کیا اور متعدد سوالات و جوابات نقل کئے جن کی تفصیل بیان کرنا خارج از بحث ہے ہمارا مقصد صرف یہ بیان کرنا ہے کہ ان کی باہم ملاقات ہوئی اور مذاکرت بھی ہوئے۔ بعد ازاں صلاح صفدی طغرانی کے قول ؎

وَيَا خَبِيرًا عَلَى الْاَسْرَارِ مُطَّلِعًا　　اُصْمُتْ فَفِي الصَّمْتِ مَنْجَاةٌ مِنَ الزَّلَلِ

اے اسرار پر مطلع اور ان سے باخبر صمت و سکوت سے کام لے کیونکہ لغزش و ٹھوکریں کھانے سے نجات کی راہ صرف یہی ہے کی شرح و تفصیل بیان کرتے ہوئے ذکر کرتے ہیں (اور ان لوگوں کی فہرست بناتے ہیں جن کا علم عقل سے زائد تھا اور ان کے لیے موجب ہلاکت اور ذلت و رسوائی کا باعث ہوا) کہ قاضی بہاء الدین بن شداد نے سیرۃ صلاح الدین کے ابتداء میں ذکر کیا۔

۱- شہاب الدین سہروردی مقتول حلب کا عقیدہ اچھا تھا اور وہ شعائر دین کی بہت زیادہ تعظیم کرتا تھا مگر اکثر لوگوں کا نظریہ یہ ہے کہ وہ ملحد و بیدین تھا اور بداعتقاد۔ اسے اس کی کم عقلی نے اور کثرتِ کلام نے قتل کرایا۔

۲- خلیل ابن احمد رحمہ اللہ تعالیٰ ایک رات عبداللہ بن المقفع کے ساتھ بحث و تمحیص کرتا رہا حتی کہ صبح ہوگئی۔ جب ایک دوسرے سے علیحدہ ہوئے تو خلیل علیہ الرحمہ سے دریافت کیا گیا کہ آپ کا ابن المقفع کے متعلق کیا خیال ہے؟ انہوں نے فرمایا یہ ایسا شخص ہے جس کا علم اس کی عقل سے زیادہ ہے اور یہ ان کا بالکل صحیح تبصرہ تھا کیونکہ اس کو اس کی کم عقلی اور کثرت بحث و کلام نے انتہائی بری حالت میں قتل کرایا اور عبرت ناک موت کے ساتھ دنیا سے رخصت ہوا۔

۳- صفدی فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک تقی الدین ابن تیمیہ کا حال بھی یہی ہے کہ اس کا علم بہت وسیع ہے مگر اس کی عقل بہت زیادہ ناقص ہے جو اسے ہلاکتوں میں ڈالتی ہے اور مضایق و شدائد میں مبتلا کرتی ہے (اور چونکہ علامہ صفدی اور ابن تیمیہ کی باہم ملاقات ہوئی اور مذاکرات بھی لہٰذا ان کا تبصرہ بھی عین حقیقت ہے اور بالکل واقعہ کے مطابق)۔

امام عبدالرؤف المناوی الشافعی

شرح شمائل میں ابن قیم کی زبانی اس کے استاذ کا قول نقل کرتے ہوئے ورکہ جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے رب کریم

جل وعلیٰ کو اپنے دو کندھوں کے درمیان اپنا دست قدرت رکھے ہوئے دیکھا تو دستار مبارک کا شملہ دراز کر کے اس جگہ کی عزت و تکریم کا اہتمام فرمایا" فرماتے ہیں کہ ابن حجر مکی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا یہ استاد و شاگرد کی کھلی ضلالت و گمراہی ہے اور یہ قول ان کے اعتقاد جہت وجسمیت پر مبنی ہے۔ تعالی اللہ عما یقول الظالمون علواً کبیرًا۔

اپنا ردعمل بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اس استاد و شاگرد کا متبدعین میں سے ہونا تو مسلم لیکن علامہ ابن حجر کا اس قول کو ان کے عقیدۂ جہت وجسمیت کا مدار بتانا درست نہیں ہے۔ اور علی قاری کی مانند اس بنیاد پر کلام کرنے کے بعد ابن قیم اور ابن تیمیہ کے عقیدۂ جہت و تجسیم سے براءۃ کا اظہار کیا اور ان کی علم و تقویٰ کے لحاظ سے مدح و ثناء کی کیونکہ علی قاری کے نزدیک ان دونوں کا یہ اعتقاد فاسد ثابت نہیں ہے بلکہ ان مولفات مشہورہ سے اس کا خلاف ثابت ہے لیکن انہوں نے شرح شفاء میں ابن تیمیہ کو سفر زیارت کی تحریم کی وجہ سے تفریط و تنقیصِ شانِ نبوت کا مرتکب قرار دیا ہے جیسا کہ قبل ازیں ان کی عبارت ذکر کر کے اس حقیقت کی وضاحت کی جا چکی ہے۔ اور ایسے شخص کو ایسے امر کے حرام قرار دینے کی وجہ سے کافر کہنے کو قریب صواب قرار دیا جس کے استحباب پر تمام علماء بلکہ اہل اسلام کا اجماع ہے۔ لہٰذا اس درجہ کی مذمت کرنے کے بعد شرح شمائل میں ابن تیمیہ کی علم یا زہد وغیرہ کی وجہ سے تعریف کر دینا اس کے مدح خوانوں کو کوئی نفع نہیں دے سکتا الغرض علامہ مناوی کی فی الجملہ تحسین اور مدح کے باوجود ہم نے اس کا کلام اس لیے نقل کر دیا ہے کہ اس میں ابن تیمیہ اور ابن قیم کے مبتدعین میں سے ہونے کی تصریح ہے اور اس کا مسلمات میں سے ہونا واضح کر دیا گیا ہے۔

شیخ مصطفی بن احمد شطی حنبلی دمشقی

علامہ مذکور نے ایک رسالہ بعنوان "النقول الشرعیہ فی الرد علی الوھابیہ" تالیف فرمایا ہے اور اس کے آخر میں خاتمہ کے عنوان سے سادات صوفیہ کی مسلک و نظریہ کی تائید فرمائی۔ اور اس رسالہ کو طبع کرا کر شائع کیا ہے۔ اس رسالہ کے مقالہ اولی میں اجتہاد پر کلام کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

جو شخص اس زمانہ میں اجتہاد کا دعوے دار ہے اس پر امارات و علامات بہتان و افتراء واضح ہیں جیسے کہ ایک فرقہ شاذہ نے اس کا دعویٰ کیا جو حنبلی کہلاتے ہیں اور قرن شیطان کے مظہر و مخرج یعنی نجد سے ظہور پذیر ہوئے ہیں جیسے کہ حدیث پاک میں وارد ہے (وَبِهَا يَطْلُعُ قَرْنُ الشَّيْطَانِ) یہ لوگ دعویٰ اجتہاد میں اس حد تک پہنچ گئے ہیں کہ بسا اوقات اجماع و قیاس سے استدلال ہی نہیں کرتے بلکہ فقط کتاب و سنت پر اکتفاء کرتے ہیں حالانکہ ان کو شرائط اجتہاد اور وجوہ استدلال میں سے کسی امر کی معرفت ہی نہیں۔ اور علوم متداولہ کے مبادیات سے بھی بے خبر ہیں چہ جائیکہ مقاصد و اصول۔ اور یہ لوگ اپنی اولاد کو ابتداء سے ہی انہیں دعاوی کی تعلیم دیتے ہیں۔ اور ان کو نصوص کے ظاہری معانی کے ساتھ استدلال و استناد کی جرأت دلاتے ہیں۔ اور جہالت و مکابرہ کے تحت دوسرے ادلہ کو ترک کرنے کا سبق دیتے ہیں۔ کبھی دعویٰ اجتہاد سے انکار کرتے ہیں اور ابن تیمیہ کے اقوال

کوسند بناتے ہیں۔ حالانکہ وہ بہت سے مسائل میں مذہب حنبلی کو ترک کر کے خود مجتہد ہونے کا دعویدار بن بیٹھا اور مذہب حنبلی سے شذوذ و انحراف کا مرتکب ہوا۔ البتہ اس کے ان مسائل کا سلسلہ تدوین و تالیف اس طرح جاری نہ ہوا جس طرح کہ دوسرے مذاہب کے فروعی مسائل کو مستقل تالیفات میں بیان کیا گیا ہے۔

ابن تیمیہ کے خلاف اجماع مسائل

اس کے ان مسائل میں سے ایک تو طلاق کا مسئلہ ہے جس میں وہ ہر وقت مناظرہ کے لیے تیار رہتا تھا اور ہر عالم کے ساتھ الجھنے کو کوشش کرتا تھا اس کا نظریہ فاسدہ اس میں یہ ہے کہ طلاق میں عدد کا اعتبار نہیں کرتا تھا تین کا ہو یا ہزار کا بلکہ زائد اس کے نزدیک صرف ایک ہی طلاق واقع ہوتی ہے۔

دوسرا مسئلہ مساجد ثلاثہ کے علاوہ ہر متبرک مقام اور مزارات کے لیے سفر کو حرام قرار دینا۔

تیسرا مسئلہ انبیاء و صالحین کے ساتھ توسل و استغاثہ کو حرام قرار دینا وغیرہ ذالک یہ تمام تر مسائل امام احمد کے مذہب سے نہیں ہیں اور نہ ہی اِن میں امام احمد علیہ الرحمہ کی کوئی روایت اس کی سند و دلیل ہے۔ اور حنبلی فقہاء نے تصریح کی ہے کہ ان مسائل میں ابن تیمیہ کی اتباع ہرگز نہ کی جائے۔ لہٰذا جو شخص حنبلی ہونے کا دعویٰ رکھتا ہے۔ وہ قطعاً اِن مسائل کا قائل نہیں ہوسکتا جن کا یہ فرقہ مذکورہ اپنی جہالت اور بے بصیرتی کی وجہ سے قائل ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں پیارے مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے راہ راست پر گامزن ہونے کی توفیق نصیب فرمائے جو خود بھی صاحبِ بصیرت ہیں اور ان کے متبعین کامل بھی۔ قُلْ هٰذِهٖ سَبِيْلِيْٓ اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ عَلٰى بَصِيْرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِيْ۔ علامہ موصوف نے رسالہ مذکورہ کے مقالہ رابعہ میں توسل و استغاثہ اور استشفاع کے جواز پر بحث کی ہے اور حالتِ حیات اور بعد از وصال انبیاء کرام اور اولیاء و صالحین سے توسّل کا جواز کتاب و سنت اور علماء و فقہاء کی عبارات سے ثابت کیا ہے علی الخصوص علماء حنابلہ کی عبارات سے۔

مقالہ خامسہ میں زیارتِ قبور کا استحباب بیان کیا ہے اور ان کے لیے سفر کا جواز و استحسان علی الخصوص روضۂ اقدس کی طرف سفرِ زیارت کا استحباب اور اس ضمن میں حنبلی علماء کی صریح اور صحیح نقول پیش کی ہیں اور مذہب حنبلی کی معتمد علیہ کتابوں مثلاً منتہیٰ، اقناع اور ان دونوں کی شروح کے حوالے دئیے ہیں۔ اور یہ تصریح فرمائی ہے کہ ابن تیمیہ اور اس کے شاگرد ابن قیم نے ممنوعیت کا جو دعویٰ کیا ہے وہ امام احمد کے مذہب صحیح کے خلاف ہے۔

کتاب کے خاتمہ میں سادات صوفیہ کی تعریف کی ہے اور ان کے مسلک کی تائید و تصدیق جزاہ اللہ احسن الجزاء۔

امام شہاب الدین احمد بن حجر ہیتمی مکی شافعی

امام موصوف نے ابن تیمیہ پر رد و قدح کے معاملہ میں انتہائی شدت سے کام لیا ہے، جس میں دینِ متین کا تحفظ بھی مطلوب

ہے اور اہلِ اسلام پر شفقت بھی ہے تاکہ کہیں ابن تیمیہ کی لغزشات اور مغالطات فاحشہ ان تک بھی سرایت نہ کر جائیں اور خاص طور پر سید دو عالم، فخر مرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق اس کی کجروی اور غلط سوچ سے اہلِ اسلام کا تحفظ ضروری ہے۔ اور جو شخص بھی بہ نظر انصاف اس امامِ زمانہ کے انداز و اسلوب کو دیکھے گا وہ ان کی ولائت کی گواہی دے گا۔ کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو مستقبل قریب میں ابن تیمیہ کے اقوال پر مترتب ہونے والے نقصانات سے مطلع فرما دیا یعنی فرقہ وہابیہ کا ظہور و خروج جن کی اصل بنیاد وہی ابن تیمیہ ہے وہی ان کے عقائد ہیں جو ابن تیمیہ کے تھے اور وہی ان کا سرمایۂ استدلال و استناد ہے اور وہی اس فساد کی جڑ۔ اور جو ضرر و نقصان اہلِ اسلام کو ان سے پہنچا ہے اور علی الخصوص حرمین شریفین اور سر زمین عرب میں اہل اسلام اور اسلام کو ان کی وجہ سے جو نقصان پہنچا ہے وہ کسی بھی صاحبِ ایمان پر مخفی نہیں ہے۔ ع لہٰذا عین ممکن ہے اور بالکل قرین قیاس یہ احتمال ہے کہ اللہ تعالیٰ نے امام ابن حجر کو اس امر پر از روئے کرامت مطلع کر دیا ہے اور وہ اس کے اہل بھی ہیں کیونکہ وہ اکابر علمائے عاملین میں سے ہیں اور ائمہ ھادین و مھدیین میں سے ان کا علم اور اُن کی کتابوں جوامت کے لیے انتہائی مفید ہیں اور انہوں نے اپنی تصنیفات سے امت کی وہ خدمت کی ہے جس میں اس وقت سے لے کر آج تک ان کا کوئی ہمسر نہیں ہے۔ انہوں نے اپنے فیوض و برکات سے دنیا کو معمور کر دیا ہے۔ اور تمام بلادِ اسلام میں خواص و عوام نے ان سے استفادہ کیا ہے۔

جس شخص کا یہ منصب و مقام ہو تو کیا بعید ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو بعض غیوب پر اطلاع کی کرامت سے سرفراز فرمایا ہو اور اس ابن تیمیہ کے نامہ اعمال میں وہ فضائح و قبائح بھی مندرج ہیں جو اس کے اتباع فرقہ وہابیہ کی وجہ سے اہلِ اسلام اور ملت اسلامیہ کو نقصانات اٹھانے پڑے ہیں۔ اسی لیے امام موصوف ابن تیمیہ پر سب ائمہ اعلام اور علماء کرام کی نسبت سخت تنقید کرتے تھے

ع: ابن عبدالوہاب نجدی کا تھوڑا سا تعارف مولوی حسین احمد صاحب مدنی کی زبانی عرض کرتا ہوں ہو سکتا ہے آج کل نجدی کی مدح سرائی میں مشغول و مصروف علماء دیوبند کچھ عبرت حاصل کریں۔ صاحبو! محمد بن عبدالوہاب نجدی ابتدائً تیرھویں صدی نجد عرب سے ظاہر ہوا اور چونکہ خیالات باطلہ اور عقائد فاسدہ رکھتا تھا اس لیے اس نے اہل سنت سے قتل و قتال کیا ان کو بالجبر اپنے خیالات کی تکلیف دیتا رہا، ان کے اموال کو غنیمت کا مال اور حلال سمجھا گیا۔ ان کے قتل کرنے کو باعث ثواب و رحمت شمار کرتا رہا۔ اہل حرمین کو خصوصاً اور اہل حجاز کو عموماً اس نے تکالیف شاقہ پہنچائیں۔ سلف صالحین اور اتباع کی شان میں نہایت گستاخی اور بے ادبی کے الفاظ استعمال کئے بہت سے لوگوں کو بوجہ اس کی تکالیف شدیدہ سے مدینہ منورہ اور مکہ معظمہ چھوڑنا پڑا اور ہزاروں آدمی اس کے اور اس کی فوج کے ہاتھوں شہید ہو گئے الحاصل وہ ایک ظالم و باغی اور خونخوار فاسق شخص تھا اسی لیے اہل عرب کو خصوصاً اس کے اور اس کے اتباع سے دلی بغض تھا اور ہے اور اس قدر ہے کہ اتنا نہ قوم یہود سے ہے نہ نصاریٰ سے نہ مجوس سے نہ ہنود سے غرضیکہ وجوہات مذکورۃ الصدر کی بنا پر ان کو اس کے طائفہ سے اعلیٰ درجہ کی عداوت ہے اور بے شک جب اس نے ایسی ایسی تکالیف شاقہ پہنچائی ہیں تو ضرور ہونا بھی چاہیے۔ وہ لوگ یہود و نصاریٰ سے اس قدر رنج اور عداوت نہیں رکھتے جتنی کہ وہابیہ سے رکھتے ہیں۔ شہاب ثاقب ص ۴۳۔ ہے کوئی دیوبندی جو اہل حرمین کی طرح ان وہابیہ سے بغض رکھے اور ان کی قصیدہ خوانی سے گریز کرے؟ محمد اشرف

اور بہت سخت عبارات کے ساتھ اس کارد کرتے تھے جس میں اہلِ اسلام پر شفقت ہے اور دین متین کی حمایت وحفاظت. ان کی عبارات تمام کتب میں موجود ہیں اور علی الخصوص فتاوی حدیثیہ میں۔ یہاں ان کے نقل کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ جو دیکھنا چاہے وہ اصل کتابوں کی طرف رجوع کرے۔

ابن تیمیہ کی حکایت اقوال اور نقل عبارات کا غیر معتبر ہونا

الغرض: ان نقول وتصریحات اور علماء اعلام کی تصنیفات سے دوپہر کے آفتاب کی مانند واضح ہو گیا کہ مذاہب اربعہ کے علماء اعلام ابن تیمیہ کے بدعات پر رد و قدح میں متفق ہیں، بعض حضرات نے اس کے حوالہ جات کی صحت نقل کے لحاظ سے اس پر اعتراض کیا ہے اور بعض نے اس کے عقل کی کمی (اور وفور علم کے) اعتبار سے اور اس پر مسائل میں طعن وتشنیع اس کے علاوہ ہے جن میں اس نے شذوذ اختیار کیا ہے اور اجماع کی مخالفت کی ہے اور خطاء فاحش کا مرتکب ہوا ہے بالخصوص ان مسائل میں جن کا تعلق سید المرسلین فخر الاولین والآخرین صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے۔ جن حضرات نے اس پر عدم صحت نقل کے لحاظ سے اعتراض کیا ہے ان میں علامہ شہاب خفاجی حنفی شارح شفاء، امام محمد زرقانی مالکی شارح مواہب اور امام سبکی شافعی قابل ذکر ہیں، امام سبکی نے شفاء السقام میں ابن تیمیہ کی نظریاتی خطاء کو واضح کرنے کے ساتھ ساتھ ان احکام شرعیہ کی صحت نقل کے لحاظ سے بھی اس کی خطا واضح کی ہے جن کو مختلف ائمہ اعلام کی طرف منسوب کر کے اس نے نقل کیا تاکہ اپنی بدعات کی تائید وتقویت حاصل کرے حالانکہ انہوں نے قطعاً یہ اقوال واحکام ذکر نہیں کئے تھے۔ اور امام ابن حجر ہیتمی نے بھی اپنے رد و قدح میں ابن تیمیہ پر یہ اعتراض کیا ہے۔

یہ امر کسی بھی صاحبِ عقل وہوش پر مخفی نہیں ہے کہ نقل میں بد دیانتی سے کام لینا عالم کے اندر بہت بڑا عیب ہے اور انتہائی بداخلاقی جس سے اس پر وثوق واعتماد ختم ہو جاتا ہے اور اس کی دوسرے علماء سے نقل کردہ عبارات پر سے اعتبار ختم ہو جاتا ہے اگرچہ وہ احفظ الحفاظ اور اعلم العلماء کیوں نہ ہو۔ اور ابن تیمیہ کی نقل کے غیر معتبر ہونے کی تائید وتصدیق حافظ کبیر عراقی کے قول سے ہوتی ہے اگرچہ ان کا وہ قول مانحن فیہ سے متعلق نہیں ہے مگر تتمیم فائدہ اور تقویت دعویٰ کے لیے اس کا ذکر کرتا ہوں۔

حافظ کبیر شہیر عبدالرحیم عراقی شافعی استاذ الحافظ ابن حجر واستاذ الامام عینی وغیرہ کا ابن تیمیہ پر رد وانکار

مجھے حافظ عراقی کے ایک رسالے کو دیکھنے کا اتفاق ہوا جس میں انہوں نے عاشورا کے دن مرغ کا گوشت اور پلاؤ وغیرہ کھانے اور اہل وعیال پر خرچ میں وسعت کرنے پر بحث کی ہے اور ابن تیمیہ کے ان امور کو ممنوع قرار دینے پر بحث کی ہے۔ بسم اللہ والحمد کے بعد فرماتے ہیں۔

چند سال سے عوام کی طرف سے بار بار یہ سوال میرے پاس آرہا ہے کہ عاشوراء کے دن مرغ کا گوشت کھانا اور چاول پلاؤ وغیرہ پکانا حرام ہے یا مباح ہے؟ علماء کرام کا اس کے متعلق کیا فتویٰ ہے؟

میں نے اس کا جواب دیا کہ یہ مباح امر ہے اور نیت درست ہو تو طاعات وعبادات میں داخل ہو جاتے گا۔ تو مجھے بتلایا گیا کہ بعض معاصرین نے اس کے حرام ہونے کا فتویٰ دیا ہے اور یہ دعویٰ کیا ہے کہ سوائے روزہ کے اور کوئی امر اس میں مستحب نہیں ہے جب میں نے اس کے متعلق دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ وہ شخص ابن تیمیہ کے فتاویٰ کی طرف اس تحریم کی نسبت کرتا ہے۔ چنانچہ میں نے تقی الدین ابن تیمیہ کے بعض فتاویٰ کو دیکھا جن میں اس سے بالخصوص اسی مسئلہ کے متعلق سوال کیا گیا تھا۔ کہ آیا عاشوراء کے دن مرغ کا ذبح کرنا اور چاول وغیرہ پکانا کیا ہے؟ جس کا جواب اس نے یوں دیا،

ان امور میں سے کوئی امر سنت نہیں ہے بلکہ وہ بدعت ہے جس کو نہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مشروع قرار دیا ہے اور نہ خود اس پر عمل فرمایا نہ آپ کے صحابہ کرام علیہم الرضوان نے بعد ازاں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث نقل کی جس کا ذکر ابھی آتا ہے اور اس کو ضعیف قرار دیدیا۔

اس کے بعد کہا کہ علماء اعلام اور ائمہ اسلام میں سے کسی کا اس امر کو مستحب نہ سمجھنا معلوم ومعروف ہے اور ائمہ حدیث میں سے کسی نے کوئی ایسی روایت نقل نہیں کی جس سے عاشوراء کے دن غسل کرنے، سرمہ لگانے، خضاب لگانے یا اہل وعیال پر نفقہ میں توسیع کا استحباب معلوم ہوتا ہو۔ نہ صلوٰۃ عاشور کا کوئی ثبوت ملتا ہے اور نہ عاشوراء کی رات میں بیداری اور مصروف عبادت رہنے کا اور نہ اس کی مثل دیگر امور جن کا اس حدیث میں ذکر ہے اور نہ ہی محدثین نے اس ضمن میں اصحابِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی سنت اور عمل خاص نقل کیا ہے۔

عاشوراء میں اہل وعیال پر توسیع نفقات کی برکت

اگر زیادہ سے زیادہ پختہ ثبوت ایسے امور کا ملتا ہے تو وہ سفیان ابن عیینہ کی محمد بن منتشر کے بیٹے ابراہیم سے نقل کردہ روایت ہے کہ محمد بن منتشر نے فرمایا۔ "مَنْ وَسَّعَ عَلَى اَهْلِهٖ يَوْمَ عَاشُوْرَاءَ وَسَّعَ اللّٰهُ عَلَيْهِ سَائِرَ سَنَتِهٖ" جو شخص عاشوراء کے روز اپنے اہل وعیال پر نفقہ میں توسیع کرے گا اللہ تعالیٰ تمام سال اس پر رزق میں وسعت وفراوانی پیدا فرمائے گا اور ابراہیم بن منتشر فرماتے ہیں ہم ساٹھ سال سے اس کا تجربہ کر رہے ہیں اور اس کو برحق پایا ہے۔

اس روایت کو نقل کرنے کے بعد ابن تیمیہ کہتا ہے کہ محمد بن منتشر اہل کوفہ میں سے ہے اور اہل اسلام کے شہروں میں اہل کوفہ سے بڑھ کر کوئی دروغگو نہ تھا اور اسی میں رافضیوں کی جماعت تھی جو کہ مختار ابن ابی عبید کے ساتھی تھے اور ناصبہ کا ٹولہ تھا جو کہ حجاج بن یوسف کے ساتھی تھے اور یہ دونوں ثقفی تھے جن کے متعلق رسول کریم علیہ السلام نے ارشاد فرمایا "فِيْ ثَقِيْفٍ كَذَّابٌ وَمُبِيْرٌ"، ثقیف میں ایک کذاب ہوگا اور دوسرا ظالم وسفاک۔

اور جب کہ محمد بن منتشر اہل کوفہ میں سے ہے تو عین ممکن ہے کہ اس نے امام حسین رضی اللہ عنہ کے قاتلوں اور عبید اللہ بن زیاد کے متبعین سے اس کو سنا ہو، رہا ابراہیم بن منتشر کا ساٹھ سالہ تجربہ کا دعویٰ اور اسے برحق پانے کا اعلان تو یہ بھی محض دعویٰ بلا دلیل ہے اور خلاف واقع گمان ہے اور ظن وگمان حق وصواب تک رسائی کا فائدہ نہیں دیتا کیونکہ جب اللہ تعالیٰ ساری زندگی کسی کو وسیع رزق نصیب فرمائے تو اس کا یقین کیونکہ ہو سکتا ہے کہ اس کا سبب وہی اعمال وافعال ہیں جو عاشوراء کے دن کئے گئے تھے۔ وہ رافضہ اور اہل تشیع جو عاشوراء کے ایام میں مجالس عزا و ماتم منعقد کرتے ہیں ان کے متعلق دیکھا گیا ہے کہ ان پر اللہ اس سے بھی زیادہ رزق میں وسعت فرماتا ہے جس قدر کہ ان افعال واعمال کے پابند لوگوں پر توسیع رزق فرماتا ہے (تو کیا پھر ماتم کرنا درست ہو جائے گا۔)

ابن تیمیہ کے بلند بانگ اور خلاف حقیقت کھوکھلے دعوے

حافظ عراقی ابن تیمیہ کے اس جواب پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں مجھے ابن تیمیہ جیسے عالم سے سرزد ہونے والے یہ اقوال دیکھ کر بہت زیادہ حیرانگی ہوئی کہ یہ وہ شخص ہے جس کے متعلق اس کے متبعین کہتے ہیں کہ وہ علوم سنت کا احاطہ کئے ہوئے ہے اور ان کی حقیقت حال سے پوری طرح باخبر ہے۔

۱۔ اس کا یہ دعویٰ کہ ائمہ اسلام میں سے کسی نے عاشوراء کے دن اہل وعیال پر توسیع نفقات کا قول نہیں کیا اور اس کو مستحب نہیں کہا بالکل غلط اور خلاف واقع دعویٰ ہے کیونکہ حضرت عمر بن الخطاب، حضرت جابر بن عبد اللہ، محمد بن المنتشر، ابراہیم بن محمد، ابو الزبیر، شعبہ، یحییٰ بن سعید، سفیان بن عیینہ اور دیگر متاخرین اس کے قائل ہیں جیسے کہ ابو الفضل محمد بن اسماعیل بن عمر دمشقی نے مجھے براہ راست روایت بیان کی کہ ہمیں علی بن احمد بن عبد الواحد مقدسی نے علامہ ابو الحسن زید بن حسن کشی سے روایت کی انہوں نے کہا کہ مجھے ابراہیم بن محمد بن نبہان غنوی نے یحییٰ بن طاہر بن محمد بن عبد الرحیم کے واسطہ سے ابی طاہر بن محمد سے روایت بیان کی وہ فرماتے ہیں مجھے ابو محمد بن عبد الرحیم نے ابو عبد الرحیم بن محمد بن اسماعیل بن نباتہ سے روایت نقل فرمائی فرماتے ہیں "التوسعة في عاشوراء على العيال سنته غير مجهولة" عاشوراء میں اہل وعیال پر رزق ونفقہ میں توسیع کرنا ایسا طریقہ اور سنت معروفہ ہے جس سے کوئی شخص جاہل و بے خبر نہیں ہو سکتا۔

۲۔ ابن تیمیہ کا یہ دعویٰ کہ ائمہ حدیث میں سے کسی نے ایسی روایت نقل نہیں کی جس سے ان امور کا استحباب معلوم ہوتا ہو یہ بھی خلافِ واقع ہے۔ کیونکہ ان امور کے استحباب کو ائمہ حدیث نے اپنی کتب مشہورہ میں ذکر کیا ہے۔ ابو القاسم طبرانی نے معجم کبیر میں، ابو بکر احمد بن الحسین بیہقی نے شعب الایمان میں، ابو عمر بن عبد البر نے استذکار میں اور دیگر محدثین نے اپنی اپنی کتابوں میں اس کا ذکر کیا ہے جیسے کہ عنقریب احادیث کے ذکر کرتے وقت ان کا بیان کیا جائے گا۔

۳۔ ابن تیمیہ کا یہ دعویٰ کہ اس ضمن میں اصحابِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں سے کسی کی سنت بھی ذکر نہیں کی گئی یہ بھی محض دعویٰ ہے اور حقیقت کا منہ چڑانے کے مترادف کیونکہ ابن عبد البر نے استذکار میں حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے سند جید کے ساتھ نقل کیا ہے جیسے کہ عنقریب اس کی تصریح آتی ہے۔

۴۔ ابن تیمیہ کا یہ دعویٰ کہ سب سے اعلیٰ دلیل اگر کوئی مجھے پہنچی ہے تو وہ ابن المنتشر کا قول ہے تو جو کچھ اسے پہنچا اسی پر اکتفار کرنا قرین انصاف ہے مگر جو دلائل اس تک نہیں پہنچے ان کا انکار کر دینا جیسے کہ آغاز کلام میں ابن تیمیہ نے کیا، انصاف سے بعید ہے اور بہت ہی غیر موزوں اقدام، بلکہ جو روایات وآثار اس تک نہیں پہنچے وہ اس روایت کی نسبت اولیٰ واعلیٰ ہیں جو اس کو پہنچی ہے۔ کیونکہ اس باب میں مرفوع احادیث بھی مروی ہیں اور موقوف بھی اور مرفوع میں سے بعض صحیح ہیں اور بعض حسن، اور حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کا ارشاد علاوہ ازیں ہے اور یہ مرفوع وموقوف روایات ابن تیمیہ کی ذکر کردہ مقطوع روایت سے اعلیٰ ہیں۔

۵۔ ابن تیمیہ کا محمد بن منتشر کے متعلق یہ تبصرہ کہ وہ اہل کوفہ سے ہے اور کوفہ میں کذب عام تھا اور اس میں رافضی اور ناصبی بھی تھے تو یہ عجیب مضحکہ خیز کلام ہے کیا کسی ثقہ محدث کا کلام اس بنا پر رد کیا جا سکتا ہے کہ وہ اہل کوفہ سے ہے؟ اگر کوفہ میں رافضی اور ناصبی تھے تو اس میں سرآمد روزگار اور معتمد ومستند فقہا بھی تھے حضرت علی بن ابی طالب کے تلامذہ ومصاحبین حضرت عبد اللہ بن مسعود کے تلامذہ ومصاحبین مثلاً ابراہیم نخعی، اسود واعمش اور دیگر اکابر وائمہ۔ اگر ہم اہل کوفہ کی احادیث کو ترک کر دیں تو پھر بہت سی سنن صحیحہ ساقط اور ناقابل اعتبار ہو جائیں گی۔

۶۔ ابن تیمیہ کا یہ دور کی کوڑی لانا کہ شاید محمد بن منتشر نے امام حسین رضی اللہ عنہ کے قاتل گروہ سے اس کو سنا ہو۔ تو یہ قول اس قابل ہے کہ اس کو دعویٰ بلا علم اور ظن مخطی سے تعبیر کیا جائے۔ اس طرح کیوں نہیں کہا جا سکتا کہ محمد بن منتشر نے اس کو ثقہ اور قابل اعتماد لوگوں سے سنا ہو جیسے مسروق بن الاجدع اور عمرو بن شرحبیل یا حضرات صحابہ میں سے حضرت عائشہ صدیقہ اور حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے سنا ہو کیوں ابن المنتشر کی ان دونوں حضرات سے روایت صحیح بخاری میں موجود ہے وہ ثقہ ہے ائمہ ستہ ارباب صحاح ستہ نے اس کی روایات سے استناد واستدلال کیا، امام احمد بن حنبل اور ابن حبان وغیرہما نے اس کی توثیق کی ہے۔

(لہٰذا محض اس توہم فاسد کی بنا پر ایسے ثقہ محدث اور تابعی کے قول کو رد کرنے کی جسارت صرف ابن تیمیہ کا ہی حصہ ہے)

۷۔ ابن تیمیہ کا ابراہیم بن محمد بن منتشر کے ساٹھ سالہ تجربہ اور اس قول کی حقانیت وصداقت کے دعویٰ پر یہ اعتراض کہ زندگی بھر کسی کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے وسیع رزق نصیب ہوتا رہے تو یقین کے ساتھ کیوں کر کہا جا سکتا ہے کہ اس کا سبب افعال عاشوراء ہیں یہ وہم وشک اس وقت قابل قبول ہو سکتا تھا جب صادق ومصدوق رسول مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی نہ ہوتا جب آپ سے مروی ومنقول ہے کہ اس وسعت کا سبب عاشوراء کے یہ افعال ہیں تو یہ ظن وگمان صواب وصحیح ہو گا اور سنت سے ثابت امر کی طرف منسوب ومستند ہو گا۔ (اس کو دعویٰ بلا علم اور ظن مخطی قرار دینا سراسر زیادتی ہے۔)

۸۔ ابن تیمیہ کا یہ دعویٰ کہ ماتم قائم کرنے والے رافضیوں اور اہل تشیع کو اس سے بھی زیادہ وسعت وفراوانی رزق حاصل

ہوتی ہے۔ یہ اعتراض بے محل ہے اور ناقابلِ التفات کیونکہ کسی حدیث میں اور محمد بن منتشر کے قول میں یہ دعویٰ نہیں کیا گیا کہ رزق کی توسیع صرف اسی شخص کے لیے ہوتی ہے۔ دوسروں کے لیے نہیں ہوتی۔ احادیث و آثار میں اور محمد بن منتشر کے قول میں صرف اس امر کا تذکرہ ہے کہ عاشوراء کے دن اہل وعیال پر اخراجات میں توسیع کرنے والے پر اللہ تعالےٰ رزق وسیع فرماتا ہے دوسرے لوگوں پر رزق کی توسیع دوسرے وجوہات کی بنا پر ہو سکتی ہے کبھی استدراج کے طور پر، کبھی اس فراوانی میں تدبیر خفی ہلاکت وتباہی کی ہوتی ہے، کبھی اس سے مقصود دنیا میں ہی نیکیوں کی جزاء دے کر اخروی ثواب سے محروم کرنا ہوتا ہے وغیر ذلک واللہ اعلم۔

عاشوراء کے دن اہل وعیال پر توسیع سے فراوانی رزق نصیب ہونے پر دال احادیث کا بیان

اب ہم وہ احادیث بیان کرتے ہیں جو عاشوراء کے دن توسیع کے استحباب پر دلالت کرتی ہیں جن کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے صحابہ کرام علیہم الرضوان کی عظیم جماعت نے نقل کیا ہے جن میں حضرت جابر بن عبد اللہ، حضرت عبد اللہ بن مسعود، حضرت ابوہریرہ، حضرت ابوسعید خدری، اور حضرت عبد اللہ بن عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہم شامل ہیں۔

۱۔ حدیث جابر بن عبد اللہ۔ حضرت جابر فرماتے ہیں ہیں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا "مَنْ وَسَّعَ عَلیٰ نَفْسِہٖ وَاَھْلِہٖ یَوْمَ عَاشُوْرَاءَ وَسَّعَ اللّٰہُ عَلَیْہِ سَائِرَ سَنَتِہٖ"، جو شخص عاشوراء کے دن اپنے آپ پر اور اہل وعیال پر نفقہ میں وسعت سے کام لے گا اللہ تعالےٰ سارا سال اس کے رزق میں وسعت پیدا فرمادے گا۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ہم نے اس کا تجربہ کیا اور واقعی اللہ تعالےٰ کی طرف سے رزق فراواں نصیب ہوا۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے شعبہ نے اس روایت کو نقل کیا انہوں نے بھی اپنا تجربہ اسی طرح بیان کیا۔ شعبہ سے اس روایت کو ابوالزبیر نے نقل کیا انہوں نے بھی اپنا تجربہ اسی طرح بیان کیا، علامہ عراقی نے اپنی سند میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ تک ذکر کی ہیں اور ساتھ ہی فرمایا کہ ابن عبد البر نے اپنی سند کے ساتھ اس کو استذکار میں نقل کیا ہے اور اس کے راوی بخاری والے راوی ہیں۔

۲۔ حدیث عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ۔ آپ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت فرمائی "مَنْ وَسَّعَ عَلیٰ عِیَالِہٖ یَوْمَ عَاشُوْرَاءَ لَمْ یَزَلْ فِیْ سِعَۃٍ سَائِرَ سَنَتِہٖ"، اس کو طبرانی نے معجم کبیر میں اسی طرح نقل کیا ہے۔ بیہقی نے شعب الایمان میں، اور ابن حبان نے تاریخ الضعفاء میں اور ابوالقاسم بن عساکر نے اپنے رسالہ "فضل عاشوراء" میں ذکر کیا ہے۔ ہاں یہ روایت صحاح ستہ میں نہیں ہے اگرچہ ابن الاثیر نے اس کو جامع الاصول میں ذکر کیا ہے مگر یہ ان کا توہم ہے۔

۳۔ حدیث ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ: حضرت ابوہریرہ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے "مَنْ اَوْسَعَ عَلیٰ عِیَالِہٖ وَاَھْلِہٖ یَوْمَ عَاشُوْرَاءَ اَوْسَعَ اللّٰہُ عَلَیْہِ سَائِرَ سَنَتِہٖ"، جس شخص نے اپنے اہل وعیال پر عاشوراء کے دن وسعت وفراخی سے کام لیا تو اللہ تعالےٰ تمام سال اس کو وسعت وفراخی رزق نصیب فرماتے گا۔ امام بیہقی نے اس کو شعب الایمان وغیرہ

میں ذکر کیا ہے۔ ابن حبان نے اس کی ثقات میں ذکر کیا ہے۔ لہٰذا یہ حدیث ابن حبان کے نزدیک صحیح ہے۔

۴۔ حدیث ابی سعید خدری: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "مَنْ وَسَّعَ عَلیٰ اَھْلِہٖ یَوْمَ عَاشُوْرَاءَ اَوْسَعَ اللّٰہُ عَلَیْہِ سَنَتَہٗ"، جس نے عاشورہ کے روز اپنے اہل وعیال پر وسعتِ رزق کی تو اللہ تعالیٰ اُس سال اُس کے رزق میں وسعت فرمائے گا۔

۵۔ حدیث عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما: رسول کریم علیہ السلام نے فرمایا جس شخص نے اپنے عیال پر اخراجات میں عاشوراء کے دن فراوانی کی اللہ تعالےٰ تمام سال اس کے رزق کو فراواں فرمائے گا۔

حافظ عراقی نے ان احادیث کو اپنے اسنادات کے ساتھ نقل کیا اور بعض روایات کو متعدد اسنادات کے ساتھ روایت کیا پھر فرمایا یہ ہیں وہ احادیث مرفوعہ جو اس باب میں ہم تک پہنچی ہیں اور ان سب سے زیادہ صحیح حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے۔

۶۔ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کا ارشاد گرامی یہ ہے "من وسع علیٰ اھلہ یوم عاشوراء اوسع اللہ علیہ سائر السنتہ" یحیٰی بن سعید فرماتے ہیں ہم نے اس کا تجربہ کیا ہے اور اس کو برحق پایا ہے۔ اس کا اسناد جید ہے۔ اور حافظ عراقی نے اس کی سند نقل کر کے فرمایا کہ اس کے جملہ راوی ثقہ ہیں، اور بعض بخاری شریف کے راوی ہیں۔

۷۔ محمد بن منتشر کا قول "کَانَ یُقَالُ مَنْ وَسَّعَ عَلیٰ اَھْلِہٖ یَوْمَ عَاشُوْرَاءَ لَمْ یَزَالُوْا فِیْ سِعَۃٍ مِنْ رِزْقِھِمْ سَائِرَ سَنَتِھِمْ" حافظ عراقی نے اس کو اپنی سند کے ساتھ ذکر کرنے کے بعد فرمایا کہ اس کو ابن عبد البر نے سفیان بن عُیینہ کے واسطہ سے ابراہیم بن محمد بن منتشر سے ان الفاظ کے ساتھ روایت کیا ہے "من وسع علی اھلہ فی عاشوراء وسع اللہ علیہ سائر السنتہ" اور سفیان بن عُیینہ فرماتے ہیں ہم نے اس کا بارہا تجربہ کیا اور اس فرمان کو واقع کے مطابق پایا یہ ہے ملخص معنی ومفہوم حافظ عراقی کے رسالہ کا اور جس نسخہ سے میں نے یہ اختیار کیا ہے وہ ۸۸۶ھ میں محمد بن محمد بن منصور حسینی الحلبی کے ہاتھ سے لکھا گیا جس کو اس نے قاہرہ میں کتابت کیا اور اپنے شیخ مولف رسالہ مذکورہ حافظ زین الدین عبد الرحیم بن حسین العراقی کے ہاں اس کو ۸۰۵ھ میں پڑھا اور امام عراقی کا سن وصال ۸۰۶ھ ہے۔

ابن تیمیہ کی بعض کتابوں اور ابن الجوزی کی تلبیس ابلیس پر تبصرہ

ابن تیمیہ کی کتابوں میں سے ایک کتاب "الجواب الصحیح فی الرد علی من بدل دین المسیح" ہے۔ یہ چار متوسط جلدوں میں ہے اور بہت ہی نفیس کتاب ہے اے کاش کہ ابن تیمیہ اس میں اپنے بدعات ذکر کرنے کے درپے نہ ہوتا جن میں وہ متفرد ہے اور جماعت مسلمین سے الگ راستہ اختیار کئے ہوئے ہے۔ مثلاً آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر تمام انبیاء ومرسلین اور اولیاء وصالحین کے ساتھ توسل واستغاثہ کو ممنوع قرار دینا۔ اکابر اولیاء اللہ سیدی عمر بن الفارض، شیخ محی الدین بن العربی وغیرھما پر طعن وتشنیع اور ان کو مبتدع سے بڑھ کر کفر وشرک تک کے نسبت کا نشانہ بنانا۔

ان حضرات اولیاء کا اس نے اپنی کتاب الفرقان میں بھی ذکر کیا ہے اور ان پر سخت تنقید کی۔ اور کافر قرار دیا۔ اور ان کو العیاذ باللہ

اولیاء شیطان قرار دیا ہے۔

تقریباً تمام کتب میں ابن تیمیہ کا انداز یہی ہے اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ان کی منفعت کم کر دی ہے اور یہی اللہ تعالیٰ کی سنت ہے ان لوگوں کے متعلق جو اس کے مقربان بارگاہ اور احباء کرام کی شان اقدس میں گستاخی و بے ادبی سے پیش آتے ہیں۔ کیونکہ حدیث قدسی میں وارد ہے۔ "مَنْ آذٰى لِي وَلِيًّا فَقَدْ آذَنْتُهٗ بِالْحَرْبِ" جو شخص میرے کسی ولی کو تکلیف پہنچاتا ہے اور اس کے درپئے آزار ہوتا ہے میں اس کے ساتھ اعلانِ جنگ کرتا ہوں۔ اور ان کو کافر کہنے اور دائرہ اسلام سے بالکل خارج کر دینے سے بڑھ کر کون سی ایذاء اور تکلیف ہو سکتی ہے؟

دوسری کتاب اس کی "منہاج السنۃ" ہے کہ روافض کے رد میں ہے اور تیسری کتاب "المعقول والمنقول" جو منہاج السنۃ کے حاشیہ پر طبع ہوئی۔ اور اس کو کتاب العقل والنقل بھی کہا جاتا ہے جس کو اس نے اہل السنۃ کے علماء متکلمین کے رد میں تالیف کیا ہے یعنی امام اشعری، ابو المنصور ماتریدی اور ان کے متبعین جو کہ امت محمدیہ کا عظیم ترین گروہ ہیں۔

منہاج السنۃ اگرچہ رد روافض میں تالیف کی گئی ہے لیکن اس میں بھی زیادہ تر "کتاب العقل والنقل" کی طرح ائمہ اہل السنۃ اشاعرہ و ماتریدیہ کا رد ہے۔ اور سادات صوفیہ پر طعن و تشنیع ہے۔ اور ان کے معتقدین پر رد و قدح ہے مثلاً ایک مقام پر رافضی کے قول "ہر زمانہ میں امام معصوم کا وجود ضروری ہے" کا رد کرنے کے بعد اور اس کا فساد و بطلان واضح کرنے کے بعد کہتا ہے۔ کہ یہ قول اس سے بھی زیادہ فاسد و باطل ہے جس کا دعویٰ اکثر عوام قطب و غوث وغیرہ اسماء کے ضمن میں کرتے ہیں اور ان کے مسمیان کا احترام و اکرام مقامِ نبوت سے بھی زیادہ کرتے ہیں بغیر اس کے کہ ان مناصب کے لیے کسی ایک شخص کے تعین کا دعویٰ کریں۔ جس سے وہ منفعت حاصل ہو سکتی ہو جو ان اسماء کے مسمیات سے متعلق ہوتی ہے۔ اور یہ اسی طرح دعویٰ ہے جس طرح بعض لوگوں نے حضرت خضر علیہ السلام کی زندگی کا دعویٰ کر رکھا ہے حالانکہ انہیں اس قسم کے دعاوی سے نہ کوئی دنیا میں فائدہ پہنچا اور نہ ہی دین میں۔ ان لوگوں کے دعاوی کی غایت یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی سنت اسی طرح جاری ہے کہ بعض امور کو ان کے ہاتھوں پر ظاہر فرماتا ہے اگرچہ ان کا صدور اسی کی تقدیر و تخلیق سے ہوتا ہے۔ ان لوگوں کا دعویٰ برحق بھی ہوتا تو ان کو اس سے کوئی نفع حاصل نہ ہوتا چہ جائے کہ جب ان کا یہ دعویٰ ہی باطل ہے اور انہیں خضر کی معرفت (اور علیٰ ہذا القیاس قطب و غوث وغیرہ کی معرفت کی) ضرورت و حاجت ہی نہیں ہے۔ ان لوگوں میں سے بعض کے سامنے جن بشری شکل میں متشکل ہو کر آتے ہیں اور خضر ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں حالانکہ وہ اپنے دعویٰ میں کاذب ہوتے ہیں (مگر یہ اس کو درست تسلیم کر لیتے ہیں) اسی طرح جو لوگ رجال غیب کی موجودگی کا دعویٰ کرتے ہیں اور ان کو دیکھنے کا وہ بھی صرف جنات کو دیکھتے ہیں وہی رجال غیب ہوتے ہیں اور یہ ان کو انسان سمجھ لیتے ہیں۔ اور یہ امر ہمارے نزدیک تواتر سے ثابت ہے جس کا بیان کرنا تطویل طلب ہے اور ہم کئی مقامات پر اس کی وضاحت کر چکے ہیں۔ (انتہت عبارۃ ابن تیمیہ)

ابن تیمیہ کے دعاوی انکار کا مبنیٰ اور دار و مدار

جہاں کہیں ابن تیمیہ کا مبلغ علم جواب دے جاتا ہے اور اسے حقیقتِ حال کا علم تام نہیں ہوتا وہ یہی طریقہ اختیار کرتا ہے۔ صرف یہ نہیں کہ اس امر کا انکار کرتا ہے بلکہ اس کو محالات کے درجہ تک پہنچا دیتا ہے حالانکہ اس کے علاوہ جمہور اہلِ اسلام اولیاء عارفین، علماء عاملین اور عباد و زہاد اور صالحین کا یہی مسلک و نظریہ ہے اور انہیں اس میں قطعاً شک و شبہ نہیں ہے۔

اقطاب و اغواث اور نقباء و نجباء کے وجود پر دلائل

سیدی عارف باللہ شیخ عبد اللہ یافعی یمنی اپنی کتاب "نشر المحاسن" کے اواخر میں لفظ صوفی اور صوفیہ کرام پر بحث سے پہلے فرماتے ہیں کہ میں سب سے پہلے رجال غیب کی تعداد اور ان کی گنتی و شمار کا ذکر ضروری سمجھتا ہوں اور ان کے اقطاب و اوتاد اور نجباء و نقباء اور ابدال و عرفاء، اور مختارون و عصائب کی طرف انقسام کا بیان ضروری سمجھتا ہوں کیونکہ وہ صوفیہ کرام کے رؤسا ہیں اور مرتبہ و مقام میں سابق ترین۔

بعض عارفین نے فرمایا کہ صالحین تعداد میں زیادہ ہیں جو کہ عوام کے ساتھ میل جول رکھتے ہیں تاکہ ان کے لیے دین و دنیا کی بہتریوں کا انتظام کریں نقباء، ان کی نسبت تعداد میں کم ہیں ان کا میل جول اور ربط و تعلق صرف خواص سے ہوتا ہے۔ کیونکہ عام لوگ برکات دین و دنیا کے لیے انہیں کی طرف محتاج ہوتے ہیں۔ ابدال نقباء کی نسبت تعداد میں کم ہیں۔ وہ بڑے بڑے شہروں میں قیام پذیر ہوتے ہیں اور تقریباً ہر شہر میں ان میں سے صرف ایک فرد ہوتا ہے بہت کم ہی کوئی خوش نصیب شہر ہو گا جس میں دو ابدال موجود ہوں۔ اوتاد میں سے ایک یمن میں ہوتا ہے۔ ایک شام میں ایک مشرق میں اور ایک مغرب میں۔ اللہ رب العزت قطب کو آفاق اربعہ اور ارکانِ دنیا پہ دائر و سائر رکھتا ہے جیسے کہ فلک افق سماوی میں محوِ گردش ہے۔ اور اللہ تعالیٰ غیرتِ محبت کے تحت غوث و قطب کے احوال کو عوام و خواص سے پوشیدہ رکھتا ہے۔

البتہ وہ عالم و جاہل اور ابلہ و زیرک تارک و آخذ اور قریب و بعید۔ آسان و مشکل۔ صاحب امن اور خوف زدہ کو یکساں دیکھتا ہے۔ احوالِ اوتاد اگرچہ خواص پر منکشف ہوتے ہیں مگر نگاہِ عوام سے پوشیدہ ہوتے ہیں۔ بدلاء کے احوال و علامات خواص اور عارفین پر واضح ہوتے ہیں۔ نجباء و نقباء کے حالات صرف عوام سے مخفی ہوتے ہیں اور ایک دوسرے پر ان کے احوال مخفی نہیں ہوتے۔ اور صالحین کے احوال عوام و خواص پر واضح ہوتے ہیں۔ لِيَقْضِيَ اللّٰهُ اَمْرًا كَانَ مَفْعُوْلًا (تاکہ اللہ تعالیٰ اس امر کو پورا کرے جو اللہ کے علم میں پورا ہونے والا ہے)۔

نجباء کی تعداد تین سو ہے۔ نقباء چالیس ہیں۔ بدلاء کی تعداد ایک قول کے مطابق تیس اور دوسرے قول کے مطابق چودہ ہے اور تیسرے قول کے مطابق سترہ ہے اور صحیح یہی ہے واللہ اعلم۔ اور اوتاد چار ہوتے ہیں جب قطب کا وصال ہوتا ہے تو

اللہ تعالےٰ اوتادِ اربعہ میں سے جو بہتر ہو اس کو مقامِ قطبیت پر فائز فرما دیتا ہے۔ اور جب اوتاد میں سے کسی کا انتقال ہوتا ہے تو ابدال میں سے جو افضل ہوتا ہے اس کو اوتاد میں داخل فرما دیتا ہے۔ ابدال میں سے کسی کا انتقال ہو تو نقباء میں جو افضل ہوتا ہے اس کو ابدال میں شامل فرما دیا جاتا ہے اور جب چالیس نقباء میں سے کسی کا وصال ہوتا ہے تو نجباء جو تین سو کی تعداد میں ہوتے ہیں میں سے جو بہتر ہوتا ہے اس کو اس منصب پہ متعین کر دیا جاتا ہے اور اگر نجباء میں سے کسی کا وصال ہو جائے تو صالحین میں سے جو بلند مرتبت ہو اس کو اس مقام پر فائز المرام فرمایا جاتا ہے۔ جب اللہ تعالےٰ قیامت قائم کرنے کا ارادہ فرمائے گا تو ان سب پر موت طاری کر دے گا۔ امام یافعی فرماتے ہیں انہی کی بدولت اللہ تعالےٰ اپنے بندوں سے بلیات کو دور فرماتا ہے اور آسمان سے بارش برساتا ہے۔

حضرت خضر علیہ السلام سے مروی ہے کہ تین سو کی تعداد میں اولیاء ہیں۔ اور ستر کی تعداد میں ہیں جو نجباء کہلاتے ہیں اور اوتادِ ارض چالیس کی تعداد میں ہیں۔ نقباء دس ہیں اور سات عرفاء ہیں اور تین مختار ہیں اور ایک غوث ہے۔

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ بدلاء شام میں ہیں۔ نجباء مصر میں ہیں، عصائب عراق میں نقباء خراسان میں اور اوتاد تمام زمین میں ہیں اور خضر علیہ السلام سب کے مقتداء و پیشوا ہیں۔

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول کریم علیہ السلام نے فرمایا۔ اللہ تعالےٰ کے بندگانِ خاص میں سے تین سو بندے زمین میں ایسے ہیں جن کے دل حضرت آدم علیہ السلام کے دلِ اقدس کے مطابق ہیں، اور چالیس ایسے ہیں جن کے دل حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام کے دلِ مقدس کے مطابق ہیں، سات مقبولانِ بارگاہ کے قلوب حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کے قلبِ انور کے مطابق ہیں۔ پانچ محبوب ایسے ہیں جن کے قلوب حضرت جبریلِ امین علیہ السلام کے قلبِ منور کے مطابق ہیں۔ تین کے قلوبِ مقدسہ حضرت میکائیل علیہ السلام کے دلِ اطہر کے مطابق ہیں۔ اور ایک مقدس ہستی ایسی ہے جس کا دلِ اقدس حضرت اسرافیل علیہ السلام کے دلِ مقدس کے مطابق ہے۔ جب ایک کا وصال ہو تو اللہ تعالےٰ تین میں سے ایک کو اس کی جگہ مقرر فرماتا ہے۔ اور تین میں سے کسی کا وصال ہو تو پانچ میں سے ایک کو اس مقام پر متعین کیا جاتا ہے۔ اور جب پانچ میں سے کسی کا انتقال ہوتا ہے تو سات میں سے ایک شخص کو اس مقام پر فائز کیا جاتا ہے جب ان میں کسی کا وقتِ اجل آ پہنچتا ہے تو چالیس میں سے ایک کو اس کی جگہ مقرر فرمایا جاتا ہے۔ اور چالیس میں سے کوئی پیغامِ اجل پہ لبیک کہتا ہے تو تین سو میں سے ایک کو اس جگہ متعین کیا جاتا ہے۔ اور تین سو میں سے کوئی داعی اجل کی دعوت قبول کرتا ہے تو عام صالحین میں سے کسی ایک کو اس مقام پر ترقی دے دی جاتی ہے۔ اللہ تعالےٰ انہیں کی بدولت اس اُمت سے بلیّات کو دُور فرماتا ہے۔

بعض عارفین فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں جس ایک شخصیت کا ذکر ہے کہ وہ قلبِ اسرافیل علیہ السلام پر ہے وہی قطب ہے اور اسی کو غوث کہا جاتا ہے۔ اس کا مرتبہ و مقام دوسرے اولیاء کرام کی نسبت یوں ہے جیسے دائرہ کے مرکزی نقطہ کا مقام بہ نسبت دائرہ کے۔ اسی کی بدولت صلاحِ عالم اور اس کی آبادی ہوتی ہے۔

نکتہ عجیبہ وفائدہ غریبہ :- سرورِ کونین سید الثقلین علیہ السلام نے اولیاءِ امت کے قلوب کا انبیاءِ کرام اور ملائکہ عظام کے قلوب کے مطابق ہونے کا تذکرہ فرمایا لیکن یہ نہیں فرمایا کہ کسی کا دل میرے قلبِ انور و اطہر کے مطابق بھی ہوتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے عالمِ امر اور عالمِ خلق میں کسی کا دل ایسا نہیں بنایا جو سرورِ کائنات، فخرِ موجودات کے دلِ انور کی مانند عزیز تر، لطیف تر اور سراسر شرافت و طہارت ہو۔ بلکہ تمام ملائکہ عظام، انبیاء کرام علیہم السلام اور اولیاء کرام کے قلوب کی نسبت آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دلِ اطہر کے ساتھ یوں ہے جیسے کواکب کی نسبت کمالِ آفتاب کے ساتھ۔

حضرت خضر علیہ السّلام کا موت کی آرزو کرنا

امام یافعی فرماتے ہیں۔ میں نے شیخ کبیر عارف باللہ نجم الدین اصفہانی کو مقامِ ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کے پاس فرماتے ہوئے سنا کہ جب قیامت کے قریب قرآن مجید کو اٹھا لیا جائے گا تو حضرت خضر علیہ السلام اللہ تعالےٰ سے التجا کریں گے کہ انہیں بھی دنیا سے اٹھا لیا جائے۔

امام یافعی فرماتے ہیں میرا خیال یہ ہے کہ قطبِ وقت اور دیگر اولیاء کرام جن کا ابھی ذکر گذرا ہے یا ان کے علاوہ جو اس وقت موجود ہوں گے اللہ تعالےٰ سے یہی دعا کریں گے کیونکہ قرآن مجید کے اٹھا لینے کے بعد اہلِ خیر کے لیے زندگی میں کوئی دلچسپی باقی نہیں رہے گی بلکہ تمام روئے زمین پر کوئی خیر و برکت باقی نہیں رہے گی۔

حضرت خضر علیہ السّلام کی حیات کا ثبوت

حضرت خضر علیہ السلام کے زندہ ہونے (اور رفعِ قرآن کے وقت موت کی تمنا کرنے) کا جو دعویٰ میں نے کیا ہے یہی تمام اولیاءِ کرام کا حتمی و قطعی نظریہ ہے۔ تمام فقہاء و اصولیوں اور اکثر محدثین اس کے قائل ہیں اور عوام اہلِ اسلام میں یہی مشہور و معروف ہے شیخ و امام ابو عمرو ابن صلاح نے اسی کی تصریح کی ہے اور شیخ امام محی الدین نووی نے اس کو نقل فرما کر اس کی تصحیح اور تائید و تقویت کی ہے اور میں نے اپنی دوسری تالیفات میں تفصیلی طور پر بیان کیا ہے کہ شیوخ کبار اور مشائخ عظام کی بہت بڑی جماعت حضرت خضر علیہ السلام کے ساتھ ملاقات سے مشرف ہوئی بلکہ اتنے بے شمار لوگ کہ ان کی گنتی ممکن نہیں ہے۔ اور ہر زمانہ میں اولیاء صدیقین یہ خبر دیتے رہے ہیں کہ ہماری ملاقات ان سے ہوئی۔ اور یہ امر خبرِ مشہور و مستفیض کے ساتھ ثابت ہے۔ اور ان کتبِ مشہورہ میں مذکور و مسطور ہے جن کو علماء و ثقات نے جمع فرمایا ہے۔

امام عزالدین ابن عبد السلام کا فتویٰ

جب مفتی امام عزالدین بن عبد السلام سے دریافت کیا گیا کہ آیا حضرت خضر علیہ السلام زندہ ہیں یا فوت ہو چکے ہیں تو انہوں

نے فرمایا کہ بخدا مجھے ستر (۷۰) اولیا صدیقین نے یہ خبر دی ہے کہ انہوں نے خضر علیہ السلام کو اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔

امام یافعی فرماتے ہیں کہ مجھے بھی بے شمار اولیاء کرام نے خبر دی ہے کہ وہ حضرت خضر علیہ السلام کی مجلس میں حاضر ہوئے بلکہ انہوں نے بخدا مجھے یہ بتلایا کہ وہ میرے ہاں تشریف لائے اور مجھ سے کسی چیز کے متعلق دریافت فرمایا میں نے ان کو جواب بھی دیا لیکن میں انہیں پہچان نہ سکا۔ کیونکہ ان کو صرف صاحب فراست اور نور قلب کے مالک ہی پہچان سکتے ہیں۔ میں نے یہ ساری تطویل و تفصیل اس لیے ذکر کی ہے کہ مجھے یہ اطلاع ملی کہ ابن جوزی حیات خضر علیہ السلام کا شدید منکر ہے اور اس شخص پر بہت بڑا تعجب ہوتا ہے کہ اس نے حجابات سحاب سے مبرئ، واضح اور روشن سورج کا انکار کر دیا ہے۔ اور ایسے امر کا انکار کیا جس کی صدیقین کاملین اور احباب اولوا الالباب نے گواہی دی ہے۔

میں نے اس کتاب کی فصل رابع میں ابن الجوزی کے ساتھ بحث و تمحیص کا ذکر کر دیا ہے۔ اور اس کے کلام کا باہم متناقض ہونا بھی واضح کر دیا ہے۔ خود ابن جوزی نے خضر علیہ السلام کے زندہ ہونے کی تصریح چار روایات سے کی ہے جن کو متصل اسنادات کے ساتھ حضرت علی، حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم اور حضرت الیاس علیہ السلام سے نقل کیا ہے۔ اسی طرح ابن الجوزی کا ان اولیاء کرام اور اکابرین صوفیہ سے صادر ہونے والے علوم اور احوال و افعال کا انکار کرنا محل تعجب ہے جو اس کی عقل نارسا سے وراء الوراء ہیں اور اس کے فہم و عقل ناتمام کی رسائی سے بعید ہیں۔ اور عجیب ترین بات یہ ہے کہ علامہ ابن الجوزی انہی اولیاء کرام سے کرامات عجیبہ اور وقائع غریبہ اور دیگر اشیا مستحسنہ نقل بھی کرتا ہے اور اپنے کلام کو ان سے مزین و مرصع کرتا ہے اور دوسرے مقام پر ان کا انکار بھی کرتا ہے جس شخص نے اس کی کتب تلبیس ابلیس وغیرہ کو دیکھا ہے وہ اس کے اس تضاد و تناقض سے بخوبی آگاہ ہے یہاں اس کے اس تضاد پر تفصیلی بحث ہمارے مقصود سے خارج ہے۔ (انتہی کلام الیافعی)۔

امام یافعی نے فصل رابع کی جس عبارت کا یہاں حوالہ دیا ہے وہ یہ ہے۔

مجھے یہ اطلاع پہنچی ہے کہ ابن جوزی نے تلبیس ابلیس کے نام سے ایک کتاب تالیف کی ہے۔ جس میں مشائخ صوفیہ اور ان کے طریقہ پر کلام کیا ہے۔ اور یہ گمان کیا ہے کہ ابلیس نے ان کو تخلیط و اشتباہ میں مبتلا کر دیا ہے اور یہ نہ جانا کہ ابلیس نے خود اسے تخلیط و اشتباہ میں مبتلا کر دیا ہے اور صوفیہ کے متعلق اس بداعتقادی میں گرفتار کر دیا ہے اور اسے خبر تک نہ ہونے دی۔

علامہ ابن الجوزی پر بہت بڑا تعجب ہوتا ہے کہ اس نے سادات صوفیہ یعنی اوتاد و ابدال اور صدیقین و عارفین باللہ اور ان محققین کا انکار کر دیا۔ جنہوں نے موجودات کو کرامات و انوار معارف اسرار کے ساتھ معمور کر رکھا ہے۔

وہ حضرات اپنی زندگی کے تمام ایام میں اپنے نفوس، شیاطین اور جملہ مخلوق اور دنیا سے اللہ تعالیٰ کی طرف رغبت کرتے ہوئے بھاگنے والے ہیں۔ اپنے بواطن کو میل کچیل سے پاک و صاف کر لیا ہے اور ان کے نزدیک سونے کی ڈلیاں اور مٹی کے ڈھیلے برابر ہو چکے ہیں۔ وہ لوگوں کی مدح و ثناء سے بے نیاز ہیں اور شدائد و مصائب اور نعم و راحتوں کو ایک جیسا سمجھتے ہیں۔ بلکہ

وہ نعمتِ دنیا کو ترقیٔ درجات میں رکاوٹ سمجھتے ہیں اور ابتلا، و آزمائش اور مصائب و مشکلات کو عطائے باری اور فرحت و فراخی سمجھتے ہیں۔

انہوں نے ابتداء کار میں جمیع ماسوی اللہ سے اعراض کیا تو منتہی مقام میں وہ انعام و اکرام نصیب ہوا جس کی حقیقت صرف اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔ اس کا گمان ان لوگوں کے متعلق کیا ہے جنہوں نے اپنے انفاس کو اللہ تعالیٰ کے ذکر و فکر میں منضبط کر رکھا ہے اور انہیں ان کے مراقبات نے زندگی بھر یادِ غیر سے بے خبر کر رکھا ہے۔ ان میں مرتبہ و مقام میں کمترین فرد کا اعلان یہ ہے۔

"وَقَفْتُ عَلٰى بَابِ قَلْبِي عِشْرِيْنَ سَنَةً مَاجَارَ بِهٖ شَيْءٌ لِغَيْرِ اللهِ اِلَّا رَدَدْتُهٗ"، میں نے بیس سال اپنے دل کے دروازے پر پہرہ دیا ہے جس چیز نے بھی اسے غیر اللہ کی طرف متوجہ کیا ہے میں نے اس کو ٹھکرا دیا ہے اور اپنے دل کو اس سے باز رکھا۔ اگر علامہ ابن الجوزی کو ان سادات صوفیہ کے ادنیٰ تلامذہ سے میدان اعتراض و انکار کے کارزار میں سابقہ پڑتا تو غبار چھٹنے پر اس کو معلوم ہوتا کہ اس کی اپنی بساط کیا ہے اور اس کے نیچے گھوڑا ہے یا گدھا؟ ایک طرف تو علامہ موصوف ان پر اعتراض و انکار کے درپے ہیں اور دوسری طرف انہی کی حکایات سے اپنے بیان و کلام کو مزین کرتے ہیں۔ اور ان کے محاسن صفات سے اپنے سرمایہ تالیفات کو خواص و عوام میں مقبول بناتے ہیں تو انہوں نے کیونکر اپنی کتابوں کو ان کے ذکر سے کلیۃً عاری و خالی نہیں رکھا۔ اور ایک سال ایک شی کو حرام سمجھنے والوں اور دوسرے سال اس کو حلال قرار دینے والوں کا انداز و اسلوب کیوں اپنایا ہے۔

ائمہ کرام اور علماء اعلام کی صوفیۂ کرام سے عقیدت و نیازمندی

کیا اس کو معلوم نہیں ہے کہ علماء صالحین کے رؤساء اور اربابِ عقول سلیمہ کے مقتدا ہمیشہ سے گروہ اصفیاء کے معتقد چلے آئے ہیں۔ اور ان کی زیارات اور شرفِ صحبت سے برکات حاصل کرتے رہے ہیں۔ ان کی دعاؤں سے مستفیض ہوتے رہے ہیں اور ان کے آثار کرامات سے مستفید۔ ان کا ادب و احترام کرتے رہے ہیں اور ان کے سامنے تلامذہ کی مانند زانوئے ادب تہ کر کے بیٹھتے رہے ہیں اور ان کا حق تعظیم و تکریم بجا لاتے رہے ہیں۔ امام شافعی، امام احمد ابن حنبل، امام سفیان ثوری، امام ابن سریج، امام بن فورک، امام الحرمین، امام حجۃ الاسلام محمد غزالی امام عز الدین بن سلام، امام تقی الدین بن دقیق العید اور امام محی الدین نووی اور دیگر بے شمار اکابر محدثین ائمہ کی ان صوفیہ کرام کے ساتھ ادب و نیاز کی حکایت معروف و مشہور ہیں۔

مجھے باوثوق ذرائع سے معلوم ہوا ہے کہ امام تقی الدین بن دقیق العید ایک درویش خدا مست کی خدمت اقدس میں حاضری دیتے تھے۔ ان سے دعاء اور نگاہِ لطف کے طلب گار ہوتے۔ اور ان کی خدمت میں انتہائی عجز و انکسار اور خضوع و تذلل کا اظہار کرتے حتیٰ کہ ایک وقت فرمایا کہ یہ فقیر میرے نزدیک سو فقیہ بلکہ ہزار عالم سے بدرجہا بہتر ہے جیسے کہ ان کے بعض تلامذہ نے مجھے یہ روایت بیان کی۔ اور مجھے یہ اطلاع بھی ملی ہے کہ جب وہ اپنے اس مرکز عقیدت درویش کی خدمت میں حاضر ہوتے تو سر پہ معمولی سے ٹوپی پہن کر حاضر ہوتے اور اپنا مشیخت والا عمامہ اور لباس فاخرہ اتار کر جایا کرتے تھے۔

امام محی الدین نووی رحمۃ اللہ تعالٰی شیخ یاسین مزین کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے اور ان کے فیوض و برکات سے نفع اندوز ہوتے تھے۔ ان کے ارشادات سنتے اور ان کے ارشادات پر عمل پیرا ہوتے۔ حتیٰ کہ جب انہوں نے آپ کو سفر کرنے کا حکم دیا اور عاریۃً لی ہوئی تمام کتابیں واپس کرنے کا ارشاد فرمایا تو انہوں نے فوراً اس حکم کی تعمیل کی۔ اور ان کے ارشاد کو عملی جامہ پہنایا اپنے وطن مالوف کی طرف مراجعت فرما ہوئے اور جاتے ہی مرض وفات میں مبتلا ہوئے اور اہل و عیال میں وفات پائی۔

مفتی انام عزالدین بن عبدالسلام کا ذکر قبل ازیں گذر چکا ہے وہ مشائخ کرام کے بہت زیادہ معتقد تھے۔ اور ان کے فضل و کمال کے معترف حتیٰ کہ ایک دفعہ ان سے حضرت خضر علیہ السلام کے متعلق دریافت کیا گیا کہ وہ زندہ ہیں یا فوت ہو چکے ہیں؟ تو انہوں نے فرمایا۔ اگر ابن دقیق العید تمہیں کہیں کہ میں نے ان کو اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے تو کیا تم ان کو سچا مانو گے؟ سائلین نے کہا بخدا ہم مزید بالضرور ان کی تصدیق کریں گے۔ تو انہوں نے فرمایا بخدا مجھے سترؔ اولیاء کاملین صدیقین نے حضرت خضر علیہ السلام کا دیدار کرنے کی خبر دی ہے جن میں ہر ایک ابن دقیق العید سے بہتر ہے۔

فائدہ: ابن عبدالسلامؒ کے اس ارشاد سے علامہ ابن الجوزی کے خضر علیہ السلام کے متعلق دعویٰ موت و وصال کا بھی رد ہو گیا۔ (کیونکہ کاملین اولیاء کے چشم دید بیان کے مقابل محض الفاظ و عبارات پر نظر رکھنے والوں کے قول کی کیا اہمیت ہو سکتی ہے)

علامہ ابن الجوزی کا حیات خضر علیہ السّلام کے متعلق متضاد نظریہ

امام یافعی فرماتے ہیں کہ اس معاملہ میں ابن الجوزی کا بیان باہم متعارض و متناقض ہے کیونکہ انہوں نے چار متصل اسنادات سے مروی روایات ذکر کی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام زندہ ہیں۔

۱۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم سے مروی ہے کہ انہوں نے حضرت خضر علیہ السّلام کو کعبہ کے پردوں کو ہاتھوں میں لے کر یہ دعا کرتے ہوئے سنا۔ یَا مَنْ لَا یَشْغَلُہٗ سَمْعٌ عَنْ سَمْعٍ الخ یہ دعا بہت مشہور و معروف ہے۔ آپ نے ان سے کلام بھی کیا اور ان کو پہچان لیا۔

۲۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ انہوں نے فرمایا حضرت الیاس اور حضرت خضر علیہما السلام ہر سال موسم حج میں اکٹھے ہوتے ہیں (لوگوں کے ساتھ مل کر ارکان حج ادا کرتے ہیں) اور ایک دوسرے کا حلق کرتے ہیں یعنی سر مونڈتے ہیں اور ان کلمات طیبات کا ورد کرتے ہوئے ایک دوسرے سے جدا ہوتے ہیں۔

بِسْمِ اللّٰہِ مَاشَاءَ اللّٰہُ لَا یَسُوْقُ الْخَیْرَ اِلَّا اللّٰہُ، مَاشَاءَ اللّٰہُ لَا یَصْرِفُ السُّوْءَ اِلَّا اللّٰہُ، مَاشَاءَ اللّٰہُ مَا کَانَ مِنْ نِعْمَۃٍ فَمِنَ اللّٰہِ مَاشَاءَ اللّٰہُ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ۔

اللہ تعالٰی کے نام اقدس سے برکت حاصل کرتے ہیں ماشاء اللہ خیر کا پہنچانے والا صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ ماشاءاللہ برائیوں سے دور رکھنے والا صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ ماشاء اللہ جو نعمت کسی کے پاس ہے وہ محض اللہ تعالٰی کی عطا ہے۔ ماشاء اللہ طاعت اور نیکی کی توفیق اور برائی و غلط کاری سے گریز و پرہیز صرف اللہ تعالٰی کی اعانت سے

ہے راوی کہتے ہیں میرے علم و دانست کے مطابق یہ روایت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تک مرفوع و متصل ہے۔

۳۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے ہی مروی ہے کہ موسم حج میں میدانِ عرفات کے اندر حضرت جبرئیل، میکائیل، اسرافیل اور حضرت خضر علیہ السلام جمع ہوتے ہیں باہم گفتگو کرتے ہیں اور پچھلی روایت میں مذکور کلمات طیبات پر ایک دوسرے سے جدا ہوتے ہیں اور اگلے سال اس موسم تک باہم ملاقات نہیں کرتے۔

۴۔ حضرت الیاس علیہ السلام سے مروی ہے کہ حضرت عیسیٰ اور حضرت ادریس علیہما السلام آسمان میں ہیں جبکہ میں (حضرت الیاس) اور خضر علیہ السلام زمین میں ہیں اور ہم سب زندہ ہیں۔ اور سب پر اللہ تعالٰی کا سلام ہے اس کی رحمتیں اور برکتیں۔

علامہ ابن الجوزی نے اپنی کتاب "مثیر العزام" میں یہ چاروں روایات متصل اسنادات کے ساتھ نقل کی ہیں یہ تھی امام یافعی کی کتاب نشر المحاسن فصل رابعہ کی عبارت۔

علامہ ابن حجر ہیتمی مکی نے بھی امام یافعی کا کلام اپنے فتاویٰ حدیثیہ میں نقل فرمایا ہے۔ اور احادیث و آثار اور اقوال ائمہ سے اس کی تائید و تقویت فرمائی ہے اور اقطاب و اوتاد اور رجال غیب اور ان کے مقامات وغیرہ پر مشتمل روایات و اخبار کو صحیح قرار دیا ہے۔ آخر میں فرماتے ہیں کہ بعض مشائخ اور اساتذہ کے ساتھ مجھے اس مبحث میں عجیب واقعہ پیش آیا۔ میں نے اس گروہ صوفیہ کے بعض افراد کے ہاں تربیت و پرورش پائی تھی جو صاف باطن تھے اور محذورات کے ارتکاب سے محفوظ اور ملامت و طعن و تشنیع سے دور۔ ان کا کلام میرے دل و دماغ پر اثر انداز ہو چکا تھا کیونکہ عہد طفولیت میں ذہن جملہ افکار و نظریات سے خالی تھا اور ان کا فیض اثر ہی پہلا نقش تھا جو اچھی طرح گہرا ہو گیا۔

جب میں چودہ سال کی عمر کو پہنچا اور علوم ظاہرہ کی تحصیل میں مصروف تھا تو شیخ ابو عبداللہ الامام محمد جوینی "جن کے برکات و فیوض اور زہد و عبادت پر سب لوگوں کا اجماع و اتفاق ہے"، کی خدمت میں مختصر ابوشجاع پڑھنے لگا اور ایک مدت تک جامع ازہر قاہرہ میں ان کی خدمت میں رہا۔ شیخ مذکور کے مزاج میں تیزی تھی ایک دفعہ سلسلہ کلام قطب، نجباء و نقباء اور ابدال و اوتاد کے متعلق چل نکلا تو شیخ جوینی نے بڑی شدت کے ساتھ اس امر کا انکار کر دیا۔ اور کہا ان کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔ اور نہ ہی اس ضمن میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ مروی ہے۔

میں اگرچہ سب حاضرین سے کم سن تھا مگر جرأت سے کام لیتے ہوئے عرض کیا کہ یہ امر حق و صواب ہے اور واقع کے مطابق اس میں شک و تردد کی گنجائش نہیں ہے کیونکہ اس کی اطلاع اولیاء اللہ نے دی ہے اور پناہ بخدا کہ وہ کذب و دروغگوئی سے کام لیں۔ اور امام یافعی رحمہ اللہ نے اس کو تفصیلاً بیان کیا ہے اور وہ علوم ظاہرہ و باطنہ کے جامع ہیں شیخ مذکور نے اور زیادہ تشدید و تغلیظ سے کام لیا اور مجھے سکوت و خاموشی کے علاوہ کوئی چارۂ کار نظر نہ آیا۔ لیکن میں نے دل میں یہ بات بٹھالی کہ جب شیخ محمد جوینی، شیخ الاسلام والمسلمین، امام الفقہاء، والعارفین ابو یحییٰ زکریا الانصاری کی خدمت میں حاضر ہوں گے تو میں ان کی امداد و نصرت حاصل کروں گا۔ چونکہ جوینی کی بینائی جاتی رہی تھی لہٰذا ان کا آنے جانے کا سہارا میں ہی تھا اور ہم مل کر حضرت ابو یحییٰ انصاری کی خدمت

میں حاضر ہوا کرتے تھے اور سلام نیاز پیش کرتے تھے۔ ایک دفعہ جب حاضری دینے جا رہے تھے تو ان کی قیام گاہ کے قریب پہنچ کر میں نے شیخ جوینی سے عرض کیا۔ میں آج شیخ الاسلام کی خدمت میں قطب و اوتاد وغیرہ کے متعلق سوال پیش کروں گا اور ان کا نظریہ معلوم کروں گا جب ہم ان کی بارگاہ اقدس میں حاضر ہوئے تو انہوں نے شیخ جوینی کی طرف خصوصی توجہ فرمائی، ان کا خصوصی اعزاز و اکرام کیا۔ اور ان سے دعا، کے متعلق فرمایا۔ بعد ازاں میرے حق میں دعائیں فرمائیں جن میں ایک دعا یہ تھی "اللھم فقہہ فی الدین اے اللہ اسے دین کی سمجھ عطا فرما اور بسا اوقات آپ یہ دعا دیا کرتے تھے۔ جب شیخ الاسلام کا کلام ختم ہوا اور امام جوینی نے واپسی کا ارادہ کیا۔ تو میں نے شیخ الاسلام سے قطب، ابدال اور اوتاد کے متعلق دریافت کیا۔ کہ آیا ان سے متعلق صوفیۂ کرام کا نظریہ درست ہے؟۔ اور یہ حضرات حقیقۃً موجود ہیں؟ تو انہوں نے فرمایا۔ اے میرے بیٹے بخدا وہ حقیقۃً موجود ہیں۔ میں نے ان سے عرض کیا کہ شیخ محمد جوینی اس امر کا انکار کرتے ہیں اور جن لوگوں نے ان حضرات کا ذکر کیا ہے اور ان کے وجود کو برحق تسلیم کرتے ہیں ان کا بڑی شدت سے رد کرتے ہیں۔ حضرت شیخ الاسلام نے ان کی طرف متوجہ ہو کر دریافت کیا کیا واقعی اے شیخ محمد جوینی تم اس کا انکار کرتے ہو؟ اور بار بار اس سوال کو دہرایا حتیٰ کہ شیخ جوینی نے عرض کیا اے مولانا شیخ الاسلام میں اس امر پر ایمان لاتا ہوں اور صدق دل سے اس کی تصدیق کرتا ہوں اور اپنے سابقہ رد و انکار سے توبہ کرتا ہوں۔ انہوں نے فرمایا آپ کے متعلق ہمارا گمان یہی تھا۔ پھر ہم وہاں سے اٹھے اور امام جوینی نے قطعاً مجھ پر عتاب کا اظہار نہ فرمایا۔ یہ تھا علامہ ابن حجر مکی کا کلام۔

میں نے اس کتاب (شواہد الحق) کے خاتمہ میں ابن الجوزی کے "تلبیس ابلیس" اور ابن تیمیہ کی کتاب الفرقان میں اولیاء رحمٰن پر اعتراضات اور ان کے عقائد پر طعن و تشنیع اور ان کی تکفیر کا جواب امام شعرانی امام ابن حجر اور دیگر اکابر کی زبانی نقل کر دیا ہے لہٰذا اس مقام پر ان تفصیلات کو ذکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے بلکہ میں اصل مبحث یعنی ابن تیمیہ کی کتاب منہاج السنۃ پر تبصرہ کی طرف آتا ہوں۔

منہاج السنۃ پر تبصرہ کا تتمہ

میرا نظریہ یہ ہے کہ اس زمانہ میں اکثر طلبۂ علم علم کلام سے بے خبر ہیں اور عقیدہ صحیحہ کے مخالف یا موافق ابحاث دقیقہ کی معرفت سے عاری ہیں۔ اور ان میں سے حق و باطل کے درمیان فرق کرنے سے قاصر ہیں اور عوام تو خود ان معاملات سے بیگانہ ہیں ہی۔ صرف اکابر علماء اسلام جنہوں نے طویل عرصہ مباحث علم کلام میں غور و فکر کرتے گذارا ہے وہی ان مباحث کو سمجھتے ہیں اور ان میں سے حق و باطل میں فرق کر سکتے ہیں۔ لہٰذا علماء اہل السنت اشاعرہ، ماتریدیہ پر جو مذاہب ثلاثہ حنفی، شافعی، مالکی سے تعلق رکھتے ہیں اور بعض حنابلہ بھی ان سے متفق و متحد ہیں، یہ امر لازم و واجب ہے کہ وہ عوام کو اور ناقص العلم ضعیف العقل متعلمین کو بھی ان دو کتابوں یعنی منہاج السنۃ اور کتاب العقل والنقل کے مطالعہ سے روکیں کیونکہ ان

دونوں میں بکثرت حق کو باطل کے ساتھ خلط ملط کر دیا گیا ہے۔ اور اہل السنۃ والجماعۃ کا رد ایسے دلائل سے کیا گیا ہے جن پر باطل ملمع کاری کی دبیز تہیں ہیں۔ ان کا رد عوام کے بس سے تو باہر ہے ہی اکثر قاصر العلم طلبہ بھی ان دلائل کی حقیقت تک نہیں پہنچ سکتے اور نہ ان کا رد کر سکتے ہیں۔ قبل ازیں یہ ذکر آچکا ہے کہ امام سبکی نے کتاب العقل والنقل کا رد کیا اور اہل السنۃ والجماعۃ کی جہاں جہاں مخالفت پائی گئی ہے اس کا تعاقب کیا ہے اور امام اشعری وغیرہ نے بھی ان کا رد کیا ہے۔

امام سید مرتضیٰ زبیدی حنفی نے شرح احیاء میں امام سبکی اور ان کے بیٹے تاج الدین اور دیگر اکابر کے طویل اقتباسات نقل کر کے اہل سنت کے مذہب کی وضاحت کی ہے اور مخالفین کا رد کیا ہے۔ اور ابن تیمیہ اور اس کے متبع فرقہ کا عقیدہ بڑی وضاحت سے بیان کیا ہے جس کو علماء اہل السنت حشویہ سے تعبیر کرتے ہیں۔

میں قدرے تفصیل سے ابن تیمیہ کا نظریہ اور اہل السنۃ کا عقیدہ اور ان کا باہمی اختلاف ذکر کرتا ہوں تاکہ ابن تیمیہ کی جملہ کتب اور علی الخصوص ان دو کتابوں کا مطالعہ کرنے والا محتاط رہے اور اس کے کلام سے دھوکہ نہ کھائے۔ اور بے خبری میں اپنے عقیدہ اشعریہ یا ماتریدیہ کو تباہ نہ کر بیٹھے۔

سید مرتضیٰ زبیدی نے شرح احیاء کی جزء ثانی کی ابتداء میں اہل السنۃ کے دو اماموں یعنی الشیخ ابوالحسن اشعری اور شیخ ابو منصور ماتریدی کے احوال بیان کرتے ہوئے فرمایا۔ کہ جب مطلقاً اہل السنہ کا لفظ بولا جائے تو اس سے مراد اشاعرہ اور ماتریدیہ ہوتے ہیں۔ اور تاج الدین سبکی کی زبانی نقل کیا کہ میرا یقین و ایمان یہ ہے کہ مالکیہ تمام تر بغیر کسی استثنا کے اشاعرہ ہیں۔ اور شوافع کی غالب اکثریت اشعری مسلک پر ہے صرف چند غیر معتدبہ لوگ تجسیم کے قائل ہیں یا مذہب اعتزال پر کاربند ہیں۔ احناف کی عظیم اکثریت بھی اشعری نظریہ کی حامل ہے صرف معمولی گروہ معتزلہ کے ساتھ لاحق ہوا ہے حنابلہ کے اکثر متقدمین فضلا اشاعرہ ہیں صرف وہی لوگ ان سے الگ ہیں جو اہل تجسیم کے ساتھ لاحق ہو گئے۔ اور اس نظریہ کے قائل بنسبت دیگر مذاہب حنفی، شافعی وغیرہ کے حنابلہ میں زیادہ ہیں۔

میں نے امام ابو جعفر طحاوی کے عقیدہ کا بنظر غائر جائزہ لیا۔ تو میں نے بقول والد امام شیخ سبکی ان کو شیخ اشعری کے عقیدہ پر پایا۔ اور صرف تین مسائل میں انہیں شیخ اشعری سے اختلاف ہے اور امام طحاوی شیخ اشعری اور شیخ ابو منصور ماتریدی کے معاصر ہیں۔

تاج الدین سبکی فرماتے ہیں کہ میں نے ائمہ احناف کی کتابوں کا اچھی طرح مطالعہ کیا ہے اور کل تیرہ مسائل ایسے ملے ہیں جن میں ہمارے اور ان کے درمیان اختلاف ہے جن میں سے معنوی اختلاف صرف چھ مسائل میں ہے باقی سات میں محض لفظی نزاع و اختلاف ہے۔ اور ان چھ مسائل میں باہمی اختلاف بھی نہ کسی فریق کے کفر کا مقتضی ہے اور نہ ہی بدعتی ہونے کا جیسے کہ شیخ ابو منصور ماتریدی اور دیگر فریقین کے ائمہ کرام اور علماء اعلام نے اس کی تصریح کی ہے۔ اور یہ امر خود واضح ہے اس کی مزید توضیح و تصریح کی ضرورت نہیں ہے۔

بعدازاں شارح احیاء نے امام تقی الدین سبکی کی کتاب "السیف الصقیل فی الرد علی ابن زفیل" کی عبارت نقل کی یہ کتاب دراصل ابن زفیل حنبلی کے ایک قصیدہ کی شرح ہے جس میں اس نے شیخ اشعری اور دیگر ائمہ اہل السنت کا رد کیا تھا اور کبھی ان کو جہمیہ قرار دیا اور کبھی ان کو العیاذ باللہ کافر بنا ڈالا۔ امام تقی الدین نے شرح میں اس کا تعاقب کیا پہلے ابن زفیل کے قصیدہ کا ابتدائیہ ملاحظہ ہو۔ اور بعدازاں شیخ تقی الدین کے مقدمۂ شرح سے چند مفید اور کار آمد جملے ہدیۂ قارئین کئے جائیں گے۔

اِنْ کُنْتِ کَاذِبَۃَ الَّذِیْ حَدَّثْتِنِیْ فَعَلَیْکَ اِثْمُ الْکَاذِبِ الْفَتَّانِ

اگر تو اپنے بیان میں کذب اور دروغگوئی سے کام لینے والی ہے تو تجھ پر کاذب اور فتنہ پرور شخص کا بارِ گناہ ہو۔

جَہْمِ بْنِ صَفْوَانٍ وَشِیْعَتِہِ الْاُوْلٰی جَحَدُوْا صِفَاتِ الْخَالِقِ الدَّیَّانِ

یعنی جہم بن صفوان اور اس کے متبع گروہ کا جنہوں نے خالقِ کائنات اور مالکِ روزِ جزاء کی صفات کا انکار کر دیا ہے۔

بَلْ عَطَّلُوْا مِنْہُ السَّمٰوٰتِ الْعُلٰی وَالْعَرْشَ اَخْلَوْہُ مِنَ الرَّحْمٰنِ

بلکہ انہوں نے سات بلند آسمانوں کو اللہ تعالےٰ سے معطل اور عرش اعلیٰ کو رب رحمٰن سے خالی قرار دے دیا ہے۔

وَالْعَبْدُ عِنْدَہُمْ فَلَیْسَ بِفَاعِلٍ بَلْ فِعْلُہٗ کَتَحَرُّکِ الرَّجْفَانِ

اور بندہ ان کے نزدیک درحقیقت فاعلِ فعل نہیں ہے۔ بلکہ اس کا فعل ان کے نزدیک لرزہ براندام اشخاص اور رعشہ والے لوگوں کی حرکت و جنبش کی مانند ہے۔

الغرض یہ ہے اس قصیدہ کا اسلوب بیان اور شیخ مذکور اس پر شرح لکھتے ہوئے مقدمہ میں ارشاد فرماتے ہیں علوم میں سے صرف انہیں کی تحصیل میں مشغول و مصروف ہونا چاہیے جو نافع ہیں اور وہ ہیں علوم قرآن و سنت فقہ و اصول فقہ اور علم نحو اور ان کو بھی ایسے استاد سے حاصل کرنا چاہئیے جس کا عقیدہ صحیح ہو علم کلام اور حکمۃ یونانیہ سے اجتناب ضروری ہے۔ نیز ایسے شخص کی صحبت اور مجلس سے بھی پرہیز ضروری ہے جس کا عقیدہ فاسد ہو اور اس کے کلام کو سننے اور اس کی تحریر کو پڑھنے سے پرہیز بلکہ گریز ضروری ہے۔ عقائد کے لیے دو چیزوں سے بڑھ کر کوئی شیئ زیادہ نقصان دہ نہیں ہے۔ علم کلام اور حکمت یونانیہ اور یہ دونوں علوم درحقیقت علم واحد ہیں جس کو علم الٰہی سے تعبیر کیا جاتا ہے فرق صرف یہ ہے کہ حکماء یونان نے اس کو محض عقول و افکار کے ذریعے طلب کیا ہے۔ اور علماء کلام نے عقل و نقل کے ذریعے اس تک رسائی حاصل کی ہے اور تین فرقوں میں بٹ گئے ایک وہ گروہ ہے جن پر جانبِ عقل غالب ہے یہ معتزلہ کہلاتے ہیں۔ دوسرے گروہ پر جہت نقل غالب ہے اور وہ حشویہ کہلاتے ہیں اور تیسرے گروہ میں جانبِ عقل و نقل برابر و متساوی ہیں اور یہ اشاعرہ کہلاتے ہیں۔ اور تینوں فریق کی بحث و تمحیص خطرہ سے خالی نہیں ہے۔ بعض کے عقائد و نظریات غلط ہیں (مثل حشویہ و معتزلہ کے) اور بعض کے کلام سے ہیبت و اجلال باری تعالےٰ میں فرق آجاتا ہے اور تمام خطرات سے اگر خالی ہے تو صرف وہ راہ راست اور صراط مستقیم جس پر صحابہ کرام۔ تابعین کرام اور اصحاب فطرۃ سلیمہ ہیں اسی لیے امام شافعی لوگوں کو علم کلام میں مشغول ہونے سے روکتے تھے۔ اور فقہ کی تحصیل کی طرف راغب کرتے تھے اور

یہی سلامتی کا راستہ ہے۔ اگر لوگ اسی حال پر برقرار رہتے جس پر صحابہ کرام علیہم الرضوان کے دور میں تھے تو علماء کرام کے لیے اولیٰ وانسب یہی تھا کہ علم کلام میں غور و خوض سے کلیۃً اجتناب کرتے۔ لیکن بعد والے ادوار میں بدعات اور فاسد نظریات پیدا ہو گئے تو مبتدعین کے مقابلہ کے لیے اور ان کے شبہات اور حججِ باطلہ کا رد کرنے کے لیے علماء اعلام پر علم کلام کی تحصیل اور اس میں غور و خوض واجب و لازم ہو گیا۔ تاکہ اہلِ ایمان کو گمراہی و بیدینی سے محفوظ رکھا جا سکے۔

تینوں فرقوں میں سے اشاعرہ ہی متوسط فرقہ ہیں اور شافعیہ، مالکیہ، حنفیہ، اور فضلاً حنابلہ اور دیگر عوام کی غالب اکثریت اشاعرہ ہی ہے۔

معتزلہ کو صرف تیسری صدی کے ابتداء میں قوت و طاقت حاصل ہوئی اور بعض خلفاء بنو عباس نے ان کا ساتھ دیا بعدازاں وہ ذلیل و خوار اور خائب و خاسر ہو گئے اور اللہ تعالےٰ نے اہلِ اسلام کو ان کے شر سے محفوظ رکھا۔ اور یہی دونوں گروہ یعنی اشعریہ اور معتزلہ باہم متقابل ہیں اور برسرِ بحث و نزاع اور اہل اسلام متکلمین میں سے قوی و طاقتور یہی ہیں۔ لیکن ان میں اشاعرہ معتدل ہیں اور بہتر کیونکہ انہوں نے اپنے اصول کی بنیاد کتاب و سنت اور عقلِ صحیح کو بنایا ہے۔

رہی حکمت یونانیہ تو لوگ اس معاملہ میں بے خطر ہیں کیونکہ تمام اہلِ اسلام اس کے فساد اور اسلام سے دوری کو اچھی طرح جانتے ہیں اور اس کی کج بحثیوں سے گریزاں ہیں۔

حشویہ کا گروہ انتہائی رذیل اور جاہل لوگوں کا طائفہ ہے جو اپنے آپ کو امام احمد کی طرف منسوب کرتے ہیں اور وہ ان سے بری اور بیزار ہیں ان کے ادھر منسوب ہونے کا پس منظر یہ ہے کہ انہوں نے معتزلہ کا مقابلہ کیا اور بہت زیادہ تکالیف و شدائد برداشت کئے۔ ان سے چند ایسے کلمات منقول ہیں جو ان جہال کی سمجھ سے بالاتر تھے لہٰذا اپنی ناسمجھی اور جہالت کے تحت یہ غلط اعتقاد اور برا نظریہ اپنا لیا۔ جو بعد میں آیا اس نے صرف پہلے لوگوں کی تقلید پر اکتفاء کیا ماسوا ان لوگوں کے جنہیں اللہ تعالےٰ نے محفوظ رکھا۔ یہ گروہ جب سے پیدا ہوا نگاہ خلق میں ذلیل و حقیر رہا نہ ان کا کوئی رئیس و سردار تھا اور نہ ہی ان میں اہلِ حق کے ساتھ مناظرہ کرنے والا کوئی شخص پیدا ہوا۔ متاخرین متقدمین کے اندھے مقلد بنے رہے اور اس طرح محدود حلقے میں یہ نظریہ جاری رہا۔ ہر دور میں انہوں نے حکومتِ وقت کے بعض اہلِ کاروں سے راہ و رسم رکھی مگر اللہ تعالےٰ ان کے شر سے اہلِ حق کی کفایت فرماتا رہا۔ اور یہ منحوس جماعت جس کے ساتھ لگی اور جس کا دامن تھاما اسی کا انجام بُرا ہوا۔ انہوں نے بعض شوافع اور چند دوسرے لوگوں کا اعتقاد تباہ کیا۔ اور علی الخصوص بعض محدثین کا جن کے عقول قاصرہ تھے۔ یا ان پر ایسے لوگوں کا غلبہ تھا جنہوں نے ان کو راہ راست سے ہٹا دیا اور گمراہ کر دیا۔ اور وہ یہ سمجھنے لگے کہ یہ بیچارے تو حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق نظریہ رکھتے ہیں اور اسی کا پرچار کرتے ہیں۔ اپنے زمانہ میں تمام محدثین سے افضل و برتر علامہ ابن عساکر دمشقی ان سے بات کرنا بھی پسند نہیں کرتے اور نہ ہی ان کو اپنی مجلس میں حاضر ہونے دیتے تھے۔ اس وقت نور الدین شہید کی حکومت تھی اور یہ دور اس طائفہ کی انتہائی ذلت کا دور تھا۔

ابن تیمیہ کا ظہور اور حشویہ فرقہ کی ترقی اور اہل اسلام میں اعتقادی پراگندگی

پھر ساتویں صدی ہجری کے اواخر میں ابن تیمیہ نام کا ایک شخص ظاہر ہوا وہ کافی ذکی تھا اور صاحب معلومات جس کو کوئی رہنما اور ہادی میسر نہ آیا جو اس کو راہ راست دکھلاتا۔ بدقسمتی سے وہ اسی مذہب کا پیرو کار بن گیا وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی جناب میں جسارت سے کام لینے والا تھا اور اپنے مذہب و مسلک کے بیان و اثبات میں کافی دسترس رکھتا تھا۔ عقل و فہم اور دیانت و امانت سے بعید تر امور کو اپنی جسارت اور بیباکی کی وجہ سے اپنا مذہب بنا لیتا اور ان پر اڑ جاتا۔ اللہ رب العزت کے ساتھ قیام حوادث کا قول کیا۔ عالم کو ازلی تسلیم کیا اور کہا کہ اللہ تعالیٰ سے ہمیشہ فعلِ ایجاد و تخلیق صادر ہوتا رہا ہے اور ماضی میں تسلسل حوادث اسی طرح جائز ہے جیسے کہ مستقبل میں۔ اس نے اہل اسلام کی جمعیت کو پراگندہ کر دیا مسلمانوں کے عقائد میں شکوک و شبہات پیدا کئے اور ان کو باہم دست و گریبان کر دیا۔ اور صرف علمِ کلام کے مباحث اور کلامی عقائد پر بحث و تحیص پر اکتفاء نہ کیا۔ بلکہ تعدی و تجاوز کرتے ہوئے سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے مزارِ اقدس کی زیارت کے لیے سفر کو معصیت قرار دے دیا۔ اور یہ بھی دعویٰ کیا کہ تین طلاقیں واقع نہیں ہوتیں (بلکہ ہزار طلاق دینے پر بھی صرف ایک طلاق واقع ہوگی) نیز یہ فتویٰ بھی داغ دیا کہ جو شخص قسم اٹھائے اور اسے بیوی کی طلاق کے ساتھ معلق کر دے پھر قسم پوری نہ کرے بلکہ حانث ہو جائے تو طلاق واقع نہیں ہوگی۔

(اسی قسم کے غلط نظریات اور باطل و فاسد عقائد و فتاویٰ کے تحت) تمام علماء وقت نے متفقہ طور پر اس کے عرصہ دراز تک قید میں رکھنے کا فتویٰ دیا۔ چنانچہ سلطانِ وقت نے اس کو قید کر دیا اور دورانِ حبس کسی قسم کی تحریر و کتابت کی اسے رخصت نہ دی بلکہ قلم دوات اور کاغذ وغیرہ اس تک پہنچانے کی پابندی عائد کر دی۔ اور وہ اسی طرح قید خانہ میں مر گیا۔

بعد ازاں اس کے تلامذہ اور متعلقین نے اس کے عقائد کی تشہیر شروع کر دی۔ اور اس کے فتاویٰ اور اختراعی مسائل لوگوں کو سکھلانے شروع کئے مگر طریق کار بدل دیا۔ علانیہ ان عقائد کا پرچار کرنے سے باز رہتے بلکہ خفیہ طور پر ایک مخصوص حلقے میں ان کا پرچار کیا جاتا اور اس طرح بہت بڑا ضرر و نقصان اہلِ اسلام کو لاحق ہوا۔ اور جب ان کا حلقہ اثر ذرا وسعت پذیر ہو گیا تو پھر علانیہ عقائد فاسدہ اور نظریات باطلہ کا پرچار شروع کر لیا حتیٰ کہ میں اس وقت ایک ایسے قصیدہ پر مطلع ہوا ہوں جو تقریباً چھ ہزار اشعار پر مشتمل ہے۔ اور اس کا ناظم اس میں اپنے اور دوسرے لوگوں کے عقائد کو جمع کر کے (موازنہ کرتا ہے اور) بزعم خویش اپنی جہالت اور لاعلمی کے تحت سمجھتا ہے کہ اس کے عقائد اہلِ حدیث والے ہیں میں نے یہ قصیدہ علمِ کلام میں تصنیف شدہ پایا جس کے صحیح مسائل اور عقائد حقہ کے اندر نظر بھی علماء کرام کے نزدیک ممنوع ہے (چہ جائیکہ ایسے فاسدہ باطل نظریات کا بیان ہو) اور اس قصیدہ میں عقائد باطلہ کی تقریر بھی اور اس میں مبالغہ آرائی اور حد سے تجاوز مزید برآں یہ کہ اس نے عوام کو اپنی ذات اور اپنے فرقہ کے علاوہ دوسرے سب لوگوں کی تکفیر پر برانگیختہ کیا ہے۔

یہاں پر تین امور ہیں جو اس قصیدہ کا خلاصہ مقصود ہیں۔

۱۔ ان تین میں سے پہلا امر (قصیدہ کا علم کلام میں ہونا) حرام ہے۔ کیونکہ علم کلام کی جہاں مبتدعین کے رد کے لیے ضرورت ہے وہاں اس سے نہی نہی تنزیہ ہو تو ہو لیکن جہاں اس کی طرف حاجت نہیں ہے وہاں پر اس کی نہی تحریمی میں کیا کلام ہو سکتا ہے تو پھر باطل نظریات کی ترویج و اشاعت کی حرمت میں کس کو شک و تردد ہو سکتا ہے۔

۲۔ دوسرا امر یہ ہے کہ علماء کرام کا ایسے نظریات کے حامل اشخاص میں کفر اور عدم کفر کے متعلق اختلاف ہے بشرطیکہ اس نظریہ فاسدہ میں اس قدر مبالغہ اور تجاوز نہ ہو مگر اس قدر مبالغہ اور حد و نہایت سے تجاوز کی صورت میں اختلاف باقی رہنے کی کوئی وجہ نہیں ہے اور ایسے لوگوں کا کفر شک و شبہ سے بالاتر ہے۔

۳۔ تیسرا امر یعنی تمام اہل السنت کو کافر قرار دینا اپنے آپ کو کافر بنانے کے مترادف ہے کیونکہ ہم قطعی طور پر جانتے ہیں کہ یہ تینوں گروہ حنفی، شافعی، مالکی اور ان کے ساتھ نظریاتی اتحاد و اتفاق رکھنے والے حنابلہ مخلص مسلمان ہیں اور قطعاً کافر نہیں ہیں۔ لہٰذا یہ دعویٰ کہ وہ سب کافر ہیں اور لوگوں کو انہیں کافر کہنے پر ابھارنا کیوں کر کفر نہ ہو گا۔ حالانکہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے "اِذَا قَالَ الْمُسْلِمُ لِاَخِیْهِ یَا کَافِرُ فَقَدْ بَاءَ بِهَا اَحَدُهُمَا"، جب مسلمان اپنے کسی بھائی کو یا کافر کہہ کر پکارے تو لامحالہ ان دو میں ایک ضرور اس کے ساتھ موصوف ہو کر رہے گا۔ جن لوگوں کی انہوں نے تکفیر کی ہے ان میں سے بعض کو صاحبِ ایمان و اسلام ماننے بغیر چارہ نہیں ہے۔ اور حدیثِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا مقتضیٰ یہ ہے کہ ان دو میں سے ایک کافر ہو گا تو لامحالہ اہلِ اسلام کی تکفیر کرنے والے ہی کفر کے ساتھ موصوف ہوں گے۔ بعد ازاں علامہ سبکی نے امام الحرمین کا سجزی پر رد و قدح ذکر کیا اور عبارت کو بہت طول دیا۔ مگر ہم نے اسی قدر پر اکتفاء کیا ہے کیونکہ ہمارا مقصد حشویہ کا عقیدہ بیان کرنا اور ان کے اقوال پر رد و قدح کرنا نہیں ہے یہ بحث دوسرے مقامات سے متعلق ہے ہذا واللہ اعلم۔ یہ تھا تبصرہ امام سبکی کا جو ہم نے علامہ زبیدی کی شرح احیاء سے نقل کیا۔

ابن تیمیہ اور اس کے متبعین کی کتابوں سے اجتناب لازم ہے

جب ابن تیمیہ اور اس کے مذہب حشویہ کا حال تمہیں معلوم ہو گیا تو تمام حنفی و شافعی اور مالکی و حنبلی صالح و موفق اہلِ اسلام پر لازم ہے کہ وہ ابن تیمیہ اور اس کی جماعت کے مصنفین کی عقائد سے متعلق کتابیں پڑھنے سے گریز کریں تاکہ ضلالت و گمراہی کے کنوئیں میں نہ جا گریں اور دولتِ ایمان گنوا بیٹھنے کے بعد ندامت و شرمساری کسی کام نہیں آئے گی۔

نعمان آفندی آلوسی بغدادی صاحب جلاء العینین کا حنفیت سے خروج

سید نعمان آفندی آلوسی نے جلاء العینین میں ابن تیمیہ کے متعلق جس حسن ظن کا مظاہرہ کیا ہے اور اس کی فحش غلطیوں

پر پردہ ڈالنے کی سعی نامشکور کی ہے اس سے دھوکہ نہیں کھانا چاہیئے۔ اور نہ یہ گمان کرنا چاہیئے کہ وہ حنفی مسلمان اور اہل السنت والجماعت سے ہیں کیونکہ وہ اس کتاب کی وجہ سے حنفیت بلکہ سنیت سے بھی خارج ہوگئے ہیں۔ اور ابن تیمیہ کی جماعت کے رکن رکین بن گئے ہیں اور اس کے مذہب یعنی مذہب وہابیہ کے ناصر ومعاون بن گئے ہیں۔ اگرچہ وہ بلاشبہ اہل اسلام کے زمرہ میں داخل ہیں مگر اہل السنت کے ساتھ مخالفت کی وجہ سے بدعتی ضرور ہیں۔

وہابیہ وحشویہ کی فریب کاری

یہ لوگ اہلِ اسلام کو دھوکہ دیتے ہیں اور ضعیف العقل متعلمین اور عوام مسلمین کو یہ باور کراتے ہیں کہ ہم تو سلف صالحین کے مذہب ومسلک پر ہیں اور اسلاف کی طرح اللہ تعالےٰ کی صفات میں وارد نصوص میں تاویل نہیں کرتے بخلاف اہل السنت اشاعرہ وماتریدیہ کے وہ ان کی تاویل کرتے ہیں اور ان کو خلافِ ظاہر پر حمل کرتے ہیں۔

یہ لوگ اگر اسی بات پر اکتفاء کرتے تو البتہ راہ راست پر ہوتے لیکن انہوں نے دوسرے عقائد اختیار کر لیے جو اللہ تعالیٰ کے لیے جہت ومکان وغیرہ کا وہم پیدا کرتے ہیں۔ اور ان کے علاوہ ایسے ہی دوسرے عقائد کی وجہ سے اہل السنت کے خلاف ہیں۔ ہم یہ نہیں کہتے کہ ان کا ہر عقیدہ اور ہر قول باطل ہے بلکہ ہمارے نزدیک ان کے وہ عقائد اور اقوال باطل ہیں جن میں انہوں نے اہل السنت یعنی احناف، شوافع، مالکیہ اور بعض حنابلہ کے اجماعی اور متفق علیہ نظریات وعقائد کی مخالفت کی ہے۔ اور چونکہ ان کے کلام میں حق وباطل اور صواب وناصواب باہم مختلط ہوگیا ہے اور اکابر علماء کے ماسوا کے لیے اس میں حق وباطل کے درمیان امتیاز کرنا مشکل ہے لہٰذا ان کی عقائد سے متعلق کتابوں کا مطالعہ کرنا درست نہیں ہے اور سب سے زیادہ ضروری یہ ہے کہ ابن تیمیہ امام الوہابیہ والحشویہ کی کتابوں سے پرہیز کیا جائے۔ اور ان سب سے زیادہ اہم اور ضروری امر یہ ہے کہ اس کی ان دو[1] کتابوں منہاج السنۃ اور کتاب المعقول والمنقول جس کو کتاب العقل والنقل بھی کہا جاتا ہے، سے اجتناب کیا جائے۔

صفات متشابہات کے متعلق اہل السنت کا عقیدہ اور حشویہ وہابیہ کے دعویٰ کی حقیقت

محققین اہل السنت بھی اللہ تعالےٰ کے حق میں وارد صفات متشابہات میں عدم تاویل پر اعتماد کرتے ہیں۔ لیکن وہ حشویہ کی طرح تاویل کرنے والوں کو گمراہ اور بیدین نہیں سمجھتے جیسے کہ تاویل کرنے والے ان کو اپنے ظاہر پر رکھنے والوں کو راہِ راست سے بھٹکے ہوئے نہیں سمجھتے اور تاویل نہ کرنے والوں کو بیدین قرار نہیں دیتے بشرطیکہ ان کے متعلق صفاتِ حوادث کی مانند ہونے کا اعتقاد نہ رکھیں جو اللہ تعالےٰ کے حق میں محال ہیں۔

اس تقریر سے تمہیں معلوم ہو گیا ہوگا کہ مذہب سلف کی اتباع کا دعویٰ کرکے اور صفات متشابہہ میں عدم تاویل کا دعویٰ

کرکے لوگوں کو جو دھوکہ دیا جاتا ہے درحقیقت اہل السنت کا مذہب یہی ہے اور ان کے نزدیک راجح ومختار امام عبدالوہاب شعرانی «الیواقیت والجواہر» میں اس پر سیر حاصل بحث کی ہے۔ اور شیخ محی الدین بن العربی کی بے شمار عبارات نقل کی ہیں جو عدم تاویل میں مذہبِ سلف کی تائید کرتی ہیں۔ اور علامہ زبیدی نے شرح احیاء میں اس مسئلہ میں مذاہب اہل السنت بیان کئے ہیں اور جمہور کا مسلک یہی بیان کیا ہے کہ وہ طریقۂ سلف یعنی عدم تاویل کو ترجیح دیتے ہیں۔

اس حقیقت پر مطلع ہونے کے بعد آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ ابن تیمیہ اور اس کی جماعت کے مبلغین مثل ابن زفیل صاحب «قصیدہ نونیہ اور ابن قیم کا بھی ایک قصیدہ نونیہ ہے جس میں سے اکثر اشعار نعمان آلوسی نے جلاء العینین میں سے نقل کئے ہیں» جس چیز سے لوگوں کو ڈراتے ہیں (تاویل نصوص اور ان کا صرف عن الظاہر) وہ بے موقعہ و بے محل ہے کیونکہ جمہور اکابر اہل السنت خود عدم تاویل کے قائل ہیں۔ البتہ وہ ان مسائل کی تقریر میں ایسا انداز اختیار نہیں کرتے جس سے سامعین کو یہ وہم پیدا ہو کہ اللہ تعالےٰ جہت میں ہے اور صاحب جسم ہے نعوذ باللہ من ذالک بخلاف اس جماعت کے قصائد اور دیگر کتب کی عبارات کے انہوں نے ان میں اس درجہ مبالغہ کیا ہے کہ سامع وقاری کے عقیدہ میں مختلف اوہام وشکوک پیدا ہونے کا خدشہ لاحق ہوتا ہے خصوصًا جب کہ وہ عوام یا ضعیف العلم طلبہ میں سے ہوں۔ اسی لیے اہل السنت نے ان کو بدعتی قرار دیا ہے اور اللہ تعالیٰ کے متعلق جہت ومکان کا قائل قرار دیا ہے۔ اور ان کو حشویہ، مجسمہ اور مشبہہ کے اسماء سے تعبیر کیا ہے جیسے کہ شرح مسائرہ لکمال بن ابی شریف اور شرح الاحیاء الزبیدی وغیرھما میں ہے۔

ابن تیمیہ کا اللہ تعالیٰ کے حق میں لفظ جہت کا اطلاق

میں نے امام حشویہ ووہابیہ ابن تیمیہ کی کتاب منہاج السنت میں تفصیلی بحث جہت کے متعلق دیکھی ہے جس سے اس کے باری تعالےٰ کے متعلق اعتقادِ جہت کا واقعی ہونا معلوم ہوتا ہے (اور محض الزام نہیں رہتا) حالانکہ بقول علماء اعلام اسلاف سے بالکل لفظ جہت کا اطلاق اللہ تعالےٰ کے حق میں ثابت نہیں ہے۔ تو اس کے طریقۂ اسلاف کی اتباع کے دعویٰ کے پیش نظر لازم تھا کہ لفظ جہت کا اللہ تعالےٰ پر اطلاق ممنوع قرار دیتا اور ان بے معنی اور لاحاصل تفصیلات کو ذکر نہ کرتا۔ جب کہ یہ محض مغالطات ہیں اور سلف صالحین سے ثابت نہیں ہیں۔ اور وہ خود ہر وقت اتباعِ سلف کے لزوم (اور ان سے اختلاف کے انجام بد) سے ڈراتا ہے مگر جب ان تفصیلات کو بیان کیا ہے تو اسلاف میں سے کسی کی طرف ان کی نسبت نہیں کی بلکہ اپنی طرف سے ان کو بیان کیا ہے اور متعدد بار مختلف مقامات پر ان تفصیلات کا اعادہ وتکرار کیا ہے۔ لہٰذا جن علماءِ اعلام نے اس کی طرف جہت کے عقیدہ کی نسبت کی ہے وہ محض الزام نہیں بلکہ بالکل حقیقت ہے وہ حقیقۃً اسی امر کا معتقد ہے بلکہ بہت سے ائمہ حنابلہ سے بھی اعتقاد جہت نقل کیا ہے بخلاف بعض علماء کے زعم کے جنہوں نے اس نسبت کو خطا قرار دیا ہے۔

منہاج السنت کے صـ۲۱۶ پر رافضیوں کا رد کرتے ہوئے کہا ہے۔ رافضی کا یہ دعویٰ کہ اللہ تعالےٰ جہت میں نہیں ہے۔

وعلی الاطلاق درست نہیں ہے) کیونکہ لوگوں کے لفظ جہت اطلاق کرنے میں تین قول ہیں - ایک گروہ اس کی نفی کرتا ہے دوسرا طائفہ اس کو ثابت کرتا ہے - اور تیسرا گروہ تفصیل کرتا ہے (ایک معنی کے لحاظ سے اطلاق ممنوع قرار دیتا ہے تو دوسرے کے پیش نظر ثابت کرتا ہے) اور یہ نزاع ائمہ اربعہ کے متبعین جو اللہ تعالے کے لیے صفات زائدہ ثابت کرتے ہیں ان میں بھی موجود ہے - اہل حدیث اور اہل السنۃ الخاصہ کا جہت کی نفی واثبات میں نزاع واختلاف معنوی نہیں ہے بلکہ محض لفظی ہے۔ لہٰذا امام احمد کے متبعین کا ایک گروہ تمیمیین اور قاضی ابویعلیٰ قول اول میں جہت کی نفی کرتے ہیں اور اکثر جہت کو ثابت مانتے ہیں اور قاضی ابویعلیٰ کا آخری قول بھی یہی ہے - تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ لفظ جہت سے کبھی امر موجود مراد لیا جاتا ہے اور کبھی امر معدوم اور یہ ہر ایک کو معلوم ہے کہ موجود یا خالق ہے اور یا مخلوق لہٰذا جب جہت سے مراد اللہ تعالے کے علاوہ کوئی امر موجود ہو تو وہ لامحالہ مخلوق ہوگا اور مخلوقات میں سے کوئی شیئ اللہ تعالے کا احاطہ نہیں کرسکتی اور اگر جہت سے مراد امر عدمی ہو یعنی مافوق العالم تو وہاں صرف اللہ وحدہ لاشریک لہ موجود ہے لہٰذا جب یہ کہا جائے کہ اللہ تعالے جہت میں ہے تو اس سے مقصود یہ ہوگا کہ عالم مخلوق سے ماوراء ہے جہاں پر مخلوقات کی انتہا ہے پس وہ سب پر فائق ہے اور سب سے بلند - انتہت عبارتہ -

یہ عبارت صراحتہً اس کا اعتقاد جہت بتلا رہی ہے - اور ایسے لفظ کے جواز اطلاق کی تصریح کر رہی ہے جس کو اللہ تعالے کے حق میں اسلاف میں سے کسی نے بھی اطلاق نہیں کیا ہے - اگرچہ انہوں نے صفت فوقیت وعلو اور صفتِ استواء علی العرش وغیرہ کا اطلاق کیا ہے جو کتاب وسنت میں وارد ہیں اور ان میں تاویل نہیں کی لیکن ان کو مخلوقات کے صفاتِ فوقیت یا علو اور استواء وغیرہ صفاتِ حوادث کے ساتھ تشبیہ بھی نہیں دی ہے جو تجسیم اور دیگر صفات مخلوقات کے تحقق وثبوت کو مستلزم ہیں۔ رہا لفظ جہت تو صرف یہ نہیں کہ اس کو اللہ تعالے کی جنابِ رفیع ومنیع میں اطلاق نہیں کیا بلکہ بعض نے تو اس کے اطلاق کو کفر قرار دیا ہے کیونکہ اس کا اطلاق واعتقاد عقیدۂ تجسیم کو مستلزم ہے -

البتہ ابن تیمیہ کی عبارت اللہ تعالیٰ کی مخلوقات کے ساتھ تشبیہ کو مستلزم نہیں ہے بلکہ اس نے تنزیہ باری کی تصریح کی ہے جس مقام پر کہا ہے - واللہ لایحصرہ ولایحیط بہ شیئ من المخلوقات - اللہ تعالے کا مخلوقات میں سے کوئی شیئ حصر واحاطہ نہیں کرسکتی۔

اور منہاج السنۃ کے حاشیہ پر مطبوع کتاب "بیان موافقۃ صریح المعقول لصریح المنقول" یعنی کتاب العقل والنقل کے ص۱۱۸ پر کہا ہے :- "جن الفاظ کا مطلب واضح نہ ہو یا ان میں معنی فاسد کا ایہام ہو ان کا استعمال ممنوع ہے"۔

فلاسفہ کی کتابوں میں جو ضلالات وگمراہی پائی گئی ہے ان کے عقلاء متقدمین نے ابتداء اس کا قصد وارادہ نہیں کیا تھا بلکہ ان کا مقصد اور غرض اصلی تحقیقِ امور ومعارف تھی - لیکن انہیں شبہات واوہام پیش آ گئے جن کی وجہ سے وہ گمراہ ہو گئے - جیسے کہ مشرکین فلاسفہ اور دیگر کفار بعض شبہات کی وجہ سے گمراہی میں مبتلا ہو گئے۔

لہٰذا جو شخص ان لوگوں کی ضلالت وگمراہی کے کشفِ حقیقت کا ارادہ رکھتا ہو اس پر لازم ہے کہ الفاظ مجملہ کے استعمال

میں ان کی موافقت سے کام نہ لے جب تک کہ اس کا معنی واضح نہ ہو اور مقصد اصلی سے باخبر نہ ہو - اور کلام معانی عقلیہ بینہ میں منحصر ہے معانی مشتبہہ اور عبارات مجملہ میں جاری نہ ہو، اور یہ طریقہ شرع وعقل دونوں میں نافع ہے - شریعت میں تو اس لیے کہ ہم پر اللہ تعالے اور اس کے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان پر ایمان لانا لازم ہے - لہٰذا جس امر کے متعلق ثابت ہو جائے کہ یہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے تو ہم پر اس کی تصدیق لازم ہے اگرچہ ہم اس کا معنی نہ سمجھیں - کیونکہ ہم قطعاً وحتماً جانتے ہیں کہ آپ صادق ومصدوق ہیں اور اللہ تعالے کے حق میں وہی اطلاق کرتے ہیں جو حق ہے - اور جن الفاظ مجملہ میں امت کا باہم نزاع واختلاف ہے مثلاً لفظ متحیز، جہت، جسم اور جوہر وعرض وغیرہ تو کسی کو یہ جائز نہیں ہے کہ ان اسماء کے مسمیات میں سے کسی کی نفی واثبات کو قبول کرے جب تک کہ اس کا معنی ومقصد اس پر واضح نہ ہو جائے - اگر ان الفاظ کا اطلاق کرنے والے نے صحیح معنی کا ارادہ کیا ہو جو قول معصوم کے مطابق ہو تو اس کا ارادہ برحق ہوگا - اور اگر ایسے معنی کا ارادہ کیا ہے جو قول معصوم کے خلاف ہے تو اس کا ارادہ باطل ہوگا - اگر بحث رہے گی تو صرف اس امر میں کہ آیا اس لفظ کا اطلاق درست ہے یا نہیں ہے اور یہ محض لفظی مسئلہ ہے کبھی معنی ومقصد صحیح ہوتا ہے اور اطلاق لفظ ممنوع ہوتا ہے کیونکہ اس کے اطلاق میں مفاسد ہوتے ہیں - کبھی اطلاق لفظ مشروع وجائز ہوتا ہے لیکن وہ معنی جس کا متکلم نے ارادہ کیا ہوتا ہے باطل ہوتا ہے جیسے کہ حضرت علی کرم اللہ وجھہ الکریم نے خوارج و مارقہ کے استدلال "لَا حُکْمَ اِلَّا لِلّٰہ" حکم صرف اللہ تعالے کے لیے ہے نہ کہ ثالثوں کے لیے پر تبصرہ کرتے ہوئے فرمایا "کَلِمَۃُ حَقٍّ اُرِیْدَ بِھَا الْبَاطِلُ" یہ کلمہ تو برحق ہے مگر اس سے غلط اور باطل معنی کا ارادہ کیا گیا ہے - انتہی بقدر الحاجۃ جس نے تمام بحث دیکھنی ہو تو اصل کتاب کی طرف رجوع کرے -

منہاج السنۃ اور کتاب العقل والنقل کی عبارات میں باہم تخالف وتضاد

یہ عبارت منہاج السنۃ کی اُس عبارت کے بالکل خلاف ہے جو میں نے لفظ جہت کے متعلق ابھی نقل کی ہے - کیونکہ اس عبارت میں اس نے تصریح کی ہے کہ حنبلی مذہب کے اکثر علماء اور علی الخصوص قاضی ابویعلیٰ آخری قول میں اللہ تعالے پر اطلاق جہت کو جائز رکھتے ہیں - تعالے اللہ وتقدس عن الجہات وعن جمیع صفات الحادثات - اور ابن تیمیہ نے یہ بھی تصریح کی ہے کہ جو تفصیل میں نے ذکر کی ہے اس کے تحت اطلاق جہت میں کوئی قباحت نہیں ہے - اور یہی بعینہٖ جہت ممنوع کا اطلاق ہے کیونکہ اس نے قائل جہت کی مانند اس کا اطلاق کر دیا حالانکہ کتاب وسنت میں قطعاً اس اطلاق کا ثبوت نہیں ہے اور اس اطلاق کی شدید ممنوعیت موجود ہے - جو معنی جہت کا ابن تیمیہ نے ذکر کیا ہے اور جس کو تفصیل سابق کی رُو سے جائز رکھا ہے سب لوگوں کا عندالاطلاق یہی مقصد ہوتا ہے - اور اس کے علاوہ دوسرا کوئی معنی ان کے گوشۂ خیال میں نہیں ہوتا - اور وہی جہت کا متبادر معنی ہے جو اس لفظ کے اطلاق سے ذہنِ سامع میں آتا ہے - لہٰذا اس کی بیان کردہ تفصیل سے زوال محذور کا فائدہ حاصل نہیں ہوا - بلکہ وہ محذور یعنی توہم تجسیم وتشبیہ اسی طرح باقی ہے جیسا کہ کسی صاحب انصاف پر مخفی نہیں ہے -

خود ابن تیمیہ اپنی اس پچھلی عبارت میں ایسے الفاظ کا اطلاق ممنوع قرار دے چکا ہے جو شریعت میں وارد نہ ہوں کیونکہ ان کے اطلاق سے مفسدہ کا اندیشہ ہوتا ہے خواہ عند القائل صحیح معنی ہی مراد کیوں نہ ہو۔ اور اللہ تعالیٰ پر لفظ جہت کے اطلاق سے بڑھ کر کون سا مفسدہ ہو سکتا ہے کہ اس ذاتِ اقدس کے حق میں مجسّم ہونے اور خلق کے مشابہ ہونے کا وہم پیدا ہو۔ الغرض اس کی یہ عبارت لفظ جہات کے اطلاق کو ممنوع قرار دیتی ہے کیونکہ اس میں عظیم مفسدہ موجود ہے۔ اور منہاج میں اس اطلاق کو جائز رکھا ہے اور یہی اس کا مشہور و معروف مذہب ہے۔ اگرچہ اس کے بعض طرف دار اس کی شدید قباحت کے پیش نظر اس کا انکار کرتے ہیں لیکن وہ خود اس کو قبیح نہیں سمجھتا اور بغیر کسی خوف و جھجک کے بعض کتابوں میں اس کی تصریح کرتا ہے اور جب بعض اوقات حق اس پر واضح ہوتا ہے تو دوسری کتابوں میں اپنے قول کا خلاف ذکر کر دیتا ہے۔ اور اس کا بنیادی سبب یہی ہے کہ اس کا علم بہت ہے اور اس پر پابندی عائد کرنے والا عقل مفقود ہے۔

رہا اللہ تعالیٰ پر جہت کے اطلاق میں مفسدہ کا انکار تو یہ محض مکابرہ اور سینہ زوری ہے اور وہی شخص ایسا دعویٰ کر سکتا ہے جس کو کسی بھی صادر ہونے والے امر کی پروا نہیں ہوتی اور وہ انتہائی جسور و بیباک ہو۔

لفظ جہت کا شریعت مطہرہ میں وارد نہ ہونا خود اس کی صریح عبارت کا منطوق و مدلول ہے۔ کیونکہ اس نے اس لفظ کو ان الفاظ کی صف میں ذکر کیا ہے جن کا اطلاق شریعت غرا میں وارد نہیں ہے اور جن کے اطلاق میں امت کا باہم نزاع و اختلاف ہے مثل لفظ متحیز، جسم، جوہر و عرض اور جہت اور ان الفاظ کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت امور کے مقابل ذکر کیا اور جو کچھ فخر دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہوا اس کا حکم یہ بیان کیا کہ اس کا معنی و مفہوم سمجھ آئے یا نہ اس پر ایمان لانا فرض و لازم ہے اور جن الفاظ کا اطلاق صاحب شرع سے منقول نہیں ہے خوف مفسدہ کے تحت ان کا اطلاق درست نہیں ہے۔ اور انہیں میں لفظ جہت بھی داخل ہے۔ اور وہ صفات متشابہہ جن کا کتاب و سنت میں وارد ہونا ہر ایک کو معلوم ہے مثلاً استواء علی العرش وغیرہ ان کے متعلق ابن تیمیہ نے تصریح کر دی ہے کہ ان کا معنی نہ سمجھ آئے تو بھی ان پر ایمان لانا اور ان کی تصدیق کرنا ضروری ہے اور یہ بھی تصریح کی کہ بعض اوقات ان سے اطلاق کرنے والے باطل معانی کا ارادہ کرتے ہیں جیسے کہ فرقِ ضالہ مبتدعہ مجسمہ اور مشبہہ جو ان الفاظ و صفات سے ان کا ظاہری معنی مراد لیتے ہیں اور اسی کا اللہ تعالیٰ و تقدس کے حق میں عقیدہ رکھتے ہیں۔ اور انہیں میں سے غالی حنبلی ہیں جنہوں نے صرف ظاہری الفاظ پر اپنی نظروں کو مرکوز رکھا اور ان کے معانی ظاہرہ کے اللہ تعالیٰ کے حق میں محال ہونے کا بنظر غائر اور فکر دقیق سے جائزہ نہ لیا۔

ابن تیمیہ کی یہ عبارت اس کے اعتقاد تجسیم و تشبیہ سے بری ہونے کی صریح دلیل ہے لیکن جہت کا عقیدہ اس نے بہر حال اپنا رکھا ہے جس طرح کہ منہاج السنۃ کی صریح عبارت سے ظاہر ہے۔ اور یہ اعتقاد بذاتِ خود بدعت شنیعہ ہے خواہ اس کے ساتھ اعتقاد تجسیم نہ بھی ہو بلکہ بعض علماء اعلام نے اس کے معتقد کو کافر قرار دیا ہے۔

اعتقاد جہت کا ائمہ اعلام کے نزدیک کفر ہونا

امام نووی شافعی۔ امام ابن ابی جمرہ مالکی نے تصریح کی ہے کہ اگر معتقد جہت عوام جہال سے نہ ہو اور نفی جہت کا فہم و شعور ان عوام پر متعسر نہ ہو تو اس کا اعتقاد رکھنے والا کافر ہے۔ اور یہ خود واضح ہے کہ علماء اعلام پر نفی جہت کا سمجھنا کیوں کر دشوار ہو سکتا ہے۔ ان دونوں ائمہ کا یہ فتویٰ امام ابراہیم اللقانی المالکی نے "جوہرۃ التوحید کی شرح ہدایۃ المرید" میں ذکر کیا ہے۔ اور وہ خود ان دونوں ائمہ کی طرح اکابر ائمہ اہل السنت سے ہیں تفصیلی مبحث اور اصل عبارت ملاحظہ ہو۔

امام موصوف نے اپنے شعر ؎

وَكُلُّ نَصٍّ أَوْهَمَ التَّشْبِيهَا ۔۔۔ أَوِّلْهُ أَوْ فَوِّضْ وَرُمْ تَنْزِيهَا

ہر وہ نص جو تشبیہ کا وہم پیدا کرے اس کی شانِ الوہیت کے لائق تاویل کر یا اس کا علم حقیقی اللہ تعالیٰ کے سپرد کر اور تنزیہ کا قصد و ارادہ کر۔

کی شرح کرتے ہوئے تین تنبیہات کا ذکر کرنے کے بعد چوتھی تنبیہ یہ ذکر کی ہے۔ کہ امام عز الدین بن عبد السلام نے فرمایا معتقد جہت کافر نہیں ہے۔ اور امام نووی نے اس کو عامی شخص کے ساتھ مخصوص و مقید کر دیا ہے۔ اور امام ابن ابی جمرہ نے اس کو نفی جہت کے فہم و شعور سے عاری ہونے کے ساتھ مقید فرمایا۔ انتہت عبارۃ اللقانی۔

البتہ جو تفصیل ابن تیمیہ نے بیان کی ہے اس کا کوئی شخص قائل نہیں ہے۔ اور اس کا مقصدِ وحید صرف یہی تھا کہ اس اپنی بدعت شنیعہ کی شناعت و قباحت پر پردہ ڈالے۔ اور اس کی ہولناکی کو کم کرے مگر یہ مقصد پورا ہونا ناممکن ہے اور بالکل ناممکن۔

الغرض جب ابن تیمیہ کی کتابیں طبع ہو کر شائع ہو چکی ہیں۔ اور ان میں عقائد سے متعلق ایسے مسائل ہیں جو مسلک اہل السنت کے خلاف ہیں اشاعرہ ہوں یا ماتریدیہ۔ تو اس زمانہ کے اکابر علماء پر یہ لازم ہے کہ ان مسائل کو بیان کریں اور ان کے فساد و بطلان پر عوام الناس کو متنبہ کریں تاکہ لوگ ان سے اجتناب کریں اور اپنے عقائد کو خراب نہ کریں۔

اور ان مسائل میں سے ایک اہم مسئلہ اعتقاد جہت کا بھی تھا جس کا بعض حنابلہ نے تو انکار کیا اور اس اعتقاد سے بیزاری کا اظہار کیا مگر ابن تیمیہ اپنے اس اعتقاد کی تصریح کرتا ہے اور یہ بھی دعویٰ کرتا ہے کہ حنابلہ کی کثیر جماعت بلکہ اکثریت اسی عقیدہ پر رہے تو میں نے راہِ راست یہی سمجھا اور اپنے اوپر اس امر کو واجب و لازم سمجھا جس کی تعمیل سے چارہ نہیں ہوا کرتا کہ ایک ایسا رسالہ لکھوں جس میں مذاہب اہل السنت والجماعت یعنی اشعریہ و ماتریدیہ کے اکابر علماء کے اقوال نقل کروں جن سے اللہ تعالیٰ کے حق میں جہت کا استحالہ واضح ہو جائے۔ چنانچہ میں نے اس انداز میں ایک رسالہ تالیف کیا جس کا نام "رفع الاشتباہ فی استحالۃ الجہۃ علی اللہ" رکھا ہے اور میں اسے حرف بحرف یہاں نقل کرتا ہوں تاکہ وہ بھی اس کتاب کا حصہ بن جائے۔

واللہ الموفق للصواب

رفع الاشتباہ فی استحالۃ الجہۃ علی اللہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، تمام محامد وکلمات ثناء اللہ تعالےٰ کے لیے ہیں جو جہات سے منزہ ہے اور تمام صفاتِ حادثہ سے بالاتر ہے۔ ان تمام صفات سے موصوف ہے جن کے ساتھ اس نے کتاب عزیز میں اپنے آپ کو موصوف کیا اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان حقیقت ترجمان پر یعنی فوقیت، علویت اور استواء علی العرش کے ساتھ جیسے کہ اس کی مراد ہے اور اس کے شایانِ شان کمالات وصفات ہیں بغیر اعتقاد جہت اور تاویل وحرفِ ظاہر کے۔ نیز وجہ و ید اور ایدی کے ساتھ متصف ہے نیز عین واعین اور نزول وھرول اور مجی وذہاب سے جو معنی ومقصد بھی ان کا اللہ تعالےٰ کے علم وارادہ میں ہے بغیر تاویل اور تشبیہ وتمثیل کے۔

صلوٰۃ وسلام اللہ تعالےٰ اور اس کی تمام مخلوق کی طرف سے سیدنا محمد سید العالمین پر نازل ہونے والا ہو۔ اور ان کے اصحاب وآل پہ جو ہدایت حاصل کرنے والوں کے لیے نورِ ہدایت پھیلانے والے روشن ستارے ہیں۔ اما بعد!

یہ رسالہ ہے بعنوان "رفع الاشتباہ فی استحالۃ الجہۃ علی اللہ" میں نے جس میں اللہ تعالےٰ کے حق میں جہت کا محال ہونا صحیح نقول وعباراتِ اکابر کے ساتھ واضح کیا ہے۔ اور ایسے دلائل عقلیہ ونقلیہ کے ساتھ کہ جن کو ہر اس شخص کا دل قبول کرے گا جو شکوک وشبہات کے میل کچیل سے صاف ستھرا ہے اور اس کی عقل وفہم نور فراست سے منور وروشن ہے اور اللہ کو مخلوقات کی مشابہت سے منزہ ومبرا تسلیم کرتا ہے۔ اور یہ رسالہ اس شان کا مالک کیونکر نہ ہو جب کہ یہ صحیح ترین نقول شرعیہ پر مشتمل ہے جو ائمہ امت یعنی فقہاء، متکلمین اور صوفیہ ومحدثین مثل امام غزالی۔ امام فخر الدین رازی۔ امام عز الدین بن عبد السلام، شیخ اکبر محی الدین بن العربی، ابن اھبان۔ امام یافعی، امام عبد الوہاب شعرانی۔ علامہ ابن حجر ہیتمی مکی۔ علامہ شہاب رملی۔ امام کمال الدین بن الہمام، سید مرتضیٰ زبیدی، علامہ نسفی، علامہ ناصر الدین بن المنیر، علامہ لقانی، علامہ باجوری اور دیگر ائمہ شافعیہ، حنفیہ، مالکیہ سے منقول ہیں اور بعض حنبلی ائمہ اکابر اور علماءِ اعلام مثل علامہ ابن الجوزی سے بھی یہی تصریحات منقول ہیں۔ اللہ رب العزت ان تمام کو اپنی رحمت خاصہ سے نوازے اور ہمارا حشر بھی ان کے ساتھ زمرہ مہتدین میں کرے لواء سید المرسلین صلی اللہ علیہ وعلی آلہٖ وصحبہٖ اجمعین کے تحت کرے۔

سید مرتضیٰ زبیدی شرح الاحیاء میں اللہ تعالےٰ کے مختص بالجہۃ ہونے کا استحالہ بیان کرنے کے بعد فرماتے ہیں۔ اس عقیدہ میں درحقیقت کوئی سنی اختلاف نہیں رکھتا نہ کوئی محدث وفقیہہ اور نہ کوئی دوسرا عالم وفاضل اور نہ ہی شریعت میں لسانِ نبوت سے قطعاً جہت کی تصریح وارد ہوئی ہے جیسے کہ ان کی عبارت تفصیلاً اپنی جگہ پر بیان کی جائے گی۔ اللہ تعالیٰ کا جہت میں ہونا فقط بعض آیات واحادیث کے ظاہری معنی ومفہوم سے حنابلہ کی اکثریت نے سمجھا اور بعض متاخرین محدثین نے۔ اور جمہور امت کی مخالفت کرتے ہوئے اس عقیدہ کو اپنا لیا۔ واللہ یغفر لنا ولہم اجمعین۔

جو شخص اس رسالہ کو صحیح غور وفکر کے ساتھ اور بنظر انصاف پڑھے گا اور تعصب واعتساف کو درمیان میں حائل نہیں ہونے دے گا تو اس کے نزدیک اللہ تعالےٰ کے حق میں جہت کا استحالہ اس قدر حتمی وقطعی قوی وقویم براہین اور مستقیم ومعنوی طرف

سے ثابت ہو جائے گا کہ پھر شکوک وشبہات کی گنجائش باقی نہیں رہے گی اور ہمارے پیش کردہ براہین ودلائل اور نقول وشواہد اس قدر واضح وظاہر ہیں کہ ان کے سمجھنے کے لیے کسی خاص تحقیق وتدقیق کی ضرورت نہیں ہے بشرطیکہ اللہ تعالےٰ نے ذرہ بھر نور ہدایت وتوفیق رحمت فرمایا ہو۔

اب میں اصل مقصد کی طرف آتا ہوں اور پہلے پہل اپنی طرف سے چند واضح عبارات کو اقناعی اسلوب وانداز میں ذکر کر کے آغاز کلام کرتا ہوں جن میں ان سادات اور اکابر علماء امت کے مقاصد ومطالب کو ملخص طریقہ پہ بیان کیا گیا ہے۔ فاقول وباللہ التوفیق ہم معشر اہل السنت اسلاف واخلاف پر عہد نبوی سے لے کر اب تک یہ امر بالکل واضح وظاہر ہو چکا ہے جس میں ذرہ بھر شک وارتیاب کی گنجائش نہیں ہے کہ راہِ صواب صراح اور طریقِ حق متنیر وضاح یہی ہے کہ اللہ تعالےٰ تمامتر جہاتِ علویہ وسفلیہ سے منزہ ہے کیونکہ وہ حوادث ومخلوقات کی صفات سے ہیں۔ یہی عقیدہ ہے جمہور علماء واولیاء امت کا شافعیہ وحنفیہ ہوں یا مالکیہ اور بعض حنابلہ اور تمامتر صوفیہ صافیہ کا جو ہداۃ امت کا صفوۃ الصفوہ ہیں۔ اہلِ ملت کا خلاصۃ الخلاصہ اور متبعینِ کتاب وسنت میں سے خاصۃ الخاصہ۔ جمہور امت اختلافِ مذاہب اور تنوعِ مشارب ومسالک کے باوجود ہر دور اور ہر علاقہ میں ہر قصبہ وشہر میں، اور ہر بادیہ وآبادی میں اس اعتقاد پر متفق ومتحد رہے ہیں کہ اللہ تبارک وتعالےٰ جہات سے اور تمام اوصافِ حوادثات ومخلوقات سے منزہ ہے۔ جس طرح وہ ذاتِ والا اس سے منزہ ہے کہ ہماری جہات ستہ فوق۔ تحت۔ یمین وشمال اور قدام وخلف میں کوئی اس کے لیے خاص ومحیط ہو اس طرح وہ اس سے منزہ ومقدس ہے کہ اس کی ذات مقدسہ کے لیے ان جہات میں سے کوئی جہت ہو لہٰذا نہ اس کے لیے کوئی فوق ہے۔ نہ تحت نہ یمین اور نہ شمال۔ نہ قدام اور نہ ہی خلف۔ یہ سب کے سب اس کے حق میں محال ہیں کیونکہ یہ صفاتِ مخلوق سے ہیں۔ اور اس میں علویات وسفلیات کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے۔ اللہ تعالےٰ مکان وزمان اور جہات سے بالکل منزہ ومبرا ہے۔

بعض آیات واحادیث میں اطلاق جہت کی حقیقت اور بنیادی وجہ

چونکہ ذات باری تعالےٰ کا بغیر جہت کے ہونا ناقابلِ فہم عوام تھا اور علی الخصوص ابتداء اسلام میں جب کہ جاہلیت تمام لوگوں کو اپنے گھیرے میں لیے ہوئے تھی۔ اور اکثر لوگ جانوروں کی مانند تھے۔ اُن میں عقل وفہم نام کی کوئی شئی تھی ہی نہیں۔ انہوں نے گمراہی اور ضلالت کی وجہ سے اشجار واحجار اور اوثان واصنام کی عبادت وپرستش شروع کر رکھی تھی۔ انہیں اللہ تعالےٰ کی پہچان کرانے کے لیے ایسی عبارات وتعبیرات کا سہارا لینا ضروری تھا جن کو ان کے عقول قاصرہ سمجھ سکتے۔ اور وہ سبھی اس سے قاصر تھے کہ ایک ذات کا تصور کر سکیں جو کسی جہت میں نہ ہو اور علیٰ ھذا القیاس اس دور سے لے کر اب تک عوام اہلِ اسلام کی اکثریت کا حال یہی ہے اور پتہ نہیں کب تک رہے علی الخصوص امت مسلمہ کا ہر فرد بچپن سے لے بلوغت اور کمالِ عقل تک رسائی سے قبل اس قابل نہیں ہوتا کہ ایسی ذات کا تصور کر سکے جو قطعاً کسی جہت میں نہیں ہے۔

جہت فوق اور جانب علو کی وجہ تخصیص

چونکہ جہت فوق اور جانبِ علو سب جہات سے اشرف و برتر تھی کیونکہ وہی مطلع کواکب وسیارگان ہے اور منبع و سرچشمۂ انوار وہی مصدر خیرات اور محل نزول برکات اور منشاء امطار ہے یعنی جگہ ہے بارانِ رحمت کے پیدا ہونے کی۔ اور وہی انسان کے حق میں تمام تر مقدرات الٰہیہ ماضیہ اور مستقبلہ کا اصل ہے۔ اللہ تعالےٰ کا ارشاد گرامی ہے "وَفِي السَّمَاءِ رِزْقُكُمْ وَمَا تُوعَدُونَ"، اور آسمان میں ہے رزق تمہارا اور جس کا وعدہ دیتے جاتے ہو لہٰذا ان وجوہات کے پیشِ نظر حکمتِ حکیم کا تقاضا یہی تھا کہ بعض آیات قرآنیہ اور احادیث نبویہ کا ورود اسی طریقہ پر ہو کہ وہ بظاہر اللہ تعالیٰ کے حق میں جہت فوق اور جانب علو کے اثبات وتحقق کا فائدہ دیں تاکہ اس ذاتِ بیچون وچرا کا تصور اذہانِ عوام کے قریب تر ہو سکے نیز اس میں اللہ تعالےٰ کے لیے عظمت و برتری کا اظہار بھی ہے کہ اس کی نسبت بلندی و فوقیت کی طرف کی گئی ہے۔ اور ان دو الفاظ یا ان کے مشابہ دوسرے الفاظ کی تاویل بالکل سہل اور آسان ہے کیونکہ ان سے حقیقتاً بلند مکانی مراد نہیں ہے بلکہ مکانت و مرتبت والی بلندی و برتری مراد ہے۔ اور ایسی فوقیت اللہ تعالیٰ کے لیے بہر حال ثابت ہے اور جو حضرات نفی جہات کے معتقد ہیں وہ بھی اس امر کی نفی قطعاً نہیں کرتے یعنی جمہور امت مسلمہ۔

الحاصل اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق سے قہر و غلبہ اور شرف و عزت کے لحاظ سے فوق ہے اور بلند و برتر اگرچہ وہ اس سے منزہ و مبرّیٰ ہے کہ جہت فوق وغیرہ اس کی ذات کا حصر و احاطہ کر سکے۔ اور یہ معنی خود لغت عرب میں مراد ہوتا ہے جس کو لوگ اپنے محاورات میں مراد لیتے ہیں۔ اور آیات وحدیث کی تفسیر اس معنی کے ساتھ کرنا۔ اور فوقیت وعلو کے معنی مرادی کو اس پر محمول کرنا نہ اللہ تعالےٰ کے شایانِ شانِ تقدیس وتنزیہہ کے خلاف ہے اور نہ اس میں خلل انداز۔ جیسے کہ جہت علو اور سمتِ فوق کا ذات باری تعالےٰ کے حق میں حقیقتہً اثبات اس تقدیس وتنزیہہ کے خلاف ہے جیسے کہ ابن تیمیہ اور اس کے متبعین بعض آیات و احادیث کے ظاہری معنی ومفہوم سے تمسک کرتے ہوئے اس کا عقیدہ رکھتے ہیں اور کسی قسم کی تاویل نہیں کرتے۔

اور یہ امر آپ کے علم میں آچکا ہے کہ بعض آیات واحادیث متشابہات کے اس انداز واسلوب پر وارد ہونے میں حکمت یہ ہے کہ جو لوگ قاصر وناقص اذہان وعقول کے مالک ہیں اور ذات باری کا تصور بغیر جہت کے نہیں کر سکتے ان پر رحم وکرم کیا جائے اور اس ذاتِ والا کے تصور کو ان کے لیے ممکن بنا دیا جائے۔ اور جہت علو اور فوق کی تخصیص میں بھی حکمت ومصلحت یہی ہے کہ وہ افضل و اعلیٰ جہت ہے۔

اللہ تعالیٰ کے لیے وجہ و ید وعین و اصبعین وغیرہ کے اثبات کی حکمت

بعض متشابہہ آیات واحادیث میں وارد الفاظ جو کہ صفات بشر کے قبیل سے ہیں مثل وجہ (منہ) ید (ہاتھ) ایدی (ہاتھوں) اصبعین (دو انگلیاں) اور سماء دنیا کی طرف نزول وغیرہ کے ذکر میں بھی حکمت ومصلحت یہی ہے کہ افہام انام قاصر وناقص ہیں لہٰذ

علی الخصوص آغاز اسلام میں ان کے لیے ایسے الٰہ اور معبود برحق کا تعقل وتصور ممکن نہ تھا جو ان کے ساتھ کسی بھی وجہ سے مشابہت ومناسبت نہ رکھتا ہو۔ بلکہ عین ممکن تھا کہ اگر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اول امر میں ان کے سامنے ایسے اوصاف کا ذکر نہ کرتے تو وہ ایسے الٰہ و معبود پر ایمان ترک کر دیتے جس کا وہ تصور بھی نہ کر سکتے تھے اور جب وہ شرفِ ایمان سے مشرف ہو گئے۔ ان کے دل انوارِ ایمان سے منور ہو گئے۔ عقول واذہان کامل ہو گئے اور عظمتِ باری سے شناسا ہوئے تو لامحالہ ان کو معلوم ہو جائے گا کہ ان اوصاف کا ظاہری معنی مراد نہیں ہے۔ بلکہ ان سے ایسے معانی مراد ہیں جو اللہ تعالےٰ کے شایانِ شان ہیں جن کا ادراک واحاطہ وہ اپنے عقول قاصرہ کے ساتھ نہیں کر سکتے۔ اگرچہ ان کو معلوم ہے کہ اللہ تعالےٰ تمام اوصافِ حادثات سے یقیناً منزہ ہے۔ اور اس کا احاطہ نہ زمانہ کر سکتا ہے اور نہ ہی مکان۔ اور نہ جہات میں سے کوئی جہت اس کے لیے حاصر ومحیط ہو سکتی ہے۔ اور اللہ تعالےٰ کے ساتھ ایمان وایقان کے درست ہونے کے لیے یہ لازم نہیں ہے کہ وہ اللہ تعالےٰ کی ذات مقدسہ کی حقیقت کا کما حقہٗ تصور کریں کیونکہ یہ محال ہے اور وہ اپنی ذات کو کما حقہٗ صرف آپ ہی جانتا ہے۔ اور ایمان باللہ میں یہی قدر کافی ہے کہ اس کے وجود اور صفات کمال کے اتصاف پر ایمان لایا جائے۔ اور تمام صفاتِ نقص سے اس کو منزہ ومبرّا تسلیم کیا جائے۔

پھر اگر چاہیں تو ان صفاتِ متشابہات کی تاویل کریں جو بعض آیات واحادیث میں وارد ہیں۔ اور ان کی ایسے معانی کے ساتھ تفسیر کریں جو اللہ تعالےٰ کی شانِ اقدس کے لائق ہیں جیسے کہ خلف اور متاخرین کا مذہب ومسلک ہے۔ اور اگر چاہیں تو ان کو اپنے حال پر چھوڑیں اور تاویل وغیرہ نہ کریں اور ان پر ایمان لے آئیں لیکن بغیر تشبیہ وتعطیل کے یعنی یہ عقیدہ نہ رکھیں کہ وہ ان صفات حادثہ کی مانند ہیں جن کو وہ جانتے ہیں اور ان کے ہاں معروف ومتعارف ہیں کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کے حق میں محال ہیں۔ اور نہ ہی یہ اعتقاد ہو کہ اللہ تعالےٰ کی ذات مقدسہ ان صفات کے ساتھ اتصاف سے قطعاً معطل ہے خواہ ان کے کچھ اور معانی ہی اللہ تعالےٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک مراد ہیں جو اس کے کمالِ الوہیت کے عین مطابق ہیں۔ اگرچہ ہمارے عقول قاصرہ ان کا احاطہ نہیں کر سکتے بلکہ ان کی حقیقت کا علم وادراک اللہ تعالےٰ کے سپرد کریں۔ وہ بہر حال یقیناً اس امر سے بخوبی آگاہ ہیں کہ ان آیات واحادیث متشابہہ سے ایسے معانی مراد ہیں جو اللہ تعالےٰ کے کمالاتِ الوہیت کے شایان ہیں نہ کہ وہ اعضاء اور بدن انسانی کے اجزاء جو ہمارے نزدیک معلوم ومتعارف ہیں یعنی چہرہ، ہاتھ۔ اور انگلیاں وغیرہ یہ سب اعضاء واجزا حادث ہیں اور اللہ تعالیٰ پہ محال کیونکہ ان کا ثبوت وتحقق خود اس ذات مقدسہ کے حدوث کو مستلزم ہو جائے گا العیاذ باللہ

اسی طرح اللہ تعالےٰ کے آسمان دنیا کی طرف نزول سے مراد یا تو اس کے مقرر کردہ فرشتہ کا نزول ہے جیسے کہ متاخرین کا مذہب ومسلک ہے یا اس کو بلا تاویل مذہب سلف اور متقدمین کے مطابق اپنے ظاہر پہ رکھا جائے لیکن یہ اعتقاد اچھی طرح دل ودماغ میں راسخ ہو کہ اس سے مراد وہ معنی ہے جو جناب باری کے لائق ہے اور نزول کا وہ معنی جو ہم سمجھتے ہیں یعنی بلندی سے پستی کی طرف آنا وہ قطعاً مراد نہیں ہے کیونکہ یہ حوادث کی صفت ہے اور اللہ تعالےٰ کا ان کے ساتھ اتصاف بالکل جائز نہیں ہے بلکہ ان سے اتصاف موصوف کے حدوث کو مستلزم ہونے کی وجہ سے محال وناممکن ہے۔

مذہب سلف کا رجحان اور وزنی ہونا

اس امر کو اچھی طرح ذہن میں رکھیں کہ تمام متشابہات میں مناسب و موزوں طریقہ وہی ہے جو اسلاف و متقدمین کا ہے یعنی نہ ان کو ظاہری معانی پر حمل کیا جائے اور نہ ان میں دوسرے معانی کے ساتھ تاویل و توجیہ کی جائے بلکہ ان کا علم حقیقی اللہ تعالےٰ کے سپرد کیا جائے اور ساتھ ہی ساتھ یہ اعتقاد راسخ ہو کہ یہ اللہ تعالےٰ کے لیے اوصاف کمال ہیں۔ اور حوادث کے مناسب ظاہری معانی کی اللہ تعالےٰ سے نفی کریں کیونکہ اس نظریہ کے تحت ان کو اپنے ظاہر پر رکھنے میں کوئی محذور اور ممنوع امر لازم نہیں آتا۔ اور ساتھ ہی ساتھ ان کا علم حقیقی اللہ تعالےٰ اور اس کے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے علم وارادہ کے سپرد کر دینے میں ادب و نیاز مندی کا اظہار بھی ہماری طرف سے ہو جائے گا۔

آیات واحادیث میں وارد جہت فوق وعُلوّ کی تاویل لازم وواجب ہے

وہ آیات واحادیث جن میں جہت فوق وعلو وارد ہے ان کی تاویل ضروری ہے اسی طرح جن میں اللہ تعالےٰ کا آسمان میں موجود ہونا مذکور ہے۔ کیونکہ اللہ تعالےٰ کا کمال الوہیت جو عقلی اور نقلی وجوہ سے جزماً وقطعاً ثابت ومحقق ہے وہ حتماً ویقیناً اسی امر کا متقاضی ہے کہ اس کا احاطہ نہ جہت فوق وعلو کر سکتی ہے نہ کوئی دوسری جہت جیسے کہ اس کا حصر واحاطہ نہ آسمان وزمین کر سکتے ہیں اور نہ دیگر مخلوقات میں سے کوئی شی۔ لہٰذا یقیناً معلوم ہو گیا کہ ان آیات واحادیث سے معنی ظاہر مراد نہیں ہے۔ بلکہ جہت علو چونکہ تمام جہات سے افضل واعلیٰ ہے اور خلق خدا کے لیے ایسی جہت کا ہونا ضروری ہے جہاں سے وہ عبادات میں اپنے معبود کی طرف متوجہ ہو سکیں اس لیے اللہ تعالےٰ کے لیے اوصافِ علویت وفوقیت کو ذکر کیا گیا تاکہ اللہ تعالےٰ انہیں اپنی رحمت وعنائت سے راہ ایمان و ایقان پر گامزن کرے اور گمراہی سے محفوظ فرمائے اور ساتھ ہی ادلۂ قطعیہ شرعیہ اور عقلیہ اس حقیقت پر دال ہیں کہ کوئی جہت اللہ تعالیٰ کا احاطہ نہیں کر سکتی علو ہو یا غیر اور ان نصوص کا ظاہری معنی مراد نہیں ہے اور امت مرحومہ کے جمہور ائمہ وعلماء اعلام نے ان کی تاویل وتفسیر ایسے معانی کے ساتھ کی ہے جو شانِ باری تعالےٰ کے لائق ہے اور وہ اس تاویل وتفسیر سے سبیل رشاد اور راہ راست سے بھٹکے نہیں ہیں اور کسی پر بھی یہ امر مخفی نہیں ہے کہ یہ عقیدہ اہم عقائد توحید سے ہے جو ذات باری تعالےٰ سے متعلق ہیں۔ لہٰذا ہم پر لازم ہے۔ کہ اس کا اعلیٰ درجہ کا اہتمام کریں۔ اور اس اہتمام کا لازمی تقاضا یہ ہے کہ ہم فقط اسی قدر پر اکتفا نہ کریں جس کا ہمارے عقولِ قاصرہ اور اذہانِ ناقصہ ادراک کرتے ہیں کیونکہ وہ تو حقائق توحید کا ادراک کرنے سے بہرحال قاصر ہیں۔ بلکہ ان کے ساتھ وہ ادراکات ومعلومات بھی ملانے ضروری ہیں جو اہل السنت والجماعت کے علماء اعلام اور ائمہ کرام نے ادراک کئے ہیں جو علوم ظاہرہ وباطنہ کے جامع ہیں جنہوں نے اپنی عمر کا گرانقدر سرمایہ تحصیلِ علم اور انواعِ عبادات وریاضات اور زہد وتقویٰ میں صرف کیا حتیٰ کہ اللہ تعالےٰ نے ان کے قلوب واذہان کو منور فرما دیا اور انہیں امور غیبیہ کے حقائق سے آگاہ فرما دیا۔ ارشاد

باری تعالےٰ ہے۔ "وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَيُعَلِّمُكُمُ اللّٰهُ"، تم اللہ تعالےٰ سے ڈرو تقویٰ وپرہیز گاری کا دامن تھامو اللہ تعالےٰ تمہیں علم ومعرفت سے بہرہ ور فرمائے گا۔ لہٰذا یہ مقدس ہستیاں یقیناً ہماری نسبت آیات واحادیث متشابہہ سے اللہ تعالےٰ اور اس کے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد کو زیادہ بہتر جانتے اور سمجھتے ہیں۔ اور جو چیز اللہ تعالیٰ کے شایان ہے اور جو صفات اس کے شایان شان نہیں ہیں ان کو ہم سے بہتر سمجھتے ہیں۔ کیونکہ ان کا علم متکاثر ہے، فہم متوافر ہے، دل کدورات سے صاف ہے، ادراک وفکر صائب وصحیح ہے اور نور بصیرت سے منور وروشن ہیں۔

علم حقیقت وشریعت کے جامع ائمہ کرام کا جہت فوق وغیرہ کے متعلق عقیدہ

ہم نے علوم ظاہرہ وباطنہ اور زہد وتقویٰ اور عبادات وریاضات کے جامع ائمہ اعلام اور دیگر علماء کرام کو دیکھا خواہ ان کا تعلق حنفی وشافعی مسلک سے تھا یا مالکی مذہب سے حتیٰ کہ بعض حنابلہ مثل علامہ ابن الجوزی وہ سبھی اللہ تعالےٰ کو جہت علو وفوق سے منزہ مانتے تھے جیسے کہ جہت سفل وتحت اور دیگر جہات سے منزہ ومبرا مانتے تھے۔ ان کا قطعاً یہ عقیدہ نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ کا احاطہ کوئی جہت کر سکتی ہے جیسے کہ زمان ومکان اور سموات وارض اس کا احاطہ نہیں کر سکتے۔ وہ نصوص کتاب وسنت جو بظاہر اللہ تعالےٰ کے جہت فوق وعلو میں ہونے پر دال ہیں ان کی تاویل وتفسیر ان سب کے نزدیک یہی ہے کہ وہ قہر وغلبہ اور عزت وشرف کے لحاظ سے مخلوق سے عالی وفائق ہے نہ یہ کہ وہ اس جہت میں محصور ہے یا اسی جہت کے ساتھ مخصوص ہے اور دوسرے جہات سے موصوف نہیں ہے تعالےٰ اللہ عن ذالك علوًا كبيرًا۔ کیونکہ جہات صرف مخلوقاتِ حادثہ کے لیے ہوتی ہیں لہٰذا جیسے اللہ تعالےٰ کی ذات مقدسہ کے لیے جہات نہیں ہیں وہ مخلوقات میں سے بھی کسی کی جہت میں نہیں ہے۔ وہ علوی وسفلی مکانات اور ازمنہ اور سموات وارض سے منزہ ہے اور سب کی نسبت اللہ تعالےٰ کی طرف ایک ہی ہے اور وہ نسبت یہ ہے کہ باقی سب اس کی مخلوق ہیں اور وہ ان کا خالق ہے جس نے ان کو عدم محض سے عالم وجود کی طرف منتقل فرمایا۔ وہ قدیم الوجود ہے اس وقت سے موجود ہے جب کہ نہ آسمان تھا اور نہ زمین اللہ تعالےٰ ان اشیاء کی تخلیق سے قبل اور ان کی تخلیق کے بعد بھی قدیم ہے اور ازلی وابدی تمام کمالاتِ لائقہ سے متصف ہے اور تمام اوصافِ حادثہ سے منزہ ہے۔ تخلیق کائنات کے بعد اس کو کوئی ایسی نئی صفات حاصل نہیں ہوئیں جو قبل از ایجاد موجودات حاصل نہ تھیں۔

رسولِ کریم علیہ السلام نے فرمایا "كان الله ولا شيء معه"، اللہ تعالےٰ موجود تھا اور کوئی شئی اس کے ساتھ موجود نہ تھی اور بعض عارفین نے اس میں یہ اضافہ فرمایا "وهو الآن على ما عليه كان"، وہ اب بھی اسی حالت پر ہے جس پر قبل از تخلیق تھا۔ تمام اکوان وموجودات کو خلعتِ وجود بخشی اور خود مکان وزمان سے جیسے منزہ تھا اسی طرح منزہ رہا اور جب اس کی شانِ والا یہ ہے تو وہ کسی جہت کے ساتھ مختص کیوں کر ہو سکتا ہے۔ اور یہ کیسے کہا جا سکتا ہے کہ وہ جہتِ علو اور فوق میں ہے حالانکہ یہ جہات ایجادِ مخلوقات کے بعد وجود میں آئی ہیں۔

جب یہ تقریر صحیفۂ خاطر پر نقش ہو چکی تو یہ بات اچھی طرح واضح و متبین ہو گئی کہ عقیدۂ مذکورہ یعنی اللہ تعالے کی تمام جہات علویہ و سفلیہ سے تنزیہہ کا عقیدہ ہی صحیح اسلامی عقیدہ ہے۔ اور یہی عظمتِ باری تعالے کے لائق ہے۔ اور یہی عقیدہ معظم امت کا ہے مذاہب ثلاثہ اس پہ مجتمع ہیں اور بعض حنابلہ بھی اس سے متفق ہیں۔ اور سادات صوفیہ اسی پر کاربند۔ کمالاتِ الٰہیہ اسی کے مقتضی ہیں۔ اور ادراکات عقلیہ و نقلیہ اسی کے مؤید ہیں۔

جو لوگ اس عقیدہ کے خلاف ہیں اگرچہ وہ تعداد میں انتہائی قلیل ہیں مگر ان کے لیے ظواہر آیات و احادیث بظاہر سند و دلیل ہیں اور انہوں نے تحقیق و تدقیق کے بغیر اور اللہ تعالے کے شایانِ شان اور غیر موزوں اور ناشائستہ کمالات میں غور و فکر کئے بغیر ہی ان کو اپنی دلیل بنا لیا اور اللہ تعالے کے متعلق جہتِ فوق اور علو میں ہونے کا عقیدہ رکھ لیا اور اس بات کی ذرہ بھر پرواہ کی کہ جہات تو صفاتِ مخلوقاتِ حادثہ میں سے ہیں۔ اور تخلیقِ خلائق سے قبل جہات کا وجود ہی نہیں تھا۔ کیونکہ نہ عالمِ بالا کی کوئی شیئ موجود تھی اور نہ ہی عالمِ اسفل کی اور نہ ہی اس وقت کسی دوسری مخلوق کا وجود تھا تاکہ وہ اللہ تعالے کا احاطہ کر سکتیں۔

اللہ تعالے کے لیے از روئے تعظیم و تکریم بھی جہت فوق کا اثبات درست نہیں ہے

علاوہ ازیں جہات نسبتی امور ہیں جو جہت ایک مخلوق کے لیے فوق ہے وہ دوسری مخلوق کے لیے تحت بن جائے گی کیونکہ ہر ایک کو معلوم ہے کہ زمین کروی شکل پر ہے اور اس کی ہر جانب مخلوق آباد ہے۔ لہٰذا ان میں ایک قوم کے لیے جس جہت کو فوق قرار دیا جائے گا وہی جہت دوسری قوم کے لیے جہت سفل و تحت بن جائے گی۔ اسی طرح اجرام و اجسام سماویہ زمین کو محیط ہیں اور ان میں سے ہر اوپر والا نچلے کو جمیع جوانب و اطراف سے محیط ہے حتیٰ کہ تمام سمٰوات کو عرش اعلیٰ محیط ہے جو تمام مخلوقات سے عظیم ہے۔ اور یہیں سے اللہ تعالے کے فرمان "الرحمٰن علی العرش استویٰ" کی حکمت بھی واضح ہو جائے گی یعنی عرش اعظم سب مخلوقات کو محیط ہے اور جب اللہ تعالے اس پر غالب و قاہر ہے تو اس کے گھیرے میں جتنی مخلوقات ہے سب پر اس کا غلبہ اور حکومت و سلطنت واضح ہو جائے گی۔

الغرض جب یہاں تھوڑا سا تامل و تفکر کیا جائے تو معلوم ہو جائے گا کہ آسمانوں اور زمینوں کی مخلوقات یعنی ملائکہ اور جن و انس وغیرھم میں سے جس کے لیے ایک جہت، جہتِ علو ہے وہی جہت دوسری مخلوق کے لیے جہتِ سفل و تحت ہے۔ تو اس کا لازمی نتیجہ یہ نکلے گا کہ تمام جہات فقط ان لوگوں کے لیے جہات علو ہیں جن کے لحاظ سے ان کو علو کہا جا رہا ہے۔ اور تمام جہات۔ جہاتِ سفل صرف اس مخلوق کے اعتبار سے ہیں جس کے لحاظ سے ان کو جہاتِ سفل کہا جا رہا ہے۔ تو اب ہم ان لوگوں سے کہتے ہیں جو اللہ تعالے کو از روئے تعظیم و تکریم جہت علو و فوق میں محصور و منحصر مانتے ہیں۔ کہ تم نے از روئے تعظیم اللہ تعالے کو جہت فوق میں تسلیم کیا لیکن اس بات کو بھول گئے کہ تمہاری یہ جہت علو دوسری مخلوق کے لحاظ سے جہت اسفل ہے لہٰذا اس میں اللہ تعالیٰ

کی تعظیم و تکریم کی نفی ہو جائے گی۔ اور اللہ تعالے کو جہت سفل سے اس لیے منزہ ماننا کہ اس میں تعظیم نہیں یہ تام نہ ہو سکا کیونکہ وہی جہت دوسروں کے لحاظ سے جہت فوق ہے اور اس میں اس لحاظ سے تعظیم باری ہے۔

اس بیان صداقت نشان سے واضح ہو گیا کہ حق صراح اور صراط مستقیم و مستبین وہی ہے جو جمہور اہلِ اسلام کا مذہب ہے یعنی اللہ تعالے کا تمام جہات اور تمام مکانات علویہ و سفلیہ اور جمیع ازمنہ ماضیہ و مستقبلہ وغیرہ سے منزہ ہونا۔ اور ہر مسلمان کو اللہ تعالے کے حق میں یہی عقیدہ رکھنا ضروری ہے۔

عقیدہ امام غزالی

امام غزالی نے قواعد العقائد میں بیان کیا ہے کہ اللہ تعالے نہ صورت و شکل پر مشتمل جسم ہے اور نہ جوہر جس کی حد و نہایت ہو اور خاص مقدار۔ اللہ تعالے اجسام کے ساتھ نہ تقدیر و تحدید میں مماثل ہے اور نہ ہی قبول انقسام میں نہ وہ خود جوہر ہے نہ جواہر کے لیے محل حلول۔ نہ عرض ہے اور نہ اعراض کا محل بلکہ نہ وہ کسی موجود کے مماثل و مشابہ ہے اور نہ کوئی موجود اس کے مماثل (قال اللہ تعالیٰ لَیْسَ کَمِثْلِہٖ شَیْئٌ) اس کی مانند کوئی شیئ نہیں ہے۔ نہ وہ کسی شیئ کی مانند و مثل ہے۔ نہ اس کا کوئی مقدار احاطہ کر سکتی ہے اور نہ اقطار و جوانب اس کو محیط۔ نہ جہات اس کے لیے حاصر و محیط ہیں اور نہ ہی آسمان اور زمینیں اس کو مکتنف و محیط۔ وہ عرشِ عظمت پر اسی طرح مستوی ہے جیسے کہ اس نے فرمایا اور جس معنی کا ارادہ فرمایا ایسے استواء کے ساتھ جو تماس و استقرار اور تمکن و حلول اور ارتحال و انتقال سے منزہ ہے۔ عرشِ اعظم اس کا حامل نہیں ہے بلکہ عرش اور اس کے حاملین اس کے لطف قدرت نے اٹھا رکھے ہیں۔ اور وہ سبھی اس کے قبضہ قدرت میں مغلوب و مقہور ہیں۔ وہ عرش اور آسمانوں سے فوق ہے اور ہر اس شیئ سے جو تحت الثریٰ تک موجود ہے مگر یہ فوقیت ایسی ہے کہ اس سے نہ اللہ تعالے کا عرش اور سموات سے قرب لازم آتا ہے جیسے کہ ارض و ثریٰ سے اس فوقیت کے تحت اس کا بعد لازم نہیں آتا۔ بلکہ وہ عرش و سمٰوات سے رفیع الدرجات ہے جیسے کہ ارض و ثریٰ سے رفیع الدرجات ہے اور با ایں ہمہ فوقیت وہ ہر موجود کے قریب تر ہے۔ اور عباد کی شہ رگ سے بھی قریب تر ہے وھو علیٰ کل شیئ شہید اور وہ ہر چیز پہ مطلع ہے کیونکہ اس کا قرب قرب اجسام کے مماثل نہیں ہے جیسے کہ اس کی ذات ذواتِ اجسام کے مماثل نہیں ہے۔ نہ وہ کسی چیز میں حلول کئے ہوتے ہے اور نہ کوئی شیئ اس میں حلول کئے ہوئے ہے۔ وہ اس سے بالاتر ہے کہ کوئی مکان اس کو حاوی ہو سکے جیسے کہ اس سے منزہ و مقدس ہے کہ زمان اس کی حد بندی کرے بلکہ وہ زمان و مکان کی تخلیق سے قبل موجود تھا۔ اور وہ اب بھی اسی حال پر ہے جس پر کہ ازل میں تھا۔ وہ اپنی صفات کے لحاظ سے مخلوق سے جدا ہے۔ نہ اس کی ذات میں کوئی دوسرا سمانے والا ہے اور نہ وہ کسی غیر میں سمانے والا ہے تغیر و انتقال سے منزہ ہے نہ حوادث اس میں حلول کر سکتے ہیں اور نہ عوارض اس کو پیش آ سکتے ہیں۔ بلکہ وہ ہمیشہ سے اپنے نعوت و صفات جلال میں زوال و نقصان سے منزہ رہے گا۔ اور صفات کمال میں اضافہ و ترقی سے مستغنی رہے گا۔ اس کا وجود فی ذاتہ عقول کے ذریعے معلوم ہے اور دارِ قرار میں اس کی ذات ابرار

کو ازرہِ لطف وکرم دکھائی جائے گی۔ اور اہل خیر پر وجہِ کریم کے دیدار سے اتمامِ نعیم مقیم کردیا جائے گا (انتہی کلام الغزالی)
یہی میرا عقیدہ ہے جس کا میں پابند ہوں۔ اور اسی کے مطابق اللہ تعالیٰ کا مطیع فرمان ہوں اور اس کو تمام جہات علویہ وسفلیہ سے منزہ مانتا ہوں۔ البتہ میں اس فرقہ کو گمراہ بھی نہیں کہتا اور لسے دائرہ اسلام سے بالکل خارج بھی نہیں سمجھتا جو اللہ تعالےٰ کے لیے جہتِ علو تسلیم کرتے ہیں۔ اگرچہ وہ اس عقیدہ میں خطا فاحش کے مرتکب ہیں۔ اور جمہور امت فقہائ وعلماء اور صوفیہ کے مخالف ہیں۔ اور بایں ہمہ وہ اللہ تعالےٰ کے لیے جسمیت کا عقیدہ نہیں رکھتے۔ اگرچہ وہ اعتقادِ جہت کے لوازم سے ہے۔ کیونکہ ان کے نزدیک بھی دوسرے اہل السنت کی طرح اللہ تعالےٰ کا جسمیت سے منزہ ومقدس ہونا قطعی طور پر ثابت ہے۔ اگرچہ بعض حنابلہ اس کے قائل ہیں مگر ان کی عظیم اکثریت اس کے خلاف ہے اور ان پر اعتراض وانکار کرتی ہے اور ابن تیمیہ کی طرف عقیدہ جسمیت کی نسبت درست نہیں ہے اور غالباً اس کے اعداء نے اس پر یہ الزام واتہام لگایا ہے۔
الحاصل ابن تیمیہ اور اس کے متبعین کا جہت کے متعلق مذہب ومسلک اگرچہ بظاہر نقولِ شرعیہ وآیاتِ قرآنیہ اور احادیث نبویہ سے مزین ہے مگر جمہور امت محمدیہ یعنی اصلِ مذاہبِ ثلاثہ، بعض حنابلہ اور تمام صوفیاء کرام کے مذہب ومسلک کے خلاف ہے اور ان ائمہ اعلام کے نزدیک وہ نصوص ایسے معانی پر محمول ہیں جو کمال الوہیت کے شایان ہیں اور اللہ تعالےٰ سے جہات و مشہابہت مخلوقات کی نفی کرتے ہیں۔

امام احمد اور شیخ عبد القادر جیلانی محبوب سبحانی وغیرہ اکابر کا اعتقاد جہت سے بری ہونا

امام احمد رحمہ اللہ تعالےٰ اعتقاد جہت سے بری ہیں جیسے کہ علماءِ اعلام نے تصریح فرمائی ہے اور پناہ بخدا پناہ بخدا کہ وہ ایسے غلط عقیدہ کو اپنائیں اور اسی طرح محبوب سبحانی شیخ عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے ان کی طرف منسوب کتاب غنیہ میں مذکور اعتقادِ جہت کی ائمہ علماء اور تمام صوفیاء کرام نے ان سے نفی کی ہے۔ میں نے سیدی محی الدین جیلانی کا ایک رسالہ بعنوان "عقیدۃ الخواص" دیکھا ہے جس میں انہوں نے اپنا عقیدہ بیان فرمایا ہے مگر اس میں قطعاً جہت کا ذکر نہیں ہے حالانکہ جو نسخہ عقیدۃ الخواص کا میں نے دیکھا وہ انتہائی قدیم خط سے لکھا ہوا تھا اور اس کی صحت پر شاہد علامات اس میں موجود تھے۔ اس سے ان ائمہ اعلام نجم الدین کردری۔ امام یافعی، امام شعرانی اور ابن حجر رحمہم اللہ تعالےٰ کے اس نظریہ کی تائید ہوجاتی ہے کہ حضرت شیخ قدس سرہ العزیز عقیدۂ جہت سے منزہ ومبریٰ ہیں اور غنیۃ الطالبین میں اعتقادِ جہت ان کی طرف فریب کاری سے منسوب کیا گیا ہے۔ یا ان کا یہ عقیدہ پہلے تھا اور بعد میں انہوں نے اس سے رجوع کرلیا۔ اور میں قطعاً یہ نہیں کہہ سکتا ہوں کہ "بالفرض حضرت شیخ قدس سرہ العزیز کا یہ عقیدہ تھا تو اس پر تعویل واعتماد نہیں ہے اور نہ ہی اس کی طرف التفاف کیا جائے کیونکہ وہ جمہور امت محمدیہ کے عقیدہ کے خلاف ہے"، کیونکہ میں اس فرض وتقدیر کو حضور شاہ جیلان کے حق میں یوں سمجھتا ہوں جیسے کوئی یہ فرض کرے کہ ایک بینا شخص

جو قوی نگاہ کا مالک ہے اور چمکتے سورج کو دیکھ رہا ہے جس پر بادل وغیرہ کا حجاب بھی نہیں ہے مگر اس کو نظر نہیں آرہا ہے۔ (جس طرح یہ فرض وتقدیر غیر معقول ہے اور نامقبول۔ اسی طرح حضرت محبوب سبحانی کے حق میں بھی یہ فرض وتقدیر نامعقول اور غیر مقبول لہٰذا صحیح وصواب یہی ہے کہ اعتقادِ جہت دھوکہ بازی اور مکاری سے بعد میں غنیہ[1] کے اندر شامل کردیا گیا ہے جیسے کہ ان علماء کرام اور ائمہ اسلام نے ارشاد فرمایا۔

مسئلہ جہت میں ائمہ اعلام کی عبارات اور نقول شرعیہ کا تفصیلی بیان

"عقیدہ امام غزالی" امام غزالی شافعی احیاء العلوم کی جزء "قواعد العقائد" کی فصل ثالث میں فرماتے ہیں، اصل سابع یعنی ساتواں قاعدہ یہ عقیدہ اور نظریہ رکھنا ہے کہ اللہ تعالےٰ کی ذات اختصاص بالجہات سے منزہ ہے کیونکہ جہت ان چھ جہات فوق (اوپر) تحت (نیچے)، یمین (دائیں)، شمال (بائیں) قدام (آگے) اور خلف (پیچھے) میں سے کوئی ایک ہوگی اور ان سب جہات کو اللہ تعالیٰ نے حضرت انسان کی تخلیق وایجاد کے ذریعے پیدا فرمایا کیونکہ اس کی دو جانبیں ہیں ایک کا زمین پر اعتماد وسہارا ہے جس کو پاؤں سے تعبیر کیا جاتا ہے اور دوسری اس کے مقابل ہے جس کو سر سے تعبیر کیا جاتا ہے تو اس طرح سر والی طبعی جانب کو فوق سے تعبیر کیا جانے لگا اور پاؤں سے متصل جانب کو تحت سے حتیٰ کہ وہ چیونٹی جو چھت کے نیچے اوندھے منہ چل رہی ہے اس کے حق میں جہتِ فوق تحت بن جائے گی اگرچہ ہمارے حق میں فوق ہی ہے۔ اسی طرح انسان کو دو ہاتھ عطا فرمائے جن میں سے ایک غالباً اور عموماً دوسرے سے قوی ہوتا ہے تو اقویٰ کو یمین سے تعبیر کیا جائے لگا اور اس کے مقابل کو شمال سے جو جہت دائیں ہاتھ سے متصل تھی اس کو یمین سے اور جو بائیں ہاتھ سے متصل تھی اس کو شمال سے تعبیر کیا گیا۔ اسی طرح اس میں دو پہلو اور جانبیں ایسی پیدا فرمائیں جن میں سے ایک کے ساتھ دیکھتا ہے اور سیر وحرکت کرتا ہے لہٰذا وہ جہت جس کی طرف حرکت کرکے آگے بڑھتا ہے اس کو قدام کا نام دیا گیا اور اس کے مقابل کو خلف کا لہٰذا تمام جہات حدوث انسان کی وجہ سے حادث ہوتی ہیں۔ اگر اللہ تعالےٰ انسان کو اس اندازِ تخلیق کے ساتھ پیدا نہ فرماتا۔ بلکہ کرہ اور گیند کی مانند پیدا فرماتا تو ان جہات کا قطعاً کوئی وجود نہ ہوتا تو اللہ تعالےٰ

---

[1] اول غنیۃ الطالبین اگرچہ حضور غوث اعظم رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب ہے لیکن یہ نسبت درست نہیں ہے علامہ زمان فخر دوران حضرت عبد العزیز پرہاروی نبراس شرح شرح العقائد ص۴۷ پر فرماتے ہیں۔ فانسبتہ غیر صحیحہ والاحادیث الموضوعۃ فیہا وافرۃ۔ حضرت شیخ اہل المحققین شاہ عبد الحق محدث دہلوی قدس سرہ العزیز نے غنیہ کا ترجمہ بھی کیا ہے مگر اس کے ابتداء میں فرماتے ہیں۔
ہرگز ثابت نہ شدہ کہ ایں از تصنیفِ آنجناب است اگرچہ انتساب بآنحضرت شہرت دارد ونظر برین کہ شاید دراں کتاب حرفے ازاں جناب باشد ترجمہ کردم۔ حاشیہ نبراس از مولانا برخوردار ملتانی ص۴۷ ؛ اور بالفرض یہ کتاب ان کی ہو تو بھی بد عقیدہ لوگوں نے دسیسہ کاری سے اس میں غلط عقائد شامل کردئے ہیں جیسے کہ اکابر نے تصریح فرمائی ہے لہٰذا اس پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا ہذا (ابو الحسنات محمد اشرف سیالوی غفرلہ)

ازل میں کسی جہت کے ساتھ کیوں کر مختص ہو سکتا تھا جب کہ جہات حادث ہیں نیز وہ پہلے جہت کے ساتھ متصف نہ ہونے کے باوجود جہت پیدا ہونے کے بعد اس کے ساتھ کیونکر مخصوص و مختص ہو گیا۔ کیا اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالے نے عالم کو اپنے اوپر پیدا فرمایا؟ وہ اس سے بالاتر ہے کہ اس کے لیے فوق ہو کیونکہ وہ اس سے منزہ و مقدس ہے کہ اس کے لیے سر ہو اور فوق نام ہے اس شیی کا جو سر کی جانب ہو یا اس بنا پر کہ اس نے عالم کو اپنے تحت پیدا فرمایا؟ تو وہ اس سے بھی بالاتر ہے کہ اس کے لیے تحت ہو کیونکہ وہ اس سے مبرا و منزہ ہے کہ اس کے لیے پاؤں ہوں۔ اور جہت تحت عبارت ہے اس جانب سے جو پاؤں کی طرف ہو۔ اور یہ امور اللہ تعالے کے حق میں از روئے عقل محال ہیں۔

نیز عقلاً اللہ تعالے کا کسی جہت کے ساتھ مخصوص ہونا صرف اس صورت میں ہو سکتا ہے کہ وہ کسی حیز کے ساتھ مختص ہو جیسے کہ جواہر حیز کے ساتھ مختص ہوتے ہیں یا جواہر کے ساتھ مختص ہو جیسے کہ اعراض جواہر کے ساتھ مختص ہوتے ہیں اور یہ واضح ہو چکا ہے کہ اللہ تعالے کا جوہر یا عرض ہونا محال ہے لہٰذا اس کا کسی جہت سے مختص ہونا بھی محال ہو گا۔

اور اگر جہت سے ان دو کے علاوہ کوئی اور معنی مراد ہے تو پھر محض اسم اور لفظ میں مغالطہ دینا باقی رہا ورنہ معنوی طور پر جہت کی نفی کرنے والوں کی تائید و موافقت لازم آ گئی۔

اللہ تعالے کے لیے جہت اس لیے بھی محال ہے کہ اگر باری تعالے عالم سے فوق ہو تو لامحالہ اس کے محاذی ہو گا اور جو ذات ایک جسم کے محاذی ہو وہ اس کی مانند ہو گی یا صغیر اور یا کبیر۔ اور مساوات یا صغر و کبر مقداریں ہیں جو مقدر اور محدود شیی کی مقتضی ہیں اور خالقِ عالم مدبرِ کائنات واحد، واحد اس سے منزہ ہے کہ وہ محدود و مقدر ہو۔

جوابِ سوال: جہت فوق میں نہ ہو تو عندالدعاء ہاتھوں کو آسمان کی طرف بلند نہ کیا جاتا تو اس کا جواب یہ ہے کہ آسمان دعا کے لیے قبلہ ہے اس لیے ہاتھ آسمان کی طرف پھیلائے جاتے ہیں نہ کہ اللہ تعالے کو جہت فوق میں تسلیم کرنے کی وجہ سے ان کو آسمان کی طرف بلند کیا جاتا ہے۔ نیز اس میں مدعو ذات یعنی اللہ تعالے کے وصفِ جلال و کبریائی کی طرف اشارہ ہے اور جہت علو کے قصد سے اس کی مجد اور برتری پر تنبیہ کرنا ہے کیونکہ وہ ہر مخلوق پر قہر و غلبہ اور سطوت و استیلاء کے لحاظ سے فوق ہے۔ انتہیٰ۔

عقیدہ سید مرتضیٰ زبیدی حنفی شارح الاحیاء

علامہ سید مرتضیٰ زبیدی حنفی شرح احیاء میں امام غزالی کے ارشاد "اللہ کا مختص بالجہت ہونا محال ہے"، کے تحت فرماتے ہیں۔ امام نسفی نے شرح عمدہ میں ارشاد فرمایا صور اور جہات مختلف ہیں اور وہ باہم متنافی و متخالف ہیں لہٰذا ان سب کا ذات باری تعالے میں مجتمع ہونا محال ہے۔ اور فقط بعض کا تحقق ترجیح بلا مرجح کی وجہ سے محال ہے کیونکہ سب کی نسبت افادہ مدح و نقص کے لحاظ سے ایک جیسی ہے اور محدثات کسی ایک کے تحقق اور اس کے ماسوا کے عدم تحقق پر دلالت نہیں کرتے لہٰذا بعض کا تحقق اور ماسوا کا انتفاء ترجیح بلا مرجح ہونے کی وجہ سے محال ہے ورنہ مخصص و مرجح کی طرف احتیاج ضروری ہے

اور یہ احتیاج علامات و امارات حدوث سے ہے۔

امام سبکی فرماتے ہیں خالقِ جہت کسی جہت میں نہیں ہو سکتا۔ ورنہ اس کا مکان میں ہونا ضروری ہے۔ کیونکہ جہت یا خود مکان ہے اور یا مکان کو مستلزم۔ اور مکان میں ہو تو متحیز و متمکن ہو گا۔ اور متحیز و متمکن ہونے کی صورت میں حیز و مکان کی طرف محتاج ہو گا۔ لہٰذا واجب الوجود نہ رہے گا حالانکہ اس کا واجب الوجود ہونا حتماً و قطعاً ثابت ہے تو خلافِ مفروض اور انکار مسلّم لازم آ گیا۔ نیز اگر جہت میں ہو تو تمام جہات میں ہو گا یا بعض میں اول محال اور شنیع و قبیح ہے۔ اور ثانی اس اختصاص کے لیے مرجح و مخصص کی طرف احتیاج و افتقار کو مستلزم ہے اور یہ منافی ہے وجوب الوجود کے۔

تنبیہ۔ علامہ زبیدی فرماتے ہیں کہ اس عقیدہ میں درحقیقت کوئی سنی محدث ہو یا فقیہ یا دیگر علماء سے کوئی بھی مخالف نہیں ہے۔ اور شریعت مطہرہ میں قطعاً کسی نبی کی زبان پر بھی اللہ تعالے کے لیے جہت کی تصریح وارد نہیں ہوئی۔ لہٰذا سابقہ معنی کے مطابق جہت اللہ تعالے سے لفظاً و معنیً منتفی ہے۔ اور کیوں نہ ہو جب اللہ تعالے فرماتا ہے "لَیْسَ کَمِثْلِہٖ شَیْءٌ"، اللہ تعالے کی مانند کوئی چیز نہیں ہے۔ اور اگر معنی مذکور کے لحاظ سے کسی جہت میں ہو تو اس کے لیے کئی امثال کا تحقق لازم آئے گا چہ جائے کہ ایک مثل بھی منتفی و محال ہو۔

سوال۔ قاضی عیاض علیہ الرحمہ نے نقل فرمایا ہے کہ تمام محدثین و فقہاء عقیدہ جہت پر ہیں (تو نفی جہت کا دعویٰ غلط ہو گیا)۔

جواب۔ قاضی عیاض علیہ الرحمہ نے جو کچھ نقل فرمایا ہے اس کا یہ معنی نہیں ہے کہ دلائل عقلیہ و نقلیہ قطعیہ جس جہت کی نفی بلکہ استحالہ پر دلالت کرتے ہیں وہ جہت اللہ تعالے کے حق میں ان اکابر کے نزدیک متحقق ہے کیونکہ ان سے قطعاً ایسا کوئی قول اور نقل ثابت نہیں ہے لیکن جب دلائل سمعیہ کتاب و سنت میں جہت کا ورود ہے مثلاً کلام مجید میں ہے "اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى۔ وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ" اللہ تعالے اپنے بندوں کے اوپر قاہر و غالب ہے۔ یَخَافُوْنَ رَبَّهُمْ مِّنْ فَوْقِهِمْ اللہ تعالے سے خوفزدہ ہیں اپنے اوپر سے۔ اور احادیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں بھی جہت کا ورود ہے مثلاً ایک سیاہ فام لونڈی کو خطاب کرتے ہوئے سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اَیْنَ اللہُ"، اللہ تعالے کہاں ہے تو اس نے آسمان کی طرف اشارہ کر دیا۔ آپ نے فرمایا اس کو آزاد کر دے کیونکہ یہ مومنہ ہے۔ اور اس قسم کی دوسری احادیث بھی ہیں۔ اور فقہاء و محدثین کا اصل ضابطہ و قاعدہ یہ ہے کہ معتقدات کا ثبوت دلائل سمعیہ سے ہوتا ہے نہ کہ محض عقلیہ سے تو انہوں نے یہ عقیدہ اپنا لیا۔ کہ اللہ تعالے کے لیے ایک صفت "استوا علی العرش" ثابت ہے جو مخلوق کی صفتِ استواء سے بالکل مختلف ہے اور ایک دوسری صفت ہے جس کو فوق کہا جاتا ہے یعنی عباد سے فوق اور عرش اور اس کے دائرہ میں جتنی مخلوق ہے اس سب سے فوق لیکن اس استواء اور فوقیت کی حقیقت صرف اللہ تعالے ہی جانتا ہے۔ اور یہی تصریح امام احمد علیہ الرحمہ نے فرمائی ہے جیسے کہ علامہ مقدسی نے رسالۃ الاعتقاد میں نقل فرمایا ہے۔

تنبیہ: یہ امر ذہن نشین رہے کہ تحقیق و تدقیق عقاید میں قابل اعتداد و اعتبار صرف ائمہ کرام مقتدایانِ اِمام ہیں اور یا علماء اجلہ۔ اور مقلدین محضہ کا اعتبار نہیں ہے جو صرف ائمہ کے ظاہری اقوال پر اپنے آپ کو منجمد کر دیتے ہیں اور محکم و متشابہ میں فرق کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتے۔

عقیدۂ صوفیہ صافیہ

صوفیہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالے کا جہت میں ہونا محال ہے کیونکہ وہ جہت اللہ تعالے کا عین ہوگی یا غیر۔ صورت اولیٰ میں اس کو جہت کہنا ہی غلط ہے اور صورت ثانیہ میں دریافت طلب امر یہ ہے کہ وہ قدیم ہے یا حادث۔ دونوں شقیں باطل ہیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے " کان اللہ ولا شیئ معہ "، ذات باری موجود تھی اور دوسری کوئی شیئ اس کے ساتھ نہیں تھی۔ (لہٰذا جہت کا قدیم ہونا تو باطل ہوا اور حوادث کا بطلان پچھلی تقاریر سے واضح ہے یعنی اتصاف بالجمیع محال اور اتصاف بالبعض مستلزم حدوث ہے بوجہ احتیاج و افتقار الی المخصص والمرجح کے لہٰذا وہ بھی محال ہے)۔

عقیدۂ امام قاضی القضاۃ ناصر الدین بن المنیر اسکندری مالکی

امام ناصر الدین نے اپنی کتاب "المنتقی فی شرف المصطفیٰ" میں جہت پر کلام کرتے ہوئے اور دلائل و براہین سے اس کی نفی کو ثابت کرتے ہوئے فرمایا۔ اسی لیے امام مالک رحمہ اللہ تعالے نے "سرورِ کونین علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ارشادِ گرامی " لَا تُفَضِّلُوْنِی عَلٰی یُوْنُسَ بْنِ مَتّٰی "، مجھے حضرت یونس بن متی علیہ السلام پر فضیلت نہ دو " کی توضیح میں فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی تخصیص صرف اس لیے فرمائی تاکہ تنزیہ باری تعالے پر تنبیہ ہوجائے کیونکہ سرور انبیاء علیہ السلام کو عرشِ اعظم کی بلندیوں پر پہنچایا گیا۔ اور حضرت یونس علیہ السلام کو دریا کی تہ میں بلکہ سمندر کی تہ میں سیر کرائی گئی اور از روئے جہت رفعتِ عرش اور قعرِ بحر کی نسبت اللہ تعالے کی طرف برابر ہے۔ اگر مکان کے لحاظ سے فضیلت ہوتی تو سرور کائنات علیہ افضل الصلوات حضرت یونس علیہ السلام سے اللہ تعالے کے زیادہ قریب ہوتے اور افضل و برتر۔ اور اس تفضل سے منع نہ فرماتے۔ امام ناصر الدین نے بعد ازاں فرمایا کہ فضیلت کا دار و مدار مکانت و مرتبت کی بلندی پر ہے (نہ کہ مکان و مقام کی بلندی پر) کیونکہ عرش رفیق اعلیٰ میں ہے لہٰذا وہ سفلی اشیاء سے برتر ہے الغرض مدارِ فضیلت مکانت ہے نہ کہ مکان۔ امام سبکی نے امام ناصر الدین کی تقریر اپنے رسالہ الرد علی ابن زفیل میں اسی طرح نقل فرمائی ہے (انتہت عبارۃ شرح الاحیاء للعلامہ الزبیدی الحنفی)

اقول جو جواب امام مالک علیہ الرحمہ کا امام ناصر الدین نے نقل کیا ہے وہی امام الحرمین سے بھی منقول ہے۔

عقیدۃ الامام فخر المفسرین والمتکلمین فخر الدین الرازی

امام رازی نے سورہ انعام کی تفسیر میں اللہ تعالے کے ارشاد " وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ " کے تحت اللہ تعالے سے نفی جہت پر کئی وجوہ سے دلائل قائم کئے جن کے مکمل بیان کی یہاں گنجائش نہیں ہے تفصیل دیکھنے کے لیے تفسیر کبیر کی طرف رجوع کیا جائے ہم صرف پانچویں وجہ نقل کرنے پر اکتفا کرتے ہیں۔

وجہ خامس: یہ امر دلائل و براہین سے ثابت ہوچکا ہے کہ عالم کروی شکل پر ہے۔ لہٰذا جو شخص اہل رَے کے سروں پر ہوگا وہ لامحالہ دوسری قوم کے قدموں کے نیچے ہوگا۔ اس تقریر کو ذہن نشین کر لینے کے بعد (ہم قائلین جہت سے دریافت کرتے ہیں) کہ کیا تو یوں کہا جائے گا کہ اللہ تعالے مخصوص اقوام سے فوق ہے۔ یا یہ دعویٰ کیا جائے گا کہ وہ سب مخلوق سے فوق ہے۔ شق اول باطل ہے کیونکہ صرف بعض سے فوق ہونا بعض کے تحت ہونے کو مستلزم ہے۔ اور شق ثانی اللہ تعالے کے کرۃ الفلک کو محیط ہونے کو مستلزم ہے تو حاصل امر اور نتیجہ مبحث یہ نکلے گا کہ اللہ تعالے الہ العالم ایک ایسا فلک ہے جو تمام افلاک کو محیط ہے اور اس کا کوئی مسلمان قائل نہیں (بلکہ اس کا تصور بھی نہیں کر سکتا) اور دلائل و براہین سے واضح فرمایا کہ یہ فوقیت قدرۃ و قوۃ کے اعتبار سے ہے نہ کہ جہت و سمت کے لحاظ سے۔

عقیدۃ الامام شمس الدین محمد بن اللبان المصری الشافعی المتوفی سنۃ ۷۴۹ھ

امام شمس الدین نے متشابہ آیات و احادیث کے متعلق اپنی تالیف کردہ کتاب " رد معانی الآیات المتشابہات الی معانی الآیات المحکمات "، میں فرمایا کہ صفت فوقیت بھی متشابہات سے ہے۔ اور کتاب و سنت میں اس کا ذکر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

يَخَافُونَ رَبَّهُمْ مِّنْ فَوْقِهِمْ — وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ

اور اسی طرح دیگر بہت سی آیات و احادیث میں جہت فوق کا ذکر ہے اور اس کا شمار بھی متشابہات میں کیا گیا ہے۔ کیونکہ فوق کا لفظ جہتِ علو پر دلالت کے لیے موضوع ہے اور اللہ تعالے جہات سے منزہ و مقدس ہے۔ لہٰذا جب اس کا اطلاق اللہ تعالیٰ کے حق میں کیا جائے تو اس سے علو مکانی مراد نہیں ہوگا بلکہ علو حقیقی مراد ہوگا۔ اور اللہ تعالے کے جہت فوق کے ساتھ مختص نہ ہونے کی دلیل خود کلام مجید ہے اللہ تعالے کا ارشاد گرامی ہے " وَهُوَ اللّٰهُ فِي السَّمٰوٰتِ وَفِي الْاَرْضِ "، وہ اللہ ہی معبود ہے آسمانوں میں اور زمین میں۔ فرمان ایزد متعال ہے " وَهُوَ الَّذِیْ فِي السَّمَآءِ إِلٰهٌ وَّفِي الْاَرْضِ إِلٰهٌ "۔ وہ ذات والا آسمان میں معبود ہے اور زمین میں معبود ہے "، قول باری تعالے ہے۔ " وَلِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ۔ اور اللہ کے لیے ہے مشرق اور مغرب لہٰذا جس سمت منہ پھیرو ادھر ہی اللہ تعالے کی ذات ہے۔ فرمان خداوندی ہے۔ " وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ۔ ہم اس کی شہرگ سے بھی اس کے قریب تر ہیں "، حکم خداوند کریم ہے۔

وَلَا اَدْنٰی مِنْ ذٰلِکَ وَلَا اَکْثَرَ اِلَّا ھُوَ مَعَھُمْ ۔ اس سے کم ہوں یا زیادہ بہرحال اللہ تعالےٰ ان کے ساتھ ہے" اور ان کے علاوہ بہت سی آیات ہیں جن کا ذکر طوالت طلب ہے ۔ اگر اللہ رب العزت جہت فوق وعلو میں ہو تو ان آیات میں باہم اختلاف اور تعارض لازم آئے گا حالانکہ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے " وَلَوْ کَانَ مِنْ عِنْدِ غَیْرِ اللّٰہِ لَوَجَدُوْا فِیْہِ اخْتِلَافًا کَثِیْرًا " اگر کلام مجید غیر اللہ کی طرف سے آیا ہوا ہوتا تو اس میں بہت زیادہ اختلاف ہوتا لیکن اللہ تعالےٰ علیم وحکیم کی طرف سے ہے لہٰذا اس میں ذرہ بھر اختلاف نہیں ہے ۔

مسلم شریف میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ سرورِ انبیاء علیہ التحیۃ والثناء نے فرمایا " اَقْرَبُ مَا یَکُوْنُ الْعَبْدُ مِنْ رَّبِّہٖ وَھُوَ سَاجِدٌ " بندہ اللہ کے نزدیک اور قریب تر اس وقت ہوتا ہے جب کہ وہ سربسجود ہو ۔ اس حدیث میں جہت فوق وعلو کے ساتھ تقید کی واضح نفی موجود ہے ۔ اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے خواہشات نفس کے مطابق کلام نہیں فرماتے بلکہ ان کا سارا کلام اللہ تعالےٰ کی طرف سے نازل کردہ وحی ہوتا ہے ۔ وَمَا یَنْطِقُ عَنِ الْھَوٰی اِنْ ھُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی

آیات واحادیث میں باہم تطبیق وموافقت کی صورت

آیات واحادیث جہت فوق وعلو پر دال بھی ہیں اور بعض نصوص اس کی نفی بھی کرتی ہیں تو ان میں باہمی توافق وتطبیق کی صورت یہ ہے کہ جہت فوق وعلو کے لیے دو اعتبار ہیں اضافی اور حقیقی ۔ مخلوقات کا باہم ایک دوسرے پر علو اضافی ہے کیونکہ ان میں سے جس کے لیے جہت علو ثابت ہے وہ دوسری مخلوق کے لحاظ سے جہت سفل میں ہے ۔ اور یہ علو اضافی دو قسم ہے ۔ حسی اور معنوی ۔ حسی علو فقط ان اشیاء میں متحقق ہوتا ہے جو جواہر کے قبیل سے ہیں اور حیز ومکان کی طرف محتاج ہیں لہٰذا یہ فقط جہات مکانیہ میں متصور ہو سکتا ہے اور علو معنوی کا تصور وتخیل فقط درجات کمال اور مراتب عرفان کے لحاظ سے اہل قلوب اور ارباب بصیرت میں ہوتا ہے اور یا ارباب نفوس کے لیے کمال وہمی کے لحاظ سے ہوتا ہے ۔ اللہ تعالےٰ ارشاد فرماتا ہے ۔ وَرَفَعْنَا بَعْضَھُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجَاتٍ ۔ ہم نے بعض کو بعض پر از روئے درجات کمال فوقیت وبرتری عطا کی ہے ۔ فرمان باری تعالےٰ ہے " اُنْظُرْ کَیْفَ فَضَّلْنَا بَعْضَھُمْ عَلٰی بَعْضٍ وَلَلْاٰخِرَۃُ اَکْبَرُ دَرَجَاتٍ وَّاَکْبَرُ تَفْضِیْلًا " دیکھو تو سہی ہم نے ان میں سے بعض کو بعض پر برتری اور فضیلت عطا فرمائی ہے ۔ اور البتہ آخرت از روئے درجات بہت بڑی ہے اور از روئے فضیلت وبرتری بہت زائد ہے ۔ یہ سب تفصیل علو اضافی میں ہے ۔

لیکن علو حقیقی محض اللہ تعالےٰ کے لیے ہے " وَسِعَ کُرْسِیُّہُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَلَا یَئُوْدُہٗ حِفْظُھُمَا وَھُوَ الْعَلِیُّ الْعَظِیْمُ " اس کی کرسی اقتدار وسلطنت یا کرسی علم تمام آسمانوں اور زمین کو محیط ہے اور اسے ان دونوں اقسام خلق کی حفاظت تھکانے والی نہیں ہے ۔ اور وہی علو وبرتری کا مالک ہے اور صاحب عظمت ہے ۔ اور اللہ جل مجدہ کا یہ علو جہات اور مکانات سے قبل موجود ومتحقق تھا جس میں اضافات اور نسبتوں کا کوئی اعتبار نہیں ہے ۔ اور تمام مخلوقات پر تجلیات اسماء وصفات کے

لحاظ سے عام ہے ۔ مگر اس کا حقیقی عرفان اور مشاہدہ صرف ارباب بصائر اور اہل قلوب ہی کو ہوتا ہے ۔

تنبیہ : علامہ محمد بن اللبان فرماتے ہیں ۔ اگر بنظر تحقیق معلوم کرنا چاہو کہ اللہ تعالےٰ کی فوقیت مکانی نہیں ہے بلکہ وہ فوقیت حقیقیہ ہے اور بمعنی عبودیت پر قہر اور غلبہ ربوبیت کے ہے تو اس حقیقت میں غور وفکر کرو کہ اللہ تعالےٰ ازل میں موجود تھا اور دوسری کوئی شی اس کے ساتھ موجود نہیں تھی ۔ آسمانوں کی تخلیق سے اس کو جہت فوق وعلو حاصل نہیں ہوئی جیسے کہ تخلیق ارض سے اس کے لیے نزول وتحتیت لازم نہیں آئی ۔ اور نہ ایجاد عرش سے اس کے لیے استواء کی صفت لازم آئی ۔ بلکہ فقط اس کے اسماء وصفات کی تجلی سے انواع واقسام کے مخلوقات پردۂ عدم سے باہر آ گئے جو نہ اس سے مماس ومتصل ہیں ۔ نہ اس کی طرف فوق وتحت والی نسبت کے ساتھ منسوب ۔ اور نہ ہی کسی دوسری جہت کے لحاظ سے ۔ اللہ کریم ارشاد فرماتا ہے ۔ سَبِّحِ اسْمَ رَبِّکَ الْاَعْلَی الَّذِیْ خَلَقَ فَسَوّٰی اپنے اس رب اعلیٰ وبرتر کی تسبیح وتقدیس بیان کرو جس نے مخلوق کو پیدا کیا اور ہر ایک کو اس کے شایانِ شان اور شکل وصورت بخشی اس آیت مقدسہ میں اللہ تعالےٰ کو صفتِ اعلیٰ کے ساتھ موصوف کیا گیا ہے جب کہ وہ ایجاد وتخلیقِ کائنات سے موصوف ومتصف ہے ۔ تو معلوم ہوا کہ اس کا علو تخلیق کائنات سے قبل متحقق ہے ۔ قول باری تعالیٰ ہے :

وَمَا قَدَرُوا اللّٰہَ حَقَّ قَدْرِہٖ وَالْاَرْضُ جَمِیْعًا قَبْضَتُہٗ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ وَالسَّمٰوٰتُ مَطْوِیّٰتٌ بِیَمِیْنِہٖ سُبْحَانَہٗ وَتَعَالٰی عَمَّا یُشْرِکُوْنَ "

اور انہوں نے اللہ تعالےٰ کی کما حقہ قدر نہیں کی تمام زمین بروز قیامت اس کے قبضہ میں ہو گی اور تمام آسمان اس کے دائیں دستِ قدرت میں لپیٹے ہوئے ہوں گے ۔ وہ پاک ہے اور بلند وبالا ان معبودات باطلہ کی شرکت وہمسری سے جس کا مشرکین عقیدہ رکھتے ہیں ۔

آیت مقدسہ کی ابتداء میں زمین کا قبضہ میں ہونا اور آسمان کا دست قدرت میں لپیٹا ہوا ہونا ذکر فرما کر آخر میں اپنے آپ کو علو اور تنزیہہ کے ساتھ موصوف فرما کر واضح کر دیا کہ اس کا علو اور فوقیت حقیقی ہے مکانی نہیں ہے ۔

اللہ تعالےٰ کے اس فرمان میں غور وتامل کرو ۔ وَھُوَ الْقَاھِرُ فَوْقَ عِبَادِہٖ ۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر غالب وقاہر ہے اور اس کے ساتھ ہی بنی اسرائیل کے متعلق فرعون کے قول میں غور کرو " سَنُقَتِّلُ اَبْنَآءَھُمْ وَنَسْتَحْیٖ نِسَآءَھُمْ وَاِنَّا فَوْقَھُمْ قَاھِرُوْنَ " ہم عنقریب ان کے بیٹوں کو قتل کرا دیں گے اور ان کی بچیوں کو زندہ رکھیں گے ۔ اور یقیناً ہم ان پر غالب وقاہر ہیں تو کیا کوئی شخص یہ سمجھ سکتا ہے کہ فرعون نے بنی اسرائیل پر از روئے مکان یا جہت ، فوق ہونے کا دعویٰ کیا ہے بلکہ بات صرف اتنی ہے کہ اس نے جب اَنَا رَبُّکُمُ الْاَعْلٰی کہہ کر رب ہونے کا دعویٰ کیا تو اس کا لازمی تقاضا یہی تھا کہ اس فوقیت کا دعویٰ کرتا جو شانِ ربوبیت کے لائق ہے ۔ اور یہ فوقیت حقیقیہ ہے جو قہر وغلبہ کے لحاظ سے ہوتی ہے اسی لئے کہا اِنَّا فَوْقَھُمْ قَاھِرُوْنَ تو اللہ تعالےٰ نے دونوں امور میں اس کی تکذیب فرمائی ۔ انا ربکم الاعلیٰ والے دعویٰ کی موسیٰ علیہ السلام کو یہ ارشاد فرما کر " لَا تَخَفْ اِنَّکَ اَنْتَ الْاَعْلٰی " تکذیب کر دی ۔ اے موسیٰ ڈریئے نہیں تم ہی اعلیٰ اور سر بلند ہو نہ کہ فرعون ۔ اور

اس کے دعویٰ قہر و غلبہ کی تکذیب اس آیت مقدسہ میں فرما دی۔

فَاَتْبَعَهُمْ فِرْعَوْنُ بِجُنُوْدِهٖ فَغَشِيَهُمْ مِّنَ الْيَمِّ مَا غَشِيَهُمْ وَاَضَلَّ فِرْعَوْنُ قَوْمَهٗ وَمَا هَدٰى ۞

فرعون نے اپنے جنود و عساکر کے ساتھ موسیٰ کلیم علیہ السلام اور بنی اسرائیل کا تعاقب کیا تو ان کو ایک عظیم موج نے اپنی لپیٹ میں لے لیا جس کا بیان نہیں کیا جا سکتا اور فرعون نے اپنی قوم کو گمراہ کر دیا اور بالکل راہ راست پر نہ لگایا۔

تنبیہ ۞ جب فرعون نے ربوبیت کا دعویٰ کیا (اور وہ چونکہ مکان وجہت میں تھا) لہٰذا اس نے اللہ تعالیٰ کے لیے بھی جہت کا عقیدہ رکھتے ہوئے اپنے وزیر خاص ہامان کو خطاب کرتے ہوئے کہا "یَاهَامَانُ ابْنِ لِيْ صَرْحًا لَّعَلِّيْۤ اَبْلُغُ الْاَسْبَابَ اَسْبَابَ السَّمٰوٰتِ فَاَطَّلِعَ اِلٰۤى اِلٰهِ مُوْسٰى۔ اے ہامان میرے لیے ایک بلند ترین مکان تیار کراؤ ہو سکتا ہے کہ میں آسمان کے راستوں تک پہنچوں اور موسیٰ کے خدا کو جھانک کر دیکھ لوں تو اللہ تعالیٰ نے اس کا رد فرمایا اور اس کی رائے کو ضعیف و ردی قرار دیتے ہوئے فرمایا۔ وَكَذٰلِكَ زُيِّنَ لِفِرْعَوْنَ سُوْۤءُ عَمَلِهٖ وَصُدَّ عَنِ السَّبِيْلِ۔ اور ایسے ہی فرعون کا عملِ بد اس کی نگاہوں میں آراستہ اور خوشنما بنا دیا گیا اور وہ راہِ راست سے ہٹ گیا یعنی وہ موسیٰ علیہ السلام کے معبود برحق کے قرب و دنو والے راستہ سے ہٹ گیا۔ کیونکہ علو مکان سے وہ منزہ ہے۔ اس تک رسائی کا ذریعہ صرف کلماتِ طیبہ ہیں۔ اور اعمالِ صالحہ جن کو وہ مصعد قبول کی بلندی تک پہنچاتا ہے وہ موسیٰ علیہ السلام کے اس قول سے کیونکہ بے بہرہ اور بیگانہ رہا جس میں انہوں نے جلد از جلد بارگاہِ خداوندی میں حاضر ہونے اور اپنے ربِ کریم کو راضی کرنے کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا "وَعَجِلْتُ اِلَيْكَ رَبِّ لِتَرْضٰى"، حالانکہ انہوں نے نہ کوئی بلند مکان تیار کرایا۔ اور نہ ہی ان کو قرب و وصال کے لیے آسمانوں پر چڑھنے کی ضرورت پیش آئی۔

یہی صورتِ حال حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ہے "اِذْ جَآءَ رَبَّهٗ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ"، وہ بارگاہِ خداوندی میں قلب سلیم کے ساتھ حاضر ہوئے اور اللہ تعالیٰ نے ان کو لسانِ صدق اور ذکر والا سے بہرہ ور فرمایا یعنی ان کی یاد امم و اقوام میں تا قیامِ قیامت برقرار رکھنے کا اعزاز بخشا۔ ان کا بارگاہِ ذوالجلال میں حاضر ہونا اور مقام قرب و وصال پر فائز ہونا سلامتی قلب اور صدق لسانی کی وجہ سے تھا نہ کہ کسی مکان بلند پر چڑھنے کی وجہ سے۔ یہ تھا میری صوابدید کے مطابق خلاصہ کلام ابن اللبان کا، اور جو اس سے زیادہ تفصیل کا طلب گار ہو وہ اصل کتاب کی طرف رجوع کرے۔

عقیدہ امام جلیل عبداللہ بن اسعد یافعی شافعی

امام یافعی اپنی کتاب "نشر المحاسن"، کے خاتمہ میں فرماتے ہیں۔ حضرت ابوبکر شبلی سے اللہ تعالیٰ کے فرمان "اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى"، کے متعلق دریافت کیا گیا تو انہوں نے فرمایا رحمٰن تبارک و تعالیٰ ہمیشہ سے موجود ہے اور عرش حادث ہے عدم سے وجود میں آیا ہے اور اس کا قیام دبقاء اللہ رحمٰن جل و علیٰ کے ذریعے ہے۔

امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ جو شخص یہ گمان کرے کہ اللہ تعالیٰ کسی شئی میں ہے یا کسی شئی سے ہے یا کسی

چیز پر ہے تو اس نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کیا کیونکہ وہ کسی شئی پر ہوگا تو محمول ہوگا اور وہ چیز اس کو اٹھانے والی ہو گی۔ اور اگر کسی شئی میں ہوگا تو محصور ہوگا اور وہ چیز اس کو محیط ہو گی۔ اور اگر کسی چیز سے ہوگا تو محدث ہوگا۔ (اور یہ سب لوازمِ محال ہیں لہٰذا ملزوم بھی محال ہے) اور امام جلیل فقیہ نبیل سلامۃ اصول دکرام رضی اللہ عنہ کا یہ ارشاد خالقِ جہات و حرکات و سکنات سے مبریٰ اور سمات و علاماتِ حدوث سے منزہ ذاتِ مقدس جل و علیٰ سے صراحۃً جہت کی نفی کر رہا ہے۔

شیخ یحییٰ بن معاذ رازی سے عرض کیا گیا ہمیں اللہ تعالیٰ کے متعلق خبر دیجیے؟ انہوں نے فرمایا وہ اِلٰہ واحد ہے اور معبود یکتا ان سے عرض کیا گیا وہ کیسے ہے؟ انہوں نے فرمایا۔ صاحبِ قدرت بادشاہ ہے۔ عرض کیا گیا وہ کہاں ہے؟ انہوں نے فرمایا گھات میں ہے۔ سائل نے عرض کیا میں نے آپ سے یہ سوال نہیں کیا تھا! آپ نے فرمایا اس کے علاوہ جو کچھ کہا جائے گا وہ مخلوق کی صفت ہو گی خالق کی صفت نہیں ہو گی۔ جو اللہ تعالیٰ کی صفت تھی وہ میں نے بتا دی ہے۔

شیخ ابو الغیث بن جمیل یمنی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی ذات کے لیے نہ آمنا ہے نہ سامنا نہ بلندی اور نہ پستی نہ دایاں اور نہ بایاں وہ ان جہات ستہ سے ہر حال میں منزہ و مبرا ہے۔

شیخ ابو عثمان مغربی فرماتے ہیں۔ میں کسی حد تک عقیدۂ جہت پر کاربند تھا جب بغداد میں پہنچا تو وہ اعتقاد زائل ہو گیا اور میں نے مکہ مکرمہ والے اپنے احباب و اصحاب کی طرف لکھا کہ میں اب نئے سرے سے مشرف بہ اسلام ہوا ہوں۔

امام یافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنی کتاب نشر المحاسن میں فرماتے ہیں میں سیاحت پر تھا اور ایک موقعہ پر میں نے خواب میں چند آدمیوں کو باہم مسئلہ جہت میں نزاع و اختلاف کرتے ہوئے دیکھا ناگاہ ان میں سے ایک کہتا ہے اگر اللہ تعالیٰ کے لیے جہت نہیں ہے تو پھر عالم موجودات کا صانع ہی کوئی نہیں ہے۔ تعالیٰ عن ذالک علوا کبیرا۔ بعد ازاں میں نے ایک ایسے شخص کی آواز سنی جس کو عذاب دیا جا رہا تھا پھر کچھ لوگ ہمارے پاس آئے تو میں نے ان سے اس شخص کے متعلق دریافت کیا جو عذاب میں مبتلا تھا اور چیخ چلا رہا تھا۔ تو انہوں نے بتلایا کہ یہ وہ شخص ہے جو اللہ تعالیٰ کے متعلق جہت کا عقیدہ رکھتا تھا اور اس قول کا قائل یہی شخص تھا۔

بعد ازاں میں نے اپنے آپ کو ایک شاہراہ پر گامزن پایا اور کیا دیکھتا ہوں کہ مجھے ایک لشکر نے پیچھے سے آلیا ہے گویا کہ وہ بادشاہ کا لشکر ہے جو صرف گھوڑوں پر سوار ہیں یا ان کے ساتھ سفید عمدہ اونٹ بھی ہیں جو لوگوں کو پکڑتے ہیں اور ان کا اعتقاد کے متعلق امتحان لیتے ہیں تو انہیں دیکھ کر میرے دل میں خوف طاری ہو گیا اور مجھے خطرہ لاحق ہوا کہ کہیں مجھے بھی گرفتار نہ کر لیں وہ میری ایک جانب سے گذر گئے اور مجھے کہا کہ اپنے عقیدہ پر قائم رہو کیونکہ تم حق پر ہو اور میرے ساتھ کسی قسم کا تشدد وغیرہ نہ کیا۔ تب میرا وہ خوف و اندیشہ زائل ہو گیا پھر وہ چلے گئے اور میں نے اپنے قریب دو کنوئیں دیکھے اور سبزہ جیسے باغات ہوں یا کاشتکاروں کی کھیتاں۔ اور ناگاہ ایک شخص کہتا ہے یہ فلاں کا کنواں ہے اور علماء میں سے ایک عالم کا نام لیا۔ امام یافعی فرماتے ہیں میرا خیال یہ ہے کہ وہ کنواں دوسرے کی نسبت وسیع تھا باد[illegible] پانی والا مجھے پوری طرح یاد نہیں رہا۔ جب بیدار ہوا اور اپنے

خواب میں غور و فکر کیا تو مجھے اس خواب میں کئی چیزوں کے متعلق غیبی اشارات معلوم ہوئے جن کا میں یہاں ذکر نہیں کر رہا ہوں. البتہ میں دو کنوؤں کی طرف جو اشارہ کیا گیا تھا اس میں متحیر و متفکر رہا اور ایک کنوئیں کے ایسے شخص کی طرف منسوب ہونے اور اس کے ساتھ مختص ہونے پر باوجود اس گمان کے کہ وہ دونوں میں سے بہتر کنواں ہے ۔ تقریبًا ایک ساعت بھر غور و فکر کے بعد مجھے یاد آیا کہ وہ شخص عقیدۂ جہت کے ساتھ مشہور و معروف ہے اور عقیدۂ جمہور کے مخالف ہے تو اس وقت خواب کا اشارہ میری سمجھ میں آ گیا (غالبًا اشارہ یہ ہے کہ وہ کنوئیں سے پانی نکال کر کھیتوں کو سیراب کرنے کی مشقت میں بتلا کیا گیا ہے)۔

امام موصوف فرماتے ہیں ۔ مجھے بعض صوفی فقراء نے خبر دی جو کہ ارباب اشارات میں سے تھے کہ میں عقیدۂ جہت رکھنے والے لوگوں کی ایک جماعت کے ساتھ شامل ہو گیا ان کے سامنے ایک شخص کا مدحیہ انداز میں ذکر آ گیا تو انہوں نے کہا اس کا کیا ذکر کرتے ہو وہ تو اشعری ہے ۔ میرے دل میں اضطرابی کیفیت پیدا ہو گئی اور تذبذب سا ہو گیا کہ حق پر کون ہے ؟ اسی رات خواب میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت نصیب ہوئی ۔ میں نے بارگاہِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں عرض کیا فلاں شخص کے متعلق کیا ارشاد ہے ؟ آپ نے فرمایا میں اور وہ قیامت کے دن ان دو انگلیوں یعنی درمیانی اور شہادت والی انگلیوں کی مانند اکٹھے ہوں گے ۔

امام یافعی فرماتے ہیں مجھے اسی درویش سیرت صوفی صافی نے بتلایا کہ ایک دوسرے موقعہ پر حبیبِ کریم علیہ السلام کی زیارت سے مشرف ہوا تو آپ نے میرے ہاتھ میں اسی اشعری عقیدہ کے شخص کی کتاب دیکھی جو اشعری عقیدہ پر مشتمل تھی تو مجھے اس کی روایت کی اجازت بخشی اور یہ خواب بڑا طویل تھا اور بہت بابرکت ۔

امام موصوف فرماتے ہیں کہ مجھے ایک نورِ فراست والے صاحب حال ولی اللہ نے خبر دی ہے کہ انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ نے اشعری عقیدہ کے اس شخص کو شیخ ورع کا لقب دیا ہے یعنی پرہیزگار بزرگ ۔ اور اس کے لیے اللہ تعالٰے سے امداد و اعانت کی دعا فرمائی ہے اور اسے وصیت فرمائی اور ان کے ساتھیوں میں سے بعض فقراء و فقہاء کو فرمایا میں تمہیں بھی وہی وصیت کرتا ہوں جو وصیت تمہارے امام کو کی ہے ۔ اور یہ بھی ایک طویل بابرکت خواب ہے ۔

جامعِ کلماتِ طیباتِ اکابرینِ امت یوسف بن اسماعیل نبہانی کہتا ہے کہ امام یافعی نے ان مقامات اور خوابوں میں اپنی ذات کو مبہم و مجمل انداز میں ذکر کیا ہے کیونکہ وہ خود ہی اس خیرِ عظیم کے مشاہدہ و دیدار سے بہرہ ور کئے گئے ۔ اور وہی اشعری عقیدہ کے شخص ہیں جن کی کتاب اشعری عقیدہ پر مشتمل تھی اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کتاب کی اس شخص کو اجازت فرمائی جس نے وہ خواب دیکھا ۔ جیسے کہ امام یافعی اپنی کتاب نشر المحاسن کے آخر میں خود ہی تصریح فرماتے ہیں ۔

ان کی عبارت یہ ہے ۔ مجھے بعض صالحین نے بتلایا کہ انہوں نے جمعہ کی رات کو ربیع الاول ۷۴۶ھ میں خواب دیکھا گویا ان کے ہاتھ میں میری کتاب " الارشاد والتطریز فی فضل ذکر اللہ وتلاوۃ کتابہ العزیز وفضل الاولیاء والناسکین والفقراء والمساکین " ہے اور اچانک محبوبِ خدا سرور ہر دوسرا صلی اللہ علیہ وسلم سامنے سے تشریف لائے اور ان کے ہاتھ سے وہ کتاب اپنے دستِ کریم میں لے لی ۔ پھر اس کو فرمایا ۔ اسے میرے سامنے پڑھ وہ فرماتے ہیں میں نے اس کتاب کے تین ورق اور ایک صفحہ آپ کے سامنے پڑھے ۔ پھر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں تجھے اجازت دیتا ہوں کہ اس کتاب کو مجھ سے روایت کرے پھر میرے لیے اس کتاب کے پہلے ورق پر اپنی طرف سے اجازت لکھ دی ۔ امام یافعی فرماتے ہیں مجھے اس بزرگوار نے یہ کتاب روایت کرنے کی اجازت دی جیسے کہ انہیں سید المرسلین علیہ السلام کی طرف سے اجازت حاصل ہوئی تھی (انتہت عبارتہ)

اس عبارت سے واضح ہو گیا کہ اشعری عقیدہ کا مالک شخص وہ جس کے متعلق سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں اور وہ شخص قیامت کے دن ان دو انگلیوں کی مانند ہوں گے اور درمیانی انگلی اور شہادت والی انگلی کی طرف اشارہ فرمایا ۔ اور دوسرے موقعہ پر اس کے متعلق شیخ ورع کہہ کر مدح و ثناء فرمائی اور دعاء خیر سے نوازا ، خود امام عبداللہ یافعی ہی ہیں ۔

امام موصوف فرماتے ہیں میں نے اس کتاب میں حقیقت کے موافقِ شریعت ہونے کی طرف اشارہ کر دیا ہے ۔ اور میں نے علماءِ حقیقت کے چند اقوال نقل کر کے ان دونوں کا باہم اتحاد و اتفاق واضح کر دیا ہے ۔

بعض اکابر اولیاء اور ائمہ علماء کی طرف اعتقادِ جہت کی نسبت اور اس کی حقیقت

جب اہلِ حقیقت و طریقت اور اربابِ شریعت کے اقوال سے صراحت ہو گئی کہ دونوں راستے باہم متحد و متفق ہیں تو اب یہ امر ملحوظِ خاطر رہے کہ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ کے متعلق مشہور ہے کہ وہ جہت کے قائل ہیں ۔ اور ان سے منسوب اس قول کو انتہائی عجیب و غریب سمجھا گیا اور علماء مشرق میں سے ان کو اس قول میں منفرد اور شاذ سمجھا گیا جیسے کہ علماءِ مغرب میں سے امام ابن عبدالبر کو اس عقیدہ میں منفرد و شاذ سمجھا گیا ۔ لیکن شیخ کبیر عارف باللہ المعروف نجم الدین اصفہانی فرماتے ہیں کہ حضرت الشیخ الامام العارف باللہ عبدالقادر الجیلانی رضی اللہ عنہ نے آخر میں اس قول سے رجوع کر لیا تھا ۔ اور یہ انکشاف امام اصفہانی نے اس وقت کیا جب ان کو اطلاع ملی کہ امام تقی الدین بن دقیق العید رضی اللہ عنہ نے حضرت محبوب سبحانی رضی اللہ عنہ کے جمہور ائمہ اعلام کے برعکس عقیدۂ جہت اپنانے پر سخت تعجب کا اظہار کیا ہے ۔

امام یافعی فرماتے ہیں کہ جب امام نجم الدین جیسی شخصیت کسی امر کی خبر دے تو وہ سراسر حقیقت ہے اور سامع حقیقتِ حال سے کما حقہ واقف شخص سے اطلاع پانے کی سعادت سے بہرہ ور ہو گیا کیونکہ وہ ظاہر و باطن کے لحاظ سے باخبر ہیں ان کا صاحب نور اور اہلِ کشف ہونا معروف و مشہور ہے پھر عراق ہی ان کا وطن ہے اور وہاں کے علماء و مشائخ کے ساتھ ان کو طویل عرصہ تک رہنے کا موقعہ ملا ہے اور اسی طرح امام اصفہانی کے بہتیرے اصحاب اور اربابِ مجلس نے مجھے حضرت محبوب سبحانی رضی اللہ عنہ کے اس عقیدہ سے رجوع کی اطلاع دی ہے جن کو بخدا سچا ماننے میں مجھے ذرہ بھر شک و شبہ نہیں ہو سکتا ۔ بعد ازاں امام یافعی نے خود حضرت شیخ جیلانی کا اللہ تعالٰے کی توحید اور تنزیہ پر مشتمل طویل کلام نقل کیا جس میں

جسمیت اور تشبیہ کی صراحۃً نفی موجود ہے اور اللہ تعالےٰ کے کسی مکان کی طرف منتقل نہ ہونے اور ازل میں جس صفت و شان پر تھا اب بھی اسی صفت و شان پر ہونے کی تصریح موجود ہے۔

تصریح الامام ابن الحجر الہیتمی المکی متعلق بہ عقیدۂ جہت اور امام احمد کی اس عقیدہ سے براءت

علامہ ابن حجر مکی سے سوال کیا گیا کہ حنابلہ کے عقائد میں جو قباحت و فساد ہے وہ آپ کے علم شریف میں ہے تو کیا حضرت امام احمد کا عقیدہ بھی اس طرح تھا؟ تو انہوں نے جواب دیتے ہوئے فرمایا۔ ان کا عقیدہ اہل السنۃ والجماعت کے عقیدہ کے بالکل مطابق ہے اور وہ ان امور سے اللہ تعالےٰ کو بالکل منزہ و مقدس مانتے ہیں جن کی ظالموں اور منکروں نے اللہ تعالےٰ کی طرف نسبت کی تعالےٰ اللہ عن ذالک علوا کبیرا یعنی وہ جہت و جسمیت اور دیگر علاماتِ نقص اور سماتِ حدوث بلکہ ان جملہ اوصاف سے اللہ تعالیٰ کو منزہ و مبرا تسلیم کرتے ہیں جن میں کمال مطلق نہیں ہے۔

اللہ تعالےٰ اس امام جلیل سے راضی ہو اور اسے راضی کرے اور ان کا مقام و مسکن جنت الفردوس بنائے اور انہیں بھی ان کے طفیل ہمیں بھی اپنے احسانات کاملہ اور انعامات شاملہ سے بہرہ ور فرمائے آمین۔

اس امام عظیم اور مجتہد مطلق کی طرف ان کے بعض جاہل مقلدین نے جو منسوب اور مشہور کر رکھا ہے کہ وہ جہت وغیرہ کے قائل ہیں یہ سراسر جھوٹ ہے اور بہتان و افتراء۔ اللہ تعالےٰ ایسے لوگوں پر لعنت بھیجے جنہوں نے ایسے برے عقیدہ کی نسبت اس امام جلیل کی طرف کی ہے اور ان عیوب و نقائص کے ساتھ ان کو متہم کیا ہے جن سے اللہ تعالےٰ نے ان کو بری فرمایا ہے۔

الحافظ الحجۃ القدوۃ الامام ابو الفرج بن الجوزی جو امام رحمہ اللہ تعالےٰ کے ائمہ مذہب سے ہیں اور اس عقیدۂ شنیعہ قبیحہ سے بری ہیں انہوں نے بڑی وضاحت و صراحت کے ساتھ فرمایا ہے کہ امام احمد کی طرف عقیدۂ جہت وغیرہ کی نسبت محض جھوٹ ہے اور افتراء و بہتان اور ان کی اپنی عبارات اللہ تعالےٰ کی تنزیہ اور اس عقیدہ کے بطلان میں نص صریح ہیں۔

امام ابن الجوزی کی اس تصریح کو اچھی طرح ذہن نشین کر لیں کیونکہ یہ بہت اہم ہے اور ابن تیمیہ اور اس کے تلمیذ ابن قیم وغیرہ کی کتابوں میں جو کچھ اس امام جلیل کی طرف منسوب کیا گیا ہے اس کی طرف قطعاً دھیان نہ دیں اور کان نہ لگائیں۔

حضرت محبوب سبحانی کی عقیدۂ جہت سے براءت

اسی طرح حضرت امام الکاملین الواصلین شیخ عبد القادر جیلانی رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب کتاب غنیۃ الطالبین میں جو کچھ عقیدۂ جہت کے متعلق مذکور ہے اس سے بھی دھوکا نہ کھانا چاہیئے کیونکہ وہ امام العارفین قطب الاسلام والمسلمین اس عقیدہ سے بری ہیں اور بعض لوگوں نے ان کی کتاب میں از روئے فریب و مکر اس عقیدہ کا اضافہ کر دیا ہے اللہ تعالےٰ ضرور ان سے

اس کا بدلہ لے گا۔

یہ لغو اور بیہودہ عقیدہ ان کے حق میں کیسے رواج پذیر ہو سکتا ہے حالانکہ وہ کتاب و سنت پر پوری دسترس رکھتے تھے اور فقہ شافعیہ و حنبلیہ پر مکمل عبور حتیٰ کہ وہ دونوں مذاہب پر فتویٰ دیتے تھے۔ علاوہ ازیں اللہ تعالےٰ نے ان کو معارف و حقائق کی آگہی سے مشرف فرمایا۔ اور ان کو خوارق عادات اور کرامات ظاہرہ و باطنہ سے معزز و مکرم فرمایا۔ اور ان کے احوال کے متعلق جو کچھ بتلایا گیا ہے اور جو کچھ ہر ایک پر واضح و روشن ہے وہ متواترات کے قبیل سے ہے (اور جو عقول خلق اور ان کے معلومات سے ماورٰی کمالات ہیں وہ ان کے علاوہ ہیں)

حضرت شیخ عبد القادر الجیلانی کا کھائے ہوئے مرغ کو زندہ فرمانا

امام یافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نقل فرماتے ہیں کہ ہمیں صحیح اور متصل سند کے ساتھ یہ روایت پہنچی ہے کہ حضرت محبوب سبحانی رضی اللہ عنہ نے مرغ کا گوشت تناول فرمایا۔ جب محض اس کی ہڈیاں باقی رہ گئیں تو اس کو زندہ کرنے کے لیے جناب الٰہی میں دست بدعا ہوئے اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا کو شرفِ قبولیت بخشتے ہوئے اس کو زندہ فرما دیا اور وہ زندہ ہو کر ان کے سامنے دوڑنے بھاگنے لگا جیسے کہ ذبح ہونے اور پکنے سے قبل تھا جس محبوب کو اللہ تعالےٰ نے اس قسم کی ظاہرہ و باہر کرامات سے نوازا ہو کیا اس کے متعلق یہ تصور و توہم کیا جا سکتا ہے کہ وہ ایسے قبائح کے قائل ہیں جو صرف ایسے اشخاص سے صادر ہو سکتے ہیں جن میں اللہ تعالےٰ اور اس کے صفاتِ کمال سے جہل و نادانی اور اس کے حق میں محال و ممتنع اور واجب و ضروری یا جائز اور ممکن امور سے مکمل بے خبری و لاعلمی گھر کر چکی ہو۔ سُبْحَانَکَ هٰذَا بُهْتَانٌ عَظِیْمٌ۔ اے اللہ تو پاک ہے اور یہ بہت بڑا بہتان ہے یَعِظُکُمُ اللّٰهُ اَنْ تَعُوْدُوْا لِمِثْلِهٖۤ اَبَدًا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ۔ اللہ تعالےٰ تمہیں نصیحت فرماتا ہے کہ ایسے بہتان دوبارہ مت تراشنا اگر تم میں ذرہ بھر ایمان ہے تو۔ وَ یُبَیِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰیٰتِ وَاللّٰهُ عَلِیْمٌ حَكِیْمٌ۔ اور اللہ تعالےٰ تمہارے لیے اپنی آیات کو واضح فرماتا ہے اور اللہ صاحب علم عام اور حکمت تام ہے۔

ہر عقل مند کے علم قطعی اور ایقان حتمی کے لیے اس قدر کافی ہے کہ حضرت محبوب سبحانی رضی اللہ عنہ رسالہ قشیریہ میں جو کچھ ہے اس سے غافل و بے خبر نہیں ہو سکتے تھے جو دور و دراز علاقوں تک پہنچا اور اہلِ اسلام کے درمیان مشہور و معروف ہوا علی الخصوص اہل تحقیق و عرفان کے اندر۔ اور جب اس سے بے خبر نہیں تھے تو ان میں اس قبیح و شنیع عقیدہ کا گمان کیوں کر کیا جا سکتا ہے؟

اس رسالہ میں بعض اہلِ حقیقت و معرفت ائمہ مسلمین اور محذور و موجب لوم امور سے سالمین لوگوں کے ایک فرد کامل و اکمل یعنی ابو عثمان مغربی رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ انہوں نے فرمایا میرے دل میں عقیدہ جہت کا کچھ خیال تھا (عراق میں پہنچنے پر) وہ عقیدہ زائل ہو گیا تو میں نے اپنے احباب و اصحاب کی طرف لکھا کہ میں اب مشرف باسلام ہوا ہوں میں اس سے پہلے مومن نہیں تھا۔

اس فرمان پر اچھی طرح غور و خوض کر اور توجہ دے شاید تجھے بھی قبولِ حق کی توفیق دی جائے ان شاء اللہ اور استقامت کی راہوں پر گامزن ہو۔ فقہاء شافعیہ میں سے ہمیں کوئی ایسا شخص معلوم نہیں ہو سکا جو اس اعتقاد فاسد و قبیح میں مبتلا ہوا ہو جو بسا اوقات کفر تک پہنچا دیتا ہے العیاذ باللہ ماسوا علامہ عمرانی صاحب البیان کے۔ اور وہ بھی یا بہتان و افتراء ہے اور یا انہوں نے وفات سے قبل اس سے توبہ کر لی تھی کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کی کتابوں سے اہل شرق و غرب کو نفع بہم پہنچایا ہے۔ اور جو شخص ایسے قبیح اور فاسد عقیدہ پر ہو اللہ تعالیٰ بالعموم اس کے آثار سے کسی کو بہرہ ور اور فائدہ مند نہیں کرتا۔ (انتہیٰ کلام الامام ابن الحجر) اور میں نے ان کی عبارت سے ابن تیمیہ اور ابن قیم کی مذمت اور ان کو گمراہ و بیدین قرار دینے پر مشتمل شدید عبارات کو حذف کر دیا ہے۔ اگرچہ انہوں نے یہ انداز و اسلوب غیرت دینیہ اور اہلِ اسلام کی ہمدردی و غمخواری کے لیے اپنایا ہے۔

حدیث سوداء سے ایہام جہت اور اس کی مختلف تاویلات و توجیہات کا بیان

علامہ ابن حجر نے فتاویٰ حدیثیہ میں ہی ایک دوسرے جواب کے ضمن میں فرمایا کہ حدیث سوداء میں مختلف تاویلات کی گئی ہیں تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ ایک سیاہ فام لونڈی کو اس کا مالک آزاد کرنا چاہتا تھا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے دریافت کیا۔ اللہ تعالیٰ کہاں ہے؟ اس نے عرض کیا آسمان میں تو آپ نے فرمایا اس کو آزاد کر دو کیونکہ وہ مومنہ ہے (اس حدیث سے اللہ تعالیٰ کا آسمان میں موجود ماننا ایمان و ایقان بن رہا ہے حالانکہ دلائل قطعیہ سے ثابت کہ وہ مکان و زمان کی حدود و قیود سے منزہ ہے) لہٰذا اکابرینِ امت نے اس کی مختلف تاویلیں کی ہیں۔ منجملہ ان سے علامہ مازری ہیں وہ فرماتے ہیں کہ رسالت مآب علیہ افضل الصلوات کا مقصد یہ تھا کہ اس عورت سے موحد ہونے کی دلیل طلب فرماویں۔ تو اس کو ایسے اندازِ خطاب سے مخاطب فرمایا جس سے اس کا مقصد سمجھ میں آسکے کیونکہ موحدین کی علامت و نشانی یہ ہے کہ وہ دعا اور طلبِ حوائج کے وقت آسمان کی طرف توجہ کرتے ہیں بخلاف بت پرستوں کے کہ وہ اپنے حوائج ان اصنام و اوثان سے طلب کرتے ہیں جن کو پوجتے ہیں اور آتش پرست اپنی حاجات آگ سے طلب کرتے ہیں۔ لہٰذا آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے عقیدہ کا کشف و اظہار طلب فرمایا تاکہ معلوم ہو جائے کہ وہ مومنہ ہے یا نہیں؟ تو اس نے اس جہت کی طرف اشارہ کر کے بتلا دیا کہ میں موحدین میں سے ہوں۔

امام شعرانی نے الیواقیت والجواہر کے مبحث سابع میں ذکر فرمایا ہے کہ میں نے حضرت الشیخ عبد القادر الجیلانی قدس سرہ العزیز کی طرف منسوب کتاب بہجۃ الاسرار میں اللہ تعالیٰ کے متعلق جہت علو میں ہونے کا قول دیکھا۔ میں یہ فیصلہ نہیں کر سکتا کہ آیا یہ کلام شیخ موصوف کی کتاب میں بعض فریب کار لوگوں نے داخل کر دیا ہے۔ یا ابتداء میں ان کا عقیدہ یہی تھا اور بعد ازاں جب اربابِ طریقت و حقیقت کے زمرہ میں داخل ہوئے تو اس سے رجوع فرما لیا۔ کیونکہ ہر عارف باللہ کو معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ حیز و مکان سے پاک ہے۔ اور حضرت السید غوث الثقلین رضی اللہ عنہ کی ولایت اقطارِ ارض اور اطرافِ عالم (بلکہ ملک و ملکوت)

میں مشہور و معروف ہے۔ تو ایسی ہستی سے عقیدۂ جہت پر کاربند ہونے کا توہم و تخیل قطعاً بعید ہے۔

شیخ محی الدین ابن العربی قدس سرہ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ کے ارشاد گرامی "اِلَیْهِ یَصْعَدُ الْکَلِمُ الطَّیِّبُ" سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ جہت فوق میں ہو (کہ کلمات طیبہ اس کی بارگاہ تک بلند ہو سکیں گے) اور دوسری جہات میں ہو تو ان کا صعود متصور نہ ہو سکے کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَھُوَ اللّٰہُ فِی السَّمٰوٰتِ وَفِی الْاَرْضِ۔ اللہ تعالیٰ آسمانوں میں ہے اور زمین میں یعنی ایسی ظرفیت کے ساتھ جو اس کے شایانِ شان ہے۔ اور سب محققین کا اس پر اجماع ہے کہ حالتِ سجود میں اللہ تعالیٰ کا شہود صعود ہے خواہ سجود اسفل السافلین میں ہی کیوں نہ ہو۔ اور آیت مقدسہ "یَخَافُوْنَ رَبَّھُمْ مِّنْ فَوْقِھِمْ" کا مطلب یہ ہے کہ وہ اپنے رب سے اس بات کا خوف رکھتے ہیں کہ ان پر ان کے سروں کے اوپر سے کہیں عذاب نہ نازل فرما دے۔ نہ یہ کہ اللہ تعالیٰ ان سے اوپر جہت فوق اور مکان عالی میں ہے العیاذ باللہ۔ اور مبحث ثامن میں بھی امام شعرانی نے اس پر بسط کے ساتھ بحث فرمائی ہے اور حدیث سوداء کی توجیہ و تاویل کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

سوال۔ اگر اللہ تعالیٰ جہتِ فوق سے منزہ ہے تو پھر سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس سیاہ فام لونڈی سے اللہ تعالیٰ کے مکان سے متعلق سوال کرنے کی حکمت و مصلحت کیا ہو گی "جس کے اسلام میں لوگوں کو شک تھا اور وہ اسے آزاد کرنا چاہتے تھے" کہ اللہ تعالیٰ کہاں ہے؟ اور اس نے آسمان کی طرف اشارہ کر دیا" تو آپ نے فرمایا۔ رب کعبہ کی قسم یہ مومنہ ہے۔ حالانکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو قطعی طور پر معلوم تھا کہ اللہ تعالیٰ کے حق میں مکان اور جہت محال ہے۔

جواب۔ اس کا جواب جیسے کہ شیخ محی الدین ابن العربی قدس سرہ سے کبریت الاحمر کے باب ۳۸۵ میں منقول ہے، یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس لونڈی سے یہ سوال اپنے عقل و عرفان کے مطابق نہیں بلکہ اس لونڈی کے عقل انزل و سافل کے مطابق فرمایا اور از راہ تنزل ایسا کلام فرمایا اور شریعت مطہرہ بھی اہل علم کے محاورات کے مطابق نازل ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے۔

وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهٖ لِیُبَیِّنَ لَھُمْ الآیۃ۔ ہم نے ہر رسول کو ان کی قوم والی زبان کے ساتھ بھیجا تاکہ ان کے لیے احکام کی وضاحت کر سکیں۔ اور لوگوں کا باہم محاورات میں اور اطلاق الفاظ و کلمات میں توافق و اتحاد کبھی ایسی صورت پر ہوتا ہے کہ حقائق بھی فی نفسہا اسی طرح پر ہوتے ہیں۔ اور کبھی حقائق اس سے مختلف ہوتے ہیں۔ اور شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام ان تعبیرات میں عوام اہل علم کے ساتھ متفق ہوتے ہیں اور ان کے عقول قاصرہ کے لیے تنزل اختیار کرتے ہیں تاکہ وہ آپ سے احکامِ خداوندی سمجھ سکیں اور اس کے ساتھ ہی دلائل عقلیہ اللہ تعالیٰ کے حق میں اینیت و مکان کے محال ہونے پر دال ہیں۔

لہٰذا حدیث سوداء میں بھی عرف عوام اور ان کے عقول قاصرہ کا لحاظ کرتے ہوئے فرمایا "این اللہ"، اللہ تعالیٰ کہاں ہے؟ اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ کوئی اور شخص اس طرح کہے تو یہ قول اس کے دلیل عقلی سے جاہل اور بے خبر ہونے

کی وجہ سے صادر ہو گا کیونکہ اللہ تعالے کے لیے فی نفسہٖ اینیت اور مکان ثابت نہیں بلکہ انسان محض اپنے قصور فہم اور نقصانِ ادراک کی وجہ سے اللہ تعالے کا مشاہدہ صرف مکان ہی میں کرتا ہے اور اس سے زیادہ ترقی نہیں کر سکتا مگر یہ کہ اللہ تعالے اس کو نورِ کشف عطا فرما کر امداد و تعاون سے نوازے۔

جب سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے لونڈی سے یہ سوال فرمایا تو اس کی حکمت و مصلحت بھی واضح ہے اور آپ کا حقیقت سے باخبر ہونا بھی اور ہمیں یہ معلوم ہو چکا ہے کہ اس لونڈی کی یہ استعداد نہ تھی کہ اپنے موجد و خالق کا تصور کرے مگر اسی طرح جیسے کہ اس نے اپنے دل میں سوچ رکھا تھا اور عقیدہ بنا رکھا تھا۔ اگر محبوبِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم اس کے مزعوم و متخیل الٰہ کے متعلق اس انداز میں سوال کرتے جو اس کے وہم و گمان میں نہ تھا اور اس کے محاورات اور اسلوبِ بیان میں نہیں تھا تو فائدۂ مطلوبہ حاصل نہ ہوتا۔ اور اس کے عقیدہ کو شرف قبول حاصل نہ ہوتا۔ لہٰذا آپ کا اس لونڈی سے اس انداز میں سوال کرنا اور اس عبارت سے سوال کرنا عین حکمت و مصلحت ہے اور اسی بناء پر آپ نے لونڈی کے آسمان کی طرف اشارہ کرنے پر فرمایا کہ یہ مومنہ ہے یعنی اللہ تعالے کے آسمان میں موجود ہونے کی تصدیق کرنے والی ہے جیسے کہ اللہ تعالے کا ارشاد ہے۔ وَهُوَ اللّٰهُ فِي السَّمٰوٰتِ وَفِي الْاَرْضِ (انتہی کلام الامام الشعرانی)

یہی امام عبدالوہاب الشعرانی اپنی کتاب "المنن الکبریٰ" میں فرماتے ہیں اللہ تعالے کے خصوصی انعامات و احسانات میں سے ایک یہ احسان عظیم بھی ہے کہ میں نے صغر سنی میں بھی اللہ تعالے کے حق میں جہت کا قول نہیں کیا۔ اور یہ محض اللہ تعالے کی عنایت ہے نہ کہ کسی شیخ کے دستِ اقدس پر بیعت سلوک کا اثر۔ اور اس معاملہ میں بے شمار لوگ ہلاک ہو گئے۔ ان کا وہم عقل پر غالب آ گیا۔ اور یہ گمان کر لیا کہ اللہ تعالیٰ فقط جہت علو میں ہے۔ اور ان کی نگاہوں سے اللہ تعالے کا ارشاد اوجھل رہا، "وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ" اللہ تعالے کی بارگاہِ والا میں سجدہ ریز ہو جاؤ اور اس کا قرب و وصال حاصل کرو۔ اور رسول کریم علیہ السلام کی یہ حدیث ان کے گوشۂ خیال میں نہ رہی "اقرب مایکون العبد من ربہ وہو ساجد" بندہ اللہ تعالے سے قریب تر اس وقت ہوتا ہے جب کہ وہ سجدہ میں ہو اس آیتِ مقدسہ اور حدیثِ پاک میں تصریح ہے کہ ذاتِ باری تعالے کسی ایک جہت میں متحیز و متقید نہیں ہے یعنی جس طرح اس کو جہت عالی اور فوق میں طلب کرتے ہو اسی طرح اس کو جہت اسفل میں طلب کرو اور اپنے وہم کی مخالفت کرو۔ اور شارع علیہ السلام نے بندہ کی حالتِ سجود کو اللہ تعالے سے قریب تر قرار دیا ہے اور قیام کو مثلاً قریب تر قرار نہیں دیا تو یہ صرف اس لیے ہے کہ بارگاہ صمدیت کے خصائص سے یہ ہے کہ جو بھی اس میں باریابی حاصل کرتا ہے فقط عجز و نیاز اور تواضع و انکساری سے حاصل کرتا ہے جب بندہ اپنے محاسن اور احسن ترین اعضاء کو خاک آلود کرتا ہے تو بنسبت قیام کے اس حالتِ نیاز میں مقامِ شہود میں زیادہ قرب پہ فائز ہو گا۔ لہٰذا یہ قرب و بعد بندے کے اللہ تعالے کے مشاہدہ و دیدار کی طرف راجع ہے نہ کہ ذات باری تعالے کی طرف۔ کیونکہ اس کی طرف سے اقربیت اور نزدیکی ہر ایک کے لحاظ سے برابر اور یکساں ہے اللہ تعالے قریب المرگ انسان کے متعلق فرمایا ہے۔ "نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْكُمْ وَلٰكِنْ لَّا تُبْصِرُوْنَ" ہم بہ نسبت تمہارے اس

کے زیادہ قریب ہیں لیکن تم دیکھتے نہیں ہو۔ فرمان خداوندی ہے "نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ" ہم انسان کی شہ رگ سے بھی اس کے زیادہ قریب ہیں۔ اور یہ بھی اس کا اعلان ہے "وَاعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰهَ يَحُوْلُ بَيْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهٖ" یقین رکھو کہ اللہ تعالے بندے اور اس کے دل کے درمیان حائل ہوتا ہے۔

لہٰذا اس بات کا خاص خیال رہے کہ جہت کے قائل لوگوں کی کتابوں میں جن احادیث کا ذکر ہے اور ضعیف العقل لوگ جن سے جہت کا اعتقاد رکھنے پر مجبور معلوم ہوتے ہیں وہ سب اپنے ظاہر سے مصروف و مؤول ہیں اور ان کو ہرگز ہرگز ظاہری معنی پر حمل نہ کرنا چاہیے۔ میں نے صغر سنی میں ایک مرتبہ اللہ تعالے کے متعلق غور و فکر کیا۔ اور میں جو کچھ سمجھ سکتا تھا اسی کے مطابق اس کو قیاس کیا مگر پھر اس تعقل و تصور اور قیاس و گمان کو اللہ تعالے کے فرمان لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ پر پرکھا یعنی اللہ تعالے کی مثل کوئی شئی نہیں ہے۔ اور اسی طرح اہل اللہ کے اس ارشاد کے ساتھ اس کا موازنہ کیا "کل شئی خطر ببالک فاللہ بخلاف ذالک" جو چیز تیرے گوشۂ دل و دماغ میں سما جاتے وہ اللہ نہیں ہے بلکہ اللہ تعالے کی ذات اس سے ماوراء ہے۔ اسی طرح اربابِ بصائر کے اس ارشاد کو اپنے اس تصور و تخیل کے لیے معیارِ صدق و حقانیت بنایا "کہ اللہ تعالے کی حقیقت تمام حقائق سے مختلف ہے اور وہ تمام تر احوال میں اپنی مخلوق کے مبائن و مخالف ہے" تو اس کے بعد میرے دل سے اللہ تعالے کے متعلق جہت و حیز کا تصور و تعقل کلیۃً اور یکبارگی زائل ہو گیا۔ یہ کتنی ہی لذیذ و پیاری معرفت تھی۔ گویا کہ میں اس کے بعد قید و بند والی تاریک و تار کوٹھڑی سے ایک فضاء بسیط کی طرف منتقل ہو گیا۔

امام شعرانی کا عالم وجود کو فضائے بسیط میں معلق دیکھنا اور بیک وقت اپنے آپ کو عرش کے اندر اور عرش سے خارج دیکھنا

پھر میں نے اپنی یہ تحقیق سیدی علی المرصفی کی خدمت میں پیش کی تو انہوں نے فرمایا کہ یہ اللہ تعالے کی عظیم عنایت ہے جو تجھے حاصل ہوئی ہے۔ اور ان شاء اللہ یہ سلسلہ ترقی پذیر رہے گا میں اس رات سویا تو کیا دیکھتا ہوں کہ ایک شخص مجھے پکار کر کہتا ہے اپنی عقل سے احاطۂ عرش سے پار ہو جا اور دیکھ تجھے وجود جسمانی علوی و سفلی یوں معلوم ہو گا جیسے کہ بغیر کسی علاقہ و سبب کے کوئی قندیل ہوا میں لٹکی ہوتی ہو اگر وہ ہمیشہ بلندی کی طرف محوِ صعود و ارتقاء رہے تو کوئی دوسرا جسم اس کو ایسے نہیں ملے گا جس سے متعلق ہو سکے اور اگر ہمیشہ کے لیے محوِ نزول و تسفل رہے تو اسے کوئی ایسی زمین نہیں ملے گی جس پر اسے استقرار حاصل ہو۔ چنانچہ میں اُن کے کہنے کے مطابق اپنی عقل و فکر کے ذریعے احاطہ عرش سے باہر ہو گیا اور مجھے عظمت باری تعالیٰ کی وسعت اور بے پایانی کا کماحقہٗ علم حاصل ہو گیا اور اس دن سے توہم جہت کلیۃً میرے دل و دماغ سے دور ہو گیا۔ اور میں نے اسی مشہد و منظر میں اپنے آپ کو دو مکانوں میں پایا۔ میں یقینی طور پر عرش کے احاطہ میں بھی تھا اور قطعی طور اس سے آزاد اور خارج بھی میں اسی حال میں کھڑا تھا کہ ایک سفید رنگ طویل گردن پرندہ آیا اس نے اپنا منہ کھولا اور تمام تر وجود جسمانی و جسمانی کو نگل گیا اور اسے لے کر اڑ گیا۔

تو میں اپنے آپ کو اس پرندہ کے حوصلہ اور معدہ میں بھی دیکھ رہا تھا اور اس سے باہر بھی تھا۔ پھر ایک نورانی چڑیا سی آئی اس نے اپنا منہ کھولا اور اس پرندے کو بمع تمام عالم جسمانی کے اچک لیا اور آنکھ سے اوجھل ہو گئی۔ میں نے یہ سارا خواب کا منظر حضرت علی مرصفی پر پیش کیا تو انہوں نے فرمایا اب تو ورطۂ حیرت اور توہمات کے بھنور سے نکل گیا ہے۔ اور فرمایا جس قدر تیری معرفت بڑھتی گئی۔ وجودِ عالم تیری نگاہوں میں کم ہوتا گیا۔ پہلے تو نے عرش کو بہت ہی وسیع پایا مگر جب تیرے اپنے وجود کے پھیلنے اور وسیع ہونے سے تیری معرفعت وسیع تر ہوگئی تو [illegible] اعظم اپنے پہلے مشہد و منظر کی نسبت چھوٹا دکھائی دینے لگا۔ پھر تیری معرفت اور زیادہ وسیع ہو گئی جب کہ تو نے عرش سے چھوٹا پرندہ دیکھا جس نے عرش کو نگل لیا۔ بعد ازاں وہ معرفت اور وسیع ہو گئی جب کہ تو نے ناموسہ کو دیکھا کیونکہ محدود و محصور وجود غیر محدود اور غیر محصور وجود کے مقابلہ میں یونہی ہے جیسے کہ روشن دان سے اندر پڑنے والی سورج کی کرنیں جو اترتی اور چڑھتی نظر آتی ہیں مگر جب ہاتھ بڑھا کر پکڑنا چاہو تو اپنے ہاتھ میں کچھ بھی موجود نہیں پاؤ گے۔

میں نے یہ منظرِ خواب حضرت الشیخ نور الدین علی الشونی سے بیان کیا تو انہوں نے فرمایا مجھے بھی اسی طرح کا واقعہ پیش آیا اور میں نے تمام وجود کو فضا میں ایک ذرہ کی مانند دیکھا۔

منتہائے ترقی پر کائنات کا اصل وجود کے مطابق نظر آنا

پھر فرماتے ہیں میں نے حضرت سیدی علی الخواص کی خدمت میں حاضری دی۔ اور انہیں یہ کیفیت بتائی تو انہوں نے فرمایا۔ عالم توحید کے لحاظ سے تو عالم جسمانی کی یہ بے مقداری درست ہے ورنہ درحقیقت عالم وجود فی نفسہٖ عظیم ہے کیونکہ وہ شعائر اللہ سے ہے اور اللہ تعالےٰ کا ارشاد ہے "وَمَنْ یُّعَظِّمْ شَعَائِرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ" جو اللہ تعالیٰ کے شعائر اور اس کی نشانیوں کی تعظیم کرے اور ان کو عظیم سمجھے تو یہ اس کے قلبی تقویٰ کی علامت ہے۔ جب بندہ عالم وجود کو ذرہ کی مانند مشاہدہ کر لیتا ہے تو بعد ازاں افرادِ وجود آہستہ آہستہ اس کی نگاہ میں بڑے ہونے لگ جاتے ہیں حتیٰ کہ اسی مقدار پر نظر آنے لگتے ہیں جس پر ترقی سے پہلے نظر آتے تھے۔ اور وہ شخص اس وجود کی تعظیم بجا لاتا ہے جس کی اللہ تعالےٰ کے ہاں کوئی عظمت مقدار اور قدر و منزلت ہے۔ اور اس وجود کو حقیر سمجھنے لگتا ہے جس کی اللہ تعالےٰ کے ہاں کوئی قدر و منزلت نہیں ہے کیونکہ مومن منافق کی مانند نہیں ہے۔ اور نہ مینڈھا کتے کی مانند اور حاصل مراد و مقصد یہ ہے کہ موجودات از روئے ایجاد و تخلیق اللہ تعالےٰ کے معلومات کے مقابل، لاشی اور ناچیز معلوم ہوتے ہیں۔ لیکن از روئے مراتب و درجات ان کی تعظیم و تکریم واجب و لازم ہے جن کو اللہ تعالےٰ کے ہاں عظمت مرتبت حاصل ہے۔

اقول۔ حضرت غوث الثقلین رضی اللہ عنہ نے اسی منصب کی خبر دیتے ہوئے اور خواب نہیں بلکہ بیداری کا واقعہ بیان کرتے ہوئے اور صرف ایک موقعہ کا نہیں بلکہ ہمیشہ کا مشاہدہ بیان کرتے ہوئے فرمایا۔ نَظَرْتُ اِلٰى بِلَادِ اللّٰهِ جَمْعًا ۔ كَخَرْدَلَةٍ عَلٰى حُكْمِ اتِّصَالِی۔ میں نے ہمیشہ کے لیے اللہ تعالےٰ کے بلاد اور آبادیوں کو اس طرح دیکھا ہے جیسے رائی کا دانہ ہو۔

اور جس کو اللہ تعالےٰ کے ہاں کوئی قدر و منزلت حاصل نہیں ہے اس کو حقیر و ذلیل جانیں جیسے کہ ہم کو اللہ تعالےٰ کی طرف سے مکلف ٹھہرایا گیا ہے اور ہمیں اس تکلیف کا علم و فہم ہے۔

الغرض معلوم ہو گیا کہ جس شخص کو یہ وہم ہے کہ اللہ تعالےٰ کو جہات نے اپنے احاطہ میں لیا ہوا ہے اس کے لیے مقام معرفت میں کوئی حظ و حصہ نہیں ہے۔ اور مجسمہ کی مانند ہے (جو اللہ تعالےٰ کے لیے جسم تسلیم کرتے ہیں نعوذ باللہ من ذالک وتعالےٰ اللہ عن ذالک علوا کبیرا انتہت عبارۃ الامام الشعرانی فی المنن)

امام شعرانی قدس سرہ اپنی کتاب "الکبریت الاحمر فی بیان علوم الشیخ الاکبر" کے باب ۲۷ میں فرماتے ہیں چونکہ اللہ تعالےٰ سلطانِ اعظم ہے اور ہر سلطان کے لیے ایک مکان کا ہونا ضروری ہے جس کی طرف حاجت مند اپنی حاجات لے کر پہنچیں اور بادشاہ سے قضاء حاجات کی درخواست کریں لیکن اللہ تعالےٰ مکان سے پاک ہے اور تمکن سے منزہ لہٰذا اس کے مرتبۂ سلطانی کا تقاضا یہ تھا کہ عرش کو پیدا فرمائے۔ چنانچہ اس نے عرش کو پیدا فرمایا اور اس پر اپنی شان کے لائق استواء و تسلط کا مظاہرہ فرمایا تاکہ خلق خدا اپنی حاجات اور دعوات میں اس کی طرف متوجہ ہو اور یہ سب بندوں پر اس کی رحمتِ خاصہ ہے اور ان کے عقول قاصرہ کی خاطر تنزل ہے۔ اگر اس کی رحمت بندوں کی دستگیری نہ کرتی تو وہ ہر وقت حیرت میں ڈوبے رہتے اور یہ فیصلہ نہ کر سکتے کہ دل و جان سے کدھر متوجہ ہوں۔ نیز اللہ تعالےٰ نے بندوں کو جہات پر مشتمل پیدا کیا ہے لہٰذا ان کا دل و دماغ انہیں اشیاء کا تصور کر سکتا ہے۔ اور انہیں کو قبول کرتا ہے جن کے لیے جہات ہوں۔ لہٰذا اللہ تعالےٰ نے اپنی طرف آسمان اور عرش پر فوقیت بھی منسوب فرمائی اور تمام جہات کے محیط ہونے کا بھی اعلان فرمایا "فَاَیْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ" جدھر بھی توجہ کرو اللہ تعالےٰ کی ذات والا اسی طرف ہے۔ رسول معظم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "ینزل ربنا تبارک وتعالیٰ الی السماء الدنیا" ہمارا رب جل وعلیٰ آسمان دنیا کی طرف نزول فرماتا ہے۔ محبوب کبریاء کا ارشاد گرامی ہے "ان اللہ تعالےٰ فی قبلۃ احدکم" اللہ تعالےٰ تمہارے قبلہ کی جانب ہوتا ہے جب تم میں سے کوئی نماز پڑھ رہا ہوتا ہے۔

الغرض یہ فوقیت و علو اور نزول و ہبوط اور نمازیوں کے سمت قبلہ میں ہونا وغیرہ ان سب امور کی تخلیق مراتب کے بیان کے لیے ہے نہ کہ بیانِ اعیان اور تعین اشخاص کے لیے واللہ اعلم۔

امام شعرانی الکبریت الاحمر کے باب ۳۸۵ میں سیاہ فام لونڈی کو سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد "این اللہ" پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں عقلی دلیل کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے کسی مکان میں ہونے کا استحالہ ثابت ہو چکا ہے۔ لیکن شارع علیہ السلام نے جب دیکھا کہ یہ لونڈی اتنی استعداد نہیں رکھتی کہ اپنے موجود خالق کا تعقل و تصور اس سے مختلف طریقہ پر کر سکے جو اس نے اپنے ذہن قاصر میں جما رکھا ہے تو اس کے ساتھ اس انداز میں خطاب فرمایا۔ اور جب اس نے اپنے زعم کے مطابق اس کا آسمان میں موجود ہونا ظاہر کیا تو اسے کو مومنہ قرار دے دیا۔ اور اگر اس کے تصور و تخیل کے برعکس کسی دوسرے انداز میں اس کے ساتھ خطاب فرماتے تو فائدہ مطلوبہ حاصل نہ ہوتا اور اسے قبولیتِ بارگاہ حاصل نہ ہوتی۔ لہٰذا یہ آنحضرت

صلی اللہ علیہ وسلم کا حکیمانہ اندازِ سوال تھا اور حکمت پر مشتمل عبارت تھی۔ اس لیے جب اس نے آسمان کی طرف اشارہ کر دیا تو فرمایا کہ یہ مومنہ ہے یعنی وجود باری کی تصدیق کرنے والی ہے۔ اور یہ نہیں فرمایا کہ وہ کما حقہ اللہ تعالے کی ہستی کا علم رکھتی ہے کیونکہ اس نے اس اشارہ سے قول باری تعالے وھو اللہ فی السمٰوت کی تصدیق کر دی۔ اور اگر صاحب علم ہوتی تو اس کو آسمانی جہت کے ساتھ مقید نہ کرتی۔ تو اس سے معلوم ہوا کہ عالم کو چاہیے کہ جاہل کا تنزل عقل مدنظر رکھتے ہوئے اس کا ساتھ دے اور اس کے مبلغ علم و عقل کے مطابق اس سے بات کرے کیونکہ جہلاء علماء کا تنزل کے بغیر ساتھ دینے سے قاصر ہیں۔

ہم نے اینیت اور مکان باری کے استحالہ میں جو کچھ ذکر کیا ہے اس کی توضیح یہ ہے کہ تمام شرائع کا تنزل امم و اقوام کے باہم معروف و متعارف محاورات اور بول چال کے مطابق ہوا ہے۔ اللہ تعالے کا ارشاد گرامی ہے "وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهٖ لِيُبَيِّنَ لَهُمْ"، ہم نے ہر رسول کو اس کی قومی زبان دے کر بھیجا ہے تاکہ ان کے سامنے اپنا مقصد واضح کر سکے۔

پھر یہ تواطو اور توافق کبھی تو حقائق کی نفس الامری صورت وکیفیت کے مطابق ہوتا ہے اور کبھی ایسا نہیں ہوتا۔ اور اللہ تعالے نے تعبیر مقاصد اور بیان احکام میں ان کے عرف کا لحاظ رکھا ہے تاکہ اس کے احکام اور میعاد و مواعید کو سمجھا جا سکے لہٰذا شارع علیہ السلام نے جہاں اللہ تعالے کے حق میں جہت کا لفظ استعمال کیا ہے تو محض اس امت کے ساتھ توافق و تطابق کی راہ اختیار کرتے ہوئے اور اگر غیر رسول ایسے الفاظ کہے تو دلیل عقلی اس قائل کے جہل اور نادانی پر شاہد عدل ہو گی کیونکہ اللہ تعالے کے لیے اینیت اور مکانیت محال ہے۔ جب رسولِ خدا نے یہ الفاظ استعمال کئے اور ان کا علم و حکمت ہر ایک پر واضح و ظاہر ہے تو ہمیں قطعی طور پر معلوم ہو گیا کہ انہوں نے اس ناقص العقل اور قاصر الفہم لونڈی کی خاطر تنزل سے کام لیا ہے۔

شیخ اکبر محی الدین سے نقل کرتے ہوئے فرمایا اللہ تعالے کے فوق ہونے پر ایمان لانے سے جہت کا عقیدہ لازم نہیں آتا اور نہ شبہ جہت کا لزوم اور اللہ تعالے کے لیے فوقیت ثابت ہے نہ کہ جہت فوق تو تبلایئے کیا لائے ہے صرف اہل سنت کا ساتھ دیجیے اور ادھر ادھر مت جھانکیئے انتہی۔

عقیدۃ الامام شہاب الدین الرملی الشافعی

مسئلہ جہت کے متعلق ائمہ اعلام اور علماء عظام کی عبارات سابقہ جب میں نقل کر چکا تو مجھے امام شہاب الدین رملی کے فتاویٰ میں اس اہم مسئلہ کا طویل جواب نظر پڑا جس میں انہوں نے اللہ تعالیٰ کے حق میں جہت کے استحالہ پر سیر حاصل بحث فرمائی ہے۔ اور ائمہ فحول اور اکابر علماء اعلام سے اس نظریہ کو نقل فرمایا۔ میں اس کی افادیت اور جامعیت کے پیش نظر اس کو تھوڑے سے اختصار کے ساتھ نقل کرتا ہوں۔ اگرچہ بعض عبارات کی سابقہ عبارات کے ساتھ تکرار لازم آئے گی۔

امام رملی فرماتے ہیں ائمہ اربعہ اور دیگر تمام علماء اعلام کا مذہب ماسوا چند علماء کے یہی عقیدہ ہے کہ اللہ تعالے کے حق میں جہت علو وغیرہ کا قول و عقیدہ درست نہیں ہے جیسے کہ علم الکلام کی مبسوط اور مختصر کتابوں میں ثابت و متحقق ہے۔ اور عقیدۂ جہت

انہوں نے ادلۂ کثیرہ کے ساتھ رد کیا ہے جن کے تفصیلی ذکر کا یہ جواب متحمل نہیں ہے۔

امام عزالدین بن عبدالسلام بن احمد بن غانم مقدسی اپنی کتاب "حل الرموز و مفاتیح الکنوز" میں فرماتے ہیں۔ کہ حضرت یحییٰ بن معاذ رازی سے عرض کیا گیا۔ کہ ہمیں اللہ تعالے کے متعلق خبر دیجیے تو انہوں نے فرمایا وہ الٰہ واحد ہے۔ عرض کیا گیا وہ کیسے ہے؟ فرمایا وہ الٰہ قادر ہے۔ سوال کیا گیا وہ کہاں ہے؟ تو فرمایا مرصاد یعنی گھات میں۔ سائل نے عرض کیا میرا مقصدِ سوال یہ نہیں تھا آپ نے فرمایا جو صفات اس کے علاوہ ہیں وہ صفاتِ مخلوق ہیں اس کی صفت تو وہی ہے جو میں نے تمہیں بتلا دی ہے۔

بعض عرفاء سے اللہ تعالے کے فرمان "اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى" کے متعلق سوال کیا گیا۔ تو انہوں نے فرمایا ہم نے اس قول مبارک سے یہ تو جان لیا ہے کہ وہ کون ہے مگر یہ نہیں پہچانا کہ وہ کیا ہے؟ کیونکہ اپنی حقیقت کو صرف وہی جانتا ہے۔

ایک صوفی صافی سے سوال کیا گیا اللہ کہاں ہے "این اللہ"، تو انہوں نے کہا اللہ تعالے تمہیں قبیح و بدشکل بنائے۔ ہل یطلب مع العین این؟ آیا مشاہدہ کے بعد بھی این و مکان کے متعلق سوال ہو سکتا ہے۔ اللہ تعالے فرماتا ہے "وَهُوَ مَعَكُمْ اَيْنَمَا كُنْتُمْ" وہ تمہارے ساتھ ہے تم جہاں کہیں بھی ہو۔ امام شبلی سے سوال کیا گیا کہ قول باری "اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى" کا کیا معنی ہے تو انہوں نے فرمایا۔ رحمٰن ازلی ہے اور عرش حادث و مخلوق ہے لہٰذا عرش رحمٰن تبارک و تعالیٰ کے ساتھ استواء پذیر ہے اور قائم و باقی ہے۔ نہ کہ رحمٰن تبارک و تعالے عرش کے ساتھ۔

حضرت ذوالنون مصری سے قول باری تعالے "الرحمٰن علی العرش استویٰ" کے متعلق دریافت کیا گیا تو انہوں نے فرمایا اللہ تعالے نے اپنی ذات کا ثبوت و تحقق بیان فرمایا ہے۔ اور مکان کی نفی فرمائی ہے۔ وہ بذاتہ موجود ہے اور دوسری تمام اشیاء اس کے حکم سے موجود ہیں جیسے کہ وہ چاہے اور ارادہ فرمائے۔

حضرت امام احمد سے استواء کے متعلق سوال کیا گیا تو انہوں نے فرمایا اس کا استواء اس کی خبر کے مطابق ہے نہ کہ تصورِ بشر کے مطابق حضرت امام شافعی سے استواء کے متعلق دریافت کیا گیا تو انہوں نے فرمایا میں اس کی صفت استواء پر بلا تشبیہ ایمان لاتا ہوں اور اس کی بلا تمثیل تصدیق کرتا ہوں۔ میں اپنے آپ کو اس کے ادراکِ حقیقت سے عاجز و قاصر قرار دیتا ہوں۔ اور اس میں غور و خوض سے کلی اجتناب و امساک سے کام لیتا ہوں۔

حضرت امام الائمہ سراج الامہ امام ابوحنیفہ نے فرمایا جو شخص یہ کہے کہ میں نہیں جانتا کہ اللہ تعالے آسمان میں ہے یا زمین میں تو وہ کافر ہو گیا کیونکہ یہ قول اس عقیدہ کا غماز ہے کہ اللہ تعالے کے لیے مکان ہے لہٰذا یہ شخص مشبہ ہے اور کافر۔

حضرت امام مالک امام الحرم النبوی سے سوال کیا گیا کہ استواء کیا ہے؟ تو انہوں نے فرمایا اس کا لغوی معنی معلوم ہے اور کیفیت مجہول ہے اس پر ایمان لانا واجب ہے اور اس سے متعلق سوال کرنا بدعت ہے۔ اور یہ بھی مروی ہے کہ آپ نے یہ جواب دینے کے بعد سائل سے فرمایا کہ میں تجھے خارجی سمجھتا ہوں۔ اور حاضرین کو فرمایا کہ اسے میری مجلس سے دور کر دو۔

یہ مسلک و نظریہ جس پر ائمہ اربعہ کاربند ہیں اس میں ان کے درمیان باہم کسی قسم کا اختلاف نہیں ہے۔ اور جس نے یہ گمان کیا کہ

ان کے درمیان باہم اس مسئلہ میں اختلاف ہے اور صحت اعتقاد کے متعلق آراء میں تخالف ہے تو اس نے ائمہ امت پر بہت بڑا بہتان باندھا ہے اور ائمہ مسلمین کے متعلق بدظنی کا مظاہرہ کیا ہے۔

مصباح التوحید اور صباح التفرید حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے سوال کیا گیا آپ نے اپنے رب کریم کو کیسے پہچانا تو انہوں نے فرمایا میں نے اس کو ان اوصاف کمال سے پہچانا جن کی اس نے مجھے معرفت بخشی۔ نہ اس کا ادراک حواس سے ہو سکتا ہے۔ اور نہ لوگوں پر اس کا قیاس ہو سکتا ہے۔ وہ بعد کے باوجود قریب ہے اور قرب کے باوجود بعید ہے۔ وہ ہر چیز سے فوق ہے اور یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اس کے نیچے کوئی شئی ہے۔ وہ ہر چیز سے مقدم ہے اور یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اس سے مقدم کوئی شئی ہے۔ وہ ہر چیز میں ہے لیکن نہ اس طرح جیسے عام چیزوں میں سے کوئی دوسری میں ہوتی ہے۔ پس پاک ہے وہ ذات جو اس طرح ہے اور اس کا ماسوا اس طرح نہیں ہے اور کتاب و سنت میں موجود ایسے نصوص جو بظاہر جہت پر دلالت کرتے ہیں وہ اپنے ظاہر پر محمول نہیں ہیں کیونکہ ادلہ عقلیہ قطعیہ نفی جہت کے متقاضی ہیں۔

امام الشافعیہ قاضی بیضاوی رحمہ اللہ تعالےٰ "طوالع" میں فرماتے ہیں۔ اللہ تعالےٰ جسم نہیں ہے بخلاف عقیدہ مجسمہ کے۔ اور نہ ہی کسی جہت میں ہے بخلاف کرامیہ اور مشبہہ کے۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ اگر جہت و حیز میں ہو تو منقسم ہو گا یا نہیں تقدیر اول پر جسم ہو گا اور ہر جسم مرکب و محدث ہے تو نعوذ باللہ واجب تعالےٰ کا مرکب و محدث ہونا لازم آجائے گا۔ اور یہ باطل ہے۔ اور تقدیر ثانی پر جزء لایتجزیٰ ہو گا اور جوہر فرد اور وہ بالاتفاق محال و باطل ہے۔ نیز اللہ تعالےٰ جہت و حیز میں ہو تو اس کی خاص متناہی و محدود و مقدار ہو گی (اور ہر محدود و مقدار اپنی تقدیر و تحدید میں مخصص و مرجح کی طرف محتاج ہوتا ہے) تو لامحالہ واجب تعالےٰ بھی مخصص و مرجح کی طرف محتاج ہو گا۔ اور وہ محال ہے۔

امام نسفی شرح عمدہ میں فرماتے ہیں۔ عالم کا صانع و خالق جہت میں نہیں ہے بخلاف بعض کرامیہ کے وہ اسے جہت علو میں موجود مانتے ہیں مگر عرش پر اس کا استقرار تسلیم نہیں کرتے۔ اور وہ کسی مکان میں متمکن نہیں ہے مگر مشبہہ، مجسمہ اور بعض کرامیہ اس کو عرش پر متمکن مانتے ہیں۔

امام کمال الدین بن الہمام مسایرہ میں حجۃ الاسلام امام غزالی کے رسالہ قدسیہ کو مختصراً بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ اصل سابع یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ کسی جہت کے ساتھ مختص نہیں ہے کیونکہ جہات ستہ یعنی فوق و تحت اور قدام و خلف وغیرہ کا حدوث و تحقق انسان کی تخلیق کا مرہون منت ہے اور اس کی مانند دو پاؤں پر چلنے والی اشیاء کا کیونکہ فوق کا مطلب یہ ہے کہ انسان کے سر سے جو چیز محاذی و مقابل ہو۔ اور جو چیز چار پاؤں پر چلتی ہے یا پیٹ کے بل تو ان کا فوق وہ ہے جو ان کی پشت کے مقابل ہے۔ علاوہ ازیں یہ جہات ستہ اعتباری امور سے ہیں۔ کیونکہ چیونٹی جب چھت کی نچلی سطح پر چلے تو اس کا فوق جہت ارض ہو گی کیونکہ وہی اس کی پیٹھ کے محاذی و مقابل ہے۔ اور اگر ہر حادث و مخلوق کرہ اور گیند کی شکل میں ہو تو کوئی جہت بھی موجود و متحقق نہیں ہو گی۔

نیز اللہ تعالےٰ ازل میں موجود تھا اور موجودات میں سے کوئی چیز اس وقت نہ تھی تو ثابت ہوا کہ وہ جہت میں نہیں تھا (وھو الآن کما علیہ کان) مزید برآں یہ ہے کہ اختصاص جہت، حیز کے ساتھ اختصاص کی فرع ہے۔ اور اللہ تعالےٰ میں حیز کے ساتھ اختصاص باطل ہے کیونکہ وہ جوہر اور جسم ہونے سے منزہ ہے۔

اگر جہت سے اس کے علاوہ کوئی دوسرا معنی مراد ہے جس سے حیز میں حلول لازم نہیں آتا اور نہ ہی جسمیت، تو وہ ہمارے سامنے بیان کیا جائے تاکہ ہم اس میں نظر و فکر کریں۔ اگر تنزیہ باری تعالےٰ کی طرف راجع ہو تو قائل کو فقط عنوان تعبیری میں خطا کار قرار دیں گے۔ اور اگر تنزیہ و تقدیس باری تعالےٰ کے خلاف ہو تو اس کا فساد و بطلان واضح کریں۔

اصل ثامن: اللہ تعالےٰ عرش اعظم پر مستوی ہے باوجود اس جزم و یقین کے کہ وہ استواء اس طرح کا نہیں ہے جیسے کہ بعض اجسام کا دوسرے بعض پر تمکن، تماس اور محاذات کے لحاظ سے متمکن ہوتے ہیں بلکہ اس کا ایسا معنی مراد ہے جو اللہ تعالےٰ کے شایانِ شان ہے۔ اور خلاصۃ المرام یہ ہے کہ اس کے استواء علی العرش پر ایمان لانا لازم و واجب ہے اور تشبیہ و تمثیل خلق کی نفی بھی۔ رہی یہ تاویل کہ اس سے مراد عرش پر استیلاء، غلبہ ہے تو اگرچہ فی نفسہ اس کا مراد ہونا ممکن ہے مگر اس کے بالخصوص ارادہ پر کوئی دلیل قطعی بھی نہیں ہے لہٰذا اسی معنی پر حمل کرنا واجب و لازم ہے جو ہم نے ذکر کیا ہے۔

دعاء کے لیے آسمان کی طرف ہاتھ اٹھانے کی حکمت اور دفع توہم جہت

امام غزالی قدس سرہ رسالہ قدسیہ میں فرماتے ہیں دعاء و سوال کے وقت ہاتھوں کا آسمان کی طرف بلند کرنا محض اس بناء پر ہے کہ آسمان دعاء کے لیے قبلہ ہے۔ اور اس میں مدعو ذات جل و علیٰ کے وصفِ جلال و کبریائی کی طرف اشارہ ہے تاکہ جہت علو کے ذریعے مجیب الدعوات کی مجد اور علو ذات پر تنبیہ حاصل ہو جائے۔ کیوں کہ اللہ تعالےٰ ہر موجود سے عظمت و استعلاء اور قہر و استیلاء کے اعتبار سے فوق ہے۔

امام الحرمین "لمعۃ الادلۃ فی قواعد عقائد اہل السنۃ" میں فرماتے ہیں رب سبحانہ و تعالےٰ اختصاصِ جہات اور محاذات کے ساتھ اتصاف سے منزہ ہے۔ نہ افکارِ خلق اس کی حد بندی کر سکتے ہیں اور نہ ہی اقطار و اطراف اس کا احاطہ کر سکتے ہیں۔ اور نہ ہی مقداریں اس کو اپنے گھیرے میں لے سکتی ہیں۔ وہ اس سے بالاتر ہے کہ حدود و مقادیر کو قبول کرے۔

اس دعویٰ کی دلیل یہ ہے کہ جو چیز کسی جہت سے مختص ہو وہ اس کو مشغول رکھتی ہے اور اس کو اپنے وجود سے بھر دیتی ہے اور ہر متحیز و شاغل دوسرے جواہر کی ملاقات اور مفارقت کو قبول کرتا ہے۔ اور جو شئی اجتماع و افتراق کو قبول کرے وہ ان دو سے خالی نہیں ہو گی۔ اور جو ان دو سے خالی نہ ہو گی وہ حادث ہو گی جیسے کہ جواہر (کیونکہ ہر محلِ حوادث حادث ہوتا ہے)۔ شیخ شرف الدین ابن تلمسانی نے اس کی شرح میں اس پر بہت طویل کلام کیا۔ اور آخر میں فرمایا کہ تمام ادلہ نقلیہ شرعیہ جن سے جہت کے قائلین نے استدلال کیا ہے ان کا اجمالی جواب یہ ہے کہ شریعت کا ثبوت عقل سے ہے۔ لہٰذا شریعت میں ایسے امور کا وارد ہونا متصور نہیں ہو سکتا جو عقل کی

تکذیب کریں کیونکہ عقل اس کی شاہد ہے اور اس کی تکذیب سے عقل کے ساتھ ساتھ شرع کا بطلان بھی لازم آجائے گا۔

جب یہ بات لوحِ قلب پر مرتسم ہو چکی تو ہم کہتے ہیں کہ اللہ تعالےٰ کی ذات، اسماء اور صفات کے متعلق شریعت میں جہاں کہیں ایسا لفظ وارد ہو کہ وہ مخالفت عقل کا وہم پیدا کرتا ہو تو وہ ان دو حالتوں سے خالی نہ ہوگا یا تو بطریق روایات احاد مروی ہوگا اور یا بطور تواتر۔ تقدیر اول پر دیکھیں گے اگر وہ ایسی نص ہے جس میں تاویل کا احتمال نہیں ہے تو ہم اس امر کا جزم و یقین کر لیں گے کہ ناقل جھوٹا ہے یا اس کو سہو ہو گیا ہے یا غلطی کا مرتکب ہوا ہے۔ اور اگر صرف ظاہر الدلالت ہے تو اس کا ظاہری معنی مراد نہیں ہوگا اور اگر اس کا ثبوت بطور تواتر ہے تو یہ ناممکن ہے کہ وہ ایسی نص ہو جس میں تاویل کا احتمال نہ ہو تو لامحالہ یا ظاہر ہوگا یا محتمل۔ صورت ثانیہ میں ہم کہیں گے کہ جس احتمال کی عقل مخالف ہو وہ مراد نہیں ہو سکتا۔ اگر اس احتمالِ مخالف کو زائل کرنے کے بعد صرف ایک ہی احتمال باقی رہ جائے تو حکم حال کے تحت اسی کا مراد ہونا متعین ہو جائے گا۔ اور اگر اس لفظ میں ابھی متعدد احتمال باقی ہوں تو دو حال سے خالی نہ ہوگا یا تو کوئی قطعی دلیل ایک کے تعین پر دال ہوگی یا نہیں۔ تقدیر اول پر وہی احتمال متعین ہو جائے گا اور بصورتِ دیگر ان کی تفسیر نہ کی جائے گی تاکہ کہیں الحاد و زندقہ میں گرفتار نہ ہو جائیں۔ جیسے کہ بعض اسلاف سے منقول ہے اور امام مالک کی طرف منسوب ہے کہ اللہ تعالےٰ کا عرش پر استواء باعتبار معنی لغوی کے معلوم ہے اور اس کی کیفیت مجہول ہے۔ اس پر ایمان لانا فرض ہے۔ اور اس کے متعلق سوال کرنا بدعت ہے یعنی اللہ تعالےٰ کا عرش پر استقرار قطعی طور پر منتفی ہونے کے باوجود از روئے لغت استواء کے متعدد محمل ہو سکتے ہیں مثلاً قہر، غلبہ، کسی چیز کی تخلیق کا قصد جیسے کہ ارشاد خداوندی ہے "ثُمَّ اسْتَوٰى اِلَى السَّمَآءِ وَهِىَ دُخَانٌ" یعنی آسمان کی تخلیق کا ارادہ فرمایا، اور صفات کمال میں غایت کمال تک پہنچ جانا جس طرح ارشاد باری تعالےٰ ہے۔ "وَلَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗ وَاسْتَوٰى"، تو یہ تمام احتمالات از روئے لغت معلوم ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے استواء کی کیفیت ہمارے لیے مجہول ہے اور یہ ایمان و تصدیق لازم ہے کہ اس کا ایسا معنی مراد ہے جو اللہ تعالےٰ کی شان کے لائق ہو۔ اور اس کی تعیین کا سوال کرنا بدعت ہے اور محض ظن و تخمین کے تحت اس کی تعیین بھی بدعت ہے کیونکہ صحابہ کرام علیہم الرضوان کے عہد سعادت نشان سے اب تک ظنون و اوہام کے تحت اللہ تعالےٰ کے اسماء و صفات میں تصرف معہود و متعارف نہیں ہے۔ اور اگر انہوں نے ظنون کے مطابق عمل کیا ہے تو فقط احکام شرعیہ کی تفصیلات میں نہ کہ ایمانی معتقدات میں۔ اور بعض نے ازراہ اجتہاد بعض محامل کی تعیین کو جائز رکھا ہے تاکہ عقائد کے باب میں خبط و اختلاط کو دور کیا جا سکے اور صاحبِ کتاب یعنی امام الحرمین کا مذہب مختار بھی یہی ہے۔ بعد ازاں شارح نے ان کی بیان کردہ چند تاویلات ذکر کر کے فرمایا۔

سوال:۔ اگر معترضین یہ کہیں کہ یہ جو کچھ بیان کیا گیا ہے وہ سب تاویلات ہیں جب کہ تاویل صرف عن الظاہر ممنوع ہے تو ان کی وجہ جواز کیا ہے؟

جواب:۔ ہم کہتے ہیں تم نے اللہ تعالےٰ کے قول "وَهُوَ مَعَكُمْ اَيْنَمَا كُنْتُمْ" وہ تمہارے ساتھ ہے جہاں کہیں بھی تم ہو۔ اور اس کے ارشاد "مَا يَكُوْنُ مِنْ نَّجْوٰى ثَلٰثَةٍ اِلَّا هُوَ رَابِعُهُمْ"، نہیں ہوتے مجلس مشاورت میں باہم مشورہ کرنے والے تین

شخص مگر اللہ تعالےٰ ان میں چوتھا ہوتا ہے،، قول مصطفوی علی صاحبہ الصلوٰۃ والسلام قَلْبُ الْمُؤْمِنِ بَيْنَ اِصْبَعَيْنِ مِنْ اَصَابِعِ الرَّحْمٰنِ (مومن کا دل اللہ تعالےٰ کی انگلیوں میں سے دو انگلیوں کے درمیان ہے) اور فرمان نبوی اَلْحَجَرُ الْاَسْوَدُ يَمِيْنُ اللّٰهِ فِى الْاَرْضِ (حجر اسود زمین میں اللہ تعالےٰ کا دایاں دست قدرت ہے) میں تاویل اور صرف عن الظاہر کا ارتکاب کیا ہے۔ دونوں آیات میں معیت کو علم و احاطہ اور مشاہدہ والی معیت پر محمول کیا ہے جیسے کہ اللہ تعالےٰ نے حضرت موسیٰ کلیم علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام کو فرمایا اِنَّنِىْ مَعَكُمَا اَسْمَعُ وَاَرٰى میں تم دونوں کے ساتھ ہوں سنتا ہوں اور دیکھتا ہوں اور حدیث نبوی "الحجر الاسود یمین اللہ فی الارض" کو محل عہد کے معنی میں کیا ہے یعنی وہ محل عہد جس سے نبی آدم پر میثاق لیا گیا اگر تمہاری یہ تاویلات صحیح ہیں کیونکہ یہ آیات و احادیث بظاہر دلائل عقلیہ کے خلاف ہیں تو پھر اثباتِ جہت میں جن ظواہر کا سہارا تم نے لیا ہے تو ان کی تاویل بھی اسی علت کے پیش نظر واجب و لازم ہے۔

ردجواب:۔ ہم نے ان نصوص ظاہرہ کی تاویل و توجیہ اس لیے کی ہے کہ وہ بداہت و ضرورت عقل کے خلاف ہیں اور جس طرف تمہارا میلان ہے وہ نظر عقل اور استدلال کی طرف محتاج ہے اور عقلی نظر و فکر اور حجۃ و دلیل کا سہارا لینا حرام یا بدعت ہے۔

جواب الجواب:۔ ہم کہتے ہیں نظر عقل اور اس کے استدلال کی صحت و واقعیت کا اعتراف کرنا اور اس کو جائز و صحیح ماننا لازم ہے ورنہ تمہارے لیے سرے سے ایسی کسی شریعت کا وجود ہی باقی نہ رہے گا جس کی طرف تم ان معارف و احکام کی نسبت کرو (کیوں کہ جب ادلہ عقلیہ سے وجود واجب اور اس کا علم و کلام اور قدرت و حکمت وغیرہ صفات ثابت نہ ہو جائیں شریعت کیونکر ثابت ہو سکتی ہے؟)۔

سوال:۔ اگر وہ لوگ یہ کہیں (کہ ایسی آیات متشابہات سے ہیں اور متشابہات کا علم حقیقی اللہ تعالےٰ کے ساتھ مختص ہے کیونکہ قول باری تعالےٰ وَمَا يَعْلَمُ تَاْوِيْلَهٗۤ اِلَّا اللّٰهُ وَالرّٰسِخُوْنَ فِى الْعِلْمِ يَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ میں) اِلَّا اللّٰهُ پر وقف کرنا لازم ہے اور علم میں راسخ لوگوں کا متشابہات میں حصہ و نصیبہ صرف یہ ہے کہ وہ ان پر ایمان لائیں اور یہ عقیدہ رکھیں کہ ان سے اللہ تعالےٰ کی مراد جو بھی ہے وہ برحق ہے۔ اور وَالراسخون والی واؤ عاطفہ نہیں ہے بلکہ استینافیہ ہے اور یہاں سے دوسرے کلام کا آغاز ہو رہا ہے۔

جواب:۔ متشابہ پر اس طرح کا ایمان لانا تو عوام مومنین پر بھی فرض ہے تو پھر اہلِ علم کو راسخ کے ساتھ موصوف کرنے اور ان کو اولوالالباب اور عقلِ کامل کے مالک قرار دینے میں کیا مصلحت ہوگی۔ لہٰذا اصل مقصد یہی ہے کہ راسخ فی العلم اور عقل صائب کے مالک ان وجوہ کو جانتے ہیں جو باطل کے مشابہ ہیں پس وہ ان کی اللہ تعالےٰ سے نفی کرتے ہیں۔ اور ان وجوہ کو جانتے ہیں جو حق کے مناسب ہیں لہٰذا ان کا اثبات کرتے ہیں جیسے کہ اللہ تعالےٰ کا ارشاد گرامی وَنَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِىْ میں دونوں احتمال ہیں بعضیت کا بھی یعنی میں نے اپنے روح کا جز اور بعض حصہ ان میں پھونکا اور یہ باطل ہے لہٰذا عقل اس کی نفی کرے گی اور دوسرا احتمال ہے اضافت تشریف کا یعنی ایسی روح جو میری پیدا کردہ ارواح سے ایک خاص روح ہے اور عظمت و شرافت کی مالک ہے جیسے ناقۃ اللہ

اور بیت اللہ میں ناقہ یعنی اونٹنی کی عظمت شان ظاہر کرنے کے لیے اور اسی طرح بیت یعنی مکان کی عظمت ظاہر کرنے کے لیے ان کی اضافت اللہ تعالے کی طرف کر دی گئی ہے اور یہ احتمال درست ہے لہٰذا عقل اس کو ثابت کرے گی۔ الخ

علامہ سعد الدین تفتازانی شرح مقاصد میں ارشاد فرماتے ہیں جو لوگ اللہ تعالے کے حق میں جسمیت اور جہت کا اثبات کرتے ہیں انہوں نے اپنے مذہب فاسد کی بنیاد دو چیزوں پر رکھی ہے۔ اول وہمی اور کاذب قضایا پر جو جہت و جسمیت کو مستلزم ہیں دوسرا بعض آیات و احادیث کے ظواہر پر جو جہت و جسمیت کی طرف مشعر ہیں۔ ان قضایا وہمیہ کاذبہ کا ذکر کر کے ان کا جواب بھی ذکر کیا اور آخر میں فرمایا کہ ان آیات و احادیث کا جواب یہ ہے کہ ان کے ظاہری معانی ظنیات اور سمعیہ ہیں جو کہ ادلہ قطعیہ عقلیہ کے معارض و مخالف ہیں لہٰذا جزمی و قطعی عقیدہ رکھنا پڑے گا کہ یہ اپنے ظاہری معنی پر محمول نہیں ہیں (اب یہ فیصلہ کرنا کہ ان سے اللہ تعالے کی مراد کیا ہے، تو اس میں زیادہ موزوں و مناسب طریقہ سلف کا ہے کہ ان کے معانی مطلوبہ کا علم حقیقی اللہ تعالے کے سپرد کرتے ہیں اور ہم اس بات کا عقیدہ رکھتے ہیں کہ یہ نصوص برحق ہیں اور ان سے اللہ تعالے کی جو بھی مراد ہے وہ برحق ہے۔ اور یہ مذہب و مسلک قول باری وما یعلم تاویلہ الا اللہ میں لفظ اللہ پر وقف کے مطابق ہے۔ اور دوسری صورت یہ ہے کہ ان کی ایسی تاویل کی جائے جس سے ان کا ادلہ قطعیہ عقلیہ کے ساتھ توافق پیدا ہو جائے جیسے کہ کتب تفسیر اور شروح حدیث میں ان تاویلات کو تفصیلاً بیان کیا گیا ہے یہ طریقہ زیادہ مضبوط ہے اور قول باری وَمَا يَعْلَمُ تَأْوِيلَهُ إِلَّا اللَّهُ وَالرَّاسِخُونَ فِي الْعِلْمِ میں اَلْعِلْمِ پر وقف کے مطابق ہے۔

سوال۔ اگر دینِ حق اور اعتقاد صحیح اللہ تعالے سے حیز و مکان اور جہت کی نفی کرنا ہے تو پھر آسمانی کتابوں اور احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں متعدد مقامات پر حیز و مکان اور جہت کی طرف اشعار و دلالت موجود کیوں ہے (اس طرح تو ان کا کتب ہدایت ہونے کی بجائے نعوذ باللہ واجب ضلالت ہونا لازم آئے گا) جب کہ ان میں کسی مقام پر نفی جہت وغیرہ کی تصریح موجود نہیں ہے اور نہ اس کی اس طرح تحقیق و تدقیق کہیں موجود ہے جیسے کہ وجود صانع اور اس کی وحدت اور علم و قدرت پر بار بار دلائل قائم کئے گئے ہیں اور معاد و حشر اجساد کی حقانیت کو متعدد مقامات میں بیان کیا گیا ہے اور اس عقیدہ کی انتہائی تاکید کی گئی ہے حالانکہ جہت و جسمیت سے تنزیہہ باری تعالے کا عقیدہ بھی انتہائی تاکید و تحقیق کا حقدار تھا کیونکہ اختلافِ ادیان و مذاہب اور تنوع آراء و افکار کے باوجود سب عقلاء کی فطرت میں یہ چیز داخل اور راسخ ہو چکی ہے کہ وہ دعوات اور طلبِ حاجات کے لیے جہت فوق کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور آسمان کی طرف ہاتھ اٹھاتے ہیں۔

جواب:۔ چونکہ عقول عوام اللہ تعالے کے حق میں جہت وغیرہ سے تنزیہ و تقدیس کے فہم و ادراک سے قاصر تھے بلکہ عین ممکن تھا کہ وہ ایسی ذات کی نفی اور عدم کا اعتقاد جازم رکھ لیں جو جہت میں نہ ہو تو ان کے خطابات میں انسب اور موزوں طریقہ یہی تھا جو ان کی صلاح اور بہتری کے قریب تر اور ان کی دعوت الی اللہ کے لیے موزوں ترین تھا جس میں بظاہر تشبیہ ہو اور صانع عالم جل و علیٰ کا افضل ترین جہات یعنی جہت فوق میں ہونے کا ذکر ہو اور اس کے ساتھ ساتھ سماتِ حدوث اور علاماتِ امکان

ے اس کی تنزیہ مطلق پر تنبیہات دقیقہ اور اشارات خفیہ بھی موجود ہوں (تاکہ اہل عقول اور اولوا الالباب خداداد استعداد کے مطابق عقیدہ رکھیں اور عوام کالانعام کے درجۂ ارذل و اسفل سے نجات و خلاص حاصل کر سکیں)۔

دعوات میں آسمان کی طرف ہاتھ پھیلانے کی مصلحت

رہا عقلاء کا آسمان کی طرف ہاتھ اٹھانا اور جہت علو و فوق کی طرف متوجہ ہونا تو وہ اس اعتقاد کے پیش نظر نہیں ہے کہ مجیب الدعوات کی ذات والاصفات سموٰت میں ہے بلکہ فقط اس لیے کہ آسمان دعا کے لیے قبلہ ہے اور اسی پر سے خیرات و برکات کے نزول اور انوار و امطار (بارشوں) کے ہبوط و نزول کی توقع کی جاتی ہے۔

بعض علماء اعلام نے فرمایا کہ دعا میں جہتِ علو کی طرف توجہ سے اللہ تعالے کا جہت علو میں ہونا لازم نہیں آتا۔ کیونکہ اہل اسلام کو نماز میں قبلہ کی طرف متوجہ ہونے کا حکم دیا گیا ہے حالانکہ اللہ تعالے کعبہ میں نہیں ہے۔ اور نماز کی حالتِ قیام میں نظروں کو محل سجود پر مرکوز رکھنے کا حکم دیا گیا ہے حالانکہ باری تعالے زمین میں نہیں ہے۔ حالتِ سجود میں چہروں اور پیشانیوں کو زمین پر رکھنے کا حکم دیا گیا ہے حالانکہ باری تعالے زمین کے نیچے نہیں ہے۔ لہٰذا دعا میں بھی آسمان کی طرف توجہ سے اللہ تعالے و تقدس کا آسمان میں ممکن ہونا لازم نہیں آتا۔ بلکہ یہ محض حکمِ خداوندی کی تعمیل ہے اور بندگی و عبدیت اور خضوع و خشوع کا اظہار ہے۔

بعض حضرات نے یہ فرمایا ہے کہ جس طرح نماز میں ابدان کے لیے کعبہ کو قبلہ اور مرکز توجہ قرار دیا گیا ہے اسی طرح دعا میں عرش اعظم کو قلوب و ارواح کے لیے قبلہ اور مرکز توجہ قرار دیا گیا ہے۔

قاضی عضد الدین صاحب مواقف کا نفی جہت پر استدلال

قاضی عضد الملۃ والدین مواقف میں فرماتے ہیں، اللہ تعالے کسی جہت میں نہیں ہے۔ مشبہہ نے اس عقیدہ کی مخالفت کرتے ہوئے اس کو جہتِ فوق کے ساتھ مخصوص کر دیا ہے۔ ہمارے مذہب مختار پر کئی وجوہ دلیل و برہان ہیں اول۔ اگر ذات واجب تعالے مکان میں ہو تو مکان کا قدیم ہونا لازم آئے گا حالانکہ ہم نے دلائل و براہین سے ثابت کر دیا ہے کہ اللہ تعالے کے علاوہ کوئی ذات قدیم نہیں ہے اور اسی پر اجماع و اتفاق ہے۔ دوم۔ ہر متمکن مکان کی طرف محتاج ہوتا ہے اور مکان متمکن سے مستغنی ہوتا ہے۔ کیونکہ خلاء یعنی مکان کا شاغل و متمکن سے خالی ہونا جائز ہے۔ لہٰذا مکان کا واجب ہونا اور واجب تعالے کا ممکن ہونا لازم آ جائے گا اور دونوں لازم باطل ہیں۔ سوم۔ اگر واجب تعالے مکان میں ہو تو پھر بعض احیاز میں ہو گا یا تمام میں۔ دونوں شقیں باطل ہیں۔ شق اول اس لیے کہ تمام احیاز فی نفسہا برابر ہیں اور واجب تعالے کی طرف نسبت میں بھی متساوی ہیں لہٰذا بعض کے ساتھ اختصاص ترجیح بلا مرجح ہے اور مرجح کا تحقق احتیاجِ غیر کو مستلزم ہے جو کہ وجوب و قدم کے منافی ہے۔
شق ثانی۔ اس لئے باطل ہے کہ متعدد متحیزوں کا باہم تداخل لازم آئے گا اور وہ بھی بالبداہت محال ہے۔ چہارم واجب تعالے

اگر متحیز ہو تو لامحالہ جوہر ہوگا ہم پوچھتے ہیں وہ اس تقدیر پر قابلِ قسمت و انقسام ہے یا نہیں ؟ صورتِ اولیٰ میں اس کا جزء لا یتجزیٰ اور جوہر فرد ہونا لازم آئے گا اور وہ سب اشیاء سے اخس و ارذل ہے تعالی اللہ عن ذالک اور صورت ثانیہ میں اس کا جسم ہونا لازم آئے گا اور ہر جسم مرکب ہوتا ہے اور ترکیب وجوب وقدم کے منافی ومخالف ہے - نیز ہم واضح کر چکے ہیں کہ ہر جسم حادث اور موجود بعد العدم ہے تو اس تقدیر پر واجب تعالے کا حدوث لازم آئے گا ۔ عقلی دلائل و براہین میں طویل کلام ذکر کرنے کے بعد ظواہر آیات واحادیث کا جواب دیتے ہوئے فرمایا ۔

وہ آیات واحادیث جو مفہوم ظاہر کے لحاظ سے جسمیت باری تعالے اور اس کے جہت میں ہونے کا وہم پیدا کرتی ہیں ان کا جواب یہ ہے کہ وہ مفہوم ظاہر کے اعتبار سے ظنی الدلالۃ ہیں اور قطعی وحتمی دلائل کے معارض ومقابل نہیں ہو سکتیں (بلکہ ان کو اسی معنی پر حمل کیا جائے گا جو ان قطعی ادلہ کے مطابق ہوگا) کیونکہ جب دو دلیلوں میں باہم تعارض واقع ہو تو جہاں تک ممکن ہوگا دونوں پر عمل کرنا واجب و لازم ہوگا - لہٰذا ہم ان ظواہر آیات واحادیث کی تاویل وتوجیہ کریں گے ۔

ظواہر آیات و احادیث کی تاویل وتوجیہ کا بیان

ان کی تاویل وتوجیہ میں دو قول ہیں جن کا مدار ارشاد باری تعالے وَمَا يَعْلَمُ تَأْوِيلَهُ إِلَّا اللّٰهُ وَالرَّاسِخُونَ فِي الْعِلْمِ میں وقت کے اختلاف پر ہے) لہٰذا جن کے نزدیک وقف الا اللہ پر ہے جیسے کہ جمہور سلف کا مختار ہے وہ ان کی اجمالی تاویل کریں گے اور تفصیل کا علم اللہ تعالیٰ کے سپرد کریں گے جیسے کہ امام احمد سے مروی ہے (کہ جب ان سے اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى کے متعلق دریافت کیا گیا تو انہوں نے فرمایا) استواء کا لغوی معنی معلوم ہے - اس کی کیفیت مجہول ہے اور اس سے بحث کرنا بدعت ہے اور جن کے نزدیک وقف فی العلم پر ہے تو ان کے نزدیک ان کی تاویل تفصیلی کی جائے گی اور کہا جائے گا کہ یہاں استواء سے مراد غلبہ وتسلط ہے جیسے کہ قول قائل سے قَدِ اسْتَوٰى بِشْرٌ عَلَى الْعِرَاقِ میں بشر کا عراق پر استیلاً اور غلبہ وتسلط مراد ہے ۔ اور جہاں عِنْدَ کا لفظ وارد ہے (اور مکان کو مستلزم ہے) وہاں اصطفاء اور اکرام والا معنی مراد ہوگا جیسے کہا جاتا ہے فُلَانٌ قَرِيْبٌ مِنَ الْمَلِكِ تو یہاں اس کا قرب مکانی مراد نہیں ہوتا بلکہ بادشاہ کے نزدیک مکرم ومعظم ہونا اور دوسرے لوگوں کی نسبت پسندیدہ ہونا مراد ہوتا ہے اور قول باری جَاءَ رَبُّكَ میں خود ذات باری تعالے کا آنا مراد نہیں ہے بلکہ اس کے امر وحکم کا نزول مراد ہے قول باری " إِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ " میں از روئے مکان صعود وعلو مراد نہیں بلکہ پسندیدگی اور قبولیت والا علو مرتبت مراد ہے کیونکہ کلمات والفاظ اعراض ہیں ان کا ایک مکان سے دوسرے مکان کی طرف انتقال بغیر انتقال محل کے عقلاً محال ہے ۔ اسی طرح فرمان خداوندی وَمَنْ فِي السَّمَاءِ میں ذات باری تعالے کا آسمان میں ہونا مراد نہیں ہے بلکہ اس کا حکم وتسلط مراد ہے ۔ یا عذاب پر مامور ملائکہ میں سے کوئی فرشتہ مراد ہے - اور باقی آیات واحادیث متشابہہ میں بھی اسی طرح تاویلات وتوجیہات کی جائیں گی ۔

میر سید شریف جرجانی نے شرح مواقف میں ارشاد فرمایا کلمات طیبہ کے اللہ تعالے کی طرف عروج سے مقصود ایسی جگہ کی طرف عروج وصعود ہے جس کے اندر اطاعت کرکے اللہ تعالے کا قربِ منزلت حاصل کیا جاتا ہے - اور اللہ تعالے کے ظللِ غمام میں آنے کا مقصد یہ ہے کہ اس کا عذاب بادلوں کی صورت میں نازل ہوگا - رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اللہ سے دُنُوّ و قرب کا مقصد یہ ہے کہ اطاعت وتابعداری کے لحاظ سے حاصل ہونے والا قرب منزلت ومرتبت اور اس قرب کا قاب قوسین کے ساتھ اندازہ کرنا، محض امر معقول کو محسوس کے ذریعہ سے ذہن میں حاضر کرنا ہے - اور نزول باری کا معنی ہے اس کی رحمت وعنایت اور لطف وکرم کا نزول - اور اَوْ اَدْنٰی میں قاب قوسین سے بھی زیادہ دنو وقرب عبارت ہے آپ کی عظمتِ ذات اور علوِ مرتبت کے ناقابل تصور ہونے سے جس کو بطور تمثیل اَوْ اَدْنٰی سے تعبیر کیا گیا ہے اَسْرٰى بِعَبْدِهٖ لَيْلًا میں لَيْلًا کی تخصیص اس لیے فرمائی گئی ہے کہ وہ خلوت کا موزوں ترین وقت ہوتا ہے اور مختلف عبادات اور خضوعات کا - اور رَافِعُكَ اِلَيَّ سے مراد ہے محلِ کرامت اور ملائکہ کے مسکن کی طرف منتقل فرمانا ۔

امام حجۃ الاسلام غزالی کا نفی جہت پر استدلال

امام غزالی نے اپنی کتاب " الاقتصاد فی الاعتقاد " میں فرمایا - اللہ تعالے چھ جہات میں سے کسی ایک خاص جہت میں نہیں ہے اور جو شخص لفظ جہت کا معنی جانتا ہے اور لفظ اختصاص کا مفہوم سمجھتا ہے وہ قطعی وحتمی طور پر جواہر واعراض کے ماسواء کے لیے جہت کا محال وناممکن ہونا سمجھ سکتا ہے - کیونکہ حیز امر معقول ہے جس کے ساتھ جوہر مختص ہوتا ہے اور وہ حیز جہت اس وقت بنے گا جب اس کی نسبت کسی ایسی چیز کی طرف کی جائے جو متحیز ہو ۔

سوال :- جہت کی اللہ تعالے سے نفی کرنا امر محال کو مستلزم ہے اور وہ ہے ایسے امر موجود کا اثبات جس سے سبھی جہات خالی ہوں اور وہ نہ عالم کے اندر داخل ہو نہ اس سے خارج اور نہ اس سے متصل اور نہ منفصل اور یہ محال ہے ۔

جواب :- یہ امر مسلم ہے کہ ہر وہ موجود جو قابلِ انصال ہے اس کا قبولیتِ اتصال وانفصال کے بغیر موجود ہونا محال ہے اور جو موجود قابلِ اختصاص ہے اس کا کسی جہت کے ساتھ اختصاص کے بغیر موجود ہونا محال ہے لیکن ایسا موجود جو اتصال و اختصاص کو قبول ہی نہ کرتا ہو اس کا نقیضین سے خالی ہونا محال نہیں ہے - اور سائل کا یہ قول بمنزلہ اس قول کے ہے - کہ ایسے موجود کا وجود محال ہے جو نہ عاجز ہو اور نہ قادر، نہ عالم ہو اور نہ جاہل کیوں کہ شئ دو ضدوں میں ایک کا محل ضرور ہوگی تو اس کو کہا جائے گا - اگر وہ شیئ ضدین میں سے کسی کو قبول کرنے کی اہلیت وصلاحیت رکھتی ہے پھر تو اس کا دونوں سے خالی ہونا محال ہے لیکن دیوار مثلاً ان دونوں میں سے کسی ایک کو قبول نہیں کرتی کیونکہ عجز وقدرت اور علم وجہل کے ساتھ اتصاف کی بنیادی شرط اور مدار حیات ہے اور دیوار میں اس کا فقدان ہے لہٰذا اس کا ان متضاد امور سے خالی ہونا محال نہیں (بلکہ بالفعل خلو ثابت ہے)

اسی طرح اتصال وانفصال اور جہت کے ساتھ اختصاص اور عدم اختصاص کی بنیادی شرط ہے حیز میں موجود ہونا اور متحیز

کے ساتھ قائم ہونا لہٰذا جب یہ شرط مفقود و معدوم ہوگی تو اس موجود کا ان اضداد سے خالی ہونا محال نہیں رہے گا۔

نفی جہت علو کے دیگر دلائل

بعض حضرات نے فرمایا کہ اللہ تعالے کے عرش پر علو و فوقیت کی نفی کا عقیدہ رکھنے والوں نے کئی وجوہ سے اس کو ثابت کیا ہے اول۔ اگر واجب تعالٰے عرش پر ہو تو لامحالہ جہت میں ہوگا۔ اور ذاتِ قدیمہ میں جہت کا تحقق و ثبوت دو میں سے ایک امر کو لامحالہ مستلزم ہوگا یا حدوثِ قدیم کو یا قدم حادث کو کیونکہ امارات و علامات حدوث کی دلالت اگر باطل نہ ہوئی تو قدیم کا حادث ہونا لازم ہو جائے گا اور اگر ان کی دلالت باطل ہوئی تو عالم کا حدوث ثابت نہیں ہوگا اور جہت کے امارات حدوث سے ہونے کی دلیل یہ ہے کہ جہت سے اللہ تعالیٰ کا خالی ہونا ازل میں ثابت و متحقق ہے۔ اور جب جہت کا ثبوت و تحقق مانا جائے تو اللہ تعالےٰ میں حالت ازلی سے متغیر ہونا لازم آجائے گا اور اس کا الان کما کان ہونا ختم ہو جائے گا نیز اس میں تماس اور اتصال پایا جانا لازم آجائے گا حالانکہ تغیر اور قبولِ حوادث امارات و علاماتِ حدوث سے ہے۔

دوم۔ اگر ذات واجب تعالے کسی جہت کے ساتھ مختص ہو تو اس سے خروج پر قادر ہوگی یا نہیں؟ صورت اولیٰ میں اس کا محل حرکت و سکون ہونا لازم آئے گا۔ اور صورت ثانیہ میں اس کا لولے لنگڑے اور زمن و عاجز کی مانند ہونا لازم آئے گا اور یہ دونوں صورتیں علاماتِ حدوث و امکان سے ہیں۔

سوم۔ اگر ذات واجب تعالے جہت میں ہو تو پھر دریافت طلب امر یہ ہے کہ وہ سب جہات میں ہے تو اس کا استحالہ واضح ہے۔ اور اگر بعض میں ہے تو مخصص و مرجح کی طرف احتیاج و افتقار لازم آئے گا کیونکہ سب جہات کی فی نفسہا نسبت ذات واجب کی طرف ایک جیسی ہے۔ اور افتقار و احتیاج بھی مستلزم حدوث ہے۔

چہارم۔ اگر واجب تعالے عالم سے ایک جہت میں ہو اور اس کی محاذات میں تو جسم عالم کے مساوی ہوگا یا اس سے مقدار میں کم یا زائد۔ نیز اس کا عالم سے خاص مسافت پر ہونا لازم و واجب ہوگا۔ اور ان لوازم میں سے ہر ایک ذات واجب کے لیے خاص مقدار پہ ہونے کو مستلزم ہوگا جو کہ علاماتِ حدوث سے ہے۔ نیز مخصص و مقدر کی طرف احتیاج بھی لازم آئے گا اور یہ بھی علامات امکان سے ہے۔

پنجم۔ اگر باری تعالے کا عرش کے ساتھ اختصاص ثابت ہو تو یہ اختصاص لامحالہ مقتضاء ذات ہوگا یا مقتضاء صفتِ باری تعالیٰ یا نہ مقتضاء ذات اور نہ مقتضاء صفت۔ تقدیر ثانی پر اس کا مخصص و مرجح کی طرف افتقار و احتیاج لازم آئے گا اور یہ علاماتِ امکان و حدوث سے ہے۔ اور تقدیر اول پر اس اختصاص کا ازل میں تحقق و ثبوت لازم و واجب ہوگا کیونکہ مقتضاء ذات و صفت قدیم کا ان سے تخلف محال ہے لہٰذا عرش کا قدیم ہونا لازم آجائے گا اور یہ باطل ہے۔

ششم۔ اگر ذات باری تعالے عرش پر متمکن ہو تو اس کے مساوی ہوگا یا اس سے مقدار میں کم یا زائد۔ اور ان تینوں تقادیر پر علی الترتیب اس کا متناہی ہونا بعض و جزو ہونا اور تجزی و منقسم ہونا لازم آئے گا اور یہ سب امور علاماتِ حدوث سے ہیں۔

ہفتم۔ اگر ذات واجب الوجود جل و علیٰ عرش پر ہو تو اس کی طرف اشارہ حسی ممکن ہوگا۔ اور ہر وہ شی جو اشارۂ حسی کا مشارالیہ ہو وہ ہر جانب سے متناہی ہوگی یا فقط بعض جہات سے یا کسی جہت سے بھی متناہی نہیں ہوگی۔ تیسری شق باطل ہے کیونکہ اجسام کی متناہی واجب و لازم ہے۔ علاوہ ازیں اگر واجب تعالے جمیع جوانب سے غیر متناہی ہو تو عالم کا اس میں سریان و حلول لازم آئے گا۔ اور اس کی ذاتِ مقدسہ کا حوادث کے ساتھ اختلاط لازم آئے گا۔ اللہ تعالے اس مقال اور وہم خیال سے بلند و برتر ہے اور دوسری شق اس لیے باطل ہے کہ اجسام کا جمیع جوانب و جہات سے متناہی ہونا واجب و لازم ہے۔ نیز بعض جوانب سے متناہی ہونا اور بعض جوانب سے غیر متناہی ہونا مخصص و مرجح کی طرف محتاج ہوگا کیونکہ سب جوانب و جہات حقیقت و ماہیت میں برابر ہیں اور اگر ان کا باہم حقیقت و ماہیت میں اختلاف فرض کیا جائے تو ہر وہ ذات جو مختلف الماہیتہ اجزاء سے مرکب ہو اس کی لیے اجزاء کی طرف انتہاء ضروری ہے جن میں سے ہر ایک فی نفسہٖ بسیط ہو اور ترکیب سے خالی۔ اور ان اجزاء بسیطہ میں سے ہر ایک جز جس جز کے ساتھ اپنی دائیں جہت سے مماس و متصل ہے ممکن ہے کہ اس کے ساتھ بائیں جانب و جہت سے مماس و متصل ہو اور بالعکس تو ان اجزاء پر باہم تفریق جائز ہوگی اور ان کی تالیف بھی ثابت ہے تو لامحالہ ان پر تالیف و تفریق ہر دو کا جواز ثابت ہو گیا۔ اور ایسے اجزاء کی تالیف و ترکیب کسی مؤلف و مرکب کے بغیر ممکن نہیں ہے۔ اور ذات واجب میں یہ امور محال ہیں۔ لہٰذا شق اول متعین ہوگئی اور وہ یہ ہے کہ اگر اشارہ حسی کا مشارالیہ ہو تو لامحالہ تمام جوانب و جہات سے متناہی ہوگا۔ اور جب یہ ممکن ہے کہ اس وجود سے زائد مقدار پر ہو یا اس سے کم مقدار پہ ہو تو لامحالہ اس خاص مقدار متناہی پر ہونا مخصص و مرجح کی طرف محتاج ہوگا۔ اور خالق عالم اور موجودِ کائنات پر احتیاج و افتقار محال ہے جسے اللہ تعالے قبولِ حق کی توفیق رفیق مرحمت فرمائے اس کے لیے تو اسی قدر کافی ہے اور اس کی توفیق کے بغیر طویل ترین کتب کا نامتناہی سلسلہ بھی کفایت نہیں کر سکتا۔

تنبیہ: ان دلائل و براہین سے یہ تو معلوم ہو گیا کہ اللہ تعالے کو جہتِ علو کے ساتھ مختص ماننے والوں کا قول غلط ہے۔ اگر اسے توبہ کی توفیق نصیب ہو اور اس اعتقاد باطل سے رجوع کرے تو بہتر، ورنہ اگر حاکم شرعی کی طرف یہ معاملہ لے جایا جائے اور اس کے حق میں شرعی طریقہ پر اس قول کا انتساب درست ثابت ہو جائے تو حاکم وقت اس کے ساتھ مناسب تعزیری کارروائی کرے جو اسے اور اس قسم کے دوسرے لوگوں کو اس قسم کے قبیح اقوال سے روکنے کا موجب ہو علی الخصوص جب کہ عوام میں اس کی بدعت کے پھیل جانے کا خوف و اندیشہ ہو۔ واللہ اعلم۔ یہ تھی عبارت علامہ شہاب الدین رملی کے فتاویٰ کی جس کو انتہائی قلیل اختصار کے ساتھ ہدیہ ناظرین کیا گیا ہے۔

فائدہ مہمہ: جہت کے قائلین اور دیگر مبتدعین معتزلہ وغیرہ کی تکفیر درست نہیں ہے

امام ابن حجر ہیتمی مکی نے فتاوی حدیثیہ میں اللہ تعالے کے متعلق جہت کا عقیدہ رکھنے کی ممنوعیت پر طویل کلام کرنے کے بعد

سلطان العلماء شیخ عزالدین بن عبدالسلام کا قول نقل کرتے ہوئے فرمایا اصح یہ ہے کہ جہت کا عقیدہ رکھنے والا کافر نہیں ہے کیونکہ علماء اسلام نے ایسے لوگوں پر دائرۂ اسلام سے خارج ہونے کا حکم نہیں دیا۔ بلکہ ان کے اہل اسلام کا وارث ہونے کا فتویٰ دیا ہے اور ان کا اہلِ اسلام کے قبرستان میں دفن ہونا جائز رکھا۔ ان کے اموال اور نفوس کی حرمت کا حکم دیا۔ ان پر اور دیگر اہلِ بدعت پر نماز جنازہ کے وجوب و لزوم کا قول کیا ہے۔ اور ہمیشہ سے لوگ ان پر احکام اسلام جاری کرتے رہے ہیں اور جس شخص نے ان کے کفر کا فتویٰ دیا ہے اس کے فتویٰ کا کوئی اعتبار نہیں ہے کیونکہ وہ اہل اسلام کے اجماعی مسلک کے خلاف ہے۔

انتہی کلام عزالدین وانتہت عبارۃ ابن حجر۔

علامہ ابن حجر نے فتاوی حدیثیہ میں ایک اور سوال کا جواب دیتے ہوئے فرمایا۔ سوال یہ تھا کہ ایک شخص کا عقیدہ یہ ہے کہ اس نے دنیا میں اپنے رب تبارک وتعالیٰ کو دیکھا ہے (کیا یہ اس اعتقاد کی وجہ سے کافر ہو جائے گا یا نہیں) تو انہوں نے جواب میں اس کی تکفیر اور عدم تکفیر کے متعلق تفصیل بیان کرتے ہوئے فرمایا۔ اگر اپنی سر کی آنکھوں سے اللہ تعالیٰ کے دیکھنے کا دعویٰ کرنے والے نے اس اعتقاد کے ساتھ باری تعالیٰ کے متعلق جسمیت اور اس کے لوازم یعنی حدوث و امکان اور صورت و رنگت وغیرہ کا اعتقاد فاسد بھی ضم کر رکھا ہے تو پھر اس کی طرف حکمِ کفر متوجہ ہو گا کیونکہ اس نے اس زعمِ فاسد کی صورت میں قدمِ حق تعالیٰ اور اس کے کمال مطلق کا عقیدہ نہیں رکھا تعالیٰ اللہ عن ذالک علواً کبیراً۔ لیکن اگر عقیدہ رؤیت و دیدار کے ساتھ اعتقاد جسمیت وغیرہ کا اعتقاد فاسد منضم نہیں کیا تو محض رویت بصری کے دعویٰ سے اس کے کفر کا حکم نہیں کیا جا سکتا کیونکہ ہمارے نزدیک معتمد و معتبر یہی ہے کہ جہمیہ اور مجسمہ وغیرہ کافر نہیں ہیں بشرطیکہ حدوث اور اس کے لوازم کا ذات واجب میں عقیدہ نہ رکھیں۔ اور ان کے مذہب فاسد کے لوازم کا لحاظ نہیں کیا جائے گا کیونکہ اصولِ عقائد میں صحیح ترین اصل یہی ہے کہ لازم المذہب مذہب نہیں ہے کیونکہ ہو سکتا ہے صاحب مذہب صرف ملزوم کا عقیدہ رکھے اور لازم کا اعتقاد نہ رکھے۔ اسی لیے ہم نے کہا ہے کہ اگر اعتقاد جسمیت کے لوازم یعنی حدوث اور صورت و لون وغیرہ کے عقیدہ کی تصریح کرے تو لامحالہ کافر ہو گا۔

علامہ اذرعی اور دیگر اکابر فرماتے ہیں مشہور مذہب اہل السنت کا یہی ہے کہ مجسمہ کو کافر نہیں کہتے اگرچہ وہ یہی کہیں کہ ذات واجب تعالیٰ اجسام کی مانند جسم ہے کیونکہ وہ لوازمِ اجسام کا عقیدہ نہیں رکھتے۔ اور جب جہمیہ اور مجسمہ میں یہ اصل اور مذہب مشہور معلوم ہو چکا تو اللہ تعالیٰ کے حق میں دنیا کے اندر رویتِ بصری کا عقیدہ رکھنے والے کے متعلق بھی حکم یہی ہو گا۔ سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے علامہ ابن حجر نے قائلین جہت وغیرہ کے متعلق فرمایا۔

ائمہ کرام علماء اعلام اور حفاظِ ملت نے جب ان آیات و احادیث متشابہہ کی تقریر فرما دی اور ان کو ظاہری معانی کی بجائے دوسرے معانی پر محمول کیا تو اب ظواہر کے مطابق اعتقاد رکھنے میں کسی کے لیے کوئی عذر باقی نہیں رہا۔ لہٰذا اب بھی ان کو ظاہری معانی پر حمل کیا جائے تو ایک قول کے مطابق ایسا شخص بالکل کافر ہے مگر دوسرا قول یہ ہے کہ اگر ذات واجب تعالیٰ کو اجسام کی مانند جسم تسلیم کرتا ہے تو کافر ہے ورنہ نہیں (اگرچہ اس کا یہ عقیدہ خطاء فاحش ہے) اور یہی مسلک امام نودی کا ہے۔

تیسرا قول یہ ہے کہ وہ شخص بالکل کافر نہیں ہے اور یہی ہمارا مذہب مشہور ہے بشرطیکہ اس اعتقاد فاسد کے ساتھ اس کے بعض لوازم یعنی حدوث وغیرہ کا اعتقاد نہ رکھتا ہو میرے شیخ المشائخ امام شیخ ابراہیم باجوری شافعی مصری، شیخ ابراہیم اللقانی مالکی کی تالیف جوہرۃ التوحید کے حاشیہ میں ان کے اس قول کے تحت فرماتے ہیں ؎

وَيَسْتَحِيْلُ ضِدُّ ذِی الصِّفَاتِ فِی حَقِّهٖ كَالْكَوْنِ فِی الْجِهَاتِ

ترجمہ: اور ان صفات کی ضد اللہ تعالیٰ کے حق میں محال ہے مثلاً جہات میں ہونا۔

یہ بات اچھی طرح ذہن نشین رہے کہ جہت کا عقیدہ رکھنے والا کافر نہیں ہے جیسے کہ عزالدین بن عبدالسلام نے فرمایا اور علامہ نودی نے اس قول کے ساتھ متعقد جہت کے عامی ہونے کی قید لگائی ہے۔ اور ابن ابی خمرہ نے نفی جہت کے فہم و ادراک کے تعسر و تعذر کی قید لگائی ہے۔ اور بعض حضرات نے یوں تفصیل فرمائی ہے کہ اگر اس نے جہتِ علو کا عقیدہ رکھا ہے تو کافر نہیں ہو گا کیونکہ جہت علو میں فی الجملہ شرف و رفعت ہے۔ اور اگر جہت سفل کا عقیدہ رکھا تو کافر ہو جائے گا کیونکہ جہت سفل میں خست و رذالت ہے۔

انتہی کلام الباجوری۔

عین ممکن ہے کہ علامہ باجوری نے اپنی عبارت کا ابتدائی حصہ مصنف علامہ امام لقانی کی شرح سے لیا ہو جو میں نے قبل ازیں نقل کر دی ہے اب میں اس مقام پر علماء اعلام اور ائمۃ الاسلام کی بعض عبارات نقل کرتا ہوں جن کا تعلق اہلِ قبلہ کی عدم تکفیر سے ہے کہ نہ ان کے ذنوب کی وجہ سے ان کو کافر کہا جا سکتا ہے اور نہ ان کی بدعت کی وجہ سے۔

امام المتکلمین فخر المفسرین امام رازی کا مسلک

امام رازی تفسیر کبیر میں سورۂ انعام کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں جیسے کہ شارح الاحیاء نے اس سے نقل فرمایا کہ میں نے اپنے والد گرامی الشیخ الامام عمر بن الحسین کو اپنے شیخ و استاد ابوالقاسم بن ناصر الانصاری کا فرمان نقل کرتے ہوئے سنا۔ کہ اہل السنت نے اپنے عقیدہ میں اللہ تعالیٰ کے عموم قدرت اور اس کی مشیت کے نفاذ پر نظر کو مرکوز رکھا ہے اور اس طرح اس کی عظمت شان کو ظاہر کیا ہے۔

اور معتزلہ نے تعظیم باری تعالیٰ اور اس کے اجلال کو اللہ تعالیٰ کی عدالت اور ناشائستہ امور کی تخلیق سے براءۃ کو مدنظر رکھتے ہوئے ظاہر کیا ہے۔ جب اچھی طرح غور و تامل سے کام لیا جائے تو معلوم ہو جائے گا کہ ہر ایک نے اپنے اپنے عقیدہ کے مطابق اللہ تعالیٰ کو جلالت شان، عظمت و برتری اور تقدس و تنزہ کے ساتھ موصوف کیا ہے لیکن ایک فریق نے صواب کو پا لیا اور دوسرا فریق خطا کا مرتکب ہو گیا۔ اور سب کی امیدیں اللہ تعالیٰ کے اس فرمان سے وابستہ ہیں "وَرَبُّكَ الْغَنِيُّ ذُو الرَّحْمَةِ" تمہارا رب غنی ہے اور وسیع رحمت والا۔

امام عبدالوہاب شعرانی کا مسلک ومذہب

امام شعرانی نے الیواقیت والجواہر کے باب ۵۸ میں فرمایا شیخ ابوالطاہر قزوینی نے اپنی کتاب "سراج العقول" میں فرمایا کہ امت کے مختلف فرقوں میں بٹ جانے پر دلالت کرنے والی حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم (ستفترق امتی علی نیف وسبعین فرقۃ کلہا فی النار الا واحدۃ ۔ میری امت عنقریب ستر سے زائد فرقوں میں بٹ جائے گی جو سب جہنمی ہوں گے ماسوا ایک فرقہ کے) بعض طرق واسانید میں ان الفاظ کے ساتھ مروی ہے کلہا فی الجنۃ الا واحدۃ یعنی وہ سبھی جنت میں ہوں گے علاوہ ایک فرقہ کے (رواہ ابن النجار) اور علماء کرام فرماتے ہیں کہ اس ایک گروہ کا مصداق زندیق اور ملحد لوگ ہیں ۔

علامہ قزوینی دونوں طرح کی روایات میں لازم آنے والے تخالف وتضاد کو دور کرتے ہوئے فرماتے ہیں ۔ کہ روایت مشہورہ جس میں ایک فرقہ کے علاوہ تمام کا جہنمی ہونا مذکور ہے تو اس سے ہمیشہ کے لیے اہل نار سے ہونا مراد نہیں ہے ۔ بلکہ وقتی طور پر پل صراط سے گذرتے ہوئے آگ میں وارد ہونا مراد ہے ارشاد خداوند تبارک وتعالے ہے "ثُمَّ نُنَجِّي الَّذِينَ اتَّقَوْا وَنَذَرُ الظَّالِمِينَ فِيهَا جِثِيًّا"، پھر ہم اہل تقوی کو نجات عطا فرمائیں گے اور ظالموں کو اس میں گھٹنوں کے بل رینگتا ہوا چھوڑیں گے ۔ اور علی الاطلاق ظالم کافر ہیں ۔ لہذا کسی دیندار کو یہ زیبا نہیں ہے کہ راہ استقامت سے ہٹ جانے والے فرقوں میں سے کسی کو کافر کہے جب تک کہ وہ اسلام کا دم بھرتے رہیں اور اہل اسلام کے احکام کی طاعت وتابعداری کرتے رہیں ۔

امام شعرانی اہل السنۃ کے مخالف بڑے بڑے فرقوں کا ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں ۔ امام ابوسلیمان خطابی نے کہا سب سے پہلے اہل السنۃ سے علیحدگی اور ان کی مخالفت حضرت علی المرتضے رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں واقع ہوئی ۔ اور مخالفین کا یہ گروہ وہی تھا جس کے متعلق دانائے غیوب صلی اللہ علیہ وسلم نے کئی سال پہلے خبر دے دی تھی ۔

"اِنَّهُمْ يَمْرُقُوْنَ مِنَ الدِّيْنِ كَمَا يَمْرُقُ السَّهْمُ مِنَ الرَّمِيَّةِ ۔ وہ لوگ دین سے اس طرح نکلے ہوتے ہوں گے جس طرح تیر اپنے نشانے سے پار ہو جاتا ہے"، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان سے قتال کیا اور ان کے شر سے عالم اسلام کو محفوظ فرمادیا اور واضح کر دیا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان حقیقت ترجمان کا مصداق یہی لوگ ہیں ۔ مگر جب آپ سے دریافت کیا گیا کہ آیا یہ لوگ کافر ہیں تو آپ نے فرمایا نہیں وہ بزعم خویش کفر سے ہی بھاگے ہیں اور اسی خیال کے تحت الگ ہو گئے ہیں ۔ عرض کیا گیا کیا وہ منافق ہیں تو آپ نے فرمایا نہیں ۔ منافق اللہ تعالے کا ذکر بہت کم کرتے ہیں مگر یہ لوگ اللہ تعالے کو بہت زیادہ یاد کرتے ہیں ۔ عرض کیا گیا آخر وہ ہیں کیا ؟ تو آپ نے فرمایا وہ ایسی قوم ہے جن کو فتنہ نے اپنی لپیٹ میں لے لیا اور وہ اندھے بہرے ہو گئے ہیں (نہ حق کا مشاہدہ کر سکتے ہیں اور نہ اس کو سن سکتے ہیں) ۔

علامہ خطابی فرماتے ہیں کہ حضرت اسد اللہ الغالب علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ الکریم نے ان کو کافر اس لیے نہیں فرمایا کہ انہوں نے ایک قسم کی تاویل کا سہارا لیا تھا ۔ اور حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں وارد کلمہ یمرقون من الدین سے مراد یہ ہے کہ

وہ طاعت امام سے نکل جائیں گے اور بغی وعناد کا شکار ہو جائیں گے ۔ اور دین بمعنی طاعت کلام مجید میں وارد ہے جیسے کہ اللہ تعالی کا ارشاد ہے "مَا كَانَ لِيَأْخُذَ اَخَاهُ فِي دِيْنِ الْمَلِكِ" ان کو بذات خود یہ زیبا نہ تھا کہ اپنے بھائی کو بادشاہ کی طاعت میں لیتے عہ اور جن علماء اسلام نے اہل تاویل کو کافر نہیں کہا ان کی حجت ودلیل یہ ہے کہ لا آلہ الا اللہ محمد رسول اللہ پڑھنے کی وجہ سے ان کے نفوس اور اموال کی عصمت ثابت ہو چکی ہے ۔ اور اس امر کا ثبوت ابھی تک ہمیں دستیاب نہیں ہو سکا کہ تاویل میں خطا کا صدور بھی کفر ہے اور جس کو یہ دعوی ہے وہ اس پر نص اجماع یا قیاس صحیح کے ساتھ دلیل پیش کرے جو اصل صحیح یعنی نص یا اجماع پر مبنی ہو ہم نے تو اس ضمن میں کوئی دلیل نہیں دیکھی ۔ لہذا ان کا اسلام پر باقی ہونا ثابت ہو گیا ۔

امام مزنی کا مسلک ونظریہ

امام مزنی سے علم کلام کے ایک مسئلہ کے متعلق سوال کیا گیا تو انہوں نے فرمایا میں اس میں مکمل غور وخوض کر لوں اور تحقیق وتدقیق کے درجہ عالی اور غایۃ تیقن تک پہنچ لوں کیونکہ یہ اللہ تعالے کا دین ہے ۔ اور جو شخص اہل اہواء اور مبتدعین کو جلد بازی میں کافر کہتے ان پر سخت رد وانکار فرماتے ۔ ان کا کہنا یہ ہے کہ جن مسائل میں ان کا اختلاف ونزاع واقع ہوا ہے ان میں بہت باریکیاں ہیں جو نظر عقلی کو بآسانی معلوم نہیں ہو سکتیں ۔

امام الحرمین کا مسلک وعقیدہ

امام الحرمین رحمہ اللہ تعالی فرمایا کرتے تھے اگر ہمیں کہا جائے کہ جو عبارات اپنے قائل کے کفر کی مقتضی ہیں ان کو دوسری عبارات سے الگ کر دو جو کفر کی مقتضی نہیں ہیں تو ہم کہیں گے کہ یہ مقام ایسے طمع وحرص کا مقام نہیں ہے کیونکہ اس کا ادراک امر بعید ہے اور اس مقام میں سلوک اور غایت مقصد تک وصول مشکل ہے اس میں بحار توحید کی امواج سے امداد کا حصول ضروری ہے جس شخص کو نہایات حقائق کا علم محیط حاصل نہیں ہو گا وہ دلائل توحید میں درجات وثوق تک واصل نہیں ہو سکے گا ۔

عقیدۃ الامام ابی المحاسن الرویانی وغیرہ

امام ابوالمحاسن رویانی اور دیگر علماء بغداد کا متفق علیہ قول یہ ہے کہ مذاہب اسلامیہ پر کاربند لوگوں میں سے کسی کو بھی کافر نہ کہا جائے ۔ کیونکہ رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے ارشاد فرمایا ہے "مَنْ صَلّٰى صَلٰوتَنَا وَاسْتَقْبَلَ قِبْلَتَنَا وَاَكَلَ ذَبِيْحَتَنَا فَلَهٗ مَا لَنَا وَعَلَيْهِ مَا عَلَيْنَا"، جس شخص نے ہماری نماز کی طرح نماز پڑھی اور ہمارے قبلہ کو اپنا قبلہ بنایا اور ہمارے ذبح کئے ہوئے جانور

عہ (بلکہ ان کا یہ اقدام اللہ تعالے کی مشیت سے اور اس کے ارادہ سے تھا)

کو کھایا تو اس کے لیے وہ رعایات ہیں جو ہمارے لیے ہیں اور اس پر وہی حقوق لازم ہیں جو ہم پر لازم ہیں۔

نظریۂ امام مخزومی

امام مخزومی نے فرمایا کہ امام شافعی نے اپنے ایک رسالہ میں اہلِ اہواء کے کافر نہ ہونے کی تنصیص و تصریح فرمائی ہے۔ انہوں نے فرمایا میں اہلِ اہواء کو ذنوب و آثام کی وجہ سے کافر نہیں کہتا۔ اور دوسری روایت میں ہے کہ میں اہلِ قبلہ میں سے کسی کو اس کے گناہ کی وجہ سے کافر نہیں کہتا۔ اور تیسری روایت میں یوں ہے کہ میں ایسی تاویل کے مرتکب کو جو خلافِ ظاہر ہو اس خطا و گناہ کی بناء پر کافر قرار نہیں دیتا۔

علامہ مخزومی فرماتے ہیں امام شافعی کے نزدیک اہلِ تاویل سے مراد وہ لوگ ہیں جو ایسی تاویل کے مرتکب ہیں جس کا کلماتِ کلام مجید احتمال رکھتے ہیں مثلاً معتزلہ و مرجیہ اور اہلِ قبلہ سے مراد موحدین ہیں۔

امام شعرانی نے ان اقوال کو نقل کرنے کے بعد فرمایا اے برادر اسلامی تجھے ہماری نقل کردہ عبارات اور علماءِ اعلام و ائمہ اسلام کے اقوال سے اچھی طرح معلوم ہو گیا۔ کہ تمام متدین علماء کرام نے اہلِ قبلہ کی ذنوب و آثام کی وجہ سے تکفیر سے گریز و پرہیز کیا ہے۔ لہٰذا تو بھی انہیں کی سیرت و روش کو اپنا اور اسی راہِ راست پر گامزن ہو۔ انتہی کلام شعرانی باختصار جس کو زیادہ تفصیل مطلوب ہو وہ اصل کتاب کی طرف رجوع کرے کیونکہ انہوں نے اس مسئلہ کی تحقیق و تدقیق میں سیر حاصل بحث کی ہے اور امام سبکی اور دیگر ائمہ اعلام سے ایسا کلام نقل کیا ہے جو پیاسوں کی پیاس بجھاتا ہے اور دوران سر کے مریض کو شفا بخشتا ہے۔ اللہ تعالٰے سے دعا ہے کہ ہمیں ان کی برکات سے نفع مند کرے اور ہمیں اپنے فضل و کرم سے حسن خاتمہ نصیب فرمائے آمین ثم آمین۔

یہ تھی آخر بحث جس کو میں نے اپنے رسالہ "رفع الاشتباہ فی استحالۃ الجہۃ علی اللہ" سے نقل کیا ہے۔

بقیہ مبحث متعلق بہ کتب ابن تیمیہ

اعتقاد جہت وغیرہ کی ضمنی بحث سے فراغت حاصل کرنے کے بعد ہم پھر اصل مبحث یعنی ابن تیمیہ کی کتابوں پر بحث و تمحیص کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ پس چار کتابیں تو وہ ہیں جن کا پہلے ذکر آچکا ہے یعنی الجواب الصحیح فی الرد علیٰ من بدل دین المسیح اس میں نصاریٰ کا رد ہے۔ دوسری منہاج السنۃ جس میں اہل تشیع کا رد ہے۔ اور جب میں اپنی کتاب "الرسالۃ البدیعۃ فی فضل الصحابۃ واقناع الشیعۃ"، کو طباعت کے لیے بھیج چکا تو اس وقت اس کی طباعت ہوئی۔ اور اسی وقت اس کی طباعت کا علم بھی ہوا اگر اس سے پہلے اس پر مطلع ہوتا تو ضرور اس سے بھی اس کتاب میں نفع اندوز ہوتا اور اس سے چند ابحاث اس میں درج کرتا لیکن عذر سابق کی وجہ سے میرے لیے اس سے کچھ نقل کرنا ممکن نہ رہا۔ بحمد اللہ میرا یہ رسالہ اہلِ تشیع اور روافض کے رد و قدح میں جملہ مطالب و مقاصد پر مکمل طور پر مشتمل ہے اور اس کی عبارتیں بہت واضح اور ظاہر المراد ہیں۔ اس کی تیسری کتاب "بیان موافقۃ صریح المعقول لصریح المنقول"، ہے جو منہاج السنۃ کے حواشی پر مطبوع ہے۔ اس میں اہل السنۃ والجماعت اشاعرہ و ماتریدیہ وغیرہ کا رد ہے

چوتھی کتاب ہے۔ "الفرقان بین اولیاء الرحمٰن و اولیاء الشیطان"، جس میں خلاصۃ المسلمین اولیاء کاملین و عارفین پر رد و قدح کی ہے اور ان میں اکثرین کو کافر قرار دیا ہے علی الخصوص سیدنا شیخ محی الدین بن العربی کو۔

ابن تیمیہ کی اس کتاب اور دیگر کتب کو دیکھ کر تمہیں یہی محسوس ہو گا کہ یہ دوسرا ابن حزم صاحبِ "کتاب الملل والنحل" ہے جس کے قلم سے کوئی کافر و مبتدع اور مومن و عارف محفوظ نہیں رہا گویا کامل مسلمان کی جو علامت سرورِ کونین، سید الثقلین صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمائی ہے۔ اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِّسَانِهٖ وَيَدِهٖ (یعنی کامل مسلمان وہ ہے جس کے ہاتھ سے اور زبان سے اہلِ اسلام محفوظ رہیں اس علامت کا ان دونوں میں نام و نشان نہیں ہے نعوذ باللہ من سوء الرویۃ)

امام سبکی نے اس کی کتابوں پر ابیات کی صورت میں رد و قدح فرمایا اور ان میں ضمناً منہاج السنۃ کی تعریف بھی فرمائی۔ اور بعض بدعات کے ارتکاب کی وجہ سے اس کا رد بھی کیا۔ تو اس وجہ سے امام سبکی پر رد و قدح اور طعن و تشنیع کے لیے حشویہ میں سے دو شخص آمادہ ہوئے جو کہ ابن تیمیہ کے عقیدہ پر ہیں۔ ایک حنبلی ہے اور دوسرے کو شافعی ہونے کا دعویٰ ہے۔ حنبلی کا نام ابو المظفر یوسف بن محمد بن مسعود عبادی عقیلی سرمری نزیل دمشق ہے۔ اور شافعی المسلک ہونے کے دعویدار کا نام محمد بن یوسف یمنی یافعی ہے جس کے قصیدہ کو آلوسی نے جلاء العینین میں نقل کیا ہے۔ ان دونوں میں سے ہر ایک نے امام سبکی کے رد میں طویل قصیدہ لکھا ہے جو سو سے زیادہ ابیات پر مشتمل ہے جن میں ہر چھوٹی بڑی برائی اور قباحت کا ذکر ہے اور امام سبکی پر ایسے رکیک حملے ہیں جو کسی عامی مسلمان کو بھی زیب نہیں دیتے چہ جائے کہ عالم و فاضل سے صادر ہوں۔

میرا خیال یہ ہوا کہ میں ان دونوں سے بدلہ لوں۔ اور ان دونوں کو ان کے عملِ بد کی جزاء اور بدلہ دوں جب کہ میں اپنا مطمح نظر صرف احقاقِ حق اور ابطالِ باطل کو بناؤں گا اور مذہب عاطل و باطل سے مذہب صحیح کی تمیز پیش نظر رکھوں گا۔ تو میں نے اسی قافیہ اور بحر میں یہ قصیدہ تالیف کیا اور میں اللہ تعالٰے سے اپنے لیے۔ ان کے لیے اور تمام اہل اسلام کے لیے عفو و عافیت کا طلب گار ہوں میں نے اس قصیدہ میں دلائل قاہرہ اور براہین باہرہ کے ساتھ اللہ تعالٰے کے حق میں جہت کا استحالہ ثابت کیا ہے اور نبی اکرم شفیع معظم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کے لیے سواریوں پر پالان رکھنے دور و دراز سے سفر کر کے حاضر بارگاہ ہونے کا جواز اور استغاثہ و توسل کا جواز ایسے انداز میں بیان کیا ہے جس سے نہ عقل اباء و انکار کر سکتی ہے اور نہ ادلہ نقلیہ اس سے مانع ہو سکتے ہیں جب کہ ان مسائل میں اختلاف رکھنے والوں کا احسن طریقہ پر رد بھی کر دیا گیا ہے۔ واللہ اعلم بما ہناک

الحمد للہ حمد استعد بہ لنصرۃ الحق کی احظی بمطلبہ

اللہ تعالٰے کے لیے حمد و ثناء ہے جس کی بدولت میں نصرۃ حق کی استعداد و صلاحیت حاصل کر سکوں اور اس مطلب و مقصد سے اپنا حصہ و نصیبہ حاصل کر سکوں۔

بک استعنت الٰہی عاجزا و فاعن ابغی رضاک فاسعفنی باطیبہ

اے میرے اللہ معبود میں عاجز ہوں تجھ سے مدد و نصرت کا طلب گار ہوں۔ تیری رضا کا طلب گار ہوں مجھے پاکیزہ ترین امداد اور رضامندی کے ساتھ بامراد فرما۔ اور نصرت و تعاون سے بہرہ ور فرما۔

فان تعن ثعلبا یسطو علی اسد　　　او تخذل اللیث لا یقوی لثعلبه

اگر تو لومڑی کی امداد فرما دے تو وہ شیران نر پر حملہ آور ہو۔ اور اگر شیر کو نصرت و طاقت سے نہ نوازے تو لومڑی سے نبرد آزما نہ ہو سکے۔

وانی عالم ضعفی ولا عمل　　　عندی یفید ولا علم اصول به

میں اپنی ضعیفی و ناتوانی کو اچھی طرح جانتا ہوں۔ نہ میرے پاس کارآمد عمل ہے اور نہ ہی علم جس کے ساتھ اعداء دین پر حملہ آور ہوں۔

ورأس مالی جاه المصطفیٰ فیه　　　ادعوك یارب ایدنی له وبه

میری پونجی اور کل کائنات صرف پیارے مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی جاہ و مرتبت ہے اسی کے وسیلے سے تجھ سے دعا کرتا ہوں اُنہیں کے طفیل میری تائید و تقویت فرما اور اُنہیں کے صدقے میری نصرت و امداد فرما۔

وارحم به علماء الدین قاطبة　　　من اهل سنته ساه ومنتبه

جاہ مصطفےٰ علیہ التحیۃ والثناء کا صدقہ تمام علماء دین اہل السنت پر رحم فرما جو سہو و نسیان کے مرتکب ہیں یا بیدار مغز اور ہوشیار ہیں۔

لولاهم ما علمنا ما بعثت به　　　خیر الوری وعجزنا عن تطلبه

اگر یہ علماء حق نہ ہوتے تو ہمیں اس دین کا پتا نہ چلتا جس کے ساتھ تو نے خیر الوریٰ علیہ السلام کو بھیجا اور ہم اس دین حق کی طلب و تلاش سے عاجز رہ جاتے۔

منهم ابو الحسن السبکی ناصره　　　سقاه غیث الرضی الهامی بصیبه

انہی اکابر علماء اسلام میں سے امام ابو الحسن السبکی ہیں جو دین حق کے ناصر و محافظ ہیں۔ اللہ تعالےٰ کی رضامندی والی موسلا دھار بارش ان کو سیراب کرے۔

اهدی شفاء سقام فی زیارته　　　شفی صدور جمیع المؤمنین به

انہوں نے رسول کریم علیہ السلام کے مزار پر انوار کی زیارت میں بعض لوگوں کو پیش آنے والی امراض قلب کی شفاء کا سامان مہیا کیا ہے اور اس کی بدولت اہلِ ایمان کے دلوں کو شفا یاب کر دیا ہے۔

ورب غر غوی ذمه حسدا　　　به غرور وقاح الوجه أصلبه

کتنے سادہ لوح اور بے علم راہ راست سے بھٹکے ہوئے لوگ ہیں جنہوں نے ازرہ حسد و بغض ان کی مذمت کی ہے

وہ غرور و تکبر کا مجسمہ ہیں اور ان کا چہرہ حیاء و شرم سے سخت نا آشنا ہے۔

ساءت خلائقه ضلت طرائقه　　　قد تاه بالتیه فی تیهاء سبسبه

ان کے اخلاق و عادات برے ہیں اور ان کی راہیں منزل مقصود سے ناشناسا ہیں۔ وہ لوگ اپنی بدکلامی اور فحش گوئی کے ویرانے میں حیران و سرگردان ہیں۔

فقال ما قال فی السبکی من سفه　　　فبحاله من سفیه القول اکذبه

اپنی حماقت اور کم عقلی کی وجہ سے امام سبکی کے حق میں کہا جو کچھ بھی کہا۔ بُرا ہو اس کا کتنا حماقت پر مبنی قول ہے اور انتہائی جھوٹا۔

اوفی الجدال بغیر الحق مختلقا　　　ما شاء من کذب وهو الخلیق به

وہ ناحق خصومت و مجادلہ میں جو جھوٹ اور بہتان اختراع کر سکتے ہیں کرتے ہیں اور وہ ہیں بھی اسی کے لائق اور اہل۔

وقال مفتخرا بالزور مذهبنا　　　ترك الجدال وتانیب لطالبه

اپنے جھوٹ اور کذب بیانی پر فخر کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ہمارا مذہب و مسلک تو ہے خصومت و مجادلہ کو چھوڑنا۔ اور خصومت و مجادلہ کے طلب گار اور خواہش مند کی سرزنش اور ملامت۔

فانظر اکاذیبه واعجب لحالته　　　من التناقض هذا بعض اعجبه

اس کے جھوٹ دیکھئے اور اس کی حالت پر تعجب کیجئے۔ اس کے کلام میں کتنا تناقض ہے اور یہ تو اس کی اعجوبہ کاریوں کا ایک معمولی نمونہ ہے۔

یا ایها الجاحد الحق المبین افق　　　قد طال نومك یا نومان فانتبه

اے حق مبین کا انکار کرنے والے ہوش میں آ۔ اے خواب غفلت میں سونے والے تو بہت سو چکا اب ذرا بیدار ہو۔

اهلکت نفسك فارحمها وذر بدعا　　　بها بلیت ودع قولا شقیت به

تو نے اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالا اپنی جان ضعیف پر رحم کھا۔ ان بدعات کو ترک کر جن میں تو مبتلا ہو چکا ہے اور جس قول کی وجہ سے بدبخت بن گیا ہے اس کو ترک کر۔

لم تجعل المصطفیٰ اهلا لزائره　　　بشده الرحل او من یستغیث به

تو نے پیارے مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس امر کا حقدار انہیں سمجھا کہ ان کا زائر دور سے بقصد زیارت سواریوں پر سوار ہو کر حاضر خدمتِ اقدس ہو سکے اور نہ اِس قابل سمجھا کہ کوئی شخص ان کے ساتھ فریاد رسی اور توسل کر سکے۔

وکم رحلت الی امر به ارب   من امر دین و دنیا قد عنیت به

حالانکہ خود تونے کتنی بار اپنی دینی اور دنیوی حاجات میں دور و دراز کا سفر کیا ہے اور اس امر کا قصد و اعتناء کیا ہے۔

ذالک الحدیث الذی قد ما سمعت به   وفی المساجد لا کل الامور اُتی

وہ حدیث جو تونے عرصہ دراز سے سن رکھی ہے اور اس کو زائرین دربارِ نبوی پر چسپاں کر رکھا ہے وہ صرف مساجد کی طرف دور دراز سفر طے کر کے جانے کے لیے ہے نہ کہ جمیع امور کے لیے سفر کی ممنوعیت میں وارد ہے۔

والاستغاثة معناها تشفعنا   به الی الله فیما نرتجیه به

اور استغاثہ کا معنی ومفہوم ہمارے نزدیک یہ ہے کہ اپنی امیدوں اور تمناؤں کے برآنے کے لیے جناب باری میں ان کی ذات اقدس سے شفاعت وسفارش طلب کرنا۔

وما بذلک من بأس ومن حرج   الا لدی میت من لسعة الشبه

اس میں نہ کوئی خوف واندیشہ ہے اور نہ کوئی حرج مگر صرف اس شخص کے نزدیک جس کو شکوک وشبہات کے اژدھوں نے ڈس لیا ہے اور اس کا دل روحِ ایمانی سے محروم ہو کر ابدی موت مر چکا ہے۔

هو الشفیع لمولاه وسیده   فی کل حال مغیث المستغیث به

وہی محبوب اپنے مولا وسید کی جناب میں شفیع ہیں۔ اور آپ سے استغاثہ کرنے والوں کے ہر حال میں شفیع ہیں۔

هو الحبیب فمن یا قوم یمنعه   فضلا حباه اله العالمین به

وہی حبیب ہیں تو اے قوم کون ہے جو ان سے اللہ تعالے کے اس فضل واحسان کو روک لے جو ان کو اللہ تعالے نے عطا فرمایا ہے۔

والله والله لولا الله یضلل من   یشاء من خلقه فیما یرید به

ما کان یوجد ذو عقل فیمنع ذا   من اهل ملته او یستریب به

بخدا بخدا اگر اللہ رب العزت اپنی مخلوق میں سے جس کو گمراہ کرنے کا ارادہ فرماتا ہے اس کو گمراہ کرنے کا ارادہ نہ فرماتا تو اہلِ ملت میں کوئی عقلمند ایسا نہ ملتا جو توسل واستغاثہ سے منع کرتا یا اس میں شک وتردد کا شکار ہوتا۔

وانت یا ایها الانسان مالک لا   تحقق الامر کی تهدی لا صوبه

اے انسان تجھے کیا ہو گیا ہے کہ تو امور کی تحقیق کر کے حقیقتِ حال تک رسائی کی کوشش نہیں کرتا تاکہ صواب تک پہنچ سکے۔

ها انت تزعم ان الله فی جهة   ولا تبالی بتشبیه ضللت به

غور سے سن تو اس زعم فاسد میں مبتلا ہے کہ اللہ تعالے جہت میں ہے۔ اور تجھے اللہ تعالے کی مخلوق سے تشبیہ

میں کوئی پروا نہیں جس سے تو گمراہ ہو گیا ہے۔

من این جئت بذا هذا امامک لم   یقله احمد حاشا ان یقول به

تو یہ عقیدہ ونظریہ کہاں سے آیا ہے حالانکہ تیرے امام، امام احمد نے اس کا قول نہیں کیا اور وہ اس سے بالاتر ہیں کہ ایسے قول کریں۔

وسل ابا الفرج الجوزی تابعه   ینبیک بالحق فاعلم واعملن به

تو ابو الفرج بن الجوزی سے دریافت کر جو امام احمد کے متبعین سے ہیں وہ تجھے حق وحقیقت سے آگاہ کریں گے اس کو اچھی طرح معلوم کر لے اور اس کے مطابق عمل پیرا ہو۔

وتزعم الله بالذات استقر علی   عرش فتلحق اوصاف الحدوث به

تو اللہ تعالے کے متعلق یہ اعتقاد باطل رکھتا ہے کہ وہ اپنی ذات کے ساتھ عرش پر مستقر ہے۔ اور تو اس کے ساتھ صفات حدوث کو لاحق کرتا ہے۔

وبالتوسل لا ترضی وتمنعه   تقول ذلک فعل المشرکین به

مقبولانِ بارگاہ خداوندی کے ساتھ توسل پر تو راضی نہیں ہے اور وہ تیرے نزدیک مشرکین کا فعل وعمل ہے۔

نزهت ربک عن شرک بزعمک   ولم تنزهه عن شبه وعن شبه

تونے اپنے زعم کے مطابق اللہ تعالے کو شرک سے منزہ کر دیا۔ مگر اس کو مخلوق کی مشابہت اور صفات حدوث کے ساتھ اتصاف سے منزہ ومقدس تسلیم نہیں کیا۔

لقد وقعت من الاشراک فی شرک   من حیث شئت خلاصا منه بؤت به

یقیناً تو شرک کی نفی کرتے کرتے خود شرک میں مبتلا ہو گیا ہے جہاں سے تونے شرک سے خلاصی کی کوشش کی وہیں سے شرک کی طرف لوٹ آیا۔

اما الطلاق ثلاثا فالمخالف فی   وقوعه ساقط فی نفس مذهبه

لیکن تین طلاق کا معاملہ، تو ان کے وقوع میں مخالفت کرنے والا ہے اور اپنے مذہب کی رو سے ساقط اور ناقابل اعتداد واعتبار ہے۔

ترید تنصره فی حکم مسألة   اخطا وخالف کل المسلمین به

تو اس کی (ابن تیمیہ کی) ایسے مسئلہ میں امداد کرنا چاہتا ہے جس میں اس سے فحش غلطی سرزد ہوئی اور تمام اہلِ اسلام کی مخالفت کا مرتکب ہوا ہے۔

ذاك اعظم برهان بانك لم — تستحي من باطل مهما اسأت به

تیری یہ بے جا نصرت وامداد اس امر کی بیّن دلیل اور عظیم برہان ہے کہ جہاں کہیں تو نے اساءت اور برائی کا ارتکاب کر لیا ہے اور باطل کو اپنا لیا ہے تو پھر حق واضح ہونے پر بھی تجھے حیا دامن گیر نہیں ہوئی۔

اما الكلام باوصاف الاله علا — عن الحوادث طرا ان تحل به

فذاك موضعه علم الكلام فمن — اراده فليراجعه يجده به

لیکن اللہ تعالےٰ کے اوصاف میں کلام جو اس سے بالاتر ہے کہ حوادث اس میں حلول کریں اور اس سے قائم ہوں تو اس کی جگہ علم کلام ہے جس کو تحقیق مطلوب ہو وہ علم کلام کی طرف رجوع کرے ضرور اس بحث کو مکمل طور پر وہاں پالے گا۔

كفاك يا نفس مع هذا الكفى — عودى لصاحبه فهو الحرى به

اے نفس تجھے ایسے شخص پر تغلیظ وتشدید میں اسی قدر کافی ہے۔ اور ایسے اباطیل کا مالک ایسے ہی سلوک کا حقدار ہے لہٰذا اس کی طرف اسی حال میں رجوع کر (اور انہیں ہتھیاروں سے اس کی تباہی اور ذلت ورسوائی کا سامان کر)۔

وكل ماقلت فى هذا يناسبه — وهكذا ذاك فيما لا يخص به

جو کچھ میں نے اس کے متعلق کہا ہے وہ اس کے مناسب حال ہے اور وہ دوسرے امورِ قبیحہ وفضیحہ میں بھی اسی طرح حصہ دار ہے جو اس کے ساتھ مخصوص ومختص نہیں ہیں بلکہ تمام وہابیہ میں قدر مشترک ہیں

تحزبا وغدا السبكى منفردا — كلاهما ذو اعتداء فى تحزبه

ان دونوں (دمشقی اور یمنی) نے باہم جتھہ بندی کر رکھی ہے جب کہ امام سبکی تنہا ہیں اور وہ دونوں اپنی جتھہ بندی میں حد سے تجاوز کرنے والے ہیں۔

كلاهما قد حشا اشعاره سفها — عليه زورا وابدى حشو مذهبه

ان دونوں نے اپنی سفاہت اور کم عقلی کے تحت اپنے اشعار کو جھوٹ موٹ سے بھر دیا ہے اور اپنے مذہب کے حشو وفضول کو ظاہر کیا ہے۔

كلاهما خلف من بعد صاحبه — كلاهما متعد فى تصحبه

وہ دونوں اپنے صاحب کے بعد اس کے سچے جانشین ہیں۔ اور اس کی رفاقت ومصاحبت میں حد سے بڑھنے والے ہیں۔

لكن بينهما فرقا به افترقا — مع اتفاقهما فيما يعاب به

قابلِ تنقید اور عیب ناک امور میں اتفاق کے باوجود ان میں ایک وجہ فرق بھی ہے جس کی وجہ سے وہ دونوں جدا ہیں۔

فالحنبلى له عذر بنصرته — لشيخه باباطيل تليق به

حنبلی کے لیے تو اپنے شیخ کی باطل نظریات وعقائد میں جو اس کے لائق ہیں نصرت وامداد کا عذر موجود ہے۔

اما اليمانى فالمعذور لائمه — لأنه مخطى فى خلط مشربه

لیکن یمانی کو ملامت کرنے والا معذور ہے کیونکہ وہ اپنے مسلک ومشرب میں تخلیط وتلبیس کی وجہ سے سخت خطا کار ہے۔

لم يات ذاك غريبا فى القياس نعم — هذا اليمانى تدوانى باغربه

از روئے قیاس حنبلی کسی تعجب خیز امر کا مرتکب نہیں ہوا ہاں البتہ یہ یمانی غریب ترین اور انتہائی عجیب امر کا مرتکب ہوا ہے۔

ان كان يا يافع عار عليك بذا — فبابن اسعد فخر تفخرن به

اے یافع اگر تجھے اس سے عار لاحق ہوتی ہے (کہ اب حق کی طرف رجوع کرے) تو فخر بن اسعد پر اس معاملہ میں فخر کر اور اس کی اتباع کر۔

وما تعجبت من شىء كنسبته — للشافعى افتراء فى تذبذبه

مجھے کسی چیز سے بھی اس قدر تعجب نہیں ہے جتنا کہ یافعی کے تذبذب کے باوجود اس کی امام شافعی کی طرف نسبت پر تعجب ہے جو کہ محض افترا پر مبنی ہے۔

يوما يمان اذا لاقيت ذا يمن — وان تجد حشو شامى تدين به

کسی دن تو یمانی یعنی جب کہ کسی یمنی سے ملاقات ہو جائے۔ اور اگر کسی شامی کا حشو اور فضول عقیدہ دستیاب ہو گیا تو اس کو اپنا لے گا۔

ان شافعيا فهذا الحشو جئت به — من اين فلتره حتى نقول به

اگر تو شافعی ہے تو یہ ردی اور نکما عقیدہ کہاں سے لایا ہے؟ بتلا تو سہی تاکہ ہم بھی اس کو دیکھیں اور اسی کے مطابق عقیدہ رکھیں۔

هل قاله الشافعى فى الام ليس به — او فى الرسالة او من اين جئت به

کیا امام شافعی نے اس کو اپنی کتاب "الاُمّ" میں ذکر کیا ہے اس میں تو اس کا نام ونشان بھی نہیں ہے یا کسی اور رسالہ میں اس کا ذکر ہے اور کون سی جگہ ہے جہاں سے تجھے یہ ہدایت دستیاب ہوئی جو تو اہل اسلام کے سامنے لایا ہے۔

الشيخ شيراز ابداه وحققه — فى نص تنبيهه او فى مهذبه

کیا شیخ شیراز نے اس کا قول کیا ہے اور اس تحقیق کو ظاہر کیا ہے اپنی تنبیہات کی نصوص میں یا مہذب میں؟

او الامام الغزالی قال ذلك او — اماما الاشعری الحبر قال به

یا امام غزالی نے یہ قول کیا ہے یا ہمارے امام وحبر العلماء شیخ اشعری نے یہ عقیدہ رکھا ہے؟

او قاله الفخر یوما فی مطالبه — او الجوینی فی ارشاد مطلبه

کہیں فخر المتکلمین نے اس کا مطالب میں ذکر کیا ہے یا امام جوینی نے ارشاد المطالب میں؟

فی فقههم ذکروه او عقائدهم — کلاهما ذمه مع من یقول به

آیا شافعی علماء نے اپنی کتب فقہ میں اس کا ذکر کیا ہے یا کتب عقائد میں بلکہ دونوں علوم میں ان اقوال اور ان کے قائلین کی مذمت موجود ہے۔

اذن فقل انا حشوی بدون حیا — وابرا من الشافعی انت الدعی به

تو پھر بغیر حیا وشرم کے سیدھی بات کہہ کہ میں حشوی ہوں اور جس امام شافعی کی طرف انتساب کا دعویٰ کیا ہے اس سے برأت کا اظہار کر۔

لو کان حقا حفظت الشافعی ولو — تسوء ویحك فی اعلام مذهبه

واذ سفهت علی السبکی تابعه — سؤت الامام وکل المقتدین به

اگر تیرا دعویٰ درست ہوتا تو تو نے امام شافعی علیہ الرحمہ کی ان کے اعلام مذہب میں حفاظت ونصرت کی ہوتی اور ان کو پریشانی میں نہ ڈالا ہوتا لیکن افسوس ہے تیرے لیے کہ جب تو نے امام شافعی کے متبع کامل امام سبکی پر سفاہت و کم عقلی کی بنا پر اعتراض کیا ہے تو تو نے امام شافعی اور ان کے تمام مقتدیوں کو پریشانی میں مبتلا کیا اور انتہائی غم زدہ کیا ہے۔

بل سؤت بالافك مما قد اسات به — خیر الانام وکل المؤمنین به

بلکہ تو نے افک وافتراء والی اساءت اور برائی کی وجہ سے خیر الانام صلی اللہ علیہ وسلم اور ان پر ایمان لانے والے جملہ اہل ایمان کو تکلیف پہنچائی ہے۔

لقد کذبت وشر القول اکذبه — اذ قلت للشیخ من عجب عرفت به

یقیناً تو نے جھوٹ بولا ہے اور بُرا قول وہی ہے جو انتہائی کذب وافتراء پر مبنی ہو جب کہ تو نے شیخ سبکیؒ کے متعلق ازراہ تکبر کہا جب کہ تو اس غرور وتکبر کے ساتھ تو معروف ومشہور ہو چکا ہے۔

(فابرز ورد تری والله اجوبة — مثل الصواعق تردی من تمر به)

میدان بحث ومناظرہ میں نکل اور شیخ ابن تیمیہ کے مسلک پر رد وانکار کر بخدا تجھے ایسے جوابات ملیں گے جو صواعق کی مانند ہوں گے اور جس پر ان کا گزر ہو گا اس کو ہلاک کر کے رکھ دیں گے۔

(عقلا ونقلا وآیات مفصلة — من کل اورع شهم القلب منتبه)

وہ جوابات عقلی، نقلی ہوں گے اور مفصل آیات پر مبنی ہوں گے اور ایسے شخص کی طرف سے ہوں گے جو تقویٰ، ذکاوت و فطانت اور مغز بیدار کا مالک ہے۔

(ماض الجنان کحد السیف فکرته — یریك نظما ونثرا فی تادبه)

اس کا فکر دلوں میں تلوار کی دھار کی طرح نفوذ کرنے والا ہے وہ اپنی ادیبانہ شان ظاہر کرتے ہوئے نظم ونثر میں جوابات کو پیش کرنے والا ہے۔

(وقاد ذهن اذا جالت قریحته — یکاد یخشی علیه من تلهبه)

وہ ایسے روشن دماغ کا مالک ہے جب اس کی طبیعت جوابات کی جولانگاہ میں آئے تو قریب ہے کہ اس پر جل اٹھنے کا اندیشہ اور خطرہ درپیش ہو۔

وغیر ذلك مما قلته بطرا — الله حسبك فیما قد بجحت به

اور اس کے علاوہ جو کچھ بھی تو نے ازراہ تکبر وغرور کہا ہے جو کچھ بڑیں تو نے ہانکی ہیں ان میں اللہ رب العزت تجھ سے حساب لینے والا ہے۔

لو کان فکرك مثل السیف حدته — لکنت جاهدت شیطانا غویت به

اگر تیرا فکر تلوار کی مانند تیز دھار والا ہوتا تو تو اس کے ساتھ شیطان سے جہاد کرتا جس کی وجہ سے تو گمراہ ہو گیا ہے۔

او کان ذهنك یا مغرور متقدا — کما تقول وتخشی من تلهبه

لکان یحرق حشوا فی الفؤاد به — خرابه فیقیه من مخربه

یا اگر تیرا ذہن وقاد اور تابناک ہوتا جیسے کہ اسے مغرور تو کہتا ہے اور اس کے جل اٹھنے کا خطرہ محسوس کرتا ہے تو وہ تیرے دل میں موجود حشویہ عقائد اور خرابیوں کو جلاتا اور اسے خراب کرنے والے نظریات سے محفوظ کر دیتا۔

اما ذمنك السبکی فهی له — شهادة بکمال حین فهت به

تیرا امام سبکی کی مذمت کرنا ان کے درجات کمال پر فائز ہونے کی علامت ہے جب کہ تو نے اس کا اظہار کیا (اور اپنے اندر کی زہر کو اگلا)

لو کنت تعلمه ما قلت ذاك به — شعرت فیه ولکن ما شعرت به

اگر تو ان کے منصب ومقام کو جانتا تو ان کے متعلق یہ باتیں نہ کرتا۔ تو نے ان کی جاہ ومرتبت میں جھانکا تو ہے مگر اس کا ادراک نہیں کر سکا۔

الا استحییت من المختار فیہ دفی آبائہ وھم انصار موکبہ

کیا تجھے اس میں موجود وپسندیدہ خصال اور ان کے آباء واجداد کے برگزیدہ فعال سے حیا نہ آئی حالانکہ وہ رسول کریم علیہ السلام کے موکب ولشکر میں سپاہی اور معاون و مددگار ہیں۔

آبائہ نصروہ فی کتائبھم وھو النصیر بکتب حبتہ بہ

ان کے آباء واجداد نے سرور کونین علیہ السلام کی عساکر وکتائب کے ساتھ نصرت وامداد کی اور یہ اپنی کتابوں کے ذریعے ان کی امداد و نصرت کرنے والے ہیں جن کی بدولت وہ بارگاہ رسالتماب علیہ افضل الصلوات میں مقام محبوبیت پر فائز ہو گئے ہیں۔

لولم یکن منہ فی نصر النبی سوی شفائہ لکفی اکرم بہ وبہ

اگر ان کی طرف سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نصرت و مدد میں سوائے شفاء السقام کے دوسری کوئی کتاب نہ بھی ہوتی تو یہی ایک کتاب ہی کافی تھی کتنی ہی عزت والی ذات ہے یہ اور کتنی ہی عزت والی کتاب ہے یہ۔

ولا بن تیمیۃ للمصطفی خدم لکنہ لم یوفق فی تادبہ

ابن تیمیہ نے بھی نبی مصطفٰے علیہ التحیۃ والثناء کی خدمات سرانجام دی ہیں لیکن اس کو توفیقِ ادب نصیب نہیں ہوئی (حالانکہ قبولیت خدمات کے لیے بنیادی شرط ادب ہی ہے۔ با ادب با نصیب بے ادب بے نصیب)

یقول کالمشرکین المستغیث بہ وقد عصی زائر یسعی لیثربہ

وہ کہتا ہے کہ نبی اکرم رسول معظم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ استغاثہ کرنے والا مشرکین کی مانند ہے اور وہ زائر جو مدینہ طیبہ کی طرف زیارت نبوی کے لیے رواں دواں ہے وہ عصیان وآثام کا مرتکب ہے۔

اف لذلک ذنبا لا اکفرہ بہ وان قیل بل خزی لمذنبہ

افسوس ہے ایسے عظیم گناہ کے صدور پر لیکن میں اس کی ان خدمات کی وجہ سے اس کو کافر نہیں کہتا اگرچہ بعض حضرات نے اس پر کفر کا فتویٰ دیا ہے ہاں اس گناہ کے مرتکب کے لیے بہت بڑی ذلت اور رسوائی ہے۔

لکن لہ حسنات جمۃ فیھا اسباب عفو وصفو من مسببہ

لیکن اس قسم کے گناہوں کے ساتھ ساتھ اس کی حسنات بھی وافر مقدار میں ہیں جن کا مسبب وفاعل مخلص ہے اور وہ اس کی معافی اور عفو اور گذر کا سبب بن سکتی ہیں۔

منھا جواب علی التثلیث ردبہ اکرم بہ من صحیح القول معجبہ

جن میں سے ایک تو اہل تثلیث یعنی نصاریٰ کا جواب اور رد ہے کتنا ہی صحیح قول ہے وہ اور تعجب میں ڈالنے والا اور کتنا ہی کرامت وعزت والا رد وجواب ہے وہ۔

لم ینھج الرافضی منھاج سنتہ ولو رآہ اراہ قبح مذھبہ

رافضی اس کے منہاج السنتہ کے واضح اور کشادہ راہ پر گامزن نہیں ہوا اگر اسے دیکھتا تو وہ کتاب اسے اپنے مذہب کی قباحت دکھلاتی۔

فی بابہ مالہ مثل وواجبہ حسن اختصار فحسن رأی موجبہ

اس کے ہر باب میں کمال تحقیق ہے۔ اس میں ضروری حسن اختصار موجود ہے اور اس میں ہر جگہ اس کے موجب و فاعل کا حسن رائے وفکر جلوہ گر ہے۔

یسر الٰھی سنیا یخلصہ من مذھب الحشو کی یحظی بطیبہ

اے اللہ کسی سُنّی کو توفیق دے جو اس کو مذہب حشو سے خالص کر دے تاکہ اس کے عمدہ مطالب سے استفادہ کیا جا سکے۔

وانظر لما قالہ السبکی فیہ تفز باصدق القول احلاہ واعذبہ

دیکھئے علامہ سبکی نے اس کتاب کے متعلق کیا کہا ہے، اس سچے قول، میٹھے بول، اور لذیذ گفتگو سے فوز وفلاح حاصل کر۔

علامہ سبکی کا منہاج السنتہ پر تبصرہ

(ان الروافض قوم لا خلاق لھم من اجھل الناس فی علم واکذبہ)

بے شک روافض ایسی قوم ہے جن کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں ہے۔ وہ علم کے معاملہ میں سب سے زیادہ جاہل ہیں اور دروغگو۔

(والناس فی غنیۃ عن رد افکھم لھجنۃ الرفض واستقباح مذھبہ)

لوگ ان کے افک وافتراء کے رد سے مستغنی ہیں بسبب رفض کی عیب ناکی اور اس مذہب کی قباحت کے۔

(وابن المطھر لم تطھر خلائقہ داع الی الرفض غال فی تعصبہ)

ابن مطہر رافضی کے خصال وعادات پاکیزہ نہیں ہیں وہ رفض کا داعی ہے اور اپنے تعصب میں بہت غلو کرنے والا ہے۔

(لقد تقول فی الصحب الکرام ولم یستحی مما افتراہ غیر منجبہ)

اس نے صحابہ کرام علیہم الرضوان پر بہتان باندھے ہیں اس نے اپنے افتراء وبہتان اور نامسعود اقوال پر ذرہ بھر شرم وحیاء محسوس نہیں کی۔

(ولابن تیمیة ردّ علیه وفی   بمقصد الرد واستیفاء اضربه)

ابن تیمیہ نے اس کا رد کیا ہے اور مقاصدِ رد کا حق ادا کر دیا ہے اور جملہ انواع مقصود کو کما حقہ پورا کیا ہے۔

(لکنه خلط الحق المبین بما   یشوبه کدرا فی صفو مشربه)

لیکن اس نے حق مبین اور واضح مسلک کو ایسے اباطیل کے ساتھ خلط ملط کر دیا ہے جو صاف مشرب کو مکدر اور گدلا کر دینے والے ہیں۔

(یحاول الحشو انی کان فهو له   حثیث سیر بشرق او بمغربه)

وہ حشویہ نظریات کی اشاعت و ترویج کے درپے ہے جہاں کہیں بھی اس کو نظر آئے تو یہ اس کی طرف بڑی تیزی کے ساتھ جانے والا ہے شرق میں ہو یا غرب میں ہو۔

(یری حوادث لا مبدا لاولها   فی الله سبحانه عما یظن به)

اس کا اعتقاد یہ ہے کہ حوادث کی ابتداء نہیں ہے بلکہ ان کے اندر زمانہ ماضی میں اسی طرح تسلسل ہے جس طرح مستقبل میں اور اللہ سبحانہ وتعالےٰ میں ایسا عقیدہ رکھتا ہے جس سے اللہ تعالےٰ منزہ و مبرا ہے۔

(لو کان حیا یری قولی ویسمعه   رددت ما قال ردا غیر مشتبه)

اگر ابن تیمیہ زندہ ہوتا میرا کلام دیکھتا اور سنتا تو میں اس کا ایسا رد کرتا جس میں کسی قسم کا اشتباہ وغیرہ نہ ہوتا۔

(کما رددت علیه فی الطلاق وفی   ترک الزیارة اقفو اثر سبسبه)

جیسے کہ میں نے طلاق کے مسئلہ میں اور زیارتِ روضہ اقدس کے ترک کرنے کے فتوٰی میں اس کا رد کیا ہے اور اس کی بیہودہ گوئی کا تعاقب کیا ہے۔

(وبعده لا اری للرد فائدة   هذا وجوهره مما اضن به)

مگر اس کے فوت ہو جانے کے بعد اس کے رد کا مجھے کوئی فائدہ نظر نہیں آتا۔ جب کہ اس کا جوہر فکر اتنا قیمتی ہے کہ میں اس پر بخل سے کام لینے والا ہوں۔

(والرد یحسن فی حالین واحدة   لقطع خصم قوی فی تغلبه)

(وحالة لانتفاع الناس حیث به   هدی وربح لدیهم فی تکسبه)

کسی کا رد دو حالتوں میں اچھا لگتا ہے ایک تو خصم قوی کے تغلب کو ختم کرنے کے لیے دوسرا لوگوں کی منفعت اور بھلائی کے لیے جب کہ اس میں ہدایت ہو اور اس کے کسب و حصول میں ان کے نزدیک کوئی فائدہ و نفع ہو۔

(ولیس للناس فی علم الکلام هدی   بل بدعة وضلال فی تطلبه)

اور لوگوں کے لیے علمِ کلام میں کوئی ہدایت و ارشاد نہیں ہے بلکہ اس کے طلب کرنے میں بدعت و ضلالت کا

ارتکاب لازم آتا ہے۔

(ولی ید فیه لولا ضعف سامعه   جعلت نظم بسیطی فی مهذبه)

مجھے علمِ کلام میں کامل دسترس حاصل ہے۔ اگر سامعین کے ضعفِ فکر اور نقصان عقل کا اندیشہ نہ ہوتا تو میں ایک بسیط نظم کو اس علم کے مہذب مسائل میں تالیف کر کے اس کے ساتھ منسلک کر دیتا۔ (انتہی کلام السبکی)

نعم لقد صدق السبکی فیه نعم   حکی الحقیقة لم یعبث بمنصبه

ہاں ہاں امام سبکی نے اس کے متعلق درست فرمایا ہے اور بالکل حقیقت بیان فرمائی ہے اور اس کے منصب کو عبث و بیہودہ گوئی کا نشانہ نہیں بنایا۔

من اصدق الناس اتقاهم واعلمهم   فلا عفا الله یوما عن مکذبه

وہ راست گو لوگوں میں سے ہیں اور بہت بڑے متقی اور صاحب علم۔ اُن کی تکذیب کرنے والے سے اللہ تعالےٰ کبھی بھی درگذر نہ فرمائے۔

کتب ابن تیمیة بالحشو شاهدة   علیه فما حشاها من تمذهبه

ابن تیمیہ کی کتابیں اس کے حشوی ہونے پر شاہد ہیں کیونکہ اس نے انہیں اپنے اختراعی مذہب و مسلک کے ساتھ پُر کر رکھا ہے۔

ماخالف المذهب السنی قیل له   حشو وقول اعتزال لا نقول به

جو قول بھی سُنّی مذہب و مسلک کے خلاف ہو اس کو حشو اور اعتزال پر مبنی قول کہا جائے گا اور ہم قطعاً اس کے قائل نہیں ہیں۔

فالحشو نقل له والاعتزال له   عقل وکل لسنی بلا شبه

حشو کا دار و مدار فقط نقل ہے جب کہ اعتزال کی بنیاد فقط عقل ہے اور سُنّی کے لیے بلا شبہ دونوں بحیثیت مجموعی قابل سند و حجت ہیں۔

فتلک القابهم صارت معرفة   فلفظها الآن وصف لا یذم به

حشوی اور معتزلی ہونا ان کے القاب ہیں جو ان کی مذہبی پہچان کا فائدہ دیتے ہیں اب یہ الفاظ وصف بن چکے ہیں ان سے مذمت نہیں کی جاتی

هذا اصطلاحهم الحشوی عندهم   ذو سنة جامد فی کل مشتبه

یہ ان کی اصطلاح ہے اور حشوی ان کے نزدیک وہ ہے جو سنت پر عمل کرنے والا ہو اور ہر مشتبہ امر میں جمود کا مظاہرہ کرنے والا ہو۔

حشا عقیدته حشوا یخل بما　　　قد صح لله من وصف یلیق به

اس نے اپنے عقیدہ میں ایسے ردی افکار و نظریات بھر لیے ہیں جو اللہ تعالےٰ کے شایان شان اور صحیح الثبوت اوصاف میں مخل ہیں اور کمال الوہیت کے منافی۔

ففرقة الحشو قوم قد یصاحبهم　　　فی الحق سوء اعتقادات نعوذ به

حشویہ فرقہ ایسا فرقہ ہے جن کے اللہ تعالےٰ کے متعلق اعتقادات بہت بُرے ہیں ہم اللہ تعالےٰ کی ایسے عقائد سے پناہ طلب کرتے ہیں۔

منهم مشبهه منهم مجسمة　　　لا قدس الله قوما قائلین به

ان میں سے بعض مشبہہ ہیں جو اللہ تعالےٰ کو مخلوق کی مانند قرار دیتے ہیں اور بعض مجسم ہیں جو اللہ تعالےٰ کے لیے جسمیت تسلیم کرتے ہیں اللہ تعالےٰ ایسی قوم کو تقدس و طہارت نصیب نہ فرمائے جو ایسے نظریات فاسدہ و باطلہ کے قائل ہیں۔

اما ابن تیمیة فیهم فذ وجهة　　　بها فانبه واشکر من مونبه

لیکن ابن تیمیہ ان میں مختلف وجوہ سے جامعیت کا حامل ہے یعنی وہ بیک وقت خروج و اعتزال اور تجسیم و تشبیہ کا حامل ہے اس بات پر اچھی طرح غور کر اور اس کو سرزنش کرنے والے کا شکریہ ادا کر۔

وذاك کاف به فی ذم بدعته　　　اذ لم یرد لفظها فاطرحه وارم به

اسی قدر اس کی بدعات کی مذمت کے لیے کافی ہے کیونکہ مقصد صرف لفظی بحث نہیں ہے بلکہ اس کے حشویہ اور معتزلہ کے ساتھ معنوی اور فکری اتحاد پر کلام کرنا مقصود ہے۔ لہٰذا اس لفظی بحث کو چھوڑیئے کہ وہ حشوی یا معتزلی نہیں کہلاتا بلکہ اصل مقصد کو مد نظر رکھیے اور حقیقت حال کی دریافت کا قصد کیجئے۔

ونزه الله عن شبه وعن جهة　　　بالغیب آمن وصنه فی تغیبه

اللہ تعالےٰ کو مسئلہ مشابہت خلق اور جہت سے منزہ تسلیم کر ایمان بالغیب لے آ اور غیب میں ہی اس کی نزاہت و برات کا تحفظ کر۔

اذ یستحیل علی خلاقنا جهة　　　والمستحیل محال ان ندین به

کیونکہ ہمارے خلاق جل وعلیٰ پر جہت میں ہونا محال ہے اور محال امر کا عقیدہ رکھنا ہمارے لیے ممکن نہیں ہے۔

نعم تعقل موجود بلا جهة　　　صعب لغیر نبیه القوم فانتبه

فما اتی فی کلام الشرع مشتبها　　　لحکمة الفهم قد جاء النبی به

ہاں ایسی ذات کے موجود ہونے کا تعقل و تصور جو کسی جہت میں نہ ہو وہ ماسوا انتہائی ذکی اور بیدار مغز شخص کے کسی دوسرے شخص کے لیے ممکن نہیں ہے اس امر کا اچھی طرح خیال رکھو کہ شریعت مطہرہ نے عامی ذہن کا لحاظ

کرتے ہوئے ان کو خطاب فرمایا ہے تاکہ وہ سمجھ سکیں لہٰذا مشتبہات اور متشابہات کے ساتھ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری اسی حکمت پر مشتمل ہے۔

ووارد اللفظ ان ادی بظاهره　　　معنی الحدوث سعینا فی تجنبه

شریعت مطہرہ میں وارد لفظ اگر بظاہر ایسے معنی پہ دلالت کرتا ہو جس میں حدوث و امکان پر دلالت ہے تو ہم اس سے اجتناب کی کوشش کریں گے۔

وفیه سر لغیر الله ما انکشفت　　　استاره او صفی قد حباه به

اور اس کے ورود و استعمال میں کوئی راز اور حکمت ہے جس کے استار و حجابات اللہ تعالےٰ اور اس کے پیارے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ کسی پر نہیں کھلے۔ یہ اسرار اور حکمتیں اللہ تعالےٰ نے صرف اپنے محبوب کریم علیہ السلام کو عطاء فرمائی ہیں۔

وثم معنی لذالك اللفظ محتمل　　　بعض الائمة منا فسروه به

ان الفاظ کا ایسا معنی بھی ہے جس کے وہ محتمل ہیں اور ہم میں سے بعض ائمہ نے ان الفاظ کی انہیں معانی کے ساتھ تفسیر و تشریح کی ہے۔

وقصدهم واحد تنزیه خالقنا　　　تفویض ماجاء او تاویل مشتبه

اور ان سب حضرات کا مقصد ایک ہی ہے یعنی خالق جل وعلی کی تنزیہ خواہ ان متشابہات کا علم حقیقی اللہ تعالےٰ کے سپرد کریں یا ان کی تاویل کریں۔

علا علی الخلق طرا فی جلالته　　　بالقهر فوق البرایا فی تغلبه

اللہ تعالےٰ ساری مخلوق پر اپنی جلالت شان کے لحاظ سے بالا و برتر ہے اور کائنات پر قہر و غلبہ کے لحاظ سے فوق ہے۔

کل الجهات علا منها ولا جهة　　　تحویه قد جل عن این وعن شبه

وہ سب جہات سے بالاتر ہے اور کوئی جہت اس کا احاطہ نہیں کر سکتی وہ این و مکان اور مشابہت خلق سے بالاتر ہے۔

وهذه الارض فانظرها تجد کرة　　　وفوقها العلو والعرش المحیط به

والله من فوقه فوق الجمیع بلا　　　کیف وشبه تعالیٰ فی تجنبه

وفی السماء وفی الارض الاله اتی　　　فی الذکر انی بری من مکذبه

اس زمین کو دیکھئے تو اسے کروی شکل میں پاؤ گے اس سے اوپر ہے جہت علو اور وہ عرش جو اس کو محیط ہے۔ اور اللہ تعالیٰ

اس عرش سے بھی فوق ہے بغیر کسی کیفیت اور مشابہت کے اپنے تستر اور پردگی میں۔ اللہ تعالےٰ آسمان میں بھی ہے اور زمین میں بھی اس کا ذکر قرآن مجید میں ہے اور میں اس کی تکذیب کرنے والے سے بری ہوں۔

مابالنا نحن نسعى فى تباعده   وهو القريب دنائى مع تقربه

ہمارا کیا عجب حال ہے ہم اس سے دور ہونے کی کوشش کرتے ہیں حالانکہ وہ قریب ہے اور ہم اس کے قریب ہونے کے باوجود اس سے دور ہیں۔

ايهرب العبد من تقريب سيده   وسيد العبد يدنوحين مهربه

کیا کبھی عبد وغلام اپنے سردار اور مولیٰ کے قریب ہونے سے بھاگتا ہے جب کہ اس کا آقا اس کے بھاگنے کے وقت اس کے قریب ہوتا ہے۔

افرض سوى الله من كل الورى عدما   وهكذا كان معدوما بغيهبه

اللہ تعالےٰ کے علاوہ تمام مخلوقات کو معدوم فرض کر۔ اور فی الواقع جمیع سوی اللہ پردۂ عدم میں ہی تھے اور معدوم۔

وماكنت معتقدا فى الله اذعدمت   كل الخلاق فهو الآن فارض به

جو عقیدہ اللہ تعالےٰ کے متعلق اس وقت تھا جب کہ ساری مخلوق معدوم تھی تو اب بھی اسی پر راضی ہو جا (اس وقت وہ جہت وغیرہ سے منزہ تھا لہٰذا اب بھی منزہ ہے)

سبحانه من اله ليس يحمله   عرش بل العرش محمول له وبه

وہ الہ و معبود اس سے پاکیزہ تر ہے کہ عرش اس کا حامل ہو، عرش اس کا حامل نہیں ہے بلکہ وہ اپنی قدرت کاملہ سے عرش کو اٹھانے والا ہے۔

لو استقر على عرش لكان به   للعرش حاجة محتاج لمركبه

اگر اس کا عرش پر استقرار ہو تو وہ عرش کی طرف اور اپنے مرکب وسواری کی طرف محتاج ہو جائے گا۔

لكن عليه استوى لاكيف نعلمه   للاستواء او القهر المراد به

اسے عرش پر استواء حاصل ہے لیکن نہ اس طرح جیسے کہ ہم جانتے ہیں بلکہ جو اللہ تعالےٰ کے علم میں استواء کا معنی ہے یا بمعنی قہر وتسلط کے۔

جاء المجى له سعيا وهرولة   والحب والقرب منه مع تقربه

اس کا دوڑتے ہوئے آنا اور درمیانی دوڑ کے ساتھ آنا بھی منقول ہے اور اس کے ہر مخلوق سے قریب ہونے کے باوجود اس کا کسی سے قرب خاص کے ساتھ قریب ہونا اور اس سے محبت رکھنا بھی ماثور ہے۔

والعلو والفوق ايضا والنزول اتى   والضحك مع غضب ويل لمغضبه

علو، فوق اور نزول بھی اس کے حق میں وارد ہے اور ضحک وہنسی بھی اور غضب وغیظ بھی، اس کے ناراض کرنے والے کے لیے ہلاکت ہے۔

وقد تعجب من اشياء قد وردت   كما يليق به معنى تعجبه

بعض اشیاء سے اس کا تعجب کرنا بھی ثابت ہے لیکن جس طرح کہ تعجب کا معنی اس کی ذاتِ اقدس کے لائق ہے۔

وهكذا كل لفظ موهم شبها   فوضه لله او اول بلا شبه

اور اسی طرح ہر وہ لفظ جو مشابہت خلق کا وہم پیدا کرتا ہے تو اس کا علم حقیقی اللہ تعالےٰ کی طرف تفویض کر یا اس کی تاویل ایسی کر جس میں تشبیہ لازم نہ آئے۔

واسلم الامر تسليم بجانبه   معنى الحدوث كما يرضى الاله به

اور حقیقت حال کا اعتراف کر لیکن ایسا اعتراف جو حدوث وامکان کے معنی سے دور ہو اور جس طرح کہ اللہ تعالیٰ کی رضا ہو۔

هذا هو المذهب الماثور عن سلف   اهل التصوف كل قائلون به

یہی وہ مذہب ومسلک حق ہے جو تمام اسلاف سے ماثور ومنقول ہے اور سبھی صوفیاء کرام أہل التصوف اس کے قائل ہیں۔

وهو المرجح عند الاشعرى ولا   ياباه منا جميع المقتدين به

یہی نظریہ وعقیدہ شیخ اشعری کے نزدیک راجح ومختار ہے اور ان کے مقتدیوں میں سے کوئی بھی اس کا انکار نہیں کرتا۔

والماتريدى تفويض عقيدته   وان يوول فلا قطع لديه به

شیخ ابو المنصور ماتریدی کا عقیدہ تفویض کا ہے اور اگر تاویل کی جائے تو اس کو جائز مانتے ہیں مگر اس کی قطعیت تسلیم نہیں کرتے۔

من رام ان يدرك الخلاق فهواذا   فى غير مطمعه تاه لا شعبه

جو شخص یہ ارادہ کرے کہ میں خلاق عالم جل وعلیٰ کا احاطہ کرلوں تو وہ خیال خام میں مبتلا ہے اور مختلف گھاٹیوں میں بھٹکنے والا ہے۔

اذ ليس يدريه لاجن ولاملك   ولا نبى قريب من مقربه

کیونکہ اس کی حقیقت سے نہ جن آگاہ ہیں نہ ملائکہ اور نہ وہ انبیاء جو اللہ تعالےٰ کے منزل قرب عطا کرنے کی وجہ سے اس کے قریب ہیں۔

وحاصل الامر انا مومنون به مع الکمال وتنزیه یلیق به

حاصل کلام وبحث یہ ہے کہ ہم اس کی ذات پر بمع تمام کمالات کے جو اس کی شان الوہیت کے لائق ہیں ایمان لاتے ہیں اور اس کی تنزیہ وتقدیس کا عقیدہ رکھتے ہیں جو اس کے شایان ہے۔

هذی عقیدتنا فی الله خالقنا لم نخش لم نعتزل فیما ندین به

یہ ہمارا عقیدہ ہے اپنے خالق اللہ تعالٰے کے متعلق اور ہم اپنے اس دین میں حشو و اعتزال کا اختلاط گوارا نہیں کرتے۔

ولا نکفرهم لکن نبدعهم فی الدین اذا خطئوا فی بعض اضربه

ہم حشویہ ومعتزلہ کو کافر نہیں کہتے لیکن ان کو دینِ حق میں بدعات کی پیوند کاری کرنے والے ضرور سمجھتے ہیں کیونکہ وہ دین کے کئی اقسام اور احکام میں خطا فاحش کے مرتکب ہوئے ہیں۔

اخواننا اسلموا لله واجتهدوا الحق شاءوا فضلوا فی تشعبه

وہ ہمارے بھائی ہیں جو اللہ تعالٰے کی طاعت کرتے ہیں اور انہوں نے اپنے اجتہاد سے حق کو پا لینے کا ارادہ کیا مگر اس کے مختلف شعبہ جات میں بھٹک گئے اور صواب وصحیح احکام تک رسائی حاصل نہ کر سکے۔

مع کونهم من فحول العلم قد زلقوا ببعض مادق فی الاذهان من شبه

وہ ماہرین علم ہوتے اور کامل دسترس رکھنے کے باوجود بعض شکوک وشبہات کیوجہ سے لغزش کھا گئے جو بہت دقیق ہیں اور باسانی ذہن انسانی ان کی حقیقت تک رسائی حاصل نہیں کر سکتا۔

ورب شخص ضعیف الفهم سیق الی صوب الصواب فلم یبرح یقول به

اور کتنے ایسے اشخاص ہیں جو فکر وفہم میں کمزور ہونے کے باوجود صواب وحق کی سمت چلائے جاتے ہیں اور ہمیشہ صحیح اور صواب قول ان سے صادر ہوتا ہے۔

الامر لله من یهد یه نال هدی ومن اضل فقد حل الضلال به

تمام امور اللہ تعالٰے کے دستِ قدرت میں ہیں جس کو ہدایت نصیب فرمائے وہ منزلِ مراد تک پہنچتا ہے اور جس کو گمراہ رکھے تو وہ ضلالت وگمرہی میں مبتلا ہو کر ہمیشہ کے لیے منزل ناآشنا بن جاتا ہے۔

ولم نخطهم فی کل مسالة فکم کلام لهم فازوا باصوبه

ہم ہر مسئلہ میں ان کو خطاکار قرار نہیں دیتے ان کے بہت سے مباحث ومسائل ایسے ہیں جن میں وہ صواب وحق تک واصل ہو گئے ہیں۔

وفی الفروع وباقی الدین مذهبهم کغیرهم وافقوا الشرع الشریف به

ان چند اعتقادی، اختلافی اُمور کے علاوہ فروعی مسائل اور باقی دین میں وہ دوسرے اہلِ حق کی مانند ہیں اور شرع

شریف کے موافق ومطابق۔

وکتبهم فی سوی معنی عقائدهم بحور علم فرد منها لاعذبه

ان کے عقائد فاسدہ کے علاوہ دیگر مطالب ومقاصد میں ان کی کتابیں علم کے سمندر ہیں ان کا مطالعہ کرنے والا ان میں سے جس کو زیادہ میٹھا اور لذیذ سمجھے اسی پر وارد ہو اور پیاس بجھائے۔

لکن اذا کنت لم تدرک دسائسهم دع ما یریبک تفلح فی تجنبه

لیکن اگر تو ان کی دسیسہ کاریوں سے آگاہ نہیں ہے تو پھر ان سے کلیۃً اجتناب کر کیونکہ جو چیز ریب وتردد میں ڈالنے والی ہو اس کے ترک کرنے پر ہی فلاح نصیب ہو گی۔

والله یرحمنا طرا فرحمته هی العماد لکل المومنین به

اللہ تعالٰے ہم سب پر رحم فرمادے۔ اسی کی رحمت ہی تمام اہل ایمان کے لیے عماد ہے اور سہارا و آسرا ہے۔

ابن تیمیہ کی کتابوں میں ایک کتاب "العرش" کے نام سے موسوم ہے۔ کشف الظنون میں اس کتاب پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ ابن تیمیہ نے اس کتاب میں ذکر کیا ہے کہ اللہ تعالٰے عرش پر بیٹھتا ہے اور اس نے عرش کی ایک جگہ خالی چھوڑ رکھی ہے جس میں اللہ تعالٰے کے ساتھ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما ہوں گے جیسے کہ ابوحیان نے اپنی کتاب النہر میں اللہ تعالٰے کے قول "وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ" کے تحت نقل فرمایا ہے کہ میں نے احمد بن تیمیہ کی کتاب العرش میں یہ عبارت لکھی ہوئی دیکھی ہے (جو اوپر گذر چکی ہے) انتہت عبارۃ کشف الظنون ملا کاتب چلپی بحروفہا۔

ابن تیمیہ کی اس کتاب یعنی العرش کا ذکر شارحِ الاحیاء علامہ سید مرتضٰے زبیدی نے بھی کیا ہے۔ امام غزالی کے عقیدہ "مندرجہ قواعد العقائد کے اصل ثامن یعنی اس امر کا اعتقاد کہ اللہ تعالٰے عرش پر مستوی ہے" کے تحت فرماتے ہیں امام تقی الدین سبکی نے فرمایا کہ ابن تیمیہ کی کتاب العرش اس کی جملہ کتب میں سے قبیح ترین کتاب ہے۔ جب سے شیخ ابوحیان اس کتاب پر مطلع ہوا تب سے ابن تیمیہ پر لعنت بھیجتا رہا حالانکہ اس سے قبل وہ اس کی بہت تعظیم وتکریم کیا کرتا تھا اور وہ عبارت جس کو یعنی نادم زیست علامہ ابوحیان نے ابن تیمیہ کے اپنے ہاتھ سے لکھا ہوا دیکھا اس سے پتہ چلتا ہے کہ ابن تیمیہ اللہ تعالٰی کے حق میں جسمیت کا قائل تھا اور بعض حنبلی مسلک کے علماء مثلاً قاضی ابویعلٰی کا مذہب یہی ہے۔ اگرچہ جمہور حنابلہ اس کے خلاف ہیں اور ابویعلٰی اور اس کے ہم مشرب لوگوں پر سخت اعتراض کرتے ہیں اور طعن وتشنیع۔

نعمان آفندی آلوسی نے "جلاء العینین" میں کہا کہ بعض حنبلیوں پر تجسیم کا الزام عائد کیا گیا ہے اور یہ روی مذہب ان سے متعلق مشہور ومعروف ہو چکا ہے مگر دیگر اصحاب مذہب نے ان کا رد کیا ہے اور ان کے مقصد ومطلب میں جو خرابی ہے اس کو واضح کیا ہے۔ اور رد کرنے والوں میں سرفہرست علامہ عبدالرحمٰن ابن الجوزی ہیں۔ میں نے ان کا ایک رسالہ دیکھا ہے جس میں بعض احادیث نبویہ کی تاویل بیان کی ہے اور حنبلی طریقہ سے تجاوز کرنے والوں پر سخت طعن وتشنیع موجود ہے۔

من جملہ ان مطاعن اور تشنیعات کے علامہ مذکور کا یہ قول ہے کہ تین شخص عبداللہ ابن حامد، صاحب القاضی اور ابن الزاغونی

تصنیف و تالیف کے درپے ہوئے اور ایسی کتابیں مرتب کیں جنہوں نے اس مذہب کو مسخ کر دیا۔ اور میں نے ان کو دیکھا کہ وہ علماء و فضلاء کے درجہ سے تنزل کر کے عوام کی سطح پر آ گئے اور صفات باری تعالٰے کو مقتضائے حواس پر حمل کیا۔

علامہ ابن الجوزی نے ان کے ہولناک اور رسوائے زمانہ اقوال قبیحہ کا تفصیلاً ذکر کیا مثلاً ان کا اللہ تعالٰے کی طرف اعضاء محسوسہ اور دیگر اوصافِ حوادث کا منسوب کرنا جو اللہ تعالٰے میں محال ہیں اور بعد ازاں فرمایا کہ وہ اقوالِ قبیح و شنیع کے باوجود تشبیہ سے بری ہونے کے دعوے دار ہیں اور اس نسبت سے نفرت و کراہت کا اظہار کرتے ہیں۔ اور اپنے سُنّی ہونے کا دم بھرتے ہیں۔ حالانکہ ان کا کلام تشبیہ میں صریح الدلالۃ ہے اور بہت سے عوام ان عقائد فاسدہ میں ان کے پیچھے چل نکلے ہیں۔ میں نے ان متبعین اور ان کے متبوع اور مقتداء لوگوں کے ساتھ خلوص و ہمدردی کا اظہار کر دیا ہے۔ اور میں نے انہیں صاف صاف کہہ دیا ہے اے ہمارے علماء مذہب تم اصحاب نقل ہو اور متبع ہو اور جس کے اقوال منقولہ تمہاری دلیل ہیں اور جس امام اکبر امام احمد کی اتباع کا دم بھرتے ہو وہ تو کوڑوں کی بارش ہوتے ہوئے بھی یہی کہتے رہے "کَیْفَ اَقُوْلُ مَا لَمْ یُقَلْ"، میں وہ کیونکر کہوں جو اللہ تعالٰی نے نہیں فرمایا۔ لہٰذا تم اس سے گریز کرو کہ جو بدعات ان کے مذہب و مسلک میں داخل نہیں ہیں ازرہ افتراء و بہتان ان کو امام احمد کا مذہب قرار دو۔

تم نے آیات و احادیث متشابہہ کے متعلق کہا کہ ان کو ظاہری معنی پر حمل کیا جائے گا اور قدم کا ظاہری معنی عضو خاص ہے۔ (لہٰذا نعوذ باللہ اللہ تعالٰی کے حق میں یہی معنی مراد ہو گا) اور عیسائیوں کے گمراہ ہونے کا سبب بھی یہی تھا کہ انہوں نے حضرت عیسٰی روح اللہ علیہ السلام کے متعلق روح اللہ کا لقب سنا تو عقیدہ بنا لیا کہ اللہ تعالٰے کی ایک صفت ہے جس کی عبارت و تعبیر روح اللہ ہے وہ حضرت مریم میں داخل ہو گئی۔ اسی طرح جن لوگوں نے اِسْتَوٰی کو ظاہری معنی پر محمول کیا تو انہوں نے استواء کا ظاہری حسّی معنی مراد لیا اور اللہ تعالٰے کو جملہ حسیات پر قیاس کر لیا تعالٰے اللہ عن ذالک علواً کبیرا۔

یہ بات قطعاً نہ بھولنی چاہیئے کہ عقل اصل شریعت ہے لہٰذا جس طرح شریعت سے اعراض الحاد و بیدینی ہے اسی طرح عقل سے کلیتہً اعراض گمراہی و ضلالت ہے اسی عقل سے ہم نے اللہ تعالٰی کو پہچانا اور اسی سے اس کا قدیم ہونا معلوم کیا اور اس کی صفت کلام اور علم و حکمت معلوم کی جن پر ثبوت شرع موقوف ہے۔

اگر تم صرف اتنا کہتے کہ ہم احادیث کا اقرارِ صحت کرتے ہیں اور جو ان سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے اس کو برحق جانتے ہیں اور کیفیات میں بحث سے سکوت اختیار کرتے ہیں تو تم پر کسی کو اعتراض و انکار نہ ہوتا۔ ہمارے نزدیک اور جملہ علماء اسلام کے نزدیک تمہارا قابلِ اعتراض اور قبیح فعل ان کو اپنے ظاہری معنی پر محمول کرنا ہے لہٰذا تم اللہ تعالٰے کے اس صالح بندے اور اسلاف کے متبع کامل امام احمد کے دین میں وہ امور داخل نہ کرو جو اس میں داخل نہیں ہیں۔ تم نے اس مذہب کو بٹہ لگایا اور اس میں بہت بڑی قباحت کو داخل کر دیا ہے حتیٰ کہ حنبلی اسی کو سمجھا جاتا ہے جو اللہ تعالٰے کی جسمیت کا قائل ہو نعوذ باللہ۔

علامہ ابن الجوزی نے سلسلۂ کلام کو جاری رکھتے ہوئے فرمایا میں نے ایسے لوگوں کا رد کرنا ضروری سمجھا تا کہ لوگ یہ گمان نہ کرنے لگ جائیں کہ امام احمد کا مذہب بھی یہی ہے۔ نیز میں خاموش رہتا تو میری طرف بھی اسی عقیدہ کی نسبت کی جاتی۔ اور اگر لوگوں کے دلوں میں میرے اس کلام اور رد سے گرانی گزرے اور اس اقدام کو ان علماء کے حق میں جسارت سے تعبیر کریں تو مجھے

ان کے اس اندیشہ سے کسی قسم کا خوف و خطر نہیں ہے کیونکہ مدار عمل دلیل ہے علی الخصوص معرفت حق میں تقلید درست نہیں ہے بشرطیکہ آدمی اپنے اجتہاد کے ذریعے معرفت حق کی اہلیت رکھتا ہو۔ امام احمد اور امام شافعی رحمہما اللہ کے کلام سے اس دعوٰی پر استدلال کرتے ہوئے علامہ موصوف فرماتے ہیں، امام احمد سے ایک مسئلہ دریافت کیا گیا۔ انہوں نے فتوٰی دیا تو سائل نے کہا کہ حضرت عبداللہ بن المبارک تو اس کے قائل نہیں ہیں۔ تو انہوں نے فرمایا وہ کوئی آسمان سے تو نازل نہیں ہوئے، امام شافعی فرماتے ہیں میں نے (بعض مسائل میں) امام مالک کا رد کرنے کے لیے اللہ تعالٰے سے استخارہ کیا۔

ابن الجوزی نے فرمایا کہ ابن حامد نے کہا میں نے اپنے علماء مذہب میں سے بعض (مجسمہ، مشبہہ) کو دیکھا کہ وہ اللہ تعالٰے کے لیے صفتِ تنفس ثابت کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ مختلف جہات سے چلنے والی ہوائیں عاصفہ و عقیم جنوب و شمال اور صباء و دبور سبھی مخلوق ہیں ماسواء ایک ہوا کے جو ہمارے لیے نسیم حیات ہے کیونکہ یہ تنفس رحمٰن سے ہے نعوذ باللہ من ذالک

میں کہتا ہوں ایسے عقیدہ رکھنے والے پر اللہ تعالٰے کی لعنت ہے وہ اللہ تعالٰے کے لیے جسم مخلوق ثابت کرتا ہے اور ایسے لوگ قطعاً مسلمان نہیں ہیں۔ انتہی المراد منہ یہ تھی عبارت جلاء العینین کی جس کو اختصاراً ہم نے نقل کیا۔

علامہ ابن الجوزی کا ان مجسمہ کا رد کرتے ہوتے یہ فرمانا کہ جس نے اللہ تعالٰے کے استواء علی العرش کو استواء ذاتی کے معنی میں لیا ہے اس نے اللہ تعالٰے کو محسوسات کی جا بجا قرار دیا ہے یعنی محسوسات کا ایک فرد قرار دیا ہے۔ یہ فرمان بالکل درست ہے کیونکہ ان کے نزدیک اس کا معنی عرش پر بیٹھنا ہے۔ اور ابن الجوزی کی یہ عبارت میں نے ابن تیمیہ کے ایک رسالہ میں دیکھی ہے جس میں اس نے اللہ تعالٰے کے اس ارشاد گرامی کی تفسیر کی ہے۔

وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ وَّلَا نَبِيٍّ اِلَّآ اِذَا تَمَنّٰٓى اَلْقَى الشَّيْطٰنُ فِيْٓ اُمْنِيَّتِهٖ (الی)

وَاِنَّ اللّٰهَ لَهَادِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ۔

ہم نے تم سے قبل جس رسول و نبی کو مبعوث فرمایا جب بھی اس نے تلاوت کی شیطان نے ان کی تلاوت میں وساوس ڈالے اللہ تعالٰے نے شیطانی وساوس کو ختم کر دیا اور اپنی آیات کو محکم و محفوظ کر دیا۔ بے شک اللہ تعالٰے اہلِ ایمان کی صراط مستقیم کی طرف رہنمائی کرنے والا ہے۔

اور اس رسالہ میں اس نے اللہ تعالٰے کے صرف عرش پر مستقر و متمکن ہونے کا قول ہی نہیں کیا بلکہ اس میں اور ایسی عبارات ہیں جو اس کی قباحت و شناعت میں اضافہ کرتی ہیں اور اس کے جسمیتِ باری کے قائل ہونے پر دلالت کرتی ہیں۔

ابن تیمیہ نے اس رسالہ میں متشابہ اور اللہ تعالٰے کے ارشاد وما یعلم تاویلہٗ الا اللہ پر تقریباً دو جزو کتاب میں کلام کیا اور بعض ایسے الفاظ کا ذکر کیا جن کے متعلق اہل السنت کا قول یہ ہے کہ وہ متشابہات سے ہیں۔ اور جو کلام مجید میں وارد ہے کہ اللہ تعالٰے متقین، عادلین اور محسنین کو دوست رکھتا ہے اور محبوب، اور وہ ان لوگوں سے راضی ہوتا ہے جو ایمان لے آئیں اور نیک اعمال کریں۔ اور علیٰ ھذا القیاس ارشاد خداوند تبارک و تعالٰے۔

۱- فَلَمَّآ اٰسَفُوْنَا انْتَقَمْنَا مِنْهُمْ - جب انہوں نے ہمارے ساتھ قابلِ افسوس رویہ رکھا تو ہم نے ان سے انتقام لیا۔

۲- ذٰلِكَ بِاَنَّهُمُ اتَّبَعُوْا مَآ اَسْخَطَ اللّٰهَ - یہ اس وجہ سے ہے کہ انہوں نے ایسے امور کی اتباع کی جنہوں نے اللہ تعالےٰ کو ناراض کر دیا۔

۳- وَلٰكِنْ كَرِهَ اللّٰهُ انْۢبِعَاثَهُمْ - لیکن اللہ تعالےٰ نے ان کے اٹھنے کو ناپسند فرمایا۔

۴- اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى - رحمٰن جل وعلیٰ عرش پر غالب ہوا اور صاحب تسلط۔

۵- ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ - پھر وہ عرش پر غالب ہوا۔

۶- وَهُوَ مَعَكُمْ اَيْنَ مَا كُنْتُمْ - وہ تمہارے ساتھ ہے جہاں کہیں بھی تم ہو۔

۷- وَهُوَ الَّذِيْ فِي السَّمَآءِ اِلٰهٌ وَّفِي الْاَرْضِ اِلٰهٌ - اللہ تعالےٰ ہی وہ ذات ہے جو آسمان میں معبود ہے اور زمین میں معبود۔

۸- اِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ - اس کی طرف پاکیزہ کلمات بلند ہوتے ہیں اور درجۂ قبولیت تک پہنچتے ہیں۔

۹- اِنَّنِيْ مَعَكُمَآ اَسْمَعُ وَاَرٰى - میں تم دونوں کے ساتھ ہوں سنتا ہوں اور دیکھتا ہوں۔

۱۰- وَهُوَ اللّٰهُ فِي السَّمٰوٰتِ وَفِي الْاَرْضِ - وہ اللہ ہے آسمانوں میں اور زمین میں۔

۱۱- مَا مَنَعَكَ اَنْ تَسْجُدَ لِمَا خَلَقْتُ بِيَدَيَّ - تجھے کس نے اس کے لیے سجدہ کرنے سے روکا جس کو میں نے اپنے دونوں ہاتھوں سے پیدا کیا۔

۱۲- بَلْ يَدٰهُ مَبْسُوْطَتٰنِ - بلکہ اس کے دونوں ہاتھ کشادہ ہیں۔

۱۳- وَيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ - اور صرف رب تعالےٰ کی ذات باقی رہے گی جو صاحبِ جلال اور مالک عزت ہے۔

۱۴- يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ - وہ اللہ تعالےٰ کی رضامندی کا ارادہ کرتے ہیں۔

۱۵- وَلِتُصْنَعَ عَلٰى عَيْنِيْ - تاکہ تو میری آنکھوں کے سامنے بنایا جائے۔

اور اس قسم کی دوسری آیات کے متعلق اس نے تصریح کی ہے کہ یہ متشابہات میں سے نہیں ہیں بلکہ اس کا دعویٰ ہے کہ ان کے معانی معلوم ہیں۔ صرف ان کی کیفیت مجہول ہے۔ اور اس کے اثبات پر دلیل دیتے ہوئے آخر میں امام مالک کے قول سے استدلال بھی کیا جب آپ سے الرحمٰن علی العرش استویٰ کے متعلق سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا استواء معلوم ہے اور اس کی کیفیت مجہول ہے۔ اس کے ساتھ ایمان لانا واجب ہے اور اس سے سوال کرنا بدعت ہے۔

اس کا کہنا یہ ہے کہ لوگوں نے امام مالک کے اس کلام کو بلا حیل وحجت تسلیم کر لیا ہے لہٰذا اہل سنت میں اس کا انکار کرنے والا کوئی نہیں ہے۔ اور اس امام جلیل نے واضح کر دیا ہے کہ استواء معلوم ہے جیسے کہ اللہ تعالےٰ نے جن امور کے متعلق خبر دی ہے وہ سارے معلوم ہیں۔ لیکن نہ ان کی کیفیت معلوم ہے اور نہ اس کے متعلق سوال کرنا درست ہے کہ وہ عرش پر کیسے

مستوی ہوا۔ انہوں نے صرف یہ فرمایا کہ کیفیت مجہول ہے یہ نہیں فرمایا کہ معدوم ہے اور اسی معاملہ میں حنابلہ اور دیگر اہل السنت میں اختلاف ونزاع ہے البتہ ان میں سے اکثریت اس بات کی قائل ہے کہ نہ اس کی کیفیت دل میں کھٹکتی ہے۔ اور نہ اس کی ماہیت بیان میں آسکتی ہے۔ اور بعض کہتے ہیں کہ سرے سے نہ اس کی ماہیت ہے اور نہ کیفیت۔

سوال۔ اگر یہ کہا جائے کہ استواء کے معلوم ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس لفظ کا کلام مجید میں وارد ہونا معلوم ہے جیسے کہ ہمارے بعض حنبلی علماء نے کہا ہے جو ان آیات کے معانی کو متشابہات میں داخل کرتے ہیں اور ان کی معرفت وتاویل کے ساتھ اللہ تعالےٰ کو مختص مانتے ہیں۔

جواب۔ یہ قول ضعیف ہے کیونکہ یہ تحصیل حاصل کے قبیل سے ہے کیونکہ یہ تو سائل کو معلوم تھا کہ استواء اور دیگر ایسے صفات کلام مجید میں موجود ہیں اور اس نے آیۂ مبارکہ کی تلاوت کر کے یہ سوال کیا تھا۔ نیز امام مالک نے جواب میں نہ یہ فرمایا کہ استواء کلام مجید میں مذکور ہے اور نہ یہ کہ اللہ تعالےٰ نے اس کی خبر دی ہے بلکہ صرف یہ فرمایا کہ استواء معلوم ہے اور بجائے جمع کے صرف مفرد لفظ کے ذکر پر اکتفا فرمایا۔ نیز آپ نے فرمایا کہ کیف مجہول ہے اور اگر آپ کا مقصد وہ ہوتا جو اس قائل کا ہے تو آپ فرماتے استواء کا معنی مجہول ہے یا اس کی تفسیر مجہول ہے یا استواء کا بیان معلوم نہیں ہے۔ انہوں نے کیفیت استواء کے معلوم ہونے کی نفی کی ہے نفس استواء کے علم کی نفی نہیں کی۔ اور یہی حال ہے اللہ تعالےٰ کے ان تمام اوصاف کا جن کا اللہ تعالےٰ نے کلام مجید میں ذکر کیا ہے۔ اگر کوئی دریافت کرے کہ قول باری "اِنَّنِيْ مَعَكُمَآ اَسْمَعُ وَاَرٰى" میں جس سننے اور دیکھنے کا ذکر ہے اس کی کیفیت کیا ہے تو ہم یہی کہیں گے سمع ورؤیت تو معلوم ہے مگر اس کی کیفیت مجہول ہے اور اگر دریافت کرلے کہ اللہ تعالےٰ نے حضرت موسیٰ کلیم علیہ السلام کے ساتھ کیسے کلام فرمایا تو ہم کہیں گے تکلیم معلوم ہے مگر اس کی کیفیت مجہول ہے۔

علاوہ ازیں جس شخص نے امام مالک کے قول کی یہ توجیہ کی ہے وہ اور دیگر حنبلی علماء اور بعض اہل السنت اللہ تعالےٰ کے عرش پر جلوہ گر ہونے کے قائل ہیں اور اس کی عرش پہ فوقیت کو تسلیم کرتے ہیں وہ نہ تو استواء کے معنی کا انکار کرتے ہیں اور نہ اس کو ان متشابہات میں سے شمار کرتے ہیں جس کا معنی بالکل جانا ہی نہ جاسکتا ہو۔ انتہت عبارۃ ابن تیمیہ بحروفہا۔

ابن تیمیہ کی عقیدۂ جسمیت کی تصریح

ابن تیمیہ کی عبارت سابقہ اس کے عقیدۂ تجسیم میں نص صریح ہے یا کم از کم بمنزلہ صریح کے ہے اگرچہ اس نے اس میں جیم، سین اور میم کا ذکر نہیں کیا اور اس نے عقیدۂ تجسیم کو صرف اپنا مذہب ہی نہیں قرار دیا بلکہ اس کو اہل السنت حنابلہ وغیرہ کا مذہب قرار دے دیا ہے اور مجسمہ بھی اپنے آپ کو اہل السنت کہہ دیتے ہیں جیسے کہ علامہ ابن الجوزی کی عبارت سابقہ میں اس کی تصریح گذر چکی ہے۔

الغرض ابن تیمیہ کی اس قدر تصریح کے باوجود بھی صاحب جلاء العینین علامہ آلوسی کا علامہ ابن حجر ہیتمی مکی پر اعتراض کرنا کہ انہوں نے بلا وجہ ابن تیمیہ کو مجسمہ اور مشبہہ کے زمرہ میں داخل کر دیا ہے اور اس کی نفی میں مبالغہ کرنا اور علامہ موصوف پر

طعن وتشنیع کرنا تعجب سے خالی نہیں ہو سکتا۔

آلوسی صاحب نے اپنی کتاب مذکور کے ص ۲۱ پر لکھا ہے۔ شیخ ابن حجر نے ابن تیمیہ پر جو اعتراضات کئے ہیں وہ حقیقت کے برعکس ہیں۔ بلکہ ابن تیمیہ ان مطاعن وعیوب سے ہزاروں مراحل دور ہے۔ اس کی تالیفات اور وہ عبارات جو ہدیہ سامعین ہو چکیں وہ اس اتہام کے جھوٹ ہونے کی بین دلیل ہیں۔ اور علماء اعلام کی شہادات اس کے من گھڑت ہونے کی واضح برہان ہیں اور من جملہ ان علماء کے علامہ ابراہیم کورانی ہیں۔ جنہوں نے اپنے حاشیہ "مجلی المعانی علی شرح عقائد الدوانی"، میں کہا کہ ابن تیمیہ نے اپنی کتاب العرش میں جو مخلوقات کے اندر زمانہ ماضی میں تسلسل کو جائز رکھا ہے تو بعض لوگوں نے اس کی وجہ بیان کرتے ہوئے کہا عین ممکن ہے کہ اس کی وجہ یہ ہو کہ وہ مجسمہ میں سے ہے۔ تو اس کا جواب دیتے ہوئے علامہ کورانی نے کہا۔ ابن تیمیہ اللہ تعالے کے جسم ہونے کا قائل نہیں ہے کیونکہ اس نے اپنے ایک رسالہ میں جس کے اندر اس نے اسی حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر بحث کی ہے کہ اللہ تعالے ہر رات آسمان دنیا کی طرف نزول فرماتا ہے یہ تصریح کی ہے کہ اللہ تعالی کا جسم نہیں ہے۔ اور ایک دوسرے رسالہ میں کہا ہے کہ جو اللہ تعالے کے متعلق یہ کہے کہ وہ بدن انسانی کی مانند ہے یا وہ مخلوقات میں سے کسی مخلوق کی مانند ہے تو اس نے اللہ تعالے پر افتراء کیا ہے۔ بلکہ ابن تیمیہ مذہب سلف صالحین پر کاربند ہے یعنی متشابہات پر ایمان بھی رکھتا ہے اور اللہ تعالے کی تنزیہ وتقدیس کا بھی معترف ہے کما قال تعالی لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ البتہ وہ اس کا قائل ہے کہ اللہ تعالے فی الحقیقت عرش پر ہے۔ لیکن اس فوقیت اور استقرار کے لوازم کی نفی کا عقیدہ بھی رکھتا ہے۔ اور اس نے اس پر سلف کا اجماع نقل کیا ہے جس کی رسالہ قدریہ میں تصریح ہے۔ انتہی نقل الکورانی۔

میں نے اپنے والد گرامی یعنی علامہ محمود آلوسی صاحب تفسیر روح المعانی تغمدہ اللہ برحمتہ کے اپنے دستخط کے ساتھ اس مبحث کے حاشیہ وشرح میں یہ عبارت لکھی ہوئی دیکھی۔ پناہ بخدا کہ ابن تیمیہ مجسمہ میں سے ہو، بلکہ وہ مجسمہ سے دوسرے تمام لوگوں کی نسبت بہت زیادہ دور ہے اور مبرا وہ اللہ تعالے کی عرش پر فوقیت تسلیم کرتا ہے لیکن اس معنی کے مطابق جس کا اللہ تعالے اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارادہ کیا ہے اور یہی متشابہات کے متعلق اسلاف کا مذہب ہے وہ تجسیم سے بالکل الگ تھلگ ہے اور جلال الدین دوانی اور ہمچوں قسم لوگ کے احادیث اور اقوال سے بالکل جاہل ہیں جیسے کہ عارف منصف پر مخفی نہیں ہے۔ انتہت عبارۃ جلاء العینین۔

کورانی کی غلط فہمی اور اس کا رد

علامہ کورانی کا یہ قول کہ ابن تیمیہ متشابہات میں مذہب سلف پر ہے یعنی ایمان مع تنزیہ کا قائل ہے وہ اس رسالہ کی عبارت کے لحاظ سے تو درست ہے مگر وہ اس بات کو کیوں بھول گیا کہ ابن تیمیہ استواء وغیرہ کو متشابہات میں شمار ہی نہیں کرتا۔ بلکہ وہ کہتا ہے کہ اس کا معنی معلوم ہے فقط کیفیت مجہول ہے۔ اور اس کے معنی کا معلوم ہونا اسی صورت میں درست ہو سکتا ہے۔ جب کہ اس

کو صفات حوادث سے تسلیم کیا جائے اور اس کو جلوس اور نشست کے معنی میں لیا جائے جو ہمیں اپنے طور پر معلوم ہے اور بقیہ متشابہہ الفاظ میں بھی یوں ہی کہا جائے گا۔ اور ہمارے اس قول کی تائید وتقویت خود کورانی صاحب کی نقل کردہ عبارت سے بھی ہو جاتی ہے یعنی ابن تیمیہ اس کا قائل ضرور ہے کہ اللہ تعالے فی الحقیقت عرش پر ہے۔ اور اس پر اجماع سلف نقل کیا ہے۔ حالانکہ یہ نقل بالکل غلط اور خلافِ واقع ہے کیونکہ مذہب سلف مشہور ومعروف ہے اور ہر اس شخص کو معلوم ہے جس نے علم کی بو بھی سونگھی ہو یعنی متشابہات پر ایمان لانا۔ ان کو اپنے ظاہر پر رکھنا اور ساتھ ہی یہ عقیدہ رکھنا کہ ان کے معانی ایسے ہیں جو اللہ تعالے کی شانِ الوہیت کے شایان اور لائق ہیں اگرچہ ہم ان کے ادراک سے قاصر ہیں۔ اور ان کا وہ معنی جو ظاہر ہے اور ہر ایک کو معلوم اور حوادث کے مناسب حال جس کا ہم تعقل وتصور کرتے ہیں وہ بہر حال قطعاً مراد نہیں ہے۔ ان کا قول یہ ہے کہ اللہ تعالے فوقِ عرش ہے مگر ایسی فوقیت کے ساتھ جس کی حقیقت کو ہم نہیں جانتے، حالانکہ ابن تیمیہ کہتا ہے۔ کہ اللہ تعالے درحقیقت فوقِ عرش ہے لہٰذا سلف کا مذہب وہ نہیں ہے جس کا قول ابن تیمیہ نے کیا ہے یعنی یہ الفاظ متشابہہ ہی نہیں ہیں اور ان کے جو معانی اللہ تعالے کے ہاں مراد ہیں وہ ہمیں معلوم ہیں حاشا وکلا۔ نیز کورانی صاحب کی نقل کردہ یہ عبارت علامہ محمود آلوسی کی عبارت مذکورہ کے بھی خلاف ہے یعنی ابن تیمیہ اللہ تعالے کے فوق العرش ہونے کا قائل ہے مگر جس طرح کہ اللہ تعالے اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا اس سے ارادہ وقصد ہے اس معنی کے مطابق۔ اور یہی متشابہات میں مذہب اسلاف ہے۔

تو علامہ محمود آلوسی سے کہا جائے گا کہ ابن تیمیہ تو معنی فوقیت کو علم باری اور علم رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف تفویض نہیں کرتا بلکہ اس فوقیت کو حقیقت پر حمل کرتا ہے اور استواء وغیرہ کو متشابہات میں شمار ہی نہیں کرتا۔ بلکہ اس کے دعوے کے مطابق وہ خود اور اس کے ہم مشرب اس کا معنی جانتے ہیں۔ اور اس نے اپنے اس دعویٰ پر امام مالک کے قول سے استشہاد پیش کیا ہے کہ استواء معلوم ہے اور کیفیت مجہول ہے۔

الغرض ان علماء اعلام کی ابن تیمیہ کی طرف سے مدافعت اور جوابی کارروائی محض اس کے ساتھ حسن ظن پر مبنی ہے اور صرف بعض کتابوں کے مطالع پر جن میں اس نظریّہ فاسدہ اور عقیدہ کاسدہ کی تصریح نہیں ہے۔ اور ان کتابوں سے غفلت پر مبنی ہے جن میں علامہ ابن حجر اور دیگر اکابر علماء کے اعتراضات کی صحت پر دال عبارات موجود ہیں اور اس کی جو عبارت میں نے نقل کی ہے اس سے صاف ظاہر ہے کہ الفاظ متشابہہ میں اس کا مذہب اسلاف کے مذہب کے مخالف اور مناقض ہے۔ کیونکہ جملہ اسلاف اور جمہور اہل السنت ماتریدیہ، اشاعرہ وغیرہ کہتے ہیں کہ استواء وغیرہ الفاظ متشابہہ ہیں اور انہیں بلاتفسیر وتاویل اپنے ظاہر پر رکھتے ہیں ان کی تفسیر ان کے نزدیک صرف یہ ہے کہ ان کی تلاوت کرنا۔ اور یہ عقیدہ رکھنا کہ ان کے معانی ایسے ہیں جو اللہ تعالے کی شان الوہیت کے لائق ہیں ان کا علم حقیقی اللہ تعالے کی طرف تفویض کرتے ہیں۔ اور اللہ تعالے کو ان الفاظ کے ان ظاہری معانی سے منزہ و مبرا مانتے ہیں جن کا ہم تصور کر سکتے ہیں اور جو کہ حوادث ومخلوقات کے شایان ہیں جب کہ ابن تیمیہ کا مذہب یہ ہے کہ یہ الفاظ نہ تو متشابہات سے ہیں اور نہ ہی ان کے معانی ہمارے علم وادراک سے ماوراء بلکہ بقول اس کے وہ خود اور دوسرے اس

کے ہم مشرب ان کے معانی کو جانتے ہیں صرف ان کی کیفیات اس کے نزدیک مجہول ہیں۔ اور یہ بات ہر شخص کی سمجھ میں آ سکتی ہے کہ ان کے معانی اسی صورت میں معلوم ہو سکتے ہیں جب کہ ان سے مراد وہی ظاہری معانی ہوں جن پر یہ الفاظ باعتبار لغت اور متفاہم عرف دلالت کرتے ہیں اور حوادث و مخلوقات کے لائق ہیں۔

ابن تیمیہ نے اپنے فتویٰ میں ان الفاظ کے متشابہات میں سے نہ ہونے پر طویل تبصرہ کیا اور یہ دعویٰ کیا کہ ان کے معانی ہمیں معلوم ہیں اور صرف ان کی کیفیت مجہول ہے۔ اور یہ امر کسی پر مخفی نہیں رہ سکتا کہ استواء کا جو معنی ہمیں معلوم ہے وہ ہمارا بیٹھنا ہے اور اسی طرح قول باری تعالےٰ انني معكما اسمع وارى میں جو معیت ہمیں معلوم ہے وہ ایک دوسرے کے ساتھ ہونا اور قریب ہونا ہے۔ اور كَلَّمَ اللّٰهُ مُوْسىٰ تَكْلِيْمًا سے ہمیں جو معلوم ہے وہ باہم لفظی کلام کرنا ہے۔ رہی ان امور کی کیفیت کہ جلوس اور نشست کا خاص ہیئت پر ہونا۔ معیت و رفاقت خاص حالت پر ہونا اور تکلم و گفتگو مخصوص صفت پر ہونا تو اس سے جاہل ہونا اس کو مستلزم نہیں ہے کہ کیفیات مخصوصہ سے قطع نظر اصلی معانی اللہ تعالےٰ کے کمالِ الوہیت کے شایان اور لائق ہوں۔ بلکہ ہم یقیناً جانتے ہیں کہ وہ معانی اگر اس حقیقت کے مطابق ہوں جو ہم اپنے عقول و اذہان سے جانتے ہیں تو وہ قطعاً اللہ تعالےٰ کے شایانِ شان نہیں ہیں۔ اور جو معانی اس کی شان والا کے لائق ہیں تو ہم نہ ان کی حقیقت کو جانتے ہیں اور نہ ان کی کیفیت کو۔ تو اس تقدیر پر ابن تیمیہ کا یہ قول کہ ان الفاظ کے معانی ہمیں معلوم ہیں اور یہ متشابہات سے نہیں ہیں اس کے عقیدۂ تجسیم کی تصریح ہے یا بمنزلہ تصریح کے ہے تعالےٰ اللہ عن ذالک علواً کبیراً کیونکہ ہمارا جلوس، معیت اور تکلیم کے معانی کو اس طرح جاننا جیسے کہ اپنے نفوس میں ان معانی کو پاتے ہیں اور تصور کرتے ہیں اللہ تعالےٰ کی حوادث سے تنزیہ کا فائدہ نہیں دیتا خواہ ان کی کیفیت مجہول ہی ہو بلکہ اس سے عقیدہ تشبیہ و تجسیم لازم آتا ہے اور ذات باری کا صفاتِ حوادث سے موصوف و متصف ہونا۔ مثلاً ہمیں لوگوں کی اطلاعات سے زید سے فعل جلوس کا وقوع و صدور معلوم ہو جائے اور عمرو کے ساتھ اس کی معیت اور بکر کے ساتھ اس کا کلام کرنا اور ہم خود ان امور میں سے کسی امر کا مشاہدہ نہ کریں۔ اسی طرح ابن تیمیہ کے زعم فاسد کے مطابق ہم اللہ تعالےٰ کے استواء علی العرش کی حقیقت کو جانتے ہیں۔ اور اس کی معیت اور کلام کی حقیقت بھی اور علیٰ ہذا القیاس دیگر صفات کی حقیقت بھی فقط ان کی کیفیات سے ہم بے خبر ہیں۔

ابن تیمیہ نے اپنے فتویٰ میں کہا ہے کہ صواب اور حق وہی ہے جو ائمہ ہدیٰ نے کہا ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ نے کلام مجید میں اپنی جو صفات ذکر کی ہیں یا رسول کریم علیہ السلام نے جن اوصاف سے اس کی توصیف فرمائی ہے انہیں کے ساتھ اس کی تعریف و توصیف کی جائے اور قرآن و سنت سے تجاوز نہ کیا جائے۔ اور اس معاملہ میں سلف صالحین اہلِ علم و ایمان کے راستوں پر چلنے کا التزام کیا جائے۔ اور جو معانی کتاب و سنت سے سمجھ میں آتے ہیں انہیں پر اکتفاء کیا جائے ان کو عقلی شکوک و شبہات سے رد نہ کیا جائے ورنہ کلام مجید اور احادیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے کلمات طیبات میں تحریف لازم آئے گی۔

بعد ازاں اس نے ان متشابہہ کلمات کے معانی و مفاہیم کے معلوم ہونے کا دعویٰ کیا اور ان کے متشابہ نہ ہونے کا اثبات اور تمہیں پہلے معلوم ہو چکا ہے کہ اسی قول سے اس کا عقیدہ تجسیم واضح ہوتا ہے۔ جب کہ تمام تر اہل السنت حضرات جو مسلکِ اسلاف پر گامزن ہیں وہ ابن تیمیہ کے زعم فاسد کے برعکس ان کلمات طیبات کے معانی کو اللہ تعالےٰ اور اس کے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سونپتے ہیں۔ اور جب حقیقت حال یہ ہو اور یقیناً یہی ہے تو ان کے معانی حقیقیہ کس طرح ہمارے نزدیک معلوم ہو سکتے ہیں کیونکہ نہ تو ذوقِ طبیعت ان کا ادراک کرتا ہے۔ نہ عقول سے ان کی حقیقت تک رسائی ہمارے لیے ممکن ہے اور نہ ہم ان صفات میں سے کسی صفت کے ساتھ موصوف و متصف ہیں کیوں کہ اللہ تعالےٰ اور بندے کے اوصاف میں اور حادث و قدیم میں بہت بڑا تفاوت ہے۔

ابن تیمیہ کے کلام کا تنوع اور متضاد و متناقض دعاوی پر اشتمال !

ابن تیمیہ کے کلام میں تنوع اور اختلاف و تضاد اور ایک کتاب میں مذکور قول کا دوسری کتاب میں مذکور قول کے مناقض ہونا اس کے سابقہ کتاب میں مذکور قول سے رجوع کے پیش نظر ہو اور اس قول کو غلط سمجھنے اور اس کے مخالف دلیل پر مطلع ہونے کی بناء پر ہے اور یا پہلے قول کو بھول جانے کی وجہ سے ہے کیونکہ اس کا علم وسیع ہے، تالیفات کثیرہ ہیں۔ فتاویٰ مبسوط ہیں اور عبارات طویل بہر حال اس تنوع کا سبب جو بھی ہو وہ موجود ضرور ہے اور اس کی دلیل اس کا اس مقام پر مذکور یہ قول ہے کہ راہِ صواب و مستقیم وہی ہے جس پر کہ ائمہ ہدیٰ ہیں۔ اور وہ یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ کو انہیں صفات کے ساتھ موصوف کیا جائے جن کے ساتھ اس نے اپنے آپ کو موصوف کیا ہے یا اس کے رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو متصف کیا ہے۔ اور اس اتصاف و توصیف میں کتاب و سنت سے تجاوز نہ کیا جائے۔ اور اس معاملہ میں سلف صالحین کی اتباع کی جائے۔ بعد ازاں وہ خود اللہ تعالیٰ کے حق میں جہت، حیز اور جسم کا اطلاق ایسی تاویلات فاسدہ کے ساتھ کرتا ہے جو اسلاف میں سے کسی سے منقول نہیں ہیں اور نہ ہی قابلِ قبول ہیں۔

میں ابن تیمیہ کی عبارت اس کے مداح خاص نعمان آفندی کی جلاء العینین سے نقل کرتا ہوں جو صفحہ ۲۴۰ پر مرقوم ہے اور اسی کے طویل فتویٰ سے منقول ہے وہ کہتا ہے اس باب میں اصل اور قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ کتاب اللہ اور سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں جو کچھ وارد ہے اس کی تصدیق لازم ہے مثلاً اللہ تعالےٰ کا علو اور فوقیت اور عرش پر استواء وغیرہ۔

لیکن وہ الفاظ جو لوگوں نے اختراع کئے ہیں اور ان کے اثبات و نفی میں باہم اختلاف ہے مثلاً قول قائل کہ اللہ تعالےٰ جہت میں ہے یا جہت میں نہیں ہے حیز میں ہے یا نہیں ہے وغیر ذالک۔ اور بر سر پیکار و نزاع فریقین میں سے کسی کے پاس رسول اکرم علیہ السلام اور صحابہ کرام علیہم الرضوان میں سے کسی کا قول منقول ہے اور نہ ہی ان کی احسن طریقہ پر اتباع کرنے والوں کا۔ اور نہ ائمہ مسلمین کا کیونکہ ان میں سے کسی نے نہ یہ کہا ہے کہ اللہ تعالےٰ جہت میں ہے اور نہ یہ کہ جہت میں نہیں ہے۔ نہ یہ دعویٰ

کیا ہے کہ حیز میں ہے اور نہ یہ کہ حیز میں نہیں ہے۔ نہ یہ کیا ہے کہ وہ جوہر یا جسم ہے اور نہ یہ کہا ہے کہ جوہر و جسم نہیں ہے۔ تو یہ ایسے الفاظ ہیں جن پر کتاب و سنت میں اور اجماعِ امت میں تنصیص وارد نہیں ہے۔ اور ان کو استعمال کرنے والے کبھی صحیح معنی مراد لیتے ہیں لہٰذا اگر تو وہ ایسا معنی مراد لیں جو کتاب و سنت کے مطابق ہو تو وہ مقبول ہوگا اور یہ استعمال درست۔ اور اگر ایسا معنی مراد لیں جو کتاب و سنت کے مخالف ہو تو وہ معنی و مقصد فاسد ہوگا اور مردود و باطل۔

اگر ان میں سے کوئی کہے کہ اللہ تعالےٰ جہت میں ہے تو اس سے دریافت کیا جائے گا کہ تیری مراد کیا ہے؛ کیا تیرا مقصد یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ جہتِ موجودہ میں ہے جو اس کا حصر اور احاطہ کرنے والی ہے مثلاً وہ آسمانوں کے درمیان ہو۔ یا جہت سے مراد امر عدمی ہے اور وہ ہے مافوق العالم کیونکہ مخلوقات میں سے کوئی شئی عالم سے فوق نہیں ہے۔ اگر تیری مراد جہت وجودیہ ہے اور تو نے اللہ تعالےٰ کو امور موجودہ مخلوقہ میں محصور مان لیا ہے تو یہ قول باطل ہے۔ اور اگر تیری مراد جہت عدمیہ ہے اور تیرا مقصد یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ تنہا مخلوق سے فوق ہے اور ان سے جدا تو یہ برحق ہے اور اس میں نہ تو مخلوقات میں سے کسی کا محیطِ باری تعالےٰ ہونا لازم آتا ہے اور نہ اس کا حاصر ہونا اور عالی و فائق ہونا بلکہ وہی سب پر عالی و فائق ہے اور سب کو محیط۔ انتہت عبارتہ بحروفہا۔

الغرض اس نے اپنے طویل ترین کلام میں ان الفاظ مبتدعہ اختراعیہ کا اطلاق اللہ تعالےٰ پر جائز رکھا ہے جب کہ ان سے ایسے معانی مراد ہوں جو ذات باری تعالیٰ کے شایانِ شان ہوں۔ اور ہر ایک پر یہ حقیقت روزِ روشن کی طرح عیاں ہے کہ یہ دعویٰ مسلک جمہور اور سلف صالحین کے خلاف ہے جیسے کہ حافظ ابن حجر عسقلانی نے فتح الباری میں اس حدیث رسول علیہ السلام کے تحت فرمایا "ینزل ربنا تبارک وتعالےٰ کل لیلۃ الی سماء الدنیا"، ہمارا رب تبارک وتعالےٰ ہر رات آسمان دنیا کی طرف نزول فرماتا ہے۔

کہ اس حدیث سے ان لوگوں نے استدلال کیا ہے جنہوں نے اللہ تعالےٰ کے لیے جہت علو و فوق ثابت کی ہے (کیونکہ نزول کی حقیقت یہی ہے بلندی سے پستی اور فراز سے نشیب کی طرف آنا) مگر جمہور نے اس کا انکار کیا ہے کیونکہ جہت کا قول اللہ تعالیٰ کے لیے حیز کا مقتضی ہے تعالےٰ اللہ عن ذالک۔ بعد ازاں قرآن و حدیث کے متشابہات میں تاویل کے جواز اور عدم جواز میں مختلف اقوال نقل کر کے آخر میں فرمایا کہ امام بیہقی کا مختار مسلک یہ ہے کہ ان پر کسی خاص کیفیت کا تعین مدنظر رکھے بغیر ایمان لائیں اور ان سے جو مراد ہے اس سے بحث نہ کریں مگر یہ کہ خود مخبرِ صادق صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کی مراد کا بیان منقول ہو تو اس کی طرف رجوع کیا جائے۔

صاحب جلاء العینین نعمان آفندی کی خطا فاحش

حافظ ابن حجر عسقلانی کا یہ ارشاد پڑھ لینے کے بعد جلاء العینین کے صفحہ ۲۶ پر واقع عبارت کی خطا فاحش ہونا واضح ہو جائے گی۔ وہ عبارت یہ ہے کہ اس ساری بحث کا خلاصہ اور حاصل یہ نکلا کہ آیات صفات اور احادیث متشابہہ میں مختلف اقوال

ہیں ایک قول وہ ہے جو حافظ ابن الحجر نے صحیح بخاری کی شرح فتح الباری میں حدیث رسول علیہ السلام "ینزل ربنا تبارک وتعالےٰ الی سماء الدنیا" کے تحت نقل کیا ہے اور وہ ہے مدعی جہت کا قول جس نے اس حدیث اور اس کے نظائر سے اللہ تعالےٰ کے لیے جہت فوق و علو ثابت کی ہے۔ اور یہ بے شمار اسلاف اور صوفیاء کرام کا قول ہے۔ انتہت عبارۃ جلاء العینین۔

آلوسی صاحب کی عبارت غیر صحیح ہے اور نقل مخالف اصل ہے بلکہ سوائے نعمان آفندی کے کوئی بھی اس کا قائل نہیں ہے۔

ابن تیمیہ کا صوفیاء کرام کو اتحادی اور اہل السنت کو فرعونی کہنا

حتیٰ کہ ابن تیمیہ جو خود جہت کا قائل ہے وہ بھی اس کو اسلاف کرام اور صوفیاء کرام کی طرف منسوب نہیں کرتا بلکہ اسی وجہ سے صوفیاء کرام کی مذمت کرتا ہے کہ وہ جہت کے قائل نہیں ہیں۔ اور ان کو وحدۃ الوجود کا قول کرنے کی وجہ سے اتحادیہ کا لقب دیتا ہے اور تمام اہل السنت اشاعرہ، ماتریدیہ اور دیگر علماء اعلام کی بھی اسی لیے مذمت کرتا ہے کہ وہ جہت کے قائل نہیں ہیں اور ان کو فرعونیہ کا لقب دیتا ہے کیونکہ فرعون نے ہامان کو کہا تھا میرے لیے ایک بلند و بالا مکان تیار کرا ہو سکتا ہے میں اس کے ذریعے آسمان کی راہوں تک پہنچوں اور موسیٰ کے خدا کو جھانکوں اور میں یقیناً اس کو جھوٹا سمجھتا ہوں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ موسیٰ علیہ السلام کی تکذیب ان کے اس دعویٰ میں کر رہا ہے کہ میرا رب تبارک وتعالیٰ آسمان پہ ہے تو اس نے اس کی تصدیق نہ کی اور ہامان کو حکم دیا کہ بلند و بالا عمارت تیار کرائے تاکہ موسیٰ علیہ السلام کے صدقِ دعویٰ کی آزمائش کر سکے تو گویا فرعون بھی اللہ تعالیٰ کے جہت فوق میں ہونے کا قائل نہیں تھا اور اہل السنت بھی اس کے قائل نہیں ہیں لہٰذا ان کو فرعونیہ کا لقب دے دیا۔

لیکن ابن تیمیہ کا یہ استدلال درست نہیں ہے کیونکہ ہو سکتا ہے سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے اس قسم کی متشابہ عبارات ذکر کی ہوں جیسی کلام مجید میں وارد ہیں اور حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں مثل استویٰ علی العرش۔ قول نبوی "فوق العرش"، ینزل ربنا تبارک وتعالیٰ سماء الدنیا وغیر ذالک جن کا علم حقیقی اہل السنت اللہ تعالےٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف تفویض کرتے ہیں اور ہم ان سے نہ تو تجسیم کا عقیدہ سمجھتے ہیں اور نہ ہی تشبیہ کا جیسے کہ ابن تیمیہ اور اس کے ہم مشرب مجسمہ، مشبہہ اور اللہ تعالےٰ کے لیے جہت کے دعوے داروں نے سمجھ لیا ہے جن کو اہل السنت حشویہ سے تعبیر کرتے ہیں کیونکہ انہوں نے اپنے عقائدِ توحید میں وہ کچھ بھر دیا ہے جو یقیناً ان میں داخل نہیں ہے اور نہ ہی جناب باری تعالےٰ کے لائق ہے یعنی مشابہہ حوادث و مخلوقات۔

بلکہ ظاہر یہ ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کے متشابہہ کلام میں مذکور صفات باری تعالےٰ سے فرعون نے عقیدہ جہت سمجھا جس طرح کہ ابن تیمیہ نے سمجھا اور اس کے متبعین نے کتاب و سنت میں وارد متشابہات سے تجسیم و تشبیہ اور جہت کا عقیدہ سمجھ لیا اور ہامان کو بلند ترین عمارت بنانے کا حکم دیا تاکہ اس کی حقیقت پر مطلع ہو سکے لہٰذا اس سے تو معلوم ہوتا ہے کہ فرعونیہ کے لقب کے حق دار صرف حشویہ ہیں جو فرعون کے ساتھ مذہب تجسیم و تشبیہ اور عقیدہ جہت میں موافق ہیں۔ نہ اہل السنت جو اللہ تعالےٰ

کو ان جملہ قبائح اور صفات نقصان سے منزہ مانتے ہیں۔

ابن تیمیہ جہت کا اس تفصیل کے مطابق عقیدہ رکھنے کے باوجود جو اس نے ذکر کی ہے اس امر کا اقرار کرتا ہے کہ لفظ جہت نہ کتاب اللہ میں وارد ہے۔ نہ سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں اور نہ اسلاف میں کسی سے منقول ہے اور بایں ہمہ اس بات کا مدعی ہے کہ وہ قولِ رسول مقبول علیہ السلام کا پابند ہے اور اقوالِ اسلاف پر کاربند۔ اور مبتدع نہیں ہے تو ہم دریافت کرتے ہیں کہ اس قول سے بڑھ کر بھی کوئی بدعت قبیحہ سیئہ ہو سکتی ہے؟

تنبیہ: حافظ ابن حجر نے یہ فرما کر کہ جہت کا جمہور نے انکار کیا ہے جمہور اہل اسلام مراد لیا ہے نہ کہ جمہور اہل سنت کیونکہ اہل سنت کا لفظ جو عرف عام میں اشاعرہ، ماتریدیہ وغیرہ پر اطلاق کیا جاتا ہے ان میں سے صرف جمہور جہت کے منکر نہیں ہیں بلکہ وہ اجماعاً اس کے منکر ہیں اور جہت کا قول ان میں سے کسی نے بھی نہیں اپنایا۔ بلکہ ان میں سے بعض ائمہ مثل امام نووی و ابن ابی جمرہ مالکی نے تو جہت کے قائلین پر کفر کا فتویٰ دیا ہے جیسے کہ امام لقانی وغیرہ کے حوالہ سے اس کی تصریح ذکر کی جا چکی ہے۔ لہٰذا جلاء العینین کی اس عبارت سے دھوکہ نہ کھانا اور قول جہت کو اسلاف اور صوفیاء کرام کا قول نہ سمجھ لینا۔ یہ عجیب وغریب عبارت ہے اور اس کی نسبت ابن حجر عسقلانی کی طرف اس سے بھی عجیب تر ہے اور غریب تر۔ کیونکہ وہ اس کی عبارت کے بالکل مخالف ہے اور دونوں کا رخ بالکل مخالف سمتوں میں ہے۔

میں یہ گمان نہیں کرتا کہ نعمان آفندی صاحب نے قصداً اور ارادۃً ایسا کیا ہے تاکہ اہلِ اسلام کو التباس واشتباہ میں ڈالیں اور ان کو دھوکہ دے کر عقیدہ جہت جیسے فاسد و باطل عقیدہ کی طرف لے آئیں اور انہیں ایسے راستہ پر ڈالیں جو مخالف ہے اس راستہ کے جس پر جمہور امت محمدیہ شافعیہ، مالکیہ، حنفیہ اور بعض حنبلیہ مثل علامہ ابن الجوزی وغیرہ گامزن ہیں کیونکہ وہ بقول ابن حجر وغیرہ کے ان علماء حنابلہ میں سے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے اس قبیحہ حرکت اور ناز یبا خصلت یعنی اعتقادِ جہت سے محفوظ رکھا ہے بلکہ صاحب جلاء العینین سے بطور سہو ونسیان سرزد ہوئی ہے۔ اللہ تعالیٰ مجھ پر اور اس پر عفو وغفران کے ساتھ احسان فرمائے بے شک وہی مالک احسان ہے۔ اور عنقریب آئندہ باب میں اس کی کتاب جلاء العینین پر بحث کی جائے گی اور اہل اسلام کو اس سے دور رہنے کی تلقین کی جائے گی کیونکہ اس میں مذہب اہل السنت والجماعت کی بہت زیادہ مخالفت کی گئی ہے۔ اور بکثرت حق کو اباطیل کے ساتھ خلط ملط کر دیا گیا ہے اور سارے لوگ حق و باطل میں تمیز کی صلاحیت نہیں رکھتے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہدایت شعار ہے دَعْ مَا يَرِيبُكَ جو چیز تردد اور شک میں ڈالے اس کو ترک کر دو۔

ابن تیمیہ کا قائل جہت ہونا بزبان صدیق حسن خان غیر مقلد ہندی بھوپالی

ابن تیمیہ اور اس کے اتباع و تلامذہ ابن قیم وغیرہ کے قائل جہت ہونے کی صریح دلیل اور اس کے مذہب پر آخر دم تک قائم و ثابت رہنے کی دلیل قوی اس کے متبعین قائلین جہت میں سے ایک شخص نواب صدیق حسن خان ہندی بھوپالی کا قول ہے

خواہ ابن تیمیہ نے اس سے رجوع کر لیا ہو یا اس کی عبارات کے افادہ و دلالت سے قطع نظر اس نے اس کا بالکل قول نہ کیا ہو لیکن اس متبع کامل بھوپالی نے اس کو اس عقیدہ فاسدہ کے ساتھ ملوث کر دیا ہے چنانچہ اس نے شیخ اجل ولی اللہ محدث دہلوی کے عقیدہ کی شرح یعنی انتقاد رجیح فی شرح الاعتقاد الصحیح جو جلاء العینین کے حاشیہ پر مطبوع ہے اس میں محدث دہلوی کے قول لیس بجوہر "یعنی اللہ تعالیٰ نہ جوہر ہے نہ عرض اور نہ جسم ہے نہ حیز و جہت میں ہے"، کے تحت کہا ہے کہ ان امور کا اہلِ عقل کی ایک جماعت نے انکار کیا ہے کیونکہ ازروئے عقل اللہ تعالیٰ میں جہت کا ثابت کرنا ممکن نہیں ہے۔ اور تمام تر اہلِ حدیث اور اشاعرہ نے اس کو ازروئے نقل ثابت کیا ہے متکلمین کا قائلین جہت کو مجسمہ اور مشبہہ قرار دینا تعصب اور سینہ زوری پر مبنی ہے۔

اللہ تعالیٰ کے حق میں جہت ثابت کرنے والوں میں سے بہت بڑا مثبت ابن تیمیہ ہے اور اس کا شاگرد ابن القیم اور ان کے حق میں جو کچھ کہا گیا ہے وہ نا قابلِ بیان بھی اور زبان زد خواص و عوام بھی ہے۔ انتہت عبارتہ بحروفہا۔

اس غیر مقلد کی زبانی واضح ہو گیا کہ ابن تیمیہ اور اس کا شاگرد ابن قیم قائلین جہت میں سب سے بڑے قد کاٹھ والے ہیں۔

البتہ اس بھوپالی ہندی نے اس عقیدہ کو اشاعرہ کی طرف منسوب کرنے میں سخت ٹھوکر کھائی ہے کیونکہ ان میں کوئی عالم اس اعتقادِ قبیح اور فکرِ شنیع کا قائل نہیں ہے اور بالفرض کسی سے یہ قول سرزد ہو تو وہ اشاعرہ کے زمرہ سے خارج سمجھا جاتا ہے۔ اور تمام اشاعرہ ماتریدیہ اور جمیع اہل سنت کی مانند قائلِ جہت پر سخت تنقید و تشنیع کرتے ہیں۔ اور بعض تو ایسے لوگوں کو کافر کہتے ہیں۔ نیز اس کا یہ زعمِ فاسد کہ تمام اہلِ حدیث اس کے قائل ہیں قطعاً غلط ہے بلکہ ان میں سے صرف حشویہ مثل ابن تیمیہ و ابن قیم وغیرہ کے اس کے قائل ہیں۔ لیکن جمہور اہلِ حدیث وغیرہ اسلاف واخلاف اللہ تعالیٰ کی فوقیت کے قائل ہیں جیسے کہ کلام مجید اور احادیث میں وارد ہے لیکن وہ اس میں کوئی تاویل کئے بغیر اس کا علم حقیقی اللہ تعالیٰ کی طرف تفویض کرتے ہیں۔ اور ان میں سے کسی نے علی الاطلاق جہت کا قول نہیں کیا جیسے کہ امام غزالی نے اپنے عقیدہ مسمیٰ بہ "قواعد العقائد"، میں فرمایا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ عرش اور سموات پر فوق ہے اور تحت الثریٰ تک موجود ہر شیٔ سے فوق ہے مگر ایسی فوقیت کے ساتھ جو اسے آسمان اور عرش کے زیادہ قریب نہیں کرتی جیسے کہ زمین اور ثریٰ سے زیادہ بعید نہیں کرتی تو یہ ہے عقیدہ اشاعرہ کا اس عقیدہ کے ہوتے ہوئے ان کو قائلِ جہت کیوں کر سمجھا جا سکتا ہے۔

نواب صدیق حسن خان کے اس نسبت میں مرتکب خطأ ہونے کی دوسری دلیل یہ ہے کہ اس نے اسی شرح میں مصنف و مؤلف کے قول اور فوق العرش کے تحت کہا ہے کہ استواء، اور فوقیت کا قول کرنے میں اکثر اہلِ علم یعنی اہل حدیث وفقہاء کے نزدیک جہت کا قول واقرار موجود ہے۔ اسی لیے بعض نے لفظ جہت کا اطلاق بھی کر دیا ہے۔

تو اس عبارت سے صاف ظاہر ہے کہ اس نے جہت کا قول ازروئے استنباط ذکر کیا ہے بغیر اس کے کتاب و سنت

ہیں اس کا ذکر ہو اور اسلاف میں سے کسی سے منقول ہو۔ اور بایں ہمہ وہ اس امر کے مدعی ہیں کہ وہ اور ان کے امثال اہل السنت والجماعت سے ہیں اور وہ متبعین اسلاف ہیں مبتدعین نہیں ہیں۔ کیا اس سے بڑھ کر قبیح و شنیع کوئی بدعت ہو سکتی ہے؛

رہا لفظ فوق اور استواء کا ورود کلام مجید میں تو اس سے جہت کا عقیدہ اسی صورت میں لازم آسکتا ہے جب ان سے مراد وہ معنی لیا جائے جس کا تعقل و تصور ہم کرتے ہیں یعنی حوادث کا استواء اور بعض کی بعض پر فوقیت کا تصور و تعقل فقط یہی تصور و تخیل جہت کو مستلزم ہے۔ لیکن جب سلف صالحین، اشاعرہ و ماتریدیہ اور محدثین و صوفیہ کے مذہب و مسلک کے مطابق عقیدہ رکھیں اور کہیں کہ دیگر متشابہات کی طرح ان پر ایمان لاتے ہیں اور ان کے معنی حقیقی کا علم اللہ تعالےٰ کے سپرد کرتے ہیں درال حالیکہ ان کے ظاہری معنی سے لازم آنے والے حدوث سے ہم اللہ تعالےٰ کو منزہ و مقدس سمجھتے ہیں تو اس تقدیر پر ان کا کتاب و سنت میں وارد عقیدہ جہت اور اس کے جواز اطلاق کو مستلزم نہیں ہو سکتا اور اگر بالفرض والتقدیر یہ بھی تسلیم کر لیں کہ لفظ جہت کتاب و سنت میں وارد ہے تو ہم اس کو دوسرے متشابہات کے ساتھ لاحق کریں گے اور اس کے ساتھ بھی وہی معاملہ کریں گے۔ چنانچہ اس کا علم حقیقی بھی اللہ تعالےٰ کے سپرد کریں گے اور اس کے ظاہری معنی اور اس سے لازم آنے والے مفاسد سے اللہ تعالیٰ کو منزہ و مقدس تسلیم کریں گے جیسے کہ ہم نے استواء، فوق وغیرہ الفاظ میں یہی طریقہ اختیار کیا ہے۔ لہٰذا ہم قطعاً کسی حالت میں بھی یہ نہیں کہیں گے کہ اللہ تعالےٰ جہت فوق میں ہے جب کہ نہ لفظ جہت کتاب و سنت میں وارد ہے اور نہ ہی قائلین جہت میں سے ابن تیمیہ وغیرہ نے اس کا دعویٰ کیا ہے کہ لفظ شارع علیہ السلام کے کلام میں وارد ہے یا اسلاف سے منقول ہے بلکہ انہوں نے اس کے عدم ورود اور حیز و جسم کے الفاظ کی مانند الفاظ مبتدعہ و اختراعیہ میں سے ہونے کی تصریح کی ہے اور یہیں سے نواب صدیق حسن کے کلام میں واقع خطا فاحش واضح ہو جائے گی کہ جہت کا قول تمام محدثین اور اشاعرہ کا مذہب ہے۔ علیٰ ہذا القیاس اس کے اس دعویٰ کا فساد بھی واضح ہو جائے گا کہ استواء اور فوقیت کے اعتراف و اذعان میں ہی اکثر اہل علم محدثین و فقہاء کے نزدیک جہت کا اعتراف و اذعان موجود ہے اور مجھے اپنے خالق حیات کی قسم ہے کہ یہ قول بہت بڑی خطا ہے اور گمراہ کن ہونے کے ساتھ ساتھ بھوپالی صاحب کے فہم و شعور سے عاری ہونے کی دلیل بھی ہے یا مذاہب علماء کے نقل کرنے میں بد دیانتی کی دلیل اور علیٰ الخصوص اس اہم مسئلہ میں جس سے بڑھ کر کوئی اہم مسئلہ نہیں ہے کیونکہ اس کا تعلق براہ راست اللہ تعالےٰ کی ذات والا سے ہے تعالےٰ و تقدس عما یقول الظالمون علوا کبیرا۔

ابن تیمیہ کا امام مالک کے قول سے استدلال اور اس کا جواب

ابن تیمیہ نے امام مالک رحمہ اللہ تعالےٰ کے قول یعنی استواء معلوم ہے اور کیفیت مجہول ہے استدلال کیا ہے کہ یہ الفاظ متشابہات میں سے نہیں ہیں۔ بلکہ اس کے زعم فاسد کے مطابق تمام مخاطبین کو اس کا معنی معلوم ہے۔ اور اس کا جواب یہ ہے کہ ہم قطعی طور پر جانتے ہیں کہ امام مالک اجل ائمہ ہدیٰ میں سے ہیں جن کی امامت اور جلالت شان پر اہل اسلام کا

اجماع ہے۔ اور دوسری حیثیت سے ہم یقیناً اس امر کو جانتے ہیں کہ تمام اہل حق مسلمان اسلاف ہوں یا اخلاف اوصاف حوادث سے اللہ تعالےٰ کی تنزیہ پر متفق ہیں لہٰذا اگر امام مالک کا اس قول سے وہ مقصد ہوتا جو ابن تیمیہ کے کلام سے سمجھا جاتا ہے یعنی استواء علی العرش بمعنی عرش پر بیٹھنے کے ہے اور غایۃ امر یہ ہے کہ اس نشست کی کیفیت معلوم نہیں ہے کہ وہ تربع کی صورت میں ہے یا تورک اور ایک پہلو پر بیٹھنے کی صورت میں یا دو زانو ہو کر بیٹھنے کی کیفیت پر ہے یا ایک پنڈلی کو بچھانے اور دوسری کو کھڑا رکھنے کی حالت پر ہے وغیر ذالک جو بھی نشست کی کیفیات متصور ہو سکتی ہیں ان میں سے کسی خاص کیفیت پر ہونا ہمیں معلوم نہیں ہے۔ تو اس تقدیر پر امام مالک تمام اہل حق کے مخالف بن جاتے کیونکہ وہ اللہ تعالےٰ کو صفات حوادث سے منزہ مانتے ہیں جن میں سے جلوس و نشست بھی ہے خواہ اس کی کیفیت مجہول ہی کیوں نہ ہو حالانکہ اس امر کے ثبوت میں شک و تردد کی گنجائش نہیں ہے کہ امام مالک اہل حق کے اکابر ائمہ میں سے ہیں تو متعین ہو گیا کہ ان کے کلام کا وہ معنی نہیں ہے جو ابن تیمیہ نے سمجھا ہے اور اس صورت میں ہم پر لازم ہے کہ ہم ان کے کلام کو اس انداز میں سوچنے اور سمجھنے کی کوشش کریں جو ان کے حسب حال اور مجمع علیہ منصب و مرتبت کے مطابق ہو۔ اور اس سے ایسے فاسد و باطل معانی کا استنباط نہ کریں جو دین و مذہب میں مخل ثابت ہوں۔ اور تمام اہل حق کے مذہب و مسلک کے خلاف ہو جس طرح کہ ابن تیمیہ نے کیا ہے۔ اور محض استواء کے لفظ پر اکتفاء نہیں کیا جو امام موصوف سے مروی و منقول ہے بلکہ اس حکم کو تمام الفاظ متشابہہ میں جاری کر دیا ہے جن کے متعلق اس نے غیر متشابہہ ہونے کا دعویٰ کر رکھا ہے اور ان کے معانی و مفاہیم معلوم ہونے کا اور ہر ایک لفظ میں یہی دعویٰ کیا کہ اس کا معنی معلوم ہے اور کیفیت مجہول ہے جس طرح کہ امام مالک نے استواء کے متعلق کہا ہے۔ لیکن اس فہم و ادراک کے مطابق جو ان کے کلام میں ابن تیمیہ کو ہوا ہے۔ کہ یہ معانی اللہ تعالےٰ کے اوصاف سے ہیں اور تمام مخاطبین کو معلوم ہیں جس طرح کہ ان کو وہ اوصاف معلوم ہیں جن پر وہ باہم یہ الفاظ اطلاق کرتے ہیں کیونکہ ان کو تو وہی معنی معلوم ہیں جو ان کے اوصاف حادثہ کے مناسب ہیں

سوال۔ اگر ابن تیمیہ کی تفسیر درست نہیں ہے تو آخر امام مالک علیہ الرحمہ کے اس قول کا مطلب کیا ہے۔

جواب۔ اس سوال کا جواب تین وجوہ سے ہے۔

اول۔ جو خود ابن تیمیہ نے ذکر کیا ہے کہ اگر کہا جائے کہ الاستواء معلوم کا مطلب کیا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس لفظ کا کلام مجید میں وارد ہونا معلوم ہے جس طرح کہ ہمارے ان علماء نے یہ توجیہ کی ہے جو ان کے معانی کا علم حقیقی اللہ تعالےٰ کے ساتھ مختص مانتے ہیں۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ توجیہ ضعیف ہے کیونکہ اس صورت میں تحصیل حاصل لازم آتی ہے۔ خود سائل کو اس کا کلام مجید میں وارد ہونا معلوم تھا اسی لیے اس نے آیت تلاوت کر کے استواء کے متعلق سوال کیا۔ علامہ نبہانی ابن تیمیہ کے اس جواب کا رد کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ یہاں تحصیل حاصل نہیں بلکہ امام موصوف کا مقصد یہ ہے کہ اس کا علم حقیقی اللہ تعالےٰ کے سپرد کرنا چاہیئے اور تاویل سے گریز کرنا چاہیے۔

جواب دوم۔ ہو سکتا ہے کہ امام مالک کی مراد اپنے قول الاستواء معلوم سے یہ ہو کہ استواء کا معنی استیلاء و قہر ہے

جیساکہ خلف اور متاخرین نے کہا ہے اور یہ ہر ایک کو معلوم ہے اور شانِ الوہیت کے شایان بھی ہے۔ اور اے سائل تجھے بھی معلوم ہے لہٰذا اس کے متعلق سوال کرنے کی حاجت نہیں ہے اور الکیف مجہول کا مطلب یہ ہے کہ اس معنیٰ کے معلوم ہونے کے باوجود میں اس کو استواء کی تفسیر حتمی نہیں سمجھتا بلکہ اس کی حقیقت کا علم اللہ تعالےٰ اور اس کے ارادہ کے سپرد کرتا ہوں کیونکہ اس کی کیفیت یعنی عباد اور جمیع مخلوقات پر اس کے استیلاء اور قہر کی کیفیت ہے جس طرح کہ اس نے اس لفظ سے مراد لی ہے ہمیں معلوم نہیں ہے۔ لہٰذا اس کے متعلق اور اس قسم کے دوسرے الفاظ متشابہہ کے متعلق سوال کرنا بدعت ہے کیوں کہ ان میں اصل حکم یہی ہے کہ ان کا علم حقیقی اللہ تعالےٰ اور اس کے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے سپرد کیا جائے۔ اور جس طرح بھی اللہ تعالےٰ اور رسول کریم علیہ السلام سے وہ منقول ہیں ان پر اس کے مطابق ایمان لایا جائے۔ اور امام مالک کا اپنے قول الاستواء معلوم سے یہ مقصد نہیں ہے۔ کہ استواء بمعنی جلوس اور نشست ہے کیوں کہ اس کی اللہ تعالےٰ کی طرف نسبت کرنا قطعًا درست نہیں ہے۔ اور اسی لیے اس لفظ کی اس معنی کے ساتھ تفسیر کرنا بھی درست نہیں ہے۔ معنی معلوم وہی ہے جو اللہ تعالےٰ کی جناب والا کے شایانِ شان ہو۔ اور لفظ کی تفسیر اس معنی کے ساتھ درست ہو۔ اور ایسا معنی فقط استیلاء و قہر ہی ہے البتہ امام مالک نے اس کو عوام کے علم و معرفت پر چھوڑا اور صراحتًہ ذکر نہ فرمایا۔ اگرچہ یہ معنی صحیح تھا اور مقامِ الوہیت کے لائق کیوں کہ ان کا مذہب، اسلاف کی مانند ہے یعنی ان الفاظ متشابہہ کی تفسیر سے گریز کرنا اور انہیں اپنے ظاہر پر چھوڑنا جیسے کہ وارد ہیں یہ جواب ظاہر بھی ہے اور مقبول بھی مگر میں نے جب اس کو ذکر کیا تو اس وقت تک یہ معلوم نہ ہو سکا کہ کوئی دوسرا شخص بھی اس جواب کو ذکر کرنے کے درپے ہوا ہے۔ بعدازاں میں نے علامہ رملی کے فتاویٰ میں اس کو ابن تلمسانی کے حوالے سے مرقوم دیکھا۔

جواب سوم۔ آپ کا مقصد یہ ہے کہ استواء حوادث تو تجھے معلوم ہے مگر اللہ تعالےٰ کا استواء جو اس آیت میں مذکور ہے اس کی کیفیت نامعلوم ہے۔ کیونکہ ہم اس کی حقیقت سے بھی بے خبر ہیں کیفیت کا تعین کیوں کر کر سکتے ہیں۔ اور یہ جواب میں نے حضرت شیخ اکبر محی الدین بن العربی کے کلام سے اخذ کیا ہے جو امام شعرانی کی کتاب "الیواقیت والجواہر" میں منقول ہے۔ امام شعرانی فرماتے ہیں کہ شیخ اکبر قدس سرہ نے فتوحات مکیہ کے باب ع۳۷۷ میں متعدد الفاظ متشابہہ جن کا ذکر ابھی آتا ہے نقل کر کے فرمایا کہ یہ سب معقول المعنی ہیں اور ان کی اللہ تعالےٰ کی طرف نسبت مجہول ہے۔ تو ان کے قول معقول المعنیٰ سے حتمًا و قطعًا یہی مراد ہے کہ ان کے وہ معانی جو حوادث کے مناسب ہیں وہ معلوم و معقول ہیں۔ کیونکہ جو معانی اللہ تعالےٰ کے شایانِ شان ہیں وہ بہرحال معلوم نہیں ہیں۔ تو شیخ اکبر کا یہ قول امام مالک کے قول کے قریب ہے فرق صرف اتنا ہے کہ امام مالک نے الکیف مجہول فرمایا اور شیخ اکبرؒ نے النسبۃ الی اللہ مجہولۃ فرمایا ہے۔

شیخ اکبر کا مسلک الفاظ و صفاتِ متشابہہ کے متعلق اور امام مالک سے ان کی موافقت

امام مالک علیہ الرحمہ کے قول کا جو مقصد و مطلب ہم نے بیان کیا ہے شیخ اکبر رضی اللہ عنہ کے قول سابق کے علاوہ ان کا یہ قول بھی اس کی تائید کرتا ہے جو انہوں نے فتوحات کے باب ع۳ میں ذکر فرمایا ہے۔

اچھی طرح جان لیجئے کہ اللہ تعالےٰ نے اپنے جتنے اوصاف بیان فرمائے ہیں مثلًا خلق و ایجاد۔ احیاء و اماتت، منع و عطاء۔ مکر و استہزاء اور کید۔ فرح و تعجب، غضب و رضا، ضحک و بشاشت، قدم و ید اور یدَین و ایدی۔ عین و اعین و غیر ذالک یہ سب صحیح اور درست نعت ربانی ہیں کیونکہ ہم اپنی طرف سے اللہ تعالےٰ کو ان کے ساتھ موصوف و متصف نہیں ٹھہرا رہے ہیں۔ بلکہ اللہ تعالےٰ نے ہی ہماری پیدائش سے قبل اپنے رسل کرام کی زبانی اپنے ان اوصاف کا ذکر فرمایا ہے۔ اللہ تعالےٰ بھی سچا ہے اور اس کے تمام رسل کرام بھی سچے ہیں لیکن ان کے معانی وہی درست ہوں گے جو اللہ تعالےٰ کے علم میں ہیں اور ذات باری جن کے اہل و لائق ہے۔ ہمارے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ ہم ان میں سے کسی کا رد و انکار کریں یا اس کی کیفیت متعین کریں یا اس کی نسبت اللہ تعالےٰ کی طرف کریں ان وجوہ کے لحاظ سے جن کے ساتھ انہیں اپنی طرف منسوب کرتے ہیں۔ بلکہ ان وجوہ کے ساتھ ان کی طرف نسبت کریں گے جو اس کی شانِ رفیع کے لائق ہے اور پناہ بخدا کہ اپنے اپنے علم اور دانست کے مطابق ان کو اللہ تعالےٰ کی طرف منسوب کریں کیونکہ ہم اس جہان میں اس کی ذات سے بے خبر ہیں۔ اور آخرت میں معلوم نہیں کہ کیا حالت ہو گی (انتہیٰ کلام الشیخ الاکبر) شیخ موصوف کی اس مسئلہ میں متعدد عبادات ہیں جو احسن طریقہ پر مقصد کو ادا کرتی ہیں۔ جن میں سے اکثر کو امام شعرانی نے الیواقیت والجواہر میں ذکر کیا ہے جن کا مرجع و مآل دوسرے عرفاء اور جمہور اہل السنت، اسلاف اخلاف، متقدمین و متاخرین کی عبارات کی مانند یہی ہے کہ ان سب کا علم حقیقی اللہ تعالےٰ اور رسول مقبول علیہ السلام کی طرف تفویض کیا جائے۔ اور ان کے ظاہری معانی حادثہ سے ذات باری تعالےٰ کو منزہ و مبرا تسلیم کیا جائے جو کہ اس کی شانِ ارفع و اعلیٰ کے لائق نہیں ہیں۔ اگرچہ بعض اہل السنت ان الفاظ متشابہہ سے مجسمہ و مشبہہ کے استدلال و احتجاج کو مدِ نظر رکھتے ہوئے ان کی ایسی تاویل کرتے ہیں جو شان الوہیت کے لائق ہے اور لغت عرب کے بھی مطابق ہے جس کے ساتھ اللہ تعالےٰ نے اپنے بندوں کو خطاب فرمایا ہے۔ تاکہ ان کے شبہات بھی دور ہوں اور معانی ظاہرہ کا اللہ تعالےٰ کے حق میں محال ہونا بھی واضح ہو جائے۔

متشابہات کے معانی حقیقیہ معلوم ہونے کا دعویٰ صرف ابن تیمیہ نے کیا ہے

الفاظ و کلمات مذکورہ کو متشابہات سے شمار نہ کرنا اور ان کے معانی حقیقیہ جو صفات باری تعالےٰ سے ہیں ان کے معلوم ہونے کا دعویٰ کرنا اور یہ کہنا کہ ان سے مراد وہی معانی ہیں جو ظاہری طور پر مفہوم و معقول ہیں اور حوادث کے مناسب و لائق ہیں

اگرچہ فقط ان کی کیفیت ہمیں نامعلوم ہے تو اہل سنت میں سے کسی شخص نے یہ قول نہیں کیا۔ اور ابن تیمیہ کی کتاب کے علاوہ میں نے کسی کتاب میں یہ قول نہیں دیکھا۔ اور اسی معنی کی وجہ سے مجسمہ، مشبہہ اور قائلین جہت گمراہ ہوئے ہیں۔ ہمیں اس سے زیادہ اس فاسد قول اور عاطل نظریہ کا رد کرنے کے لیے تطویل کلام اور اقوالِ علماء اعلام نقل کرنے کی ضرورت نہیں ہے اور نہ اس کے وساوس واوہام سے ہونے کا بیان کرنا ضروری ہے جس کی وجہ سے ابن تیمیہ اور اس کے متبعین نے عقائد اسلام اور مذہب اہل السنت کی مخالفت کی ہے کیونکہ کتب کلامیہ میں اسلاف واخلاف سے منقول ہر عبارت مجھے اس تطویل واطناب سے مستغنی کر دیتی ہے۔ اور ان میں سے ہر عبارت اپنی زبان حال سے جو کہ زبان قال سے بھی افصح ہے یہ اعلان کر رہی ہے کہ ابن تیمیہ اور اس کی جماعت سخت خطا کار ہے اور فحش غلطی میں مبتلا۔ اور ہم کہتے ہیں کہ اس شرذمہ قلیلہ اور طائفہ حقیرہ رذیلہ نے اللہ تعالےٰ کے حق میں جن معانی واوصاف کا اعتقاد اپنا رکھا ہے وہ چونکہ حوادث ومخلوق کے مناسب ہیں لہٰذا ان کا یہ اعتقاد دینِ اسلام کے احکام سے نہیں ہے۔ اور نہ ہی اللہ تعالےٰ اور اس کا رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم اس پر راضی ہیں (بلکہ ان کی ناراضگی اور سخط وغضب کا موجب ہے نعوذ باللہ من ہذا الاعتقاد الفاسد والفکر الکاسد)

باب ۵

اس باب میں "اغاثۃ اللہفان فی مصاید الشیطان"، تصنیف شمس الدین محمد بن القیم حنبلی دمشقی۔ الصارم المبکی مولفہ حافظ شمس الدین بن عبدالہادی حنبلی دمشقی تلمیذ ابن تیمیہ اور جلاء العینین فی محاکمۃ الاحمدین یعنی علامہ ابن حجر اور ابن تیمیہ مولفہ نعمان آفندی آلوسی حنفی بغدادی پر کلام کیا گیا ہے۔ اور یہ باب تین فصلوں پر مشتمل ہے اور ہر مذکورہ کتاب پر علیحدہ فصل میں تبصرہ کیا گیا ہے۔

ابن القیم کا قبور انبیاء کرام اور اولیاء عظام کی زیارت کرنے والوں اور متوسلین ومستغیثین کو مشرک قرار دینا

فصل اوّل

میں اغاثۃ اللہفان فی مصاید الشیطان پر کلام کیا گیا ہے۔ ابن القیم نے اپنی اس کتاب میں مکائد شیطان پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا کہ اس کے بہت بڑے مکر اور فریب ہیں جن میں سے ایک عظیم مکر وفریب جس کے ذریعہ سے اس نے اکثر لوگوں کو ضلالت و گمراہی میں مبتلا کر دیا ہے اور صرف وہی معدودے چند آدمی اس کے چنگل سے نجات پا سکے ہیں جن کے ابتلاء کا اللہ تعالےٰ نے ارادہ نہیں فرمایا تھا اور وہ ہے فتنہ قبور کا جس کے متعلق شیطان نے قدیم ایام میں اور اس زمانہ میں اپنے اولیاء اور حزب خاص کی طرف وحی والہام کیا ہے۔

اور اس دعویٰ کے اثبات میں ابن القیم نے صنم پرست لوگوں کے عمل وکردار کو ذکر کیا کہ پہلے پہل ان لوگوں نے صرف قبور اکابر کی پرستش شروع کی۔ اور ان کی تصاویر بنا کر وہاں نصب کر دیا کرتے تھے۔ پھر ان صورتوں کو پوجنا شروع کر لیا اور ان کو اصنام واوثان بنا لیا۔ اور اس ضمن میں وارد احادیث کو ذکر کیا جن کے اندر قبروں کو مساجد بنانے سے منع کیا گیا ہے۔ اور ان کو محل عید بنانے سے روکا گیا ہے۔ اور اس معنی ومفہوم پر ادل آیات کو بھی ذکر کر کے اس بحث کو بہت طول دیا اور ان آیات و احادیث کو زیارت القبور کی ممنوعیت اور اصحابِ قبور یعنی انبیاء ومرسلین اور اولیاء کاملین کے ساتھ توسل واستغاثہ اور طلبِ شفاعت کی حرمت اور عدم جواز پر دلیل بنایا۔ اور اس تفسیر بالرای کے ذریعے ان افعال کے مرتکب حضرات کو مشرک قرار دے دیا ہے۔

پھر کہا کہ جب کوئی مشرک ان کے ساتھ شرکیہ افعال کرے ان کو شفیع من دون اللہ اعتقاد کرے اور یہ سمجھے کہ میرے ان افعال کی وجہ سے یہ مقبولانِ بارگاہِ خداوندی اللہ تعالےٰ کی جناب میں حاضر ہو کر اس کے لیے شفاعت کریں گے تو ایسا شخص اللہ تعالےٰ کے حقوق سے بہت ہی بے خبر ہے اور اس کے حق میں واجب اور ممتنع امور سے قطعًا غافل ہے کیونکہ یہ امر قطعًا ممتنع ہے (اور اللہ تعالےٰ کے ہاں ان میں سے کوئی بھی اس کی شفاعت کرنے کے قابل نہیں ہے) اور اس جہالت وضلالت کا سبب یہ ہے کہ ان لوگوں نے رب العزت کو امراء وملوک پر قیاس کر رکھا ہے کہ جس طرح ان کی بارگاہ تک رسائی کے لیے ان کے خواص اور احباب کو وسیلہ بنایا جاتا ہے جو ان متوسلین کے لیے شفاعت کرتے ہیں اور حاجت برآری اور حصول مقاصد میں کام آتے ہیں (اسی طرح گویا اللہ تعالےٰ کی جناب میں بھی خواص واحباب کا توسل ضروری ہے)

اور بعد ازاں اس قیاس کو باطل اور غلط ثابت کرنے کے لیے بہت زور لگایا اور رنگین عبارات۔ ادیبانہ طرز تحریر کا سہارا لینے کے ساتھ ساتھ ایسی بہت سی آیاتِ کلام مجید ذکر کیں جو بت پرست مشرکین کے حق میں نازل ہوئی تھیں، ان میں اپنے زعم فاسد کے مطابق تعمیم کر کے قبور انبیاء وصالحین کی زیارت کرنے والوں کو بھی ان میں داخل کر دیا۔ اور ان کے ساتھ قضاء حوائج میں توسل واستغاثہ کرنے والوں اور ان سے شفاعت کی التجاء کرنے والوں کو بھی بت پرست مشرک قرار دے دیا۔

(چونکہ اس کے پیش کردہ جملہ ادلہ کا جواب پچھلے ابواب میں تفصیلاً آچکا ہے۔ لہٰذا دوبارہ اس کو یہاں ذکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ (یہاں صرف اس کی ذہنیت اور مطمحِ نظر کی وضاحت مطلوب تھی اس لیے اجمالاً اس کا دعویٰ اور طرز استدلال ذکر کر دیا ہے) اس فصل کے بعد اس نے ایک دوسری فصل میں انتہائی فحش اور قبیح، شنیع اور فظیع عبارت ذکر کی ہے۔ اور بیبا کی وجسارت کی انتہا کر دی ہے۔

مزارات انبیاء واولیاء کی تعظیم اور ابن القیم کا نظریہ

فصل: قبورِ انبیاء واولیاء علیہم السلام کو عید بنانے کے مفاسد کو صرف اللہ تعالےٰ ہی جانتا ہے۔ اور ہر وہ شخص جس کے دل میں اللہ تعالےٰ کا وقار ہے اور توحید باری کے لیے غیرت مندی اور شرک کے لیے دل میں نفرت وناپسندیدگی کے جذبات ہیں وہ ان امور کو دیکھ کر غضب ناک ہوتا ہے لیکن جن کے دل روح توحید سے خالی ہو کر مردار بن چکے ہیں ان کے لیے یہ زخم موجب درد والم نہیں ہو سکتے۔

ان قبور کو عید بنانے کے مفاسد میں سے فی الجملہ یہ مفاسد ہیں۔ ان کی طرف نماز پڑھنا ان کا طواف کرنا۔ انہیں بوسہ دینا ہاتھ لگانا۔ رخساروں کو ان کی تربت پر خاک آلود کرنا۔ اصحابِ قبور کی عبادت کرنا، ان سے فریاد رسی کی درخواست کرنا، نصرت واعانت صحت وعافیت اور رزق رسانی اور قضاءِ دیون کا مطالبہ کرنا۔ مشکلات کو دور کرنے اور مصیبت زدگان کی مدد کو پہنچنے کی اپیل کرنا وغیرہ اور یہ ایسے مطالبات ہیں جو بت پرست مشرک اپنے اصنام واوثان سے کیا کرتے تھے۔

اگر ان مقابر کو عید بنانے والوں کو دیکھو تو جونہی انہیں دور سے مقابر نظر آتے ہیں وہ اپنی سواریوں سے اتر پڑتے ہیں۔ اور ان کی تعظیم وتکریم کے لیے اپنی پیشانیاں زمین پر رکھتے ہیں۔ زمین بوسی کرتے ہیں اور سروں سے دستاریں وغیرہ اتار لیتے ہیں آہ وزاری کے ساتھ آواز بلند کرتے ہوئے۔ اور رونے والوں کی صورت بنائے، گلوگیر آواز کئے ہوئے ان مقابر کے قریب آتے ہیں۔ اور سمجھتے ہیں کہ وہ حجاج کرام سے بھی زیادہ اجر وثواب کے ساتھ بہرہ ور ہو گئے ہیں اور ان لوگوں کے ساتھ استغاثہ اور فریاد رسی کی سعی کرتے ہیں جو نہ ایجاد وتخلیق پر قادر ہیں اور نہ اعادہ پر اور وہ انہیں پکارتے ہیں لیکن مکان بعید سے اور جب قریب پہنچتے ہیں تو قبور کے پاس دو رکعت نماز ادا کرتے ہیں۔ اور سمجھتے ہیں کہ ہم نے ان دو رکعت سے وہ اجر وثواب حاصل کر لیا ہے جو دونوں قبلوں کی طرف نماز پڑھنے والوں کو بھی حاصل نہ ہوا نہ ہو سکتا ہے۔

دیکھنے والے انہیں قبور کے گرد رکوع وسجود کی حالت میں دیکھیں گے جو ان اموات سے اپنے ان افعال کے ذریعے فضل ورضا مندی کے طلب گار ہوں گے حالانکہ انہوں نے اپنے ہاتھ خیبت وخسران اور خسارہ ونقصان کے ساتھ پر کر رکھے ہیں۔ جو آنسو وہاں بہائے جاتے ہیں وہ نہ صرف یہ کہ غیر اللہ کے لیے ہیں بلکہ شیطان کے لیے ہیں۔ وہاں آواز بلند کئے جاتے ہیں۔ اور اموات سے حاجات کو طلب کیا جاتا ہے اور انہی سے حل مشکلات اور قضا حاجات کا سوال کیا جاتا ہے۔ فاقہ زدگان کو غنی کرنے اور امراض وعوارضات میں مبتلا لوگوں کی صحت وعافیت کا مطالبہ کیا جاتا ہے۔ بعد ازاں ان مقابر کو بیت اللہ کے ساتھ مماثلت ومشابہت دیتے ہوئے ان کا طواف کیا جاتا ہے۔ جس کو اللہ تعالےٰ نے بابرکت بنایا اور عالمین کے لیے سرچشمۂ ہدایت، اور پھر ان کو اس طرح بوسہ دیتے اور ہاتھ لگاتے ہیں جس طرح تم نے کبھی حجر اسود کو بوسہ دیتے اور اس کا استلام کرتے ہوئے حجاج کرام اور وفد بیت اللہ الحرام کو دیکھا ہو۔

پھر ان قبور کے پاس ان پیشانیوں اور رخساروں کو خاک آلود کرتے ہیں جو اللہ جانتا ہے کہ اس کے حضور بھی سجود میں کبھی خاک آلود نہیں ہوتی ہوں گی۔ بعد ازاں وہاں سر منڈا کر یا بال کٹوا کر گویا وہ حج قبور کے مناسک کی تکمیل کرتے ہیں اور وہ اس صنم ووثن سے اپنا حصہ ونصیبہ وصول کرنے میں کامیاب ہوئے ہیں جب کہ ان کے لیے اللہ تعالےٰ کے ہاں کوئی حصہ ونصیبہ نہیں تھا۔ وہ اس بت کے لیے قربانیاں دیتے ہیں اور وہاں ان کی نمازیں، دیگر مناسک اور قربانیاں صرف غیر اللہ کے لیے ہیں۔ کاش تو دیکھتا کہ وہ کس طرح ایک دوسرے کو مبارک باد دیتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ اللہ تعالےٰ ہمیں اور تمہیں اجر جزیل اور حظ وافر نصیب فرمائے۔ اور جب وہ واپس جاتے ہیں تو پیچھے رہ جانے والے غالی ان سے مطالبہ کرتے ہیں کہ وہ حج بیت اللہ کا ثواب لے لے اور حج قبر کا ثواب دے دے مگر وہ کہتے ہیں ہرگز ایسا نہیں ہو سکتا خواہ تو ہر سال کے حج کا ثواب بھی دیدے۔

جو کچھ ہم نے بیان کیا ہے اس میں مبالغہ آرائی اور تجاوز سے کام نہیں لیا اور نہ ہی زائرین قبور کی تمام بدعات وضلالات کو مکمل طور پر یہاں بیان کیا ہے کیونکہ وہ ہمارے وہم وگمان اور فکر وخیال کی پرواز سے بالاتر ہیں اور ہمارے عقل وفہم کی حدود سے ماوراء۔

علماء اعلام اور ائمہ اسلام کے نزدیک قبورِ انبیاء و مرسلین اور اولیاء صالحین کا ادب و احترام

ابن القیم کی اس زہر افشانی اور بہتان تراشی کو ملاحظہ کرنے کے بعد اب امام قسطلانی شارح بخاری صاحب المواہب اللدنیہ کا کلام ملاحظہ فرمایئے جو انہوں نے مواہب میں روضۂ اطہر اور قبر انور کی زیارت کے آداب میں تحریر فرمایا۔ ہے تاکہ ہر وہ شخص جس کا دل نورِ اسلام سے منور ہے اور اللہ تعالیٰ نے اسے شکوک و اوہام کے ظلمات سے محفوظ رکھا ہے اس پر اس امام کے کلام سے پھوٹنے والے انوار اور ابن القیم کی عبارت سے مترشح ظلمت اور تاریکی میں فرق واضح ہو جائے۔ امام قسطلانی مواہب لدنیہ کے مقصد عاشر میں فرماتے ہیں۔

فصل ثانی۔ رسول کریم علیہ السلام کے روضہ اطہر اور مسجد مقدس کی زیارت کے بیان میں۔

نبی کریم علیہ السلام کے مزار پر انوار کی زیارت عظیم ترین عبادات مقبول ترین طاعات سے ہے اور اعلیٰ درجات تک رسائی کا حتمی ذریعہ و وسیلہ۔ جو شخص اس عقیدہ پر کاربند نہیں ہے اس نے اسلام کی رسی اپنے گلے سے اتار پھینکی ہے اور اللہ تعالیٰ، اس کے رسول معظم صلی اللہ علیہ وسلم اور علماء اعلام کے اجماع و اتفاق کی مخالفت کی ہے۔

ابو عمران فاسی مالکی رحمہ اللہ نے تو اس کو واجب قرار دیا ہے کہ جیسے کہ ابن الحاج نے مدخل میں علامہ عبد الحق کی تالیف تہذیب الطالب سے نقل کیا ہے۔ اور فرمایا کہ غالباً ان کا مقصد وجوب السنن المؤکدہ ہے۔

"قاضی عیاض مالکی فرماتے ہیں کہ زیارتِ روضۂ اطہر ایسی سنت ہے جس پر اہل اسلام کا اجماع و اتفاق ہے اور ایسی فضیلت ہے جس کی طرف ہر مومن و مسلم کو ترغیب دی گئی ہے۔

اس کے بعد امام قسطلانی نے بہت سی احادیث نقل فرمائی ہیں جو بارگاہِ رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حاضری اور اس کے لیے سفر کے جواز و استحباب اور اس کی فضیلتِ عظیم پر دلالت کرتی ہیں اور چونکہ ان کو تفصیلاً بیان کیا جا چکا ہے لہٰذا ان کے اعادہ و تکرار کی ضرورت نہیں ہے۔ بعد ازاں ابن تیمیہ کا رد کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

ابن تیمیہ کا رد از امام قسطلانی صاحب مواہب

شیخ تقی الدین ابن تیمیہ کا اس موضوع پر عجب قبیح و شنیع کلام ہے جو زیارتِ نبویہ کے لیے سفر کی ممنوعیت کو متضمن ہے۔ اور اس کے قربات و عبادات میں سے ہونے کی نفی و انکار پر دلالت کرتا ہے۔ بلکہ اس مقصد کے لیے قدم اٹھانے کی حرمت بلکہ کفر و شرک ہونے پر دال ہے۔ امام سبکی نے اپنی کتاب شفاء السقام میں اس کا رد کر کے اہل ایمان کے دلوں کو شفاء دی ہے۔ پھر زیارت کے آداب بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

آداب زیارت بارگاہ نبوی بزبان علامہ قسطلانی

جو شخص بارگاہِ حبیبِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کے ارادہ سے گھر سے نکلے اس کے لیے موزوں و مناسب یہ ہے کہ دوران سفر بکثرت صلوٰۃ و سلام پڑھے۔ اور جونہی مدینہ منورہ کے آثار و نشانات نظر پڑیں تو صلوٰۃ و سلام میں اور زیادہ اضافہ کرے۔ اللہ تعالیٰ سے التجاء کرے کہ اسے حبیب کریم علیہ السلام کی زیارت سے بہرہ ور فرمائے اور اس زیارت کی برکت سے سعادت دارین نصیب فرمائے۔ غسل کرے صاف ستھرے کپڑے استعمال کرے پاپیادہ چلے اور آنکھوں سے آنسو بہاتا ہوا رحمت دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے دربارِ اقدس کی طرف روانہ ہو۔

جب وفد عبد القیس نے رسول کریم علیہ السلام کو دیکھا تو اپنی سواریوں کو بٹھائے بغیر اوپر سے چھلانگیں لگا دیں اور بڑی سرعت و عجلت کے ساتھ محبوبِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے مقدس قدموں پر جا گرے مگر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر انکار نہ فرمایا۔

"قاضی عیاض نے شفاء شریف میں روایت نقل فرمائی ہے کہ ابو الفضل جوہری جب مدینہ منورہ میں زیارت کے ارادہ سے آرہے تھے تو شہر کے قریب پہنچتے ہی سواری سے اتر کر پیدل چلنے لگے اور آنکھوں سے محبت و شوق کے آنسو بھی بہاتے جا رہے تھے اور یہ شعر بھی پڑھتے جا رہے تھے ؎

وَلَمَّا رَأَيْنَا رَسْمَ مَنْ لَمْ يَدَعْ لَنَا — فُؤَادًا لِعِرْفَانِ الرُّسُوْمِ وَلَا لُبًّا
نَزَلْنَا عَنِ الْاَكْوَارِ نَمْشِيْ كَرَامَةً — لِمَنْ بَانَ عَنْهُ اَنْ نُلِمَّ بِهٖ رَكْبًا

ترجمہ:۔ جب ہم نے اس محبوب کے آثار دیار دیکھے جنہوں نے آثار رسوم کے علم و عرفان کے لیے ہمارے پاس دل چھوڑا ہے اور نہ ہی عقل تو ہم ان کی عزت و حرمت کو مدِ نظر رکھتے ہوئے پالانوں سے اتر کر پیدل چلنے لگے جن کا مرتبہ و مقام اس سے بہت بعید اور بلند ہے کہ ہم ان کے حضور سوار ہو کر حاضر ہوں۔

امام قسطلانی فرماتے ہیں کہ علامہ ابو عبد اللہ بن رشید نے فرمایا جب ہم سنہ ۶۸۴ھ میں مدینہ منورہ حاضر ہوئے تو میرا رفیق سفر وزیر ابو عبد اللہ بن ابی القاسم بن الحکیم تھا جس کی آنکھیں دکھتی تھیں جب ہم ذو الحلیفہ کے قریب پہنچے تو سواریوں سے اتر پڑے اور مزارِ اقدس کی حاضری کا شوق بہت بڑھ گیا تو وزیر ابو عبد اللہ بھی سواری سے اتر کر ہمارے ساتھ پاپیادہ چلنے لگے جب کہ وہ اس راہ شوق میں اٹھنے والے ہر قدم کو اللہ تعالیٰ کی رضا اور حصولِ ثواب کا ذریعہ سمجھ رہے تھے اور اس دیار میں تشریف فرما محبوبِ خدا علیہ التحیۃ والثناء کی تعظیم و تکریم کا باعث تو انہوں فوراً اپنی مرض میں تخفیف محسوس کی۔ اور اپنی کیفیت و حالت ان اشعار میں عرض کی ؎

وَلَمَّا رَأَيْنَا مِنْ رُبُوْعِ حَبِيْبِنَا　　بِيَثْرِبَ اَعْلَامًا اَثَرْنَ لَنَا الْحُبَّلَا

جب ہم نے طیبہ میں اپنے حبیب مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے منازل کے آثار دیکھے تو انہوں نے ہمارے دلوں میں جذبات محبت وعقیدت کو برانگیختہ کیا۔

وَبِالتُّرْبِ مِنْهَا لَمَّا كَحَلْنَا جُفُوْنَنَا　　شُفِيْنَا فَلَا بَاْسًا نَخَافُ وَلَا كَرْبًا

اور جب طیبہ کی تربت اقدس کا سرمہ ہم نے اپنی آنکھوں میں لگایا تو ہمیں فوراً شفا عطا کی گئی اب ہمیں کسی شدت و کرب کا خوف نہیں ہے۔

وَحِيْنَ تَبَدّٰى لِلْعُيُوْنِ جَمَالُهَا　　وَمِنْ بُعْدِهَا عَنَّا اُدِيْلَتْ لَنَا قُرْبًا

اور جس وقت ان عمارات کا حسن وجمال ہماری آنکھوں پر ظاہر ومنکشف ہوا تو باوجود بعد اور دوری کے ہمیں سہولت وصول کے لحاظ سے قریب دکھائی دیتی تھیں۔ اور از روئے قرب ہمارے لیے آسان کر دی گئی تھیں۔

نَزَلْنَا عَنِ الْاَكْوَارِ نَمْشِیْ كَرَامَةً　　لِمَنْ حَلَّ فِيْهَا اَنْ نُلِمَّ بِهٖ رَكْبًا

ہم اس ذات اقدس کے اعزاز واکرام کے لیے پالانوں سے اترے جو ان دیار میں محوِ آرام واستراحت ہیں تاکہ سوار ہو کر وہاں حاضری کی جسارت سے بچ جائیں۔

نَسُحُّ سِجَالَ الدَّمْعِ فِیْ عَرَصَاتِهَا　　وَنَلْثَمُ مِنْ حُبٍّ لِوَاطِئِهَا التُّرْبَا

ہم طیبہ کے عرصات اور میدانوں میں آنسوؤں کے ڈول بہاتے تھے۔ اور اس کی ترابِ اقدس کو پامال کرنے والی ذاتِ اقدس کی محبت کے پیش نظر وہاں کی خاکِ پاک کو بوسے دیتے تھے۔

وَاِنَّ بَقَائِیْ دُوْنَهٗ لَخَسَارَةٌ　　وَلَوْ اَنَّ كَفِّیْ تَمْلِكُ الشَّرْقَ وَالْغَرْبَا

اور یقیناً میرا اس محبوب کے بغیر زندہ رہنا بہت بڑا خسارہ ہے اگرچہ میرے ہاتھ شرق وغرب تک کے مالک و متصرف ہوں۔

فَيَا عَجَبًا مِمَّنْ يُحِبُّ بِزَعْمِهٖ　　يُقِيْمُ مَعَ الدَّعْوٰى وَيَسْتَعْمِلُ الْكِذْبَا

تعجب ہے اس شخص کے لیے جو اپنے زعم میں محب ہے مگر اس دعویٰ کے باوجود دیارِ محبوب سے دور قیام پذیر ہے اور اس دعویٰ میں دروغگوئی سے کام لیتا ہے۔

وَزَلَّاتُ مِثْلِیْ لَا تُعَدُّ كَثِيْرَةٌ　　وَبُعْدِیْ عَنِ الْمُخْتَارِ اَعْظَمُهَا ذَنْبَا

میری لغزشات گنتی وشمار سے زائد ہیں لیکن ان سب سے بڑی لغزش ہے تو صرف میرا اس آستاں عرش نشاں سے دور رہنا ہے۔

علامہ قسطلانی فرماتے ہیں جب میں ربیع الآخر ۸۹۲ھ میں اپنے قافلہ اور رفقاء سفر کے ساتھ بارگاہِ حبیب میں حاضری کے

ارادہ سے جا رہا تھا تو جونہی صبح کے قریب جبل احد نظر آیا جو ارواح کے لیے سامانِ فرحت مہیا کر رہا تھا اور اشباح واجساد کے لیے مژدہ وبشارت کہ دیارِ حبیب کا بلند پایہ مقام اور مزار منورہ کا عرش آستان مکان قریب ہی ہے تو زائرین دوڑے اور ایک دوسرے پر سبقت لے جاتے ہوئے اس پہاڑ پر چڑھے تاکہ جلد از جلد ان آثار کے دیدار سے مشرف ہوں۔ اور ان انوار سے قلوب و اذہان اور اشباح واجسام کو منور کریں۔ بس پہاڑ پر چڑھنے کی دیر تھی کہ انوار نبویہ کوندتی بجلی کی مانند اٹھتے نظر آئے اور معارف محمدیہ کی نسیمِ بہار کی خوشبوؤں سے مشامِ جاں مہک اٹھا۔ ہم سرتاپا ان خوشبوؤں میں بس گئے اور اشرف الخلائق کے آثار دیار کیا دیکھے کہ اپنے آپ سے ہی غائب ہو گئے اور ہم زبان قال سے کہہ رہے تھے ؎

وَرِيْحُ الصَّبَا هَبَّتْ بِطِيْبِ عَرْفِهِمْ　　اَمِ الرَّوْضُ فِیْ وَجْهِ الصَّبَاحِ يَفُوْحُ

کیا یہ بادِ صبا پاکیزہ خوشبوؤں کے ساتھ رواں دواں ہے۔ یا صبح سویرے باغ اپنے پھولوں کے ساتھ مہک رہا ہے۔

اَلَامِعُ بَرْقٍ يَغْتَدِیْ وَيَرُوْحُ　　اَمِ النُّوْرُ مِنْ اَرْضِ الْحِجَازِ يَلُوْحُ

کیا یہ چمکتی بجلی ہے جو صبح وشام آتی جاتی ہے۔ یا ارض حجاز سے نور نبوت ورسالت پھوٹ رہا ہے اور نمایاں ہو رہا ہے

اِذَا رِيْحُ ذَاكَ الْحَیِّ هَبَّتْ فَاِنَّهَا　　حَيَاةٌ لِمَنْ يَغْدُوْ لَهَا وَيَرُوْحُ

جب اس قبیلہ کے دیار سے ہوا چلتی ہے اور ان کی محبوبانہ خوشبوؤں سے مہک کر نکلتی ہے تو صبح ومسا جو بھی اس کے سامنے آتا ہے۔ اور اس کو سونگھنے کا شرف حاصل کرتا ہے تو وہ ہوا اس کو حیاتِ نو اور تازہ زندگی کا سامان مہیا کرتی ہے۔

تَرَفَّقْ بِنَا يَا حَادِیَ الْعِيْسِ وَالْتَفِتْ　　فَلِلنُّوْرِ بَيْنَ الْوَادِيَيْنِ وُضُوْحُ

اے ساربان ذرا رفق ونرمی اور آہستگی سے کام لے اور ادھر توجہ تو کر ان دو وادیوں کے درمیان کس قدر نور ظاہر ہو رہا ہے۔

فَمَا هٰذِهٖ اِلَّا دِيَارُ مُحَمَّدٍ　　وَذَاكَ سَنَاهَا يَغْتَدِیْ وَيَرُوْحُ

ہاں ہاں اے رہرو شوق یہ محمد عربی کے ہی دیار تو ہیں اور یہ نور وضیاء اور چمک ودمک انہیں کی ہے جو مسلسل صبح و شام محسوس ہوتی ہے۔

وَاِلَّا فَمَا لِلرَّكْبِ هَاجَ اشْتِيَاقُهُمْ　　فَكُلٌّ مِنَ الشَّوْقِ الشَّدِيْدِ يَصِيْحُ

اور اگر یہ محبوب کی دلغریب ودلربا منزل نہیں ہے تو پھر سواروں کے شوق میں ہیجان وتلاطم کیوں ہے اور ہر ایک شدتِ شوق سے کیوں چلا رہا ہے۔

دَانَتْ مَطَایَا الرَّکْبِ حَتّٰی کَاَنَّہَا ‌ ‌ ‌ حِمَامٌ عَلٰی قُضُبِ الْاَرَاکِ تَنُوْحُ

صرف سوار ہی نہیں بلکہ ان کی سواریاں بھی جذبات شوق سے چلا رہی ہیں گویا کہ وہ کبوتریاں ہے جو درخت اراک کی شاخوں پر بیٹھ کر نوحہ خواں ہیں۔

وَقَدْ مَدَّتِ الْاَعْنَاقَ شَوْقًا وَطَرْفُہَا ‌ ‌ ‌ اِلَی النُّوْرِ مِنْ تِلْکَ الدِّیَارِ لَمُوْحُ

انہوں نے رزرہ شوق اپنی گردنیں درِ حبیب کی طرف دراز کر رکھی ہیں۔ اور ان کی نگاہیں ان دیار سے طلوع ہونے والے نور کی طرف دیکھنے والی ہیں۔

رَأَتْ دَارَ مَنْ تَہْوٰی فَزَادَ اشْتِیَاقُہَا ‌ ‌ ‌ وَمَدْمَعُہَا فِی الْوَجْنَتَیْنِ سَفُوْحُ

انہوں نے اپنے محبوب کے آستان عظمت نشان کو دیکھ لیا ہے لہٰذا ان کا شوق و ذوق بڑھ گیا ہے۔ اور ان کے آنسو دو چشموں کی صورت میں دونوں رخساروں پر بڑی شدت وقوت سے جاری ہیں۔

اِذَا الْعِیْسُ بَاحَتْ بِالْغَرَامِ وَلَمْ تُطِقْ ‌ ‌ ‌ جَفَاءً فَمَا لِلصَّبِّ لَیْسَ یَبُوْحُ

جب اونٹوں جیسے بے عقل و بے علم جانور بھی اپنی شدّتِ محبّت و عقیدت کا اظہار کر بیٹھیں اور اس کو چھپانے سے قاصر رہیں تو پھر محبّت و الفت میں بے قرار انسان کیونکر اپنے جذباتِ شوق پر قابو پا سکتا ہے اور ان کا اظہار کئے بغیر رہ سکتا ہے۔

الغرض جب ہم دیار مدینہ اور اس کے اعلام و آثار کے قریب ہوئے۔ اس کے مقدس و مبارک ٹیلوں اور پہاڑیوں کے نزدیک پہنچے، باغاتِ مدینہ کے لطیف پھولوں کی خوشبو سونگھی۔ ہماری آنکھوں کے سامنے مدینہ منورہ کے چمکتے ہوئے انوار آئے۔ اور بارگاہِ رحمۃ للعالمین سے مسلسل انعام و اکرام اور جود و نوال کی بارش برسنے لگی اور سبھی اہلِ قافلہ سواریوں سے کود گئے اور پیدل چلنے لگے تو میری زبان ان اشعار کے ساتھ مترنم تھی۔

اَتَیْتُکَ زَائِرًا وَوَدِدْتُ اَنِّیْ ‌ ‌ ‌ جَعَلْتُ سَوَادَ عَیْنِیْ اَمْتَطِیْہِ

وَمَالِیْ لَا اَسِیْرُ عَلَی الْاَمَاقِ ‌ ‌ ‌ اِلٰی قَبْرٍ رَسُوْلُ اللّٰہِ فِیْہِ

میں آپ کے دروالا تبر زیارت کے لیے حاضر ہوا ہوں اور میری دلی خواہش یہ ہے کہ اپنی آنکھوں کی پتلیوں کو سواری بناؤں۔ اور کیا وجہ ہے کہ میں آنکھوں کے بل اس مزارِ پر انوار اور قبر منور کی طرف چل کر نہ آؤں جس میں اللہ تعالیٰ کے رسول محمد محو استراحت ہیں۔

جب میری نگاہیں قبر رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور مسجد مکرم کی زیارت سے مشرف ہوئیں تو خوشی و مسرت سے میرے آنسو آنکھوں کے پیمانوں سے چھلک پڑے حتیٰ کہ بعض دیواریں اور زمین کا کچھ حصہ ان سے بھیگ گیا اور میری زبان ان وجد آفرین اشعار کے ساتھ گنگنا رہی تھی۔

اَیُّہَا الْمُغْرَمُ الْمُشَوِّقُ ہَنِیْئًا ‌ ‌ ‌ مَا اَنَالُوْکَ مِنْ لَذِیْذِ التَّلَاقِیْ

اے شدت شوق و محبت کے رہوار کو تیز تر کرنے والے غرام و عشق مبارک ہو وہ لذیذ ملاقات جس سے تجھے محبوب نے بہرہ ور کیا ہے۔

قُلْ لِعَیْنَیْکَ تَہْمُلَانِ سُرُوْرًا ‌ ‌ ‌ طَالَمَا اَسْعَدَاکَ یَوْمَ الْفِرَاقِ

اپنی آنکھوں سے کہہ کہ وہ فرحت و سرور کی وجہ سے آنسوؤں کے چشمے بہا دیں۔ بہت طویل عرصہ انہوں نے ایامِ فرقت میں تیرا ساتھ دیا ہے۔

وَاجْمَعِ الْوَجْدَ وَالسُّرُوْرَ ابْتِہَاجًا ‌ ‌ ‌ وَجَمِیْعَ الْاَشْجَانِ وَالْاَشْوَاقِ

وجد و غم اور فرحت و سرور کو ازرہ ابتہاج و انبساط جمع کر اور تمام حاجات اور جذبات شوق و ذوق کو۔

وَمُرِ الْعَیْنَ اَنْ تُفِیْضَ انْہِمَالًا ‌ ‌ ‌ وَتَوَالٰی بِدَمْعِہَا الْمُہْرَاقِ

اور آنکھ کو حکم دے کہ وہ آنسوؤں کے ساتھ جاری ہو جائے۔ اور مسلسل آنسو بہاتی رہے۔

ہٰذِہٖ دَارُہُمْ وَاَنْتَ مُحِبٌّ ‌ ‌ ‌ مَا بَقَاءُ الدُّمُوْعِ فِی الْاٰمَاقِ

یہ محبوبانِ گرامی کا در والا ہے اور تو ان کا گرفتار محبت۔ اب آنسوؤں کے آنکھوں میں باقی رہنے کی گنجائش کہاں ہے۔

یہں (علامہ نبہانی) نے امام قسطلانی کے کلام سے اس قدر پر اکتفا کیا ورنہ ان کا کلام اس مقام پر طویل ہے۔ انہوں نے احادیث نبویہ کے علاوہ زیارت و استغاثہ سے متعلق نفیس و کثیر فوائد نقل فرمائے ہیں اور مدینہ منورہ کی فضیلت کے دلائل جن میں سے بعض کو دوسرے مقامات پر ذکر کیا جا چکا ہے۔ مزید تفصیل کے لیے اصل کتاب کی طرف رجوع کیا جائے۔

الغرض اس امام عالی مقام کا کلام اور اس سے پھوٹنے والا نور ملاحظہ کریں۔ اس راہ ہدیٰ اور حق کا مشاہدہ کریں جو ظاہر و جلی ہے اور واضح و لائح تو اس سے اس تاریکی کی شدت و قوت کا اندازہ ہو جائے گا جو ان مبتدعین پر چھا چکی ہے اور انہیں اپنی لپیٹ میں لے چکی ہے۔ اور جب تو علامہ قسطلانی اور ابن القیم کے کلام میں مقابلہ و موازنہ کرے تو حق و باطل کے درمیان تجھے اس قدر واضح فرق محسوس ہوگا جس کے بعد براہین و دلائل کی طرف قطعاً احتیاج باقی نہیں رہے گی۔ لیکن شرط یہ ہے کہ تیرا ذوقِ سلیم ان اوہام و شکوک والے امراض سے محفوظ ہو جو ابلیس لعین اپنے اولیاء کے قلوب و اذہان میں پھونکتا ہے۔ اور ان دونوں کلاموں پر مطلع ہو کر بھی تیرا ادراک علامہ قسطلانی کے کلام کا استحسان اور ابن القیم کے کلام کا قبح محسوس نہیں کرتا تو پھر اپنے آپ پر ماتم کر کیونکہ تیرا نفس خسران مبین میں گرفتار ہے کیونکہ وہ سید المرسلین حبیب رب العالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت و الفت کی دولت و ثروت سے محروم ہے اور اگر تیرا دل اس کے برعکس ابن القیم کے کلام کو مستحسن اور علامہ قسطلانی کے کلام کو قبیح جانتا ہے تو پھر اس کی حرمان نصیبی اور خسران و خذلان کی انتہا ہے لہٰذا اس پر ماتم بھی انتہائی کرنا چاہیے۔

ابن القیم کا مکرِ ابلیسی میں گرفتار ہونا

فصل ؛ اے کاش ! ابن القیم اپنی اس کتاب میں مصاید شیطان کے بیان میں ایک فصل کا اضافہ کر کے یہ بیان کرتا۔ کہ شیطانی جالوں میں سے ایک جال اور پھندا یہ ہے کہ وہ بعض علماء کے دل میں غلو فی الدین کو مزین کرتا ہے اور استغاثہ و زیارتِ قبور جیسے افعال کے مرتکب اہلِ اسلام کو گمراہ قرار دینے کا داعیہ دل میں پیدا کرتا ہے اور اس ظلمِ عظیم کو مستحسن قرار دیتا ہے۔ اور اپنے شیطانی حیلوں بہانوں کے ذریعے ان کے دلوں میں یہ وساوس ڈالتا ہے کہ ان امور میں اللہ تعالےٰ کے ساتھ شرک لازم آتا ہے۔ حالانکہ حقیقت حال اس لعین کے وساوس کے برعکس ہے۔ اس لعین نے اس اقدام کے ذریعے ان کو اور ان کے معتقدین و مداحین کو بہت بڑا دینی نقصان و ضرر لاحق کیا ہے جیسے کہ ابن القیم، ابن عبد الهادی اور ان کے شیخ ابن تیمیہ کے ساتھ یہی معاملہ پیش آیا۔ اور علماء متاخرین میں سے بعض یعنی شیخ نجدی ابن عبد الوہاب کے دل میں یہی وسوسہ ڈالا کہ ان کی اتباع کر کے اور امت محمدیہ کے اجماعی اور متفق علیہ مسلک کی مخالفت کر کے۔ بعد از وصال قبورِ انبیاء کرام، اولیاء عظام کی زیارت، ان کے ساتھ استغاثہ و توسل اور ان کی تعظیم و تکریم جو سب امت کے نزدیک جائز و صحیح کار ثواب اور موجب اجر جزیل ہے اس کی مخالفت کر کے دینِ برحق سے شذوذ و انحراف کے مرتکب شر ذمہ قلیلہ کا امام بن سکے جس کو اسی کی طرف نسبت دیتے ہوئے وہابیہ کہا جاتا ہے اور لوگوں میں یہ شہرت حاصل کرے کہ وہ بہت بڑا اجرءت مند اور دلیر ہے اور اسے اللہ تعالےٰ اور اس کی توحید کے معاملہ میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت اور طعن و تشنیع کی پروا نہیں ہے۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے معاملہ میں اس کو کسی مخالفت کی مخالفت کا باک اور اندیشہ نہیں ہے خواہ سب اہل اسلام ہی کیوں نہ مخالف ہو جائیں۔ اور اگرچہ اس مسئلہ کا تعلق سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس سے ہی کیوں نہ ہو مثلاً آپ کی زیارت اور آپ سے استغاثہ کا معاملہ اور جملہ انبیاء و مرسلین اور اولیاء و صالحین کی زیارت اور استغاثہ کا مسئلہ۔

شیطان لعین نے ان کے سامنے اس امر کو مزین کر رکھا ہے کہ یہ سب امور توحیدِ خداوندی کے خلاف ہیں۔ اور صرف وہی لوگ اور ان کے نقش قدم پر چلنے والے موحد ہیں اور دوسرے تمام مسلمان مشرک ہیں۔ العیاذ باللہ۔

مجھے اپنے خالق و مالک حیات کی قسم شیطان کا یہ وسوسہ اور مکر و فریب اس کے جملہ وساوس اور فریب کاریوں کی نسبت زیادہ نقصان دہ ہے جن کو ابن القیم نے اپنی اس کتاب میں ذکر کیا ہے اور کیوں نہ ہو جب کہ اس نے اس وسوسہ کی وجہ سے جمہور اہلِ اسلام خواص و عوام کو گمراہ اور بدین قرار دے دیا ہے۔ اور ان سب کو اللہ تعالےٰ کے ساتھ شرک کا مرتکب قرار دے دیا ہے حالانکہ ان میں ہزار ہا ہزار ایسے افراد ہیں جو بخدا اس سے اور اس کے شیخ سے زیادہ قوی اور مضبوط توحید کے مالک ہیں۔ مثلاً وہ اولیاء کرام اور صوفیاء عظام جن کی ولایت قطعی و حتمی طور پر ثابت ہے مثلاً سیدی شیخ عبد القادر جیلانی قدس سرہ العزیز اور دیگر ائمہ دین اور اولیاء اہل اسلام جن کا ولایت اور مقام محبوبیت پر فائز ہونا اجماعی ہے اور ان کی امامت

متفق علیہ ہے ان سے کم درجہ کے علماء عاملین اور ان سے اعلیٰ درجہ پر فائز سلف صالحین اور ائمہ مجتہدین حق کا شمار ہی نہیں ہے اسی عقیدہ و نظریہ پر کار بند ہیں۔

ابن القیم کے لیے توحید و رسالت کی شہادت دینے والوں کو مشرک کہنے کا کوئی جواز نہیں ہے

اے کاش ! میری عقل و سمجھ ابن القیم کو حاصل ہوتی تو اس سے دریافت کرتا کہ اسے کس چیز نے اہلِ اسلام کو مشرک کہنے کا حق دیا ہے حالانکہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی شہادت دیتے ہیں۔ کیا محض سید الوجود صاحب شفاعت عظمیٰ۔ مالکِ مقامِ محمود اور صاحبِ حوض مورود کی زیارت کے ارادہ سے سفر اور ان کے ساتھ استغاثہ نے ان زائرین اور مستغیثین کو اللہ رب العالمین کے ساتھ شرک کرنے والوں میں شامل کر دیا ہے ؟ یہ دین کے معاملہ میں انتہائی سینہ زوری اور تعصب و تنگ نظری ہے، اہلِ اسلام پر بہت بڑی تعدی و ظلم ہے اور سید المرسلین، انبیاء کرام اور جملہ عباد اللہ الصالحین پر شرمناک جسارت ہے۔ کیا وہ محض اس زعم فاسد کی بناء پر کہ یہ امور توحید باری تعالیٰ کے اندر مخل ہیں ؟ اہل اسلام کی عزت و آبرو سے کھیل سکتا ہے ! انہیں مشرک کہہ سکتا ہے اور انبیاء و مرسلین اور اولیاء و صدیقین کی توہین و تحقیر پر دیدہ دلیری کر سکتا ہے ؟

کیا اس نے ان زائرین اور مستغیثین کے قلوب و صدور میں جھانک لیا ہے ؟ اور ان میں یہ عقیدہ دیکھ لیا ہے کہ یہ زائر ان حضرات کی الوہیت و ربوبیت کا عقیدہ رکھتے ہیں جن کی زیارت کرتے ہیں اور ان کے ساتھ استغاثہ کرتے ہیں۔ اور اس نے یہ ادب کہاں سے سیکھ لیا ہے کہ ان مقربانِ بارگاہ خداوندی کو وثن و صنم سے تعبیر کرتا ہے۔ اور ان کے زائرین کو صنم پرست اور بت پرست کہتا ہے۔ کیا اس مقام میں اس عبارت سے بڑھ کر کوئی قبیح ردی اور نکمی عبارت ہو سکتی ہے ؟ کیا صلحاء امت اور انبیاء کرام کے ارفع و اعلیٰ مقام کے لائق ایسی عبارت ہو سکتی ہے ؟ اور کیا احکام شریعت کی تبلیغ کے لیے امت محمدیہ پر اس قسم کی تغلیط و تشدید روا ہے ؟ اور رسل عظام اور علیٰ الخصوص سید اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اس طرح کی بے نیازی اور لا ابالی کا کوئی جواز ہے ؟ کیا کسی عام مسلمان کو بھی یہ زیبا ہے کہ وہ ایسی قبیح عبارات کے ساتھ امت کو خوف زدہ کرے اور سب امت کو گمراہ اور بدین کہے اور علیٰ الخصوص علماء حقیقت و شریعت کو ضال و مضل کہے۔ اور جب عام مسلمان کو یہ بات زیب نہیں دیتی تو کسی عالم اور امام کبیر کے لیے اس جسارت کا کیا جواز ہے ؟

کیا دیکھتے نہیں جس ذاتِ اقدس کی اقتداء اور اتباع و اطاعت ہم پر لازم ہے یعنی سید الموحدین امام الانبیاء والمرسلین علیہ السلام جو تمام کفار و مشرکین کے سب سے زیادہ دشمن ہیں اور دلی عداوت رکھنے والے انہوں نے بھی کفار کے ساتھ خطاب میں یہ انداز اختیار نہیں فرمایا۔ بلکہ خلقِ حسن اور ادبِ کامل کو بروئے کار لائے جس کے ساتھ اللہ تعالےٰ نے آپ کی تادیب و تربیت فرمائی اور جبلی و فطری طور پر وہ اخلاق و آداب آپ کے اندر ودیعت فرمائے۔

اللہ رب العزت کا ارشاد گرامی ہے وَاِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ بے شک تمہاری خو بو بڑی شاندار ہے۔ اور فرمان باری تعالیٰ ہے۔ وَلَوْکُنْتَ فَظًّا غَلِیْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِکَ ۔ اور اگر تم سخت طبیعت اور سخت دل ہوتے تو سب لوگ تمہارے سے الگ ہو جاتے۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام کو فرعون کے حق میں نرم گفتاری کا درس دیتے ہوئے فرمایا۔ فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّیِّنًا لَّعَلَّهٗ یَتَذَكَّرُ اَوْ یَخْشٰى ۔ تو دونوں اس کو نرم نرم بات کہو ہو سکتا ہے وہ نصیحت حاصل کر لے یا خوفزدہ ہو جائے۔

تو ابن القیم نے یہ آداب کہاں سے حاصل کئے ہیں اور اس کو یہ تعلیم و تربیت کس نے دی ہے ؟ ہاں وہ کہہ سکتا ہے اس زیورِ اخلاق سے میرے شیخ علم و شیخ طریقت ابن تیمیہ نے مجھے آراستہ و پیراستہ کیا ہے کیونکہ اس کی عبارات بھی ان اہل السنۃ والجماعت علماء اعلام کے حق میں اسی طرح کی ہیں جو اس کی بدعتِ شنیعہ اور خصلت قبیحہ کے خلاف ہیں۔ لہٰذا اس کے دونوں شاگردوں کی عبارات بھی عام اہل اسلام مستغیثین اور زائرین کے حق میں اسی روش اور انداز خطاب کے مطابق ہیں اور یہی اندازِ سخن انہوں نے علماء عاملین اور اولیاء عارفین کے ساتھ بھی اپنا رکھا ہے حتیٰ کہ ان کو دین حق سے خارج کر کے مشرکین کے ساتھ شامل کر دیا ہے۔

ابن تیمیہ اور اس کے تلامذہ کی پیش کردہ آیات و احادیث اور اقوال ائمہ کا جواب

وہ آیات و احادیث اور عبارات و اقوال علماء اعلام جن سے انہوں نے استدلال کیا ہے وہ برحق ہیں اور صادق، ان کا اہلِ اسلام میں سے کوئی شخص بھی انکار نہیں کرتا بلکہ وہ سب کے نزدیک مسلم ہیں البتہ انہوں نے جو معانی ان سے مراد لیے ہیں وہ باطل ہیں۔ اور یہ لوگ اپنے اس عمل و کردار میں ان خوارج کے بالکل مماثل و مشابہ ہیں جن کا دعویٰ یہ تھا لاحکم الا للہ، حکم صرف اللہ تعالیٰ کے لیے ہے (لہٰذا کسی غیر اللہ کا حکم قابلِ قبول نہیں ہو سکتا اس لیے ثالثی فیصلہ قبول کرنا کفر و شرک ہے) تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یہ سن کر فرمایا۔ کَلِمَةُ حَقٍّ اُرِیْدَ بِهَا الْبَاطِلُ ۔ یہ کلمہ اور جملہ برحق ہے مگر اس کے ساتھ جس مقصد و مدعا کا اثبات انہوں نے کیا وہ باطل ہے یہی حال ابن القیم، اس کے شیخ ابن تیمیہ اور اس کے استاد بھائی ابن عبدالہادی صاحب کا ہے اور ان تمام لوگوں کا جو اس ابلیسی وسوسہ کا شکار ہیں اور استغاثہ و توسل اور سفرِ زیارت کے معاملہ میں یہ لوگ انہی خوارج کی مانند ہیں۔ وہ آیاتِ کلامِ مجید اور احادیثِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ذکر کرتے ہیں اور علماء اعلام کی عبارات نقل کرتے ہیں لیکن ان سے وہ معانی مراد نہیں لیتے جو امت محمدیہ نے مراد لیے ہیں بلکہ اپنی خواہش نفس کے مطابق معانی مراد لے کر ان سے اپنی اختراعی بدعات پر استدلال کرتے ہیں اور اسلام و اہل اسلام کے لیے اذیت اور تکلیف کا سامان مہیا کرتے ہیں اور اہل اسلام کی جمعیت اور اتحاد و اتفاق کو پارہ پارہ کرتے ہیں جس طرح کہ ان خوارج نے کیا جو حضرت علی المرتضےٰ رضی اللہ عنہ اور اس وقت کے دیگر اہلِ اسلام

کے خلاف تھے۔ لہٰذا ان کے یہ دلائل فی نفسہا برحق ہیں مگر جس مدعا و مقصد کا اثبات انہیں مطلوب ہے وہ باطل ہے اور اس پر ان دلائل سے استدلال عبث محض ہے۔

جو شخص ان کی کتابوں میں موجود کلام اور انداز بیان میں غور و فکر کرے گا اس کو معلوم ہو جائے گا کہ یہ لوگ حق و باطل کے خلط ملط کرنے میں اور لوگوں کو التباس و اشتباہ میں ڈالنے کے لیے ملمع کاری میں بڑی دلچسپی رکھتے ہیں اور یہ باور کرانے کی ہر ممکن کوشش کرتے دکھائی دیتے ہیں کہ ہمارے مخالف علماء بھی ان تمام امور کے قائل ہیں جن کا انہوں نے انکار کیا ہے۔ اور ان آیات و احادیث کو نقل کریں گے جو ان امور کی ممنوعیت پر دلالت کرتی ہیں۔ حالانکہ جن احکام کو انہوں نے ذکر کیا اور ان کے مرتکب لوگوں پر طعن و تشنیع سے کام لیا ہے اور ان کو اس حق و صواب کے ساتھ خلط ملط کیا ہے جو ممنوع و محذور نہیں ہے تو ان میں سے اکثر احکام تمام اہل السنت کے نزدیک بالاتفاق ممنوع ہیں لیکن وہ اپنی عادت جبلیہ کے مطابق عوام اہلِ اسلام اور سر پھرے طلبہ پر یہی تلبیس و تخلیطِ ابلیس مسلط کریں گے کہ ان کے اختراعی بدعات کے مخالف اہل السنت بھی فلاں فلاں امور کے قائل ہیں جو کہ شرعاً ممنوع ہیں۔ اور ان پر آیات صریحہ اور احادیث صحیحہ کے ساتھ استشہاد و استدلال پیش کرتے ہیں تاکہ جو لوگ حقیقتِ حال سے بے خبر ہیں ان پر ان امور کی قباحت واضح کریں اور لوگوں کے خیال میں یہ بات بٹھا دیں کہ اہل السنت اور جمہور امت کتاب و سنت کی مخالفت کر کے ان مسائل میں جو بالاتفاق ممنوع ہیں خطاء کے مرتکب ہوئے ہیں۔ تاکہ ان مسائل میں خطائ ثابت کر کے اپنے دوسرے اختراعی مسائل میں بھی ان علماء حق کی خطائ ثابت کریں۔

مثلاً سفرِ زیارت اور استغاثہ میں اور اس طرح تخلیط و تلبیس کے ذریعے خلقِ خدا کو مغالطہ میں ڈال دیتے ہیں اور جو لوگ حقیقت حال سے ناواقف ہوتے ہیں وہ حق و باطل میں امتیاز نہیں کر سکتے۔

مجھے میرے خالقِ حیات کی قسم یہ انتہائی قبیح و شنیع تلبیس اور فریب کاری ہے اور تبلیغ شرع میں بدترین خیانت یہ بہت ہی بری خصلت و عادت ہے اور جو اس کے ساتھ موصوف و متصف ہے وہ بھی بہت برا شخص ہے۔

زیارت قبور کے متعلق مذہب اہلِ السنت کا بیان

دیکھئے یہ ہیں اہل السنت کی کتابیں جو ان تصریحات کے ساتھ بھری پڑی ہیں کہ قبور کو مساجد بنانا ممنوع ہے۔ ان کو محلِ عید بنانا حرام ہے وغیرہ وغیرہ امور جن کی ممنوعیت کتاب و سنت سے صراحۃً ثابت ہے۔ بہت سے علماء اعلام اور ائمہ اسلام نے بھی اس امر کی تصریح کی ہے اور اسی کتاب میں ان کی عبارات نقل کی جا چکی ہیں۔

لہٰذا سید المرسلین اور دیگر انبیاء و مرسلین اور اولیاء و صالحین کی زیارت کرنے والوں اور ان کے ساتھ توسل اور استغاثہ کرنے والوں پر طعن و تشنیع کا کوئی جواز نہیں ہے اور نہ ان احادیث سے استدلال اور ان کے غلط معانی و مطالب پر محمول کرنے کا کوئی جواز ہے۔

ابن القیم کے بیان کردہ افعال شنیعہ کی حقیقت

جو افعال ابن القیم نے ذکر کئے ہیں ان میں سے اکثر کا حال یہ ہے کہ اہلِ اسلام میں سے کوئی شخص بھی ان کو درست نہیں سمجھتا۔ اور بالفرض اگر بعض جاہل لوگ ان امورِ شنیع کا ارتکاب کرتے ہوں تو علماء اہل السنت ان کی ممنوعیت اور حرمت کی تصریح کرچکے ہیں مثلاً قبور کو سجدہ کرنا اور ان کے گرد طواف کرنا سب اہل السنت کے نزدیک ممنوع ہے اور بایں ہمہ اس کا وقوع بھی غیر مسلم ہے۔ علیٰ ہذا القیاس ابن القیم نے اپنی عبارت سابقہ شنیعہ میں جو کچھ ذکر کیا ہے اور لوگوں کو ان امور کے ارتکاب سے انتہائی غلیظ اور گندے الفاظ کے ساتھ ڈرایا ہے ان میں سے اکثر امور کی حالت یہی ہے کہ کوئی سنی ان افعال کو درست سمجھتا ہے اور نہ ہی ان پر عمل پیرا ہے لہٰذا ان سے اس شد و مد کے ساتھ منع کرنے اور ان کو اس طرح ہولناک قرار دینے کی کوئی ضرورت ہی نہ تھی۔

درحقیقت خطا کار اور گمراہ وہ شخص ہے جو سفرِ زیارت واستغاثہ، تعظیم نبوی اور آپ کے ادب و احترام میں مبالغہ کو ضلالت اور خطاء سے تعبیر کرتا ہے۔ اور قبرِ انور کے قرب کو مدِ نظر رکھتے ہوئے ازرہ ادب واحترام سواریوں سے اتر پڑتے۔ پیدل چلنے اور آپ کے شوق و ذوق اور محبت و الفت میں پا پیادہ چلنے کو ضلالت و گمرہی قرار دیتا ہے۔ اور اس میں کون سا انوکھا پن ہے یا کون سی ناکردنی شیٔ وقوع پذیر ہوگئی ہے حالانکہ محبت مجازیہ میں گرفتار لوگ کہتے ہیں۔

؎ وَاَعْظَمُ مَا یَکُوْنَ الْوَجْدُ یَوْمًا اِذَا دَنَتِ الدِّیَارُ مِنَ الدِّیَارِ

عظیم وجد اور عالم بیخودی اس دن ہاتھ آتا ہے جس دن دیارِ محب دیارِ محبوب کے قریب ہو جائیں۔

یہ تو حال ہے محبت عادیہ دنیوی کا تو پھر اہلِ ایمان اور پروانہائے شمعِ نبوی کی نبی اکرم شفیع مکرم حبیب اعظم، سید المرسلین حبیب رب العالمین، امت عاصی کو نارِ جہنم کے عذاب سے خلاصی عطا کرنے والے اور انواع واقسام کے انعامات و احسانات سے نوازنے والے کریم و شفیق اور رحیم و رفیق نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ محبت و الفت کا عالم کیا ہو گا؟

درحقیقت اس ساری ہرزہ سرائی کی وجہ یہ ہے کہ ابن القیم اور اس کے شیخ اور ان کے دیگر ہم مسلک لوگوں کے دلوں میں اس محبت و الفت اور عقیدت و نیاز مندی کا عشرِ عشیر بھی نہیں ہے لہٰذا وہ ان محبوں کو اس آہ و زاری میں اور قرب حبیب اور دیار حبیب پر آنسو بہانے میں کیونکر معذور سمجھ سکتے ہیں۔ اگر ان کے دلوں میں ایسی محبت کا چراغ روشن ہوتا تو وہ خود اس آہ و بکا اور گریہ وزاری میں مصروف و مشغول ہوتے اور ان عاشقانِ صادق پر ایسے کلامِ فاسد اور بیانِ باطل، بیہودہ گی اور یاوہ گوئی کے ساتھ طعن و انکار کی جرءت نہ کرتے۔

ان زائرین کرام کی جنابِ سید الاحباب میں حسن عقیدت و آداب کے باوجود اور ابن القیم وغیرہ کے اس منقبت کریمہ اور فضیلت عظیمہ سے خالی ہونے کے باوجود شیطان نے اس کے لیے اتنی گنجائش بھی نہیں چھوڑی کہ وہ ان امور کو سید السادات

علیہ افضل الصلوات کے محبوں اور عقیدت مندوں کے لیے مباح ہی قرار دے دے بلکہ اس نے ان کی آہ و بکاء اور دیارِ حبیب اور قبرِ منور کے قرب کی وجہ ازرہِ ادب سواریوں سے اترنے اور پیدل چلنے کو عظیم ترین معاصی اور بہت بڑے گناہوں میں سے شمار کردیا ہے۔ اور ان کے حق میں قابلِ نفرت اور قبیح ترین عبارات کو استعمال کرنا شروع کیا حتیٰ کہ ان کے آنسوؤں کو رب رحمٰن کی راہ میں نکلنے والے آنسو کہنے کی بجائے سبیلِ شیطان میں نکلنے والے آنسو قرار دے دیا۔ اور اس قسم کے دوسرے ہذیانات زبان پر لے آیا جو شیطان لعین نے اس کے دل میں القاء کئے تھے اور اس کا سب سے فحش اور غلیظ کلام وہ ہے جس میں سرورِ انبیاء علیہ و علیہم التحیۃ و الثناء کے مزارِ پر انوار کو صنم و وثن سے تعبیر کیا ہے۔ اور زائرین کو صنم پرست اور بت پرست کا خطاب دیا ہے۔

میں یہ گمان نہیں کرسکتا کہ کوئی مسلمان جس کو اللہ تعالیٰ نے خذلان وخسران میں مبتلا نہیں کیا اور علم و ایقان کے باوجود گمراہی میں مبتلا نہیں کیا جس طرح کہ ان مبتدعین اور ضالین و مضلین کی جماعت ہے کہ وہ ان خبیث عبارات پر مطلع ہو کر یہ عقیدہ نہ رکھے کہ ان کا قائل شدید ترین خسران و خذلان میں گرفتار ہے۔

ابن القیم وغیرہ کی اس جرءت وجسارت کا موجب اور طرفہ تماشا

ابن القیم کے اس وقاحت و بے حیائی پر جرءت وجسارت کا باعث یہ ہے اور ایسی بیہودہ گوئی جس کا اس سے پہلے اور اس کے شیخ ابن تیمیہ سے پہلے کوئی اہلِ ایمان مرتکب نہیں ہوا اس کا موجب تلبیسِ ابلیس ہے اور اس کا یہ مکروفریب کہ وہ اس طرح اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو راضی کررہے ہیں کیونکہ وہ توحیدِ رحمٰن کی حمایت وحفاظت میں یہ سب گل کھلارہے ہیں، حالانکہ وہ اس سے بے خبر ہیں کہ وہ ان اقدامات کی وجہ سے شیطان لعین کے ہاتھوں میں کھلونا بنے ہوئے ہیں۔ طرفہ تماشا یہ ہے کہ وہ زندہ یہود و نصاریٰ اور دیگر کفار کے پاس جانے کو تو کفر وشرک قرار نہیں دیتے۔ اور ان کی زیارت کے لیے سفر کرنے والوں پر کفر وشرک کا فتویٰ نہیں دیتے۔ ہم پوچھتے ہیں کہ انبیاء کرام علیہم السلام اور اولیاء عظام علیہ الرضوان کے وصال کے بعد ان کا درجہ ومقام ان یہود و نصاریٰ سے بھی العیاذ باللہ کم ہو جاتا ہے؟ سبحانک ہذا بہتان عظیم۔

میں اللہ رب العظمت کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں رسالتمآب علیہ افضل الصلوات کی شانِ اقدس میں ان مسائل کے ضمن میں ان لوگوں کا کلام دیکھنے سے قبل یہ تصور بھی نہیں کرسکتا تھا کہ کسی مسلمان میں یہ جرءت ہو سکتی ہے۔ اور میں جب سے ان عبارات پر مطلع ہوا ہوں تو اس امر میں متردد و متفکر تھا کہ میں ان کا رد بھی کردوں یا نہ؟ کبھی رد کے لیے کمرِ ہمت باندھتا تو پھر اس خوف و اندیشہ کے پیشِ نظر اس ارادہ سے باز آجاتا تاکہ کہیں رد و قدح کے ذریعے بھی میں ان فظیع و شنیع عبارات کی اشاعت و تشہیر کا موجب نہ بن جاؤں۔

لیکن جب یہ کتابیں لوگوں میں شائع ہوگئیں تو میرے نزدیک صرف یہی راستہ باقی رہ گیا کہ ان میں سے بعض امور کا ذکر کر کے رد کردوں تاکہ اہلِ اسلام ان لوگوں سے دور رہیں۔ دینِ مبین کی حمایت و نصرت کا حق بھی ادا ہو جائے اور سید المرسلین

صلی اللہ علیہ وآلہ وصحبہ اجمعین کی محبت والفت کا تقاضا بھی پورا ہو جائے اور دوسرے امور قبیحہ پر صرف تنبیہ کر دی جائے۔

مجھے اپنے خالقِ زیست کی قسم جس شیطان نے ان کے لیے ان بدعات قبیح کو مزین کیا ہے وہ بہت بڑا شیطان ہے اور گمراہ کرنے کے طریقوں سے واقفیت میں درجۂ کمال تک پہنچا ہوا ہے۔ دیکھئے کس طرح ان کے خیال میں یہ بات ڈال دی ہے کہ اس اقدام میں توحید خداوندی کی حمایت ونصرت ہے اور اس خیالِ فاسد سے اس نے ان کو انبیاء واصفیاء اور خصوصاً سید المرسلین حبیب معظم صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں بہت جری وجسور بنا دیا ہے۔ اور ان کے دلوں میں یہ وہم ووسوسہ ڈال دیا ہے کہ ان مقبولانِ بارگاہِ خداوندی کی تعظیم وتکریم، ان کی قبور کی زیارت کے لیے سفر، اور ان کے ساتھ استغاثہ وتوسل اللہ تعالیٰ کی تعظیم وتکریم اور اس کی توحید وتفرید میں مخل ہے وغیرہ وغیرہ ہذیانات اور بہتانات کی وحی بھی کی اور ان امور کے اثبات کے لیے مختلف تلبیسات ومغالطات کا الہام بھی انہیں کیا جو انہوں نے اپنی کتابوں میں لکھ دیئے اور جن کے مقدر میں ضلالت وگمرہی تھی ان کو گمراہ بھی کر دیا۔ یہ ہذیانات اور تلبیسات بظاہر تو ان کے کلام سے ہیں مگر درحقیقت وہ اسی وسواسِ خناس کی املا کرائی ہوئی اور القاء کی ہوئی ہیں۔ جو شخص ان کی اس موضوع سے متعلق عبارات اور ان میں مذکور ومندرجہ حماقات اور تہورات اور بیہودہ گوئیوں کو نظرِ دقیق وعمیق کے ساتھ دیکھتا ہے تو وہ اس میں قطعاً شک وشبہ نہیں کرتا کہ یہ ان کے افکارِ سلیمہ کے نتائج واثرات نہیں ہیں۔ بلکہ یہ اسی لعین کی کارستانیاں ہیں ورنہ جو شخص ابن تیمیہ اور ابن القیم کو جانتا ہے کہ وہ اکابر اور ائمہ دین سے ہیں کیا وہ ان کے علم وعمل، حفظ وضبط اور علوم عقلیہ ونقلیہ کی معرفت وجامعیت کو مدِ نظر رکھتے ہوئے ان ہذیانات کو ان کے حق میں درست تسلیم کر سکتا ہے جس کے عملِ شیطان ہونے میں کسی کو کلام نہیں ہو سکتا۔

لیکن معصوم ومحفوظ وہی ہے جس کو اللہ تعالیٰ کی حمایت ونصرت حاصل ہو۔ جب وہ کسی شخص پر شیطان کو مسلط کر دے اور اُسے غوایت وضلالت سے محفوظ نہ فرمائے تو علم وعمل کی کثرت قطعاً اس کے کام نہیں آسکتی۔ اور اس سے بڑھ کر خطاؤ زلل اور ضلالت وگمراہی کے قریب تر اور کوئی شخص نہیں ہو سکتا۔ اور یہی صورت حال دوسرے فرقہائے مبتدعہ کے ائمہ واکابر کو پیش آئی کیونکہ وہ بھی اکابر علماء میں سے تھے لیکن اللہ تعالیٰ نے جب ان کو شیطان لعین کے مکر وخداع سے نہ بچایا تو وہ ضلالت وگمراہی اور ہوائے نفس کے راستوں پر چل نکلنے اور ابن تیمیہ کی یہ بدعت بھی اسی طرح کی بدعات شنیعہ میں سے ہے اگرچہ ابن تیمیہ اور اس کی جماعت بنسبت دوسرے مخالف فرقوں کے اپنے مخالفین کے حق میں طعن وتشنیع میں زیادہ بیباکی اور وقاحت کا مظاہرہ کرنے والے ہیں۔

واللہ یغفر لنا ولہم۔

بارگاہ خداوندی میں قضاء حاجات کے لیے انبیاء وصالحین کے ساتھ توسل کو بادشاہ وقت کی بارگاہ میں وزراء مملکت اور خواصِ دربار شاہی کے ساتھ توسل کے مماثل ومشابہ قرار دینے پر ابن القیم کے اعتراض کا ردوقدح اور اس تمثیل کا بیان جواز

ابن القیم نے اغاثۃ اللہفان کے ص۱۱۶ پر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں شفاعت واستغاثہ کے معاملہ میں ملوک اور ان کے وزراء

اور خواص مجلس پر قیاس کو جس طرح مزخرف اور ملمع کی عبارات کے ساتھ رد کیا ہے اور اس میں طول طویل تقریر کی ہے وہ غلط محض ہے کیونکہ یہ تمثیل وتشبیہ ہے (اور محض تفہیم وتعلیم کے ارادہ سے اس کو ذکر کیا جاتا ہے۔ نیز اس میں مفردات کی ساتھ تشبیہ نہیں ہے۔ بلکہ مجموعی حالت کو دوسری مجموعی حالت وکیفیت کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے) اور ایسی تمثیلات خود کلام مجید میں واقع ہیں مثلاً اللہ تعالیٰ کلام مجید میں فرماتا ہے۔ مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ فِيْهَا مِصْبَاحٌ حالانکہ نور چراغ کو اللہ تعالیٰ کے نور سے کیا نسبت ہو سکتی ہے؟ لہٰذا ملوک دنیا کو احکم الحاکمین سے اگرچہ کوئی نسبت نہیں (لیکن نطاقِ بیان کی تنگی اس قسم کی تمثیلات کی متقاضی ہوتی ہے) لہٰذا کتاب اللہ اور سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں اس قسم کی تمثیلات کے بکثرت وارد ہونے اور دینوی واخروی امور میں ان تمثیلات کے شائع وذائع ہونے کے باوجود اس انکار کی کوئی وجہ وجیہ نہیں ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ کے اسماء طیبہ میں ملکِ اور ملیک بھی ہے اور آیات واحادیث قدسیہ میں اللہ تعالیٰ کا اپنی ذاتِ مقدسہ کو ملک کے ساتھ موصوف کرنا ثابت ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی اَنَا الْمَلِكُ لَا مُلْكَ الْيَوْمَ لِغَيْرِيْ۔ میں ہی بادشاہ ہوں اور آج کے دن میرے علاوہ کسی کے لیے ملک وسلطنت نہیں ہے۔ نیز اللہ تعالیٰ کا اپنے آپ کو اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى کے ساتھ موصوف فرمانا بھی اسی تمثیل وتشبیہ پر مبنی ہے۔ اور اس استواء کی حقیقت ہمیں معلوم نہیں ہے اگرچہ عرش باعتبار لغت کے بادشاہ کے تخت کو کہتے ہیں۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم اور اپنی عظمت کا تعارف اس انداز میں کرایا ہے تاکہ لوگ اپنے دل ودماغ میں موجود عظمت ملوک وحکام پر قیاس کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی عظمت کا تصور کر سکیں اگرچہ عظمت الوہیت کے ساتھ ملوک وسلاطین دنیا کی عظمت کو کیا نسبت ہو سکتی ہے؟ الغرض اس قسم کی تمثیلات میں نہ عقلاً کوئی مانع ہے اور نہ ہی شرعاً۔

ابن القیم کے اس تمثیل کو ممنوع ٹھہرانے اور اس کی قباحت وشناعت کے بیان میں انتہائی تطویل سے کام لینے کی صرف اور صرف یہ وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی جناب میں اس کے خواص العباد اور مقربانِ بارگاہِ ناز یعنی انبیاء ومرسلین اور اولیاء وصالحین کے ساتھ توسل کا جواز ثابت ہوتا ہے اور علی الخصوص حبیب معظم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ توسل کا جواز کیونکہ وہ بلاتشبیہ وتمثیل بروزِ قیامت بوقتِ شفاعت بمنزلہ وزیر اعظم ہوں گے جیسے کہ احادیث میں وارد ہے جب کہ اللہ تعالیٰ فرمائے گا میں ملک ہوں اور میں جبار ہوں آج کے دن میرے علاوہ اور کسی کے لیے ملک وسلطنت نہیں ہے۔

ابن القیم کا اس ردوقدح میں متضاد رویہ اور اس کے کلام میں باہم تخالف کا بیان

ابن القیم نے یہی قیاس خود اپنی کتاب "جلاء الافہام فی فضل الصلوٰۃ والسلام علی محمد خیر الانام" میں ذکر کیا ہے جیسے کہ میں نے اس کی کتاب سے نقل کر کے اس کو اپنی کتاب سعادۃ الدارین کے باب ۱۰ میں فوائد درود وسلام اور اس کے ثمرات

کے بیان میں ذکر کیا ہے۔ عبارت کا مفہوم یہ ہے درود وسلام کا انتالیسواں فائدہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر امت کی طرف سے درود وسلام دعاء ہے اور بندے کا اللہ تعالے سے سوال اور دعا دو قسم پر ہے۔ اول بندے کا اللہ تعالے سے اپنے حوائج اور اہم معاملات کا سوال کرنا اور شب و روز درپیش حوادث ووقائع میں التجاء کرنا۔ تو یہ دعاء سوال ہے اور بندہ کی طرف مطالب ومقاصد اور پسندیدہ امور کو ترجیح دینا ہے دوم یہ ہے کہ بندہ اللہ تعالے سے سوال کرے کہ وہ اپنے خلیل وحبیب کی ثناء وتعریف کرے۔ اور اس کے شرف وفضل اور عزت وکرامت میں اضافہ کرے اور ان کے ذکر ورفعت کو ترجیح دے۔ اور اس میں شک وشبہ کی گنجائش نہیں ہے کہ اللہ تعالے اور اس کا رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم اس امر کو محبوب رکھتے ہیں۔ لہٰذا جو شخص اپنے حاجات ومطالب پر اللہ تعالے اور رسول کریم علیہ السلام کے ہاں محبوب ترین امر کو ترجیح دے اور یہ امر اس کے نزدیک دوسرے تمام حوائج ومقاصد سے محبوب تر ہو جاتے اور بہت راجح تو گویا اس نے اللہ تعالے اور اس کے نزدیک محبوب ترین امور کو ترجیح دی ہے اور جزاء عمل کی عمل کے مطابق ہوتی ہے لہٰذا جس شخص نے اللہ تعالے اور اس کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو دوسرے امور پر مقدم کیا ہے تو لامحالہ اللہ تعالے اس کو ماسواء پر ترجیح دے گا۔

اس کو برنگ تمثیل وتشبیہ یوں سمجھئے کہ جب رعایا کے لوگ کسی شخص کو ملوک وامراء کے نزدیک مقرب ومعتمد علیہ سمجھتے ہیں اور وہ خود بھی ان ملوک ورؤساء کے نزدیک مقرب بننے کے متمنی ہوتے ہیں تو وہ اپنے رئیس وامیر اور پادشاہ وسلطان سے یہی سوال کرتے ہیں کہ اس بندہ مقرب پر انعام واکرام فرما اور جب بھی وہ اس سے یہ مطالبہ کرتے ہیں کہ اس پر عطیات والنعامات میں اضافہ فرما اور اس کے اعزاز واکرام میں مزید نظر عنائت اور نگاہ لطف وکرم سے کام لے تو اس کے ہاں خود ان کی منزلت ومرتبت میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ اور ان کے درجات قرب اور حظوظ وحصول عطیات میں ترقی ہو جاتی ہے۔ چونکہ وہ اس بادشاہ کی طرف سے اپنے بندہ محبوب پر انعام اکرام کے عزم وارادہ کو جانتے ہیں لہٰذا جو اسے سب سے زیادہ پیارا ہوتا ہے اسی کے لیے سب سے زیادہ انعام واحسان کے اتمام کا سوال بھی کرتے ہیں۔ اور یہ امر محسوس ومعلوم ہے کہ آخر الذکر فریق کا مرتبہ ومقام اس مطاع ورئیس کے نزدیک قطعًا اس شخص کے مرتبہ ومقام کے برابر نہیں ہو سکتا جو اس سے صرف اپنے حوائج اور ضروریات کا طلب گار ہے اور اس کے محبوب وخلیل کے لیے اور اس کے اعزاز واکرام اور اس پر احسان وانعام کے سوال سے بے رغبت وبے تعلق ہے تو پھر بتلائیے اللہ رب العزت جیسے عظیم ترین اور جلیل ترین محب سے مکرم ومعظم ترین محبوب سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے سوال ودعاء کرنے والے کا مرتبہ ومقام اللہ رب العزت کے نزدیک ان لوگوں کے برابر ہو سکتا ہے جو اس سے اس کے نزدیک محبوب ترین ذات کے لیے سوال اور دعاء نہیں کرتے ہیں؟

اگر درود شریف کے برکات وفوائد میں سے اور کوئی فائدہ وثمرہ بھی درود بھیجنے والے کو حاصل نہ ہو تو بندۂ مومن کی عند اللہ عزت ومرتبت کے لیے فقط یہی ایک فائدہ وثمرہ ہی کافی ہے۔ انتہت عبارۃ ابن القیم۔

دیکھئے اس عبارت میں خود ابن القیم نے اللہ تعالے کی جناب میں حبیب کریم علیہ السلام پر درود وسلام بھیجنے کی وجہ

سے حاصل ہونے والے قرب ومنزلت کو ملوک وسلاطین کے محبوبانِ گرامی کے قضاء حاجات کا سوال کرکے حاصل ہونے والے قرب ومنزلت پر قیاس کیا ہے تو اس قیاس کو یہاں خود استعمال کرنا اور اغاثۃ اللہفان میں اس کو ممنوع ومخدور قرار دینا کس قدر تضاد بیانی کا آئینہ دار ہے اور تناقض شاہکار۔

دراصل بات یہ ہے کہ جب یہ قیاس جلاء الافہام میں ذکر کیا تھا تو اس وقت نہ کوئی تعصب مانع نہ تھا اور نہ ہی کوئی بدعت پیش نظر تھی جس کی تائید وتقویت مطلوب ہوتی لیکن جس وقت یہ کتاب تالیف وتصنیف ہو رہی تھی تو اس وقت اپنے شیخ ابن تیمیہ کی بدعت منحوسہ اور وسوسہ مذمومہ کی تائید ونصرت مدنظر تھی اور اس کا اثبات واحقاق اس قیاس کو رد کئے بغیر ممکن نہ تھا۔ لہٰذا اس تناقض وتضاد سے آنکھیں بند کر کے یہاں اعتراض وانکار سے کام لیا۔

ائمہ اعلام اور علماء اسلام کا تمثیلات وتشبیہات استعمال کرنا

اس طرح کے قیاسات وتمثیلات علماء اعلام واولیاء کرام نے بھی اپنی عبارات میں ذکر کئے ہیں جن پر نہ کسی نے اعتراض و انکار کیا اور نہ ان کو ممنوع اور غیر مشروع قرار دیا۔

۱۔ سیدی عبدالوہاب شعرانی الکبریت الاحمر میں حضرت شیخ محی الدین ابن العربی قدس سرہ العزیز کی شہرۂ آفاق کتاب فتوحات مکیہ کے باب ۳۷۰ سے نقل فرماتے ہیں۔

"جب ذاتِ حق تعالے سلطان اعظم ہے اور ہر سلطان وحاکم کے لیے کسی مکان میں قیام واستقرار ضروری ہے تاکہ حاجت مند لوگ اس جگہ حاضر ہو کر اپنی گذارشات اور حاجات بارگاہ سلطانی میں پیش کر سکیں لیکن اللہ رب العزت مکان سے پاک ہے تو رتبہ سلطانی اور مقام حاکمیت کا تقاضا اس طرح ظہور پذیر ہوا کہ عرش اعظم کو پیدا کیا جائے۔ بعد ازاں مخلوق کو تبلایا جائے کہ اللہ عزوجل اپنی شانِ ارفع واعلی کے مطابق عرش پر مستوی ہو گیا ہے تاکہ وہ دعاؤں اور طلب حاجات میں اس طرف رجوع کریں اور یہ سب کچھ اللہ تعالے کی طرف سے عباد پر رحمت خاصہ کا اظہار ہے اور ان کے عقل وفہم کے مطابق ان سے کلام فرمانا ہے۔" (ورنہ ظاہری معنی اللہ تعالے کے حق میں محال وممتنع ہے)۔

۲۔ اسی قسم کی تمثیل وتشبیہ امام قسطلانی نے مسالک الحنفاء میں ذکر کی ہے جس کو میں نے اپنی کتاب "سعادۃ الدارین" میں بھی نقل کیا ہے فرماتے ہیں کہ امام عارف سیدی محمد بن عمر غمری واسطی نے اپنی کتاب "منح المنۃ فی التلبس بالسنۃ" میں تحریر فرمایا ہے۔

"یقین جانئیے کہ مسالک راہِ طریقت وحقیقت کے لیے ابتداء میں شب وروز درود وصلوٰۃ پر مداومت رکھنا بہت ضروری امر ہے۔ درود شریف کی کثرت ومواظبت مبتدی کے لیے سلوک میں بہت زیادہ معاون مددگار ثابت ہوتی ہے اور اللہ تعالے کے قرب کا ایسا ذریعہ اور وسیلہ بنتی ہے کہ دوسرا کوئی درود وظیفہ اس قدر ممد ومعاون اور ذریعۂ

تقرب نہیں بنتا۔"

یہی امر ہی اللہ تعالیٰ کے حریم ناز کے دروازہ کی چابی ہے کیونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہی اللہ تعالیٰ اور ہمارے درمیان واسطہ و رابطہ ہیں اور ہمیں اللہ تعالیٰ کی پہچان کرانے والے اور اس کی طرف رہنمائی فرمانے والے ہیں۔ اور واسطہ کے ساتھ رابطہ و تعلق بنسبت صاحب واسطہ کے مقدم ہوتا ہے کیونکہ واسطہ و وسیلہ ہی سلطان اعظم اور ملک معظم کے حضور حاضر ہونے کا سبب ہوتا ہے اور ذریعہ قرب اور رسول معظم صلی اللہ علیہ وسلم بھی مخلوق اور رب الارباب کے درمیان واسطہ و برزخ ہیں (اور ان کے ساتھ ربط و تعلق کا سب سے بڑا ذریعہ درود و سلام ہے لہٰذا راہرو سلوک کے لیے اس کی مداومت لازمی ہے) اور اس حقیقت کو کبھی فراموش نہ کیجئے کہ تمام مخلوق حتیٰ کہ انبیاء و اولیاء کو امداد و اعانت اور نصرت و معرفت صرف اور صرف نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے توسل سے ہی حاصل ہوتی ہے۔ سبھی کے اعمال آپ پر پیش ہوتے ہیں اور ہر ایک کے اجر و ثواب کی مانند حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اجر و ثواب حاصل ہوتا ہے کیونکہ جملہ اعمال خیر اور موجبات اجر و ثواب میں وہی واسطہ و وسیلہ ہیں " مکمل عبارت ملاحظہ فرمائی ہو تو اصل کتاب کی طرف رجوع کریں اس میں بہت بڑے فوائد مندرج ہیں۔

۳۔ عارف باللہ سیدی عبدالوہاب شعرانی اپنی کتاب العہود الکبریٰ المسماۃ "لواقح الانوار القدسیہ فی بیان العہود المحمدیہ" میں سرور کونین علیہ الصلوٰۃ والسلام پر بکثرت درود و سلام والے عہد کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

"اے برادر دینی اس امر کو روح قلب پر اچھی طرح نقش کرلے کہ بارگاہِ خداوندی میں حضوری و باریابی کے جملہ طریقوں میں سے قریب ترین طریقہ اور ذریعہ نبی و رحمت صلی اللہ علیہ وسلم پر بکثرت درود و سلام بھیجنا ہے کیونکہ جو شخص محبوبِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت خاصہ بجا نہیں لاتا اور اللہ تعالیٰ کے حریم ناز میں داخل ہونے کی تمنا کرتا ہے تو اس نے محال و ممتنع امر کا ارادہ کیا ہے اور خام خیالی کا مظاہرہ کیا ہے ایسے شخص کو بارگاہِ عظمت و جلال کے دربان حریم قدس میں کیونکر داخل ہونے دیں گے۔ کیونکہ ایسا شخص آداب الوہیت سے جاہل و بے خبر ہے اور وہ اس کسان ناداں کی مانند ہے جو سلطان معظم کی بارگاہ میں بغیر واسطہ و وسیلہ کے حاضری و باریابی کا خواہش مند ہو۔ لہٰذا اے برادرِ عزیز تجھ پر لازم ہے کہ بکثرت درود و سلام سید انام علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بارگاہ میں پیش کرے خواہ گناہوں کی آلائش سے منزہ ہی کیوں نہ ہو کیونکہ سلطان وقت کا غلام اور خدمت گار خاص اگر حالت نشہ میں بھی ہو تو کوتوال و محتسب اس کے ساتھ تعرض اور چھیڑ چھاڑ نہیں کرتے۔ لیکن جو شخص بادشاہ معظم کا خادم اور غلام نہیں خواہ وہ اپنے آپ کو سلطانی غلاموں اور خدام سے برتر ہی سمجھتا ہو لیکن جب حریم شاہی میں وسائط و وسائل کے بغیر داخل ہوگا تو نگران و محتسب کے آدمی اس کو زد و کوب کریں گے اور اس جسارت پر عقاب و عتاب کریں گے لہٰذا وسائط کا تعاون ضرور بالضرور مدنظر رہے جس طرح سلطان معظم کا غلام کے ساتھ خواہ حالت سکر میں ہی کیوں نہ ہو حاکم و والی کے اعزاز و اکرام کے پیش نظر کوئی شخص تعرض نہیں کرتا اسی طرح رسول گرامی صلی اللہ علیہ وسلم کے اعزاز و اکرام کو مدنظر

رکھتے ہوئے ان کے غلاموں کو (خواہ ناقص و کہتر اور مجرم و آثم ہی کیوں نہ ہوں) دوزخ کے موکل فرشتے نہیں پوچھیں گے۔"

الغرض تمامتر کوتاہیوں اور کمزوریوں کے باوجود حمایتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے اس قدر فوائد و منافع حاصل ہوں گے۔ جو اعمال صالح کے ڈھیروں سے بھی حاصل نہ ہو سکیں گے جب تک رسول کریم علیہ السلام کی ذات اقدس سے ایک خاص لگاؤ اور تعلق حاصل نہیں ہوگا۔

۴۔ یہی امام جلیل عارف باللہ العہود الکبریٰ میں ارشاد فرماتے ہیں۔

"رسول مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ہم اس عہدِ عام کے پابند ٹھہرائے گئے ہیں کہ ہم اس وقت تک اللہ تعالیٰ سے کسی چیز کا سوال نہ کریں جب تک اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا نہ کرلیں اور بارگاہِ رسالتمآب علیہ افضل الصلوات میں ہدیہ صلوٰۃ و سلام نہ پیش کرلیں۔ اور حمد و ثنا ہو یا صلوٰۃ و سلام ان کا دعا سے قبل وہی درجہ ہے جس طرح کہ حاجت و ضرورت سے قبل حاجت روا اور مشکل کشا کی خدمت میں ہدیہ اور تحفہ کا پیش کرنا۔"

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ارشاد فرماتی ہیں " مِفْتَاحُ قَضَاءِ الْحَاجَةِ الْهَدِيَّةُ بَيْنَ يَدَيْهَا۔" طلب حاجت و ضرورت سے پہلے ہدیہ و تحفہ پیش کرنا قضاء حاجات اور حل مشکلات کے لیے چابی کا حکم رکھتا ہے۔ لہٰذا جب ہم اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کریں گے تو وہ ہم سے راضی ہوگا اور جب حبیب کبریا صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ بےکس پناہ میں ہدیہ سلام و صلوٰۃ پیش کریں گے تو آپ ہمارے لیے اس امر کی مشکل کشائی اور حاجت روائی کے لیے اللہ تعالیٰ سے دعا کریں گے اور شفاعت فرمائیں گے اور یہی اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے۔

وَابْتَغُوْٓا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ۔ اس کی بارگاہ بے نیاز میں رسائی حاصل کرنے کے لیے وسیلہ تلاش کرو۔

ذرا حکام و سلاطین کی بارگاہوں کا خیال تو کرو وہاں حاجت روائی اور حصولِ مطالب کے لیے ایسے واسطہ کی اشد ضرورت ہے جس کو ان کی جناب میں شرفِ قرب اور درجۂ قبولیت و محبوبیت حاصل ہو تاکہ وہ قضاء حاجات کے لیے بارگاہِ شاہی میں حاضر ہو کر تمہارے لیے سفارش کرے۔ اگر تو ایسے وسائط و وسائل کے بغیر رسائی حاصل کرنے کی سعی ناتمام کرے گا تو کبھی گوہر مقصود ہاتھ نہیں آسکے گا بلکہ ناکامی و نامرادی تیرا مقدر بن جائے گی۔

اگر آپ اس حقیقت کو مزید واضح طور پر معلوم کرنا چاہیں تو یوں سمجھیں کہ جو شخص بادشاہ کا مقرب ہوتا ہے وہ ان الفاظ و القاب کو اچھی طرح سمجھتا ہے جن کے ساتھ بادشاہ کو خطاب کیا جاسکتا ہے اور وہ قضاء حاجات اور حل مشکلات کے وقت کو بھی بہتر جانتا ہے لہٰذا ایسے مقرب شخص کو واسطہ و وسیلہ بنانا سلاطین و حکام کے ادب و احترام کو ملحوظ رکھنا ہے اور جلد از جلد حوائج و ضروریات کے حصول میں فائز المرام ہونا ہے اسی طرح ہمارے جیسے لوگوں میں کب لیاقت ہے کہ وہ اللہ رب العزت کے ساتھ اندازِ کلام کے آداب اور طور طریقوں سے بخوبی واقف ہوں۔

میں نے حضرت علیؒ الخواص کو فرماتے ہوئے سنا جب بھی اللہ تعالٰے سے کوئی حاجت طلب کرو تو حبیب کریم علیہ السلام کے وسیلہ سے طلب کرو اور یوں عرض کرو، اے اللہ ہم تجھ سے بحق محمد صلی اللہ علیہ وسلم فلاں فلاں کام اس طرح کرنے کا سوال کرتے ہیں، اللہ تعالٰے نے ایک فرشتہ مقرر کر رکھا ہے جو رسول گرامی صلی اللہ علیہ وسلم کو امت کے احوال کی خبر دیتا ہے اور عرض کرتا ہے کہ فلاں شخص نے آپ کے حق اور عند اللہ مرتبہ و مقام کے توسل سے اللہ رب العزت کی جناب میں اپنی فلاں فلاں حاجت کا سوال کیا ہے چنانچہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالٰے سے اس شخص کی حاجت روائی کے لیے دعا کرتے ہیں اور چونکہ دعاء حبیب بارگاہِ مجیب میں خیبت پذیر نہیں ہو سکتی لہٰذا یقیناً اس شخص کی حاجت پوری کی جاتی ہے۔

حضرت علی الخواص نے فرمایا کہ اولیاء کرام کے توسل سے دعا کرنے کا بھی یہی حکم ہے کیونکہ فرشتہ ان کو بھی اطلاع دیتا ہے کہ فلاں شخص نے قضاء حوائج میں تمہارے ساتھ توسل اختیار کیا ہے چنانچہ وہ اس کے لیے اللہ تعالٰی کی جناب میں شفاعت کرتے ہیں واللہ علیم حکیم۔ انتہت عبارۃ الامام شعرانی۔

الحاصل ان اکابر کے حوالہ جات سے واضح ہو گیا کہ اللہ تعالٰے اور اس کے مقربانِ بارگاہ ناز کے باہمی ربط و تعلق کو واضح کرنے کے لیے اس قسم کی تمثیلات و تشبیہات درست ہیں جن کو ابن القیم جیسا صاحب علم اپنی کتاب "مصائد الشیطان" میں ممنوع قرار دیتا ہے مگر جلاء الافہام میں خود استعمال کرتا ہے۔

امام احمد کا وحدانیت اور احدیت باری تعالٰی کی وضاحت میں کھجور اور کافر کی تمثیل بیان کرنا

میں یہ عبارات ذکر کر چکا تو ابن تیمیہ کی کتاب "منہاج السنۃ النبویہ" میں ہی امام احمد کی ایک عبارت نظر آئی جو اس قسم کی تشبیہات کے جواز میں انتہائی قوی اور مضبوط دلیل ہے اور ابن قیم وغیرہ کا منہ بند کر دینے والی ہے۔ (لہٰذا اس کا یہاں درج کرنا ضروری سمجھا) امام احمد نے فرمایا کہ جہمیہ کہتے ہیں جب تم اہل سنت نے اللہ تعالٰے کی صفات بیان کرتے ہوئے اس طرح کہا۔ اللہ تعالٰے اور اس کا نور۔ اللہ تعالٰے اور اس کی قدرت۔ اللہ تعالٰے اور اس کی عظمت تو تم نے گویا نصاریٰ کا مذہب اختیار کر لیا جب یہ کہا کہ اللہ تعالٰے اور اس کا نور ازلی ہے۔ اللہ تعالٰے اور اس کی قدرت ازلی ہے یعنی اللہ تعالٰے کے علاوہ دیگر اشیاء کو بھی ازلی اور قدیم مان لیا جس طرح نصاریٰ قدماء متعددہ تسلیم کرتے ہیں (جن کو اقانیم ثلاثہ کہتے ہیں تو تمہارے اور نصاریٰ کے عقیدہ میں یکسانیت اور اتحاد و اتفاق لازم آ گیا نعوذ باللہ منہ)

امام احمد نے فرمایا کہ ہم یہ نہیں کہتے کہ اللہ تعالٰے ازلی ہے اور اس کی قدرت ازلی ہے یا اللہ تعالٰے اور اس کا نور ازلی ہے بلکہ ہم یوں کہتے ہیں کہ اللہ تعالٰے اپنی قدرت اور اپنے نور کے ساتھ ازل الآزال سے موجود ہے۔ نہ یہ کہہ

سکتے ہیں کہ کب سے قادر ہے اور نہ یہ بتا سکتے ہیں کہ کیسے قادر ہوا۔ جب کہ جہمی کا قول یہ ہے کہ تم اس وقت تک موحد نہیں ہو سکتے۔ جب تک یہ نہ کہو کہ اللہ تعالٰے موجود تھا اور دوسری کوئی شیئ موجود نہ تھی۔ کان اللہ ولا شیئ۔

ہم بھی یہی کہتے ہیں کان اللہ ولا شیئ (ذات باری تعالٰے موجود تھی اور اس کے ساتھ دوسری کوئی شیئ موجود نہ تھی) لیکن جب ہم یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالٰے ہمیشہ سے اپنی صفات کے ساتھ موجود ہے تو ہم اس وقت بھی ایک خدا بزرگ و برتر کا اقرار و اعتراف ہی کر رہے ہوتے ہیں جو تمام صفات کمال سے موصوف و متصف ہے۔ انہیں اس حقیقت سے کما حقہ آگاہ کرنے کے لیے ان کے سامنے ایک مثال پیش کرتے ہیں (کہ جب ہم کھجور کو ایک درخت کہتے ہیں تو کیا اس وقت ہم اس کے لیے اس کے جملہ اجزاء تنہ اور جڑیں شاخیں اور جالی و خوشے اور ان کا چھلکا ثابت نہیں کر رہے ہیں۔ یقیناً وہ ایک درخت بھی ہے لیکن اس کو اس کے جملہ صفات سے الگ نہیں کیا جا سکتا۔ اسی طرح اللہ تعالٰے برتر و بزرگ تر صفات کا مالک بمعہ اپنے تمام صفات کمال کے الٰہ واحد ہے۔

ہم قطعاً یہ نہیں کہہ سکتے کہ وہ العیاذ باللہ ایک وقت قدرت سے خالی تھا اور بعد ازاں اس نے اپنی قدرت کو پیدا کیا کیوں کہ جس میں قدرت نہیں وہ عاجز ہے (اور جو عاجز ہے وہ خدا نہیں ہو سکتا) نہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ وہ علم سے خالی تھا اور بعد ازاں اس نے اپنے علم کو پیدا کیا کیونکہ جس میں علم نہیں وہ جاہل ہے (اور خالقِ کائنات جاہل نہیں ہو سکتا)۔

بلکہ ہم یوں کہتے ہیں کہ وہ ہمیشہ سے علم و قدرت اور مالکیت والی صفات سے موصوف رہا ہے نہ یہ کہتے ہیں کہ کب سے ان صفات کے ساتھ موصوف ہوا اور نہ یہ کہتے ہیں کہ کس طرح موصوف ہوا۔

ایک اور مثال بھی سنتے جائیے اللہ تعالٰے نے ولید بن مغیرہ کافر کا کلام مجید میں ان الفاظ کے ساتھ ذکر فرمایا ہے۔ "ذَرْنِي وَمَنْ خَلَقْتُ وَحِيدًا"، مجھے اور اس کافر کو چھوڑ دو جس کو میں نے تنہا پیدا کیا۔ حالانکہ جس کو اللہ تعالٰے وحید اور تنہا کہہ رہا ہے اس کی دو آنکھیں بھی تھیں اور دو کان بھی۔ ایک زبان دو ہونٹ اور دو ہاتھ، دو پاؤں اور دیگر بہت سے اعضاء و اجزاء۔ لہٰذا اس کو وحید جو کہا گیا ہے تو تمام اعضاء و اجزاء اور صفات سمیت لہٰذ تمثیلات و تشبیہات سے بالاو برتر خدائے قدوس بھی واحد و احد ہے تو اپنی تمام صفاتِ کمال کے ساتھ (انتہی کلام الامام احمد)

یہاں غور کیجئے امام احمد جیسی عظیم شخصیت نے اللہ تعالٰے کی تشبیہ و تمثیل اس بادشاہ سے نہیں دی جس کے وزراء وغیرہ ہوں بلکہ جماد اور بے جان چیز یعنی کھجور اور کافر و مردود شخص یعنی ولید بن مغیرہ کے ساتھ تشبیہ دی ہے جب خدائے بزرگ و برتر اور اس کے صفات عالیہ کی تشبیہ ان جمادات اور کفار کے ساتھ درست ہو تو کیا اس کی تمثیل اور اس کے انبیاء و رسل اور اولیاء و محبوبین کی تشبیہ ملوکِ دنیا اور ان کے وزراء و خواصِ بارگاہ کے ساتھ کیوں کر درست نہیں ہو گی؟ مجھے میرے خالق حیات و زیست کی قسم اس امر کا جواز اتنا واضح ہے کہ اس میں ادنیٰ سمجھ رکھنے والا شخص بھی شک و شبہ نہیں کر سکتا چہ جائیکہ ابن قیم جیسا صاحب علم و حکمت اور دقیق النظر صاحب بصیرت بلکہ خود ابن القیم نے اس تمثیل کو جلاء الافہام میں ذکر کیا لیکن اس مقام پہ

اپنے شیخ کی بدعت کی نصرت و حمایت کے جنون نے اس کی نگاہوں کو بینائی و بصارت سے محروم کر دیا ہے۔

نیز یہی علامہ ابن قیم اپنی کتاب طریق الہجرتین میں دار آخرت میں مکلفین کے مراتب اور طبقات بیان کرتے ہوئے لکھتا ہے۔

اہلِ جنّت اٹھارہ طبقات پر منقسم ہوں گے جن میں سے پہلا طبقہ رسل کرام اور انبیاء عظام علیہم السلام کا ہے اور یہ طبقہ علی الاطلاق تمام طبقات سے ارفع و اعلیٰ اور بلند و بالا ہے۔ اللہ رب العزت کے ہاں اس کی تمام مخلوق سے مکرم ترین اور اخص الخواص رسل کرام ہیں اور وہی اس کے مقرب ترین اور جمیع عباد میں سے منتخب اور چنے ہوئے افراد ہیں۔

ان کے شرف و فضل کی یہی دلیل کافی اور برہان راضی ہے کہ اللہ تعالےٰ نے ان کو وحی احکام کے لیے مخصوص فرما دیا ان کو احکامِ رسالت کا امین بنایا اور خالق و مخلوق کے درمیان واسطہ و وسیلہ بنایا۔ ان کو طرح طرح کے اعزاز و اکرام سے نوازا بعض کو خلیل بنایا۔ بعض کو شرف ہمکلامی سے بہرہ ور فرمایا اور بعض کو اس سے زیادہ بلند مراتب و مقامات سے سرافراز فرمایا۔ بندگان خدا کے لیے خدا تعالےٰ تک رسائی ممکن ہے۔ تو انہیں کے راہِ ہدایت پر چلنے سے اور جنت تک رسائی ممکن ہے تو صرف انہیں کی اتباع و اطاعت سے اور امم و اقوام میں سے جس کو جو کرامت و عزت نصیب ہوئی ہے وہ فقط انہیں کے دست جود و نوال سے۔

الغرض وہ سب مخلوق کے لیے اللہ تعالےٰ کی بارگاہ ناز تک رسائی کا قریب ترین وسیلہ ہیں۔ اور اللہ تعالےٰ کے ہاں انتہائی بلند مرتبہ و مقام کے مالک۔ اللہ تعالےٰ کے نزدیک سب سے محبوب اور مکرم مختصر یہ کہ دنیا و آخرت کی بھلائی اور بہتری ملی تو انہیں کی بدولت اور انہیں کے ذریعے اللہ تعالےٰ کی معرفت حاصل ہوئی اور اس کی عبادت و اطاعت کی سعادت۔ اور انہیں کے طفیل۔ اہلِ ارض کو اللہ تعالےٰ کی محبت نصیب ہوئی۔

نیز اس طبقہ علیا اور زمرہ اکمل الکاملین میں بھی اولو العزم رسل کرام کو دوسرے حضرات پر رفعت و فوقیت حاصل ہے جن کا ذکر مبارک اس آیت کریمہ میں کیا گیا ہے۔

شَرَعَ لَكُم مِّنَ الدِّينِ مَا وَصَّىٰ بِهِ نُوحًا وَالَّذِي أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهِ إِبْرَاهِيمَ وَمُوسَىٰ وَعِيسَىٰ ...... الآیۃ

ترجمہ۔ تمہارے لیے اللہ تعالیٰ نے اس دین کو مشروع فرمایا ہے جس کے ساتھ حضرت نوح علیہ السلام کو وصیت فرمائی اور جو ہم نے تمہاری طرف وحی فرمایا۔ اور جس کی وصیت حضرت ابراہیم حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہم السلام کو فرمائی یہ حضرات ساری مخلوق سے بلند ترین مرتبہ کے لوگ ہیں۔ اور انہیں پر قیامت کے دن شفاعت کا دار و مدار ہو گا جو بالآخر خاتم الرسل اور افضل الانبیاء حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے سپرد کر دی جائے گی۔

(انتہت عبارۃ ابن القیم۔)

اس عبارت سے واضح ہو گیا کہ خود ابن قیم صاحب ان حضرات قدسی صفات کے ایسے اوصاف بیان کر رہے ہیں جن کے وہ صحیح معنوں میں اہل ہیں اور ان سے موصوف و متصف اور وہ خود اس امر کی صراحت کر رہے ہیں کہ رسل کرام اللہ تعالیٰ

اور مخلوق کے درمیان واسطہ و وسیلہ ہیں۔ اور دنیا و آخرت کی بھلائیاں اور بہتریاں خلق خدا کو انہیں کے مبارک ہاتھوں سے عطا ہوئی ہیں۔ تو خدا جانے اس اعتقاد کے بعد اس کو کیا سوجھی کہ اس نے اپنے شیخ و استاذ ابن تیمیہ کا اتباع کرتے ہوئے انبیاء کرام اور رسل عظام سے توسل و استغاثہ کو ممنوع ٹھہرا دیا۔ ان کو اللہ تعالےٰ اور بندوں کے درمیان واسطہ و وسیلہ بنانے، نیز دنیوی و اخروی حاجات کے حصول میں ان کو مغیث اور فریاد رس ماننے کو ممنوع قرار دیا۔ کیا یہ اس علامہ کی عبارات بلکہ اعتقادات میں ایک واضح اور کھلا تضاد نہیں ہے؟

ابن قیم کی عبارات میں ایک اور تناقض و تخالف

اس طرح کا ایک اور تناقض ابن قیم کی اس شنیع و قبیح عبارت میں موجود ہے جو قبل ازیں ذکر کی جا چکی ہے جس میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مزار پر انوار کو وثن قرار دیا ہے اور اس کی زیارت کا شرف حاصل کرنے والوں کو بت پرست اور مشرک کہا لیکن اپنے قصیدہ نونیہ میں اظہار حق کے بغیر نہ رہ سکا۔ اور یہ تسلیم کئے بغیر اس کو چارہ نہ رہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی تھی۔ اَللّٰهُمَّ لَا تَجْعَلْ قَبْرِيْ وَثَنًا يُعْبَدُ (اے اللہ میری قبر کو ایسا وثن اور بت نہ بنانا جس کی پوجا پاٹ کی جائے) اور اللہ تعالےٰ نے آپ کی دعا کو قبول فرما لیا اور مزار پر انوار کو عبادت و پرستش سے محفوظ فرما دیا۔

ابیات قصیدہ نونیہ ص ۲۷۴

۱۔ بخدا ہمیں رسول مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی مزارِ مبارک کو عید اور مسرت کے اظہار کا محل و مرکز بنانے سے منع فرمایا" تاکہ اللہ مالک جزاء کے ساتھ شرک سے ہمیں دور رکھیں۔

۲۔ اور یہ دعا کی کہ جو قبر انور آپ کے جدِ اطہر پر مشتمل ہے اس کو وثن و صنم نہ بنایا جائے۔

۳۔ تو اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعاء کو شرفِ قبولیت بخشا۔ اور اس کا تین دیواروں سے احاطہ کر لیا گیا۔

۴۔ حتیٰ کہ آپ کی دعا کی بدولت اس کے اطراف و جوانب عزت و عظمت سے ہمکنار ہیں اور محفوظ و مصئون ہیں۔

رسل کرام سے توسل و استغاثہ کا سبب

ابن قیم نے اپنی عبارت میں (جس کا ذکر سابق گذر چکا ہے) انبیاء کرام اور رسل عظام علیہم السلام کے جن اوصاف جمیلہ اور خصال حمیدہ کا ذکر کیا ہے بیشک انہی خصائص نے ہی ان کو خلائق کے قضاء حوائج کے لیے واسطہ و وسیلہ بنائے جانے کا اہل بنایا ہے۔ اور خود اس نے تصریح کر دی ہے کہ یہ مقدس ہستیاں لوگوں کے لیے اللہ تعالےٰ کی جناب میں واسطہ و وسیلہ ہیں۔ اللہ تعالےٰ نے ان کو اپنے دین کی تبلیغ اور احکامِ ہدایت کی تعلیم کے لیے واسطہ و وسیلہ بنایا تو مخلوق نے قضاء حاجات اور حل مشکلات میں ان کو واسطہ و وسیلہ بنا لیا۔ کیوں کہ اللہ تعالےٰ نے قدرت کاملہ اور حکمت بالغہ سے

کام لیا اور براہِ راست ہر فرد انسانی کو اپنے احکام شرعیہ پہنچائے۔ بلکہ اللہ تعالےٰ نے ان کی طرف رسل کرام کو مبعوث فرمایا اور ان پر احکام نازل فرمائے جو ان کی وساطت سے مخلوق تک پہنچے۔ تو جس وجہ سے اللہ تعالےٰ نے ان بندوں کو اپنے درمیان واسطہ بنایا اسی وجہ اور سبب کو مدنظر رکھتے ہوئے مخلوق نے حل مشکلات اور قضاء حاجات میں ان کو اپنے اور اللہ تعالےٰ کے درمیان واسطہ و وسیلہ بنالیا۔

سوال۔ اگر یہ کہا جائے کہ اللہ تعالےٰ اور مخلوق کے درمیان ان حضرات کے وسیلہ ہونے کا سبب کیا ہے تو جواباً گزارش ہے کہ حقیقی سبب تو اللہ تعالےٰ ہی بہتر جانتا ہے جہاں تک ہماری معلومات کا تعلق ہے تو ہمیں یہی معلوم ہوتا ہے کہ ان مقدس ہستیوں کی معرفت باللہ اور درجات و استعدادات عالیہ نیز اللہ تعالےٰ کے ساتھ ان کی مناسبت قریبہ۔ طبائع اور بواطن کی مکمل صفائی اور نورانیت اور آداب عبودیت کی معرفت تامہ ان کے اس منصب پر فائز ہونے کا سبب ہے جب کہ دوسرے لوگوں میں یہ صلاحیتیں اور استعدادیں متحقق نہیں ہوتیں جب تک کہ ان کے حلقہ غلامی میں داخل نہ ہوں۔

سب انبیاء و مرسلین میں افضل ترین مقام سید المرسلین علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کا ہے۔ آپ کے بعد دوسرے انبیاء علیہم السلام باہم اختلاف مراتب کے باوجود اس سببیت میں مشترک ہیں پھر اولیاء کاملین اور صالحین بھی ان کے طفیل اس منصب پر فائز ہیں۔ نیز اولیاء و صالحین اپنے سے کم مرتبہ لوگوں کے لیے واسطہ فیض اور وسیلہ اکرام ہونے کے باوجود اپنے سے بلند و بالا مقام پر فائز حضرات سے توسل و استغاثہ کرتے ہیں جیسے کہ انبیاء کرام علیہم السلام سید الرسل علیہ السلام کو قیامت کے دن اپنا وسیلہ بنائیں گے جس طرح احادیثِ شفاعت میں اس کی تفصیل موجود ہے۔ امام مالک نے ابو جعفر منصور کے سوال کا جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ تو اس ذات اقدس سے اپنا منہ کیوں موڑتے ہیں۔ جو آپ کا وسیلہ ہیں اور آپ کے باپ آدمؑ کا اور یہ امر روزِ روشن سے بھی واضح تر ہے کہ انبیاء علیہم السلام کا توسل ذاتِ مصطفےٰ علیہ السلام سے اور تمام اہل محشر کا بھی آپ سے توسل اللہ تعالےٰ کی بے ادبی نہیں ہے بلکہ اس کے ادب کامل کا لحاظ و پاس ہے۔ الغرض یہ امر بندوں کے نزدیک مستحسن امور میں سے حسین ترین ہے اور اللہ تعالےٰ کی جناب میں ادب کی حدِ نہایت تک رعائت کی دلیل بنتی۔ لہٰذا جنابِ الٰہی میں انبیاء کرام اور اصفیاء و اولیاء کے ساتھ توسل و استغاثہ کو ممنوع قرار دینا مردود و ناقابل اعتبار ہے۔ اور ایسا عقیدہ اور قول نامقبول اور ناقابل سماعت ہے ؂

دوسری فصل :-

اس فصل میں حافظ شمس الدین بن عبدالہادی حنبلی کی کتاب "الصارم المنکی فی الرد علی الامام السبکی" پر تبصرہ کرنا مقصود ہے جو اس نے امام سبکی کی تالیف جلیل "شفاء السقام فی زیارۃ خیر الانام علیہ الصلوٰۃ والسلام" کے رد میں اور اپنے شیخ ابن تیمیہ کی بدعت یعنی استغاثہ و توسل اور زیارت روضہ اقدس کی ممنوعیت کی تائید و تصدیق میں لکھی ہے۔

میں نے جب اس کتاب کا مطالعہ شروع کیا تو ابن عبدالہادی صاحب کی اس امام جلیل کے رد کی جرأت پر سخت متعجب ہوا بلکہ بارگاہ رسالتماب علیہ السلام میں جسارت و بیباکی پر انتہائی تعجب و حیرانگی محسوس کی کیونکہ میں نے دیکھا کہ اس نے اپنا سارا زورِ بیان صرف اس امر کے اثبات میں صرف کیا ہے کہ نبی الانبیاء علیہ وعلیہم الصلوٰۃ والسلام کو بعد از وصال کوئی زائد خصوصیت حاصل نہیں بلکہ وہ عوام اہلِ قبور اموات کی مانند ہیں العیاذ باللہ۔

اس کو جو حدیث یا جس عالم کا قول اپنے اس عقیدۂ خبیثہ کے خلاف نظر آیا تو اس نے ہر ممکن کوشش کی کہ اس کی اپنے عقیدۂ فاسدہ کے مطابق تاویل کرے یا اس کو موضوع ثابت کرے۔ یوں لگتا ہے کہ امام سبکی نے اس کے رسول و نبی کا کوئی کمال ثابت نہیں کیا بلکہ ان احادیث و آثار سے اس کے کسی دشمن کی تعریف و منقبت بیان کی ہے اس لئے یہ ایڑی چوٹی کا زور لگا کر ان کو ضعیف و ناقابل اعتداد و اعتبار قرار دینے کے درپے ہے اور اکثر مقامات پر وہ بہت زیادہ تکلف و تعسف کا مرتکب نظر آتا ہے۔ جو شخص بھی اس کی یہ کتاب مطالعہ کرے گا اس کا تاثر اور ردِ عمل یہی ہو گا کہ یہ سخت متعصب ہے اور تکلف و تعسف کا شکار۔ سخت بے باک و گستاخ ہے اور انتہائی حیلہ جو اور مکار۔ اس کا مطمح نظر اور نصب العین صرف اور صرف یہ ہے کہ اپنے شیخ ابن تیمیہ کی ہر جائز و ناجائز طریقہ سے نصرت و امداد کرے۔

یہ سب کچھ ملاحظہ کرنے کے باوجود میرے کسی گوشہ خیال میں ابن عبدالہادی کی تردید کا کوئی داعیہ پیدا نہ ہوا جب کہ اس کی بے ادبی اور گستاخی پوری طرح ظاہر تھی۔ اور امام سبکی کا کارِ خیر مکمل طور پر مجھ پر واضح تھا۔ کیونکہ میں یہ سمجھتا تھا کہ بدعت کی حکایت خواہ رد و قدح کے لیے ہی کیوں نہ ہو اس کے انتشار و اظہار کا موجب بنتی ہے۔ اور میں اسی نظریہ پر کاربند تھا کہ بے ادب و گستاخ اپنی گستاخی و اساءت کا مزہ چکھ لے گا اور محسن و نیکوکار اپنے احسان اور کارِ خیر سے مستفید ہو کر رہے گا۔ خطا کار کو اس کی خطا کافی ہے اور راہِ صواب پر گامزن کو اس کی راست روی کفایت کرے گی۔

شفاء السقام کے متعلق علماء اعلام اور مقتدایان انام کے اقوال

علاوہ ازیں امت اسلامیہ نے متفقہ طور پر امام سبکی کی کتاب شفاء السقام کو شرف پذیرائی اور قبولیت سے مشرف کیا۔ حتیٰ کہ امام قسطلانی شارح بخاری "مواہب لدنیہ" کے اواخر میں فرماتے ہیں۔

کہ سفر زیارت اور توسل بسید الخلق علیہ السلام کے متعلق تقی الدین ابن تیمیہ کا کلام انتہائی قبیح و شنیع ہے اور وہ قرب بارگاہ خداوندی یا تقرب بارگاہ رسالت پر مبنی نہیں ہے بلکہ بعد و حرمان کا موجب ہے اور امام شیخ تقی الدین سبکی نے شفاء السقام میں اس کا رد کر کے اہل ایمان کے دلوں کو شفا بخشی ہے اور ان کے زخموں کی مرہم پٹی فرمائی۔

(انتہیٰ کلام الامام القسطلانی)۔

۲۔ امام ابن حجر مکی نے اپنی کتاب "الجوہر المنظم فی زیارۃ القبر الشریف النبوی المکرم" میں ابن تیمیہ کی بدعت کا ذکر

کر کے رد و قدح کرنے کے بعد فرمایا۔ کہ ابن تیمیہ کے رد میں شیخ الاسلام، عالم الانام امام تقی الدین سبکی قدس اللہ روحہ و نوّر ضریحہ نے مستقل کتاب تالیف فرمائی ہے جس کی جلالت قدر، شان اجتہاد، صلاح و تقوی اور منصب امامت پر علماء اسلام کا اجماع و اتفاق ہے ان کی یہ کتاب افادات سے بھرپور ہے اور عمدہ و صحیح تحقیق پر مشتمل ہے انہوں نے واضح دلائل سے راہ صواب کو روز روشن کی طرح عیاں فرما دیا ہے۔ اللہ تعالے ان کی سعی بلیغ کا اپنے فضل و کرم سے اچھا بدلہ عطاء فرمائے۔ اور ان پر اپنی رحمت خاصہ اور لطف و عطا کی گھٹائیں برسائے۔ آمین۔

(ابن عبدالہادی کی جسارت پر تبصرہ کرتے ہوئے) امام ابن حجر نے فرمایا عجائباتِ زمانہ میں سے ایک عجیب امر یہ ہے کہ بعض سادہ لوح اور عامی قسم کے حنبلیوں یعنی ابن عبدالہادی نے اس امام جلیل کے رد و انکار کی جرءت کی۔ اور امام موصوف کے بیان فرمودہ حج قاہرہ اور براہین باہرہ جو پردہ نشین عفت مآب مخدرات سے بھی زیادہ لطیف و نظیف ہیں جن کو ان سے قبل کسی جن اور انسان نے ہاتھ تک نہیں لگایا اس نے ان کے روشن چہروں پر اعتراض و انکار کی گرد و غبار اڑانے کی سعی نامشکور کی ہے۔

اور اس کی ساری تقریر و تحریر سے صرف اُسی کی جہالت و نادانی ثابت ہوتی ہے۔ اور غباوت و بد دماغی کا مخفی عیب اور علم و فضل سے عاری و خالی ہونے کا پتہ چلتا ہے۔ اے کاش یہ شخص جہالت کے باوجود اللہ تعالے سے شرم و حیاء کا دامن تو نہ چھوڑتا۔ اس صورت میں عین ممکن تھا کہ تمام تر افراط و تفریط کے باوجود کبھی اپنی عقل کی طرف رجوع کرنا اس کو نصیب ہو جاتا لیکن سچ ہے ؛ اِذَا غَلَبَتِ الشَّقَاوَةُ اِسْتَحْكَمَتِ الضَّبَاوَةُ ؛ جب شقاوت و بدبختی غالب آجاتی ہے تو غباوت و غوایت راسخ و مستحکم ہو جاتی ہے۔ العیاذ باللہ۔

اے اللہ ہمیں غباوت و شقاوت سے پناہ دے اور بصد منت و زاری تجھ سے التجا ہے اے غالب قدرت والے ہمیں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے واضح ترین شاہراہِ ہدایت پر گامزن رہنے کی توفیق عطا فرما آمین۔ (انتہی کلام ابن حجر)

حق تو یہ ہے کہ ابن عبدالہادی کی کتاب کو الصارم المبکی کہنے کی بجائے الشاتم الافکی کا نام دینا زیادہ موزوں ہے۔ اس کی پوری کتاب کا ماحصل یہ ہے کہ اس کو اپنے شیخ ابن تیمیہ کی بدعت کی امداد و اعانت کے مذہبی جنون اور حمیت جاھلیہ نے امام سبکی کے رد پر برانگیختہ کیا۔ اور اس مشقت شدیدہ میں مبتلا کیا۔ چنانچہ اس نے ان احادیث کے راویوں کا تتبع کیا جن کو امام سبکی رحمہ اللہ تعالے نے شفاء السقام میں ذکر کیا۔ اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سفر زیارت کی مشروعیت اور جواز پر ان سے استدلال کیا۔ اور صرف اس امام موصوف نے ہی ان روایات کو ذکر نہیں کیا بلکہ تمام متقدمین و متاخرین علماءِ اعلام اور ائمہ اسلام جنہوں نے اس موضوع پر کتابیں تالیف فرمائی ہیں ان تمام اکابرین نے ان روایات کو سند و دلیل بنایا ہے۔ اور ان تمام روایات یا ان میں سے بعض کو اپنی کتابوں میں درج فرمایا (اور اس طرح انکی صحت کو تسلیم فرمایا) مگر اس معاند نے ان تمام روایات کو ناقابل اعتبار و اعتداد قرار دینے کی ہر ممکن کوشش کی لیکن تمام تر تعصب اور

ہٹ دھرمی کے باوجود اور اہلِ حق اور حقِ صریح پر طنز و تنقید کے باوصف بعض روایات کے متعلق اس کو یہ تسلیم کئے بغیر چارہ نہ رہا کہ ان کی فی الجملہ اصل اور بنیاد ہے۔ اور وہ (اصطلاحِ محدثین کے مطابق) صحیح نہ سہی لیکن موضوع بھی نہیں ہیں بلکہ ضعیف ہیں۔

حالانکہ اس کے شیخ و استاد نے جب اس بدعت کا ارتکاب کیا اور ہر حیلہ و بہانہ سے اس کی حفاظت و حمایت کا دم بھرنے لگا تو اس نے زیارت سید المرسلین علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے جواز و مشروعیت بلکہ استحباب پر دلالت کرنے والی جملہ روایات کو یک جنبش قلم موضوع و من گھڑت اور ناقابلِ التفات و اعتناء قرار دے دیا۔ (تو گویا اس تلمیذ عنید نے اپنے شیخ کی تائید و تصدیق کرتے کرتے خود ہی اس کی تردید کر دی کیونکہ کسی ایک سند کے ضعف سے مطلقاً مضمون حدیث اور دیگر اسانید کا ضعیف و ناقابل اعتبار ہونا لازم نہیں آتا)۔

اسی لیے امام سبکی رحمہ اللہ تعالے نے ارشاد مصطفوی "مَنْ زَارَ قَبْرِيْ وَجَبَتْ لَهُ شَفَاعَتِيْ" کی متعدد سندیں نقل فرمائیں جن میں سے ایک سند بعض راویوں کے ضعیف ہونے کی بنا پر ضعیف تھی لیکن اس ضعف کا جواب دیتے ہوئے انہوں نے فرمایا کہ یہ روایت اس سند و طریق سے اگر ضعیف ہو تو حاشا للہ کہ اس سے مطلقاً یہ روایت ضعیف قرار پائے۔ کیونکہ اس نوع کی متعدد احادیث ضعیفہ کا موجود ہونا اس کی تائید و تصدیق کر کے اس کو درجہ حسن تک پہنچا دیتا ہے۔

نیز اس تحقیق بلکہ اس سے بھی قلیل ترین کلام سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ جس شخص نے زیارت سید المرسلین علیہ السلام کے حق میں وارد تمام ان احادیث کے موضوع ہونے کا دعوی کیا ہے یہ افتراء محض ہے۔ کیا اس شخص کو ایسا دعوی کرتے ہوئے اللہ تعالے اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے شرم نہ آئی جس کا ارتکاب اس سے پہلے نہ کسی عالم اور محدث نے کیا اور نہ ہی کسی جاہل نے۔ اور نہ ہی کسی شخص نے اس حدیث کے راویوں یعنی موسیٰ بن ہلال وغیرہ کو واضع کہا اور نہ ہی متہم بالوضع ٹھہرایا، تو کوئی مسلمان یہ جرءت کیونکر کر سکتا ہے کہ ایسی ایک روایت کے پیشِ نظر اس باب میں وارد تمام روایات کو موضوع قرار دے حالانکہ یہ قول نہ کسی عالم سے منقول ہے۔ اور نہ ہی ان روایات میں ایسے اسباب ہی موجود ہیں جو محدثین کو انہیں موضوع کہنے پر مجبور کریں۔ اور نہ ہی ان احادیث کا متن خلاف شرع ہے۔ تو بالفرض یہ روایت ضعیف ہو بھی سہی تو اس کو موضوع کہنے کی آخر کون سی وجہ ہے؟ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ وہ درجہ حسن میں ہے یا صحیح ہے (انتہی کلام الامام السبکی)

اس امام جلیل پر رد و انکار کرنے والے پر یہی ضرب المثل سچی آتی ہے ع

كَنَاطِحٍ صَخْرَةً يَوْمًا لِيُوْهِنَهَا ‏ فَلَمْ يَضُرَّهَا وَاَوْهٰى قَرْنَهُ الْوَعِلُ

جس پہاڑی بکرے نے چٹان کو توڑنے پھوڑنے کے لیے سینگ مارنے شروع کئے تو وہ چٹان کا تو کیا بگاڑ سکتا تھا۔ بالآخر وہ اپنے سینگ ہی برباد کر کے رہا۔

لیکن بایں ہمہ میں نے ابن عبدالہادی کے رد و قدح سے چشم پوشی اور ہر حال میں اس کی چھیڑ چھاڑ سے اعراض اور روگردانی کو ہی درست سمجھا اور یہی خیال دامن گیر رہا کہ یہ تمام علماءِ اعلام ہیں اور ائمہ اسلام سے ہیں۔ اللہ تعالے کی عفو و درگذر

انکے شامل حال ہو جائے گی اور سبھی شفیع المومنین رحمۃ للعالمین علیہ السلام کی شفاعت سے بہرہ ور ہو جائیں گے۔

لیکن بعدازاں مجھے ابن عبدالہادی کی ایک ایسی عبارت پڑھنے کا اتفاق ہوا جو ایک مطبوعہ کتاب میں چھپ کر منظر عام پر آچکی تھی اور لوگوں میں معروف و مشہور ہو چکی تھی۔ اور اس میں امام سبکی کی اس عبارت کا رد تھا جس میں انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم و تکریم کا وجوب و لزوم بیان کیا تھا تو اس وقت مجھے مہر سکوت توڑنی پڑی اور دونوں عبارتیں ذکر کرکے ابن عبدالہادی کی عبارت میں موجود خطا اور بطلان کو بزبان قلم آشکار کرنا پڑا میں نے اپنا فرض منصبی سمجھا۔

امام سبکی کی عبارت متعلقہ وجوب تعظیم نبوی ؛ امام موصوف نے فرمایا۔ تمام قرآن مجید، تمام اہلِ اسلام کا اجماع و اتفاق جس کا دلیل شرعی ہونا بالبداہتہ معلوم ہے نیز صحابہ کرام اور تابعین، تمام علماء اسلام اور سلف صالحین کی مقدس سیرتیں اس امر کی بین دلیل ہیں کہ نبی کریم علیہ الصلواۃ والتسلیم کی تعظیم و تکریم اور اس میں مبالغہ اور سعی بلیغ واجب و لازم ہے۔ اور جو شخص بھی قرآن مجید کا بغور مطالعہ و تلاوت کرے اور اس میں موجود تصریحات و اشارات کا جائزہ لے جو آپ کی تعظیم و تکریم کے وجوب و لزوم اور اس میں مبالغہ و جہد تام پر دال ہیں اور آپ کے ساتھ ادب و نیازمندانہ طریقہ سے پیش آنے پر دلالت کرتی ہیں نیز صحابہ کرام علیہم الرضوان کا طرز عمل سامنے رکھے تو اس کا دل ایمان و ایقان سے بھرپور ہو جائے گا اور اس امر میں اس کے لیے شک و ارتیاب کی کوئی گنجائش نہیں رہے گی (انتھت عبارۃ السبکی)

ایک طرف تو اس امام انام اور شیخِ جلیل کی یہ عبارت ہے جو حق صریح ہے اور سراسر ہدایت جس سے حبیب رب العالمین؛ سید المرسلین علیہ الصلواۃ والتسلیم کے حق میں ادب و تکریم کا نور پھوٹ رہا ہے اور اس کے مقابل ابن عبدالہادی کی عبارت دیکھیں جو سراسر ظلمتِ ضلالت اور تاریکی طغیان و عدوان کا منبع و مبدء ہے :۔

ابن عبدالہادی کی عبارت سراپا شقاوت

امام سبکی کا یہ دعویٰ کہ تعظیم مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم میں مبالغہ واجب و لازم ہے تو اس سے آخر اس کی مراد کیا ہے؟ کیا ایسا مبالغہ جس کو ہر شخص تعظیم سمجھے مثلاً آپ کے مزار شریف کی طرف بغرض حج سفر کرنا۔ اس کے گرد طواف کرنا اور اس کی طرف سجدہ ریز ہونا۔ اور آپ کے علم غیب کا عقیدہ رکھنا۔ آپ کو عطا و منع پر قادر سمجھنا اور اللہ تعالیٰ کے اذن و امر کے بغیر فریادرسی کی درخواست کرنے والوں کے نفع و نقصان کا مالک یقین کرنا۔ سائلین و زائرین کے لیے قاضی الحاجات اعتقاد کرنا۔ اور مشکلات میں گھرے ہوئے لوگوں کے مشکلات حل کرنے کی قدرت اور جس کو چاہیں جنت میں داخل فرمانے کی قدرت و طاقت تسلیم کرنا تو ایسی تعظیم میں مبالغہ کے واجب و لازم ہونے کا دعویٰ شرط ایمان میں مبالغہ ہے اور نئے باب کا اضافہ بلکہ دین و ایمان سے خروج انتھت عبارۃ ابن عبدالہادی۔ دیکھئے یہ عبارت کس قدر ظلمت جہل و ضلال میں گھری ہوئی ہے باطل و فاسد نظریہ سے بھری ہے۔ سید الانام علیہ الصلواۃ والسلام کے حق میں کس قدر بے حیائی اور بے باکی پر مشتمل ہے۔

ابن عبدالہادی کی عبارت میں خطاؤ خلل اور بہتان و افتراء کا بیان

ابن عبدالہادی نے اس عبارت میں اہل سنت پر کذب و افتراء سے کام لیا ہے اور انتہائی سینہ زوری اور منہ زوری کا مظاہرہ کیا ہے۔ اولاً کذب و افتراء۔ اس کی اس عبارت سے واضح ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ اطہر کا حج اور طواف اور آپ کے مزار شریف کی طرف سجدہ کو ان کی مزعومہ تعظیم قرار دیا ہے حالانکہ یہ واضح جھوٹ ہے اور فاحش بہتان جس کا فاسق ترین جہلائ سے صادر ہونا بھی قبیح ترین ہے چہ جائے کہ صلاح و تقویٰ کے دعویدار علماء سے اس کا صدور ہو کیونکہ اہلِ السنت میں سے کسی نے اس امر کے جواز کا قول نہیں کیا جب کہ ان کا عقیدہ یہ ہے کہ آں حضور شافع یوم النشور علیہ السلام کی زیارت کے لیے سفر کرنا عظیم ترین طاعات سے ہے اور جلیل ترین عبادات سے تو اس شخص کو کسی طرح بھی یہ زیبا نہ تھا کہ امام سبکی کا رد کرتے ہوئے اور اپنے شیخ کی قبیح ترین بدعت کی تائید و تقویت میں زورِ بیان صرف کرتے ہوئے ایسی قبیح اور گندی عبارات ذکر کرے۔

حالانکہ ہر عام و خاص اس حقیقت سے باخبر ہے کہ عوام اہلِ اسلام میں سے کوئی جتنا بھی لاعلم کیوں نہ ہو وہ حج بیت الحرام اور زیارت خیرالانام میں فرق بخوبی سمجھتا ہے کہ ایک فرائضِ اسلام میں سے اہم فریضہ ہے اور دوسرا امر سنت ہے۔ علیٰ ہٰذا القیاس کوئی ایسا شخص بھی صفحہ ہستی پر موجود نہیں ہے جو روضۂ اقدس کے گرد طواف کو مشروع سمجھے جیسے کہ بیت اللہ شریف کے گرد طواف کو مشروع سمجھتا ہے۔ یا مزار پرانوار کی طرف سجدہ کرنا جائز سمجھتا ہو۔ اور نہ ہی کوئی جاہل سے جاہل شخص اس امر کا ارتکاب کرتا ہے کیونکہ سجدہ کا اللہ تعالےٰ کے ساتھ مختص ہونا اور غیر اللہ کے لیے اس کا ممنوع و محظور ہونا ایسے امور سے ہے جن کا دین میں داخل ہونا قطعی طور پر معلوم ہے۔ لہٰذا ابن عبدالہادی کے لیے اس افتراء اور بہتان کا کوئی جواز نہیں تھا ثانیاً۔ اس کا کذب فاحش اس عبارت سے واضح ہے جس میں امام سبکی اور دیگر حضرات کا رد کرتے ہوئے اس نے کہا کہ یہ لوگ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ آپ اللہ تعالےٰ کے اذن کے بغیر مستغیثین کے نفع و نقصان کے مالک ہیں کیونکہ ان میں سے ہر ایک اس امر کا معتقد ہے اور بخوبی عالم کہ آپ اللہ تعالےٰ کے عبد خاص اور رسول برحق ہیں۔ نہ رسول کریم علیہ السلام بذات خود اپنے نفع و نقصان کے مالک ہیں اور نہ ہی مخلوق میں سے کوئی دوسرا شخص نہ ہی اپنی ذات کے لیے اور نہ کسی دوسرے شخص کے لیے اور یہ عقیدہ بھی ان عقائد و نظریات میں سے ہے جو ہر شخص عالم و جاہل کو قطعاً معلوم ہے اور کوئی جاہل سے جاہل مسلمان بھی اس سے بے خبر نہیں ہے۔ اس کے افتراء و اتہام کا نام و نشان نہ امام سبکی کی کتاب میں ہے اور نہ ہی کسی دوسرے محب سید المرسلین سنی عالم کی کتاب میں اس کا کہیں تذکرہ ہے۔

جب ایسے واضح اور ظاہر امور میں اس کا کذب و افتراء ثابت ہو چکا ہے جو عوام پر مخفی نہیں ہیں تو ان امور میں اس کا بہتان و افتراء کیونکر متحقق نہ ہو گا جہاں دقائق علم اور مسائل غامضہ پر اس نے بحث کی ہے یا احادیث نبویہ کے راویوں

پر تبصرہ کیا ہے جن پر صرف علماء اعلام ہی مطلع ہو سکتے ہیں۔

رہ گیا ابن عبدالہادی کا یہ قول کہ اہلِ السنت علماء اور عوام اہلِ اسلام اس امر کے معتقد ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم علمِ غیب رکھتے ہیں۔ اور عطاء و منع کے باذن اللہ مالک ہیں زائرین و سائلین کی باذن اللہ حاجات بر لاتے ہیں اور مصیبت زدگان کو مصائب سے خلاصی دیتے ہیں۔ اور جن کے حق میں چاہیں شفاعت کر کے جنت میں داخل فرمائیں گے تو یہ نظریات صحیح ترین عقائد میں سے ہیں۔ اور ان کا انکار قبیح ترین منکرات و سیئات سے ہے۔

اب میں ان عقائد و نظریات کی صحت و واقعیت تفصیلاً اور مدلل انداز میں ہدیہ ناظرین کرتا ہوں۔

عقیدۂ علمِ غیب | اصالۃً اور ذاتی علم غیب اللہ تعالےٰ کے ساتھ خاص ہے البتہ اللہ تعالےٰ اپنے غیوب خاصہ پر اپنے بندگانِ خاص میں سے جس کو چاہتا ہے مطلع فرما دیتا ہے۔ ارشاد باری تعالےٰ ہے۔

عَالِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖ اَحَدًا اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ۔

خطیب بغدادی امام قرطبی کے حوالہ سے اس کا معنی یہ بیان فرماتے ہیں۔ اللہ تعالےٰ اپنے غیوب پر کسی کو مطلع نہیں فرماتا مگر منتخب اور پسندیدہ ہستیوں کو یعنی رسل کرام کو کیونکہ اپنے عبادِ خاص سے جس کو چاہتا ہے علمِ غیب کو ظاہر فرماتا ہے کیونکہ رسل کرام کی تائید و تصدیق معجزات کے ساتھ کی جاتی ہے۔ اور من جملہ ان معجزات کے بعض امورِ غیبیہ کی اطلاع دینا بھی ہے جیسے کہ حضرت عیسٰی روح اللہ علیہ السلام کے متعلق قرآن مجید اور فرقان حمید میں وارد ہے۔

وَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا تَاْكُلُوْنَ وَمَا تَدَّخِرُوْنَ فِيْ بُيُوْتِكُمْ۔

یعنی میں تمہیں ان چیزوں کی اطلاع دیتا ہوں جو تم کھا کر آتے ہو اور جن کو اپنے گھروں میں ذخیرہ کر کے رکھتے ہو نبی الانبیاء فخر الرسل صلی اللہ علیہ وسلم کا بے شمار امور غیبیہ کی اطلاع دینا قطعی طور پر معلوم ہے۔ صحیحین اور دیگر کتب احادیث اور معتبر کتب سیرت میں وافر مقدار ان روایات کی موجود ہے۔ اور میں نے اپنی کتاب حجۃ اللہ علی العالمین میں اس پر مفصل بحث کی ہے۔ بطور اجمال اس کا ذکر یہاں بھی کئے دیتا ہوں۔

علمِ غیب مصطفوی کا بیان از کتاب حجۃ اللہ علی العالمین

یہ بات اچھی طرح ذہن نشین رہے کہ علم غیب اللہ تعالےٰ کے ساتھ مخصوص ہے اور جس قدر علم غیب زبانِ رسالت مآب اور دیگر مقربان بارگاہ خداوندی سے ظاہر ہوا ہے تو وہ وحی کے ذریعے یا الہام کے ذریعے ان کو حاصل ہوا ہے۔ حدیث پاک میں وارد ہے "واللہ انی لا اعلم الا ما علمنی ربی"۔ بخدا میں نہیں جانتا مگر جو کچھ مجھے اللہ تعالےٰ بتلائے اور تعلیم دے۔ لہٰذا جو غیبی خبریں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول و مروی ہیں وہ صرف اور صرف اللہ تعالےٰ کے اعلام و اخبار اور تعلیم و الہام سے ہیں تاکہ ان سے آپ کی نبوت و رسالت کے برحق ہونے پر قطعی دلالت حاصل ہو جائے۔ اور صدق دعویٰ ظاہر ہو جائے۔

نبی کریم علیہ السلام کے علم غیب اور اطلاع علی الغیب کا معاملہ آپ کے دشمنوں اور بد خواہوں پر بھی اتنا واضح تھا کہ وہ اپنی خلوتوں میں بھی ایک دوسرے کو نصیحت کرتے کہ خاموش رہیے۔ اگر ہمارے قریب کوئی ایسا شخص نہ بھی ہو جو ان کو ہماری باتوں کی خبر دے تو وادی کے سنگریزے بھی ان کو اطلاع دے دیں گے۔

قاضی عیاض علیہ الرحمۃ شفا شریف میں فرماتے ہیں۔

نبی کریم علیہ السلام کا علم غیب آپ کے ان معجزات سے ہے جو قطعی اور حتمی طور پر معلوم ہیں اور تواتر کے ساتھ ان کی اطلاعات ہم تک پہنچی ہیں کیونکہ علم غیب سے متعلق مروی روایات کے راوی بہت زیادہ ہیں اور ان جملہ روایات کے معانی باہم متفق ہیں۔

امام بخاری اور امام مسلم نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے نقل فرمایا کہ۔

قَامَ فِيْنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَقَامًا فَمَا تَرَكَ شَيْئًا يَكُوْنُ مِنْ مَقَامِهٖ ذٰلِكَ اِلٰى قِيَامِ السَّاعَةِ اِلَّا حَدَّثَهٗ حَفِظَهٗ مَنْ حَفِظَهٗ وَنَسِيَهٗ مَنْ نَسِيَهٗ وَقَدْ عَلِمَهٗ اَصْحَابِيْ هٰؤُلَاءِ وَاِنَّهٗ لَيَكُوْنُ مِنْهُ الشَّيْءُ قَدْ نَسِيْتُهٗ فَاَرَاهُ فَاَذْكُرُهٗ كَمَا يَذْكُرُ الرَّجُلُ وَجْهَ الرَّجُلِ اِذَا غَابَ عَنْهُ ثُمَّ اِذَا رَاٰهُ عَرَفَهٗ۔

ترجمہ:۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے درمیان ایک مقام پر قیام فرما ہوئے اور اس وقت سے لے کر قیامِ قیامت تک جو کچھ ہونے والا تھا سب کچھ بیان فرما دیا جو ان بیان فرمودہ اشیاء کو یاد رکھ سکا رکھ سکا جو بھول گیا بھول گیا۔ اور میرے یہ تمام ساتھی بھی اس واقعہ کو بخوبی جانتے ہیں۔ بعض اوقات ان امور میں سے کوئی چیز میں بھول چکا ہوتا ہوں مگر جب اس کو دیکھتا ہوں تو بیانِ نبوی یاد آجاتا ہے جس طرح دیکھا ہوا آدمی نظروں سے اوجھل ہو جائے تو دیکھنے والا اس سے غافل ہو جاتا ہے مگر جب دوبارہ نظر کے سامنے آئے تو یاد آجاتا ہے کہ اس کو دیکھا ہوا ہے۔

۲۔ امام مسلم نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے یوں روایت نقل کی ہے۔

اَخْبَرَنِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم بِمَا هُوَ كَائِنٌ اِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ۔

مجھے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قیامت تک ہونے والے تمام امور کی خبر دی۔

۳۔ مسلم شریف میں حضرت عمرو بن اخطب انصاری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔

صَلّٰى بِنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم الْفَجْرَ وَصَعِدَ الْمِنْبَرَ فَخَطَبَنَا حَتّٰى غَرَبَتِ الشَّمْسُ فَاَخْبَرَنَا بِمَا هُوَ كَائِنٌ اِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ فَاَعْلَمُنَا اَحْفَظُنَا۔

ترجمہ۔ رسول معظم صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں نماز فجر پڑھانے کے بعد منبر پر جلوہ فرما ہوئے اور غروب آفتاب تک خطاب فرمایا پس ہمیں قیامت تک رونما ہونے والے جملہ واقعات اور پیدا ہونے والی جملہ اشیاء کی اطلاع

دی۔ ہم میں سب سے زیادہ صاحبِ علم وہی ہے جو ان ارشادات کو زیادہ حفظ کرنے والا ہے۔

ابن تیمیہ کا رسول کریم علیہ السلام بلکہ اولیاء کرام کے لیے علمِ غیب کا اعتراف

ابن عبدالھادی کے شیخ بدعت ابوالعباس ابن تیمیہ نے "منہاج السنۃ" میں رافضی کا رد کرتے ہوئے اور اس کے حضرت علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ کے حق میں علمِ غیب کی خبریں دینے کو خلافت بلافصل پر برہان اور خلفاءِ ثلاثہ رضی اللہ عنہم سے افضلیت کی دلیل بنانے پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا اس شبہ کا جواب یہ ہے کہ بعض امور غیبیہ کی خبر دینا کوئی ایسا کمال نہیں جو حضرت علی سے مختص ہو بلکہ جو ان سے مرتبہ و مقام میں بہت کم ہیں وہ بھی اس قسم کی خبریں دے دیتے ہیں آپ کا مقام تو بہت بلند ہے۔ بلکہ حضرات خلفاءِ ثلاثہ رضی اللہ عنہم کے غلاموں اور نیازمندوں میں ایسے حضرات موجود ہیں کہ شیرِ خدا رضی اللہ عنہ سے مروی غیبی خبروں سے کئی گنا زیادہ خبریں ان سے منقول ہیں حالانکہ وہ روافض کے نزدیک امامت کے اہل نہیں ہیں۔ اور نہ ہی فی الواقع اپنے تمام اہلِ زمان سے افضل تھے اور ایسے حضرات ہمارے زمانہ میں بھی موجود ہیں اور اس قبل سے قبل بھی موجود تھے۔

دیکھئے حضرت ابوہریرہ، حضرت حذیفہ اور دیگر حضرات صحابہ کرام بہت زیادہ غیبی اخبار لوگوں کو بیان فرماتے جن کی نسبت حضرت ابوہریرہ تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کرتے ہیں۔ مگر حضرت حذیفہ کبھی آپ کی طرف نسبت کرتے ہیں اور کبھی نسبت نہیں کرتے اگرچہ فی الواقع وہ مسند و مرفوع روایات ہی ہیں اور جن امور غیبیہ کی ان حضرات نے اور دوسرے مقدس لوگوں نے خبریں دی ہیں ان میں سے بعض کو انہوں نے بارگاہ رسالتماب علیہ السلام سے سنا مگر بعض ایسی ہیں جو ان کو بذریعہ کشف اور نورِ فراست سے معلوم ہوئیں بالخصوص حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے کشفی امور کافی تعداد میں منقول ہیں اور کرامات اولیاء میں تالیف شدہ کتب مثلاً امام احمد کی کتاب الزہد، امام ابومحمد خلال کی حلیۃ الاولیاء، ابن ابی الدنیا کی کتاب صفوۃ الصفوہ اور علامہ لالکائی کی کتاب کرامات الاولیاء میں حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما کے اتباع سے بکثرت کرامات اور غیبی خبریں منقول ہیں مثلاً حضرت علا بن الحضرمی جو صدیق اکبر کے نائب تھے۔ ابومسلم خولانی جو دونوں کے متبع اور تابعدار تھے علیٰ ہذا القیاس ابوالصہباء، عامر بن عبدالقیس وغیرہ کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ ان سے بدرجہا افضل و برتر ہیں لیکن رافضی کی اس دلیل سے آپ کا کسی صحابی سے بھی افضل ہونا لازم نہیں آتا چہ جائیکہ خلفاءِ ثلاثہ رضی اللہ عنہم سے افضل ہونا لازم آئے۔

الغرض جب ابن عبدالہادی کا شیخ و مقتدا بھی اس حقیقت کے اعتراف پر مجبور نظر آتا ہے تو یہ کس منہ سے نبی الانبیاء علیہ السلام کے علم غیب کا انکار کرتا ہے اور اس عقیدہ والوں پر پھبتیاں کستا ہے؟

مسئلہ علم غیب اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول غیبی خبروں پر تفصیلی اطلاع مقصود ہو اور ان کا واقع کے مطابق ہونا معلوم کرنا ہو تو میری کتاب حجۃ اللہ علی العالمین کی طرف رجوع کیا جائے میرے خیال کے مطابق اس میں اتنا ذخیرہ جمع کردیا

گیا ہے کہ اس سے پہلے کسی کتاب میں نہیں ہے۔

بعد از وصال نبی الانبیاء علیہ السلام کے لیے علمِ غیب کا تحقق

یہ چند روایات اور عبارات نبی الرحمت صلی اللہ علیہ وسلم کے ظاہری حیات طیبہ میں حاصل ہونے والے علم غیب سے متعلق تھیں لیکن ان سے یہ نہ سمجھا جائے کہ یہ کمال علمی آپ کو صرف حیات دنیویہ میں حاصل تھا بلکہ یہ کمال آپ کو وصال کے بعد بھی حاصل ہے (بلکہ اس سے اتم واکمل) کیونکہ آپ دیگر انبیاء علیہم السلام کی طرح اپنے مزارِ اقدس میں زندہ ہیں حافظ اجل امام سیوطی نے اس ضمن میں وارد احادیث و آثار کو ایک مستقل تالیف میں جمع کیا ہے اور ان کا کما حقہ احاطہ کیا ہے نیز امام سبکی نے شفاء السقام میں امام بیہقی کے حوالہ سے جو کچھ نقل فرمایا ہے وہ بھی اس دعویٰ کے ثبوت کے لیے کافی و وافی ہے۔ اس کے علاوہ وہ احادیث جن کو ابن تیمیہ نے ذکر کیا اور اس سے ابن القیم نے اپنی کتاب اغاثۃ اللھفان میں ان کو نقل کیا وہ بھی اس مدعا پر واضح طور پر دلالت کرتی ہیں۔ ملاحظہ ہوں۔

۱۔ مقدسی نے مختارات میں نقل کیا ہے کہ رسول محتشم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

لَا تَتَّخِذُوْا قَبْرِیْ عِیْدًا وَلَا بُیُوْتَکُمْ قُبُوْرًا فَاِنَّ تَسْلِیْمَکُمْ یَبْلُغُنِیْ اَیْنَمَا کُنْتُمْ۔

میری قبر کو مسرت اور شادمانی کی جگہ نہ بنا لینا اور نہ اپنے گھروں کو قبریں بنانا۔ کیونکہ تمہارے سلام و درود مجھے بہرحال پہنچتے رہیں گے خواہ تم کہیں بھی ہو۔

۲۔ سعید بن منصور نے سنن میں مرسلاً نقل فرمایا کہ نبی معظم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

لَا تَتَّخِذُوْا بَیْتِیْ عِیْدًا وَلَا بُیُوْتَکُمْ قُبُوْرًا وَصَلُّوْا عَلَیَّ حَیْثُمَا کُنْتُمْ فَاِنَّ صَلٰوتَکُمْ تَبْلُغُنِیْ

دونوں حدیثیں اس امر کی بین دلیل ہیں کہ محبوب کریم علیہ السلام باوجود درود و سلام بھیجنے والے کے بُعد و مسافت پر ہونے کے بتعلیم الٰہی اس کے درود و سلام کو اور ان امور غیبیہ کو جانتے ہیں تو جو شخص قبر انور کے پاس حاضر ہو کر درود و سلام عرض کر رہا ہوگا۔ کیا خیال ہے آپ کا کہ اس کا درود و سلام آپ سے مخفی رہ سکتا ہے؟

رہا قبرِ انور کو عید نہ بنانے کا معنی و مفہوم تو وہ یہ ہے کہ زیب و زینت اور آرائش و زیبائش کے ساتھ اس درگاہِ والا پر حاضر ہوں جیسے کہ عیدوں کے مواقع پر ہوتا ہے اور دورِ جاہلیت میں بت پرست اپنے اصنام و اوثان کے پاس اسی طرح جایا کرتے تھے یہ صورت حاضری کی ممنوع ہے اور بحمد اللہ اہلِ اسلام میں سے کوئی شخص اس طرح مزار انور پر حاضری دینے کی جرأت نہیں کرتا۔

ہاں تو کلام اس میں تھا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم درود و سلام قریب سے بھی سنتے ہیں اور دور سے بھیجے جانے والے درود و سلام بھی آپ پر مخفی نہیں ہے تو قریب سے بعد از موت حاضرین و زائرین کا سلام وغیرہ سننا کوئی نبی کریم ع

کے ساتھ ہی خاص نہیں ہے بلکہ ہر مسلمان میت کو اس کا علم ہوتا ہے کیونکہ احادیث صحیحہ میں زیارتِ قبور اور سلام کی کیفیت اس طرح بیان کی گئی ہے کہ زائر قبر پہ جا کر کہے۔

اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ اَھْلَ الدِّیَارِ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُسْلِمِیْنَ وَاِنَّا اِنْ شَآءَ اللّٰہُ بِکُمْ لَاحِقُوْنَ نَسْئَلُ اللّٰہَ لَنَا وَلَکُمُ الْعَافِیَۃَ۔

ترجمہ: سلام ہو تم پر اے قبور کے ساکن مومنو اور مسلمانو! ہم بھی ان شآء اللہ تمہارے ساتھ لاحق ہونے والے ہیں ہم اللہ تعالےٰ سے اپنے لیے اور تمہارے لیے عفو و درگذر کا سوال کرتے ہیں۔

اگر اہلِ قبور مسلمان اور مومن زائرین کا سلام اور کلام نہ سنتے ہوتے تو شریعت مطہرہ ان کو بطور خطاب سلام کرنے اور کلام کرنے کا حکم نہ دیتی (لہٰذا ان احادیث سے اقتضاء نص کے طور پر اموات و اہل قبور میں علم و ادراک اور فہم و شعور ثابت ہو گیا والحمد للہ علیٰ ذالک)

دور و نزدیک اور حالت حیات و ممات میں علم و ادراک اور اطلاع و علمِ غیب پر عجب استدلال

اہل قبور کے سننے اور جاننے اور ان کے خطاب و ندا، کے جواز پر مجھے ایک ایسی دلیل سوجھی ہے جو میرے خیال کے مطابق کسی دوسرے شخص نے ذکر نہیں کی۔ اور وہ دلیل یہ ہے کہ حدیث قدسی میں وارد ہے۔

لَا یَزَالُ عَبْدِیْ یَتَقَرَّبُ اِلَیَّ بِالنَّوَافِلِ حَتّٰی اُحِبَّہٗ فَاِذَا اَحْبَبْتُہٗ کُنْتُ سَمْعَہُ الَّذِیْ یَسْمَعُ بِہٖ وَبَصَرَہُ الَّذِیْ یُبْصِرُ بِہٖ وَیَدَہُ الَّتِیْ یَبْطِشُ بِھَا فَبِیْ یَسْمَعُ وَبِیْ یُبْصِرُ (الحدیث)

ترجمہ۔ ہمیشہ میرا بندہ نوافل کی ادائیگی کے ذریعہ میرے قرب سے بہرہ ور ہوتا رہتا ہے حتیٰ کہ میں اس کو محبوب بنا لیتا ہوں۔ جب اس کو منصب محبوبیت پر فائز کر دیتا ہوں تو میں اس کے کان ہوتا ہوں جن سے سنتا ہے۔ اور میں ہی اس کی آنکھ ہوتا ہوں جس سے دیکھتا ہے۔ اور اس کے ہاتھ ہوتا ہوں جن سے پکڑتا ہے الغرض وہ مجھ سے سنتا ہے اور میرے ساتھ ہی دیکھتا ہے۔

اور یہ بات واضح ہے کہ جو شخص اللہ تعالےٰ کے نورِ پاک کے ساتھ سنے اور دیکھے تو اس پر قرب و بعد اور دور و نزدیک برابر ہوں گے لہٰذا وہ قابلِ سماع کلام اور قابلِ دید اشیاء کو دور سے اسی طرح دیکھے سنے گا جس طرح قریب سے کیونکہ اب اس کا دیکھنا سننا اس قوت عظیمہ کے ذریعہ سے ہے جو اللہ تعالےٰ کی طرف سے اس بندۂ مقرب کو مرحمت فرمائی ہے۔ لہٰذا وہ اس قوت کے ساتھ قریب و بعید کو دیکھتا اور سنتا ہے جیسے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ طیبہ میں نبی کنانہ کے اس شخص کی ندا، و پکار اور استغاثہ کو سن لیا جس نے مکہ مکرمہ سے آپ کو فریادرسی کے لیے پکارا۔ اس طرح بے شمار مغیبات کی

آپ نے اطلاع دی جن کو آپ نے مشاہدہ فرمایا حتیٰ کہ جنت و دوزخ کو بمعہ جنتیوں اور دوزخیوں کے مسجد کی دیوار میں متمثل دیکھا جیسے کہ صحیح حدیث میں مروی ہے (بلکہ براہ راست جنت اور اہلِ جنت، دوزخ اور اہل دوزخ بلکہ جملہ اشیاء کو دیکھا جو ان سے قبل آپ نے مشاہدہ نہیں فرمائی تھیں جیسے کہ مسلم شریف باب الکسوف میں متعدد طرق سے مروی ہے)۔

نیز مقامِ محبوبیت پر فائز لوگ اور قوتِ الٰہیہ کے ساتھ سننے اور دیکھنے والے حضرات مراتب کے لحاظ سے باہم متفاوت ہیں۔ انبیاء علیہم السلام اس مرتبہ کے لحاظ سے بنسبت اولیاء عظام کے بلند مرتبہ پر فائز ہیں پھر وہ بھی باہم متفاوت مقامات پر فائز ہیں جب کہ ان سب سے افضل و اعلیٰ مرتبہ و مقام سید المحبوبین رحمۃ للعالمین علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کا ہے جو سید الخلق علی الاطلاق ہیں اور حبیب حق جل و علیٰ ہیں لہٰذا ان کے حق میں یہ ثمراتِ محبوبیت بطریقِ اولیٰ ثابت ہوں گے۔

نیز اس حدیث قدسی کی تائید و تصدیق اس آیت مقدسہ سے بھی ہو رہی ہے۔

وَمَا رَمَیْتَ اِذْ رَمَیْتَ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ رَمٰی

اور نہیں مارا تم نے کفار کو جب کہ تم نے ان کو مارا لیکن صرف اللہ تعالےٰ نے ان کو مارا ہے اور ان پر کنکریوں کی بوچھاڑ کی ہے اور یہی معنی حدیث قدسی کے اس جملہ "بی یبطش" کا ہے یعنی وہ بندۂ محبوب میرے ساتھ پکڑتا ہے۔

اور ارشاد باری تعالےٰ۔

اِنَّ الَّذِیْنَ یُبَایِعُوْنَکَ اِنَّمَا یُبَایِعُوْنَ اللّٰہَ یَدُ اللّٰہِ فَوْقَ اَیْدِیْھِمْ

یعنی بے شک جو لوگ (مقام حدیبیہ میں) تمہارے دستِ اقدس پر بیعت کر رہے ہیں وہ صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کے ساتھ بیعت کر رہے ہیں۔ اللہ رب العزت کا ہاتھ ان کے ہاتھوں پر ہے۔

یہ آیت بھی اس حدیث قدسی کی تائید و تقویت کر رہی ہے اور یہ اس وقت کی بات ہے جب مقام حدیبیہ پر صحابہ کرام علیہم الرضوان نے آپ کے دست اقدس پر بیعت کی اور آپ سے عہد کیا کہ ہم جنگ کی صورت میں ہرگز میدانِ جنگ سے فرار اختیار نہیں کریں گے۔ اور سرورِ کونین علیہ السلام نے اپنا دستِ اقدس ان کے ہاتھوں پر رکھا۔

بعد از وصال علمِ غیب

الغرض اس حدیث قدسی اور آیات مبارکہ سے یہ واضح ہو گیا کہ محبوبانِ خداوند تبارک و تعالےٰ نور خدا سے دیکھتے سنتے ہیں اور اس کے ساتھ پکڑتے اور چلتے پھرتے ہیں لیکن یہ منصب و مقام صرف حیاتِ ظاہرہ تک محدود نہیں رہتا کیونکہ جو شخص ظاہری زندگی میں محبوب ہے وہ بعد از وصال و وفات بھی محبوب ہے جیسے کہ موت کے بعد مومن سے ایمان کی نفی بلا دلیل قطعاً درست نہیں۔ نبی سے بعد از وصال نبوت کی نفی قطعاً درست نہیں تو منصب محبوبیت پر فائز حضرات سے

ثمرات محبوبیت کی نفی بھی درست نہیں تو لامحالہ یہ امر تسلیم کئے بغیر کوئی چارہ نہیں ہوگا۔

کہ روح مصطفوی وصال اور برزخ کی طرف منتقل ہونے کے بعد بھی زندہ ہے تو اللہ تعالے ضرور بالضرور اس کو اس شرف وفضیلت سے بہرہ ور فرماتے گا یعنی بی یسمع اور بی یبصر کا شرف آپ کو وہاں بھی حاصل ہوگا تو لامحالہ امت کے احوال وافعال سے کوئی شی بھی آپ پر مخفی نہیں ہے گی خواہ قریب ہوں یا بعید۔

حدیث قدسی میں غور کیا جائے تو ہر شخص واضح طور پر یہ جان سکے گا کہ اس حدیثِ پاک میں قطعاً کسی سند اور طریق میں بھی صراحةً تو کجا اشارةً بھی اس امر کا کوئی ثبوت نہیں ملتا کہ نوافل کے ذریعے اللہ تعالے کا قرب ڈھونڈنے والے طاعت گذار بندوں کے لیے یہ عزت وکرامت اور شرف وفضیلت صرف حیاتِ دنیویہ میں ہے بلکہ یہ حدیث مطلق ہے (لہٰذا اس اطلاق سے حیاتِ دینویہ اور برزخیہ دونوں میں ان محبوبانِ بارگاہِ خداوندی کا اس مرتبہ اور اس کے ثمرات سے بہرہ ور ہونا ثابت ہوگیا)

لہٰذا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم دنیا سے رحلت فرمانے کے بعد احوال امت پر آپ کا مطلع ہونا کبھی اس مرتبہ محبوبیت اور انوار قرب سے منور ہونے کی وجہ سے ہوگا۔ اللہ تعالے کی طرف سے بذریعہ ملائکہ آپ کو مطلع کیا جاتا ہوگا اور کبھی بلا واسطہ ملائکہ اگرچہ اس کی کیفیت ہم معلوم نہ کر سکیں اور نہ ہی ہم اس امر کے مکلف ہیں کہ خواہ مخواہ اس کیفیت کو معلوم کریں۔

ہمیں صرف اتنا معلوم ہے کہ آپ اللہ تعالے کے عبدِ خاص اور رسولِ برحق ہیں۔ اور ساری مخلوق کے سردار اللہ تعالے نے آپ پر ازرہِ فضل وکرم کمالات اور امتیازی خصوصیات کی وہ بارش فرمائی ہے کہ ہمارے عقول ناقصہ اور اذہان قاصرہ بلکہ ساری مخلوق کے عقول وافہام ان کے ادراک سے عاجز وقاصر ہیں۔

اور خلق خدا میں سے کوئی فرد ان کمالات میں آپ کا شریک وسہیم نہیں ہے اور انہیں خدا داد کمالات میں سے یہ بھی ہے کہ اللہ کریم آپ کو اپنے مغیبات میں جتنے غیوب پر چاہے اطلاع بخشے۔ اور اس میں تعجب کا کون سا پہلو ہو سکتا ہے اور کوئی وجہ استحالہ اور عدم امکان کی کیونکر ہو سکتی ہے۔ رب رب ہے بندے بہرحال بندے ہیں۔ اور اس کی ربوبیت کا ہی یہ تقاضا ہے کہ وہ اپنے علبید خاص میں سے جس کو چاہے جس قدر چاہے ظاہری اور باطنی نعمتوں سے اور علوم واسرار سے سرفراز کرے۔ کون ہے جو اللہ تعالے پر پابندی عائد کرے۔ اور بندہ خواہ کتنا ہی اپنے مولیٰ کے فضل وکرم سے صاحبِ کمال بن جائے وہ درجۂ عبودیت سے ترقی کر کے درجۂ ربوبیت تک نہیں پہنچ سکتا۔ بلکہ جوں جوں مولیٰ کے انعامات اس پر زیادہ ہوتے جائیں گے اسکی طرف سے اظہارِ عبودیت بڑھتا چلا جائے گا اور وہ مقامِ عبدیت میں راسخ ہوتا چلا جائے گا۔

مثلاً دیکھئے جس عبد پر مولیٰ کی طرف سے ایک عدد انعام ہے اس کی عبدیت اپنے مولیٰ کے لیے اور اس کے ساتھ

بھی ربط وتعلق اور طاعت وانقیاد کا وہ درجہ نہ ہوگا جو اس عبد کو حاصل ہوگا جس پر مولیٰ کی طرف سے سو طرح کا انعام ہے اور جس پر سو نعمت کے ساتھ انعام واحسان کیا گیا ہے اس کا تعلق اپنے مولیٰ سے اتنا راسخ ومستحکم نہ ہوگا جتنا اس عبد کا ہوگا جس پر ہزار نعمت کے ساتھ انعام واحسان فرمایا ہے وعلیٰ ہذا القیاس۔

یہی وجہ ہے کہ سید الخلق حبیب الحق صلی اللہ علیہ وسلم علی الاطلاق ساری مخلوق سے باری تعالے کے لیے وصف عبودیت میں زیادہ راسخ ہیں کیونکہ ساری مخلوق سے زیادہ انعام باری تعالے کا ان پر ہے لہٰذا وہ عبودیت میں بھی سب سے زیادہ عظیم عبد ہیں۔ اسی لیے اللہ تعالے نے اشرف واعلیٰ مقام مقام معراج اور قرب قاب قوسین او ادنیٰ میں بھی ان کو عبد سے تعبیر کیا اور فرمایا۔

سُبْحَانَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ

الغرض محبوب کریم علیہ السلام اللہ تعالے کے وہ عبد کامل ہیں کہ تمام مخلوق میں ان سے اکمل کوئی عبد نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالے نے ان پر افضل واکمل اور اعم واشمل نعمتوں کی بارش فرمائی۔ نبوت ورسالت سے سرفراز فرمایا، قرب منزلت اور محبوبیت سے مشرف فرمایا اور اسرار کونیہ وغیبہ اور انوار وتجلیات مخصوصہ سے بہرہ ور فرمایا۔ جن کا واقعی اور حقیقی علم صرف اللہ تعالے ہی کو ہے۔ اور سب انبیاء ومرسلین، مقربین وصدیقین اور اولیاء کاملین پر آپ کو فضیلت اور برتری عطا فرمائی۔

ہماری اس نگارش سے یہ بھی واضح ہوگیا کہ بعض اولیاء کاملین نے سرورِ کونین علیہ السلام کی تعریف وتوصیف میں المتحقق باعلیٰ رتب العبودیت کہا ہے تو یہ جملہ (کسی تنقیص کا موجب نہیں ہے بلکہ یہ اس حقیقت کا اظہار ہے کہ) اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس قدر عظیم وجلیل اور بے حد وحساب انعامات سے نوازا ہے جو کسی بھی مخلوق کو حاصل نہیں ہیں۔ اسی لیے آپ کی عبودیت ان سب کی عبودیت سے اعلیٰ وارفع ہے۔

نبی کریم علیہ السلام کے حیاتِ دنیویہ اور برزخیہ میں دور ونزدیک سے سننے اور جاننے کی دوسری دلیل

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر تشہد میں بصیغہ خطاب سلام بھیجنا اور السلام علیک ایہا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ عرض کرنا اور شریعت مطہرہ کا اس کو حالت حیات ووصال میں مشروع قرار دینا اور قرب وبعد ہر دو حالت میں اس کو جائز قرار دینا ہمارے اس دعویٰ کی واضح دلیل ہے اور پہلی دلیل کی بین تائید وتصدیق کہ آپ بعید وقریب سے درود وسلام بھیجنے والے ہر شخص کا درود وسلام سنتے ہیں ورنہ اس خطاب کا کوئی معنی نہ ہوگا بلکہ نمازیوں سے اس کا صادر ہونا مجنون اور سفیہ لوگوں کے کلام کے مشابہ ہوگا۔ کیونکہ جو شخص بھی عرصہ دراز سے فوت شدہ شخص کو پکارے یا زندہ بھی ہو لیکن دور دراز علاقہ میں موجود ہو تو لوگ اس پکارنے والے کو مخبوط الحواس اور سفیہ ومجنون ہی خیال کریں گے۔ تو شریعتِ مطہرہ میں زبان رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم پر وَمَا یَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰی اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی کی شان کے مالک ہونے کے باوجود ایسی تعلیم وارشاد کا جاری

ہونا کیونکر تصور کیا جا سکتا ہے۔ تو روز روشن کی طرح واضح ہوگیا کہ اس نداء و خطاب کا شرعاً جواز صرف اور صرف اسی صورت پر مبنی ہے کہ سرور کونین علیہ السلام امت کے سلام و درود کو قریب و بعید سے حالت حیات ظاہرہ اور برزخیہ میں سنتے ہیں بلکہ بعض اولیاء کرام نے بطور کرامت اپنے سلام "السلام علیک ایہا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ"، کا جواب بارگاہ رسالتمآب علیہ افضل الصلوات سے براہ راست سنا۔ اور اس میں کوئی استحالہ بھی نہیں ہے کیونکہ آپ کو غیب پر مطلع فرمانے والا اور قریب و بعید کا کلام سنانے والا اللہ تعالیٰ ہی ہے اور اس پر آپ کی دونوں حالتیں یکساں ہیں جب کہ صحیح روایات سے ثابت ہے کہ آپ مزارِ اقدس میں زندہ ہیں علی الخصوص عالم برزخ میں آپ کے روحِ انور، نفس اطہر اور شمس حقیقت کے احکام و اثرات بدنی احکام پر غالب ہیں اور اس کے انوار و تجلیات سے ہی دنیا و آخرت کی چیزیں روشن اور مستنیر و مقتبس فیض ہیں۔ لہٰذا حقیقتِ محمدیہ اور آپ کے روح قدسیہ پر کائنات کی کوئی چیز محجوب و مستور نہیں رہ سکتی خواہ مکان کے لحاظ سے دور ہو یا زمان کے لحاظ سے سابق و مقدم ہو۔

اس لیے آپ سب کا سلام سنتے بھی ہیں (اور سب کو جواب بھی مرحمت فرماتے ہیں) اور جن کی عزت و کرامت کا اللہ تعالیٰ کو اظہار مطلوب ہوتا ہے ان کو بارگاہِ نبوت کا سلام سناتا بھی ہے خواہ مزار پر انوار ان سے دور ہی ہو اور ان کے مساکن و دیار اس دربار گہر بار سے دور ہوں ؎

؎ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی بعض عرفا کی زبانی تشہد میں بصیغہ خطاب سلام پیش کرنے کی حکمت بیان کرتے ہوئے اشعۃ اللمعات جلد اول صفحہ ۴۳ پر ارشاد فرماتے ہیں۔

بعضے از عرفاء گفتہ اند کہ ایں خطاب بجہت سریان حقیقت محمدیہ است در ذرائر موجودات و افراد ممکنات پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم در ذات مصلیان موجود و حاضر است پس مصلی باید کہ ازیں معنی آگاہ باشد وازیں شہود غافل نبود تا بانوار قرب و اسرار معرفت متنور و فائز گردد۔

ترجمہ:۔ عرفاء میں سے بعض حضرات نے فرمایا کہ السلام علیک ایہا النبی میں خطاب کی وجہ حقیقتِ محمدیہ کا ہر ذرۂ موجودات اور تمام افرادِ ممکنات میں جاری و ساری ہونا ہے پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نمازیوں کی ذاتوں میں موجود اور حاضر ہیں۔ لہٰذا نمازی کو چاہیئے کہ اس حقیقت سے آگاہ رہے اور سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے حاضر و موجود ہونے سے غافل نہ ہو تاکہ انوارِ قرب اور اسرارِ معرفت سے منور اور فیضیاب ہو۔

اقول جب اس عرفانی کلام سے حقیقت محمدیہ کا ذرائر موجودات اور افراد ممکنات میں جاری و ساری ہونا اور حاضر و شاہد ہونا واضح ہوگیا تو قرب و بعد اور نزدیکی و دوری کا سوال ہی ختم ہوگیا اور یہی مضمون اللہ رب العزت کے ارشاد گرامی "اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ"، سے ثابت ہے یعنی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مومنین کے لیے ان کی جانوں سے بھی زیادہ قریب ہیں نیز ارشاد خداوندی ہے وما ارسلناک الا رحمۃ للعالمین اے محبوب ہم نے تمہیں سب جہانوں کے لیے سراپا رحمت بنا کر بھیجا ہے اور یہ بھی ارشاد باری ہے رحمتی وسعت کل شیئ میری رحمت ہر چیز کو محیط ہے لہٰذا اللہ تعالیٰ کی رحمت عامہ و تامہ کے مظہر اتم و اکمل صلی اللہ علیہ وسلم بھی کائنات کی ہر چیز کو اپنی رحمت و رافت کے ساتھ محیط ہیں اور کسی پر رحمت اس کے علم کے بغیر نہیں ہو سکتی لہٰذا آپ ہر چیز کو علم کے لحاظ سے بھی محیط ہیں ھذا واللہ ورسولہ اعلم۔ محمد اشرف غفرلہ

نبی اکرم علیہ السلام کا دور سے سلام و کلام سننا اور جواب دینا

رسول گرامی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے معجزات میں یہ بھی ایک معجزہ ہے کہ آپ دور سے سنتے ہیں روایات صحیحہ میں وارد ہے کہ آپ کے حلفاء بنی کنانہ کے ساتھ کفار قریش نے بدعہدی اور پیمان شکنی کرتے ہوئے حرب و ضرب کا سلسلہ شروع کیا تو ان میں سے ایک شخص نے مکہ مکرمہ سے آپ کو فریاد رسی کے لیے پکارا اور آپ نے مدینہ منورہ میں اس کے استغاثہ کو سن کر فرمایا۔ لبیک لبیک۔ اور فوراً ان کی نصرت و اعانت کے لیے لشکر لے کر مکہ مکرمہ کی طرف روانہ ہوئے اور آپ کو فتح مبین یعنی فتح مکہ نصیب ہوئی۔ (مواہب مع زرقانی جلد ثانی صفحہ ۲۹۰) بروایت حضرت میمونہ ام المومنین رضی اللہ عنہا۔

اُمت مصطفٰے علیہ التحیۃ والثناء کے اولیاء و اصفیاء کا بطور کرامت دور سے سُننا

یہ کمال صرف نبی کریم علیہ السلام کے ساتھ ہی مخصوص نہیں بلکہ آپ کے طفیل اولیاء امت کو بھی بطور کرامت حاصل ہے جیسے کہ حضرت ساریہ رضی اللہ عنہ بلاد خراسان میں دشمنانِ اسلام سے برسرِ پیکار تھے اور انہوں نے مدینہ طیبہ سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا منبر نبوی پر کھڑے ہو کر خطبہ دیتے ہوئے یا ساریۃ الجبل فرمانا (اے ساریہ پہاڑ کا خیال کر) سن لیا جیسے کہ روایت مشہورہ سے ثابت ہے تو حضرت ساریہ تک آپ کی آواز پہنچانے والا صرف اللہ تعالیٰ ہی تھا۔ اور وہی قادر و حکیم خدا بارگاہ نبوت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم میں بھی امت کا کلام او ر سلام پہنچاتا ہے خواہ وہ حالت نماز میں ہوں یا دیگر حالات میں یہ امر نہ اللہ تعالیٰ کی قدرت سے بعید ہے۔ اور نہ ہی حبیب معظم صلی اللہ علیہ وسلم اور اولیاء و محبوبین پر جو اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ہے اس سے بعید ہے اور نہ ہی عقلاً و شرعاً محال و ناممکن ہے جب دور و دراز سے عرض سلام کا حکم یہ ہے۔ تو جو سعادت مند اُمتی روضۂ انور، قبرِ مطہر پہ حاضر ہو کر سلام پیش کرتے ہیں ان کے متعلق انکار کی کیا گنجائش ہو سکتی ہے؟ بلکہ یقیناً محبوبِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم ان کا سلام و کلام بطریق اولیٰ سماعت فرماتے ہیں۔ اور بہت سے اولیاء کرام سے منقول ہے کہ رسول معظم صلی اللہ علیہ وسلم نے بآواز بلند اور علانیہ ان کے سلام کا جواب بھی دیا (جس کو ان کے علاوہ حاضرین نے بھی سنا اور عظیم سرور و لطف حاصل کیا) اس قسم کے چند واقعات کا میں نے سعادۃ الدارین اور جامع کرامات اولیاء میں ذکر کیا ہے وہاں مطالعہ کریں۔

روضۂ اطہر سے اذان کی آواز سنائی دینا

حضرت سعید بن مسیب سے مروی ہے کہ وہ نماز کے اوقات میں روضہ اقدس اور قبر انور سے اذان سنا کرتے تھے حالانکہ مسجد شریف بالکل خالی تھی اور سوائے حضرت سعید کے دوسرا کوئی شخص مسجد نبوی میں نہیں تھا۔ اس روایت

کو بہت سے علماء اعلام نے اپنی کتابوں میں ذکر کیا ہے حتیٰ کہ ابن عبدالہادی کے شیخ ابن تیمیہ نے بھی اپنی کتاب الفرقان میں اس کو ذکر کیا ہے (ملاحظہ ہو مواہب مع زرقانی جلد ۵ صفحہ ۳۱ بروایت دارمی - ابن النجار و ابن زبالہ الحادی للفتاوی ج ۲ صفحہ ۱۴۸ بروایت طبقات ابن سعد و دارمی) یہ روایت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مزار پر انوار میں زندہ ہونے کی قوی ترین دلیل ہے اور مسجد شریف کے نماز و جماعت اور اذان سے محروم ہونے سے باخبر ہونے کی بھی واضح دلیل ہے۔ اور یہ وہی علم غیب ہے جس کا ابن عبدالہادی نے انکار کیا۔ تو ان دلائل سے اس کے دعویٰ کا خلل و ضعف اور بیہودگی و بطلان واضح ہو گیا اور بارگاہِ نبوت میں اس کی بے ادبی اور اساءت بھی ظاہر ہو گئی اور ثابت ہو گیا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے وصال شریف سے قبل بھی علمِ غیب جانتے تھے اور دار دنیا سے انتقال فرمانے کے بعد بھی اللہ تعالیٰ کی تعلیم اور وحی و الہام سے اپنے مزار پر انوار میں بھی غیوب سے باخبر ہیں۔ بلکہ علم غیب تو بہت سے اولیاء کرام کو بھی حاصل ہے اور صرف سعادت اور نیک بختی سے ازلی محروم شخص ہی اس کا انکار کر سکتا ہے۔ میری کتاب "جامع کرامات الاولیاء" میں اس قسم کے بے شمار دلائل موجود ہیں اور شواہد و وقائع منقول ہیں۔

علمِ غیب کے متعلق علامہ ابن حجر مکی کی تحقیق

امام موصوف اپنے فتاویٰ حدیثیہ میں ارشاد فرماتے ہیں کہ انبیاء کرام اور اولیاء عظام کا علمِ غیب صرف اللہ تعالیٰ کے اعلام اور اطلاع سے ہے۔ اور جس علمِ غیب کے ساتھ اللہ تعالیٰ متفرد و مخصوص ہے وہ اس سے مختلف ہے لہٰذا ان کے حق میں "یعلمون الغیب اور اس قسم کے الفاظ" استعمال کرنے سے گریز کیا جائے کیونکہ ایسے الفاظ علم غیب میں مستقل اور غیر محتاج ذات جل و علیٰ کے ہی شایاں ہیں جب کہ یہ مقدس ہستیاں اپنے اندر کوئی ایسی صفت نہیں رکھتیں کہ غیب جاننے میں ان کے استقلال کو مستلزم ہو۔ نیز انہوں نے خود بخود غیب نہیں جانا بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کو غیب جتلایا گیا ہے۔ علاوہ ازیں یہ امر بھی ذہن نشین رہے کہ انہوں نے مطلقاً غیب کو نہیں جانا بلکہ بعض وجوہ سے غیب کا علم انہیں حاصل ہوا کیونکہ اس امر پہ اطلاع میں وہ ملائکہ بھی ان کے ساتھ شامل ہیں جنہوں نے وہ پیغام اللہ کی طرف سے پہنچایا اور ان کے علاوہ اس منصب کے مالک دیگر مقبولانِ بارگاہِ خداوندی بھی ان کے ساتھ اس علم و اطلاع میں شریک ہیں۔

الغرض اللہ تعالیٰ کی طرف سے انبیاء کرام علیہم السلام اور اولیاء عظام علیہم الرضوان کو بعض غیوب کی اطلاع حاصل ہونا بالکل ممکن امر ہے اور کسی وجہ سے اس میں کوئی محال و ممتنع امر کا ارتکاب لازم نہیں آتا لہٰذا اس کے حصول و وقوع کا انکار صراحتہً عناد اور ہٹ دھرمی ہے (اور جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک اور برابری لازم آنے کا بہانہ بنا کر ان مقبولان بارگاہ کے اس خداداد کمال کا انکار کیا ہے تو یہ بہانہ لغو و بے بنیاد ہے) کیونکہ یہ امر روزِ روشن کی طرح عیاں ہے کہ جس علم غیب کے ساتھ اللہ تعالیٰ مختص و منفرد ہے اور ازل سے ابد تک موصوف و متصف ہے ان حضرات

کی اس میں قطعاً مشارکت لازم نہیں آتی ارشاد خداوند تبارک و تعالیٰ "قُلْ لَا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ" کا بھی یہی معنی ہے جیسا کہ امام نووی شارح مسلم نے اپنے فتاویٰ میں اس کی تحقیق فرمائی ہے۔ فرماتے ہیں معناها لا يعلم ذالك استقلالا وعلم احاطة بكل معلومات الله الا الله اس آیت کریمہ کا معنی یہ ہے کہ غیب کا علم استقلالی اور تمام معلومات باری تعالیٰ کو محیط علم کسی کو حاصل نہیں ہے۔ رہے علومِ انبیاء و اولیاء علیہم السلام تو وہ معجزات و کرامات کی قسم سے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے بتلانے اور وحی و الہام فرمانے سے ہیں۔ اور ایسے ہی وہ علوم جو عام لوگوں کو حسب معمول حاصل ہوتے ہیں وہ بھی علم الٰہی میں مشارکت کی صلاحیت نہیں رکھتے انتہت کلام النووی (امام ابن حجر کی تحقیق ختم ہوئی۔)

اولیاء کرام کا علمِ غیب دراصل سید الانبیاء علیہ التحیۃ والثناء کا ہی معجزہ ہے

اولیاء کرام کا تعلیم الٰہی سے غیب پر مطلع ہونا معجزات سید الانبیاء علیہم السلام سے ہے جو آپ کے صدقِ نبوت و رسالت اور دینِ اسلام کی حقانیت و صداقت کی دلیل ہے۔ (اور چونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بے شمار اور بے حد و حساب معجزات عطا فرمائے ہیں) لہٰذا ایسے اولیاء کرام بھی بحمد اللہ کثیر التعداد ہیں اور ہر دور اور ہر علاقہ میں موجود رہے ہیں اور ان شاء اللہ رہیں گے۔

ایسے ہی اولیاء کاملین میں سے شیخ جلیل عارف باللہ سیدی و شیخی الشیخ علی عمری نزیل طرابلس ہیں جن کا سو سال کی عمر شریف میں ۱۳۲۱ھ میں وصال ہوا۔ میں نے بارہا ان کی خدمت میں لاذقیہ، طرابلس اور بیروت میں حاضری کا شرف حاصل کیا۔ اور انہوں نے ہر جگہ مجھے میرے دل میں پیدا ہونے والے خیالات اور عزائم کی اطلاع دی حالانکہ میں نے کسی شخص کو بھی ان ارادوں سے باخبر نہیں کیا تھا۔ اور بعض ایسے گذشتہ واقعات کی اطلاع دی جن کو پیش آئے عرصہ دراز گذر چکا تھا یا قریب ترین زمانہ میں واقع ہوئے تھے اور میں نے ان میں سے کسی واقعہ کی قطعاً کسی کو اطلاع نہیں دی تھی۔ اور آپ نے بعض ایسے واقعات کی بھی خبر دی جو آئندہ مجھے پیش آنے والے تھے اور جس طرح آپ نے فرمایا اسی طرح وہ وقوع پذیر ہوئے۔ یہ تو وہ معاملات تھے جن کا میں نے خود تجربہ کیا۔ اور میرے علاوہ دوسرے لوگوں نے بھی ایسے بے شمار واقعات مجھے بتلائے جن کا انہوں نے تجربہ و مشاہدہ اور غیبی امور کی اطلاع کے علاوہ دیگر کرامات اور خارقِ عادات جو ان سے دیکھنے میں آئے ان کے انواع و اقسام اور افراد و جزئیات کا احاطہ کرنا ممکن نہیں ہے اور ان کے لیے طویل و عریض دفتر درکار ہے مختصر یہ کہ جو شخص بھی ان سے ملا اور تعارف ہوا اس نے لازماً کوئی نہ کوئی ایسی کرامت ضرور مشاہدہ کی۔

دوسرے بزرگ جن سے ملاقات کا شرف مجھے حاصل ہوا وہ سید شریف ولی اللہ شیخ عبدالحمید نورانی قادری نسباً و

طریقۃً نزیل القدس جو ابھی بحمد اللہ بقیدِ حیات ہیں اور کرامات وخوارقِ عادات کے ساتھ معروف ومشہور۔ جب میں قدس شریف میں رئیس المحکمۃ الجزیۃ تھا تو اس وقت بھی ان کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور جب میں بیروت آ گیا تو اسی دوران وہ بھی قدم رنجہ فرما ہوئے اس دوران بھی بارہا حاضری کی سعادت نصیب ہوئی۔ آپ نے بھی مجھے پیش آئے ہوئے ایسے واقعات کی اطلاع دی جو میرے اللہ تعالےٰ کے ہی علم میں تھے۔ بعض کو گذرے کئی سال گذر چکے تھے۔ اور بعض کو پیش آئے ابھی چند دن ہی گذرے تھے۔

تیسری مقدس شخصیت انہی کے چچازاد بھائی ولی اللہ الشیخ احمد نوبانی ہیں جن کا گذشتہ سال ۱۳۲۱ھ میں اپنے آبائی گاؤں قریۃ المزارع مضافات قدس شریف میں انتقال ہوا۔ میں بیروت میں بارہا اُن کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوا۔ آپ نے بھی مجھے ایسے غیبی امور کی خبر دی جن پر اطلاع صرف خدا داد کرامت سے ہی ممکن تھی۔ اور مجھے صالحین و صادقین کی کثیر جماعت نے اپنے ساتھ پیش آمدہ ایسے ہی واقعات کی اطلاع دی نوبانی سلسلہ کے یہ فرزندان ارجمند نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذریت طاہرہ قادریہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان میں اور ان کے آباء واجداد میں بہت اولیاء کاملین اور صاحبِ کرامات واحوال بزرگ گذرے ہیں۔ اور بلاد شام میں بالعموم اور قدس شریف اور اس کے گردونواح میں بالخصوص معروف ومشہور ہیں۔ اللہ تعالےٰ ہمیں ان سے اور جملہ ساداتِ کرام اور اولیاء عظام سے نفع اندوز ہونے کی سعادت بخشے۔ اور ہمیں ان کی رضا اور ان کے جدِ اعظم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی رضامندی نصیب فرمائے آمین۔

نبی الانبیاء علیہ السّلام کا باذن اللہ معطی ومانع ہونا سائلین اور حاجتمندوں کے لئے حاجت روا اور شفیع المذنبین ہونا

رہا ابن عبدالہادی کا یہ دردِ دل کہ لوگ نبی الانبیاء سید الموجود صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق جود وعطا کا اعتقاد رکھتے اور اللہ تعالےٰ کے اذن سے محروم نعمت ٹھہرانے کے اختیار کا اعتقاد بھی رکھتے ہیں اور یہ عقیدہ بھی رکھتے ہیں کہ آپ در دولت پر حاضر سائلین کی حاجات بر لاتے ہیں۔ اور مشکلات میں گھرے ہوئے لوگوں کی مشکلات حل فرماتے ہیں اور جس کو چاہیں جنت میں داخل فرماتے ہیں۔

تو یہ ایسے امور ہیں جو شک وشبہ اور ریب وتردد سے بالاتر ہیں۔ ان کی صحت میں اور آپ کے لیے ان کے حاصل ہونے میں شک وشبہ اس شخص کو پیش آسکتا ہے جس کے دل پر جہالت وظلمت کی دبیز تہیں جم چکی ہوں یوں معلوم ہوتا ہے کہ وہ ابھی ابھی اسلام کے دروازہ پر پہنچا ورنہ کون سا مومن ہے جس کو آپ کے ان خداداد مراتب ومناصب میں شک ہو۔ اور جہان میں کون سا فرد ایسا ہوگا جو یہ عقیدہ رکھے کہ ان امور میں سے کسی میں بھی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مستقل ہیں۔ اور وہ سب کچھ اپنے طور پر کرتے ہیں۔ حالانکہ اس عقیدہ کے سبھی لوگ آنحضور علیہ السلام کو سب بندگان خدا کا سردار

مانتے ہیں۔ اور افضل الخلق اور ساری مخلوق سے اللہ تعالیٰ کے محبوب ترین اور مقرب ترین رسول سمجھتے ہیں۔

ابن عبدالہادی کے اس اعتراض سے تو صرف یہی محسوس ہوتا ہے کہ اس کا دل نور اور ضیاء ایمان سے محروم ہے اور اساءت وبے ادبی کی تاریکی سے بھرپور ہے۔

ان کمالات کا ظاہری حیاتِ طیبہ میں ثبوت تو محتاج دلیل وبرہان نہیں ہو سکتا کیونکہ وہ امور بدیہیہ سے ہے بلکہ دوسرے لوگ بھی مسلم ہوں یا غیر مسلم عوام ہوں یا خواص ظاہری زندگی میں ان پر بھی یہ صفات صادق آتی ہیں کہ وہ جواد وسخی ہیں یا دستِ سوال دراز کرنے والوں کی حاجات بر لاتے ہیں۔ اور درد وکرب، رنج والم میں مبتلا مصیبت زدگان کی مشکلات دور کرتے ہیں حالانکہ حقیقی فاعل اور موثر ان افعال میں ان مواد کے اندر بھی اللہ رب العزت ہی ہے (الغرض جو امر خصوصیت باری تعالےٰ ہے وہ کسی بھی غیر میں ثابت نہیں ہے اور جو خصوصیتِ باری نہیں یعنی باذن اللہ عطا ومنع اور حاجت روائی و مشکل کشائی) تو وہ اہلِ اسلام سے بھی مخصوص نہیں اور نہ صالحین واولیاء کاملین سے چہ جائے کہ صرف سید المرسلین علیہ الصلوٰۃ والتسلیم سے مختص ہو۔ لہٰذا ابن عبدالہادی کی اس حیرانگی بلکہ برہمی کی کوئی وجہ نہیں ہو سکتی کہ اہلِ اسلام اور مخلص مومنین سید المرسلین کو باذن اللہ مالک اور قاسم خزائنِ ارض وسما حاجت روا مشکل کشا اور معطی ومانع کیوں تسلیم کرتے ہیں ؟

وصال کے بعد رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے جود وعطا اور مشکل کشائی و حاجت روائی کا تسلسل

اس قسم کے واقعات اور شواہد حد وحساب اور گنتی وشمار سے باہر ہیں جو بعد از وصال رسول کریم علیہ السلام کے جود ونوال اور حاجت روائی پر دلالت کرتے ہیں۔ امام ابو عبداللہ محمد بن نعمان مغربی تلمسانی مالکی المتوفی ۶۸۳ھ نے اس موضوع پر ایک مستقل کتاب "مصباح الظلام فی المستغیثین بخیر الانام" تالیف فرمائی ہے۔ علاوہ ازیں صاحب سیرت حلبیہ علامہ شیخ نور الدین علی الحلبی الشافعی المتوفی ۱۰۴۴ھ نے بھی اس موضوع پر "بغیۃ الاحلام" نامی کتاب تصنیف فرمائی ہے۔

میں نے ان دونوں کتابوں کے مندرجات کو اسنادات حذف کر کے اپنی کتاب "حجۃ اللہ علی العالمین" میں درج کر دیا ہے۔ لہٰذا ان شواہد ودلائل اور واقعات وحقائق کو یہاں درج کر کے سلسلہ کلام کو طول دینے کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ میری یہ کتاب چھپ چکی ہے اور ہر جگہ دستیاب ہے اور حقیقت تو یہ ہے کہ ہر زمانہ اور ہر مکان میں بسنے والے

امام اہل السنت احمد رضا بریلوی فرماتے ہیں۔

تیرے تو وصف عیب تناہی سے ہیں بری — حیراں ہوں میرے شاہ میں کیا کیا کہوں تجھے

لیکن رضا نے ختم سخن اس پہ کر دیا ! — خالق کا بندہ خلق کا آقا کہوں تجھے

اہل اسلام وایمان کے نزدیک یہ امر شہرت اور تواتر کے ساتھ ثابت ہے لہٰذا اس پر دلائل و براہین قائم کرنے کی چنداں ضرورت بھی نہیں ہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان جس کو امام سیوطی نے جامع کبیر میں ابن سعد کے حوالہ سے نقل کیا اور ابن سعد نے بکر بن عبداللہ سے بطور ارسال اس کو نقل کیا ہے، اس حقیقت سے پردہ خفا اٹھانے کے لیے کافی ہے۔

حَیَاتِیْ خَیْرٌ لَّکُمْ تُحَدِّثُوْنَ وَیُحَدَّثُ لَکُمْ فَاِذَا اَنَا مِتُّ کَانَتْ وَفَاتِیْ خَیْرًا لَّکُمْ تُعْرَضُ عَلَیَّ اَعْمَالُکُمْ فَاِنْ رَءَیْتُ خَیْرًا حَمِدْتُ اللّٰہَ وَاِنْ رَءَیْتُ شَرًّا اِسْتَغْفَرْتُ لَکُمْ۔

ترجمہ۔ میری زندگی تمہارے لیے خیر و بہتر ہے تم مجھ سے گفتگو کرتے ہو اور اپنے مقاصد و مطالب عرض کرتے ہو اور (میری طرف سے) تمہیں ان کا جواب دیا جاتا ہے اور عقدہ کشائی کی جاتی ہے۔ اور اگر میرا وصال ہو گیا تو وہ بھی تمہارے لیے موجب حرمان و نقصان محض نہیں ہو گا بلکہ اس میں بھی (ایک پہلو خیر و برکت کا موجود ہو گا) تمہارے جملہ اعمال و افعال مجھ پر پیش ہوتے رہیں گے۔ اگر نیکی اور بھلائی دیکھوں گا تو اللہ تعالےٰ کی حمد بجالاؤں گا اور اگر برائی اور بدعملی نظر پڑے گی تو تمہارے لیے دعائے مغفرت و بخشش کروں گا۔

اے کاش! ابن عبد الہادی کی کھوپڑی میں میری عقل و فہم کار فرما ہوتی تو وہ سوچتا اور سمجھتا کہ آخر اس حدیثِ شفاعت کا کیا مطلب ہے جس کو امام بخاری اور امام مسلم اور دیگر اکابرین محدثین و حفاظ حدیث نے نقل کیا ہے۔ کیا اس سے آپ کا سب خلائق کے لیے حاجت روا ہونا اور دردمندوں کے درد کا درمان ہونا اور بے چاروں اور بے سہاروں کے لیے چارہ ساز اور سہارا ہونا ثابت نہیں ہوتا؟ حدیث پاک کے الفاظ ملاحظہ ہوں اور نبی کریم علیہ السلام کی شانِ رحمت و کرم۔

انا سید الناس یوم القیامۃ وھل تدرون مم ذلک یجمع اللہ الاولین والآخرین یوم القیامۃ فی صعید واحد یسمعھم الداعی وینفذھم البصر وتدنو الشمس منھم، فیبلغ الناس من الغم والکرب مالا یطیقون ولا یحتملون ثم یقصدون اکابر الرسل علیھم الصلوۃ والسلام لیشفعوا الیھم آدم ونوحا وابراھیم وموسٰی وعیسٰی فکل واحد یحیلھم علی من بعدہ،

ترجمہ:۔ میں قیامت کے دن لوگوں کا سردار ہوں گا۔ کیا جانتے بھی ہو کہ میری یہ سیادت و قیادت کیسے ظاہر ہو گی۔ اللہ تعالےٰ تمام مخلوق اول و آخر کو زندہ فرما کر ایک ایسے ہموار میدان میں جمع فرمائے گا کہ ہر شخص سب اہل محشر کو دیکھ سکے گا اور انہیں اپنی بات سنا سکے گا۔ سورج سب کے قریب ہو جائے گا (تو گرمی اور تمازت نیز حساب و کتاب کی دہشت و ہیبت سے) ہر شخص اس قدر غم و اندوہ اور درد و کرب میں مبتلا ہو جائے گا جس کا برداشت کرنا ان کے بس سے باہر ہو گا (چنانچہ اس پریشانی سے خلاصی اور چھٹکارا حاصل کرنے کے لیے)

وہ اکابر رسل کرام علیہم السلام یعنی حضرت آدم، حضرت نوح، حضرت ابراہیم، حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہم السلام کی طرف متوجہ ہوں گے۔

تاکہ ان کی شفاعت کی بدولت اس مصیبت سے نجات حاصل کریں۔ مگر ان مقربان بارگاہِ خداوندی میں سے ہر پہلا نبی و رسول انہیں پچھلے کے حوالے فرمائے گا اور اس کی بارگاہ میں حاضری کا اشارہ کرے گا۔ جب حضرت عیسیٰ روح اللہ علیہ السلام کی بارگاہِ اقدس میں حاضر ہوں گے تو وہ فرمائیں گے میں تو شفاعت عظمیٰ کا اہل نہیں ہوں لہٰذا تم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دامنِ لطف و کرم سے چمٹ جاؤ جن کے پہلے اور پچھلے ذنوب (بالفرض ہوں تو) بخشنے کا اللہ تعالیٰ نے اعلان فرما رکھا ہے۔ چنانچہ ان کی رہنمائی پر سب اہلِ محشر رحمۃ للعالمین علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی بارگاہِ والا جاہ میں حاضر ہوں گے تو آپ کی زبان اقدس پر "نہیں" کا لفظ نہیں ہو گا بلکہ ارشاد ہو گا "اَنَا لَھَا"، شفاعت عظمیٰ کے لیے صرف میں ہوں اور وہ میرا خصوص حق ہے۔ چنانچہ میں رب العزت کے حریم قدس میں حاضری کے لیے اجازت طلب کروں گا فوراً حریم جلال میں باریابی کا اذن مل جائے گا جوں ہی میں اپنے پروردگار جل وعلیٰ کے دیدار سے بہرہ ور ہوں گا جبینِ نیاز کو خاکِ نیاز پر رکھ دوں گا۔

(جب اللہ تعالےٰ میری جبینِ شوق کو اپنے حریم قدس میں سجدہ ریز دیکھے گا) تو فوراً حکم فرمائے گا۔ یَا مُحَمَّدُ اِرْفَعْ رَأْسَکَ۔ اے سب صفات کمال کے موصوف کامل اپنا سر ناز زمینِ نیاز سے بلند کیجئے۔ سَلْ تُعْطَ جو مانگو تمہیں عطا کیا جائے گا۔ وَاشْفَعْ تُشَفَّعْ جس کی شفاعت کرو قبول کی جائے گی چنانچہ حسب الارشاد میں اپنے سر کو اٹھاؤں گا۔ اور عرض کروں گا اے رب کریم میری امت پہ نگاہ کرم ہو۔ اے پروردگار من۔ میری امت پر نظر عنایت ہو۔ تو اللہ تعالےٰ کی طرف سے ارشاد ہو گا کہ (پہلے پہل) اپنی امت کے ان (ستر ہزار) افراد کو جنت کے دائیں دروازہ سے جنت میں داخل کرو۔ اور وہ دوسرے دروازے سے داخل ہونے کا اسی طرح حق رکھتے ہیں جس طرح دوسرے اہلِ جنت۔

شفاعت کے ضمن میں یہ کوئی ایک ہی روایت کتب احادیث میں مروی نہیں ہے وہ حد و حساب سے باہر ہیں اور تواتر معنوی تک پہنچی ہوئی ہیں۔ میں نے صرف اس ایک روایت پہ اس لیے اکتفاء کیا ہے کیونکہ یہ حدیث مشکل کشائی اور حاجت روائی پر اعتراض کرنے والے شخص کے رد و ابطال پر برہان وافی اور دلیل کافی ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جس وقت یہ معترض اعتراض فاسد کر رہا تھا اور سینہ زوری اور تحکم کا مظاہرہ کر رہا تھا اس وقت اس کی کھوپڑی مغز سے خالی تھی اور اس میں نہ عقل موجود تھی اور نہ ہی یہ دلیل نقلی اور یقیناً اس منہ زوری کا بنیادی سبب یہی ہو سکتا ہے کہ یہ شخص اکابرین حفاظ حدیث میں سے ہونے کے باوجود یہ کلمات لکھتے وقت حدیثِ شفاعت کو بھولا ہوا تھا ورنہ اتنی جرءت و جسارت سے کام نہ لیتا۔ اللہ تعالےٰ امام بوصیری کی قبر انور پر رحمت کا مینہ برسائے انہوں کیسی پتے کی بات کہی ہے۔

۔ وَإِذَا ضَلَّتِ الْعُقُولُ عَلَىٰ عِلْمٍ فَمَاذَا تَقُولُهُ النُّصَحَاءُ ؟

اور جب عقول و افہام علم و دانش اور فہم و فراست کے ہوتے ہوئے گمرہی کا شکار ہو جائیں تو وہاں ناصح مشفق کیا کر سکتے ہیں اور ان کا نصیحت کرنا کس کام آسکتا ہے ؟

اگر یہ سبب نہیں تو آخر اس حدیثِ صحیح اور مشہور کے ہوتے ہوئے جس کو امام بخاری و مسلم اور دیگر تمام محدثین وغیرہ نے صحیح قرار دیا اور اس کی صحت پر اتفاق کیا اور جو کسی بھی مسلمان سے مخفی و پوشیدہ نہیں چہ جائیکہ علماء و فضلا سے اس شخص کو اس حقیقت کے انکار کی کیونکر جرءت ہوئی کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم رنج والم میں مبتلا لوگوں کی پریشانیاں دور کرتے ہیں۔ جس کی چاہیں گے باذن اللہ شفاعت فرمائیں گے اور جس کو چاہیں گے جنت میں داخل فرمائیں گے۔ کیا اس دردو کرب اور رنج والم سے بڑھ کر بھی کوئی دردو کرب اور رنج والم ہوگا جس نے تمام اہلِ محشر کو اپنی لپیٹ میں لے رکھا ہوگا۔ اور کیا اس شفاعت اور حاجت روائی اور مشکل کشائی سے بڑھ کر بھی کوئی شفاعت اور مشکل کشائی ہوگی جو ہر خاص و عام کے لیے موجب فرحت و شادمانی ہوگی اور ہر ایک کے درد کا درمان۔

اسی حدیث شریف میں یہ تصریح موجود ہے کہ اللہ تعالےٰ حبیب پاک علیہ افضل الصلوات کو فرمائے گا کہ اپنی امت کی اس جماعت کو جنت کے دروازوں میں سے دائیں دروازہ سے داخل کریں جن پر حساب اور مواخذہ نہیں ہے اور وہ دوسرے لوگوں کے ساتھ دوسرے دروازوں سے داخل ہونے کے استحقاق میں برابر کے شریک ہیں۔ کیا اس واضح ارشاد خداوندی کو پڑھنے سننے کے بعد بھی کوئی ایسا مسلمان جس کی کھوپڑی میں رائی کے برابر بھی عقل ہو یہ شک کر سکتا ہے کہ نبی کریم علیہ السلام جس کے لیے چاہیں شفاعت فرمائیں اور جس کو چاہیں جنت میں داخل فرمائیں ؟

میرے وہم و گمان میں بھی یہ بات نہ تھی کہ تعصب و عناد انسان کو باطل پرستی کی اس حد تک بھی لے جاسکتا ہے ؟ مجھے اپنے خالقِ حیات و زیست کی قسم نبی الانبیاء علیہ التحیۃ والثناء پر بولی جانے والی ایسی عبارات کو بعید سمجھنا خواہ وہ آپ کی ظاہری دنیوی حیات طیبہ کے لحاظ سے ہوں یا بعد از وصال حیات برزخیہ کے لحاظ سے عظیم تر حرمان نصیبی اور قبیح ترین بدنصیبی کی دلیل ہے اور بایں ہمہ میں اپنے لیے اور ایسے شخص کے لئے بارگاہ صمدیت میں عفو و درگذر اور مغفرت و بخشش کے لئے دست بدعا ہوں بے شک وہ مالکِ احسان ہے۔

تنبیہ : کتاب کے بعض نسخوں میں اس کا نام الصارم المبکی مذکور ہے مگر یہ صحیح نہیں ہے کیونکہ "اَنْكَىٰ" رباعی کتب لغت میں نام و نشان نہیں ملتا اور منکی اسم فاعل کا صیغہ تھی متحقق ہو سکتا ہے جب اَنْكَىٰ رباعی ثابت ہو۔ جو کتب لغت میں وارد ہے وہ مجرد ثلاثی نَكَاءٌ ہے اور کبھی لام کلمہ وارد ہمزہ کو الف سے بدل کر نَكَىٰ پڑھا جاتا ہے، محاورات عرب میں کہا جاتا ہے نَكَأَ الْعَدُوَّ وَنَكَاهُ نِكَايَةً جب کہ دشمن کو گرفت میں لے لیا جائے اور اس کو سخت نقصان پہنچایا جائے اور اَنْكَأَ الْعَدُوَّ و یا اَنْكَاهُ مستعمل نہیں جیسے کہ قاموس، مصباح اور لسان العرب

میں تصریح موجود ہے لہٰذا المنکی میں کوئی وجہ صحت موجود نہیں۔ الغرض اس تحقیق سے واضح طور پر معلوم ہو گیا کہ کتاب کا نام الصارم المبکی جیسے کہ معروف ہے خطا ہے کیونکہ ابن عبد الہادی جو اس کتاب کا مولف ہے وہ اکابر علماء میں سے ہے۔ لہٰذا اس پر ایسے لفظ کیوں کر مخفی رہ سکتے ہیں تو یہ خطا اس کی طرف سے نہیں ہے بلکہ کتاب کو نقل کرنے والوں نے نقل میں غلطی کھائی ہے۔ اور درحقیقت مصنف نے اس کا نام "الصارم المبکی" رکھا تھا جیسے کہ کشف الظنون میں ہے۔

البتہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ابن عبد الہادی علم حدیث میں متبحر عالم ہونے کے باوجود علم عربیت اور لغت میں ضعیف ہو لہٰذا اس لفظ کے اطلاق میں اسی سے ہی یہ خطا سرزد ہوئی اور علی الخصوص جب کہ امام سبکی کو وہ اپنا دشمن سمجھتا ہے تو اس کے رد میں لفظ نکایت ہی زیادہ موزوں ہے جو ضرب کاری کے معنی پر دلالت کرتا ہے (اگرچہ باب افعال اس کا مستعمل نہیں تھا لیکن اپنے دل کی آگ بجھانے کے لیے قواعد عربیت کو نظر انداز کر دیا)۔

اور یہ بھی عین ممکن ہے کہ وہ علوم عربیہ میں مہارت تامہ رکھتا ہو لیکن اللہ تعالےٰ نے نام تجویز کرتے وقت اس کے نورِ بصیرت کو ختم کر دیا ہو جیسے کہ کتاب کے مضامین میں اس کے نورِ بصیرت و فراست کو گل کر دیا، تاکہ اسم اور مسمیٰ دونوں کی خطا ظاہر ہو جائے اور اس احتمال کی تائید و تقویت اس امر سے ہوتی ہے کہ اس کا مسمیٰ یعنی نفس کتاب میں لغزشیں اور ٹھوکریں کھانا محض کتاب کے نام میں لغزش کھانے سے زیادہ قبیح ہے (اور جب اس کا علم و فن اس قبیح ترین خطا سے اس کو نہیں بچا سکا تو اس سے ادنیٰ درجہ کی غلطی میں کیسے بچاتا ؟)

بہرحال متعدد احتمال آپ کے سامنے ہیں مگر میں نے کشف الظنون کی اتباع میں اس کتاب کا نام "الصارم المبکی" ہی اختیار کیا ہے اور یہی صواب و صحیح ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالےٰ اعلم

تیسری فصل :-

نعمان آفندی آلوسی کی کتاب "جلاء العینین فی محاکمۃ الاحمدین" پر تبصرہ

اس کتاب کے مولف نے ابن تیمیہ پر حق سے میلان کا فتویٰ صادر کیا اور علامہ ابن حجر پر جھوٹ اور بہتان کا، علماء اعلام اور ائمہ اسلام کے ساتھ ضد و عناد میں یہ شخص تعصب کی انتہائی حد تک جا پہنچا بالخصوص علامہ ابن حجر ہیتمی مکی۔ اور تقی الدین سبکی اور ان کے فرزند ارجمند تاج الدین سبکی کے ساتھ بغض شدید کا مظاہرہ کیا اور ابن تیمیہ کی ان مسائل میں تائید کی جن میں اس نے امت محمدیہ کے اجماع و اتفاق کو تار تار کیا اور مذہب وہابیہ کا بانی مبانی بن گیا۔ اسی وجہ سے مذاہب اربعہ کے جمہور ائمہ اعلام نے اس کو سخت ناپسندیدگی کی نگاہ سے دیکھا۔ نعمان آفندی کی یہ کتاب عوام اہل اسلام اور طلبہ کے لئے سب کتابوں سے زیادہ ضرر رساں اور نقصان دہ ہے لہٰذا ان پر لازم ہے کہ اس کتاب کے ساتھ وہی سلوک روا

رکھیں جو سلوک دیگر ایسی کتابوں کے ساتھ روا رکھتے ہیں جن کو اپنے مذہب و مسلک کے مخالف سمجھتے ہیں۔ اور اپنے مشارب کو مکدر کرنے والی یعنی اس سے مکمل اعراض اور روگردانی بروئے کار لائیں اور اس کے کسی حصہ کا مطالعہ بھی نہ کریں تاکہ اس میں مندرج شکوک و شبہات ان کے یقین و ایمان کو متزلزل نہ کریں۔ اور امور دین میں خلل انداز نہ ہوں۔

البتہ علماء اعلام کے حق میں اس کتاب کے مطالعہ سے کسی قسم کے ضرر کا اندیشہ نہیں ہے کیونکہ وہ ابن تیمیہ کی خطا اور اس کے طائفہ وہابیہ کی لغزشات میں اور امام سبکی۔ علامہ ابن حجر اور جمہور ائمہ اسلام اور امت محمدیہ کے اقوال صحیحہ میں واضح فرق معلوم و محسوس کر سکتے ہیں۔ اور نعمان آفندی نے اس کتاب میں جس طرح حق و باطل۔ اور رنگینی و بے رنگی میں خلط ملط کیا اس میں واضح تمیز کر سکتے ہیں اور اس کے ملمع کئے ہوئے کلمات اور کھوٹ پر مشتمل اوہام سے دھوکہ نہیں کھا سکتے جن کے متعلق اس کا زعم فاسد یہ ہے کہ ابن تیمیہ کی لغزشات ہی دراصل اسلاف کرام اور ائمہ اسلام کا مذہب ہے۔

لیکن بایں ہمہ بہتر بلکہ صواب و صحیح یہی ہے کہ علماء اعلام بھی اس سے مکمل طور پر اعراض کریں اور اگر اس کا مطالعہ کرنے کی زحمت گوارا کریں تو صرف اس پر رد کرنے کے لئے۔ اور علماء اعلام۔ مقتدایان انام ہادیان امت اور مصابیح ملت مثلاً ائمہ ثلاثہ ابن حجر امام سبکی، اور تاج الدین سبکی کے خلاف اس کے تعصب شدید اور خطاء فاحش کو واضح کرنے کے لئے اور جمہور اہل اسلام اہل السنۃ والجماعۃ کے عقائد و نظریات میں سے بہت سے نظریات و عقائد کے خلاف کو راجح اور وزنی قرار دینے کی لغویت و بیہودگی واضح کریں مثلاً استغاثہ۔ زیارت روضہ انور اور اللہ تعالیٰ کے حق میں جہت وغیرہ کے ایسے اقوال جن میں اس نے خلط و خبط کا مظاہرہ کیا ہے اور صرف علماء اعلام ہی ان میں حق و باطل اور صواب و ناصواب میں امتیاز پر قادر ہیں مگر عوام اہل اسلام اور طلبہ علم پر اس کتاب کے مطالعے سے عقائد میں خلل اور تزلزل کا اندیشہ ہے۔

نعمان آلوسی کے متعلق علامہ نبہانی کی حیرانی

بس نجدا اس شخص کے معاملہ میں سخت حیرانی کا شکار ہوں۔ اگر میں یہ کہتا ہوں کہ کتاب میں جو کچھ مندرج ہے وہ واقعی اس کا عقیدہ ہے تو اس دعویٰ میں میرا یہ علم و عرفان مانع و معارض ہوتا ہے کہ وہ حنفی المذہب ہے اور اس کا تعلق بغداد شریف کے ایک ایسے علمی گھرانے اور سادات خانوادے سے ہے جو سارے کے سارے اہل السنۃ والجماعت ہیں اور جو کچھ اس نے دلائل و شواہد اس کتاب میں درج کر کے ان کے ذریعے ابن تیمیہ کی لغزشات کی تائید و تقویت کی ہے اور جو انداز و اسلوب اختیار کیا ہے وہ صرف وہابیہ کا طرز و طریق ہے۔ نہ احناف کا اور نہ اس کے آباء و اجداد سادات شافعیہ کا۔ اور اگر یہ کہتا ہوں کہ یہ اس کا مذہب نہیں ہے اور نہ حقیقی اعتقاد بلکہ یہ سارا ڈھونگ اس نے صرف نواب صدیق حسن بھوپالی شہرۂ آفاق وہابی صاحب تصانیف مشہورہ کی خاطر و مدارات کے لیے رچایا ہے تو ایسے شخص کے حق میں یہ بات بھی زیبا نہیں ہے اگرچہ اس کی صدیق حسن وہابی کے ساتھ خط و کتابت اور جلاء العینین کے ابتداء میں درج مکتوبات و مراسلات سے ظاہر یہی ہوتا ہے

اور میرے اس گمان کی تائید و تصدیق مولف مذکور کی دوسری کتاب "غالیۃ المواعظ" سے بھی ہوتی ہے جو اس نے جلاء العینین کے بعد لکھی اس کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ اس نے اپنی اس کتاب میں تمام تر علامہ ابن حجر کی کتابوں مثلاً صواعق اور زواجر وغیرہ سے استفادہ کیا ہے اور انہیں سے عبارات نقل کی ہیں اور ابن تیمیہ کی کتابوں سے بہت کم حوالہ جات درج کئے ہیں۔ واللہ اعلم کہ اس کی نیت اور ارادہ اس کتاب کی تالیف سے کیا تھا؟

مجھے آلوسی کے اس اقدام پر اعتراض نہیں ہے کہ ابن حجر کے نقل کردہ بعض اقوال کی نسبت ابن تیمیہ کی طرف صحیح نہیں ہے۔ اور اس پر صحیح یا غیر صحیح عبارات سے استدلال و استشہاد بھی قابل اعتراض نہیں ہے کیونکہ عین ممکن ہے کہ بعض امور کی نسبت اس کی طرف درست نہ ہو لہذا یہ تحقیق اگر حقائق پر مشتمل ہو تو مستحسن اقدام ہے لیکن مولف موصوف نے صرف اسی قدر جواب کو کافی نہیں سمجھا بلکہ علامہ ابن حجر پر ایسے گندے الفاظ سے جرح و قدح کی ہے جو طلبہ کے حق میں بھی استعمال کرنا زیبا نہیں ہے چہ جائے کہ ائمہ دین میں سے ایک عظیم امام کے حق میں جن کے علم اور تالیف کردہ کتابوں سے صدیوں سے امم و اقوام اسلامیہ نفع اندوز ہو رہی ہوں۔

اور بالکل یہی گھٹیا انداز امام سبکی مولف "شفاء السقام"، پر رد و قدح اور طعن و تشنیع میں اختیار کیا ہے حتیٰ کہ اس نے کہیں بھی ان کو امام یا شیخ الاسلام کے لفظ و لقب سے یاد نہیں کیا بلکہ صرف سبکی یا قاضی سبکی کا لفظ استعمال کیا حالانکہ وہ بلاشک وارتیاب شیخ الاسلام کے لقب کے حقدار ہیں کیونکہ وہ شام کے قاضی القضاۃ تھے اور علماء اعلام کے امام اور اس دور میں شیخ الاسلام کا لقب صرف قاضی القضاۃ کے ساتھ خاص ہوتا تھا بلکہ اس اصطلاح کی رد سے ابن تیمیہ شیخ الاسلام کے لقب کا قطعاً حقدار نہیں اگرچہ وہ بھی فی حد ذاتہ اکابر شیوخ اسلام اور ائمہ اعلام سے ہے۔ بلکہ شیخ الاسلام ہونا تو دور کی بات ہے اس کا عقیدہ بھی محل نظر ہے کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے حق میں جہت کا عقیدہ رکھنے کے ساتھ مطعون و متہم ہے اور مزید برآں زیارت روضہ انور اور سید الرسل علیہ السلام کے ساتھ استغاثہ و توسل کو ممنوع ٹھہرانے والی بدعت کا مرتکب ہے۔ جب کہ امام سبکی بالاتفاق ائمہ اہل السنۃ والجماعت سے ہے اور ائمہ اسلام میں سے بزرگ ترین شخصیت۔ اور ان کے فرزند ارجمند علامہ تاج الدین سبکی بھی بالاتفاق علماء اعلام کے نزدیک امام ابن امام ہیں۔ نہ معلوم نعمان آفندی کو کس چیز نے ان دونوں حضرات کے ساتھ امام ابن حجر کی طرح برا سلوک روا رکھنے پر مجبور کیا۔ اور ابن تیمیہ کی طرف اس رغبت و رجحان پر برانگیختہ کیا جب کہ حقیقی صورت حال وہ ہے جو آپ ملاحظہ کر چکے۔ کیا اس سے آپ یہی نتیجہ اخذ کریں گے کہ نعمان آفندی اہل السنت سے ہے؟ نجدا ہرگز نہیں بلکہ وہ اہل بدعت سے ہے۔ اور ارشاد نبوی کے مطابق چونکہ عالم ارواح میں روحیں مختلف گروہوں اور جماعتوں میں منقسم ہیں لہذا معلوم ہوتا ہے کہ آفندی کی روح بھی ابن تیمیہ والی جماعت سے ہے اسی لیے دوسرے ائمہ اعلام کے ساتھ اس کو الفت و موانست حاصل نہیں ہو سکتی۔ حالانکہ ابن تیمیہ کے برعکس یہ اکابر ین ملت اس کے جد امجد امام رسل صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم و تکریم میں سارا زور بیان صرف کر رہے ہیں مگر پھر بھی یہ ان کا

ساتھ دینے کی بجائے ابن تیمیہ کی طرف مائل ہے جو تعظیم نبوی کے خلاف قدم اٹھا رہا ہے لیکن سچ ہے شرف نسب وحب کبھی علم وادب سے مستغنی نہیں کر سکتا ؎

وَمَا يَنْفَعُ الْأَصْلُ مِنْ هَاشِمٍ ۔۔۔ إِذَا كَانَتِ النَّفْسُ مِنْ بَاهِلَه

اگر اصل ہاشمی ہی کیوں نہ ہو وہ قطعًا نافع نہیں ہو سکتا جب کہ نفس بنو باہلہ جیسے لوگوں کی مانند ہو۔

یہ امر شک وشبہ سے بالاتر ہے کہ نعمان آفندی کا یہ برا طرزِ عمل صرف ان ائمہ کے حق میں ہی قبیح نہیں بلکہ خود اس کے حق میں بھی سخت قبیح ہے اور اللہ تعالیٰ کے ہاں سب خصم محشر میں پیش ہو کر فیصلہ کے طلب گار ہوں گے۔

نعمان آفندی نے ان ائمہ کرام کا رد کر کے اور ابن تیمیہ کی لغزشات کی تائید و تصدیق کر کے جمہور علماء امت کی مخالفت کی ہے کیونکہ ان سب نے ابن تیمیہ کی ان بدعات پر رد وقدح کیا ہے اور ان کی عظیم اکثریت نے اپنی کتابوں میں ابن تیمیہ پر سخت طعن وتشنیع سے کام لیا ہے اور اس کی عبارات شنیعہ پر سخت گرفت اور رد وانکار کے ذریعہ دینِ متین کی نصرت اور سید المرسلین علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی محبت کا حق ادا کیا ہے۔ سابقہ ابواب میں ان اکابر کی بہت سی عبارات ذکر کی جا چکی ہیں۔

نعمان آفندی نے اپنی اس کتاب میں صرف ابن تیمیہ کے حق میں فیصلہ نہیں دیا بلکہ جملہ وہابیہ کے حق میں فیصلہ دیا ہے اور صرف علامہ ابن حجر اور علامہ سبکی اور ان کے نورِ نظر علامہ تاج الدین کے خلاف فیصلہ نہیں دیا بلکہ تمام اہل السنۃ والجماعۃ احناف وشوافع مالکیہ اور جمہور حنابلہ کے خلاف فتویٰ صادر کیا ہے۔ جو شخص بھی اس کی کتاب کا بنظر انصاف مطالعہ کرے گا یقینًا اس نتیجہ پر پہنچے گا کہ اس نے اپنے حق میں، اپنے والد محترم علامہ محمود آلوسی صاحب روح المعانی اور جمیع اہل اسلام کے حق میں بالعموم اور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں بالخصوص سخت خطا کا ارتکاب کیا ہے۔ اور اس نے اپنے آپ کو وہابیہ کی بدعات والی نجاست سے اس قدر آلودہ کر لیا ہے کہ اب ساری دنیا کے سمندر بھی قیامت تک اس کی آلائش کو دور نہیں کر سکتے اور جس طرح اس نے اپنے آپ کو ایذاء وتکلیف پہنچائی اسی طرح ہر اس مخلص مومن کو بھی رنج والم سے دوچار کیا جو اس کی کتاب کا مطالعہ کر بیٹھے خواہ اس کا تعلق مذاہب اربعہ میں سے کسی مذہب سے ہو حتیٰ کہ انصاف پسند حنبلی بھی رہتی دنیا تک جب تک یہ کتاب روئے زمین پر موجود ہے اس کی مذمت اور تنقیص سے گریز نہیں کریں گے۔

اگر اس رسوائے زمانہ کتاب کی تالیف سے اس کو کوئی نفع پہنچا اور عوض حاصل ہوا تو وہ صدیق حسن بھوپالی وہابی اور اس کی جماعت کی رضامندی ہے۔ اس کتاب کے ذریعے اہل اسلام کو التباس واشتباہ میں ڈالنے اور ان کے وہم و گمان میں اس دجل وفریب کو راسخ کرنے کا نیز ابن تیمیہ اور اس کی جماعت وہابیہ جس بدعت شنیعہ پر ہے اور زیارتِ قبر انور، توسل واستغاثہ وغیرہ میں اہل السنۃ کے برعکس انہوں نے جو طریقہ اختیار کیا ہے اس کو برحق ثابت کرنے کا

اور ائمہ مسلمین پر زبان درازی کا جن کی علمی جلالت مسلّم ہے صلہ اور بدلہ اس کے لیے بس یہی ہے۔

کہ وہابیہ کی رضا اور نظرِ عنایت حاصل ہو گئی فیا للخسران والحرمان کتنی اچھی پونجی ہے جس کو فروخت کیا اور کتنی بری چیز خرید کر لی یہ نفع بھی اس کے لئے سب نقصانوں سے بدتر ہے جس میں اس نے سب اطراف واکنافِ عالم کے اہل اسلام کی دشمنی مول لے لی ہے۔

نعمان آفندی کا اپنے باپ صاحب روح المعانی کے ساتھ نازیبا سلوک

اے کاش میری سمجھ اس کو نصیب ہوتی تو یہ اپنے لئے اور اپنے باپ کے لئے جمہور امت محمدیہ اور ہر دور کے ائمہ و علماء اور عوام اہلِ اسلام کے متفق علیہ مذہب ومسلک یعنی زیارت واستغاثہ کے جواز کی مخالفت کو قطعًا پسند نہ کرتا جو سب امت کے نزدیک ایسے امور سے ہے جو بالبداہتہ معلوم ومعروف ہیں اور دین کا حصہ ہیں۔ حالانکہ حق تو یہ تھا کہ سلالۂ نبویہ ہونے کی نسبت وناطے سے ایسے امور کو وہ خود ثابت کرتا جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم وتکریم کے لئے واجب ولازم ہیں نہ کہ ثابت کرنے والوں کی مخالفت پر کمربستہ ہو جاتا۔

ابن تیمیہ، طائفہ وہابیہ اور ان کے ہمنواؤں نے مذہب حق سے شذوذ وانحراف کرتے ہوئے جو کچھ کہا ہے وہ قطعًا قابل اعتبار والتفات نہیں ہے۔ اور نہ اُن کے اوہام وخیالات کی پیداوار یعنی موہوم اور خیالی اسباب ووجوہِ ممنوعیت کی کوئی وجہ اعتبار ہو سکتی ہے کیونکہ وہ ممنوع امور بوقت زیارت اور استغاثہ کسی عام جاہل ترین شخص کے ذہن میں بھی نہیں کھٹکتے چہ جائے کہ فضلاء وائمہ دین کے اذہان میں اس قسم کے فاسد خیالات جاگزین ہوں اور چہ جائے کہ اس سے بڑھ کر اور تجاوز کر کے ان حضرات کے حق میں اُلوہیت وغیرہ کے اعتقاد کا خلجان ان کے اذہان میں ہو۔

علاوہ ازیں ان وہابیہ کی بدعات میں ہر اس شخص کو بارگاہِ رسالت مآب علیہ افضل الصلوات میں کھلی بے ادبی نظر آتی ہے جس کا دل نورِ ایمان وفراست سے منور اور روشن ہے۔ اور ایسی اساءت وبے ادبی کوئی شخص اپنے بھائی کے لئے بھی پسند نہیں کرتا چہ جائے کہ اپنے اور اپنے باپ کے لیے پسند کرے۔

نعمان آفندی نے بخدا اپنے باپ کو بھی دکھ دیا اور نافرمانی سے کام لیا جب کہ اس کی تفسیر میں متفرق مقامات پر موجود ایسی نقول کو یکجا کر دیا اور جو لوگ ان سے بے خبر تھے ان کو بھی باخبر کر دیا اور اس پر فخر ومباہات کا اظہار کرتے ہوئے صدیق حسن وہابی اور اس کی جماعت کے سامنے یہ ثابت کر دیا کہ صرف میں ہی نہیں میرا باپ بھی ان کے مذہب و مشرب پر تھا۔ اسی وجہ سے میں نے مکہ مکرمہ کے بعض علماء کرام سے اس کے، اور اس کے باپ علامہ آلوسی کے حق میں ایسے سخت کلمات سنے کہ ان کو یہاں نقل کرنا قطعًا مناسب نہیں سمجھتا۔ اللہ تعالیٰ مجھے، ان دونوں اور جملہ اہلِ اسلام کو عفو و مغفرت نصیب فرمائے اور لطف واحسان سے کام لیتے ہوئے ہم سب سے درگزر فرمائے اور وہ اسی کا اہل ہے۔

امام ابن حجر مکی اور ابن تیمیہ کے درمیان فرق

چونکہ آفندی صاحب نے اپنی اس کتاب میں اہلِ السنت اور ان کے مذہب و مسلک پر اور بالخصوص امام سبکی، ان کے فرزند دل بند اور علامہ ابن حجر پر غیظ و غضب کا اظہار کیا۔ اور ابن تیمیہ اور اس کے مذہب و مسلک اور اس کے ہمنواؤں کی محض بے جا مدح سرائی کی اور تعصب و عناد سے کام لیا لہٰذا ہمیں نے مناسب سمجھا کہ علامہ ابن حجر اور ابن تیمیہ کے درمیان فرق کو واضح کر دوں تاکہ ہر شخص پر روز روشن کی طرح عیاں ہو جائے کہ اس نے ابن تیمیہ کی تعریف و توصیف اور تائید و تصدیق میں اور علامہ ابن حجر کی تردید و تنقیص میں اس کے کیسا طرزِ عمل اختیار کیا ہے۔

ذرا تمہیداً پہلے اس امر کو ذہن نشین کر لیں کہ مذاہب اربعہ میں سے کسی مذہب پر کاربند لوگ ہی اپنے علماء مذہب کے احوال سے اچھی طرح واقف اور باخبر ہو سکتے ہیں کیونکہ وہ ان کے اقوال کی اچھی طرح چھان بین کرتے ہیں ان کے احوال، محاسن و کمالات یا نقائص وغیرہ سے امکانی حد تک نقاب کشائی کرتے ہیں اور اخلاف اپنے اسلاف سے ان امور کو نقل کرتے ہیں تاکہ ان کا صحیح مقام معلوم ہونے کے بعد مذہب میں ان کے قول کو سند و دلیل بنائیں یا اس کو مردود اور ناقابل اعتبار ٹھہرائیں۔ اس پر اعتماد کریں یا ضعیف اور ناقابل استناد قرار دیں۔ اس تمہید کو ذہن نشین کر لینے کے بعد ہم ان دونوں علمی شخصیتوں پر ایک نظر ڈالتے ہیں۔

تو ہمیں یہ تسلیم کئے بغیر کوئی چارہ کار نظر نہیں آتا کہ ابن حجر مذہب شافعی میں ایسے امام جلیل ہیں کہ سوائے علامہ شمس رملی کے دوسرا کوئی امام و علامہ ان کا ہم پلہ اور ہمسر نظر نہیں آتا۔ البتہ ان دونوں کے درمیان ترجیح میں علماء شافعیہ کا باہم اختلاف ہے مگر جس حکم پر دونوں کا اتفاق ہو جائے تو تمام علماء شافعیہ کے نزدیک علی الاطلاق اس حکم پر عمل و اعتقاد واجب و لازم ہو جاتا ہے تو یہ ہے مقام و مرتبہ ابن حجر کا مذہب شافعی میں اور یہ اتنا واضح ہے کہ کوئی شخص اس کا نہ تو انکار کر سکتا ہے اور نہ اس کی مخالفت۔ ہم علماء کی بات نہیں کرتے وہ تو عالم ٹھہرے جاہل بھی اس حقیقت کا اعتراف کئے بغیر نہیں رہ سکتے۔

علامہ ابن حجر کی مختلف علوم و فنون میں تالیف کردہ کتب کا بیان

ان کی علوم فقہیہ سے متعلق تالیفات و تصنیفات ہی وقت تالیف سے لے کر اب تک مذہب شافعی کا سہارا ہیں اور قیمتی سرمایہ۔ وہ ساری کی ساری حشو و زوائد سے پاک ہیں اور مذہب شافعی اور دیگر اہلِ مذاہب کے نزدیک مقبول ہیں وہ فی نفسہا وافر مقدار میں ہیں اور ان کی اکثریت طویل ترین کتب کی صورت میں ہے جن میں سے ہر کتاب متعدد جلدوں میں دستیاب ہے مثلاً شرح العباب۔ تحفۃ المحتاج شرح المنہاج والامداد شرح الارشاد جس کا اختصار کر کے فتح الجواد نام رکھا اور اس پر حاشیہ تحریر فرمایا۔ مکمل کتاب دو جلدوں میں دستیاب ہے۔ فتاوی کبریٰ۔ شرح الحضرمیہ۔ حاشیہ مناسک نووی۔ مختصر المناسک

اور مختصر الروض یہ ہیں ان کی فقہی کتابیں جو اس وقت میرے ذہن میں ہیں۔ اس کے علاوہ علم حدیث اور دیگر علوم میں بھی ان کی متعدد تصانیف ہیں جو اہلِ علم کے نزدیک قبولیت تامہ کا شرف حاصل کر چکی ہیں۔ اور سب لوگ علمی فوائد کے حصول کے لئے ان کی طرف دل و جان سے راغب ہیں ان میں سے بھی اکثر مطول اور طویل ترین ہیں۔ مثلاً شرح مشکوٰۃ المصابیح۔ الزواجر عن اقتراف الکبائر۔ الصواعق المحرقہ لاہل الرفض والزندقہ۔ اسنی المطالب فی صلۃ الاقارب۔ شرح الشمائل و شرح الہمزیہ۔ شرح الاربعین النوویہ۔ الاعلام بقواطع الاسلام۔ کف الرعاع عن آلات السماع۔ الایضاح والبیان بمانی لیلۃ الرغائب والنصف من شعبان اور اس کے علاوہ بھی کافی تالیفات ہیں جو اس وقت ذہن میں نہیں ہیں۔

الغرض یہ تمام کتابیں اہلِ علم و فن کے نزدیک قیمتی متاع ہیں اور ان کے حاصل کرنے میں ان کو قلبی رغبت ہے اور تمام مذاہب کے علماء محققین ان پر اعتماد کرتے ہیں اور غالباً کوئی مکتبہ ان کتابوں سے خالی نہیں ہوگا۔ وہ کتنی ہی جلیل الشان کتابیں ہیں جن کے ساتھ علامہ موصوف نے دین قدیم کی خدمت کی اور اہلِ اسلام کو نفع پہنچایا۔ سارے جہان میں معروف و مشہور ہیں اور سارے عالمِ اسلام میں ان کو قبولِ تام حاصل ہے کیونکہ اس مؤلف جلیل کے متعلق سب اہلِ علم کا اتفاق ہے کہ یہ ان ائمہ اعلام سے ہے جن پر اپنے زمانہ سے لے کر اس وقت تک ائمہ اسلام میں سے کسی نے طعن و تشنیع نہیں کی اور نہ ہی ان کو کسی بدعت یا مخالفتِ سنت وغیرہ کی طرف منسوب کیا ہے جو اس کی علمی جلالت اور دینی ثقاہت اور امانت کے عمومی اعتماد و وثوق کو متزلزل کرے۔

امام ابن حجر کا صوفیاء کرام سے حسنِ اعتقاد

علامہ موصوف امام و فقیہ ہونے کے باوجود سادات صوفیہ کے ساتھ حسنِ اعتقاد بھی رکھتے تھے۔ ان کی خوب خوب تعریف کرتے اور معترضین کو دندان شکن جوابات دیتے تھے۔ لہٰذا ان کے برکات اور انفاس قدسیہ بھی ان کے شامل حال ہو گئے اور اس طرح سونے پر سہاگہ والی صورت پیدا ہو گئی۔ الغرض علامہ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ ان اکابر ائمہ و علماء دین سے ہیں جو ہادی و مہدی ہیں اور جنہوں نے اپنے علم سے دین مبین کی تائید و تقویت فرمائی اور اس کی تجدید و تدقیق فرمائی اور سب اہلِ اسلام ان کے فیوض سے نفع اندوز ہوئے لہٰذا ان کی قبولیت اور ان کی کتابوں سے استفادہ و استفاضہ پر تمام اہلِ آفاق و اہلِ ایمان متفق ہو گئے الحمد للہ رب العالمین وصلی اللہ علی حبیبہ محمد وآلہ وصحبہ اجمعین۔

اب سنیے ابن تیمیہ کی حقیقت حال۔

ابن تیمیہ بھی ائمہ اسلام میں سے ایک امام ہے اور وہ اپنے دور میں علم و عمل اور دین کے اندر صلابت و پختگی میں امتیازی مقام رکھتا تھا۔ اسے حق گوئی اور اشاعتِ حق سے کسی ملامت کرنے والے کی ملامت روک نہیں سکتی تھی خواہ وہ امر فی الواقع بھی حق ہوتا یا نہ بہرحال جو اس کو حق معلوم ہوتا وہ اس پر سختی سے کاربند ہوتا حتیٰ کہ اس کو جمہور امت کی مخالفت اور

اپنے اختراعی بدعات کی وجہ سے بہت کچھ اہانتوں اور اذیتوں کا سامنا کرنا پڑا جن میں اس نے اہلِ حق کے مسلک و مذہب سے شذوذ وانحراف اختیار کیا۔ اور بارہا قید و بند کی صعوبتیں برداشت کرنا پڑیں حتیٰ کہ قید کی حالت میں ہی دار فانی سے کوچ کیا مگر جن بدعات کو حق سمجھا تھا ان سے باز نہ آیا اور قطعاً رجوع نہ کیا۔

یہ شخص بھی اکابر حفاظِ حدیث میں سے تھا۔ علوم دینیہ میں اس کی بہت سی تالیفات بعض طویل تر ہیں اور بعض مختصر اور بہت کم کوئی مصنف ہوگا جس کو ایسی تصنیفات کی توفیق نصیب ہوئی ہو۔ لیکن اللہ تعالےٰ نے اس کے علم اور کتب کے ساتھ اہلِ عالم کو اس طرح کا فائدہ نہ پہنچایا جس طرح کہ ابن حجر کی کتابوں سے۔ کیونکہ اس کی کتابیں کثیر التعداد اور نفیس ترین ہونے کے باوجود گوشۂ اہمال و تعطل میں رہیں نہ جمہور علماء وغیرہ نے ان کی طرف توجہ دی اور نہ ہی ان کو شرف پذیرائی بخشا جس وجہ سے اکثر ضائع ہوگئیں اور اب صرف قلیل ترین تعداد لوگوں میں موجود ہے۔

اور یہ امر ہر ایک کو معلوم ہے کہ سب کچھ صرف اللہ تعالےٰ کی طرف سے ہے جو وحدہٗ لا شریک لہٗ ہے۔ اسی نے اپنی قدرت کاملہ سے ابن حجر کے علم اور کتب کو نشر فرمایا اور عام کیا اور تمام بلاد اسلام میں خاص و عام کو ان سے نفع مند کیا۔ اور اسی نے ہی ابن تیمیہ کی کتابوں سے لوگوں کی توجہ ہٹا دی حتیٰ کہ صرف قلیل و نادر ہی رہ گئیں۔ اور بہت ہی کم کسی وقت یا مملوکہ مکتبہ میں نظر پڑتی ہیں۔ اور اگر کہیں کوئی کتاب ملے گی بھی تو ناقص اور ادھوری ہوگی یا دیمک خوردہ ہوگی۔ اوراق بوسیدہ ہو چکے ہوں گے اور اس حالت تک پہنچ چکی ہوگی کہ اس سے نفع اٹھانا مشکل ہوگا حالانکہ اس کی ساری کتابیں علمی پایہ کے لحاظ سے بہت بلند ہیں اور اپنے مولف کے اکابر ائمہ اسلام سے ہونے کا پتہ دیتی ہیں۔ البتہ کوئی کتاب بھی ان مسائل شاذہ سے خالی نہیں ہوگی جن میں مؤلف نے مذاہب مسلمین کی مخالفت کی ہے اور علماء دین پر طعن و تشنیع کی ہے اور علی الخصوص اولیاء عارفین کو ہدف تنقید نہ بنایا ہو مثلاً شیخ اکبر سیدی شیخ محی الدین رضی اللہ عنہ کو تو کافر کہہ کر دین سے خارج قرار دیا۔

حالانکہ جمہور امت کا ان کے سلطان العارفین اور اکابر اولیاء کاملین میں سے ہونے پر اتفاق ہے۔ میرا گمان بلکہ یقین یہ ہے کہ لوگوں کے ابن تیمیہ کے علم اور اس کی کتابوں سے نفع اندوز نہ ہونے کی صرف اور صرف یہی وجہ ہے کہ اس نے تمام تر علمی جلالت کے باوجود ایک تو بعض مسائل میں شذوذ سے کام لیا دوسرا ان اکابر اولیاء کو ہدف تنقید اور مورد طعن و تشنیع قرار دیا۔

ابن تیمیہ کی کتابوں کی تمثیل عجیب

میرے نزدیک ابن تیمیہ کی کتابوں کی مثال یوں ہے جیسے جواہر نفیسہ سے بھرپور خزائن پر زہریلے سانپ پہرے دار ہوں جہاں علمی نکات جواہر فریدہ ہیں وہاں بدعات و مخالفتِ امت کے زہریلے سانپ بھی نفع اندوزی کے لئے سدِ راہ ہیں۔

ابن تیمیہ کی چند معروف کتابوں کا بیان

ابن تیمیہ کی جن کتابوں کو میں دیکھ سکا۔ ان میں سے ایک "الجواب الصحیح فی الرد علی من بدل دین المسیح" ہے جو چار جلدوں میں چھپی ہے اور عجیب دلائل و نکات پر مشتمل ہے اس موضوع پر اس کی مانند کوئی کتاب نہیں ہے لیکن یہ کتاب بھی ان مذمومہ آراء اور قبیحہ مسائل سے خالی نہیں علاوہ ازیں بہت طویل ہے لہٰذا نتائج مطلوبہ حاصل کرنے کے لئے اس کا اختصار ضروری ہے۔ میں نے اپنی کتاب "حجۃ اللہ علی العالمین" میں اس کے کچھ اقتباسات دیئے ہیں جو سیدنا محمد سید السادات علیہ افضل الصلوات کی نبوت و رسالت کے اثبات سے تعلق رکھتے ہیں۔

انہی دنوں میں اس کی ایک دوسری کتاب "منہاج السنۃ" زیور طبع سے آراستہ ہوئی ہے جو روافض کے رد میں ہے۔

اور "المعقول والمنقول" اور الفرقان نامی کتب کا ذکر گذر چکا ہے اور ان پر بحث بھی ہو چکی ہے۔ بہر حال اس کی حسنات سیئات کی نسبت کافی زائد ہیں اور اللہ تعالےٰ کا ارشاد ہے "اِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّئَاتِ" بے شک نیکیاں برائیوں کو زائل کر دیتی ہیں۔ اور نیک بخت وہی ہے جس کی برائیاں شمار کی جائیں اور ان کی لغزشات کا احاطہ کیا جائے۔

؎ وَمَنْ ذَا الَّذِیْ تُرْضٰی سَجَایَاہُ کُلُّھَا | کَفَی الْمَرْءَ نُبْلًا اَنْ تُعَدَّ مَعَائِبُہٗ

کیا دنیا میں کوئی ایسا شخص ہوگا کہ تو جس کی تمام خصلتوں کو پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھے۔ آدمی کی نیک بختی کے لئے یہی کافی ہے کہ اس کے عیوب و نقائص شمار کئے جائیں (کیونکہ جس کا نگاہ خلق میں کوئی مقام ہی نہیں اس کے عیوب و نقائص شمار کرنے کی زحمت ہی کون کرے گا)

اگر فقاہت کے لحاظ سے علماء حنابلہ میں اس کا مقام دیکھا جائے تو اس کو وہ درجہ قطعاً حاصل نہیں جو علامہ ابن حجر کو اپنے علماء مذہب کے نزدیک حاصل ہے۔ بلکہ بہت سے حنبلی علماء ابن تیمیہ پر فقہی لحاظ سے مقدم و برتر ہیں۔ اور جب یہ ان کے خلاف کوئی فیصلہ یا فتویٰ صادر کرے تو حنابلہ نہ اس کے کلام پر اعتماد کرتے ہیں اور نہ ہی اس کی ترجیحات اور مختار وجوہ کو درخور اعتنا سمجھتے ہیں۔ بلکہ اس کے بہت سے اقوال مذہب امام احمد میں متروک و مردود ہیں مثلاً تین طلاق اگر بلفظ واحد اور یکبارگی ہوں تو ان کا ایک ہی شمار کرنا (صرف حنابلہ کے مذہب سے ہی مصادم نہیں بلکہ اجماع امت کے خلاف ہے) اور اس کے علاوہ بھی بہت سے مسائل ہیں جن میں اس نے امام احمد کے مذہب سے انحراف کیا ہے اور مذہب صحیح کی مخالفت کی ہے۔ چنانچہ علماء حنابلہ نے بالعموم اور علامہ حافظ ابن رجب نے بالخصوص اس کا رد کیا۔

الحاصل حنابلہ باوجود اس کی بہت زیادہ تعظیم و تکریم کرنے کے فقہ میں اس کی رائے اور ترجیح و اختیار کو قابل اعتبار و اعتداد نہیں سمجھتے۔ اور جن اقوال میں اس نے ائمہ مذہب کی مخالفت کی اور راہ سداد کی خلاف ورزی کرتے ہوئے راہ اجتہاد

کو اختیار کیا ہے ان سب اقوال کو نظر انداز کر دیتے ہیں (اور جب اپنے اہل مذہب کے نزدیک اس کا یہ حال ہے تو دوسرے اہل مذاہب کے نزدیک اس کا کیا اعتبار ہو گا) کیونکہ تم پہلے معلوم کر چکے ہو کہ کسی مذہب کے عالم کو صحیح طور پر اس کے علماء مذہب ہی جانتے ہیں کیونکہ اس کے احوال واقوال کو بنظرِ دقیق اور غائر صرف وہی دیکھتے ہیں۔ لہٰذا جب اپنے اہل مذاہب نے اس کی لغزشات پر گرفت سے گریز نہیں کیا تو دوسرے کیسے معاف کرتے چنانچہ انہوں نے بھی مختلف مسائل میں اس کا مواخذہ کیا اور عوام اہلِ اسلام کو اس سے متنفر کیا تاکہ کہیں قابلِ اعتراض مسائل میں اس کی اقتداء و تقلید نہ شروع کر لیں جن میں اس نے جمہور ائمہ دین اور اطراف واکناف عالم کے مسلمین کی مخالفت کی ہے۔ اور ائمہ اسلام کے مذہب ومسلک کے برعکس نئے مسائل مذموم آراء وافکار کا اختراع کیا ہے۔

لیکن اس کے برعکس علامہ ابن حجر کو اپنے اہلِ مذہب اور دیگر مذاہب کے علماء وائمہ کے نزدیک درجہ اوّل کا اعتبار واعتماد حاصل ہے اور کسی نے بھی اس کو ضلالت وگمرہی یا بدعت اختراعیہ کی طرف منسوب نہیں کیا اور نہ اس نے کسی بدعت کی طرف لوگوں کو دعوت دی۔ جیسے کہ ابن تیمیہ سے یہ حرکات سرزد ہونا ہر ایک کو معلوم ہے۔ بہرکیف ابن حجر ایسا امام ہے جو سلف صالحین اور ائمہ دین کی سیرت پر کاربند ہے نہ کہ مبتدع ومنحرف ہے جب یہ حقیقت صحیفۂ خاطر پر نقش ہو چکی تو دوپہر کے اجالے سے بھی زیادہ واضح ہو گیا اور ہر انصاف پسند پر روزِ روشن سے بھی زیادہ عیاں ہو گیا کہ علامہ ابن حجر بنسبت ابن تیمیہ کے دین میں قدر وقیمت کے لحاظ سے اجل واعلیٰ اور علماء کے درمیان تذکرہ کے لحاظ سے احسن ہیں اور جمہور اہلِ اسلام کے نزدیک ابن تیمیہ کی نسبت عظیم ترین فخر ومباہات کا موجب ہیں۔ اور سب امت کے لیے علم ودانش میں اس سے زیادہ نافع ہیں اور شریعت مطہرہ کے فہم وادراک میں زیادہ صحیح سوچ اور صائب رائے کے مالک ہیں نیز دین اسلام کے حقائق میں زیادہ ماہر اور واقف ہیں۔ بدعات سے بہت دور اور سب اہلِ اسلام کے نزدیک قابلِ وثوق واعتماد ہیں۔ جب کسی مسئلہ میں انکا باہم اختلاف ہو تو بلاشک وشبہ ابن حجر کو ابن تیمیہ پر سبقت حاصل ہے اور ہدایت کے طلب گار کے لئے لازم ہے کہ بجائے ابن تیمیہ کے علامہ ابن حجر کی اتباع کرے کیونکہ ابن تیمیہ کی شخصیت محل اختلاف ہے جب کہ ابن حجر کی حیثیت اختلاف وشقاق سے بعید ہے اور اگر ابن حجر کی ذاتی خصوصیات سے صرفِ نظر بھی کر لیں جو اس کے قابل اتباع واقتداء ہونے پر واضح دلیل ہیں تو بھی سب امت کا بالاتفاق ان کو امام ہدیٰ تسلیم کرنا ہی اُن کی اقتداء واتباع کو لازم کرتا ہے۔ اور ہمارے اس بیان کئے ہوتے فرق کو اچھی طرح سمجھ لینے کے بعد کوئی شخص اگر ابن حجر کی مخالفت پر کمربستہ ہے تو وہ تعصب وحمیت جاہلیہ کا شکار ہے (اور ضد وعناد ناقابلِ علاج مرض ہے)

نیز امام تقی الدین سبکی اور امام تاج الدین سبکی بھی ابن حجر کی طرح متفق علیہ شخصیات میں سے ہیں۔ ہم نے کبھی کسی شخص کی زبان سے ابن حجر یا دیگر دونوں ائمہ کے حق میں صحتِ نقل وغیرہ سے متعلق کوئی اعتراض نہیں سنا۔ الغرض ساری امت جس طرح ان کے وفورِ علم اور تحقیق وتدقیق پر متفق ہے اسی طرح ان کی توثیق پر بھی متفق ہے۔

ابن تیمیہ کی نقل قابلِ اعتبار نہیں

لیکن ان کے برعکس مذاہبِ ثلاثہ کے بعض اکابر ائمہ نے ابن تیمیہ کی صحتِ نقل پر بھی طعن وتشنیع کی ہے۔ جیسے کہ اس کے عقل وفہم کو محلِ تنقید بنایا ہے (اور ایک عالم کے لیے اس سے بڑھ کر بے اعتباری کیا ہو گی کہ اس کو نہ کامل العقل تسلیم کیا جائے اور نہ ہی اس کے دیگر کتب سے نقل کئے ہوئے حوالہ جات کو درست تسلیم کیا جائے) اس موضوع پر مکمل بحث بابِ سابق میں گذر چکی ہے۔

ابن تیمیہ کی لغزشات وبدعات میں بعض علماء کی موافقت قابل اعتبار نہیں

جب یہ ثابت ہو چکا کہ مذاہبِ اربعہ کے جمہور علماء کا اس کی مخالفت اور لغزشات پر مواخذہ میں اتفاق ہے تو جلاء العینین کے مؤلف نعمان آفندی کا ابن تیمیہ کی لغزشات کو برحق ثابت کرنے کے لیے بعض علماء کا کلام بطور شہادت وسند پیش کرنا جن میں سے کچھ اس کے اہلِ مذہب ہیں اور کچھ دوسرے مذاہب کے منحرفین اور یا ایسے لوگ ہیں جو بذاتِ خود اجتہاد کے دعویدار ہیں اور علماء وہابیہ کی مانند کسی مذہب مخصوص کے پابند نہیں ہیں تو یہ آفندی صاحب کو قطعاً سودمند نہیں ہے کیونکہ خطاء کو خطاء کے ساتھ ملانے سے خطاء صواب نہیں بن جاتی۔ اور باطل باطل کے ساتھ مل جانے سے حق نہیں بن جاتا اور کسی خطا کار کی خطا پر رد وانکار کے لیے یہ کوئی شرط نہیں ہے کہ اس خطاء وزلل میں کوئی بھی اس کا ہمنوا نہ ہو۔ بلکہ جب کوئی شخص واضح حق وصداقت کی منابذت ومخالفت کرے۔ اور واضح راہ صواب سے روگردانی کرے تو لامحالہ خطا کار ہو گا جس طرح کہ ابن تیمیہ نے چند مسائل معلوم میں یہی روش اختیار کی اور جن لوگوں نے ان مسائل میں اس کی موافقت کی ہے وہ بھی بہرحال خطا کار ہیں۔

دلائل وبراہین کی قوت سے قطعِ نظر صرف ابن تیمیہ کے موافقین اور مخالفین کو سامنے رکھ کر ان امور میں حق وباطل اور خطاوصواب کا ادراک کرنا چاہو تو بھی ابن تیمیہ کا خطاء وباطل پر ہونا واضح ہو جائے گا کیونکہ ہزاروں مخالفین کے مقابل صرف ایک آدھ موافق تمہیں نظر آئے گا۔ اور وہ موافق بھی ایسے نہیں ہوں گے کہ ان سے ابن تیمیہ کو تقویت حاصل ہو گی بلکہ اس کی موافقت کی وجہ سے جمہور اہلِ اسلام کے نزدیک وہ خود ناقابلِ اعتبار واعتماد بن جائیں گے۔ اور فقط اس قدر علم کہ فلاں عالم ابن تیمیہ کی جماعت سے تعلق رکھتا ہے یا ان مسائل میں اس کے ساتھ موافق ہے اس شخص کو امت محمدیہ کے نزدیک گمنامی اور بے اعتمادی کی انتہاہ گہرائی میں گرانے کے لیے کافی ہے خواہ وہ بذاتِ خود علم ودانش میں ارفع واعلیٰ مقام پر بھی فائز کیوں نہ ہو۔ اس شہرت کے بعد لوگ اس کے علم سے بہت کم مستفید ہوں گے۔ اور اس کی کتابوں سے بھی نفرت کرنے لگیں گے بلکہ ابن تیمیہ کی ان مسائل معلومہ اور آراء مذمومہ میں نصرت وامداد کی وجہ سے ان کی کتابوں میں مندرج جملہ علمی مباحث شک وشبہ

کی نظر سے دیکھے جانے لگیں گے۔

بلکہ اغلب یہی ہے کہ جتنے لوگ ابن تیمیہ کے ساتھ موافقت کرنے والے ہیں وہ سارے اسی کی طرح اجتہاد کے دعویدار ہیں اور مسائلِ شرعیہ میں اپنی انفرادی آراء کو دخل دینے والے ہیں۔ خود راہ صواب سے علیٰحدگی اختیار کرنے والے ہیں اور دوسروں کو بھی صراطِ مستقیم سے دور لے جانے والے ہیں اور بہت سے احکامِ دین میں جمہور ائمہ اسلام کی مخالفت کرنے والے ہیں کیونکہ ان کو اس قدر دقائق شریعت کا فہم و ادراک حاصل نہیں تھا جس قدر اکابر ائمہ مجتہدین کو حاصل تھا لہٰذا انہوں نے اُن احکام میں غلطی کھائی اور تخلیط و تلبیس کا شکار ہوئے اور بعض مسائل میں تہور و بیباکی سے کام لیا حتیٰ کہ مخلوق کی نگاہ اعتبار سے گر گئے۔ اور وہ سارے کے سارے یا مذہب حنبلی سے منحرف ہیں اور وہابیہ ہیں اور یا ان کے ہمنوا و ہم مشرب۔ لہٰذا ایسے لوگوں کی ابن تیمیہ کے ساتھ موافقت ابن تیمیہ کے لئے چنداں مفید نہیں ہے اور خود ان کے لیے سخت ضرر رساں ہے ابن تیمیہ کے لئے کسی بلندئی درجہ کی موجب نہیں جب کہ ان کے لئے موجب تنزل ضرور ہے۔ لہٰذا جن مسائل میں انہوں نے جمہور امت کی خلاف ورزی کی ہے ان میں وہ اپنے پیشرو یعنی ابن تیمیہ کی طرح ناقابل التفات و اعتبار ہیں اور اس کی طرح ناقابل تعویل و اعتماد علی الخصوص مسئلہ زیارت و استغاثہ بخیر الانام علیہ الصلوٰۃ والسلام میں۔

اللہ تعالیٰ ہر ایک کو اس کی نیت کے مطابق جزا دے اور ہم سب کے اور ان کے تمام ذنوب و آثام بخشے۔

علامہ ابن حجر، امام سبکی اور علامہ تاج الدین اور ان کے مخالفین

ابن تیمیہ وغیرہ کے حسن نیت کا بیان اگرچہ مؤخر الذکر اور اس کی جماعت نے جمہور امت محمدیہ کی مخالفت کی ہے

اگر جلاء العینین کا مؤلف نعمان آفندی انصاف سے کام لیتا تو علامہ ابن حجر اور ان کے موافقین مثلاً امام سبکی اور ان کے لخت جگر علامہ تاج الدین پر اس قدر برہمی اور غیظ و غضب کا اظہار نہ کرتا حالانکہ وہ سب تعظیم نبوی میں جمہورِ امت کے موافق ہیں۔ اور ابن تیمیہ اور اس کے دونوں تلامذہ ابن القیم اور ابن عبد الہادی کی نصرت و حمایت میں منہ زوری سے کام نہ لیتا۔ بلکہ ہر ایک کے کلام کو صحیح محمل اور درست مقام پر محمول کرتا کیونکہ وہ سبھی ائمہ دین سے ہیں اور علماء عاملین کے خلاصہ اور ان میں سے مخطی فریق کی بھی نیت بہرحال درست ہے جب کہ اعمال کے ثواب کا دار و مدار نیت پر ہوتا ہے "انما الاعمال بالنیات"۔

ظاہر ہے کہ ابن تیمیہ وغیرہ کا استغاثہ اور سفر زیارت سے منع کرنے کا بنیادی مقصد جیسے کہ انہوں نے کہ اپنی کتابوں میں ذکر کیا ہے اللہ رب العزت کے حق میں غیرت کا اظہار ہے کہ کہیں مخلوق میں سے کوئی فرد اللہ تعالیٰ کے ساتھ

تعظیم و تکریم میں شریک نہ ہو جائے اور یہ حقیقت محتاج بیان نہیں کہ زیارتِ قبور میں اربابِ قبور کی فی الجملہ تعظیم عظیم ہے اور استغاثہ میں مستغاث بہ اور مخلوق پر شفقت کا اظہار بھی ہے کہ کہیں ایسے امور کی وجہ سے گمراہی کا شکار نہ ہو جائیں جس طرح کہ پہلی امتیں بت پرستی کی وجہ سے گمراہ ہو گئیں۔

بت پرستی کا آغاز کیوں کر ہوا

کیونکہ بت پرستی کی بنیاد یہی بیان کی گئی ہے کہ صنم پرست لوگوں کے اوائل و اسلاف نے اپنے بعض اکابر کی تصاویر محض ان کی یاد آوری کے لئے بنائیں لیکن مرورِ ایام سے اخلاف نے یہی سمجھ لیا کہ ہمارے آباء و اجداد انہیں کو اپنا معبود بنائے ہوئے تھے (یہی تحقیق شاہ عبد العزیز محدث دہلوی نے تفسیر عزیزی پ ۲۹ زیر آیت لا تذرن آلہتکم ولا تذرن ودا ولا سواعًا۔ ذکر کی ہے۔

ابن تیمیہ وغیرہ کے صوفیاء کرام پر اعتراض کا پس منظر

رہا ابن تیمیہ اور اس کی جماعت کا صوفیاء کرام پر تنقید و اعتراض کرنے سے یہی ظاہر ہے کہ انہوں نے تمام صوفیاء کرام کو موردِ طعن و تشنیع نہیں بنایا۔ بلکہ صرف انہیں کو ہدف تنقید بنایا ہے جن سے ان کے زعم کے مطابق ایسے کلمات سرزد ہوئے جو شرع شریف کے احکام پر منطبق نہیں ہوتے تھے لہٰذا ان پر اپنے اس خیال کے مطابق حکم جاری کرتے ہوئے ان کی تکفیر کر دی جن سے ایسے کلمات سرزد ہوئے جن کا ظاہری معنی و مفہوم کفر کا متقاضی تھا۔ اور دوسرے علماء اعلام کی طرح ان صوفیاء کرام کے کلام میں تاویلات و توجیہات کی طرف میلان نہ کیا اور ظاہر ہے کہ اس اقدام کا موجب و باعث بھی دینی غیرت ہے اور عقائد اہل اسلام کی محافظت۔

اللہ تعالیٰ کے حق میں جہت ثابت کرنے کی بنیادی وجہ اور منشاء غلط کا بیان

رہا اللہ تعالیٰ کے حق میں جہت کا اثبات العیاذ باللہ تو یہ فقط ابن تیمیہ کا مذہب نہیں ہے بلکہ بہت سے حنابلہ کا مذہب یہی ہے اور ان کے اس قول کا دار و مدار ان آیات کلام مجید اور احادیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ظاہری معنی و مفہوم پر ہے جن میں فوقیت کا ذکر ہے اور بظاہر اللہ تعالیٰ کے جہتِ عالی میں ہونے کا بیان ہے لیکن انہوں نے ظاہری معانی و مطالب پر جمود کا مظاہرہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی عظمت کے لائق تاویل و توجیہ سے گریز کیا۔

یہی مناسب اور صحیح محمل ہیں جن پر ابن تیمیہ اور اس کی جماعت کے اقوال کو حمل کرنا چاہیے اور ان کی نیات و مقاصد کے موافق و مطابق بھی یہی توجیہات ہیں اور ظاہر یہی ہے کہ انہوں نے محض خواہشات نفس اور لوگوں میں اپنی شخصیات کو نمایاں

کرنے یا سستی شہرت حاصل کرنے کے لئے یا دیگر مذمومہ اغراض کے تحت جمہور امت اور علماء کرام کی عظیم اکثریت کی مخالفت نہیں کی کیونکہ ان کا دنور علم، اعلیٰ صلاحیتیں، تقویٰ و پرہیز گاری۔ دین پر استقامت اور اپنے خیال کے مطابق حمایتِ حق اور نصرت شریعت اس بدگمانی کی اجازت نہیں دیتی کہ ان کی جمہور امت اور ائمہ کبار کے ساتھ مخالفت (اور وہ بھی ایسے مسائل میں جن کا تعلق سید الوجود صلی اللہ علیہ وسلم سے اور علی الخصوص مسئلہ جہت جس کا تعلق ذاتِ باری جل وعلیٰ سے ہے) محض خواہشاتِ نفس اور شہرت و امتیاز کی خواہش کے پیش نظر ہو۔

علامہ ابن حجر، امام سبکی اور دیگر اکابرین ملت جنہوں نے ابن تیمیہ کو ہدف تنقید بنایا وہ بھی یقیناً اس کے حسن نیت اور اس کے متبعین کے حسنِ نیت کے قائل و معترف ہیں اور اس کے حق میں تقویٰ اور صلابت دینی کے ساتھ ساتھ کثرت فضل، غزارتِ علم، شریعت میں مہارت کے درجہ، اعلیٰ پر فائز ہونے کی شہادت دیتے ہیں۔ اور فی الواقع بھی وہ اسی طرح ہیں کیوں کہ سبھی ائمہ دین ہیں۔ اور ان میں سے کوئی بھی اظہار حق میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے خوف زدہ ہونے والا نہیں ہے اور ان سب کا بنیادی مقصد حتی المقدور شریعت محمدیہ کی محافظت و حمایت کر کے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا مندی حاصل کرنا ہے تاکہ کوئی معمولی سی چیز بھی اس میں داخل ہو کر اس کے احکام میں خلل انداز نہ ہو جائے اور یہ ان کی بنیادی ذمہ داری ہے کیونکہ وہ دین کے محافظ و نگران ہیں اور ائمہ و ہادی۔ اگر یہ چیز ان کے پیش نظر نہ ہوتی تو ابن تیمیہ کبھی ان مسائل میں مافی الضمیر کے اظہار کی جرت نہ کرتا جن میں اس نے جمہور کو خطاء کار سمجھا لیکن اس نے اپنے زعم و اعتقاد کے مطابق جو حق سمجھا اس کو علانیہ کہہ دیا اگرچہ خلافِ حقیقت و واقعہ تھا اور اس کی قطعاً پروانہ کی کہ یہ جسارت میرے لئے اذیتوں طعن و تشنیع اور ہدف تنقید بننے کا موجب ہو گی۔

چنانچہ علماء و ائمہ وقت نے عملاً اس کی مخالفت کی اور عرصہ دراز تک اس کو قید میں رکھا گیا حتیٰ کہ اس کا جسم حالت قید میں تھا مگر روح جسد عنصری کی قید سے آزاد ہو گیا لیکن ان مسائل میں اپنے عقیدہ سے اور جمہور اہل اسلام کی مخالفت سے باز نہ آیا جن میں ساری امت پر روزِ روشن کی طرح عیاں تھا کہ ابن تیمیہ باطل و ناحق پر ہے اور اس کے مخالفین علماء حق پر ہیں۔

علماء حق اور ائمہ دین کے ابن تیمیہ کے رد و قدح پر کمر بستہ ہونے کا بنیادی سبب

چونکہ علامہ ابن حجر، امام سبکی اور دیگر اکابر جو ابن تیمیہ کے رد و انکار کے درپے ہوئے وہ بھی اس کی مانند ائمہ دین، حامیان شرع متین، نگہبانانِ شریعتِ سید المرسلین علیہ الصلوٰۃ والتسلیم تھے اور انہوں نے اس کو ان مسائل میں جمہور کے مسلک سے منحرف اور باطل پرست سمجھ اور سواد اعظم سے علیحدگی پسند باور کیا اور یہ بھی دیکھا کہ اس کی جماعت لوگوں میں اس کے مذہب اور فاسد عقیدہ کو پھیلا رہی ہے اور اہلِ اسلام کے عقائد میں شکوک و شبہات پیدا ہونے کا اندیشہ لاحق ہوا اور

مزید تاخیر کو ناقابلِ تلافی نقصان سمجھا تو ان کے لیے سوائے اس کے اور کوئی چارہ کار نہ رہا کہ اس کی خطا و لغزش پر گرفت کریں اور لوگوں پر اس کا فساد رائے اور بطلان اعتقاد ملم نشرح کریں اور ان پر راہِ صواب کو واضح کریں تاکہ ان میں سے کوئی شخص اس کے راہِ ضلالت پر نہ چل نکلے۔ اور اکثر اوقات انہوں نے اس پر سخت طعن و تشنیع سے کام لیا تاکہ عوام اہلِ اسلام اس کے ان اقوال سے متنفر اور بیزار ہو جائیں اور ان اباطیل میں گرفتار نہ ہو جائیں ان کا بھی اصل مقصد یہ تھا نہ کہ محض اس کی تحقیر و توہین اور بلاوجہ اس کو نگاہِ عوام سے گرانا کیونکہ اختلافِ نظریات اپنی جگہ مگر اس کا مشاہیر علماء اسلام سے ہونا ان کو بھی مسلم ہے۔ لہٰذا پناہ بخدا کہ وہ محض خواہشاتِ نفسانی کے تحت اس پر اس قدر تنقید و اعتراضات کرتے دونو فریق اللہ تعالیٰ کے ہاں بروز محشر پیش ہوں گے اور وہیں پتہ چلے گا کہ ظالم کون ہے اور مظلوم کون؟

اللہ رب العزت کے فضل و کرم سے امید یہی ہے کہ ان میں سے ہر ایک کے ساتھ عفو و درگذر سے کام لے گا اور ہر ایک کو اس کے حسنِ نیت کے مطابق بدلہ عطا فرمائے گا۔ اور ان سب کو مع ہمارے اپنے احسان کامل اور رحمت تامہ و عامہ کے وسیع دامن میں جگہ عطا فرمائے گا اور ان سب کا اور ہمارا حال وہی ہو جو بقول حضرت علی ان کا اور حضرت طلحہ و زبیر رضی اللہ عنہم کا ہو گا۔ فرماتے ہیں میں امید رکھتا ہوں کہ اس آیت کریمہ کا مصداق میں ہوں گا اور حضرت طلحہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہم۔

وَنَزَعْنَا مَا فِيْ صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ اِخْوَانًا عَلٰى سُرُرٍ مُّتَقٰبِلِيْنَ۔

ترجمہ: اور اگر کر لیا ہم نے جو کچھ ان کے دلوں میں کینہ و عناد تھا درآنحالیکہ وہ بھائی بھائی ہونے کی حالت میں ایک دوسرے کے مقابل تختوں پر شاہانہ انداز سے بیٹھنے والے ہیں۔

کیونکہ وہ سبھی ان مسائل میں اپنے اپنے اجتہاد اور نتائج فکر کے پابند ہیں اور ہر ایک کے پیش نظر دین مبین کی نصرت و حمایت ہے اور اہلِ اسلام کو بدعقیدگی کے ضرر و نقصان سے محفوظ رکھنا۔ اگر صحابہ کرام علیہم الرضوان کی جنگ ہتھیاروں سے تھی تو ان ائمہ اعلام کی جنگ قلموں کے ذریعے ہے۔ سب ان شاء اللہ ماجور ہوں گے مگر جو خطا پر ہوں گے ان کو ایک اجر ملے گا اور جو حق و صواب پر ہوں گے ان کو دوہرا اجر نصیب ہو گا۔

ابن تیمیہ کے حسن نیت کے باوجود اس کے اقوال موجب ضلال ہیں

دونوں فریق کے متعلق نیک نیتی کے حسنِ ظن کے باوجود اگر نظریات و اعتقادات میں محاکمہ کریں تو ابن تیمیہ کا ان مسائل کے متعلق نظریہ دو طرح کی عظیم خرابیوں کا موجب ہے اول جمہور امت علماء و عوام اہلِ اسلام کے حق میں ضلالت و گمراہی کا اعتقاد کیوں کہ ان سب کا ہر دور اور ہر علاقہ میں اس امر پر اتفاق رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی جناب میں تقرب حاصل کرنے کے لیے حبیبِ معظم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ استغاثہ اور ان کی قبرِ انور کی زیارت کو وسیلہ بنانا نیز جملہ انبیاء کرام اور صالحین کے ساتھ استغاثہ جائز اور مشروع ہے۔

ثانی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مقامِ رفیع اور منصبِ جلیل میں اس حد تک تنقیص کہ آپ العیاذ باللہ اس قابل نہیں کہ لوگ آپ کی زیارت کے لئے سفر کریں اور آپ کے ساتھ مولیٰ کریم کی بارگاہ میں استغاثہ وتوسل اختیار کریں۔ ان عظیم مفاسد کے پیشِ نظر ہم نے اس کے اس قول کو ٹھکرا دیا۔ اور اس کے پیدا کردہ ان ادہام کی طرف ذرہ بھر التفات بھی نہیں کیا جو اس نے اختراع کئے جن پر قطعاً احکام اسلام کی بنیاد نہیں رکھی جا سکتی۔ علاوہ ازیں اس کے مذمومہ مخدورات اور خرابیوں کا تو کوئی وجود ہی نہیں لیکن اس کے اقوال کی اتباع سے یقیناً بہت بڑی خرابیاں وقوع پذیر ہوتی ہیں۔

لہٰذا ہم نے اس پر رد و انکار اور اس کے اقوال پر جرح وقدح کرنے والے اکابر علماء ملت مثلاً علامہ ابن حجر امام سبکی وغیرہ کی موافقت اختیار کی بلکہ جمہور امت۔ علماء سلف اور محققین اخلاف اور تمام اہلِ اسلام کی موافقت کو ترجیح دی۔ اور ہم نے اس کے اقوال شاذہ مخالف للجمہور کو پس پشت پھینکنا مذہبی اور منصبی فریضہ سمجھا اور ان نظریات کی اتباع کو انتہائی غلط اقدام قرار دیا۔ اور ابن تیمیہ کی بیان کردہ اس بنیاد کو کہ استغاثہ وتوسل اور سفرِ زیارت شرک اور بت پرستی کا موجب بن جائے گا درخورِ اعتناء اور قابلِ سماع نہ سمجھا کیونکہ ہم نے ان تمام ادوار میں نہ کسی کو دیکھا اور نہ ہی سُنا کہ علماء تو درکنار جہال کے متعلق ایسی گمرہی کا ارتکاب سننے میں نہیں آیا بلکہ سبھی عوام وخواص بحمد اللہ پختہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ سب امور درحقیقت اللہ وحدہٗ لاشریک لہ کے قبضہ واختیار میں ہیں لیکن اس کے بندوں میں سے بعض اس کے زیادہ مقرب ہیں۔ اور اس نے اپنے عباد میں سے انبیاء و مرسلین علیہم السلام کو منتخب فرمالیا ہے اور جماعت صلحاء کو بھی۔ لہٰذا جب دین میں ذرہ بھر خلل واقع ہونے کا بھی اندیشہ نہ ہو تو ان مقربانِ بارگاہِ خداوندی میں سے کسی کے ساتھ توسل واستغاثہ میں کون سی خرابی ہے؟ جب کہ ہمیں یقین کامل ہے کہ اہلِ اسلام میں سے کوئی عامی آدمی بھی اللہ تعالیٰ کے ماسوا میں ذرہ بھر تاثیر وایجاد کا اعتقاد نہیں رکھتا والحمد للہ رب العالمین۔

باب ۶

اس باب میں ان حکایات وآثار کا بیان مطلوب ہے جن میں سید المرسلین علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے ساتھ استغاثہ کی صحت میں مستغیثین علماء وصالحین کو مختلف فوائد وفیوض حاصل ہوئے۔

نوٹ :۔ یہ سب حکایات بلکہ حقائق و واقعات ہیں نے قابلِ وثوق واعتماد ائمہ اعلام اور علی الخصوص امام ابو عبداللہ فاسی کی کتاب "مصباح الظلام"، امام قسطلانی کی کتاب "المواہب اللدنیہ"، اور امام نور الدین حلبی کی کتاب "بغیۃ الاحلام" وغیرہ سے نقل کئے ہیں اور ان میں سے اکثر کو "حجۃ اللہ علی العالمین" میں بھی ذکر کیا ہے۔ ناظرین کی سہولت کے لیے ان کو مختلف فصول میں بیان کرتا ہوں۔

فصل اوّل :۔

مغفرت ذنوب اور عفو ودرگذر کے لیے بارگاہِ رسالت مآب علیہ السلام سے استغاثہ

حافظ ابو سعد سمعانی نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے نقل فرمایا۔ فرماتے ہیں رسول کریم علیہ السلام کو دفن کئے تین دن گزر چکے تھے کہ ایک اعرابی ہمارے پاس آیا۔ اس نے اپنے آپ کو مزارِ پُر انوار پہ گرا دیا اور قبر انور سے مٹی اٹھا اٹھا کر اپنے سر میں ڈال کر عرض گذار ہوا۔

یا رسول اللہ آپ نے فرمایا اور ہم نے سنا۔ اور جو ہم نے آپ سے حفظ کیا وہ آپ نے اللہ تعالیٰ سے حاصل کیا اور آپ پر جو آیات نازل ہوئیں ان میں یہ آیت کریمہ بھی تھی۔

وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا۔

ترجمہ :۔ اور اگر وہ اپنے نفسوں پر ظلم کر بیٹھیں تمہاری بارگاہ میں حاضر ہوں۔ پس اللہ تعالیٰ سے استغفار کریں اور رسولِ خدا بھی ان کے لئے استغفار کریں تو یقیناً وہ اللہ تعالیٰ کو بہت زیادہ توبہ قبول کرنے والا اور مہربان پائیں گے۔

چنانچہ میں نے بھی اپنی جان پر ظلم کیا ہے۔ اور آپ کی بارگاہ بیکس پناہ میں حاضر ہوا ہوں تاکہ آپ میرے لیے استغفار فرمائیں تو قبرِ انور سے ندا آئی " انہ قد غفرلک "، تیرے لئے مغفرت و بخشش کا فیصلہ ہو چکا ہے۔

محمد بن حرب باہلی سے مروی ہے کہ میں مدینہ منورہ میں داخل ہوا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مزار مقدس پر پہنچا تو کیا دیکھتا ہوں کہ ایک اعرابی تیزی سے اونٹ دوڑاتے ہوئے حاضر ہوا۔ اونٹ بٹھایا اور اس کا پاؤں باندھا پھر قبرِ انور پر حاضر ہوا۔ بہت پیارے انداز میں سلام پیش کیا اور دلکش انداز میں دعا مانگی۔

پھر عرض کیا یا رسول اللہ میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں۔ اللہ تعالےٰ نے آپ کو وحی کے ساتھ مخصوص فرمایا۔ آپ پر ایسی کتاب نازل فرمائی جس میں آپ کے لئے اولین و آخرین کے علوم جمع فرما دئے۔ اور اسی کتاب میں یہ بھی فرمایا اور اس کا فرمان برحق ہے۔ ولو انہم اذ ظلموا انفسہم الآیۃ۔ میں بھی آپ کی بارگاہ میں پناہ حاصل کرنے آیا ہوں۔ اپنے گناہوں کا اعتراف کرتا ہوں۔ اور آپ کے ساتھ آپ کے کریم و رحیم رب قدوس کی جناب میں توسل و شفاعت حاصل کرتا ہوں اور جس قبول توبہ اور مہربانی کا اس نے وعدہ دیا ہے اس کا سوال کرتا ہوں پھر مزار پر انوار کی طرف متوجہ ہو کر عرض کیا ؎

یَا خَیْرَ مَنْ دُفِنَتْ بِالْقَاعِ اَعْظُمُہٗ　　فَطَابَ مِنْ طِیْبِہِنَّ الْقَاعُ وَالْاَکَمُ

اَنْتَ النَّبِیُّ الَّذِیْ تُرْجٰی شَفَاعَتُہٗ　　عِنْدَ الصِّرَاطِ اِذَا مَازَلَّتِ الْقَدَمُ

نَفْسِی الْفِدَاءُ لِقَبْرٍ اَنْتَ سَاکِنُہٗ　　فِیْہِ الْعَفَافُ وَفِیْہِ الْجُوْدُ وَالْکَرَمُ

ترجمہ:۔ اے وہ ذات والاصفات جو ان لوگوں سے بہتر و برتر ہے جن کے اعضاء بدن کو میدانی علاقہ میں دفن کیا گیا اور ان اعضاء و اجزاء بدن سے میدانی علاقے اور پہاڑ و ٹیلہ پاکیزہ و خوشبودار ہو گئے۔

آپ ہی وہ نبی ہیں جن کی شفاعت کی امید جہنم کی پشت پر رکھے ہوئے پل صراط سے قدموں کی لغزش کے وقت کی جاتی ہے۔

میری جان فدا ہو اس قبرِ انور پر جس میں آپ نے سکونت اختیار فرمائی ہے۔ وہی قبر عفت و پاکدامنی کا گہوارہ ہے اور وہی قبر جود و کرم پر مشتمل ہے۔

اس کے بعد وہ اپنی اونٹنی پر سوار ہوا اور مجھے اس امر میں قطعاً شک و شبہ نہ رہا کہ وہ مغفرت و بخشش کے ساتھ رخصت ہوا اور اس سے زیادہ حسین و بلیغ سلام اور طریقۂ ادب و التجاء میرے سننے میں نہیں آیا۔

محمد بن عبداللہ العتبی نے اس خبر و حکایت کو روایت کیا ہے اور اس میں اس قدر اضافہ نقل کیا کہ مجھے اس دوران اونگھ آگئی تو رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی زیارت نصیب ہوئی آپ نے فرمایا اے عتبی اس اعرابی کے پاس پہنچ اور اس کو یہ بشارت دے دے کہ اللہ تعالےٰ نے تیرے لیے مغفرت و بخشش فرما دی ہے۔

حافظ ابو محمد عبدالعظیم بن عبدالقوی المنذری نے فرمایا کہ مجھے یہ روایت پہنچی ہے کہ فقیہہ ابو علی الحسین بن عبداللہ

بن رواحہ بن ابراہیم بن عبداللہ بن رواحۃ الحموی نے نبی الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح میں ایک قصیدہ لکھا اور اس کا صلہ بارگاہ نبوت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ طلب کیا کہ انہیں راہِ خدا میں شہادت نصیب ہو چنانچہ ان کی تمنا بر آئی اور شہادت نصیب ہو گئی۔ حافظ ابو القاسم بن عساکر فرماتے ہیں کہ وہ مرج عکّا میں بروز بدھ شعبان ۵۸۵ھ میں شہید ہوئے۔

قیروان کے بعض ثقہ مشائخ نے نقل فرمایا کہ ایک شخص اپنے شہر سے حج کے ارادہ پر چلا اس کے دوستوں میں سے ایک شخص نے کہا کہ مجھے تیرے ساتھ ایک کام ہے اور میری دلی خواہش یہ ہے کہ تو میری اس حاجت کو پورا کرنے میں خصوصی توجہ دے۔

جب عازم حج نے دریافت کیا کہ وہ کونسی حاجت ہے تو اس نے کہا کہ میرا یہ عریضہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر انور اور روضۂ اطہر تک پہنچا دینا۔ میرا سلام اس بارگاہ والا جاہ میں پیش کر کے اس عریضہ کو مزار پر انوار کے سرہانے دفن کر دینا مگر اس کو نہ کھولنا اور نہ مطالعہ کرنا یہی میری سب سے بڑی خواہش و حاجت ہے۔ اس عازمِ حج نے اپنے اس دوست کی استدعا کو پورا کر دیا۔ اس نے بیان کیا کہ جب میں زیارت حرمین طیبین کی سعادت سے بہرہ ور ہوا تو روضۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر حاضر ہو کر سلام پیش کیا اور اپنی حاجات بارگاہ کرم میں پیش کیں پھر اس دوست کا سلام اور رقعہ و عریضہ پیش کیا۔

جب واپس اپنے شہر پہنچا تو وہ دوست استقبال کے لئے شہر سے باہر آ کر ملا۔ اور قسمیں دے کر اپنے ہاں مہمان بننے پر مجبور کیا۔ میں اس کی خواہش کے مطابق اس کا مہمان بنا اس نے میری بھی خوب خاطر و تواضع کی اور میرے اہل خانہ کے ساتھ بھی اسی طرح حسن سلوک سے پیش آیا بعد ازاں مجھ سے کہا اللہ تعالےٰ آپ کو جزاء خیر عطا فرمائے۔ آپ نے میرا عریضہ رسول کریم علیہ السلام کی بارگاہ میں پیش کر کے مجھ پر بہت بڑا احسان کیا۔ مجھے حیرت ہوئی کہ اس نے مجھ سے دریافت تو کیا نہیں کہ عریضہ پہنچا یا یا نہیں اور خود ہی اس پر مطلع ہے اور مجھے خبر بھی دے رہا ہے۔

میں نے اس سے دریافت کیا کہ آپ کو کیوں کر معلوم ہو گیا کہ میں نے آپ کی فرمائش کو پورا کر دیا ہے۔ اس نے کہا اب میں آپ کو ساری صورت حال بتلاتا ہوں۔ میرا ایک بھائی فوت ہو گیا تھا اور اس کا ایک چھوٹا سا یتیم بچہ رہ گیا۔ میں نے حتی المقدور اس کی خوب تربیت کی مگر قضاء الٰہی سے وہ نا بالغی میں ہی فوت ہو گیا۔ ایک رات میں نے خواب میں دیکھا کہ قیامت قائم ہو چکی ہے اور لوگ میدان محشر میں جمع ہو چکے ہیں اور سخت جہد و مشقت کی وجہ سے ہر شخص شدید پیاس کا شکار ہے۔ اسی دوران مجھے اپنا وہ بھتیجا نظر آ گیا جس کے ہاتھ میں پانی تھا میں نے پانی پلانے کا مطالبہ کیا تو اس نے کہا میرا باپ پیاسا ہے اور اس کا حق زیادہ ہے مجھے یہ چیز گراں گذری جب آنکھ کھلی تو خواب میں دیکھے ہوئے منظر کی وجہ سے سخت گھبرایا ہوا تھا اور اپنے بھتیجے کا وہ طرز عمل دیکھ کر غمگین بھی تھا اور اس قدر محو حیرت و استعجاب تھا کہ مجھے صبح کا یقین بھی نہیں آ رہا تھا۔ الغرض میں نے صبح اٹھ کر چند دینار راہِ خدا میں صدقہ کئے اور اللہ تعالےٰ سے سوال کیا کہ مجھے نرینہ اولاد عطا فرمائے تو اللہ تعالےٰ نے میری دعا کو شرف قبولیت بخشا اور وہ لڑکا عطا فرمایا جو آپ نے جاتے وقت میرے پاس دیکھا

تھا، چنانچہ اس کے اس عمر تک پہنچنے کے بعد آپ کو اس سعادت مند سفر کا اتفاق ہوا تو میں نے وہ عریضہ بارگاہ رسالت مآب علیہ السلام میں آپ کے ہاتھوں روانہ کیا اور اس میں یہ التجاء کی کہ آپ اللہ تعالیٰ سے دعا فرما دیں کہ مجھ سے یہ فرزند قبول کر لے اور اسے اپنے پاس بلا لے تاکہ بروز قیامت اس سے کام آنے اور محشر کی شدتوں اور سختیوں میں موجب راحت و سکون بننے کی امید رکھ سکوں۔ چنانچہ آپ کے جانے کے بعد فلاں، فلاں دن وہ بخار میں بتلا رہا اور فلاں رات اس نے داعیٔ اجل کو لبیک کہا تو مجھے یقین ہو گیا کہ میرا عریضہ پہنچ گیا اور میری حاجت بطفیل نبی کریم علیہ السلام بر آئی ہے۔ جب میں نے تاریخوں کا حساب لگایا تو معلوم ہوا کہ جس دن کی ظہر کو لڑکا بیمار ہوا اور اگلی رات فوت ہوا میں اس وقت روضۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر حاضر تھا۔

فصل ثانی :-

اس فصل میں ان مستغیثین کے واقعات اور حکایات بیان کی جائیں گی جو دشمنوں کی قید میں تھے یا قافلوں سے بچھڑ کر جنگلات میں بھٹکتے پھر رہے تھے یا سمندروں کی خونی موجوں کی لپیٹ میں تھے یا اسی قسم کے دیگر شدائد و مصائب میں بتلا تھے مگر بارگاہِ بیکس پناہ کی طرف متوجہ ہونے سے آپ کی شانِ اعجازی نے ان کی دستگیری فرمائی اور خلاصی دلائی۔

طبرانی اور بیہقی نے حضرت ابو امامہ بن سہل بن حنیف کے واسطہ سے ان کے چچا حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ سے نقل فرمایا کہ ایک شخص اپنے کسی کام کے لیے بار ہا حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوتا رہا مگر آپ نے اس کی طرف توجہ نہ فرمائی اور اس کی حاجت کو بنظر التفات نہ دیکھا چنانچہ عثمان بن حنیف سے ملا تو ان سے حضرت عثمان ذو النورین رضی اللہ عنہ کی شکایت کی۔

آپ نے فرمایا وضو کی جگہ جا کر وضو کرو پھر مسجد میں داخل ہو کر دو رکعت نماز ادا کرو بعد ازاں یہ دعا مانگو۔

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْاَلُکَ وَاَتَوَجَّهُ اِلَیْکَ نَبِیِّنَا مُحَمَّدٍ صلی اللہ علیہ وسلم نَبِیِّ الرَّحْمَةِ، یَا مُحَمَّدُ اِنِّیْ اَتَوَجَّهُ بِکَ اِلٰی رَبِّکَ فَیَقْضِیْ حَاجَتِیْ۔

اے اللہ میں تجھ سے دست بدعا ہوں اور تیری بارگاہ بے نیاز میں اپنے نبی الرحمۃ نبی کریم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ رحمت کے ساتھ حاضر ہوتا ہوں۔ اے محمد کریم اے صفات کمال کے موصوف اکمل میں آپ کے توسل سے آپ کے رب کریم کی بارگاہ میں حاضر ہوتا ہوں تاکہ میری حاجت کو بر لائے۔ اور حاجتی کی جگہ اپنی حاجت کا نام لینا۔

بعد ازاں میرے ساتھ بارگاہِ خلافت میں حاضر ہونا میں تمہارے ساتھ چلوں گا۔ چنانچہ اس شخص نے حضرت عثمان ابن حنیف رضی اللہ عنہ کے فرمان کے مطابق دعا مانگی پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دروازے پر حاضر ہوا۔ دربان نے اس کا ہاتھ پکڑا اور حضرت ذو النورین کے پاس پہنچا دیا۔ آپ نے اس کو اپنے ساتھ بچھونے پر بٹھایا اور دریافت فرمایا کہ تمہارا کیا کام ہے؟ اس

نے اپنی حاجت عرض کی آپ نے اس کو فوراً پورا فرما دیا اور فرمایا اتنا عرصہ گزار تو نے اس کام کا مجھ سے ذکر ہی نہ کیا۔ تجھے جو بھی کام ہو بلا روک ٹوک میرے پاس آ کر کہہ دیا کرو۔ وہ آدمی حضرت ذو النورین کے پاس سے اٹھا اور حضرت عثمان بن حنیف کی خدمت میں حاضر ہوا عرض کیا اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ حضرت ذو النورین تو میری گذارش پر توجہ ہی نہیں دیتے تھے اور نہ میری طرف نگاہ التفات فرماتے تھے تم نے ان سے سفارش کی تو وہ بہت مہربانی سے پیش آئے۔ آپ نے فرمایا بخدا میں نے اس سلسلہ میں انکے ساتھ قطعاً کلام تک بھی نہیں کیا بلکہ اصل بات یہ ہے (کہ اس دعا کا یہ سارا اعجاز ہے کہ تم پر وہ اس قدر مہربان ہو گئے)

میں نبی کریم علیہ السلام کی خدمت اقدس میں موجود تھا۔ ایک نابینا شخص حاضر خدمت ہوا اور عرض کیا میری بینائی جاتی رہی ہے اور میں سخت پریشانی میں ہوں میرے لیے دعا فرما دیں۔ آپ نے فرمایا اگر تم صبر کرو تو وہ تمہارے لئے بہتر ہو گا۔ اس نے عرض کیا میرا ہاتھ پکڑنے والا کوئی نہیں اور بہت پریشانی میں ہوں۔

محبوبِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وضو، کی جگہ جا کر وضو کر و بعد ازاں دو رکعت نفل پڑھو پھر ان کلمات کے ساتھ دعا مانگو۔ حضرت عثمان ابن حنیف فرماتے ہیں ہم اسی طرح محوِ گفتگو تھے اور نبی کریم علیہ السلام کی مجلس مبارک سے ابھی اٹھنے نہ پائے تھے کہ وہ شخص ہمارے پاس دوبارہ آیا۔ اس کی آنکھیں بحال ہو چکی تھیں اور کسی قسم کی تکلیف اس کو نہ تھی۔

امام قسطلانی متوفی ۹۲۳ھ اپنی کتاب "المواہب اللدنیہ" کے مقصد عاشر فصل ثانی میں فرماتے ہیں رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے ساتھ بعد از وصال توسل اس قدر کثیر روایات سے ثابت ہے کہ ان کا احاطہ کرنا اور مکمل طور پر بیان کرنا ممکن ہی نہیں ہے۔ اور شیخ ابو عبد اللہ بن النعمان کی کتاب "مصباح الظلام فی المستغیثین بسید الانام علیہ الصلوٰۃ والسلام" میں کسی قدر تفصیلی روایات مندرج ہیں (اپنا ذاتی تجربہ اور آپ بیتی بیان کرتے ہوئے)

فرمایا مجھے ایک ایسی بیماری لاحق ہو گئی تھی جس کے علاج سے اطبا عاجز آ گئے اور سالہا سال تک اس بیماری میں بتلا رہا۔ جمادی الاولیٰ کی اٹھائیس رات ۸۹۳ھ میں مکہ مکرمہ میں حاضر تھا (اللہ تعالیٰ اس کے شرف و فضیلت میں اضافہ فرمائے اور دوبارہ بخیر و عافیت اس کی حاضری نصیب فرمائے) وہاں میں نے بارگاہ نبوی میں استغاثہ پیش کیا۔ اور نگاہ کرم کی درخواست کی جب سو گیا تو خواب میں ایک شخص کو دیکھا جس کے ہاتھ میں ایک کاغذ ہے اور اس میں یہ تحریر ہے۔

هٰذَا دَوَاءُ دَاءِ اَحْمَدَ بْنِ الْقَسْطَلَانِيِّ مِنَ الْحَضْرَةِ الشَّرِيْفَةِ بَعْدَ الْاِذْنِ الشَّرِيْفِ۔

یہ احمد بن القسطلانی کی بیماری کی دوا ہے جو بارگاہ رسالت سے تجویز ہوئی اور ان کو حاضریٔ بارگاہ کا اذن بھی ہے جب بیدار ہوا تو بخدا ذرہ بھر تکلیف باقی نہیں تھی اور نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت سے شفا حاصل ہو گئی۔

صاحب مواہب فرماتے ہیں کہ ۸۸۵ھ میں بھی مجھے اسی طرح کا ایک واقعہ پیش آیا کہ میں بیت اللہ کی زیارت سے فارغ ہو کر مصر جانے کا عزم کئے ہوئے تھا اور مکہ شریف کے راستہ میں ہی ہماری خادمہ غزال حبشیہ کو جناب کا اثر ہو گیا اور

کئی دن تک یہی صورت حال برقرار رہی۔ میں نے اس مصیبت سے خلاصی کے لیے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے شفاعت طلب کی کیا دیکھتا ہوں کہ میں خواب میں ہوں اور ایک شخص میرے پاس اسی جن کو لے آیا ہے جو اس خادمہ کو تکلیف دینے والا تھا۔ اور مجھے کہا کہ اس کو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے تمہارے پاس بھیجا ہے چنانچہ میں نے اس کو سرزنش کی۔ اور اس سے حلف لیا کہ دوبارہ ایسی حرکت نہیں کرے گا بعد ازاں میں بیدار ہوا تو معلوم ہوا کہ اس لونڈی کو ذرہ بھر تکلیف نہیں ہے گویا کہ اس کے بندھن ٹوٹ گئے اور جس رسہ میں جکڑی ہوئی تھی اس کو کھول دیا گیا۔ اس کے بعد وہ بالکل صحت وعافیت سے رہی۔ حتیٰ کہ میں نے اس کو ۱۹۴ھ میں مکہ شریف میں ہی چھوڑا والحمد للہ رب العالمین انتہت عبارۃ المواہب۔

امام ابو محمد عبداللہ بن محمد ازدی کحال اندلسی جو ایک صالح اور انتہائی نیک شخص تھے فرماتے ہیں کہ اندلس میں ایک شخص کا بیٹا اہل روم نے قید کر لیا۔ وہ اپنے گھر سے بارگاہ رسالتمآب علیہ افضل الصلوات میں حاضری کے ارادہ سے نکلا تاکہ اپنے لخت جگر کے معاملہ میں آپ سے التجاء کرے۔ راہ میں اس کو بعض واقف اور شناسا ملے اور دریافت کیا کہ کہاں کا عزم و ارادہ ہے اس نے کہا میں رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی خدمت اقدس میں حاضری کے لیے جاتا ہوں تاکہ آپ سے اپنے لڑکے کے حق میں شفاعت طلب کروں کیونکہ اسے رومیوں نے قید کر لیا ہے اور اس پر تین سو دینار تاوان عائد کیا ہے جبکہ میں مفلس اور مسکین ہوں اور اس خطیر رقم کی ادائیگی سے قاصر ہوں۔ انہوں نے کہا کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ہر جگہ توسل اور شفاعت طلب کی جاسکتی ہے اس مقصد کے لئے حاضری بارگاہ ضروری نہیں ہے۔ لیکن اس نے ان کی اس نصیحت کو قبول نہ کیا اور بارگاہ رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہو گیا۔ مدینہ منورہ پہنچتے ہی رسول کریم علیہ السلام کی بارگاہ بیکس پناہ میں حاضری دی اور اپنی حاجت پیش کر کے توسل کی درخواست کی۔ خواب میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہوا آپ نے ارشاد فرمایا اپنے شہر کو چلے جاؤ تمہارا مقصد پورا ہو چکا ہے)۔ جب میں اپنے شہر پہنچا تو میرا لڑکا موجود تھا جس کو اللہ تعالےٰ نے رومیوں کی قید سے خلاصی عنائت فرما دی تھی۔ اس نے اپنے بیٹے سے صورت حال دریافت کی تو اس نے بتلایا کہ فلاں رات مجھے ان کی قید سے رہائی نصیب ہوئی تھی۔ اور میرے ساتھ اور بھی بہت سے قیدی رہا ہو گئے جب اس نے حساب لگایا تو یہ وہی رات تھی جس میں اس کو بارگاہ رسالتمآب علیہ افضل الصلوات کی بارگاہ اقدس میں رسائی اور بیٹے کے لئے شفاعت کے متعلق عرض کرنے کا موقعہ نصیب ہوا اور بارگاہ نبوت سے شرف دیدار سے بہرہ ور کئے جانے کے بعد وطن واپسی کا اشارہ ہوا تھا۔

ابن سمحون ناسخ کہتے ہیں کہ مجھے رومیوں نے قید کر لیا اور میں کافی عرصہ حالت قید میں رہا۔ ایک دفعہ میں نے سوچا کہ نہ میرے پاس مال ہے (جو ادا کر کے رہائی حاصل کروں) اور نہ ہی خویش و اقارب ہیں جو مجھے چھٹکارا دلائیں۔ لہٰذا میرے لیے سوائے اس کے اور کوئی چارۂ کار نہیں ہے کہ میں ایک عریضہ رحمت دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ اقدس میں پیش کروں اور اس میں اپنی سرگزشت عرض کروں۔ چنانچہ اس خیال کے آتے ہی ایک ورقہ پر اپنی سرگزشت لکھی اور ایک مسلمان تاجر

کے حوالے کیا جو اسی شہر میں بغرض تجارت موجود تھا جس کے اندر میں قید کے ایام گذار رہا تھا اور میں نے اس سے عرض کیا کہ آپ جب بھی روضۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر حاضری سے مشرف ہوں تو میرا یہ عریضہ قبر انور اور روضہ اطہر کے ساتھ لٹکا دینا چنانچہ اس تاجر نے میری اس استدعاء کو پورا کر دیا۔

جب لوگ حج سے فارغ ہوئے تو ایک حاجی اس شہر میں آیا جس کے اندر میں اسیری کے دن کاٹ رہا تھا اور بادشاہ سے میری خلاصی کا مطالبہ کیا۔ میں ایک دن بیٹھا تھا کہ ناگاہ بادشاہ کا قاصد میرے پاس آیا اور مجھے بلا کر اپنے ہمراہ لے گیا۔ جب میں حاکم شہر کے پاس پہنچا تو میں نے اس کے پاس ایک شخص موجود پایا جو میرے گمان کے مطابق عجم سے تعلق رکھتا تھا۔ میرے پہنچنے پر حاکم شہر نے اس سے دریافت کیا، کیا وہ یہی شخص ہے؛ اس نے کہا میں نہیں جانتا۔ پھر اس نے مجھ سے میرا نام دریافت کیا اور بعد ازاں مجھ سے کچھ لکھنے کی فرمائش کی تاکہ میرے خط کو دیکھے جب میں نے حسب الحکم لکھا اور اس نے میری تحریر کو دیکھا تو کہا وہ یہی ہے اور مجھے خرید کر اپنے ہمراہ لیا اور بلاد کفر سے رہائی دلائی۔

میں نے اس سے دریافت کیا کہ آپ کی میرے ساتھ اس ہمدردی اور بھلائی کا باعث اور سبب موجب کیا ہے تو اس نے کہا میں نے اس سال حج کیا اور مدینہ منورہ میں روضہ رسالت مآب علیہ افضل الصلوات پہ حاضری دی۔ شرف زیارت سے بہرہ ور ہونے کے بعد میں روضۂ اطہر کے قریب ہی بیٹھ گیا اور دل میں خیال کیا۔ کاش رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم ظاہری حیات طیبہ کے ساتھ موجود ہوتے۔ اور آپ مجھے کوئی حکم دیتے جس کی تعمیل وتکمیل سے نگاہ کرم کا سزاوار بن جاتا۔ میں اسی خیال میں گم تھا کہ ہوا کے جھونکوں سے ایک ورق لرزتا اور پھڑپھڑاتا نظر پڑا جو روضۂ اطہر کی دیوار سے معلق تھا میں نے سوچا (نگاہ ظاہر سے دیکھنا مقدر نہ سہی مگر قلبی نگاہ سے) میں نے آپ کو دیکھ لیا ہے اور آپ نے مجھے اس ورقہ کے متعلق حکم دیا ہے۔ میں نے وہ کاغذ اپنے قبضہ میں کیا۔ اس کو پڑھا اس میں تیرا نام موجود تھا اور تیری فریاد وزاری بھی موجود تھی جو قید روم سے خلاصی حاصل کرنے کے لیے تو نے بارگاہ نبوت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم میں بہ صورت عریضہ پیش کی تھی۔ چنانچہ میں اس عریضہ میں درج پتہ کے مطابق اس شہر میں پہنچا اور حاکم شہر سے تیری خلاصی کا مطالبہ کیا جب تجھے بلایا گیا اور میں نے تجھ سے نام وغیرہ دریافت کیا تو مجھے تسلی ہو گئی کہ تو نے ہی وہ عریضہ لکھا تھا چنانچہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رضامندی حاصل کرنے کے لیے تجھے خریدا اور آزاد کیا ہے۔

ابراہیم بن مرزوق بیانی فرماتے ہیں کہ جزیرہ شقر سے ایک آدمی گرفتار کیا گیا اور اس کے سینے پر لمبی اور وزنی لکڑیاں رکھی گئیں اور ان کو لوہے کے زنجیروں سے جکڑ دیا گیا۔ اس درد والم کی حالت میں وہ شخص بارگاہ رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم سے استغاثہ کرتا تھا اور یا رسول اللہ یا رسول اللہ کہتا تھا۔ دشمنوں کے سردار نے اس سے کہا اپنے رسول سے کہہ کہ تجھے خلاصی عطا فرمائے۔ جب رات کی تاریکی چھا گئی تو ایک شخص نے آکر اس کو جھنجھوڑا اور کہا۔ اٹھ اذان دے۔ اس نے عرض کیا دیکھتے تو میں کس حال میں ہوں جب حسب الامر اذان دینے لگا اور اشہد ان محمداً رسول اللہ تک پہنچا۔ تو اس

کے سینے پر سے وہ بھاری لکڑیاں اور زنجیر وغیرہ سب زائل ہو گئے اور اسے اپنے سامنے ایک باغ دکھائی دیا وہ اس میں چلنے لگا۔ ایک جگہ ایک غار سی نظر پڑی اس میں داخل ہوا تو اپنے وطن جزیرۂ شقر میں پہنچ گیا۔ اور اس شہر میں اس کا یہ قصہ بہت مشہور ہوا۔

علی بن عبدون سبتی فرماتے ہیں۔ ہمیں دشمن نے گرفتار کر لیا۔ اور میرے ہاتھ کندھوں پر پچھلی طرف کو باندھ دیئے گئے۔ اور پاؤں میں بیڑیاں ڈال دی گئیں فوراً میرے دل و دماغ میں یہ دو شعر گردش کرنے لگے جن میں سے پہلا میری زبان پر جاری ہوا اور اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو یاد کر کے عرض کیا۔ اے اللہ جو مقام و مرتبہ اور درجۂ فضیلت تو نے اپنے اس محبوب کو عطا کیا ہے اس کا صدقہ مجھے اس قید اور مصیبت سے خلاصی اور رہائی نصیب فرما۔ اگلی رات برکتِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم میرے شامل حال تھی اور میں قید سے چھٹکارا حاصل کر چکا تھا۔ وہ شعر یہ ہیں :۔

اَوْقَفَنِی حُبُّکَ فِیْمَنْ یَزِیْدُ فِیْ شُکْلَةِ الذُّلِّ وَنَعْتِ الْعَبِیْدِ

قَدْ حَضَرَ الْبَائِعُ وَالْمُشْتَرِیْ عَبْدُکَ مَوْقُوْفٌ فَمَاذَا تُرِیْدُ

آپ کی محبت نے مجھے ان لوگوں کی صف میں لا کھڑا کیا ہے جو ذل و تواضع اور صفتِ غلامی میں بڑھتے جا رہے ہیں۔ بیچنے اور خریدنے والے حاضر ہیں۔ اور آپ کا عبد و غلام ان کے درمیان کھڑا کر دیا گیا ہے اب بتلایئے آپ کا ارادہ کیا ہے (اپنی غلامی میں رکھنا ہے یا غیروں کے حوالے کرنا ہے)۔

مقتدائے انام ابوالحسن علی بن ابی القاسم المعروف ابن قفل فرماتے ہیں ہم دمیاط کی سرحد پر دشمن کی قید میں تھے ابوالبرکات عبدالرحمٰن بن معبد بن البوری میرے پاس تشریف لائے اور مجھ سے کہا میں نے گذشتہ رات خواب میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی۔ اور عرض کیا یا رسول اللہ آپ دیکھ رہے ہیں کہ ہم کس حال میں ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ ابن قفل کے پاس جاؤ اور ان کو دعا کرنے کے لئے کہو۔

فرماتے ہیں قبل ازیں میں دعا کرنے کا ارادہ کرتا مگر دعا کرنے کی ہمت نہ ہوتی تھی اور الفاظِ دعا زبان پر آتے ہی نہیں تھے۔ جب خلاصی کا وقت قریب آیا (اور حکمِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم پہنچا) تو صورت حال یہ تھی کہ جب بھی آنکھ کھلتی تو کیا دیکھتا کہ میرے ہاتھ دعا کے لئے اٹھے ہوئے ہیں۔ چنانچہ میں دعا کرتا جب ۶۱۸ھ رجب المرجب کا پہلا خمیس آیا تو میں نے ان چھوٹے بچوں سے روزہ رکھنے کو کہا جو ہمارے ساتھ قید میں تھے۔ جب افطار کا وقت ہوا اور حسب العادہ نماز مغرب کے بعد صلوٰۃ الرغائب پڑھ چکے تو میں نے دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے اور چھوٹے بچوں نے رونا چلانا شروع کیا۔ اسی رات دشمن ملعون کی کمر ٹوٹ گئی۔ اور وہ شکست کھا کر جزیرہ سے پسپا ہو گیا اور پادشاہ اسلام جمعہ کے دن ان پر غالب آ گیا اور وہ علاقہ اسی رجب کی انیس تاریخ بدھ کے روز مکمل طور پر اہلِ اسلام کے کنٹرول میں آ گیا۔

اور جب افرنگی دمیاط پہ قابض ہو گئے اور انہوں نے اہلِ اسلام سے یہ علاقہ چھین لیا تو اس واقعہ کے اٹھارہ دن

بعد مدینہ منورہ میں اس کی اطلاع پہنچی۔ اہل مدینہ نے یہ پریشان کن خبر سنتے ہی روضۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر حاضر ہو کر رونا چیخنا چلانا اور فریاد و زاری کرنا شروع کر دیا اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے استغاثہ کیا۔ صالحین میں سے ایک بزرگ نے فرمایا کہ جب یہ روح فرسا خبر مدینہ طیبہ پہنچی تو میں وہیں حاضر تھا۔ مغربی سادات میں سے ایک بزرگ جو مدینہ منورہ میں مقیم تھے تشریف لائے روتے جا رہے تھے اور عرض کر رہے تھے یا رسول اللہ دشمن نے دمیاط پر قبضہ کر لیا ہے کئی روز تک انہوں نے نہ کھایا نہ پیا اور اسی طرح استغاثہ و فریاد رسی کے لئے التجائیں کرتے رہے چنانچہ بہت سے لوگوں نے رسول معظم صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا اور دشمن کے متعلق آپ سے شکایت کی۔ آپ نے اس مرتبہ بھی ان کو دشمن کی ہلاکت کا مژدہ سنایا جس طرح کہ پہلی مرتبہ یہ بشارت دی تھی (اور جس طرح فرمایا پورا ہو کر رہا) فللّٰہ الحمد فی الآخرۃ والاولیٰ

استاد ابوالعباس احمد بن محمد جرجی فرماتے ہیں میں نے دیوبیہ سے تعلق رکھنے والا ایک شخص دیکھا جو سیمون ہیجاوی فارس کے نام سے معروف تھا وہ سلطان ملک کامل کی خدمت میں اس وقت حاضر ہوا جب کہ دشمن دمیاط کی سرحد پر تھا وہ سلطان موصوف کے ہاتھ پر مشرف باسلام ہوا اور اسلام لانے کی وجہ بیان کرتے ہوئے کہا کہ میرے اور دیوبیہ کے درمیان باہم اختلاف و نزاع پیدا ہوا۔ میں ان سے الگ ہو گیا۔ مادہ خچر یا نر خچر پر سوار ہوا اور عربی نسل کا گھوڑا ہاتھ میں پکڑا۔ وہ بھی میرے پیچھے پکڑنے کو نکلے۔ مجھے ایک طرف تو ان کا خوف دار و گیر تھا اور دوسری پریشانی یہ لاحق ہوئی کہ میرا گھوڑا مجھ سے بھاگ گیا۔

چنانچہ میں نے اس ابتلاء و آزمائش کی گھڑی میں بطور توسل بارگاہ رسالتمآب علیہ السلام میں عرض کیا۔ اے محمد بن عبداللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) اگر میرا گھوڑا میری طرف واپس آ جائے تو میں آپ پر ایمان لے آؤں گا۔ یہ فریاد کرتے ہی میرے گھوڑے نے میرے گرد ایک یا دو چکر لگائے چنانچہ میں نے اس کو پکڑ لیا اور پادشاہ اسلام کے پاس پہنچ گیا اور مشرف باسلام ہو گیا چنانچہ وہ تا زیست کفار کے ساتھ مصروفِ جہاد رہا اور اسلام پر ہی اس کا خاتمہ ہوا اور یہ سب نبی کریم علیہ السلام کے ساتھ توسل اور آپ کے ذکرِ پاک کی برکت تھی۔

صالحین میں سے ایک شخص نے بیان کیا جو کہ بلادِ کفر میں اسیر تھا کہ میں جس شہر میں قید تھا اس شہر کے امیر کا یا اس کے بھائی کا جہاز ساحل کے قریب لنگر انداز ہوا۔ انہوں نے تمام قیدیوں کو بھی اکٹھا کیا اور اہلِ شہر کی ایک جماعت کو بھی جن کی مجموعی تعداد تین ہزار کے قریب ہو گی تاکہ وہ اس جہاز کو کھینچ کر کنارے کے ساتھ لگائیں مگر جہاز اتنا عظیم تھا کہ اتنی کثیر تعداد بھی اس کو کھینچ نہ سکی۔ چنانچہ ایک شخص بادشاہ کے پاس آیا اور اسے کہا کہ اس جہاز کو صرف مسلمان ہی نکال سکتے ہیں مگر اس کے لیے شرط یہ ہے کہ وہ جو کچھ کہنا چاہیں ان پر کوئی پابندی عائد نہ کی جائے۔

چنانچہ بادشاہ نے اس شخص کے مشورہ کے مطابق ہم اہلِ اسلام کو جمع کیا اور ہمیں کہا کہ تم جس قسم کا نعرہ لگانا چاہو اور جو کلمات زبان پر لانا چاہو تمہیں مکمل آزادی ہے۔ ہماری مجموعی تعداد ساڑھے چار سو تھی۔ ہم نے مل کر پکارا یا رسول اللہ! اور اس بیڑے کو زور سے کھینچا تو وہ بغیر کسی رکاوٹ کے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے ساتھ استغاثہ و توسل کی بدولت

کنارے آلگا۔

ابوالقاسم بن تمام نے فرمایا کہ ہم دس آدمی مل کر بصورت وفد قصرِ طوبیٰ میں ابویونس کے پاس گئے اور اس سے عرض کیا کہ ہمیں زیادۃ اللہ امیر کی والدہ کی طرف سفارشی خط لکھ دو کیونکہ امیر نے اہلِ علم و قرآن میں سے دو سو آدمیوں کو جبراً لشکر کے ساتھ محاذ جنگ پر بھیج دیا ہے۔ ابویونس نے کہا ہم نہ تو امیر کو جانتے ہیں اور نہ ہی اس کی ماں کو ہم تو صرف اللہ تعالٰے اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو جانتے ہیں۔ آج رات ہم اللہ تعالٰے سے دعا والتجاء کریں گے اور ان شاءاللہ وہ رہا ہو جائیں گے۔ وہ رات جمعہ کی تھی۔ شیخ ابوالقاسم نے اس میں بارگاہِ رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم میں استغاثہ کرتے ہوئے عرض کیا۔

یَا اَحْمَدُ یَا مُحَمَّدُ یَا اَبَا الْقَاسِمِ یَا خَاتَمَ النَّبِیِّیْنَ یَا سَیِّدَ الْمُرْسَلِیْنَ یَا مَنْ جَعَلَهُ اللّٰهُ رَحْمَةً لِّلْعَالَمِیْنَ۔

آپ کی امت میں سے ایک جماعت میرے پاس آئی ہے اور صالحین کی ایک جماعت کی خلاصی کے لئے مطالبہ کیا ہے میں آپ کی جناب میں التجاء پیش کرتا ہوں آپ اللہ تعالٰے سے دعا کریں کہ انہیں خلاصی نصیب ہو جب انہوں نے اپنے شبانہ اوراد و وظائف پڑھ لئے اور سو گئے تو خواب میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا دیدار نصیب ہوا۔ آپ نے فرمایا اے ابایونس میں نے ان کے لیے اللہ تعالٰے سے دعا کی ہے ان شاء اللہ العزیز وہ کل رہا کر دیے جائیں گے۔

ابن تمام فرماتے ہیں ہم صبح سویرے شیخ ابویونس کے پاس حاضر ہوئے اور ان سے عرض کیا کہ ہماری درخواست کا کیا ہوا؟ انہوں نے فرمایا میں نے ان کے حق میں نبی کریم علیہ السلام سے عرض کیا اور آپ نے فرمایا کہ وہ کل صبح ان شاءاللہ تعالٰے رہا ہو جائیں گے۔ چنانچہ صبح جمعہ کے دن جب وہ حضرت زیادۃ اللہ بن الاغلب امیر حبیش کے پاس گئے امور اسے سلام دیا تو اس نے سلام کا جواب دیتے کے ساتھ ساتھ ان کی خوب تعظیم و تکریم کی اور ان سے کہا اے اہلِ علم اور ارباب قرآن میں تمہیں اللہ تعالٰے اور اس کے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی خاطر آزاد کرتا ہوں۔ اللہ تعالٰے ابن صائغ پر لعنت کرے جس نے تمہیں میری طرف بھیج کر تکلیف دی۔

حضرت محمد بن منکدر کے صاحبزادے بیان کرتے ہیں کہ اہل یمن کے ایک آدمی نے میرے باپ کے پاس اسی دینار بطور امانت رکھے اور ان سے کہا اگر ضرورت پڑے تو ان کو خرچ کر لینا جب واپس آؤں تو مجھے ادا کر دینا اور وہ خود جہاد کے لئے چلا گیا۔

مدینہ منورہ میں سخت قحط اور خشک سالی نے غلبہ کیا میرے باپ نے وہ دینار لوگوں میں تقسیم کر دے۔ تھوڑا عرصہ ہی گزرا تھا کہ وہ شخص واپس آگیا اور اس نے اپنی امانت طلب کی۔ میرے باپ نے اسے کہا کل آنا (میں تمہاری امانت واپس کر دوں گا) وہ خود رات مسجد شریف میں ہی ٹھہرے کبھی روضۂ اقدس پر حاضر ہوتے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر عنایت کے طلب گار ہوتے اور کبھی منبر شریف کے پاس آتے اور دعا والتجاء کرتے حتیٰ کہ سپیدۂ سحر نمودار ہونے لگا۔ کیا دیکھتے ہیں کہ تاریکی میں ایک شخص نے تھیلی آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔ اے محمد بن منکدر یہ تھیلی لیجئے۔ انہوں نے ہاتھ بڑھا

کر اس کو وصول کیا کھول کر دیکھا تو وہی اسی دینار اس میں موجود تھے صبح ہوئی تو وہ شخص آگیا انہوں نے اسی دینار اس کے حوالے کر دیئے (اور بوسیلہ نبی کریم اس قرض سے سبکدوش ہو گئے)۔

ابوالقاسم عبید اللہ بن منصور مقری فرماتے ہیں کہ میرے والدِ محترم مجھ سے پورا ہفتہ قرض اٹھاتے رہتے تھے حتیٰ کہ سو درہم یا اس سے بھی زیادہ قرض ان کے ذمے واجب الاداء ہو جاتا جب میں ادائیگی کا مطالبہ کرتا تو قسم کھا کر فرماتے میں سنیچر کے دن ضرور بالضرور ادا کر دوں گا۔ کئی مرتبہ جب یہی صورت حال درپیش ہوئی تو میں نے ان سے عرض کیا کہ ہفتہ کے روز اتنی رقم آپ کے پاس کہاں سے آجاتی ہے تو آپ آبدیدہ ہو گئے اور فرمایا اے میرے بیٹے میں پورے ہفتہ کے ختم اور اوراد و وظائف جمع کرتا رہتا ہوں اور جمعرات کو ان سب کا ثواب بارگاہ رسالتمآب علیہ السلام میں پیش کرتا ہوں اور ساتھ ہی عرض کرتا ہوں۔ یا رسول اللہ میرے قرضہ کے لئے نگاہ کرم وعنائت ہو تو میرے پاس اتنی رقم ایسے مقام سے پہنچ جاتی ہے جس کا مجھے وہم و گمان بھی نہیں ہوتا اور اس سے میرے قرضے ادا ہو جاتے ہیں۔

یوسف بن علی جو کہ حرم رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مجاور تھے بیان فرماتے ہیں مجھ پر بہت سا قرض چڑھ گیا جس کی وجہ سے میں نے مدینہ منورہ سے باہر جانے کا قصد کیا پھر بارگاہ نبوی میں حاضر ہوا اور اپنے قرض کی ادائیگی میں آپ سے استغاثہ کیا۔ خواب میں دولتِ دیدار سے مشرف ہوا آپ نے مجھے وہیں بیٹھے رہنے کا اشارہ فرمایا اسی دوران اللہ تعالیٰ نے ایسا شخص مجھے مہیا فرما دیا جس نے میرے سارے قرضے ادا کر دیئے۔

ام فاطمہ اسکندرانیہ کا بیان ہے کہ میں مدینہ منورہ حاضر ہوئی تو میرے پاؤں پر سخت ورم اور سوجن ہو گئی جس نے مجھے اپاہج کر دیا اور چلنے پھرنے سے بالکل معذور۔ روضۂ اقدس کے گرد چکر کاٹتی رہتی اور عرض کرتی یا حبیبی یا رسول اللہ لوگ حاضری دے کر گھروں کو لوٹ گئے اور میں پیچھے رہ گئی ہوں میرے اندر واپسی کی ہمت واستطاعت ہی نہیں رہ گئی۔ یا تو بے سلامت اپنے اہلِ وعیال کے پاس پہنچ جاؤں یا یہیں وفات آجائے اور آپ کی بارگاہ اقدس میں پہنچ جاؤں۔ وہ اسی استغاثہ کو دوہراتی رہی بالآخر ایک دفعہ وہ روضۂ اقدس کے پاس موجود تھی کہ تین عربی جوان وہاں پہنچ گئے جو پکار پکار کر کہہ رہے تھے کون ہے جو مکہ مکرمہ کی طرف جانے کا ارادہ رکھتا ہے؟ وہ فوراً بولی میں! ان میں سے ایک نے کہا اٹھو۔ اس نے کہا میں تو اٹھ نہیں سکتی۔ اس نے کہا اپنا قدم لمبا کر جب اس نے قدم آگے بڑھایا اور انہوں نے اس کی حالت دیکھی تو کہا ہاں یہی عورت ہے (جس کے متعلق ہمیں بارگاہ نبوی سے ارشاد ہوا ہے) انہوں نے مجھے اپنے ساتھ لیا اور تیز رفتار اونٹنی پر سوار کر دیا اور مکہ مکرمہ پہنچا دیا۔ ان میں سے ایک سے جب اس کے متعلق دریافت کیا گیا تو اس نے کہا میں نے خواب میں رسول معظم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی آپ نے مجھ سے فرمایا کہ یہ عورت پاؤں میں عارضہ لاحق ہو نے کی وجہ سے اپاہج ہو گئی ہے اسے لے جاؤ اور مکہ مکرمہ پہنچا دو کیوں کہ کئی دنوں سے یہ مجھ سے استغاثہ اور فریاد رسی کی درخواست کر رہی ہے۔ فرماتی ہیں میں بہت آرام وسکون سے مکہ مکرمہ پہنچ گئی اور پھر بغیر کسی پریشانی اور تکلیف کے اسکندریہ پہنچ گئی اور

قدم بھی بالکل درست ہو گیا۔

حضرت عبدالرحمٰن جزولی فرماتے ہیں ہر سال میری آنکھ کو بیماری لاحق ہو جاتی۔ ایک دفعہ مدینہ منورہ کی حاضری نصیب تھی کہ اس درد نے دورہ کیا میں فوراً بارگاہِ حبیب علیہ السلام میں حاضر ہوا اور عرض کیا یا رسول میں آپ کی پناہ میں ہوں اور آپ کے زیر سایہ ہوں میری آنکھ دکھتی ہے اور درد و تکلیف میں مبتلا ہوں ۔ یہ عرض کرتا تھا کہ فوراً آنکھ درست ہو گئی اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت سے اس دن سے لے کر اب تک بالکل تندرست ہوں اور کبھی بھی آنکھ کی شکایت درپیش نہیں ہوئی۔

شیخ ابوعبداللہ محمد بن ابراہیم الہذلی فرماتے ہیں۔ میں مدینہ طیبہ میں حاضر تھا اور میرے ساتھ کچھ فقراء اور درویش بھی تھے ۔ جب میں نے رخصت ہونے کا ارادہ کر لیا اور حاضر بارگاہ ہو کر عرض کیا کہ یا رسول اللہ مجھے بطور سفر خرچ بیس درہم درکار ہیں۔ فوراً ایک شخص نے آکر بیس درہم میرے حوالے کر دیئے (اور نبی کریم علیہ السلام کے ساتھ استغاثہ کی بدولت مدعا پورا ہو گیا)۔

ابوموسیٰ عیسیٰ بن سلام رحمہ اللہ تعالےٰ بیان کرتے ہیں کہ ابومروان عبدالملک بن حزب اللہ جو کہ بیت خلیل علیہ السلام میں موذن تھے تیرہ سال کا عرصہ مدینہ منورہ میں مقیم رہے ۔فرماتے ہیں مدینہ طیبہ میں قحط سالی کا زور ہوا تو میں نے اپنے معاملہ میں اللہ تعالےٰ سے استخارہ کیا خواب میں رسول گرامی صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے بہرہ ور ہوا۔ اپنی مجبوری آپ سے عرض کی۔ آپ نے فرمایا شام کی طرف رحلت کر جاؤ۔ میں نے عرض کیا آپ سے دوری پر صبر و اقرار کیسے میسر ہو سکتا ہے آپ نے فرمایا۔ شام کی طرف کوچ کر دو۔ میں نے پھر وہی عرض پیش کی تو آپ نے فرمایا تم شام میں حضرت ابراہیم خلیل الرحمٰن علیہ السلام کے مزارِ اقدس کی طرف منتقل ہو جاؤ۔ میں نے حسب الارشاد وہاں حاضری دی تو اللہ تعالےٰ نے (وہاں موذن بننے کا شرف بخشا اور دین و دنیا کی) بہتریاں عطا فرمائیں۔

شیخ ابوموسیٰ فرماتے ہیں۔ مجھے یہ اطلاع ملی کہ ہمارے شیخ ابوالغیث ربیع ماردینی قرآن مجید سامنے رکھ کر اس کی تلاوت کرتے ہیں حالانکہ انہوں نے قطعاً رسم الخط سے آگہی حاصل نہیں کی تھی ۔ مجھے اس بات پر یقین نہیں آتا تھا۔ جب میں ان کے پاس مکہ مکرمہ میں حاضر ہوا تو ان کو مصحف شریف سے عمدہ انداز میں تجوید کے ساتھ قراءت کرتے ہوئے پایا جب میں نے اس کا سبب دریافت کیا تو انہوں نے فرمایا میں مدینہ منورہ کی حاضری کے دوران مسجدِ نبوی میں ہی رات گذارتا اور خلوت میں رحمتِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور اپنی حاجات پیش کرتا۔ اسی دوران میں نے اللہ تعالےٰ کی جناب میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو شفیع بناتے ہوئے عرض کیا کہ مجھے قرآن مجید دیکھ کر پڑھنا آجائے یہ عرض کر کے وہیں بیٹھ گیا تو فوراً اونگھ آگئی ۔ نبی کریم علیہ السلام کی زیارت سے آنکھوں کو ٹھنڈک اور دل کو سکون و قرار نصیب ہوا اور ساتھ ہی آپ نے یہ مژدہ بھی سنایا ہے کہ اے ماردینی اللہ تعالےٰ نے تمہاری دعا کو قبول کر لیا ہے۔ لہٰذا قرآن مجید کو کھول کر سامنے رکھو

اور اس کی تلاوت و قراءت کرو۔ جونہی سپیدۂ صبح نمودار ہوا میں نے حسب الارشاد مصحف شریف کو سامنے رکھا اور بلا تکلف قراءت شروع کر دی ۔بعض اوقات کسی آیت میں مجھ سے تغیر و تبدل ہو جاتا تو جونہی میں سوتا تو کسی شخص کو یہ کہتے ہوئے سنتا فلاں آیت میں تمہیں تصحیف و تفسیر درپیش ہوئی وہ دراصل اس طرح ہے۔

مصر کے قدیمی دار العلوم جامعہ ازھر میں منصبِ قراءت پر فائز ایک استاذ نے تین طلاق کے ساتھ قسم کھالی کہ جو شخص بھی میرے پاس فن تجوید و قراءت کی تکمیل کر لے گا تو اس وقت تک اس کو اس فن کی تدریس کی سندِ اجازت نہ دوں گا جب تک دس دینار بطور نذرانہ وصول نہ کر لوں گا خواہ وہ سندِ اجازت کا جتنا بھی حق دار کیوں نہ ہو۔ اتفاق سے ایک فقیر اور نادار شخص نے ان کے ہاں فن قراءت حاصل کیا جب سندِ اجازت طلب کی تو استاد نے اپنی قسم کا تذکرہ کیا۔ شاگرد رنجیدہ خاطر ہوا۔ اپنے ساتھیوں سے صورت حال کا تذکرہ کیا تو انہوں نے پانچ دینار جمع کر دیئے۔ استاد کی خدمت میں پیش کئے مگر انہوں نے ان کے قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ وہ نادار متعلم استاد سے رخصت ہوا دیکھا تو ساربان نے محمل کو تیار کر رکھا ہے اور مکہ مکرمہ جانے والا ہے اس درویش نے دل میں عزم کر لیا کہ ان پانچ دیناروں کو حج پر خرچ کرتا ہوں چنانچہ ضروری سامان خریدا اور مکہ مکرمہ کے ارادہ پر مصر سے روانہ ہوا جب حاضری کی دولت نصیب ہوئی اور حج کی سعادت سے بہرہ ور ہو گیا تو مدینہ منورہ کی حاضری دی ۔ جب رسول کریم علیہ السلام کی بارگاہ بیکس پناہ میں پہنچا تو عرض کیا ۔السلام علیک یا رسول اللہ

بعد ازاں ائمہ سبعہ سے مروی و منقول قراءات رحمتِ کونین علیہ السلام کے حضور پڑھیں اور عرض کیا یہ قراءت فلاں شیخ اور فلاں مقری کے واسطہ سے جناب والا سے مجھ تک پہنچی ہے جس طرح آں جناب کو بواسطۂ جبرئیل امین علیہ السلام اللہ تعالےٰ سے پہنچی ۔میں نے اپنے شیخ سے سندِ اجازت طلب کی مگر انہوں نے دینے سے انکار کر دیا میں اس کے حصول میں آپ کی ذاتِ اقدس سے استغاثہ کرتا ہوں ۔ اتنا عرض کیا اور جا کر سو رہا ۔خواب میں رحمتِ مجسم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت نصیب ہوئی آپ نے فرمایا جا کر اپنے شیخ کو سلام دینا اور کہنا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ بغیر کسی ہدیہ و نذرانہ کے مجھے سند فراغت عطا کر دو اور اگر وہ اس پیغام میں تجھے راستگو نہ سمجھے اور تجھ پر اعتماد و اعتبار نہ کرے تو کہنا کہ آپ نے زُھْرًا زُمَرًا والی نشانی میری راستگوئی کے لیے دلیل و امارت مقرر فرمائی ہے۔ جب وہ نادار متعلم مصر پہنچا اپنے شیخ کی خدمت میں حاضر ہوا اور رسول خدا علیہ التحیۃ والثناء کا پیغام بغیر بیان فرمودہ علامت و امارت کے پہنچایا۔ جب شیخ نے اس کی صداقت پر اعتماد و اعتبار نہ کیا تو اس نے کہا میری صداقت کی علامت زُمَرًا زُھْرًا ہے۔ یہ سنتے ہی استاد کی چیخ نکل گئی اور غش کھا کر گر گیا۔ جب ہوش آیا تو حاضرین مجلس نے دریافت کیا یہ کیا قصہ ہے؟

شیخ نے بتایا میں بسا اوقات قرآن مجید کی تلاوت کرتا (مگر بسرعت تمام اور تیزی و روانگی کے ساتھ) ایک دن دوران تلاوت جب یہ آیت مقدسہ پڑھی "وَمِنْهُمْ أُمِّيُّونَ لَا يَعْلَمُونَ الْكِتَابَ إِلَّا أَمَانِيَّ وَإِنْ هُمْ إِلَّا يَظُنُّونَ" اور بعض ان میں سے ناخواندہ ہیں جو کتاب کو نہیں جانتے ماسوا کھوکھلی آرزوں اور خام خیالیوں کے اور نہیں ہیں وہ مگر ظن و تخمینی

کرنے والے

تو میں نے قسم کھائی کہ میں قرآن مجید کی تلاوت بغیر فہم اور تدبر معانی کے نہیں کروں گا مگر اس طرح قرآن مجید کے حفظ و ضبط کی رفتار بہت سست ہو گئی اور عرصہ دراز گزرنے پر صرف قلیل حصہ تلاوت کر سکا اور قرآن مجید بھولنے لگا چنانچہ میں نے اپنی قسم کا کفارہ دیا اور قرآن مجید کو حفظ کرنا شروع کیا اور بفضلہٖ تعالیٰ اس کو جلد حفظ کر لیا۔ ایک دن دوران تلاوت جب یہ آیت مقدسہ زبان پر آئی۔

ثُمَّ اَوْرَثْنَا الْكِتَابَ الَّذِيْنَ اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ وَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ وَمِنْهُمْ سَابِقٌۢ بِالْخَيْرَاتِ۔

"پھر ہم نے وارث بنایا کتاب کا ان لوگوں کو جنہیں ہم نے اپنے بندوں میں سے چن لیا۔ پس ان میں سے بعض ظالم ہیں بعض درمیانہ روی پر۔ اور بعض خیرات اور بھلائیوں کی طرف سبقت لے جانے والے ہیں۔

تو میں نے سوچا کاش مجھے معلوم ہوتا کہ میں ان تین اقسام میں سے کس قسم میں داخل ہوں۔ پھر میں نے دل ہی دل میں یہ نتیجہ اخذ کیا کہ میں دوسری اور تیسری قسم میں یقیناً داخل نہیں لہٰذا صرف پہلی قسم میں ہی شامل ہوں اور سخت غم و اندوہ لاحق ہوا۔ اسی دوران نیند آ گئی۔ اور بخت بیدار نے یاوری کی۔ محبوبِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا دیدار نصیب ہوا۔ آپ نے مجھے فرمایا قرآن مجید کے قاریوں اور تلاوت کرنے والوں کو یہ مژدہ سنا دو کہ وہ زُمَرًا زُمَرًا یعنی فوج در فوج اور گروہ در گروہ جنت میں داخل ہوں گے۔

پھر وہ شیخ اس فقیر و نادار متعلم کی طرف متوجہ ہوا اس کی پیشانی کو بوسہ دیا اور حاضرین مجلس کو فرمایا تم گواہ رہنا کہ میں نے اس کو اجازت دی ہے کہ وہ خود ان قراءتِ سبعہ و عشرہ کے ساتھ قرآن مقدس کی قرات کرے اور متعلمین میں سے جس کو چاہے پڑھائے۔ اور یہ سب رسول کریم علیہ السلام کے ساتھ استغاثہ و توسل کی برکت تھی۔

شیخ ابو ابراہیم وراد جن کی کرامات مغربی علاقہ میں مشہور و معروف ہیں اپنا واقعہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے ایک دفعہ چند ساتھیوں کی رفاقت میں حج بیت اللہ کے لیے سفر کیا۔ مکہ مکرمہ پہنچ کر مناسک حج ادا کئے پھر۔ روضۂ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر حاضری دی۔ ان کے ساتھی واپس روانہ ہو گئے اور انہیں زادِ راہ کی قلت کے پیش نظر وہیں چھوڑ گئے وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہِ عالم پناہ میں حاضر ہوئے اور آپ سے استغاثہ و توسل کرتے ہوئے عرض کیا یا رسول اللہ آپ جانتے ہیں میرے ساتھی مجھے یہاں چھوڑ کر چلے گئے ہیں۔ خواب میں حبیب مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا شرف دیدار نصیب ہوا اور آپ نے فرمایا مکہ شریف جاؤ اور وہاں ایک شخص زمزم کے کنوئیں پر لوگوں کو پانی کھینچ کر پلا رہا ہو گا اس سے کہنا کہ رسول کریم علیہ السلام نے تمہیں حکم دیا ہے کہ مجھے میرے گھر تک پہنچاؤ۔

فرماتے ہیں میں حسب الارشاد مکہ مکرمہ پہنچا۔ چاہ زمزم پر گیا (ایک شخص پانی کھینچ رہا تھا) میں ابھی کچھ کہہ نہیں پایا تھا کہ اس

نے مجھ سے کہا کہ لوگوں کے پانی سے فارغ ہونے تک مجھے مہلت دیں۔ جب وہ پانی پلانے سے فارغ ہوا تو رات کا وقت آ پہنچا تھا۔ اس نے کہا بیت اللہ شریف کا طواف کر لو اور میرے ساتھ مکہ شریف کے بالائی حصہ کی طرف چلو۔ چنانچہ میں طواف سے فارغ ہو کر اس کے ساتھ اس کے قدم بقدم چل پڑا۔ جب صبح قریب ہوتی تو میں ایک ایسی وادی میں پہنچا ہوا تھا جس میں بہت گھنے درخت تھے اور پانی کے چشمے میں نے دل میں سوچا یہ وادی تو میرے علاقہ وادی شفشاوہ کے بالکل مشابہ ہے۔ جب اچھی طرح سپیدۂ سحر نمودار ہوا اور میں نے غور سے دیکھا تو وہ واقعی وادیٔ شفشاوہ تھی میں اپنے اہل و عیال کے پاس گیا ان کو اپنے گھر پہنچنے کی عجیب و غریب داستان سنا کر ورطۂ حیرت میں ڈال دیا۔ لوگوں نے سراپا تعجب بن کر مجھ سے ان ساتھیوں کے متعلق دریافت کیا۔ میں نے انہیں بتایا کہ وہ لوگ مجھے مفلس و نادار سمجھ کر بارگاہ نبوی میں چھوڑ کر چلے آئے تھے۔ بعض نے میری بات کو درست تسلیم کیا اور بعض نے مجھے جھوٹا سمجھا چند ماہ گذرے تو میرے وہ ساتھی بھی آ پہنچے اور انہوں نے خود اصلی صورت حال لوگوں سے بیان کی۔ (تب سب کو یقین آ گیا)۔

ابو القاسم ثابت بن احمد بغدادی نے بتایا کہ انہوں نے مدینہ طیبہ میں ایک شخص کو دیکھا جس نے مزار اقدس کے پاس صبح کی اذان دی اور اس میں "اَلصَّلٰوةُ خَيْرٌ مِّنَ النَّوْمِ" کہا۔ مسجد شریف کے خدام میں سے ایک خادم نے اس کے پاس آ کر اس کو تھپڑ مار دیا۔ وہ شخص رو دیا اور عرض کیا کیا آپ کی بارگاہ میں اور آپ کے سامنے میرے ساتھ یہ سلوک ہو رہا ہے؟ اتنا عرض کرنا تھا کہ وہ خادم فوراً مفلوج ہو گیا۔ اسے وہاں سے اٹھا کر گھر پہنچایا گیا مگر تین دن کے بعد مر گیا اور راہی ملک بقاء ہو گیا۔

ایک ہاشمی خاندان کی عورت سے منقول ہے کہ وہ مدینہ منورہ میں مقیم تھی اور مسجد نبوی کے تین خادم اس کو ایذاء و تکلیف دیتے تھے۔ اس نے کہا ایک دن میں نے بارگاہِ رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم میں فریاد و زاری کی تو حجرہ مبارکہ سے آواز آئی۔ کیا تیرے لئے میرا اسوہ کافی نہیں ہے۔ تو بھی لوگوں کی ایذاؤں پر اسی طرح صبر و تحمل سے کام لے جس طرح کہ میں نے حلم و حوصلہ سے کام لیا۔ یہ آواز سنتے ہی جو رنج و الم اور درد و کرب درپیش تھا فوراً زائل ہو گیا اور وہ تینوں خادم جلد ہی موت کا شکار ہو گئے اور وہ عورت عرصۂ دراز تک وہیں مقیم رہی اور وہیں اس کا انتقال ہوا۔

شیخ ابو القاسم بن یوسف اسکندرانی فرماتے ہیں میں مدینہ طیبہ میں تھا۔ ایک شخص کو قبرِ انور کے پاس دیکھا جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں فریاد و زاری کر رہا ہے۔ اور عرض کرتا ہے یا رسول اللہ۔ میں آپ کا وسیلہ پکڑتا ہوں تاکہ میرا بیٹا مجھے واپس مل جائے۔ میں نے اس سے بیٹے کی گمشدگی کی صورت دریافت کی تو اس نے بتلایا کہ میں جدہ سے روانہ ہوا تو میرا بیٹا میرے ساتھ تیز رفتار اونٹنی پر ہمسفر تھا۔ قضاء حاجت کے لئے گیا اور پھر پتہ نہ چل سکا کہ کدھر اترا چند سال کے بعد وہ شخص مجھے مصر میں ملا تو میں نے بیٹے کے متعلق اس سے دریافت کیا تو اس نے کہا اللہ تعالٰے نے وہ مجھے ملا دیا۔ قصۂ ملاقات یہ ہے کہ وہ نبی شیبہ کے اونٹ چرایا کرتا تھا۔ ان میں سے ایک شریف اور پاک باز عورت نے خواب میں

نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی۔ آپ نے اُس سے فرمایا کہ مصری شخص کو بنی شعبہ کے قبضہ سے آزاد کرا کر گھر بھیج دو۔ اور یہ سب کچھ برکت تھی نبی کریم علیہ السلام کے ساتھ استغاثہ و توسل کی۔

ابو عبداللہ محمد بن ابی الامان کہتے ہیں کہ جب ابو عزیز قتادہ مدینہ طیبہ میں آکر نازل ہوا اور اس کو اپنے قبضہ میں لینے کا ارادہ کیا تو باب بلاط سے داخل ہو کر باب حدید تک پہنچا اور کچھ حصہ مدینہ شریف کا اس کے قبضہ میں آگیا تو خدام مسجد نبوی میں سے بشری نامی خادم نے مدرسہ کے بچوں کو اپنے ساتھ لیا اور بارگاہِ رحمۃ للعالمین علیہ الصلوٰۃ والتسلیم میں حاضر ہو گیا اپنی دستاران کے گلے میں ڈال دی۔ انہوں نے یوں عرض کرنا شروع کیا اِسْتَجَرْنَا بِكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ۔

اے رسول خدا ہم نے آپ کی پناہ پکڑی اور آپ کے زیر سایہ آگئے ہیں (لہٰذا ہماری لاج رکھیے)۔

اس کے بعد صرف دو شخصوں شریف اور مولیٰ نے اس لشکر کو مار بھگایا اور ابو عزیز مدینہ منورہ سے نکل گیا۔

ابو العباس احمد بن محمد اللواتی نے بتایا کہ شہر فاس میں ایک عورت تھی۔ اُس کو جب بھی کوئی تلخی و تنگی اور پریشان کن صورت حال درپیش ہوتی تو وہ دونوں ہاتھ اپنے چہرہ پر رکھ کر اور آنکھیں بند کر کے کہتی "مُحَمَّدٌ"، جب اس کی وفات ہوئی تو اس کے قریبی رشتہ دار نے اس کو خواب میں دیکھا اور دریافت کیا " اے پھوپھی آپ نے قبر میں بطور امتحان و ابتلاء آنے والے دو فرشتے "منکر و نکیر" دیکھے ؟ تو اس نے کہا ہاں وہ میرے پاس آئے جونہی میں نے ان کو دیکھا تو اپنے ہاتھ منہ پر رکھ لیے اور کہا "محمد" صلی اللہ علیہ وسلم۔ جب میں نے ہاتھ منہ سے ہٹائے تو قبر میں ان کا کہیں نام و نشان نہ تھا۔

ہاتف غیبی کا رسول خدا علیہ السلام سے استغاثہ کی تلقین کرنا

الشریف ابو اسحاق ابراہیم بن علیسی بن ماجد الحسینی فرماتے ہیں ہم شام اور مدینۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان سفر کر رہے تھے کہ ہمارا ایک اونٹ گم ہو گیا اور مجھے حضرت شیخ احمد رفاعی کے متعلق یہ اطلاع ملی ہوئی تھی کہ ان کا فرمان ہے اور اعلان عام ہے کہ جس شخص کو کوئی حاجت درپیش ہو وہ عبادان میں میری قبر کی طرف متوجہ ہو کر میرے ساتھ استغاثہ کرے اور سات قدم چلے تو اس کی حاجت ان شاء اللہ بر آوے گی۔ جب میں اس خیال پر عبادان کی طرف متوجہ ہوا اور استغاثہ کا قصد کیا تو ہاتف غیبی نے مجھے آواز دی۔

اَمَا تَسْتَحِيْ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ تَسْتَغِيْثُ بِغَيْرِهٖ۔

کیا تجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حیاء نہیں آتی کہ اُن (کا فرزند ہو کر اُن) کی بجائے دوسرں سے استغاثہ کرتا ہے اس آواز کے کانوں میں پڑتے ہی میں مدینہ منورہ کی طرف متوجہ ہو گیا اور میں نے عرض کیا۔ یَا سَیِّدِیْ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَنَا مُسْتَغِیْثٌ بِكَ۔ اے میرے سردار اے رسول خدا میں آپ سے فریاد رسی کی اپیل کرتا ہوں۔ میں یہ جملہ مکمل بھی نہیں کر پایا تھا کہ ساربان نے پکار کر کہا ہمارا اونٹ دستیاب ہو گیا ہے۔

ابو الحجاج یوسف بن علی فرماتے ہیں میں مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ کی طرف پیدل چلنے والے راہ پر گامزن تھا کہ راستہ سے بھٹک گیا میں نے فوراً نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ استغاثہ کیا۔ فوراً ایک عورت آتی ہوئی نظر پڑی جو مجھے اشارہ کرتی ہے کہ میرے پیچھے پیچھے چلتے آؤ۔ چنانچہ میں اس کے پیچھے چلتا ہوا مدینہ منورہ پہنچ گیا۔

ابو الحجاج ہی کا بیان ہے کہ میں نے نقراء میں سے ایک شخص کو دیکھا جو مدینہ طیبہ کے راستہ سے بھٹک گیا تھا۔ جب اس نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ استغاثہ کیا تو فوراً اس کو حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا قبہ اور روضہ دکھائی دیا (اور مدینہ طیبہ کی طرف رہنمائی ہو گئی) حالانکہ اس جگہ اور مدینہ شریف کے درمیان دو دن کا بلکہ اس سے بھی زیادہ کا فاصلہ تھا۔

ابو عبداللہ سالم المعروف بخواجہ کا بیان ہے کہ میں نے خواب میں اپنے آپ کو دریائے نیل کے اندر ایک جزیرہ پر موجود پایا اور کیا دیکھتا ہوں کہ ایک مگر مجھ پر حملہ آور ہونا چاہتا ہے۔ میرے خوف و دہشت کی کوئی انتہاء نہ رہی ناگاہ ایک مقدس ہستی میرے سامنے آ موجود ہوئی جن کے متعلق میرے دل نے یہ گواہی کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ انہوں نے فرمایا کہ تمہیں جب بھی کوئی مشکل درپیش ہو جائے تو اس طرح کہہ دیا کرو۔ " اَنَا مُسْتَجِيْرٌ بِكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰه "

اے رسول خدا میں آپ کی پناہ طلب کرتا ہوں۔ میرے احباب میں سے ایک شخص نے سفر کا ارادہ کیا جن کی بینائی کمزور تھی میں نے اس کو اپنا خواب بھی بیان کیا اور اس سے کہا کہ جب آپ کو اثناء راہ میں کوئی مشکل درپیش ہو تو اس طرح کہنا۔

اَنَا مُسْتَجِيْرٌ بِكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ

جب وہ سفر پر روانہ ہو گیا اور مقام رابغ پر پہنچا جہاں پانی کی سخت قلت تھی اس کا خادم پانی کی تلاش میں چلا گیا۔ اس نے مجھے بتایا کہ مشکیزہ میرے ہاتھ میں تھا اور میں پانی کی تلاش میں بڑی دقت اور پریشانی محسوس کر رہا تھا۔ مجھے فوراً آپ کا خواب اور قول یاد آیا تو میں نے عرض کیا۔ انا مستجیر بک یا رسول اللہ میں اسی حال میں تھا کہ ایک آدمی کو اس طرح آواز دیتے ہوئے سنا۔ دَمْ قُمْ بِتَكَ ۔ اپنے مشکیزہ کو مضبوطی سے پکڑ اور ساتھ ہی مجھے مشکیزہ میں پانی کے گرنے کی آواز سنائی دینے لگی حتیٰ کہ میرا مشکیزہ پُر ہو گیا۔ اور مجھے یہ معلوم نہ ہو سکا کہ وہ شخص کدھر سے آیا اور کہاں گیا۔

الشیخ الصالح ابو الحسن علی بن یوسف البقری فرماتے ہیں میں ایک رات خواب میں دیکھتا ہوں کہ ایک بہت بڑا شیر مجھ پر سامنے سے حملہ آور ہونے کو ہے اور مجھے اپنا شکار بنانا چاہتا ہے۔ میں نے فوراً نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ استغاثہ کرتے ہوئے کہا اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔ وہ سامنے سے ہٹ گیا مگر پھر دائیں جانب سے حملہ آور ہوا میں نے پھر بطور استغاثہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا نام نامی پکارا۔ وہ ادھر سے ہٹ گیا لیکن بائیں جانب سے حملہ آور ہونے لگا میں نے پھر اسی نام اقدس کو حرز جان بنایا وہ ادھر سے ہٹا مگر پچھلی جانب سے حملہ آور ہونے لگا۔ اچانک ایک شخص آ موجود ہوا جو میرے اور شیر کے درمیان حائل ہو گیا اور شیر میری نگاہ سے اوجھل ہو گیا اور میری آنکھ کھل گئی۔

ابو محمد عبدالواحد بن علی صنہاجی کہتے ہیں میں ملک شام میں چھ ماہ یا اس سے بھی زیادہ عرصہ بیمار رہا۔ جب میں نے قافلہ کے سواروں کو دیکھا کہ وہ عازمِ سفر ہو گئے ہیں تو میرا بھی سفر کا پختہ ارادہ بن گیا۔ اہلِ قافلہ نے اعلان کیا کہ تین دن کے لیے پانی ذخیرہ کر لو۔ جب رات ہوئی تو میں نے سورۃ طٰہٰ پڑھی اور عرض کیا "اَنَا فِی ضِیَافَتِكَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہ یارسول اللہ میں آپ کی ضیافت میں ہوں اور اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ مجھے نبی کریم علیہ السلام کی زیارت نصیب فرمائے تاکہ میں آپ سے سکون حاصل کروں۔ جوں ہی آنکھ لگی تو حبیب کبریا علیہ التحیۃ والثناء کا دیدار حاصل ہو گیا میں نے آپ کو سلام پیش کیا آپ نے مجھے اپنے سینہ مبارک سے لگایا اور فرمایا خوف زدہ ہونے کی ضرورت نہیں ہے اور تجھے حاجت بر آنے کی بشارت دیتا ہوں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت سے صبح اٹھے تو پانی وافر مقدار میں دستیاب تھا جو سب سواروں کو کافی ہو گیا اور میری ساری کمزوری اور نقاہت بھی جاتی رہی۔ مجھے سوار ہونے کی پیش کش کی جاتی مگر میں انکار کر دیتا اور پیدل چلتا ہوا سواروں سے آگے نکل جاتا اور یہ سب برکت تھی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اور ان کے فیضان نظر کی۔

ابو عبداللہ محمد بن سالم سجلماسی فرماتے ہیں جب میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کا قصد کیا اور پیدل چلنے والوں کے راستہ پر چل نکلا تو جب کبھی راہ میں ضعف و ناتوانی اور کمزوری و لاغری محسوس ہوتی تو عرض کرتا "اَنَا فِی ضِیَافَتِكَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہ"، یارسول اللہ میں آپ کا مہمان ہوں۔ تو وہ ضعف و ناتوانی فوراً زائل جاتی۔

احمد بن محمد سلادی فرماتے ہیں جب میں بارگاہ رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم سے رخصت ہونے لگا تو میں نے عرض کیا یا یاسید الکونین میں دورانِ سفر صحرا، و بیابان میں داخل ہوں گا جب کوئی سختی و مصیبت درپیش ہوئی تو اللہ تعالیٰ کو پکاروں گا اور اس سے دعا کروں گا اور آپ سے توسل و استعانت حاصل کروں گا۔ حضرت ابوبکر و حضرت عمر رضی اللہ عنہما کی خدمت میں حاضر ہو کر بھی اسی طرح عرض کیا دورانِ سفر ہفتہ بھر جنگل و بیاباں میں پے در پے سفر کرتا رہا اسی اثنا میں ایک کنوئیں کے اندر گر گیا جس میں کافی پانی تھا۔ اور چاشت سے لیکر عصر کے بعد تک کنوئیں میں ہی غوطے کھاتا رہا اور موت سر پر منڈلاتی نظر آئی فوراً ہی مجھے خیال آیا کہ میں نے بارگاہ نبوی اور شیخین سے رخصت ہوتے وقت یوں عرض کیا تھا لہٰذا اس خیال کے آتے ہی میں نے عرض کیا یا حبیبی یا محمد میری عرض کو شرف قبولیت بخشتے ہوئے میری دستگیری فرمائیے اور اسی طرح حضرات شیخین رضی اللہ عنہما سے عرض کیا تو یوں معلوم ہوا کہ کسی نے مجھے کنوئیں کی تہ سے اٹھا کر منڈیر پر بٹھا دیا ہے۔ اور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی برکت سے باہر نکل آیا۔

ابو العباس میرلی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں میں سمندر میں جہاز پر سوار ہو کر سفر کر رہا تھا کہ طوفانی ہواؤں نے غلبہ کیا اور قریب تھا کہ ہم غرق ہو جاتے میں نے اسی اثنا میں کسی کہنے والے کو یوں کہتے ہوئے سنا۔ اے دشمنو اور دشمنوں کی اولاد تم یہاں کیوں کر آ گئے میں نے دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے اور عرض کیا۔

اَللّٰھُمَّ بِحُرْمَةِ نَبِیِّكَ الْمُصْطَفٰے عِنْدَكَ اِلَّا مَا اَنْقَذْتَنِیْ وَسَلَّمْتَنِیْ ۔

اے اللہ تیرے نزدیک اپنے نبی مصطفےٰ علیہ التحیۃ والثناء کی جو حرمت و عزت ہے اس کا صدقہ مجھے بچا اور سلامتی سے ہم کنار فرما میری دعا ابھی مکمل نہیں ہوئی تھی کہ میں نے ملائکہ کو جہاز کے گرد گھیرا ڈالے ہوئے دیکھا اور انہوں نے مجھے سلامتی کا مژدہ سنایا۔ میں نے اپنے ساتھیوں کو خوشخبری سناتے ہوئے کہا کل سویرے ان شاء اللہ ہم صحیح و سالم بندرگاہ پر لنگر انداز ہو جائیں گے۔

صالح بن شو شا بلنسی نے بتایا کہ ہم کشتی میں سوار تھے کہ دشمن کے بیڑے نے ہمیں آلیا اور قریب تھا کہ ہماری کشتی کو تباہ کرنے کے لئے ٹکر لگاتے میں نے عرض کیا "یا محمد نحن فی ضیافتک الیوم"، اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم آج ہم آپ کی ضیافت میں ہیں تو فوراً دشمن کی عظیم کشتی میں زور دار دھماکا ہوا کشتی کے وسطی عمود ٹوٹ گئے اور ان پر لٹکائے ہوئے بادبان بھی گر گئے چنانچہ انہیں اپنی جان بچانے کی فکر لاحق ہوئی اور ہم نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی برکت سے صحیح و سالم کنارے جا لگے اور تونس میں داخل ہو گئے۔

ابوالحسن علی بن مصطفےٰ عسقلانی فرماتے ہیں ہم بحر عیذاب کے گہرے پانی میں داخل ہوتے اور جدہ جانے کا ارادہ تھا۔ سمندری موجیں ہم پر غالب آئیں جو مال و اسباب پاس تھا وہ سب سمندر میں پھینک دیا اور خود بھی موت کا انتظار کرنے لگے۔ اسی دوران ہم نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے استغاثہ کرتے ہوئے یا محمداہ یا محمداہ کہنا شروع کیا۔ ہمارے ساتھ ایک مرد صالح تھے جو علاقہ مغرب کے رہنے والے تھے انہوں نے کہا اے حجاج کرام گھبرایئے یا نہیں ان شاء اللہ العزیز تم صحیح و سالم رہو گے اور بعافیت کنارے پر پہنچ جاؤ گے۔ میں نے ابھی ابھی رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی ہے اور عرض کیا ہے یارسول اللہ آپ کی امت آپ سے استغاثہ کرتی ہے۔ آپ کے ساتھ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بھی تھے آپ نے ان کو فرمایا اس کشتی کو بچاؤ اور بسلامت کنارے لگاؤ۔ میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سمندر میں اتر پڑے اور کشتی کے اگلے حصہ کو پکڑ کر کنارے کی طرف کھینچنے لگے حتیٰ کہ اس کو ساحل سے لگا دیا۔ الغرض سرور کونین علیہ السلام تمہاری فریادوں کو سن رہے ہیں لہٰذا تم سلامتی و عافیت میں رہو گے اور اسی طرح ہوا جونہی شیخ مغربی نے یہ مژدہ سنایا تو اس کے بعد ہم نے خیر و بھلائی ہی دیکھی۔

ابو عبداللہ محمد بن علی خزرجی فرماتے ہیں میں جر جیس تھا وہاں سے سمندر میں سفر کا آغاز کیا تو مجھے سمندری موجوں کے تھپیڑوں نے منزلِ مقصود سے دور جا پھینکا اور قریب تھا کہ غرق ہو جاتا میں نے فوراً نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے استغاثہ کے طور پر عرض کیا یارسول اللہ۔ جونہی کلمات طیبہ زبان پر آئے اللہ تعالیٰ نے میری طرف ایک لکڑی کو پھینکا میں نے اس کا سہارا لیا اور تیرتے ہوئے کنارے جا لگا۔ اور اس طرح نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے ساتھ توسل و استغاثہ کی بدولت اللہ تعالیٰ نے مجھے سمندر کی خونیں موجوں سے خلاصی عطا فرمائی۔

الفقیہ الامام القاسم ابن الفقیہ الامام الشہید عبدالرحمٰن بن القاسم الجزدلی نے فرمایا جب ہم قصبیر سے ۶۳۵ھ میں مکہ مکرمہ کے لئے روانہ ہوئے تو ہم نے عصر کے بعد جزیرہ سرناقہ کے گہرے پانی والی جگہ کو عبور کرنے کا قصد کیا مگر سمندری پانی ہم

پر غالب آگیا زوردار ہوا چلنے لگی ادھر سورج بھی غروب ہوگیا ساحل کا کہیں نام و نشان نہ ملتا تھا اور نہ یہ پتہ چلتا تھا کہ کدھر اور کس سمت پر جا رہے ہیں۔ ہم نے کشتی کو لنگر انداز کر دیا۔ اور اس کے بادبان نیچے کر دئے اور سب امور اللہ تعالےٰ کے سپرد کر دیئے۔ جب رات کا تہائی حصہ گذر گیا تو طوفان سخت ہو گیا۔ کشتی کے عمود اور دستے کھل کر گر پڑے ہم نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے فریاد رسی کی اپیل کی۔ ابھی ایک ساعت بھی گذرنے نہ پائی تھی کہ کشتی میں سوار ایک مخلوف نامی حاجی جو تین حج کر چکا تھا خواب سے بیدار ہوا اور بہت مسرور و شادان تھا اس نے ہمیں کہا تمہارے لیئے مژدہ اور خوشخبری ہے۔ میں نے ابھی رسول کریم علیہ السلام کی زیارت کی ہے آپ نے فرمایا تم سب کے لیے سلامتی عافیت کی خوشخبری سوموار کے دن ان شاء اللہ العزیز صحیح وسالم مکہ مکرمہ میں پہنچ جاؤ گے ہم نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت سے رات کا بقیہ حصہ بھی سلامتی و عافیت سے گزارا اور پورے سفر میں بھی کسی پریشانی کا سامنا نہیں کرنا پڑا اور بشارت نبوی کے مطابق سوموار کو مکہ مکرمہ پہنچ گئے۔

صفی الدین ابو عبداللہ حسین بن ابو منصور نے بتایا کہ میں شام کے شہر حمص میں تھا۔ میرا ارادہ مصر جانے کا ہوا۔ اور راستہ فرنگیوں، عربوں اور غاجریہ کی وجہ سے خوف ناک تھا اور اسی وجہ سے اس پر آمد و رفت منقطع ہو چکی تھی۔ میں اسی سوچ میں تھا کہ بیٹھے بیٹھے اونگھ آگئی۔ رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی زیارت ہوئی میں نے عرض کیا یا رسول اللہ میں آپ کی پناہ وکفالت میں ہوں۔ آپ نے فرمایا خوف وخشیت کی ضرورت نہیں۔ میں نے دوبارہ عرض کیا تو آپ نے فرمایا تو خوف زدہ نہیں ہوگا۔ میں نے سہ بارہ عرض کیا میرے دشمن بہت ہیں۔ آپ نے فرمایا تجھے خطرہ واندیشہ کاہے کا ہے؟ جب آنکھ کھلی تو میں حمص سے روانہ ہو گیا۔ میں خود اور میرے تمام رفقاء سفر بخیر وخوبی سفر طے کر گئے اور کوئی خوف وخطر درپیش نہ ہوا حالانکہ ہمارے آگے پیچھے اور دائیں بائیں لوگوں کی پکڑ دھکڑ اور قتل وخون ریزی جاری تھی۔

محمد بن المبارک حربی فرماتے ہیں کہ ابو البکیر علی کی بینائی جاتی رہی تھی۔ خواب میں نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ نے اپنا دستِ مبارک ان کی آنکھوں پر پھیرا ہے۔ صبح اٹھا تو دونوں آنکھیں بینا ہو چکی تھیں۔

ابو القاسم بن یوسف اسکندری کہتے ہیں ہمارا ایک ساتھی نابینا ہو گیا۔ بہت سے اطبا جمع ہوئے اور صلاح و مشورہ کیا مگر انہیں اس کے لیے کوئی دوائی ان کی سمجھ میں نہ آئی۔ جب انہوں نے لا علاج قرار دے دیا تو خواب میں سیدِ کونین علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زیارت نصیب ہوئی عرض کیا یا رسول اللہ میں آپ کی پناہ وکفالت میں ہوں آپ نے فرمایا تو صاحبِ بصارت ہو جائے گا مایوس ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں بیدار ہوا مگر پندرہ دن گذر گئے اور بینائی کی بحالی کی کوئی صورت نظر نہ آئی۔ پندرہ دن کے بعد پھر دولتِ دیدار سے خواب میں بہرہ ور ہونے پر عرض کیا یا رسول اللہ اپنا وعدہ پورا فرمائیں اور میری بینائی بحال کریں۔ آپ نے فرمایا۔ قنفذ کا خون اور مرارۃ الثعلب کو سلائی کے ساتھ آنکھوں میں لگاؤ۔ جب میں بیدار ہوا اور صبح ہو گئی تو میں نے قنفذ کو پکڑا۔ اسے ذبح کر کے اس کا خون حاصل کیا اور مرارۃ الثعلب لے کر انہیں آنکھوں میں لگایا تو اسی وقت آنکھوں میں نور پیدا ہو گیا۔ ابو القاسم فرماتے ہیں میں نے اس کی آنکھوں کو دیکھا وہ بالکل تندرست تھیں اور یوں

معلوم ہوتا تھا کہ انہیں کبھی کوئی عارضہ لاحق ہی نہیں ہوا۔

تقی الدین ابو محمد عبد السلام بن سلطان القلیبی سے منقول ہے جس کا خلاصہ مفہوم ومضمون یہ ہے کہ میرے بھائی ابراہیم کے حلق میں خنازیر نکل آئیں جو اس کے لیے انتہائی موجب رنج والم بن چکی تھیں۔ اس نے خواب میں رسول معظم صلی اللہ علیہ وسلم کا شرفِ زیارت حاصل کیا تو عرض کیا یا رسول اللہ! ملاحظہ تو فرمائیے کہ مجھے کیا عارضہ لاحق ہو گیا ہے؟ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہارا مطالبہ اور سوال پورا کر دیا گیا چنانچہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی بدولت اس کو شفا حاصل ہو گئی۔

ابن البونی فرماتے ہیں (میرے والد بالا خانہ پر رہتے تھے اور میں نچلی منزل میں) انہیں ضیق النفس کا عارضہ لاحق تھا وہ نیچے آنے سے معذور تھے اور میں بھی بیماری میں مبتلا تھا جس کی وجہ سے اوپر جانے سے قاصر تھا لوگ ان کے ہاں پڑھا کرتے تھے (اور ان کی بیماری ان کی پڑھائی میں موجب حرج بن گئی تھی) میں نے خواب میں دیکھا کہ سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم میرے ہاں تشریف لائے ہیں۔ میں نے آپ کو تکیہ پیش کیا آپ اس پر ٹیک لگا کر بیٹھے پھر عرض کیا یا رسول اللہ میرا باپ بہت بوڑھا ہے اور اُن کو ضیق النفس کی تکلیف ہے۔ وہ نیچے اترنے سے معذور ہیں اور میں اپنی بیماری کی وجہ سے ان کی خدمت میں حاضری سے قاصر ہوں تو آپ میرے یہاں سے ادھر تشریف لے گئے۔ جب صبح کی نماز کا وقت ہوا تو میں نے ان کو آہ آہ کہتے ہوتے سنا درآں حالیکہ وہ سیڑھیوں سے نیچے اتر رہے تھے حتیٰ کہ میرے ہاں آئے اور کہا اے میرے بیٹے رات میرے پاس رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما ہوئے۔ میں نے عرض کیا آپ میرے پاس پہلے قدم رنجہ فرما ہوئے اور بعد ازاں آپ کے ہاں گئے چنانچہ ہم دونوں بستر مرض ناچاری سے اٹھ کھڑے ہوئے۔

الشیخ الصالح ابو محمد عبد الرحمٰن المبدانی فرماتے ہیں میں ایک رات بحر اسکندریہ کے کنارے جزیرہ والی اپنی منزل میں قیام پذیر تھا مجھے الہام ہوا کہ میں ملک صالح کے لئے دعا کروں جو مقام کرک میں دشمنوں کی قید میں تھے۔ میں شیخ مغاور کے مزار شریف پر آیا چند رکعات نماز ادا کیں اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ سے اللہ تعالےٰ کی جناب میں ملک صالح کے لیے دعا کی۔ بعد ازاں وہیں سو گیا خواب میں دیکھا کہ افواج وعساکر نے حلقہ بنایا ہوا ہے اور ان کے درمیان ایک شخص ہے جب بھی وہ حلقہ سے باہر نکلنے کا ارادہ کرتا ہے تو وہ افواج اس کو روک دیتی ہیں۔ میں یہ منظر دیکھ ہی رہا تھا کہ ناگاہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس جگہ تشریف لاتے دیکھا آپ نے سبز حُلّہ زیب تن فرمایا ہوا تھا اور نور کے دو ستون اور مینار آپ کے دائیں بائیں تھے جو زمین سے آسمان تک پھیلے ہوئے تھے جونہی آپ ان افواج وعساکر کے پاس پہنچے تو وہ تتر بتر ہو گئے۔ پھر میری آنکھ کھل گئی۔ اس خواب دیکھنے کے بعد بس چند دن ہی گذرنے پائے تھے کہ ہمیں ملک صالح کے قید سے رہا ہونے اور بخیریت مصر پہنچ جانے کی اطلاع مل گئی۔

شیخ ابو مدین کہتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ حمام میں داخل ہوا۔ وہاں تیل سا رکھا ہوا معلوم ہوا میں نے اس کو ڈاڑھی پر ملا تو جونہی باہر آیا ڈاڑھی کے سارے بال جھڑ چکے تھے اور ایک بال بھی باقی نہیں بچا تھا میں نے (پریشانی کے عالم میں)

عرض کیا۔ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ بِجَاہِ نَبِیِّکَ صلی اللہ علیہ وسلم اِلَّا رَدَدْتَھَا اے اللہ میں تجھ سے تیرے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی جاہ و مرتبت اور قرب و منزلت کا واسطہ دے کر سوال کرتا ہوں کہ میری ڈاڑھی مجھ پر لوٹا دے بس اتنا عرض کرنا تھا کہ وہ فوراً اُگ آئی اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بدولت پہلے سے بھی بہتر اور خوبصورت ہو گئی۔

حافظ ابو الفرج عبد الرحمٰن بن علی الواعظ کہتے ہیں کہ حماد کے ہاتھ میں آبلے نکل آئے جس کی وجہ سے اس کا ہاتھ سوج گیا۔ اور سب اطباء نے یہی فیصلہ دیا کہ اس کو کاٹنے کے علاوہ اور کوئی چارۂ کار نہیں ہے۔ حماد کہتے ہیں میں نے وہ رات مکان کی چھت پر گذاری اور اللہ تعالےٰ کی جناب میں عرض کیا۔ اے عظیم ملک کے مالک جو سوائے تیرے اور کسی کو سزاوار نہیں ہے مجھے بغیر کسی حیلہ و چارہ کے اس درد لا دوا سے شفا بخش۔ اسی اثنا میں آنکھ لگ گئی۔ کیا دیکھتا ہوں کہ حبیب کریم علیہ الصلوٰۃ و التسلیم تشریف فرما ہیں۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ میرے ہاتھ پر نظر فرمائیے۔ آپ نے فرمایا ذرا اِسے لمبا کرو۔ میں نے ہاتھ آگے بڑھا دیا۔ رحمت مجسم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا دستِ رحمت اس پر پھیرا اور فرمایا کہ اٹھ کر کھڑے ہو جاؤ میں اٹھ کھڑا ہوا اور دیکھا تو نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی برکت سے ہاتھ بالکل درست ہو چکا تھا۔

السید الشریف قاسم بن زید بن جعفر الحسینی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میرا بایاں ہاتھ ٹوٹ گیا۔ اور دائیں کا جوڑ اکھڑ گیا۔ ایک مہینہ پورا دونوں ہاتھوں کو گردن میں لٹکائے رکھا۔ سردی کے دن تھے (درد وغیرہ کی وجہ سے) سونے سے معذور تھا ایک رات آنکھ لگی تو تین شخصوں کو سامنے موجود پایا۔ میں نے ان میں سے ایک سے دریافت کیا کہ آپ حضرات کی تعریف کیا ہے؟ انہوں نے فرمایا میں ابو بکر ہوں۔ یہ عمر بن الخطاب ہیں اور یہ نبی رحمت شفیع امت صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ جونہی میری نظر نبی کریم علیہ السلام پر پڑی میں دوڑ کر ان کے قدموں سے جا لپٹا اور زار و قطار رونے لگا۔ پھر عرض کیا یا رسول اللہ دیکھتے نہیں ہو میرا حال کیا ہے۔ آپ نے میرا ٹوٹا ہوا ہاتھ پکڑا اور اس پر اپنا ہاتھ مبارک پھیرا اور فرمایا زیتون کا تیل کھانے میں استعمال کیا کرو۔ اور اس کی مالش بھی کیا کرو۔ میں نے پھر عرض کیا یا رسول اللہ میرے حال پر نظرِ رحمت فرمائیے۔ آپ نے اپنا ہاتھ مبارک آسمان کی طرف بلند کیا اور فرمایا۔ میرے ساتھ اور میرے اہلِ بیت کے ساتھ توسل و استغاثہ کیا کرو۔ جب صبح ہوئی تو میں نے اپنے دونوں ہاتھوں پر سے لکڑی کی پھٹیاں علیحدہ کر دیں اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت سے ان کو بالکل تندرست پایا۔ اور امتثال امر کی خاطر زیتون بھی استعمال کیا۔

بغداد شریف میں ایک علویہ نوجوان عورت تھی جو کہ پندرہ سال تک لولی رہی اور اس کے پاؤں چلنے سے معذور تھے۔ ایک شام کو اسی حالت مرض پر سوئی مگر صبح اٹھی تو بالکل تندرست تھی خود بخود چلتی پھرتی اور اٹھتی بیٹھتی تھی۔ جب شفاء و تندرستی کے سبب و باعث کے متعلق اس سے دریافت کیا گیا تو اس نے کہا میں اپنے آپ سے سخت تنگ دل اور ملول ہوئی اور اللہ تعالےٰ سے دعا کی کہ یا تو اس عارضہ سے شفاء نصیب فرمائے اور یا جان لے لے اور زندگی کو ختم کر دے۔ اور زار و قطار روئی۔ خواب میں ایک شخص صاحب رعب و دبدبہ دیکھا جس پر نظر پڑتے ہی بدن پر لرزہ طاری ہو گیا۔

میں نے جرأت سے کام لے کر کہا۔ اے اجنبی شخص تو نے مجھے دیکھنا کیسے حلال سمجھ لیا؟ انہوں نے جواب میں کہا میں تیرا باپ ہوں۔ میں نے خیال کیا کہ حضرت علی المرتضےٰ شیر خدا رضی اللہ عنہ ہیں لہٰذا ان سے عرض کیا اے امیر المومنین دیکھتے نہیں ہو میں کس حال میں ہوں۔ انہوں نے فرمایا میں تمہارا باپ محمد رسول اللہ ہوں۔ میں رو پڑی اور عرض کیا۔ یا رسول اللہ میرے لیے دعا کیجیے اللہ تعالےٰ مجھے صحت و عافیت عطا فرمائے۔ آپ نے دعا فرماتے ہوئے اپنے مبارک ہونٹوں کو حرکت دی۔ پھر فرمایا ہاتھ مجھے پکڑا۔ میں نے اپنا ہاتھ آپ کے دستِ اقدس میں دے دیا تو آپ نے اس کو کھینچا اور اٹھا کر بٹھا دیا۔ پھر فرمایا۔ اللہ تعالےٰ کے نام کی برکت سے کھڑی ہو جا۔ میں نے عرض کیا کیسے اٹھوں؟ فرمایا دونوں ہاتھ مجھے پکڑا دو میں نے ہاتھ آگے بڑھا دیئے آپ نے ان دونوں کو پکڑ کر کھینچا تو میں اٹھ کھڑی ہوئی۔ تین مرتبہ آپ نے اس طرح کیا پھر فرمایا اٹھو اللہ تعالےٰ نے تمہیں صحت و عافیت عطا کر دی ہے۔ لہٰذا اس انعام و احسان پر اس کا شکریہ ادا کرو اور تقویٰ و پرہیزگاری کو لازم پکڑو اور مجھ سے رخصت ہوئے۔ جب صبح آنکھ کھلی تو صحت یاب تھی اور اس کا یہ قصہ سارے بغداد میں مشہور و معروف ہو گیا۔

امام ابو محمد عبد الحق اشبیلی فرماتے ہیں اہلِ غرناطہ میں سے ایک شخص کے پاؤں میں ایسا عارضہ لاحق ہوا جس کے علاج سے اطباء عاجز آ گئے اور اسے بھی اس کی تندرستی سے مایوس کر دیا۔ چنانچہ وزیر ادیب ابو عبد اللہ محمد بن ابی الخصال نے اس کی طرف سے بارگاہِ نبوی میں عریضہ لکھا جس میں اس بیماری سے شفا اور اس عارضہ سے تندرستی کا سوال کیا گیا تھا اور اس عریضہ میں یہ شعر بھی لکھے تھے۔

کِتَابُ دَقِیْقٍ فِیْ زَمَانَتِہٖ مُشْفِیْ — بِقَبْرِ رَسُوْلِ اللّٰہِ اَحْمَدَ یَسْتَشْفِیْ

یہ عریضہ ہے اس شخص کا جو لولے پن کی وجہ سے گرا پڑا ہے اور ہلاکت کے کنارے پر ہے اور احمد مجتبےٰ کی قبر اقدس سے شفا کا طلب گار ہے۔

لَہٗ قَدَمٌ قَدْ قَیَّدَ الدَّھْرُ خَطْوَھَا — فَلَمْ یَسْتَطِعْ اِلَّا الْاِشَارَۃَ بِالْکَفِّ

اس کے قدموں کو زمانہ اور گردش ایام نے چلنے اور اٹھنے سے معذور کر دیا ہے اور صرف کفِ دست سے اشارہ کی ہی استطاعت رکھتا ہے۔

وَلَمَّا رَاَی الزُّوَّارَ یَبْتَدِرُوْنَہٗ — وَقَدْ عَاقَہٗ عَنْ قَصْدِہٖ عَائِقُ الضُّعْفِ

جب اس نے بارگاہِ رسالت میں زائرین کو تیزی سے جاتے ہوئے دیکھا جبکہ اسے اس مبارک ارادہ سے ضعف و ناتوانی نے باز رکھا تھا۔

بَکٰی اَسَفًا وَاسْتَوْدَعَ الرَّکْبَ اِذْ غَدَا — تَحِیَّۃَ صِدْقٍ تُفْعِمُ الرَّکْبَ بِالْعَرْفِ

اپنی ناکامی پر افسوس کرتے ہوئے رو دیا۔ اور بوقت صبح اس راہ سعادت پر گامزن سواروں کو صدق و اخلاص کا تحفہ و تحیہ بطور امانت دیا جو اپنی خوشبوؤں سے سواروں کو عطر بیز کرنے والا تھا۔

يَا خَاتَمَ الرُّسُلِ الشَّفِيعِ لِرَبِّهِ دُعَاءَ مُهِيضٍ خَاشِعِ الْقَلْبِ وَالطَّرْفِ

اے ختم المرسلین اور اللہ تعالے کی طرف سے منصب شفاعت پر فائز اس مصیبت زدہ غم ناک کی پکار سماعت فرمایئے جو خشوع قلب و نگاہ کے ساتھ آپ کو پکار رہا ہے۔

دَعَاكَ لِضُرٍّ أَعْجَزَ النَّاسَ كَشْفُهُ لِيَصْدُرَ دَاعِيهِ بِمَا شَاءَ مِنْ كَشْفِ

اس نے آپ سے ایسی تکلیف میں دعا کے لیے عرض کیا ہے جس کے حل و کشف نے لوگوں کو بے بس کر دیا ہے تاکہ وہ اس بحر جود و نوال سے اس مشکل کے حل اور شدت کے ازالہ والے آبِ رحمت سے سیراب ہو کر لوٹے۔

لِرِجْلٍ رَمَى فِيهَا الزَّمَانُ فَقَصَّرَتْ خُطَاهَا عَنِ الصَّفِّ الْمُقَدَّمِ فِي الزَّحْفِ

اس پاؤں اور قدم کے لئے نگاہ کرم مطلوب ہے) جس کو زمانہ کے شدائد نے جنگ کی بھٹی میں جھونکا لیکن اس کے قدم لشکر کی صفِ اول میں قائم رہنے سے قاصر ہیں۔

وَإِنِّي لَأَرْجُو أَنْ تَعُودَ سَوِيَّةً بِقُدْرَةِ مَنْ يُحْيِي الْعِظَامَ وَمَنْ يَشْفِي

میں اس ذات اقدس کی قدرتِ کاملہ سے پُر امید ہوں جو گلی سڑی ہڈیوں کو زندہ کر دیتی ہے اور مریضوں کو شفا بخشتی ہے کہ میرا پاؤں بھی حسبِ سابق درست اور صحیح ہو جائے۔

فَأَنْتَ الَّذِي نَرْجُوهُ حَيًّا وَمَيِّتًا لِصَرْفِ خُطُوبٍ لَا تَزِيغُ إِلَى صَرْفِ

آپ کی ہی وہ ذاتِ اقدس ہے جس سے حالتِ حیاتِ ظاہرہ اور وصال ہر دو حال میں ان حوادث و مشکلات کے ٹلنے اور دور ہونے کے لیے امیدیں وابستہ کر رکھی ہیں جو کسی طرح دور ہونے کا نام نہیں لیتیں۔

عَلَيْكَ سَلَامُ اللهِ عِدَّةَ خَلْقِهِ وَمَا تَقْتَضِيهِ مِنْ مَزِيدٍ وَمِنْ ضِعْفِ

آپ پر اللہ تعالے کی طرف سے سلام ہو اس کی مخلوق کی گنتی کے مطابق اور اس سے بھی اتنا زائد جتنا کہ آپ کی شانِ محبوبی کے لائق اور مناسب ہے۔

جونہی زائرین کی جماعت مدینہ منورہ پہنچی اور بارگاہِ رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم میں یہ عریضہ پیش کیا اور یہ اشعار وہاں پڑھے تو وہ شخص فوراً صحت یاب ہو گیا جب وہ شخص زیارت سے واپس ہوا جس کے سپرد یہ عریضہ کیا تھا تو اسے یوں معلوم ہوا کہ اس کو تو کبھی کوئی تکلیف ہوئی ہی نہیں تھی۔

کثیر بن محمد بن کثیر بن رفاعہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص عبدالملک بن سعید بن خیار ابن ابجر کے پاس آیا اور اس نے اس کے پیٹ کو اچھی طرح ٹٹولا اور پھر کہا تمہیں ایسی بیماری لاحق ہو گئی ہے جو درست نہیں ہو سکتی اس نے پوچھا وہ کیا بیماری ہے اس نے کہا دبیلہ جب وہ شخص واپس ہوا تو اس نے تین مرتبہ یہ دعا کی :۔

اللهُ اللهُ رَبِّي لَا أُشْرِكُ بِهِ شَيْئًا اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَتَوَجَّهُ إِلَيْكَ بِنَبِيِّكَ مُحَمَّدٍ صلی اللہ علیہ وسلم نَبِيِّ الرَّحْمَةِ يَا مُحَمَّدُ إِنِّي أَتَوَجَّهُ بِكَ إِلَى رَبِّكَ وَرَبِّي أَنْ يَرْحَمَنِي مِمَّا بِي رَحْمَةً يُغْنِينِي بِهَا عَنْ رَحْمَةِ مَنْ سِوَاهُ۔

ترجمہ :۔ اللہ تعالے میرا رب و پروردگار ہے میں اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراتا۔ اے اللہ میں تیری طرف متوجہ ہوتا ہوں تیرے نبی محمد نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ کے ساتھ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں آپ کے وسیلہ جلیلہ سے آپ کے اور اپنے رب کی طرف متوجہ ہوتا ہوں تاکہ مجھ پر ایسی رحمت فرمائے جو مجھے دوسروں کی رحمت سے مستغنی کر دے اور جو تکلیف مجھے درپیش ہے اسے دور فرمائے۔

اور پھر ابن ابجر کے پاس آیا اس نے اس کا پیٹ اچھی طرح ٹٹولا پھر کہا تم تندرست ہو گئے ہو تمہیں کوئی بیماری اور مرض نہیں ہے۔

ابوالحسن علی بن ابی بکر ہروی نے اپنی کتاب "الاشارات فی معرفۃ الزیارات" میں نقل کیا ہے کہ جزیرہ میں ایک شہر بنام "توتہ" ہے جس میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی زیارت گاہیں بنی ہوئی ہیں۔ میں نے اہلِ جزیرہ سے دریافت کیا کہ یہ زیارت گاہیں ان مقدس ناموں پر کیسے بن گئیں (جب کہ بظاہر ان حضرات کی یہاں آمد وغیرہ ثابت نہیں ہے) تو انہوں نے کہا کہ ان کی تعمیر کا ایک پس منظر ہے اور ایک بزرگ نورانی چہرہ کو بلا کر کہا۔ کہ یہ شخص جذام کی بیماری میں مبتلا ہو گیا تھا اور لوگوں نے اس مرض کے عام ہو جانے کے ڈر سے اس کو جزیرہ کے ایک کنارے پھینک دیا۔ چنانچہ ایک رات یہ شخص بہت زور سے چیخا اور چلایا۔ لوگ دوڑے دوڑے اس کے پاس پہنچے اور دیکھا تو کھڑا ہے اور ذرا بھر درد و تکلیف اور رنج والم اس کو نہیں۔ جب اس سے اس کا سبب دریافت کیا گیا

تو اس نے کہا میں نے اس مقام پہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا آپ نے مجھے حکم دیا کہ اس جگہ مسجد تعمیر کرد۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ میں مبتلائے جذام ہوں اور لوگ میری بات کو درست بھی نہیں مانیں گے۔ آپ نے اپنے پہلو میں موجود ایک شخص کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا اے علی اس کا ہاتھ پکڑ و۔ چنانچہ انہوں نے اپنا دست اقدس میری طرف بڑھایا اور میں اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

امام ابن نعمان "مصباح الظلام" کے مصنف فرماتے ہیں میں نے اس مسجد کو دیکھا اور اس قصہ کو اپنے شیخ حافظ دمیاطی اور دیگر اکابر کی ایک جماعت سے سنا جو دمیاط کی سرحد پر رہتے تھے یہ قصہ ان کے ہاں مشہور و معروف ہے اور وہ اس کو بالکل درست اور صحیح تسلیم کرتے ہیں اور یہ مسجد مسجد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نام سے معروف و مشہور ہے۔

شیخ ابو اسحاق فرماتے ہیں میرے کندھے پر برص کا سفید داغ ظاہر ہو گیا۔ خواب میں رسول کریم علیہ السلام کی زیارت نصیب ہوئی۔ آپ سے عرض کیا یا رسول اللہ ملاحظہ تو فرمایئے کہ مجھے کیسا موذی مرض لاحق ہو گیا ہے۔ آپ نے اپنا ہاتھ مبارک میرے

کندھے پر پھیر دیا۔ جب بیدار ہوا تو وہ داغ دور ہو چکا تھا۔

شیخ عبداللہ محمد بن محمود التجیبی فرماتے ہیں مجھے باری کا بخار ہوتا تھا۔ جب اس کی باری کا دن آیا تو بخار کے اثرات معلوم ہونے لگے۔ میں نے کتاب "الشفاء فی شرف المصطفٰے" لے کر اپنے سینے اور کندھے کے قریب رکھی اور عرض کیا۔ "تَحَسَّبْتُ بِكَ يَا رَسُوْلَ اللهِ"، یا رسول اللہ میں آپ کی پناہ اور کفایت میں ہوں۔ جونہی استغاثہ کے الفاظ زبان پر آئے اسی وقت وہ شدت اور تکلیف دور ہو گئی حالانکہ میں تپ کی شدت اور درد والم سے صاحبِ فراش تھا اور لیٹا ہوا تھا۔

صالحین میں سے ایک شخص نے ذکر فرمایا کہ رمضان المبارک کا چاند نظر آ گیا۔ اور مجھے تپ نے آ لیا۔ مجھے روزہ نہ رکھ سکنے کا خطرہ درپیش ہوا تو میں نے بارگاہِ رحمت للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم میں استغاثہ پیش کیا۔ اور تپ کی شکایت کی فوراً اللہ تعالٰے نے یہ عارضہ مجھ سے دور کر دیا۔ اور میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت سے رمضان المبارک کے روزے خیر و خوبی سے رکھے۔

امام ابو عبداللہ محمد بن عبدالملک القرطبی فرماتے ہیں۔ میرے والد گرامی کو مرض شدید لاحق ہو گیا اور وہ تین ماہ تک بیت المقدس میں صاحبِ فراش رہے۔ کسی طرح اٹھنے کی ان میں سکت باقی نہیں رہی تھی حتیٰ کہ صحت یابی سے کلیتہً مایوسی ہو گئی۔ اور معیشت کی تنگی اور افلاس کی شدت یہاں تک پہنچی کہ گھر میں ایک پیسہ تک باقی نہیں رہا تھا۔ انہوں نے خواب میں نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی زیارت کی اور اس زبوں حالی اور بیماری کی صورت حال عرض کی۔ آپ نے فرمایا۔

قُلِ اللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْئَلُكَ الْعَفْوَ وَالْعَافِيَةَ وَالْمُعَافَاةَ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ۔

انہوں نے خواب میں ہی حسب الارشاد یہ کلمات پڑھ لئے۔ جب بیدار ہوئے تو جسم مکمل طور پر صحت یاب تھا اور یوں معلوم ہوتا تھا کہ ذرہ بھر تکلیف ان کو لاحق نہیں ہوئی تھی۔

ان کے دوست احباب ان کی عیادت کے لئے آئے تو ان کو بالکل تندرست پا کر صحت یابی کا سبب دریافت کیا تو انہوں رحمتِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے قدوم میمنت لزوم اور نظرِ کرم کا قصہ بیان کیا۔ اسی دوران اتفاقاً السلطان الملک الاشرف بیت المقدس کی زیارت کے لئے ادھر آیا اور لوگوں کو میرے والد گرامی کے گھر میں آتے جاتے دیکھا تو سبب دریافت کیا۔ لوگوں نے کہا۔ فلاں شخص بیمار تھا اور یہ لوگ اس کے تیمار دار ہیں۔ وہ بھی عیادت کے لیے آیا اور ان کو تندرست دیکھ کر متعجب ہوا۔ میرے والد نے اس کو اصل حالت سے آگاہ کیا تو اس نے واپس جا کر اتنا مال ہمارے ہاں بھیجا جس کی بدولت عرصہ دراز تک ہماری مالی حالت مستحکم رہی اور ہر قسم کا احتیاج جاتا رہا۔

شیراز کے صوفیہ میں سے ایک شخص فارس خدامہ کہتے ہیں۔ میرے ہاں سخت ٹھنڈی رات میں بچے کا تولد ہوا۔ اس وقت میرے پاس نہ جلانے کے لیے لکڑیاں تھیں۔ نہ چراغ روشن کرنے کے لیے تیل اور نہ ہی کھانے کی کوئی چیز۔ میرا دل بہت پریشان ہوا اور سخت غمناکی درپیش ہوئی۔ میں نے خواب میں حبیبِ کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زیارت کی۔ آپ نے

مجھے سلام فرمایا اور حال دریافت کیا؟ میں نے عرض کیا یہ حالت درپیش ہے۔ آپ نے فرمایا صبح جا کر فلاں مجوسی سے کہنا کہ تجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا ہے کہ مجھے بیس درہم دے دے۔ اور مجھے اس کا نام بھی بتلایا۔ جب میں بیدار ہوا تو حیران تھا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا دیدار برحق ہے اور شیطان آپ کی صورت میں متمثل ہو کر کسی کے سامنے نہیں آ سکتا اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم مجھے کسی سے قرض لینے کا حکم دیں یہ بھی بظاہر بعید ہے تو میں اس ذہنی کشمکش میں پھر سو گیا۔ خواب میں پھر بختِ بیدار نے یاوری کی اور چارہ گر بیچارگان پھر تشریف فرما ہوئے اور فرمایا۔ سستی سے کام نہ لو اور اس مجوسی کے پاس جاؤ۔ صبح ہوئی تو حسب ارشاد اس کے پاس گیا کیا دیکھتا ہوں کہ وہ اپنے گھر کے دروازے پر کھڑا ہے اور اس کی آستین میں کوئی چیز ہے۔ پھر اس نے مجھے کہا اے شیخ فارس حالانکہ اس کا مجھ سے کوئی تعارف نہیں تھا۔ مجھے شرم آئی کہ میں اس سے کچھ کہوں اور دل میں یہی خیال جاگزین تھا کہ یہ شخص مجھے احمق اور بے وقوف سمجھے گا۔ لیکن اس نے مجھے اچھی طرح غور سے دیکھا اور خود ہی دریافت کیا اے شیخ کوئی کام ہے؟ میں نے کہا ہاں! تمہارے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ بیس درہم میرے حوالے کرو۔ اس نے آستین سے بیس درہم نکالے اور میرے حوالے کر دیئے۔ میں نے وہ درہم لے لئے مگر اس سے حقیقت حال دریافت کرتے ہوئے کہا میں نے تو تمہارے متعلق علم حاصل کیا اور اتا پتا معلوم کرنے کے بعد یہاں آیا لیکن تمہیں اس صورت حال سے آگاہی کیوں کر ہوئی۔ اور تم نے مجھے کیسے پہچان لیا اس نے کہا میں نے گذشتہ رات اس طرح کا سراپا حسن و جمال نورانی شخص دیکھا جو مجھے کہہ رہا ہے کہ کل سویرے اگر اس حلیہ اور وضع و قطع کا شخص آئے تو اس کو بیس درہم دے دینا۔ میں نے رات کو جو علامات دیکھی تھیں ان کے ذریعے تمہیں پہچان لیا۔ میں نے اس سے کہا کہ وہ ہم اہل اسلام کے رسول و مقتدا ہیں۔ فرماتے ہیں وہ شخص تھوڑی دیر غور و خوض کرتا رہا اور چپ چاپ، کھڑا رہا۔ پھر مجھے کہا مجھے اپنے گھر لے چلو۔ چنانچہ میں اس کو اپنے ہمراہ لے گیا۔ وہ مشرف باسلام ہو گیا۔ پھر اس کی بہن۔ بیوی اور بیٹا بھی آ کر مشرف باسلام ہو گئے اور مخلص مسلمان بن گئے۔

ایک شخص نے خواب میں رسول محتشم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی اور اپنی زبوں حالی اور تنگیٔ معاش کے متعلق آپ سے عرض کیا۔ آپ نے فرمایا۔ امیر عیسٰی بن موسیٰ کے پاس جاؤ اور اس سے کہو کہ ضرورت کے مطابق تمہیں سرمایہ مہیا کرے۔ اس نے عرض کیا کوئی علامت و امارت بھی فرما دیجئے۔ آپ نے فرمایا اس سے کہنا آپ نے مجھے وادی کے درمیان نشیبی حصہ میں دیکھا جب کہ خود وادی کے کنارے اور بلند جگہ پر تھا اور میرے پاس آیا۔ میں نے کہا کہ اپنی جگہ پر چلے جائیے اور آرام کیجئے وہ شخص عیسٰی ابن موسیٰ کے پاس آیا۔ اپنا مطالبہ پیش کیا اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان اور ساتھ ہی اس دعوی کی صداقت پر آپ کا بتلایا ہوا نشان بیان کیا تو اس نے اس کی تصدیق کی اور چار سو دینار ادائیگی قرض کے لیے دیئے اور چار سو دینار مزید دے کر کہا ان کو راس المال بناؤ اور ضروریات کے اندر کام میں لے آؤ اور ختم ہو جائیں تو پھر میرے پاس آنا۔

ابوالفضل عبدالواحد بن عبدالعزیز بن الحارث بن اسد بن اللیث فرماتے ہیں میرے والد گرامی پر ایک موقعہ پر بہت تنگی کا دور آگیا یہاں تک کہ ہمارے پاس کوئی چیز قابل استعمال باقی نہیں رہی تھی۔ اس طرف معیشت اور گذران کی تنگی انتہا کو پہنچ چکی تھی اور دوسری طرف عید کا دن قریب آرہا تھا حتیٰ کہ عید کی رات ہمارے گھر میں پہننے کے لئے کپڑے بھی موجود نہ تھے وہ رات ہم پر بہت ہی شاق اور گراں تھی ابھی رات کی دو ساعتیں ہی گذری ہوں گی کہ دروازہ پر دستک سنائی دی اور شور و شغب۔ دروازہ کھولا تو کافی تعداد میں مرد اور شمعیں دکھائی دیں۔ ان لوگوں نے میرے باپ سے اندر آنے کی اجازت طلب کی جب میرے والد نے ان کو اجازت دی تو ابن ابی عمیر اندر آئے اور کہنے لگے میں نے ابھی ابھی خواب میں رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی زیارت کا شرف حاصل کیا ہے آپ نے مجھے حکم دیا ہے کہ ابوالحسن تمہیں اور ان کی اولاد فقر اور بے سروسامانی کی حالت میں ہیں لہٰذا اسی رات ان کے پاس پہننے کے لئے کپڑے اور کھانے پینے کا سامان لے جاؤ جس کو وہ اپنے عزیزوں کے پہنانے اور کھلانے کے کام میں لاسکیں۔ میں نے حسب الارشاد کپڑے ہمراہ لے رکھے ہیں اور درزی بھی ساتھ ہیں چنانچہ ہمارے والد ماجد نے ہمیں باہر نکالا سب گھر والوں کے لئے کپڑوں کا ناپ لیا گیا اور درزیوں نے سلائی کا کام شروع کیا۔ والد صاحب نے ان سے کہا کہ بچوں کے کپڑے پہلے سیو تاکہ سویرے سویرے پہن سکیں کیونکہ بڑے تو تحمل اور برد باری سے کام لے سکتے ہیں دیگر بچوں کے لئے مشکل ہے) اسی دوران ابن ابی عمیر اور دوسرے لوگ میرے والد کے پاس بیٹھے رہے حتیٰ کہ صبح کی نماز کے وقت گھر لوٹے۔

مظلوم علوی کا قصہ

ایک دفعہ خلیفہ مہدی رات کو محو خواب تھا کہ گھبرا کر بیدار ہوا اور اپنے پولیس افسر کو بلا کر حکم دیا کہ قید خانہ میں جاکر علوی حسینی کو آزاد کر دے اور اسے اختیار دے کہ اگر پسند کرے تو ہمارے ہاں عزت و کرامت کے ساتھ رہے اور اپنے گھر جانا چاہے تو بھی اس کی خوشی۔ جب وہ جیل میں داخل ہوا اور علوی جوان کو قید کی کال کوٹھری سے نکال کر اس کے حوالے کیا گیا تو اس کا جسم سالخوردہ مشک کی مانند نظر آرہا تھا۔ جب پولیس افسر نے اس کو آزادی کا مژدہ سنایا اور اسے اختیار دیا کہ یہاں عزت و کرامت سے رہو تمہاری مرضی اور گھر جانا چاہو تو بھی اختیار ہے تو اس نے گھر جانے کو ترجیح دی۔

وہ علوی جوان گھر جانے کے ارادہ سے سواری پر سوار ہونے لگا تو اس پولیس افسر نے کہا۔ تمہیں اس خدا کا واسطہ دے کر دریافت کرتا ہوں جس نے تمہیں رہائی دلائی کیا تمہارے علم میں ہے کہ امیرالمومنین نے کس وجہ سے تمہیں رہا کیا ہے؟ انہوں نے کہا بخدا مجھے معلوم ہے۔

میں رات کو سویا ہوا تھا کہ رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی زیارت سے مشرف ہوا۔ آپ نے فرمایا اے میرے بیٹے ان لوگوں نے تم پر ظلم و زیادتی کی ہے؟ میں نے عرض کیا ہاں یارسول اللہ۔ آپ نے فرمایا اٹھ دو رکعت نماز پڑھ اور

اس کے بعد یہ دعا مانگ۔

یَاسَابِقَ الْفَوْتِ وَیَا سَامِعَ الصَّوْتِ وَیَا کَاسِیَ الْعِظَامِ بَعْدَ الْمَوْتِ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ وَاجْعَلْ لِیْ مِنْ اَمْرِیْ فَرَجًا وَّمَخْرَجًا اِنَّکَ تَعْلَمُ وَلَا اَعْلَمُ وَتَقْدِرُ وَلَا اَقْدِرُ وَاَنْتَ عَلَّامُ الْغُیُوْبِ یَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ۔

ترجمہ۔ اے وہ ذات جس سے کوئی مطلوب فوت نہیں ہوسکتا۔ جو ہر ایک کی درد بھری آہ و زاری کو سننے والی ہے اور موت کے بعد گل سڑ جانے والی ہڈیوں کو روز حشر نئے سرے سے گوشت و پوست دے کر حیات نو بخشنے والی ہے (حضور اکرم) محمد اور ان کی آل پر درود بھیج اور مجھے اس قید و بند سے چھٹکارا اور خلاصی نصیب فرما بے شک تو صاحبِ علم ہے اور میں اس عام اور محیط علم سے عاری ہوں اور تو صاحب قدرت تامہ ہے اور میں سراپا عجز و ناتوانی ہوں۔ اور تو سب غیوب کا جاننے والا ہے۔ اے سب رحم کرنے والوں سے زیادہ رحم فرمانے والے۔

اس علوی حسینی جوان نے تبلایا کہ میں دو رکعت ادا کرنے کے بعد انہیں کلمات کا ورد کر رہا تھا اور بار بار ان کو پڑھ رہا تھا کہ تو نے آکر مجھے بلایا اور قید سے رہا کیا۔ اس پولیس افسر کا کہنا ہے کہ جب میں خلیفہ مہدی کے پاس لوٹ کر گیا اور اس کو یہ قصہ بیان کیا تو اس نے کہا بخدا اس علوی نے درست کہا۔ میں سویا ہوا تھا کہ خواب میں ایک حبشی کو دیکھا جو لوہے کا گرز لئے میرے سر پہ کھڑا ہے اور کہہ رہا ہے فلاں علوی حسینی کو رہا کر دے ورنہ میں تجھے ابھی قتل کر دوں گا۔ میری فوراً آنکھ کھل گئی اور جب تک تو اس علوی کو رہا کر کے نہیں آیا مجھے دوبارہ سونے کی جرأت نہیں ہوسکی۔

منصور جمال کی سرگزشت اور اس کا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ جلیلہ سے خلاصی پانا

خلیفہ معتمد علی اللہ ایک رات محوِ خواب نوشین تھا کہ گھبرا کر اٹھ بیٹھا۔ اور چلا چلا کر کہنے لگا منصور جمال نامی شخص کو میرے پاس لاؤ۔ جب اس کو خلیفہ کے سامنے پیش کیا گیا تو اس سے پوچھا تو کب سے قید میں ہے؟ اس نے کہا مجھے تین سال کا عرصہ ہو چکا ہے۔ معتمد علی اللہ نے کہا سچ سچ بتاؤ اصل قصہ کیا ہے؟ اس نے کہا میں موصل کا باشندہ ہوں۔ میری گذر بسر کا دار و مدار اپنے اونٹ پر بارکشی تھا۔ جو کرایہ حاصل ہوتا اس سے گھر والوں کا پیٹ پالتا۔ جب موصل میں یہ ذریعہ معاش سود مند نظر نہ آیا تو میں نے سوچا کہیں دوسری جگہ اسبابِ معیشت کو تلاش کروں جب میں موصل سے نکلا تو قطاع الطریق اور ڈاکوؤں کا قلع قمع کرنے والی فوج کا دستہ نظر آیا جنہوں نے دس فسادیوں کو قید کر رکھا تھا۔ اس دستہ کے امیر نے ان کی تعداد کے متعلق مرکز میں اطلاع دے دی جو کہ دس تھی اسی اثناء میں ایک ڈاکو نے اس کو رقم کی پیشکش کر دی اور رہائی حاصل کر لی، اس نے

گنتی پوری کرنے کے لئے مجھے ساتھ شامل کر لیا اور میرا اونٹ بھی اپنے قبضے میں لے لیا۔ میں نے ان کو اللہ تعالےٰ کے نام کا واسطہ دیا۔ مگر انہوں نے مجھے رہا کرنے سے انکار کر دیا اور انہیں رہزنوں کے ساتھ مجھے بھی قید کر دیا۔ جن میں سے بعض سر چکے اور بعض کو رہا کر دیا گیا صرف میں ہی باقی رہ گیا تھا۔ معتمد نے اپنے خزانچی سے کہا پانچ صد دینار میرے پاس لے آوہ دینار اس سے لے کر میرے حوالے کئے اور تیس" دینار ماہانہ تنخواہ مقرر کر کے کہا سرکاری اونٹوں کا انتظام اس کے ہاتھ میں دے دو۔ پھر ہماری طرف متوجہ ہو کر کہا۔ میں نے اس ساعت نبئ رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا آپ فرماتے ہیں اے احمد (معتمد علی اللہ) اسی ساعت آدمی بھیج کر منصور جمال کو رہا کرو اور اس کے ساتھ احسان کرو کیونکہ وہ مظلوم ہے۔

ابوحسان زیادی کی پریشانی اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر عنائت

خراسان کے ایک آدمی نے ابوحسان زیادی کے پاس دس ہزار درہم کی ایک تھیلی ودیعت رکھی جو حج کا عزم بالجزم کر چکا تھا لیکن اسی دوران اس کو باپ کے مرنے کی اطلاع پہنچی تو اس نے حج کا ارادہ ترک کر دیا۔ اور ابوحسان کے پاس آکر کہا جو تھیلی کل میں نے آپ کے حوالے کی تھی وہ مجھے واپس کر دیجئے۔

ابوحسان پر کافی قرضے تھے انہوں نے وہ رقم قرضوں کی ادائیگی میں صرف کر دی تھی۔ اس شخص کے فوری مطالبے پر وہ سخت پریشان ہو گیا۔ خلیفہ مامون نے اس کے پاس آدمی بھیجا اور اپنے پاس بلا کر صورت حال دریافت کی۔ جب مامون یہ سرگزشت سن چکا تو زور زور سے رونے کراہنے لگا اور کہا تیرے لئے افسوس ہے۔ تیری وجہ سے مجھے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے سونے نہیں دیا۔ رات کے ابتدائی حصے میں زیارت بخشی اور فرمایا۔ ابوحسان زیادی کی فریاد کو پہنچو اور اس کی امداد و اعانت کرو۔ میں نیند سے بیدار ہوا۔ مگر تمہارا پتہ نہ چل سکا۔ تمہارا نام ونسب یاد کر لیا اور اس خیال پر سو گیا کہ صبح تمہارے متعلق دریافت کروں گا۔ آپ پھر میرے ہاں تشریف لے آئے اور پہلے کی طرح پھر حکم دیا۔ میں پریشانی کے عالم میں اٹھ بیٹھا (اگر تمہارے متعلق کوئی تفصیل موصول نہ ہو سکی) پھر سو گیا تو آپ تیسری مرتبہ تشریف لائے اور فرمایا۔ ویلک اغث ابا حسان تمہارے لیے ہلاکت ہو ابوحسان کی فریاد رسی کرو۔ تو پھر مجھے سونے کی جرأت نہیں ہو سکی اور اس وقت سے اب تک جاگ رہا ہوں اور ادھر ادھر لوگوں کو تمہاری تلاش میں بھیج رکھا ہے۔ پھر مجھے دس ہزار درہم دے کر کہا یہ تو خراسانی کے حوالے کر اور دس ہزار کی دوسری قسط دے کر کہا ان کو گھر کی تعمیر۔ اپنے ضروری حوائج اور اسباب معیشت کے مہیا کرنے میں خرچ کرو۔ پھر تیس (۳۰) ہزار درہم میرے حوالے کرتے ہوئے کہا ان کے ساتھ اپنی بچیوں کا جہیز وغیرہ تیار کرو اور ان کی شادی پر ان کو صرف کرو اور جب جشن گھوڑ سواراں کا دن ہو تو میرے پاس آنا میں تمہیں باعزت کام سپرد کروں گا۔ اور تمہارے ساتھ حسنِ سلوک سے پیش آؤں گا۔

میں اس عزت وتکریم کے ساتھ گھر لوٹا تو خراسانی کو گھر کے دروازے پر موجود پایا۔ اس کو اپنی خواب گاہ میں لے گیا۔ دس ہزار درہم کی تھیلی اس کے حوالے کی۔ اس نے کہا یہ میری تھیلی تو نہیں ہے۔ میں نے اس کو اصل قصہ بیان کر دیا وہ

رونے لگا اور کہا اگر آپ پہلی دفعہ مجھے صحیح صورت حال سے آگاہ کر دیتے تو میں آپ سے دراہم کی واپسی کا مطالبہ ہی نہ کرتا۔ بخدا میں اپنے مال میں ایسے مال کو شامل کرنے پر قطعاً آمادہ نہیں جو اس کا حصہ نہیں ہے۔ میں نے آپ کو وہ سارے دراہم معاف کئے۔

پھر میں جشن کے دن سویرے سویرے مامون کے پاس گیا اس نے مجھے اپنے قریب بلایا اور مصلے کے نیچے سے ایک تحریری فرمان نکالا اور کہا کہ یہ مدینۃ السلام کے غربی جانب پر واقع شہر کی قضاء کا آرڈر ہے اور ہر ماہ تمہارے لئے اتنا اتنا وظیفہ ہے۔ اور ساتھ ہی اللہ تعالےٰ سے تقویٰ اور پرہیز گاری کی وصیت کرتے ہوئے کہا اس صورت میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عنایت وشفقت تمہارے شامل حال رہے گی۔

شریف ابن طباطبا کا عزیز باللہ کے ولی عہد کے ساتھ مصر میں معاملہ

بیان کیا جاتا ہے کہ عزیز باللہ نے اپنے ولی عہد کو حکم دیا کہ مصر میں اس کے عاملین کے ذمہ واجب الاداء رقوم فوراً وصول کرے۔ اس نے شریف کے ذمے تین ہزار دینار واجب الاداء پائے اور عدم ادائیگی کی صورت میں ان کو مسجد مہرہ میں قید کر دینے کا حکم دے دیا اور آدمی بھی اس کی نگرانی پر متعین کر دئے۔ شریف نے وہ رات مسجد میں قیدی کی صورت میں گذاری۔ خواب میں چارہ گر دردمنداں نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی۔ آپ نے فرمایا تم پر عزیز کے ولیعہد نے نگران مسلط کر رکھے ہیں انہوں نے عرض کیا ہاں یا رسول اللہ! آپ نے فرمایا تم وہ پانچ آیات کیوں تلاوت نہیں کرتے جن کو بارگاہ خداوندی تک رسائی سے کوئی چیز روک نہیں سکتی ان کی بدولت تمہیں خلاصی نصیب ہو جائے گی میں نے عرض کیا۔ وہ کون سی ہیں آپ نے فرمایا "بشر الصابرین سے لے کر المہتدون تک۔

یہ آیت سورۂ بقرہ میں ہے۔ اور الذین قال لھم الناس (تا) عظیم جو کہ آل عمران میں ہے۔ وایوب اذنادیٰ ربہ (تا) العابدین اور ذاالنون (تا) ننجی المومنین یہ دونوں سورۂ انبیاء میں ہیں۔ اور فستذکرون (تا) سوء العذاب یہ سورۂ مومن میں ہے۔

میں بیدار ہوا تو یہ پانچوں آیات یاد تھیں (اور ان کا ورد کرتا رہا) جونہی صبح ہوئی اور مسجد کا دروازہ کھولا گیا تو ایک جماعت آدمیوں کی میرے پاس آئی جو مجھے اپنے ہمراہ عزیز کے ولی عہد کے پاس لے گئی۔ اس نے مجھے کہا تم نے اپنے جد امجد رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں میری شکایت کی ہے۔ میں نے کہا بخدا میں نے آپ کی قطعاً کوئی شکایت نہیں کی۔ اس نے کہا یقیناً شکایت کی گئی ہے۔ کیونکہ مجھے خود رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ پھر واجب الاداء رقوم کی فہرستیں طلب کیں اور میرے نام پر لکیر کھینچ دی۔ اور وصولی کا حکم روک دیا بلکہ اپنی طرف سے میری مالی اعانت کرتے ہوئے ایک ہزار دینار کا آرڈر دیا۔ اور مجھے آزاد کر دیا۔ یہ تھی برکت ان پانچ آیات کے تلاوت کرنے کی جس کا خود میں نے تجربہ کیا اور یہ تھی

عنایت رسولِ رب العالمین علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی)۔

وزیر علی بن عیسیٰ اور مقروض عطار کا قصہ

بغداد شریف میں ایک کرخی عطار امانت و دیانت اور ستر و پردہ داری کے ساتھ معروف و مشہور تھا۔ اس پر قرضوں کا بوجھ آپڑا لہٰذا وہ گھر پر ہی بیٹھ رہا اور نماز و دعا میں مصروف رہنے لگا۔ جب جمعہ کی رات آئی تو اس نے حسبِ عادت نماز پڑھی اور دعا مانگ کر سو گیا۔

اس نے بتایا میں سویا ہی تھا کہ محبوبِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا دیدار نصیب ہوا۔ آپ نے حکم دیا کہ علی بن عیسیٰ کے پاس جاؤ۔ میں نے اس کو چار سو دینار تمہارے حوالے کرنے کا حکم دے دیا ہے، انہیں وصول کر لو اور اپنی ضروریات میں استعمال کرو اور میرے ذمہ واجب الاداء قرض چھ سو دینار تھے۔ الغرض میں حسب الحکم وزیر کے پاس جانے کے لیے گھر سے نکل پڑا۔ دربانوں نے مجھے دروازہ پر روک دیا۔ چنانچہ میں اندر نہ جا سکا اسی اثنا میں اسی کا مصاحب شافعی باہر نکلا وہ مجھے پہلے سے جانتا تھا میں نے اس کو آنے کا سبب بتلایا۔ اس نے کہا وزیر موصوف تو وقت سحر سے اب تک تمہاری تلاش میں ہیں اور انہوں نے مجھ سے بھی تمہارے متعلق دریافت کیا لیکن میں تمہارا صحیح نشان اور پتہ بھول چکا تھا۔ یہیں ٹھہریئے کہ میں وزیر کو مطلع کرتا ہوں۔ چنانچہ وہ واپس گیا اور جلد ہی آکر مجھے بلایا اور اپنے ساتھ لے گیا۔ جب میں ابو الحسن علی بن عیسیٰ کے ہاں پہنچا تو انہوں نے مجھ سے نام دریافت کیا۔ میں نے کہا میں فلاں عطار ہوں۔ اس نے پوچھا اہل کرخ سے ہو؟ میں نے اثبات میں جواب دیا تو اس نے کہا۔ اے اللہ کے بندے یہاں آنے کی اللہ تعالےٰ تمہیں بہتر جزاء عطا فرمائے۔ میں گذشتہ رات سو بھی نہیں سکا کیونکہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس تشریف لائے اور مجھے حکم دیا کہ فلاں بن فلاں عطار کو چہار صد دینار دے دو جن سے وہ اپنی ضروریات کو پورا کرے میں نے کہا رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم میرے ہاں بھی قدم رنجہ فرما ہوئے تھے اور مجھے حکم دیا کہ وزیر کے پاس جاؤ میں نے اس کو چار صد دینار دینے کا حکم دے دیا ہے۔

یہ سنتے ہی ابو الحسن علی بن عیسیٰ آبدیدہ ہو گئے اور کہا میں امید رکھتا ہوں کہ یہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی محض عنایت اور خاص کرم نوازی ہے۔ پھر اپنے خزانچی سے کہا ایک ہزار دینار لے آؤ۔ وہ فوراً النقد رقم لے آئے تو اس نے فرمایا۔ چار سو دینار تو رسول معظم صلی اللہ علیہ وسلم کے تعمیل ارشاد کے مطابق لے لو۔ اور چھ سو میری طرف سے ہبہ ہیں۔ میں نے کہا اے وزیر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عطیہ سے زیادہ وصول کرنا قطعاً پسند نہیں کرتا۔ میں اسی میں برکت کا امیدوار ہوں نہ کہ اس سے زائد میں۔

یہ جواب سن کر علی بن عیسیٰ کی آنکھوں میں آنسو تیرنے لگے اور اس نے کہا یقین واقعی یہی ہے اور حسنِ اعتقاد اسی کا نام ہے۔ جو چاہتے ہو لے لو۔ چنانچہ عطار کہتے ہیں میں نے چار سو دینار لے لئے۔ بعض تو ادائیگی قرض میں صرف کئے اور بعض سے اپنی دکان کا کاروبار دوبارہ شروع کر دیا۔ ابھی ایک سال بھی نہ گذرنے پایا تھا کہ ہزار دینار میرے پاس جمع ہو گئے۔ میں نے بقایا قرضے بھی ادا کر دیئے۔ اور بعد ازاں میرا مال ہمیشہ بڑھتا رہا اور میری مالی حالت دن بدن سدھرتی چلی گئی اور یہ سب عنایت تھی رحمتِ مجسم صلی اللہ علیہ وسلم کی اور ان کے لطف و کرم کی۔

طاہر بن یحییٰ علوی اور خراسانی کا قصہ

خراسان کا ایک شخص ہر سال حج کیا کرتا تھا۔ جب مدینہ منورہ حاضر ہوتا تو طاہر بن یحییٰ علوی کو کچھ نذرانہ پیش کرتا۔ اہلِ مدینہ میں سے ایک شخص نے اس سے کہا تو اپنا مال ضائع کرتا ہے۔ یہ شخص تمہارے نذرانوں کو ایسی جگہ استعمال کرتا ہے جو اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہے۔ خراسانی نے اس سال طاہر بن یحییٰ کو کوئی چیز پیش نہ کی۔ جب دوسرے سال مدینہ شریف حاضر ہوا تب بھی دوسرے لوگوں کو جو دینا تھا دیا مگر طاہر بن یحییٰ کو کچھ بھی پیش نہ کیا اور نہ ہی اس کی زیارت کی۔

خراسانی کا بیان ہے کہ جب میں نے تیسرے سال حج کا ارادہ کیا۔ تو خواب میں نورِ مجسم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے بہرہ ور ہوا۔ آپ فرما رہے تھے تم پر افسوس ہے تم نے طاہر کے حق میں اس کے بدخواہوں کی بات پر اعتماد کر کے اس کے ساتھ ہمدردی اور خیر خواہی کو ختم کر دیا ہے۔ ایسا مت کرو جو کچھ اس مدت میں اس کو نہ دیا وہ بھی اسے دو اور جہاں تک ممکن ہو اس سے یہ تعلق قطع نہ کرنا۔

اس کا کہنا ہے کہ میں گھبرا کر اٹھ بیٹھا۔ اور میں نے اس امر کا عزم کر لیا (کہ طاہر بن یحییٰ کی خدمت جاری رکھوں گا) اور چھ سو دینار کی تھیلی اپنے ہمراہ لے لی۔ جب مدینہ منورہ پہنچا تو پہلے پہل طاہر بن یحییٰ کے مکان پر گیا۔ وہ مجلس میں بیٹھے تھے جو آدمیوں سے کھچا کھچ بھری تھی۔ جونہی ان کی نظر مجھ پر پڑی انہوں نے کہا اے فلاں اگر تمہیں رسول صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس نہ بھیجتے تو تم آنے پر تیار نہیں تھے۔ تم نے میرے حق میں میرے بدخواہ کا قول قبول کر لیا اور اپنی عادت مالوفی کو ترک کر دیا حتیٰ کہ حضور نے خواب میں تمہیں ملامت کی اور مجھے چھ سو دینار دینے کا حکم دیا۔ اور اس کے ساتھ ہی اپنا ہاتھ میری طرف بڑھا دیا۔ مجھے ان کی یہ بات سن کر دہشت و حیرت دامنگیر ہوئی جس نے مجھے اپنے آپ سے بے خبر کر دیا۔ میں نے ان سے کہا صورت حال تو وہی ہے جو آپ نے عیاں کر دی مگر یہ تو بتلایئے آپ کو اس کا علم کیوں کر ہو گیا۔

طاہر علوی نے فرمایا میں پہلے سال سے تمہاری آمد پر مطلع ہوں جب تم وہ نذرانہ دیئے بغیر واپس چلے گئے تو میں مالی لحاظ سے کافی متاثر ہوا۔ جب دوسرا سال آیا تو مجھے تمہارے آنے اور مجھے دیئے بغیر چلے جانے کا علم ہوا تو مجھ پر یہ معاملہ کافی گراں گذرا میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا۔ آپ نے مجھ سے فرمایا غمگین ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں نے اس خراسانی کو دیکھا ہے اور تم سے قطع تعلق کی بناء پر اس کو سرزنش کی ہے اور میں نے اس کو یہ بھی کہہ دیا ہے کہ جو پہلے نہیں دیا وہ بھی اسدفعہ ادا کر دینا اور جہاں تک ممکن ہو بہ خاطر مدارات اور مالی تعاون جاری رکھنا۔

پس میں اللہ تعالٰے کی حمد و ثنا، اور شکر بجا لایا۔ اور جب تمہیں دیکھا تو جان لیا کہ تو اس خواب کی وجہ سے ہی آیا ہے۔ خراسانی نے کہا یہ جواب سن کر میں نے تھیلی نکالی اور طاہر علوی کو پیش کر دی۔ اور اس کے ہاتھ کو اور پیشانی کو بوسہ دیا اور ساتھ ہی یہ مطالبہ بھی کیا اس بدخواہ کی بات مان لینے کا جرم معاف کریں۔

تیسری فصل :-

ان حضرات کا تذکرہ جنہوں نے بھوک اور پیاس کی شدت میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے استغاثہ و فریاد رسی کی درخواست کی اور مدّعا کو پایا

الشریف ابو محمد عبد السلام بن عبد الرحمٰن الحسینی القابسی فرماتے ہیں۔ میں مدینہ طیبہ میں تین رات دن اس حال میں قیام پذیر رہا کہ میں نے اس دوران بالکل کچھ بھی نہ کھایا۔ میں منبر شریف کے پاس آیا۔ دو رکعت نماز ادا کی۔ پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا اے نانا جان میں بھوکا ہوں۔ اور آپ سے ثرید کا کھانا طلب کرتا ہوں۔ پھر میری آنکھ لگ گئی۔ ابھی سویا ہی تھا کہ ایک آدمی نے آکر مجھے جگانا شروع کیا۔ جب آنکھ کھلی تو کیا دیکھتا ہوں کہ اس شخص کے ہاتھ میں لکڑی کا پیالہ ہے جس میں ثرید، گھی، گوشت اور خوشبودار مسالحہ ہیں۔ اس نے مجھے کہا کھائیے۔ میں نے دریافت کیا یہ کہاں سے آیا ہے اس نے جواباً کہا۔ میرے بچے مجھ سے تیسرے دن سے اس کھانے کا مطالبہ کر رہے تھے۔ آج کے دن اللہ تعالٰے نے غیب سے اسباب مہیا فرمائے تو میں نے عزیزوں کا مطالبہ پورا کرتے ہوئے یہ کھانا تیار کیا۔ پھر سو گیا تو خواب میں رسالتماب صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت نصیب ہوئی۔ آپ نے مجھے حکم دیا کہ تیرے بھائیوں میں سے ایک بھائی نے مجھ سے اس کھانے کی تمنا کی ہے لہٰذا اس کو بھی کھلا۔

الشیخ ابو عبد اللہ محمد بن ابی الامانی کہتے ہیں۔ میں مدینہ منورہ میں حضرت زہرا رضی اللہ عنہا کی عبادت گاہ کے پیچھے بیٹھا ہوا تھا اور شریف مکثر القاسمی بھی اسی عبادت گاہ کے پیچھے محوِ خواب تھا جونہی بیدار ہوا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوا سلام پیش کیا اور مسکراتا ہوا واپس آیا۔ مزارِ اقدس کے خادم شمس الدین صواب نے اس سے دریافت کیا تم مسکرائے کیوں ہو۔ اس نے کہا میں فاقہ کا شکار تھا۔ گھر سے نکلا۔ حضرت زہراء رضی اللہ عنہا کے گھر میں ان کی عبادت گاہ پر پہنچا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے استغاثہ کیا اور عرض کیا یا رسول اللہ میں بھوکا ہوں۔ یہ کہہ کر سو گیا۔ اور خواب میں سید الرسل صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ نے مجھے دودھ کا ایک پیالہ عطا فرمایا ہے جس کو میں نے پیا اور سیراب ہو گیا اور ساتھ ہی

اپنے کفِ دست پر منہ سے تھوکا تو وہ دودھ ہی دودھ معلوم ہوتا تھا اور ہم نے اس کے منہ میں بھی دودھ کا اثر اپنی انکھوں سے دیکھا۔

الشیخ الصالح عبد القادر التینسی کا بیان ہے کہ میں فقر و فاقہ کی حالت میں سفر کرتا ہوا مدینۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہوا۔ روضۂ اطہر پر آکر سلام پیش کیا۔ اور بھوک کی شدت کا شکوہ کیا۔ اور یہ خواہش ظاہر کی کہ مجھے گندم کی روٹی گوشت اور کھجوریں بطور خوراک ملیں۔ زیارت کرنے کے بعد ریاض الجنۃ میں آیا۔ نماز پڑھی اور وہیں لیٹ گیا ناگاہ کسی شخص نے مجھے خواب سے بیدار کرنا شروع کیا۔ میں جاگا اور اس کے اشارہ پر اس کے ساتھ چل دیا۔ وہ شخص نوجوان تھا اور خُلق و سیرت میں کامل اور خلقت و صورت کے لحاظ سے انتہائی خوبصورت تھا۔ اس نے ثرید سے بھرا ہوا بہت بڑا پیالہ میرے سامنے رکھا جس پر بکری کا گوشت رکھا ہوا تھا۔ اور صیحانی کھجوروں کے کئی تھال اور بہت سی روٹیاں جن میں کھجور کے آٹا سے تیار کردہ روٹیاں بھی تھیں۔ میں نے پیٹ بھر کر کھا لیا تو اس نے میری زنبیل کو گوشت روٹی اور کھجوروں کے ساتھ بھر دیا اور کہا میں نمازِ چاشت کے بعد سویا ہوا تھا۔ خواب میں حبیب اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت حاصل ہوئی۔ آپ نے مجھے حکم دیا کہ تمہارے لئے یہ کھانا تیار کروں اور تمہارا مقام و پتہ اور نشانات و علامات بھی بیان فرمائے۔ اور مجھے فرمایا کہ تم نے ان اشیاء کی خواہش ظاہر کی ہے اور ان کا مطالبہ کیا ہے۔

صالحین میں سے ایک صالح شخص نے بیان کیا کہ میں مدینہ منورہ میں تھا اور میرے پاس کوئی چیز کھانے کی نہیں تھی۔ میں انتہائی لاغر و نزار ہو گیا۔ حجرۂ اقدس کے پاس حاضر ہو کر عرض کیا۔ اے سید الاولین والآخرین میں مصری آدمی ہوں اور پانچ ماہ سے جناب والا کے زیر سایہ پڑا ہوں۔ اور سخت نحیف و نزار ہو چکا ہوں۔ میں اللہ تعالٰے سے اور آپ سے سوال کرتا ہوں کہ میرے لیے ایسا شخص مقرر کیا جائے جو مجھے روٹی کے ساتھ سیر کرے اور یا مجھے واپس وطن پہنچا دے۔ اس کے بعد میں نے مزارِ پُرانوار پر کھڑے ہو کر بہت سی دعائیں مانگیں بعد ازاں ہٹ کر منبر شریف کے پاس جا کر بیٹھ گیا ناگاہ ایک شخص روضۂ اقدس پر یا جداہ یا جداہ کہتا ہوا حاضر ہوا۔ اور کچھ کلام کرتا رہا بعد ازاں میرے پاس آیا اور میرا ہاتھ پکڑ کر فرمایا اٹھو۔ میں اس کے ساتھ ہو لیا وہ مجھے باب جبرئیل علیہ السلام سے باہر لے کر نکلا اور بقیع الغرقد تک پہنچا پھر وہاں سے بھی آگے نکل گیا۔ سامنے ایک خیمہ نصب کیا ہوا تھا جس میں ایک لونڈی اور غلام موجود تھے، اس نے اُن سے کہا کہ اپنے مہمان کے لئے کھانا تیار کرو۔ غلام اُٹھ کر لکڑیاں جمع کرنے لگا پھر اس نے آگ جلائی۔ اور لونڈی نے آٹا پیسا اور روٹی تیار کی ساتھ ہی) گوشت کے ٹکڑے انگاروں پر بھون کر لے آئی۔ ہم دونوں اس دوران بات چیت میں مشغول رہے جب روٹی اور بھنا ہوا گوشت آ گیا تو اس کو دو حصوں میں تقسیم کیا۔ پھر وہ لونڈی گھی والا برتن لے آئی اور اس بھنے ہوئے گوشت پر اس سے گھی ڈالا۔ ساتھ ہی صیحانی کھجوریں بھی لے آئی اور ان کو صاف ستھرا کر کے ہمارے آگے رکھا۔ اس جوان نے مجھ سے کہا کھائیے میں نے تھوڑا سا کھانا کھایا اور ہاتھ روک لیا۔ اس نے اصرار کیا کہ مزید کچھ کھائیے میں نے پھر تھوڑا سا کھایا۔ اس نے پھر مزید کھانے کا مطالبہ کیا مگر میں نے

معذرت کرتے ہوئے کہا: اے میرے سردار مجھے کئی ماہ اسی حالت میں گذر چکے ہیں کہ میں نے کچھ نہیں کھایا۔ نہ گندم اور نہ کوئی دوسری چیز اور اس سے زیادہ کھانے کی مجھ میں ہمت نہیں ہے۔ اس نے وہ آدھا حصہ جو بچا رکھا اور جو مجھ سے بچ گیا اس کو بھی باہم ملایا۔ اور ایک توشہ دان لاکر اس میں ڈال دیا اور دو صاع (آٹھ سیر کے قریب) کھجوریں بھی اس میں ڈال دیں (اور میرے حوالے کرتے ہوئے) مجھ سے نام دریافت کیا۔ میں نے اس کو اپنا نام بتلا دیا مگر راوی کو وہ یاد نہیں رہا تھا بعد ازاں کہا: خدا کے لیے اس کے بعد میرے جد امجد کے پاس شکایت نہ کرنا۔ ان کو اس طرح بہت تکلیف اور پریشانی لاحق ہوتی ہے۔ اور اس وقت سے لے کر تمہارے سارے عرصہ قیام میں جب بھی تمہیں بھوک کی تکلیف ہوگی تمہاری ضرورت کے مطابق تمہیں کھانا ملتا رہے گا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ تمہیں تمہارے وطن پہنچانے کا سبب پیدا کردے گا۔

پھر غلام سے کہا اس شخص کے ساتھ جاؤ اور اسے روضۂ اطہر اور حجرۂ مقدسہ پر پہنچا آؤ۔ میں اس غلام کے ساتھ بقیع تک پہنچا تو اس سے کہا تم واپس چلے جاؤ میں اب پہنچ ہی گیا ہوں۔ اس نے کہا خدائے واحد کی قسم میں تمہیں حجرۂ اقدس تک پہنچائے بغیر واپس نہیں ہو سکتا تاکہ کہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم میری اس فروگذاشت پر میرے آقا کو مطلع نہ کردیں۔ چنانچہ اس نے مجھے حجرۂ اقدس تک پہنچایا اور مجھے الوداع کہہ کر واپس چلا گیا۔ میں چار دن تک اس خوراک کو کھاتا رہا جو اس جوان نے مجھے دی تھی۔ جب پھر بھوک نے آیا تو کیا دیکھتا ہوں کہ وہی غلام کھانا لے کر سامنے کھڑا ہے۔ اس کے بعد یہ سلسلہ جاری رہا جب بھی بھوک لگتی کھانا پہنچ جاتا حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے میری واپسی کا سامان کردیا اور اپنے ہموطنوں کی ایک جماعت کے ساتھ بصحت و عافیت ینبع پہنچ گیا۔ اور یہ سب برکت تھی رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی۔

ابواسحاق ابراہیم بن سعید نے فرمایا۔ میں مدینہ طیبہ میں حاضر تھا اور میرے ساتھ تین فقراء و درویش بھی تھے ہمیں فاقہ نے پریشان کردیا۔ تو میں بارگاہ عالم پناہ صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہوا اور عرض کیا یا رسول اللہ ہمارے پاس کوئی چیز نہیں ہے۔ اور کوئی بھی کھانے کی چیز ہو اس کے تین سیر ہمارے لئے کافی ہیں۔ فوراً ہی ایک شخص مجھ سے ملا اور اس نے عمدہ قسم کی کھجوروں کے تین سیر میرے حوالے کردیئے۔

امام ابوبکر بن المقری فرماتے ہیں کہ میں، امام طبرانی اور ابوالشیخ حرم رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر تھے۔ ہم حالت فقر و فاقہ پر تھے بھوک ہمارے اندر سخت اثر انداز ہو چکی تھی۔ وہ دن ہم نے رات کے ساتھ ہی گویا صوم وصال کی صورت میں گذارا۔ جب عشاء کا وقت ہوا تو میں بارگاہ رحمت دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہوا اور عرض کیا۔ یا رسول اللہ "اَلْجُوْعُ اَلْجُوْعُ" اے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم ہماری بھوک اور حالت فقر پر نظر رحمت فرمادیں۔ اتنا عرض کیا اور لوٹ گیا۔ مجھ سے ابوالقاسم نے کہا بیٹھ جاؤ یا رزق ہاتھ آئے گا اور یا موت کا شکار ہو جائیں گے۔ ابوبکر فرماتے ہیں: میں سو گیا اور ابوالشیخ بھی جب کہ طبرانی کسی کتاب کا مطالعہ کر رہے تھے۔ اسی دوران دروازہ پر ایک علوی جوان حاضر ہوا۔ دروازہ کھٹکھٹایا جب ہم نے دروازہ کھولا تو کیا دیکھتے ہیں کہ اس کے ساتھ دو غلام ہیں جن میں سے ہر ایک کے ہاتھ میں زنبیل ہے جن میں بہت کچھ خوردنی سامان

بھرا ہوا تھا۔ ہم نے بیٹھ کر کھانا کھایا، اور بہت کچھ بچ گیا۔ ہمارا خیال تھا کہ جو بچ گیا ہے غلام اسے واپس لے جائیں گے لیکن ہمارے گمان کے برعکس وہ سب خوردنی اشیاء وہیں چھوڑ کر چلے گئے۔ جب ہم کھا چکے اور فارغ ہوئے تو علوی نے ہم سے دریافت کیا۔ کیا تم نے حبیب کبریا، علیہ التحیۃ والثناء، کی بارگاہ میں بھوک کی شکایت کی تھی؟ کیونکہ میں نے آپ کو خواب میں دیکھا ہے آپ نے ہی مجھے تمہارے پاس خور و نوش کا سامان لانے کا حکم دیا ہے۔

ابن الجلاء فرماتے ہیں میں مدینہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہوا اور سخت فاقہ درپیش تھا۔ قبر انور پر حاضر ہو کر عرض کیا۔ یا رسول اللہ! میں آپ کا مہمان ہوں۔ مجھ پر اونگھ طاری ہوئی اور اسی دوران بخت بیدار نے یاوری کی جمال مصطفوی کا دیدار راحت فزا نصیب ہوا۔ آپ نے مجھے روٹی عطا فرمائی جس سے آدھی میں نے خواب میں ہی کھالی اور آنکھ کھلی تو دوسرا نصف حصہ میرے ہاتھ میں تھا۔

ابوالخیر اقطع کا بیان ہے کہ میں شہر رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہوا۔ فاقہ زدہ تھا۔ پانچ دن اسی حالت میں گذرے کہ کوئی چیز کھانے کا معاملہ تو دور رہا چکھنی بھی نصیب نہ ہوئی۔ مزار پر انوار کے قریب آکر سلام شوق اور ہدیہ نیاز پیش کیا۔ پھر شیخین کی بارگاہ میں بھی ہدیہ سلام پیش کیا بعد ازاں عرض کیا یا رسول اللہ! میں آپ کا مہمان ہوں۔ اتنا عرض کر کے پیچھے ہٹا اور منبر شریف کے پاس جا کر سو گیا۔ خواب میں دولت دیدار سے بہرہ ور ہوا۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم قدم رنجہ فرماہوئے۔ آپ کی دائیں جانب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تھے اور بائیں جانب حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور حضرت علی المرتضیٰ شیر خدا رضی اللہ عنہ آگے آگے تھے۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے مجھے جھنجھوڑا اور فرمایا اٹھو۔ محبوب خدا صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے ہیں۔ میں اٹھا اور (عالم بے خودی میں) رسول مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشانی اقدس کو بوسہ دیا۔ آپ نے مجھے روٹی عطا فرمائی جس سے آدھی میں نے کھالی اور بیدار ہوا تو بقیہ حصہ میرے ہاتھ میں تھا۔

ابوعبداللہ محمد بن احمد بن محمد المعروف ابن ابی زرعہ کہتے ہیں میں اپنے والد گرامی اور ابوعبداللہ بن خفیف کے ساتھ مکہ شریف حاضر ہوا وہاں سخت فقر و فاقہ کی حالت میں رہے۔ بعد ازاں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے شہر مقدس میں داخل ہوئے اور خالی پیٹ رات بسر کی۔ میں ابھی بالغ نہیں ہوا تھا (اور ایسے شدائد پر صبر کرنا میرے بس کی بات نہ تھی) کئی دفعہ اپنے باپ کے پاس آیا اور کہا میں بھوکا ہوں۔ وہ مجھے ساتھ لے کر مزار انور پر حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ میں آج رات آپ کا مہمان ہوں اور مراقبہ میں بیٹھ گئے۔ ابھی ایک ساعت ہی گذری ہوگی کہ انہوں نے مراقبہ سے سر اٹھایا اور کبھی روتے کبھی ہنستے جب ان سے اس کا سبب پوچھا گیا تو انہوں نے کہا۔ میں نے رسول الثقلین صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی ہے اور آپ نے کچھ دراہم میرے ہاتھ میں تھما دیئے ہیں۔ جب ہاتھ کھولا تو اس میں وہ دراہم موجود تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ہمارے لئے ان میں اس قدر برکت عطا فرمائی کہ واپس شیراز پہنچنے تک انہیں سے خرچ کرتے رہے۔

احمد بن محمد الصوفی فرماتے ہیں میں تین ماہ تک جنگل میں پھرتا رہا۔ اور پاؤں کی جلد بھی الگ ہو چکی تھی۔ جب اس

سرگردانی سے چھٹکارا حاصل ہوا۔ اور مدینہ طیبہ حاضر ہوا تو بارگاہِ رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہوا۔ سلام عرض کیا اور شیخین رضی اللہ عنہما کو بھی سلام پیش کیا۔ پھر سو گیا تو خواب میں نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کا دیدار نصیب ہوا۔ آپ نے فرمایا اے احمد! آ گئے ہو؟ میں نے عرض کیا جی حضور! اور میں بھوکا بھی ہوں اور آپ کا مہمان ہوں۔ آپ نے فرمایا اپنی ہتھیلیاں کھولو۔ میں نے ان کو کھولا تو آپ نے ان کو دراہم سے بھر دیا۔ جب بیدار ہوا تو دونوں ہتھیلیاں پر تھیں۔ اٹھ کر بازار گیا۔ میدہ کی سفید روٹیاں خریدیں۔ اور فالوذج بھی۔ کھا کر اٹھا اور جنگل کی طرف چل دیا۔

ایک صالح بزرگ مدینہ طیبہ ہی مقیم تھے وہ فرماتے ہیں۔ مجھے بھوک نے پریشان کیا۔ مزار مقدس پر حاضر ہوا۔ اور عرض کیا یا رسول اللہ میں بھوکا ہوں میں بھوکا ہوں۔ اور حجرۂ مبارکہ کے قریب ہی بیٹھ گیا۔ اشراف وسادات میں سے ایک شخص آیا اور اُس نے کہا اٹھو۔ اس نے پوچھا کدھر؟ اس کہا ہمارے گھر پہ تاکہ کچھ کھا پی لو۔ چنانچہ وہ بزرگ اس شریف اور سید کے ساتھ چل دیا۔ انہوں نے اس کو ثرید کا ایک بڑا پیالہ پیش کیا جس میں گوشت اور زیتون وافر مقدار میں تھا۔ اور کھانے کی فرمائش کی۔ اس نے پیٹ بھر کر کھا لیا اور واپسی کا ارادہ کیا انہوں نے پھر فرمایا کھاؤ اور خوب کھاؤ۔ اس نے مقدور بھر کھا لیا اور واپسی کا ارادہ کیا تو انہوں نے کہا۔ اے بھائی ذرا یہ خیال تو کیا کرو تم لوگ کتنے دور دراز علاقوں سے چلتے ہو اور جنگل و بیابان طے کرتے ہو۔ سمندروں کو عبور کرتے ہو۔ اہل و عیال کو پیچھے چھوڑتے ہو اور نبی کریم علیہ السلام کی بارگاہ میں حاضر ہوتے ہو مگر یہاں پہنچ کر تمہارا انتہائے مقصود یہی رہ جاتا ہے یا رسول اللہ روٹی کا ٹکڑا عطا کرو اے میرے بھائی اگر تم نے جنت مانگی ہوتی۔ گناہوں کی مغفرت کا سوال کیا ہوتا یا اللہ تعالےٰ اور اس کے محبوب پاک صاحب لولاک صلی اللہ علیہ وسلم کی رضامندی کا مطالبہ کیا ہوتا یا ہمچوں قسم کوئی عظیم مقصد و مدعا ان کے حضور پیش کیا ہوتا تو لازماً نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی برکت سے وہ عظیم تر مقاصد بھی تمہیں حاصل ہو جاتے یہ بارگاہ عظیم ہے لہٰذا اس میں سوال بھی اہم امور کے متعلق کیا کرو۔

ابوالعباس احمد بن نفیس المقری العزیر التونسی کہتے ہیں میں حجاز مقدس سے واپس مصر پہنچا اور مغرب میں جانے کا ارادہ تھا کہ مصر ہی دولتِ دیدار سے بہرہ ور کیا گیا۔ ساتھ ہی (شکوہ کے انداز میں فرمایا) اے ابوالعباس تم نے ہمیں وحشت میں ڈال دیا (اور ہمارا سامان انس و موانست اور سکون و دلجمعی ختم کر دیا ہے) اور اس ارشاد کا موجب یہ تھا کہ میں مزار پر انوار کے قریب بکثرت قرآن مجید تلاوت کیا کرتا تھا۔

باجی فرماتے ہیں میں نے حضرت ابوالعباس سے دریافت کیا کہ آپ نے وہاں کتنی مرتبہ قرآن مجید ختم کیا تو انہوں نے فرمایا میں نے ایک ہزار مرتبہ قرآن مجید ختم کیا۔ فرماتے ہیں ایک مرتبہ مجھے بھوک نے ستایا کیونکہ پورے تین دن بھوکا رہا تھا مزارِ منور پر حاضر ہوا اور عرض کیا یا رسول اللہ میں بھوک سے لاغر ہو چکا ہوں۔ پھر سو گیا اسی اثناء میں ایک نوخیز نے آ کر مجھے پاؤں کی ٹھوکر ماری اور کہا اٹھو۔ میں اس کے ساتھ ان کے گھر پہنچا۔ اس نے گندم کی روٹی کھجوریں اور گھی مجھے کھانے کو دیا۔ اور کہا اے ابوالعباس اچھی طرح پیٹ بھر کر کھاؤ کیونکہ مجھے میرے جد امجد (نانا جان) صلی اللہ علیہ وسلم نے تمہاری میزبانی

کا حکم دیا ہے۔ اور جب بھی تمہیں بھوک لگے ہمارے پاس آ جایا کرو۔

عبدالعظیم بن علی الدکالی فرماتے ہیں ہم دس درویش تھے جو دکال سے مدینہ طیبہ میں حاضر ہوئے تھے۔ جب ہم رخصت ہونے لگے تو عرض کیا یا رسول اللہ! ہمارے پاس زادِ راہ نہیں ہے ہم بارگاہ ابراہیم خلیل الرحمٰن علیہ السلام کی حاضری تک آپ کے مہمان ہیں۔ جب وادی قریٰ میں پہنچے تو ایک درویش کو تین مصری دینار ہاتھ آ گئے۔ ہم ان سے استفادہ کرتے ہوئے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی برکت سے خیر و عافیت کے ساتھ بارگاہِ خلیل علیہ السلام تک پہنچ گئے۔

ابو عمران موسیٰ بن البنزرتی فرماتے ہیں میں مدینہ منورہ میں تھا۔ مجھے تنگی معاش درپیش ہوئی۔ میں رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے مزارِ مقدس پر حاضر ہوا اور عرض کیا یا حبیبی یا رسول اللہ میں اللہ تعالےٰ اور آپ کی ضیافت میں ہوں۔ (نماز عصر کا وقت تھا) میں نماز کے انتظار میں بیٹھا تھا کہ مجھے اونگھ آ گئی۔ کیا دیکھتا ہوں کہ حجرہ مبارک کھل گیا ہے اور اس سے تین حضرات باہر تشریف لائے ہیں۔ میں رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں سلام پیش کرنے کے لیے اٹھنے لگا تو جو شخص میرے پہلو میں بیٹھا تھا اس نے کہا بیٹھ جاؤ کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حجاج کرام کو سلام دینا چاہتے ہیں اور ان میں سے جو بے سروسامان ہیں ان میں کھانا تقسیم فرمانا چاہتے ہیں میں نے کہا میں بھی انہیں میں سے ہوں۔

چنانچہ حبیب خدا صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے۔ حجاج کو سلام دیا۔ میں نے بھی مصافحہ اور دست بوسی کے لئے ہاتھ آگے بڑھایا جب مصافحہ اور دست بوسی کا شرف حاصل کر چکا تو آپ نے حلوا کی مانند کوئی چیز میرے ہاتھ میں تھما دی میں نے فوراً اس کو منہ میں ڈال لیا جب بیدار ہوا تو اس کو نگلنے کے لئے منہ ہلا رہا تھا۔ جب باہر نکلا تو اللہ تعالےٰ نے مجھے ایسا شخص مہیا فرما دیا جس نے مجھے بلا اجرت سواری کا بندوبست کر دیا۔ اور اپنے دوستوں میں سے ایک دوست کو مقرر کیا جو مکہ مکرمہ پہنچنے تک میری خدمت سرانجام دیتا رہا۔ اور یہ سب کچھ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت تھی اور نگاہ عنایت۔

یاسین بن ابی محمد کہتے ہیں ہم بارگاہ نبوی میں حاضری دے کر واپس آ رہے تھے۔ ابھی وادی القریٰ میں پہنچے تھے کہ ایک درویش ساتھی نے کہا مجھے تو بھوک نے آ گھیرا ہے۔ میں نے کہا بارگاہِ نبوی سے نکلتے ہی؟ اس نے عرض کیا یا رسول اللہ ہم بھوکے ہیں اور ہم آپ کی ضیافت میں ہیں۔ فوری طور پر ہمیں آگ پر پکی ہوئی روٹیاں اور گوشت مل گیا جو ہم نے تین دن تک کھایا اور آٹے کے تازہ پسے ہوئے ہونے کی واضح علامات و نشانات موجود تھے۔

بارش وغیرہ کے لئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ استغاثہ

علامہ سمہودی نے خلاصۃ الوفا میں ذکر کیا ہے کہ امام بیہقی اور ابن ابی شیبہ نے سند صحیح کے ساتھ مالک الدار

سے روایت کی ہے اور وہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے خازن تھے۔ فرماتے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں لوگوں کو قحط سالی نے اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ ایک شخص نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مزار مبارک پر حاضر ہوئے اور عرض کیا۔ "یَارَسُوْلَ اللّٰہِ اِسْتَسْقِ لِاُمَّتِکَ فَاِنَّھُمْ قَدْ ھَلَکُوْا"، یارسول اللہ امت کے لئے اللہ تعالے سے بارش طلب کیجئے کیونکہ وہ ہلاکت کے قریب پہنچ چکے ہیں۔ خواب میں رسولِ کریم علیہ السلام نے اس کو دیدار بخشا اور فرمایا کہ عمر بن الخطاب کے پاس جاؤ۔ اسے میری طرف سے سلام دینا اور کہنا کہ لوگوں پر بارانِ رحمت برسے گی (گھبرانے کی ضرورت نہیں ہے) اور یہ بھی کہنا کہ پوری پوری دانائی اور زیرکی بروئے کار لائیں۔ وہ شخص حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کا پیغام پہنچایا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ آبدیدہ ہوگئے اور کہا۔ یَارَبِّ مَا آلُوْاِلَّا مَا عَجِزْتُ عَنْہُ اے میرے رب کریم میں ذرہ بھر کوتاہی نہیں کرتا مگر یہ کہ عاجز آجاؤں۔

ابوالجوزاء تابعی سے مروی ہے کہ اہلِ مدینہ شدید ترین قحط کا شکار ہوگئے۔ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہو کر درپیش پریشانی کی شکایت کی۔ آپ نے فرمایا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حجرہ مبارکہ کا وہ حصہ جو مزار مبارک کے اوپر ہے اس کو کھول دو۔ اور ایک روشن دان سا بنا دو تاکہ آسمان اور مزار پر انوار کے درمیان چھت کا حجاب و پردہ باقی نہ رہے۔ اہلِ مدینہ نے اس طرح کیا تو اس قدر موسلا دھار بارش ہوئی اور بے اندازہ گھاس اگی جانور اونٹ چر چر کر انتہائی فربہ ہوگئے حتیٰ کہ چربی کی وجہ سے ان کی کوہانیں پھٹ جاتی تھیں (اسی لئے اس سال کو عام الفتق کا نام دیا گیا یعنی فربہی اور چربی سے جانوروں کے پھٹ جانے کا سال) وکذا فی المشکوٰۃ۔

فقیہ مقری ابوالعباس احمد بن علی بن الرفعہ کہتے ہیں ۶۵۳ھ ماہ مسری میں دریائے نیل میں اپنی عادت معروفہ کے مطابق پانی کی فراوانی اور اضافہ نہ ہوسکا پہلے ہی مہنگائی زوروں پر تھی مزید برآں پانی کی شدید قلت درپیش ہونے کی بناء پر لوگ سخت نالاں ہوئے۔ میں نے اس صورت حال کو دیکھ کر ۲۴ جمادی الاخریٰ بمطابق ۳ ماہ مسری جمعرات بہت غمگین اور پریشانی کی حالت میں گذاری۔ دو رکعت نماز ادا کی پہلی رکعت میں سورۃ فاتحہ کے بعد قول باری "سَنُرِیْھِمْ آیَاتِنَا فِی الْآفَاقِ الی آخر السورہ کی تلاوت کی۔ اور دوسری رکعت میں بعد از فاتحہ قول باری "مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ وَالَّذِیْنَ مَعَہٗ الی آخر السورہ کی تلاوت کی بعد ازاں نبی مکرم شفیع معظم صلی اللہ علیہ وسلم سے استغاثہ کیا۔ جب آنکھ لگی تو ہاتف غیبی کو یہ اعلان کرتے ہوئے سنا۔ تیرا استغاثہ سن لیا گیا ہے اور تین دن کے بعد لوگوں کی دریائے نیل سے متعلق پریشانی دور ہو جائے گی۔ تیسرے دن دریائے نیل کا پانی پندرہ انگل چڑھ چکا تھا اور روز بروز اس میں اضافہ ہوتا رہا حتیٰ کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت سے معمول کے مطابق بہنے لگا۔

صحیح بخاری میں مروی ہے کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ حضرت عباس بن عبدالمطلب کے وسیلہ سے اللہ تعالےٰ سے بارش طلب کرتے تھے کیونکہ وہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے چچا تھے اور اللہ تعالےٰ بارش عطا فرماتا تھا اور

زبیر بن بکار کی روایت میں ہے کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ اپنی دعاء میں عرض کرتے۔

قَدْ تَوَجَّہَ بِیَ الْقَوْمُ اِلَیْکَ لِمَکَانِیْ مِنْ نَبِیِّکَ صلی اللہ علیہ وسلم فَاسْقِنَا الْغَیْثَ فَاَرْخَتِ السَّمَاءُ مِثْلَ الْجِبَالِ حَتّٰی اَخْصَبَتِ الْاَرْضُ۔

ترجمہ۔ اے اللہ قوم میرے وسیلہ سے تیری طرف اس لئے متوجہ ہوتی ہے کہ مجھے تیرے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نسبی قرب حاصل ہے لہٰذا ہمیں بارش عطا فرما (اور اس نسبت کی لاج رکھ) تو فوراً آسمان نے پہاڑوں جیسے بادل زمین کی طرف بھیج دیئے حتیٰ کہ زمین سرسبز ہوگئی۔

الشیخ العارف عتیق فرماتے ہیں کہ ہم حاجیوں کے ایک قافلہ میں تھے۔ انہیں سخت پیاس لگی پانی بہت کم تھا۔ قافلہ میں سے ایک جماعت نے شیخ ابوالنجا سالم بن علی کی پناہ لی اور ان سے بارش کے لئے التجاء کی۔ وہ لوگوں سے علیحدہ ہوگئے اور خلوت میں اللہ تعالےٰ سے دعا کی اور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کا وسیلہ پیش کیا۔ اللہ تعالےٰ نے فوری طور پر بارش نازل فرمائی اور سب اہل قافلہ کو وافر مقدار میں پانی دستیاب ہوگیا۔

مصباح الظلام میں ہے کہ شیخ ابوعبداللہ المہندی فرماتے ہیں میں بیت اللہ شریف کا حج کرنے گیا۔ میں نے حرم شریف میں ایک ایسے شخص کو دیکھا جس کے متعلق کہا جاتا تھا کہ وہ پانی نہیں پیتا۔ میں نے اس سے اس کا سبب دریافت کیا تو اس نے کہا۔ میں اہلِ حلہ کے شیعہ قبیلہ سے تعلق رکھتا ہوں۔ میں ایک رات سویا تو کیا دیکھتا ہوں کہ قیامت قائم ہوچکی ہے لوگ سخت کرب وابتلاء اور شدت و محنت میں ہیں اور انہیں بہت پیاس لگی ہوئی ہے مجھے بھی بہت زیادہ پیاس لگی۔ نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کے حوض کوثر پر حاضر ہوا اس پر خلفاء اربعہ رضی اللہ عنہم موجود تھے جو لوگوں کو پانی پلا رہے تھے۔ چونکہ مجھے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ محبت والفت اور دوسرے حضرات پر ان کو فضیلت دینے کی وجہ سے ایک گونہ بھروسا اور اعتماد تھا اور محبانہ ناز بھی لہٰذا میں پہلے پہل ان کی خدمت میں حاضر ہوا تاکہ مجھے حوض کوثر سے پانی پلائیں لیکن انہوں نے

اف) صحیح بخاری کی اس روایت سے حضرت عمر بن الخطاب کا اہل بیتِ نبوی سے حسن اعتقاد واضح ہے اور اہل بیت کا ان سے ہمدردانہ سلوک بھی ورنہ ان کے کہنے پر بارش کے لیے دعا نہ کرتے۔ نیز ان کے ساتھ توسل کے ذریعے اہلِ اسلام کے دلوں میں ان کی عزت و تکریم پیدا کرنا اور ان کے دلوں میں ان کی محبت والفت پیدا کرنا بھی واضح ہے اگر نعوذ باللہ وہ اہلِ بیت نبوی کے معاند و مخالف ہوتے تو ایسے امور کے قریب ہی نہ جاتے جو ان کی عزت و تکریم کا موجب بن سکتے تھے اور یہی قرآن مجید کا دعویٰ ہے رحماء بینھم

نیز جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نسبی قرابت کے تحت حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے استسقاء جائز ہوا تو روحانی قرابت و قرب کے لحاظ سے بھی بطریق اولیٰ جائز ہوگا۔ علاوہ ازیں جب آنحضرت کی نسبت کارآمد ہے اور قابل توسل تو آپ کی ذات اقدس بطریق اولیٰ۔

فالحمد للہ رب العالمین محمد اشرف غفرلہ

مجھ سے منہ موڑ لیا۔ میں ناامید ہو کر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس حاضر ہوا انہوں نے بھی منہ پھیر لیا۔ پھر حضرت عمر بن الخطاب اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہما کے پاس حاضر ہوا انہوں نے بھی نظر التفات نہ فرمائی۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم میدان محشر میں کھڑے تھے اور جو لوگ حوضِ کوثر پہ وارد ہونے کے اہل نہیں تھے ان کو پیچھے ہٹا رہے تھے۔ میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا یا رسول اللہ مجھے بہت پیاس لگی ہے میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں بھی حاضر ہوا ہوں لیکن انہوں نے مجھ سے منہ پھیر لیا اور مجھ پر نگاہ عنایت نہیں فرمائی۔ آپ نے فرمایا تو وہ تمہیں کیوں کر حوضِ کوثر کا پانی پلائیں جب کہ تم میرے صحابہ سے بغض رکھتے ہو۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا میرے لیے توبہ کی کوئی صورت نہیں ہے؟ آپ نے فرمایا ہاں۔ اسلام لے آ۔ توبہ کر پھر میں تجھے وہ شربت پلاؤں گا کہ تو اس کے بعد کبھی پیاسا نہیں ہو گا چنانچہ میں اسلام لایا۔ اور سابقہ عقیدہ سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دستِ اقدس پر توبہ کی تب آپ نے مجھے ایک پیالہ پانی کا دیا جس کو میں نے پی لیا تو فوراً آنکھ کھل گئی۔ اس کے بعد کبھی پیاس محسوس نہیں ہوئی اگر پی لوں تو مرضی اور نہ پیوں تو پیاس کی تکلیف درپیش نہیں ہوتی۔

میں اپنے خویش و اقارب کے پاس حلہ میں گیا اور ان سے براءت کا اظہار کر دیا۔ ماسوائے ان کے جو مذہب شیعہ سے تائب ہو گئے اور میری دعوت کو قبول کر لیا (صرف ان سے تعلق قائم رکھا)۔

(نوٹ) علامہ شیخ علی حلبی شافعی نے اس موضوع پر ایک مستقل کتاب لکھی ہے جس کا نام "بغیتہ الاحلام با خبار من فرج کربہ برؤیا المصطفٰے فی المنام" رکھا ہے۔ صاحب مصباح الظلام نے اسی سے یہ واقعات نقل کئے ہیں۔ اب میں چند ایسے واقعات نقل کرتا ہوں۔ جو بغیتہ الاحلام میں مذکور ہیں مگر مصباح الظلام میں ان کو ذکر نہیں کیا گیا۔

ابن الصابونی اور ابو محمد بن الازرق الانباری کا قصہ

صاحب بغیتہ الاحلام نے نقل فرمایا کہ ایک آدمی نے مجھے بیان کیا کہ میں بغداد سے چلا اور مصر جانے کا ارادہ تھا کیونکہ میرا بھائی اُدھر چلا گیا تھا۔ نیز بھائی کی بیوی اور چھوٹی سی بچی بھی میرے ہمراہ تھیں۔ ہم بہت بڑے قافلہ کی صورت میں بغداد سے نکلے۔ دمشق کے قریب ایک جگہ پر پہنچے تھے کہ ہمیں ڈاکوؤں نے آ لیا۔ اور جو کچھ لوگوں کے پاس تھا سب چھین لیا۔ ہم ایک پانی والی جگہ پر تھے۔ میں نے اپنے ہمراہیوں کو کہا موت کا وقت معین ہے اس نے وقت مقررہ پر لازماً آنا ہے اور اس سے قبل آ نہیں سکتی۔ اگر خلاصی اور چھٹکارا حاصل کرنے کے لئے چل پڑیں تو اس سے بہتر ہے کہ یہیں پڑے رہیں امید ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم پر رحم فرمائے گا اور ہمیں نجات عطا فرمائے گا۔ ہم مسلسل دو دن اور دو راتیں چلتے رہے۔ نہ کوئی چیز کھانے کی تھی اور نہ پینے کی۔ اور مزید برآں مجھے وہ چھوٹی بچی بھی اٹھانی پڑتی تھی کیونکہ اس کی والدہ اسے اٹھانے سے قاصر تھی۔ اسی حالت میں بہت سے لوگ راہی ملک بقا ہو گئے۔ تیسرا دن ہوا تو ہم اعراب کے ایک دیہات میں پہنچے۔ میں ان کی ایک عورت کے پاس

گیا۔ اس کا دامن پکڑ کر کہا میں تیری پناہ میں ہوں اور ساتھ ہی میں نے قرآن مجید پڑھنا شروع کر دیا۔ گھر کا مالک مجھ پر مہربان ہو گیا میں اس کے ساتھ بات چیت کرنے لگا اور اس کے ساتھ نہایت نرمی سے گفتگو کرتا رہا حتیٰ کہ اس نے دریافت کیا کہ تم کیا چاہتے ہو؟ میں نے کہا ازرہِ نوازش مجھے، اس عورت اور اس چھوٹی سی بچی کو سواری مہیا کر دو اور ہمارے ساتھ دمشق تک چلو۔ وہاں پہنچ کر ہم تمہارے اس احسان کی مکافات میں فرد گذاشت نہیں کریں گے چنانچہ اس نے آمادگی ظاہر کی مجھے بھی پہننے کے لیے کپڑے مہیا کئے۔ اور میری بھاوج اور بھتیجی کو بھی۔ ہمیں سواری دی اور دمشق تک پہنچایا پانی اور سفر خرچ بھی بقدر کفایت مہیا کیا۔ کچھ دن کے بعد ہم دمشق کے قریب پہنچ گئے۔ سارے شہر کے لوگ مصیبت زدہ قافلہ کے استقبال کے لیے نکلے۔ اور ان میں سے ہر شخص اپنے عزیز و اقربا۔ اور دوست و احباب کے متعلق دریافت کرتا تھا کیونکہ انہیں قافلہ کو درپیش مشکلات کی اطلاع مل چکی تھی۔

مجھے بھی ایک شخص دکھائی دیا جو میرے متعلق لوگوں سے استفسار کر رہا تھا۔ میں نے کہا میں یہاں موجود ہوں اس نے میری اونٹنی کی مہار پکڑی اور ایک خوبصورت گھر میں داخل کیا جو صاحب مکان کی خوشحالی اور فارغ البالی پر دلالت کرتا تھا۔ مجھے پختہ یقین تھا کہ یہ میرے بھائی کا دوست ہے ہم اس کے پاس دو یا تین دن خوب راحت و سکون میں رہے۔ نہ اس نے مجھ سے کسی چیز کے متعلق دریافت کیا اور نہ ہی میں نے اس سے۔ تیسرے دن اس نے مجھ سے اعرابی کے متعلق دریافت کیا۔ میں نے صورت واقعہ اس کو بتلائی۔ اس نے کہا جتنے دینار درکار ہیں لے لو اور اس کے حوالے کر دو۔ میں نے کہا صرف اتنے اتنے دینار درکار ہیں۔ اس نے اتنے دینار میرے حوالے کر دیئے جو میں نے اعرابی کو دے دیئے۔

بعد ازاں اس شخص نے مجھے بہت ساز و راہ دیا اور پوچھا کتنے اونٹ سواری کے لیے مطلوب ہیں اور مزید کتنا سفر خرچ درکار ہے۔ اور کہاں جانے کا ارادہ ہے؟ جب اس نے یہ دریافت کیا کہ کہاں کا ارادہ ہے تو میرا جسم کانپ گیا۔ میں نے دل میں سوچا اگر یہ شخص میرے گمان کے مطابق میرے بھائی کے دوستوں سے ہوتا جن کو اس نے میری پرسشِ احوال اور دیکھ بھال کے لئے لکھا تھا تو مجھ سے یہ سوال نہ کرتا اور اس کو میرے مقصدِ سفر کا پوری طرح علم ہوتا۔ میں نے اس سے کہا میرے بھائی نے تمہیں کتنے درہم و دینار دینے کے لئے لکھا تھا؟ اس نے دریافت کیا تمہارا بھائی ہے کون؟ میں نے کہا ابو یعقوب بن ازرق الانباری جو کہ مصر میں معز باللہ کا کاتب اور میر منشی ہے۔ اس نے کہا بخدا میں نے اس شخص کا نام سنا ہے اور نہ ہی اس سے کوئی تعارف ہے یہ سن کر میں مجسمہ حیرت بن گیا اور سراپا استعجاب۔ میں نے کہا اے بندۂ خدا میں نے تمہیں اپنے بھائی کا دوست سمجھا اور اسی خیال میں رہا کہ تمہاری ساری مدارات اور رحمدلی کا موجب میرا وہ بھائی ہے اس لئے بلا تکلف مطالبات کرتا رہا ہوں۔ اگر میرا یہ گمان خلافِ حقیقت ہے تو پھر میری اس حیرت کا ازالہ تو کیجئے کہ تمہاری اس مروت اور مدارات کا موجب کیا ہے؟ اس نے جواب میں کہا وہ سبب تمہارے بھائی کی دوستی اور تعلق سے بھی زیادہ مؤکد ہے اور وہ سبب معلوم کر کے تمہاری خوشی و انبساط اور بے تکلفی مزید بڑھ جانی چاہیئے۔ میں نے دریافت کیا کہ وہ کیا ہے؟ اس نے کہا جب اس قافلہ کے لُٹ جانے کی اطلاع دمشق میں پہنچی تو ہر شخص عظیم مصیبت میں مبتلا ہو گیا کیونکہ کسی

کا مال ضائع ہوا کسی کا دوست غم والم سے دوچار ہوا اور کسی کا قریبی رشتہ دار یا سوائے میرے کیونکہ میرا نہ کوئی دوست اس میں تھا اور نہ ہی مال جب لوگوں نے قافلہ کے بچے کھچے افراد کے استقبال کے لئے نکلنے کا پروگرام بنایا اور ان کی اصلاح احوال کے لئے ضروری اسباب ترتیب دینے لگے تو میں نے استقبال کے لئے جانے کا کوئی عزم وارادہ نہ کیا۔ جب رات کا وقت ہوا تو میں نے نبیٔ رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا آپ فرماتے ہیں۔

"اَدْرِكْ اَبَا مُحَمَّدٍ بْنِ الْاَزْرَقِ الْاَنْبَارِيْ فَاَعِنْهُ وَاَصْلِحْ شَانَهُ بِمَا يُبَلِّغُهُ مَقْصَدَهُ۔

ابا محمد بن الازرق کے پاس پہنچو، اس کی امداد واعانت کرو۔ اور اس کے لیے ایسے اسباب ووسائل مہیا کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھو جو اس کو منزل مقصود تک پہنچا دیں۔

تب میں بھی لوگوں کے ساتھ نکلا اور تمہارے متعلق دریافت کیا۔ میری ساری ہمدردی وغم خواری کا موجب ارشاد نبوی کی تعمیل وامتثال ہے۔ اب بتلایئے کیا ارادہ ہے؟ ابو محمد فرماتے ہیں میں نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی اس ذرہ پروری اور کرم نوازی پر زار وقطار رونے لگا اور کئی دن تک اس شخص سے ہم کلام بھی نہ ہو سکا۔ پھر سوچ کر اس کو بتلایا کہ مجھے سفر خرچ کے لئے اور مصر پہنچنے تک اتنا سرمایہ اور زادراہ درکار ہے۔ اس نے وہ بلا چون وچرا مہیا کر دیا۔ میں نے ضروری اشیاء مہیا کر لیں۔ پھر اس سے دریافت کیا کہ تمہاری تعریف کیا ہے اس نے کہا مجھے لوگ ابن الصابونی کہا کرتے ہیں۔

میں بخیر وعافیت مصر پہنچا۔ بھائی سے ملا۔ اس کو اثناء راہ میں پیش آمدہ صورت حال کی اطلاع دی۔ اور ابن الصابونی کے حسن سلوک اور اس کے سبب عظیم کا تذکرہ کیا تو وہ حیران رہ گیا اور خاک ساروں پر سلطان کونین کے اس کرم پر خوشی کے آنسو بہانے لگا۔ نیز ابن الصابونی کے ساتھ خط وکتابت کا سلسلہ شروع کر دیا۔ ایک دفعہ خود بھی دمشق میں آیا اور اس سے ملاقات کی مگر اس وقت اس کے سرور وشادمانی اور نعمت ووسعت کے دن بے سروسامانی اور معاشی زبوں حالی میں بدل چکے تھے کیوں کہ اسے کئی طرح کے ابتلاء وامتحانات سے گذرنا پڑا تھا چنانچہ میرے بھائی نے اس کے مکافات عمل اور جزاء احسان کے طور پر دمشق میں اپنی زمین اس کے حوالے کر دی جس کی پیداوار سے معقول آمدنی ہوتی تھی۔

امیر طغرل بیگ جو کہ سلاطین سلجوقیہ کا پہلا بادشاہ تھا جب موصل کی طرف روانہ ہوا تو اس کے ساتھ بہت بڑا لشکر تھا۔ وہ لشکر راستہ میں دیہات اور ساکنین مواضعات پر لوٹ مار میں مصروف رہا جس کی وجہ سے عام مخلوق اور دیہاتیوں کو سخت پریشانی کا سامنا کرنا پڑا طغرل بیگ نے خواب میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی اور سلام پیش کیا مگر آپ نے اس سے منہ مبارک پھیر لیا ورفرمایا اللہ تعالےٰ نے تمہیں بلاد وعباد پر حاکم بنایا ہے مگر تم خلق خدا کے ساتھ نرمی اور حسن سلوک سے کام نہیں لیتے۔ اور اللہ تعالےٰ کے جلال اور غیظ وغضب کا خوف نہیں رکھتے۔ وہ خوفزدہ ہو کر بیدار

ہوا اور اپنے وزیر کو حکم دیا کہ لشکر میں اعلان کر دو۔ خبردار کوئی شخص کسی پر ظلم وزیادتی نہ کرے اور عدل وانصاف سے قطعاً انحراف وعدول نہ کیا جائے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا بعد از وصال ایک لڑکی کے کٹے ہوئے ہاتھ کو جوڑ کر درست فرمانا

اور اسی قبیل سے وہ قصہ ہے جو بعض ثقہ حضرات نے بیان کیا کہ ایک امیر کبیر اپنے خواص میں سے ایک خاص رفیق کے ہمراہ ایک دکان پر گذرا جس میں بیٹھی ہوئی ایک نوخیز لڑکی پر اس کی نظر پڑی اور اس کے حسن وجمال پر مفتون ہو کر رہ گیا اپنے رفیق سے کہا اس دکان کے متعلق اچھی طرح معلومات حاصل کر لے چنانچہ حسب الامر اس نے معلومات حاصل کر لئے۔ جب اپنی اقامت گاہ پر پہنچا تو اس رفیق سے اپنا قصۂ عشق وجنون بیان کیا۔ اور کہا اس لڑکی کو اپنے حبالۂ نکاح میں لائے بغیر زمام دل اختیار میں نہیں رہ سکتی۔ اس کا رفیق گیا دکاندار کو بلا لایا۔ اور کہا کہ امیر تیری بھلائی کے لئے تجھے طلب کر رہا ہے۔ اس نے کہا حکم امیر سر آنکھوں پر رفیق نے اس دکاندار کو ساتھ لیا۔ امیر کے پاس پہنچا اور اسے دکاندار کی آمد سے مطلع کیا۔ اس نے خلوت خانہ میں اسے طلب کیا اور اپنے رفیق سے کہا کہ اس سے دریافت کرو یہ لڑکی جو تمہاری دکان میں تھی وہ رشتے میں تمہاری کیا لگتی ہے۔ اس نے کہا میری لخت جگر ہے۔ پھر دریافت کیا اس کی ماں زندہ ہے؟ اس نے کہا وہ فوت ہو چکی ہے۔ رفیق نے پھر کہا کہ ہمارے مولیٰ وآقا اس کو اپنی زوجیت میں لینا چاہتے ہیں۔ اس نے حیرت وتعجب کا اظہار کرتے ہوئے کہا بقال کی لڑکی کے اتنے بلند بخت کہاں کہ وہ امیر کی زوجہ بن سکے۔ اس نے کہا نہیں یہ کوئی محل تعجب نہیں۔ تم لڑکی کو یہاں بلاؤ چنانچہ اس نے لڑکی کو بلا لیا اور امیر کے حرم سرا میں داخل کر دیا۔ امیر نے قاضی اور گواہوں کو بلا لیا اور اس کے باپ کو نکاح کی اجازت دینے کی اپیل کی۔ پھر اس امیر نے کہا میری ایک شرط ہے اور وہ یہ ہے کہ تم خود اس شہر میں سکونت ترک کر دو۔ بلکہ ہزار دینار مجھ سے لے کر میرے دوسرے کسی بھی شہر میں جا کر اقامت اختیار کر لو۔ اور حقیقت حال سے کسی کو مطلع نہ کرنا۔ میں اس شہر کے حاکم ونگران کو تمہارے متعلق وصیت کر دوں گا تجھے کسی قسم کی کوئی تکلیف نہیں ہو گی۔ اس نے جس شہر میں اقامت کا عزم ظاہر کیا امیر نے اس کے نگران اعلیٰ کو اس دکاندار کی مراعات اور اس کے ضروریات کی کفالت کے متعلق حکم نامہ لکھ دیا۔ اور اس نے فوری طور پر دکان سے اپنی پونجی کو اس جگہ منتقل کر دیا۔ بعد ازاں امیر نے اس عورت کو بلایا جو اس کے خانگی امور کی نگران اعلیٰ اور منتظمہ تھی اور لونڈیوں کو بنا سنوار کر اس کے پاس پیش کیا کرتی تھی۔ اور اسے حکم دیا کہ اس لڑکی کو عروسی آرائش وزیبائش کے ساتھ آراستہ وپیراستہ کر کے میرے پاس بھیجے۔ اس نے اس لڑکی کو دیکھتے ہی کہا۔ اے میرے آقا یہ لڑکی تو سراسر فتنہ وآزمائش اور اپنے حسن خداداد سے ہوش وخرد کو گم کر دینے والی ہے۔

اسے حمام میں لے گئی شست وشو کے بعد امیر کے بیویوں والے لباس وزیورات اس کو پہنائے تو اس کے حسن کو چار

چاند لگ گئے حتیٰ کہ کوئی آنکھ اس کو دیکھنے کی سکت نہیں رکھتی تھی۔ پھر اس کو امیر کے پاس بغرض زفاف بھیجا تو سراپا حسن وجمال کو دیکھتے ہی امیر کے ہوش وحواس بجا نہ رہے۔ اور اس کی محبت نے اس کی عقل وخرد کو اپنے قابو میں لے لیا۔ حتیٰ کہ اس امیر نے اپنے دربار عام میں جانے اور لوگوں کی فریادیں سننے کو بھی خیر باد کہہ دیا۔ اسی رفیق نے امیر کو سمجھایا بجھایا کہ اس طرح خلقِ خدا سے بے تعلقی اور امور سلطنت سے صرفِ نظر ملک وقوم کی تباہی کا موجب ہو سکتی ہے۔

الغرض امیر اس کی محبت کی قید میں اس طرح اسیر ہو چکا تھا کہ اسی کی رضامندی اور دل جوئی ہی اس کی زندگی کا حاصل اور بنیادی مقصد بن کر رہ گیا۔ ہر روز جس پسندیدہ چیز کی فرمائش ہوتی اور جو چیز ذخائر امرا سے اس کو بھلی معلوم ہوتی فرمائش کرتی اور یہ آقا غلامانہ انداز پر اس حکم کی بجا آوری کو اپنی سعادت مندی سمجھتا۔

ایک دن اسے یہ خیال آیا کہ میرے پاس ایک تاج بھی ہے اور گلوبند بھی جو میرے والد نے میری والدہ کو بطور ہدیہ دیئے تھے اس خیال کا آنا تھا کہ فوراً ملبوسات وزیورات پر مقرر نگران عورت کو طلب کیا اور اس صندوق کے نکالنے کا حکم دیا جس میں وہ تاج اور گلوبند رکھے ہوئے تھے۔ اس نے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے وہ صندوق نکالا پھر اس سے وہ تاج اور گلوبند نکال کر امیر کے حضور پیش کئے۔ اس نے فی الفور اپنی اس محبوبہ کے حوالے کئے اور ان کے پہننے کی درخواست کی۔ اب تو وہ محبوبہ چاند کے حسن کو شرمندہ کرنے لگی بلکہ دوپہر کے سورج کے ساتھ ہمسری کا دم مارنے لگی۔ کس آنکھ میں یہ ہمت وطاقت کہ اس کو ایک نظر دیکھ سکے اور کس طالبِ دیدار میں یہ طاقت کہ اس سراپا حسن وجمال کا سامنا کر سکے۔

اتفاق سے وہ لڑکی ایک دن بالاخانے کی بالکونی پر بیٹھی شارع عام کا نظارہ کر رہی تھی کہ ایک سائل نے صدا دی۔

مَنْ یَتَغَالیٰ فِیْ مَحَبَّۃِ النَّبِیِّ صلی اللہ علیہ وسلم یَتَغَالیٰ النَّبِیُّ صلی اللہ علیہ وسلم فِیْ شَفَاعَتِہٖ لَہٗ،

جو شخص نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں قیمتی سے قیمتی چیز راہ خدا میں صدقہ کرے گا قیامت کے دن حبیب خدا صلی اللہ علیہ وسلم اس کی شفاعت میں انتہائی مبالغہ سے کام لیں گے اور اس کے گناہ جتنے کثیر وعظیم ہی کیوں نہ ہوں گے اتنی ہی عظیم رحمت ورأفت اس پر فرمائیں گے اور ان کو معاف کرائیں گے۔

اس نے سوچا میرے پاس اس تاج سے بڑھ کر کوئی چیز نہیں ہے بخدا میں یہی تاج اس کے حوالے کروں گی اور اگر امیر نے اس کے متعلق دریافت کیا تو توریہ سے کام لے کر اس کو مطمئن کر لوں گی۔ سائل کو ٹھہرنے کا حکم دیا۔ تاج سر سے اتار کر اس کی طرف بھجوا دیا۔ امیر نے کئی دن تک وہ تاج اس محبوبہ کے سر پر نہ دیکھا جس سے اس کے حسن کو چار چاند لگتے تھے اور اس کا دل اس کو دیکھ کر باغ باغ ہوتا تھا تو ایک مرتبہ پوچھ ہی لیا کہ تم تاج کو زیبِ سر کیوں نہیں کرتیں وہ خاموش رہی پھر دوبارہ اس نے کہا تو اس نے جواب میں سستی وکاہلی کا مظاہرہ کیا۔ تیسری بار زور دے کر کہا مگر اس نے پھر بھی اس کی خواہش کو پورا نہ کیا تو اس نے کہا مجھے دلی مقصد سے آگاہ کرو اور صحیح صورت حال میرے سامنے رکھو۔ اس نے اصل واقعہ بتلا دیا تو امیر نے اس کے منہ پر چپت رسید کی اور اس سے امیرانہ کپڑے اور زیورات اتروا لئے۔ اور روئی کے بنے

ہوئے عام اور ردی قسم کے کپڑے اور دوپٹہ پہننے کا حکم دیا۔ پھر چھری نکالی اور اس کا ہاتھ کاٹ کر اس کے حوالے کر دیا اور طلاق دے کر اس کو گھر سے نکل جانے کا حکم دیا۔ جب وہ امیر کے گھر سے نکال دی گئی اور اپنے باپ کی دکان پر پہنچا دی گئی تو اس کے باپ کی دکان کے سامنے ایک سرائے تھی وہ اس میں داخل ہوئی اور دربان سے، جو کہ ایک عمر رسیدہ بزرگ شخص تھا، دریافت کیا۔ میرا باپ کہاں ہے؟ تو اس نے دریافت کیا تو کہاں تھی؟ اس نے گول مول جواب دیا۔ اس دربان نے کہا ہم نے تو فلاں روز سے تیرے باپ کو نہیں دیکھا اور نہ ہی ہمیں یہ معلوم ہے کہ وہ کہاں چلا گیا ہے۔

پھر اس سے کہا اے عزیزہ میں عمر رسیدہ، بوڑھا اور سراپا ضعف وناتوانی ہوں۔ میرا ارادہ یہ ہے کہ تو اس محل ومکان میں اقامت اختیار کرے اور میری آمدنی ومحاصل کی دیکھ بھال کرتی رہے۔ لڑکی نے کہا بسر وچشم مجھے منظور ہے پھر اس بوڑھے سے کہا کہ مجھے تیل لکڑیاں اور آگ لاکر دو۔ وہ لے آیا تو اس نے تیل کو گرم کیا اور اپنا کٹا ہوا ہاتھ اس میں رکھ کر اسے داغ دیا تاکہ خون کا رسنا بند ہو جائے مگر اس بوڑھے کی آنکھوں سے چوری یہ سارا کام کر لیا اور کافی دن اسی مکان میں رہائش پذیر رہی۔ اسی اثناء میں حلب سے ایک قافلہ آیا جس میں ایک تاجر شخص بھی تھا۔ وہ اسی سرائے میں آکر ٹھہرا۔ ایک دن اس کی نظر اس لڑکی پر پڑ گئی تو اس کا طائر عقل پرواز کر گیا۔ اس دربان کو بلا کر دریافت کیا لڑکی رشتے میں تمہاری کیا لگتی ہے؟ اس نے کہا میری بیٹی ہے۔ اس تاجر نے نکاح کی خواہش ظاہر کی اور منہ مانگے درہم ودینار بطور مہر وغیرہ اس لڑکی کے حوالے کرنے کی پیش کش کی۔ دربان نے کہا میں لڑکی سے مشورہ کر لوں اور اذن طلب کر لوں۔ لڑکی نے اجازت دے دی لیکن یہ شرط لگائی کہ جب تک وہ اپنے شہر واپس نہ پہنچ جائے مجھے زفاف اور ازدواجی تعلقات کے لئے مجبور نہیں کر سکے گا۔ جب دربان نے لڑکی کی طرف سے اذن نکاح اور شرط کا ذکر کیا تو تاجر نے بطیب خاطر اس شرط کو مان لیا اور تحریری ضمانت دے دی۔ جب تک اس شہر میں مقیم رہا روزانہ تحفے تحائف اس کے پاس بھیجتا رہا اور اس کے ساتھ بڑی عزت وتکریم سے پیش آتا رہا۔ اس کو لونڈیاں اور غلام خدمت کے لئے خرید کر دیئے۔ اور جملہ ضروریات کے لئے وافر مال ودولت اس کے قدموں میں ڈھیر کر دیا۔ جب واپس وطن جانے کا ارادہ کیا تو اس کے لئے محمل باپردہ تیار کرایا۔ اور اسے اس میں سوار کیا۔ لونڈیاں اور غلام اس کے ارد گرد خدمت میں چل رہے تھے۔ جب یہ قافلہ شام پہنچا تو اس لڑکی نے دریافت کیا یہاں سے میرے آقا کا شہر کتنا دور ہے۔ اس نے بتلایا ابھی اتنے ایام کا سفر باقی ہے۔ اس نے اللہ تعالیٰ کی جناب میں گریہ وزاری شروع کر دی اور عرض کرنے لگی اے خدائے بزرگ وبرتر جس مقدس ہستی کی محبت میں میں نے اپنی گراں بہا متاع پیش کر دی تھی اسی کا صدقہ میرا پردہ رکھنا۔ میرا ہاتھ کٹا ہوا ہے۔ اور اس کو معلوم نہیں۔ اس حالت میں میں اس کے حریم میں کیوں کر داخل ہو سکوں گی۔ اس گریہ وزاری اور آہ وبکا کے دوران ہی اس کی آنکھ لگ گئی۔ وہ نیند جس پر شب بیداروں کی شب بیداریاں نثار ہوں، اس کے لئے کونین کی عظیم ترین نعمت کے حصول کا موجب بن گئی چارہ گرِ دردمنداں، رحمت مجسم صلی اللہ علیہ وسلم اس کے سر پر شفقت کے ہاتھ پھیر رہے تھے فرمایا اے فلانہ! وہ کٹا ہوا ہاتھ کدھر ہے؟ اس نے عرض کیا یا رسول اللہ یہ ہے وہ ہاتھ۔

آپ نے اپنے دستِ اقدس سے اس کو اپنی جگہ پر رکھا اور لعابِ دہن لگا دیا۔ وہ ہاتھ فوراً جڑ گیا اور جہاں جہاں لعاب دہن لگا تھا وہ جگہ نورانی حلقہ کی صورت میں نظر آنے لگی اور نور کی شعاعیں وہاں سے بلند ہونے لگیں۔ جب اس لڑکی کی آنکھ کھلی تو کیا دیکھتی ہے کہ وہ خواب حقیقت بن چکا ہے اور اس کا مدتوں سے کٹا ہوا ہاتھ دوبارہ اصلی حالت پر آچکا ہے۔ فرحت و سرور کا اب ٹھکانہ ہی کیا تھا، پھولی جامہ میں سما نہیں رہی تھی اور غایت مسرت سے گنگنانے لگی۔ تاجر نے آدمی بھیج کر معلوم کرنا چاہا کہ اس گنگنانے کا سبب کیا ہے مگر اس نے حقیقت حال تبلانے سے گریز کیا۔ وہ خاموش ہو گیا اتنے میں اس کا گھر قریب آگیا۔ اس کے گھر کی عورتیں اور دیگر خویش و اقارب اس نئی دلہن کو دیکھنے کے لئے نکلے۔ اس نے اپنے حسن و جمال سے ان کو بھی محوِ حیرت کر دیا۔ حسب شرط وہیں اس کے ساتھ تاجر نے زفاف کیا۔ چند دن گزر گئے۔ تو یہ تاجر کے ساتھ بالاخانے پہ بالکونی پر جا بیٹھی اور شارع عام پہ گذرتے لوگوں کا نظارہ کرنے لگی۔ ناگاہ ایک سائل نے صدا لگائی "کون ہے جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں گراں بہا متاع صدقہ کرے تاکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم قیامت کے دن اس کی شفاعت میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھیں"۔

اس نے تاجر سے کہا اے میرے سردار میں تجھے اللہ تعالٰے کے نام کا واسطہ دے کر کہتی ہوں کہ اگر تجھے میرے ساتھ محبت ہے تو تیرے خزانہ میں جو چیز سب سے عزیز ترین اور نفیس ترین ہے وہ اس سائل کے حوالے کر دے۔ ادھر سائل کو ٹھہرنے کا اشارہ کیا۔ تاجر نے کہا بھکاری لوگ معمولی سی چیز پر راضی ہو جاتے ہیں ان کو اس قدر قیمتی چیز دینے کی ضرورت نہیں ہے۔ اس نے کہا سوال بھکاری کے راضی ہونے کا نہیں۔ میں معمولی چیز دینے پر راضی نہیں ہو سکتی۔ اس نے کہا اچھا مجھے اپنی قیمتی متاع تیری رضامندی کے لئے قربان کرنے میں تامل نہیں مگر اس کے لئے شرط یہ ہے کہ مجھے بتلائیے کہ سفر کے دوران تیری آہ و زاری اور پھر مسکراہٹ و ہنسی اور ترنم و گنگناہٹ کی وجہ کیا تھی۔ اس لڑکی نے اپنا قصہ بیان کرنا شروع کیا اور وہ بھکاری سن رہا تھا جب اس نے ساری سرگزشت تفصیلاً سنادی تو تاجر نے کہا بخدا میں ہی وہ سائل تھا جس نے یہ صدا لگائی اور شاہی تاج کی خیرات ملی۔ ادھر اس بھکاری نے تڑپ کر کہا میں ہی وہ امیر ہوں جو اس وقت سائل درگاہ بنا ہوا ہوں۔ تاجر یہ سنتے ہی نیچے اترا اس کو اپنے ہمراہ اوپر لے آیا اور اس سے سرگزشت غم دریافت کی۔

اس نے بتلایا کہ جب میں نے اس لڑکی کا ہاتھ کاٹا تو مجھے اس پر سخت صدمہ و قلق لاحق ہوا حتیٰ کہ قریب تھا کہ میری روح قفس عنصری سے پرواز کر جاتی۔ بعد ازاں میرے دشمنوں نے مجھ سے وہ امارت چھین لی۔ میں جان بچانے کے لئے وہاں سے بھاگ کھڑا ہوا اور عالم بدحواسی میں کوئی چیز اپنے ساتھ نہ لا سکا۔ اور اب دریوزہ گری پر مجبور ہو گیا ہوں۔ اس تاجر نے کہا اے میرے سردار میں نے اس تاج سے صرف ایک نگینہ لیا ہے ورنہ اس کو اسی طرح صحیح و سالم رکھا ہوا ہے۔ لہٰذا وہ اپنا تاج لے لو اور اپنے کام میں لے آؤ۔ چنانچہ اس نے تاج کو وصول کر کے بیچ ڈالا۔ اور تاجر نے بھی اس کی طلب کے مطابق اس کو ہدیہ و تحفہ دیا۔ اس امیر نے حاصل شدہ جائداد سے اس بچی پہ کافی ساری جائداد وقف کی اور اسی کے ہاں قیام پذیر رہا۔

اور وہ بھی اس کو تھوڑے تھوڑے وقفہ سے انواع و اقسام کے انعام و احسان سے نوازتی رہتی۔

ایک بزرگ نے اپنا قصہ بیان کرتے ہوئے کہا۔ میں نے اللہ تعالٰے سے تین سال تک دعا کی کہ میرے لئے حج کے اسباب مہیا فرمائے۔ میں نے خواب میں سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کا شرف حاصل کیا اور آپ کو فرماتے ہوئے سنا کہ اسی سال حج کر۔ میں نے عرض کیا میرے پاس تو حج کے لئے سفر خرچ اور ضروریات مہیا نہیں ہیں۔ دوبارہ زیارت کا شرف حاصل ہوا تو آپ نے پھر وہی حکم دیا۔ تیسری بار بھی دولتِ دیدار سے بہرہ ور فرمایا اور یہی حکم دیا۔ اور ساتھ ہی فرمایا اپنے گھر کی فلاں فلاں جگہ کھودو اس میں تمہارے باپ دادا کی ایک زرہ مدفون ہے۔ میں نے صبح کی نماز ادا کر کے اس جگہ کو کھودا جس کی آپ نے نشان دہی فرمائی تھی تو اچانک ایک زرہ دکھائی دی گویا اس کو ابھی ابھی دفن کیا گیا تھا۔ میں نے اس کو نکالا۔ چار سو درہم میں بیچ کر اونٹنی خریدی۔ اور ضروری اسباب سفر مہیا کئے اور حج کے لئے چل دیا۔ جب اعمال حج سے فارغ ہو چکا تو رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت نصیب ہوئی۔ آپ نے مجھ سے فرمایا کہ اللہ تعالٰے نے تمہاری سعی و محنت کو قبول کر لیا ہے۔ اب عمر بن عبدالعزیز کے پاس جاؤ اور اُن سے کہو کہ ہمارے ہاں ان کے تین نام (اور اوصاف) ہیں عمر۔ امیر المومنین اور ابوالیتامیٰ۔ جب بیدار ہوا تو اپنے ساتھیوں کے پاس آیا اور ان سے کہا اب اللہ کا نام لے کر واپس چلو (میں تمہاری رفاقت سے قاصر ہوں) کیونکہ میں شام کی طرف جانے کا ارادہ رکھتا ہوں لہٰذا جو حضرات شام کی طرف جا رہے تھے ان کے ساتھ ہو لیا۔ دمشق پہنچا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز کے پاس حاضر ہوا۔ حاضری کی اجازت ملنے پر ان کی خدمت میں جا پہنچا اور حاضری کا مقصد یعنی پیغام نبوی بیان کیا۔ وہ اندر گئے اور چالیس دینار کی ایک تھیلی اپنے ہمراہ لائے اور مجھ سے کہا۔ میرے پاس قابلِ عطا صرف یہی مال رہ گیا ہے۔ میں پرخلوص اپیل کرتا ہوں کہ اسی کو قبولیت کا شرف بخشو۔ میں نے کہا بخدا میں رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے فرمان کی تعمیل اور ان کا پیغام پہنچانے کے لئے حاضر ہوا ہوں دوسرا قطعاً کوئی مقصد اور مطمح نظر نہیں ہے۔ لہٰذا میں کسی قسم کا انعام قبول نہیں کر سکتا۔ اتنا کہا اور الوداع کہہ کر واپس لوٹا۔ انہوں نے میرے ساتھ معانقہ کیا اور دروازے تک میرے ساتھ آئے اور بہتے آنسوؤں کے ساتھ مجھے رخصت کیا۔

واقدی نے ذکر کیا کہ مجھ پر چند دن انتہائی عسرت اور تنگ دستی کے آگئے۔ رمضان المبارک قریب آگیا تھا اور میرے پاس خرچ کرنے کے لئے کوئی چیز موجود نہ تھی۔ میں نے اپنے ایک دوست علوی کی طرف رقعہ بھیجا اور ہزار درہم قرض کے طور پر مانگے۔ اس نے ایک تھیلی بھیج دی جس میں چند درہم تھے۔ ابھی شام نہ ہونے پائی تھی کہ ایک اور دوست کی طرف سے ہزار درہم قرضے کا مطالبہ تحریری صورت میں موصول ہوا میں نے وہ تھیلی ادھر بھیج دی۔ دوسرے دن صبح سویرے وہ دوست آپہنچا جس کو میں نے قرض دیا تھا اور ساتھ ہی وہ علوی بھی تھے جنہوں نے مجھے قرض دیا تھا دونوں نے وہ تھیلی نکال کر میرے سامنے رکھی اور کہنے لگے یہ مبارک مہینہ آپہنچا ہے اور میرے پاس خرچ کے لئے سوائے ان چند درہموں کے اور کوئی چیز نہیں تھی۔ جب تمہارا رقعہ پہنچا تو میں نے وہ درہم تمہارے پاس بھیج دیئے اور تمہیں اپنے اوپر ترجیح دی اور اپنی ضرورت کے لئے اس دوست سے قرض طلب کیا تو اس نے میرے والی تھیلی میرے پاس بھیجی تو میں حیران رہ گیا اور صورت حال اس کو بیان کی۔ اب ہم اس نتیجہ پہ پہنچے ہیں۔

کہ اس تھیلی میں موجود دراہم کے تین حصے کرلیں۔ اور ہر فریق ایک تہائی پر گذارا کرے تا آنکہ اللہ تعالےٰ پردہ غیب سے یُسر و سہولت کے اسباب پیدا فرمائے۔

واقدی فرماتے ہیں ہم نے اس کو تین حصوں میں تقسیم کرلیا میں نے اپنے حصہ کو خرچ کردیا صرف قلیل ترین نقدی باقی بچ رہی تھی لہٰذا میں فکر مند ہوا کہ اس کے بعد کیا کروں گا۔ خواب میں رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے تنگدامانی کے غنا میں اور عسر کے یسر میں بدل جانے کی خوشخبری سنائی۔ سحر کا وقت ہوا تو یحییٰ بن خالد برمکی کا قاصد میرے پاس پہنچ گیا۔ میں اس کے پاس حاضر ہوگیا۔ اس نے دریافت کیا کہ تمہاری حالت کیسی ہے اور گذر بسر کیسے ہو رہی ہے میں نے آج رات تمہیں پریشانی میں دیکھا ہے۔ میں نے یہ قصہ اس سے بیان کیا تو اس نے کہا میں یہ فیصلہ نہیں کرسکتا کہ تم تینوں میں سے کون سا شخص زیادہ کریم النفس اور سخی ہے۔ میرے لئے تیس / ۳۰ ہزار درہم کا حکم دیا اور میرے ساتھیوں کے لئے بیس ہزار درہم کا۔ اور مجھے عہدۂ قضاء بھی تفویض کردیا شیخ علی المحت کہتے ہیں کہ شمس الدین سبط بن الجوزی نے اس قصہ کو اپنی کتاب مرآۃ الزمان میں مختلف انداز میں بیان کیا ہے۔

ابراہیم بن مہران فرماتے ہیں کہ کوفہ میں ہمارے پڑوس میں ایک قاضی رہتا تھا جس کی کنیت ابوجعفر تھی اور وہ لین دین کے معاملہ میں حسن سلوک سے پیش آتا تھا۔ جب بھی حضرت علی کی اولاد میں سے کوئی اس کے پاس کوئی چیز لینے کے لئے آتا تو قطعًا عذر نہیں کرتا تھا۔ اگر اس کے پاس قیمت اس چیز کی ہوتی تو وصول کرلیتا ورنہ اپنے غلاموں سے کہتا یہ قرض حضرت علی المرتضےٰ کے نام لکھ دو۔ اسی طرح اس کے شب و روز گذرتے رہے بالآخر وہ مفلس ہوگیا اور گھر میں بیکار ہوکر بیٹھ گیا۔ اپنے مقروض لوگوں کی فہرست کو دیکھا رہتا تھا اگر ان میں سے کوئی شخص زندہ ہوتا تو اس کے پاس آدمی بھیج کر قرض کا مطالبہ کرتا اور اگر فوت ہوچکا ہے تو اس نام پر لکیر کھینچ دیتا۔ ایک دن وہ اسی شغل میں گھر کے دروازے پر بیٹھا تھا کہ ایک آدمی کا ادھر سے گذر ہوا اور اس نے ٹھٹھا کرتے ہوئے کہا تمہارے بڑے مقروض یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ نے قرضہ ادا کیا یا نہیں؟ وہ شخص یہ بات سن کر سخت غمگین ہوگیا اور اٹھ کر گھر میں داخل ہوگیا۔

رات کو خواب میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی۔ حسنین کریمین آپ کے آگے آگے ہیں آپ نے ان سے دریافت کیا تمہارے باپ کا کیا حال ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے پیچھے سے جواب دیا۔ یا رسول اللہ میں حاضر ہوں۔ آپ نے فرمایا۔ کیا وجہ ہے کہ اس قاضی کا حق ادا نہیں کرتے؟ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ میں وہ سب قرضہ دور کرنے کے لئے آیا ہوں اور سب رقم ہمراہ لایا ہوں۔ آپ نے فرمایا۔ اس کے حوالے کردو۔ انہوں نے ایک اونی تھیلی میرے حوالے کردی اور فرمایا یہ تمہارا حق ہے جو ہمارے ذمے واجب الادا تھا۔ رسول مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اسے وصول کرلو۔ اور اس کے بعد بھی ان کی اولاد میں سے جو قرض لینے آئے تو اس کو محروم نہ لوٹانا۔ آج کے بعد تمہیں فقر و فاقہ اور مفلسی و تنگدستی کی شکایت نہیں ہوگی۔

میں بیدار ہوا تو وہ تھیلی میرے ہاتھ میں تھی۔ میں نے اپنی بیوی کو بلا کر کہا یہ بتاؤ میں سویا ہوا ہوں یا جاگ رہا ہوں؟ اس نے کہا آپ جاگ رہے ہیں میں خوشی کے مارے جامے میں پھولا نہیں سماتا تھا۔ تھیلی اس کے حوالے کی اور سارا قصہ اُس سے بیان کیا۔ ادھر مقروض لوگوں کی فہرست دیکھی تو اس میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے نام ذرہ بھر قرضہ باقی نہیں تھا۔

ابراہیم بن اسحاق کہتے ہیں کہ میں بغداد میں پولیس افسر تھا۔ خواب میں رسول مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت نصیب ہوئی۔ آپ نے فرمایا مقدمہ قتل میں ماخوذ شخص کو رہا کردو۔ وہ بیدار ہوا تو سخت مرعوب اور دہشت زدہ تھا اور اپنے ساتھیوں سے قاتل کے متعلق دریافت کیا۔ انہوں نے بتلایا کہ ہمارے پاس ایک آدمی ایسا ہے جو قتل کے الزام میں ماخوذ ہے۔ ابراہیم نے اس کو بلا کر دریافت کیا سچ سچ بتاؤ اصل قصہ کیا ہے۔ اس نے کہا میں بتاتا ہوں۔ اصل قصہ یہ ہے کہ ہماری جماعت ہر رات بدکاری کے لئے جمع ہوتی تھی اور ایک بوڑھی عورت ہماری دلال تھی جو ہمارے پاس آتی جاتی اور عورتوں کو ورغلا کر ہمارے پاس لے آتی۔ ایک دفعہ وہ ایک عورت ہمارے پاس لے آئی جوں ہی اس عورت نے ہمیں دیکھا تو زور دار چیخ ماری اور غش کھا کر گر گئی۔ میں اسے ایک الگ کمرے میں لے گیا۔ جب ہوش میں آئی تو میں نے اس سے چیخ مارنے اور غش کھا کر گرنے کا سبب دریافت کیا۔ اس نے کہا اے جوانو! میرے حق میں خدا کا خوف کرو۔ اس کے قہر و عذاب سے ڈرو۔ اس بڑھیا نے مجھے دھوکہ دے کر یہاں بلایا ہے اس نے مجھ سے یہ کہا کہ میرے پاس ایسے موزے ہیں کہ پوری دنیا میں اس قسم کے موزے ملنے ناممکن ہیں اور میں ان کو گھر سے باہر نہیں نکالتی۔ مجھے اس کی بات پر اعتماد کرکے ان کے دیکھنے کا شوق پیدا ہوا۔ یہ اچانک مجھے آپ کے پاس لے پہنچی۔ میں سیدزادی ہوں۔ میری ماں فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا ہے۔ اور میرے نانا جان محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں میرے حق میں ان دونوں مقدس ہستیوں کا ادب و احترام ملحوظ خاطر رکھو اور میری عزت پر ہاتھ نہ ڈالو۔ میں اپنے ساتھیوں کے پاس آیا اور ان سے صورت حال بیان کی۔ اور ان سے کہا کہ اس عفیفہ سے درگذر کرو۔ میرا یہ کہنا تھا کہ وہ جوش میں آگئے اور اس کی طرف اٹھ کھڑے ہوئے۔ اور مجھے کہا کہ تو نے اپنی خواہش نفس پوری کرلی ہے اور ہمیں اس سے الگ رکھنا چاہتا ہے۔ میں اس لڑکی کے آگے سپر بن کر کھڑا ہوگیا۔ اور ان سے کہہ دیا کہ جب تک میرے جسم میں رمق جان باقی رہے گی تمہیں اس کے قریب نہیں پھٹکنے دوں گا۔ یہ معاملہ ہمارے درمیان الجھ گیا حتیٰ کہ ہاتھا پائی میں مجھے زخم آگیا چنانچہ جو ان میں سے اس جرم پہ زیادہ حریص تھا میں نے اس کو خنجر کا وار کرکے قتل کردیا۔ پھر اس عورت کو اپنی حمایت و حفاظت میں لے کر مکان سے باہر نکال دیا۔ پڑوسیوں نے شور و غل سنا تو جمع ہوکر حویلی میں داخل ہوگئے۔ میرے ہاتھ میں خنجر دیکھ کر اور اس شخص کو مقتول دیکھ کر مجھے پولیس کے حوالے کردیا۔ اسحاق ابن ابراہیم نے کہا میں تجھ سے اللہ تعالےٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی رضامندی کے لئے اور ایک عفیفہ معصومہ شریفہ کے حفظِ حرمت کی بدولت درگذر کرتا ہوں بعدازاں اس شخص نے توبہ کرلی اور ہمیشہ کے لئے اس گھناؤنے جرم سے بچ گیا۔ والحمد للہ علیٰ ذالک۔

علی بن عیسیٰ وزیر سے منقول ہے کہ میں علوی حضرات کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آتا تھا اور رمضان المبارک کی آمد پر ان

ہیں سے ہر ایک کو پورے سال کا طعام اور لباس کا خرچ مہیا کر دیتا۔ ان میں سے ایک عمر رسیدہ شخص بھی تھا جو کہ حضرت موسیٰ بن جعفر بن محمد باقر رضی اللہ عنہم کی اولاد سے تھا۔ اسے ہر سال پانچ ہزار درہم پیش کیا کرتا تھا۔ ایک مرتبہ میں نے اس کو دیکھا کہ وہ حالت نشہ میں ہے اس نے شراب کی قیئ کی اور زمین پر لوٹ رہا تھا اور کیچڑ سے آلودہ ہو چکا تھا۔ میں نے دل میں خیال کیا میں اس فاسق کو ہر سال پانچ ہزار درہم دیتا ہوں جنہیں یہ معصیت باری تعالےٰ میں صرف کرتا ہے۔ اور آئندہ کے لئے پختہ عزم کر لیا کہ اس کو یہ وظیفہ نہیں دوں گا۔ جب رمضان المبارک آگیا تو وہ بوڑھا سید میرے پاس آیا اور سلام دیا۔ میں نے آمد کا مقصد معلوم کر کے کہا ایسا نہیں ہو سکتا۔ میرے دل میں تمہاری کوئی عزت و توقیر نہیں ہے۔ میں جو کچھ دیتا ہوں تم اس کو معصیت باری تعالےٰ میں استعمال کرتے ہو۔ میں نے اپنی آنکھوں سے تمہیں نشہ کی حالت میں دیکھا ہے۔ واپس چلے جاؤ اور آج کے بعد میرے ہاں قدم نہ رکھنا۔ اسی رات سویا تو خواب میں رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت نصیب ہوئی۔ بہت سے لوگ آپ کی خدمت اقدس میں حاضر ہیں میں بھی آگے بڑھا تاکہ سلام پیش کروں۔ آپ نے مجھے دیکھتے ہی منہ موڑ لیا۔ آپ کی بے التفاتی اور روگردانی مجھ پر بہت گراں گذری میں نے عرض کیا یا رسول اللہ میں آپ کی اولاد کا مخلص خادم ہوں اور کثرت سے درود سلام بھی آپ پر بھیجتا ہوں اس بے پروائی اور بے التفاتی کی وجہ سمجھ میں نہیں آرہی۔ آپ نے فرمایا۔ تم نے میرے فلاں بیٹے کو اپنے دروازے سے کیوں ناکام لوٹایا۔ اور اس کا وظیفہ کیوں ختم کیا؟ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ میں نے اپنی آنکھوں سے اس کو حالت نشہ میں دیکھا اور اس صورت میں اس کی اعانت گویا اللہ تعالےٰ کی معصیت پر اعانت تھی لہٰذا میں نے مناسب یہی سمجھا کہ معصیتِ باری تعالےٰ میں اس کا معاون نہ بنوں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو اس کو یہ وظیفہ میری نسبت کی وجہ سے دیتا تھا یا اس کی ذاتی خصوصیات کی وجہ سے؟

یہ تھے وہ چند واقعات جو میں نے بغیۃ الاحلام سے نقل کئے ہیں جس کو شیخ علی الحلبی صاحب سیرۃ حلبیہ نے تالیف کیا ہے اور میں نے اپنی کتاب "سعادۃ الدارین" میں ذکر کیا ہے۔

الشہاب المقری نے "نفح الطیب" میں ادیب اندلس ابو البحر صفوان بن ادریس کا عجیب واقعہ ذکر کیا ہے۔ فرماتے ہیں کہ ادیب موصوف نے ایک قصیدہ مدح خلیفہ میں لکھا اور مراکش کے دورِ خلافت میں گیا تاکہ انعام جزیل حاصل کر لے اور اپنی بیٹی کے لئے جہیز تیار کرے جو تزویج کو پہنچ چکی ہے۔ مگر اس کی امید بر نہ آئی اور ناکام واپس لوٹا۔ اس نے سوچا کاش میں بجائے امراء کی قصیدہ خوانیوں کے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح سرائی کرتا اور ان کی آلِ اطہار کی مدح میں قصیدے لکھتا اور اللہ تعالےٰ سے اجر جمیل اور جزائے جزیل کی امید رکھتا تو کبھی اس طرح کی ناکامی کا منہ نہ دیکھتا۔ پہلے سفر اور خلیفہ کے انعام و اکرام پر بھروسہ سے توبہ کی۔ اور دل میں پختہ یقین قائم کر لیا کہ اللہ تعالےٰ کے علاوہ کسی پہ بھروسہ نہیں کیا جا سکتا۔ بس ارادہ کا تیر ادھر متوجہ کیا ہی تھا اور عزم راسخ دل میں باندھا ہی تھا کہ فوراً خلیفہ کا قاصد پہنچا جو اس کو دربار شاہی میں لے گیا۔ اس نے آمد کی غرض و غایت دریافت کی۔ اس نے پوری وضاحت سے اپنا مدعا بیان کیا تو خلیفہ نے فوری طور پہ اس کا

مدعا پورا کر دیا اور مطلوبہ رقم سے بھی زائد رقم دے دی۔ اور اسے تبلایا کہ مجھے رسول محتشم صلی اللہ علیہ وسلم خواب میں ملے ہیں۔ اور آپ نے مجھے تیری حاجات و ضروریات کو پورا کرنے کا حکم دیا ہے۔ اب وہ لوٹا تو اس کی سب حاجات پوری ہو چکی تھیں اور اس کے بعد ہمیشہ وہ مدحِ اہل بیت میں مصروف و مشغول رہا اور اسی مدح سرائی کے ساتھ معروف و مشہور ہوا۔ انہت عبارۃ نفح الطیب

فقیر یوسف بن اسماعیل نبہانی عفا اللہ عنہ کہتا ہے کہ یہ تقریباً یکصد حکایات ہیں جو میں نے توسل و استغاثہ کے ضمن میں ذکر کی ہیں اور ہر زمانہ میں پیش آنے والے ایسے واقعات و قصص جمع کئے جائیں تو بہت سی جلدیں تیار ہو جائیں گی۔ اور خود مجھے بھی اس قسم کے واقعات پیش آئے جن سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ استغاثہ کی برکت صبح کے سپیدہ کی مانند ظاہر اور نمایاں ہے والحمد للہ علی ذالک، انہیں واقعات میں سے ایک یہ ہے۔

ایک شخص جو اللہ تعالےٰ کے انتقام و عذاب کا خوف نہیں رکھتا تھا اس نے ۱۳۱۷ھ میں مجھ پر افتراء پردازی سے کام لیا جس وجہ سے سلطان نے میری معزولی کا حکم صادر کر دیا اور بیروت سے دور دراز بلاد کی طرف منتقل ہو جانے کا حکم دیا۔ جب مجھے حکم سلطانی کی اطلاع ملی تو میں بہت پریشان ہوا۔ بہر کیف خمیس کے دن یہ اطلاع ملی اور اس شام یعنی جمعہ کی رات میں نے ہزار مرتبہ اللہ تعالےٰ سے استغفار کیا۔ اَسْتَغْفِرُ اللهَ الْعَظِيْمَ، اور ساتھ ہی ساڑھے تین سو مرتبہ اس طرح درود شریف پڑھا اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ قَدْ ضَاقَتْ حِيْلَتِيْ اَدْرِكْنِيْ يَا رَسُوْلَ اللهِ اور بارگاہ نبوت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم سے استغاثہ کیا کہ اے رسول خدا میری مدد کو پہنچیے میرے لئے خلاصی اور نجات کے سب حیلے اور اسباب تنگ ہو گئے اور سب راستے مسدود ہو چکے ہیں۔ اس کے بعد نیند نے غلبہ کیا پچھلی رات آنکھ کھلی تو پھر ایک ہزار مرتبہ درود شریف پڑھا اور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم سے استغاثہ کیا اور ان کے وسیلہ سے اللہ تعالےٰ سے التجاء کی کہ مجھ سے یہ درد و کرب اور رنج و الم دور فرمائے۔ جمعہ کا دن ابھی گذرنے نہیں پایا تھا کہ قسطنطنیہ سے بذریعہ ٹیلی گراف سلطان کا یہ حکم موصول ہوا کہ مجھے اسی محکمۃ الحقوق کے اندر اسی پوسٹ پر برقرار رکھا جائے اور بیروت سے باہر منتقل نہ کیا جائے۔

اور اس امر کی کہ یہ محض نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ استغاثہ کی برکت سے ہوا دلیل یہ ہے کہ سلاطین کا دستور اور معمول یہی ہوتا ہے کہ ایک فرمان جاری کر کے اس کو اتنا جلدی واپس نہیں لیتے جتنا جلدی اس حکم کو واپس لیا گیا۔ لہٰذا مجھے اور ہر اس شخص کو یہ یقین کامل ہو گیا جو میرے متعلق الزام تراشی اور افتراء پردازی کو جانتا تھا اور نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس سے میرے قلبی تعلق اور آپ کی تعظیم و تکریم سے آگاہ تھا کہ یہ صرف اور صرف نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ استغاثہ کا اعجاز ہے ورنہ اس مصیبت کے اس قدر جلد ٹلنے کی کوئی صورت نہیں تھی۔

والحمد للہ رب العالمین

باب ٹ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ مُغِیْثِ مَنِ اسْتَغَاثَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدِنِ الْغَوْثِ الْغِیَاثِ وَعَلٰی آلِہٖ وَصَحْبِہٖ اَجْمَعِیْنَ وَمَنْ تَبِعَہُمْ بِاِحْسَانٍ اِلٰی یَوْمِ الدِّیْنِ - اَمَّا بَعْدُ۔

یہ وردِ عظیم ہے جس کو میں نے "حزب الاولیاء الاربعین المستغیثین بسید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم" کے نام سے موسوم کیا ہے۔ میں نے اس میں چالیس اکابر اولیاء کاملین و عارفین اور مشاہیر ائمہ دین سے بہت سی دعائیں نقل کی ہیں۔ جن میں انہوں نے نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بارگاہ خداوندی میں قضاء حاجات کے لئے استغاثہ و توسل کیا اور ان سے پہلے احادیث نبویہ میں وارد استغاثوں کا ذکر کیا وہ پانچ روایات ہیں۔ میں ان دعاؤں کے ذکر سے قبل اصحاب ادعیہ کی فہرست، ان دعاؤں کی تعداد اور ان کتابوں کا تذکرہ کرتا ہوں۔ جن سے میں نے یہ دعائیں نقل کی ہیں اور بعض دفعہ ایک ہی ولی عارف سے متعدد دعائیں منقول ہوں گی۔ اور فہرست میں مذکور عدد کو ہی ان ادعیہ کے ساتھ ذکر کروں گا تاکہ اگر کوئی شخص اس دعاء کے متعلق معلوم کرنا چاہے کہ وہ کس صاحب سے اور کس کتاب سے منقول ہے تو اس کو سہولت رہے۔

۱۔ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ وَاَتَوَجَّہُ اِلَیْکَ بِنَبِیِّکَ مُحَمَّدٍ صلی اللہ علیہ وسلم نَبِیِّ الرَّحْمَۃِ، یَا سَیِّدَنَا یَا مُحَمَّدُ اِنِّیْ اَتَوَجَّہُ بِکَ اِلٰی رَبِّیْ فِیْ حَاجَتِیْ ھٰذِہٖ لِتُقْضٰی لِیْ اَللّٰھُمَّ شَفِّعْہُ فِیَّ۔ رواہ الترمذی والبیہقی والحاکم فی المستدرک باسناد صحیح عن عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ۔

ترجمہ: اے اللہ میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اور تیری طرف متوجہ ہوتا ہوں تیرے نبی الرحمہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم

نوٹ: اس باب میں ان دعاؤں کا ذکر ہے جو اکابر اولیاء کرام کے احزاب و اوراد اور کتب میں وارد ہیں جن میں انہوں نے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے ساتھ جناب الٰہی میں قضاء حاجات اور حل مشکلات کے لئے استغاثہ کیا۔ اور بعض وہ دعائیں بھی ہیں جو خود نبی الانبیاء فخر رسل صلی اللہ علیہ وعلیہم وسلم سے مروی ہیں۔ یہ باب عظیم حزب ہے اور مستقل حصہ ہے جو چاہے اس کو کتاب سے الگ طبع کرا لے اور اس کو ورد و وظیفہ بنا لے کیوں کہ یہ دوسرے سب اوراد و وظائف کی نسبت جلیل و عظیم وظیفہ ہے اور حصول مراد کے لئے قریب ترین وسیلہ و ذریعہ۔

نوٹ۔ ہم نے ہر دعا اور حزب کے ساتھ صاحب حزب و دعاء اور کتاب کا حوالہ دے دیا ہے تاکہ ناظرین کو سہولت رہے۔ (مترجم غفرلہ)

کے وسیلہ سے اے ہمارے محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں آپ کے وسیلہ جلیلہ سے اپنے رب تبارک و تعالیٰ کی بارگاہ والا جاہ کی طرف متوجہ ہوتا ہوں تاکہ میری یہ حاجت برآئے۔ اے اللہ ان کو میرا شفیع بنا اور میرے حق میں ان کی شفاعت قبول فرما۔ اور حاجتی ہذہ کی جگہ اپنی حاجت کا ذکر کرے۔

اس روایت کو ترمذی۔ بیہقی اور حاکم نے مستدرک میں حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ سے صحیح سند کے ساتھ ذکر کیا ہے اور بہت سے علماء اعلام نے اس کو اپنی دعاؤں میں استعمال کیا ہے۔

۲۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ بِحَقِّ مُحَمَّدٍ وَّآلِ مُحَمَّدٍ اَنْ تَکْفِیَنِیْ شَرَّ مَا اَخَافُ وَاَحْذَرُ۔

اے اللہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کی آلِ اطہار پر درود بھیج۔ اے اللہ میں تجھ سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کی آل کے حق کا واسطہ ایک سوال کرتا ہوں (جو تو نے اپنے فضل و کرم سے اپنے ذمے لے رکھا ہے) کہ تو مجھ پر اُس چیز کے شر سے کفایت و کفالت فرما جس سے میں خائف اور پرحذر ہوں۔

(ف) اس حدیث کو علامہ سمہودی نے اپنی کتاب "جواہر العقدین فی فضل الشرفین" میں نقل کیا ہے۔ اور حافظ ابو عبد اللہ محمد المظفر الزرندی، المدنی نے اپنی کتاب "نظم درر السمطین" میں ذکر کیا ہے کہ یہ حدیث امام جعفر صادق نے حضرت امام محمد باقر سے اور انہوں نے امام حسین رضی اللہ عنہ سے نقل کی ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ الکریم سے فرمایا۔ جب بھی تمہیں کوئی امر ہول و دہشت میں مبتلا کرے تو یہ کلمات کہو اللہ تعالےٰ تمہیں اس دہشت ناک امر سے کفایت فرمائے گا۔

۳۔ اَللّٰھُمَّ افْعَلْ بِیْ کَذَا وَکَذَا بِحَقِّ نَبِیِّکَ وَالْاَنْبِیَاءِ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِہٖ فَاِنَّکَ اَرْحَمُ الرَّاحِمِیْنَ۔

اے اللہ میرے ساتھ اس طرح حسن سلوک فرما بطفیل اپنے نبی اکرم اور ان سے پہلے انبیاء علیہم السلام کے بیشک تو ارحم الراحمین ہے۔

ف۔ یہ کلمات طیبہ ایک حدیث کا حصہ ہیں جن کو بہت سے محدثین نے نقل کیا ہے۔ حاکم و ابن حبان نے اس کو حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے نقل کیا اور اس کی تصحیح کی ہے کہ حضرت فاطمہ بنت اسد جو کہ حضرت علی المرتضےٰ رضی اللہ عنہ کی والدہ ماجدہ ہیں انہوں نے صغر سنی میں نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پرورش کی تھی جب ان کا وصال ہوا تو آپ ان کی قبر مبارک میں لیٹے (تاکہ بابرکت ہو جائے اور انوارِ نبویہ سے منوّر) اور ان کے لئے دعا کرتے ہوئے کہا:۔ اے اللہ تو زندہ بھی کرتا ہے اور موت بھی دیتا ہے۔ تو ہمیشہ کے لئے زندہ ہے اور موت تیرے قریب پھٹک نہیں سکتی۔ میری ماں فاطمہ کی مغفرت فرما۔ اور ان کی قبر کو وسیع فرما" بحق نبیك والانبیاء الذین من قبلی فانك ارحم الراحمین۔

صدقہ اپنے نبی مکرم کے حق حرمت وکرامت کا اور ان سے پہلے مبعوث ہونے والے انبیاء علیہم السلام کے کیوں کہ تو ارحم الراحمین ہے۔

۴۔ یَا مَنْ یَکْفِیْ مِنْ کُلِّ اَحَدٍ یَا اَحَدُ مَنْ لَا اَحَدَ لَهٗ، یَا سَنَدَ مَنْ لَا سَنَدَ لَهٗ اِنْقَطَعَ الرَّجَاءُ اِلَّا مِنْكَ نَجِّنِیْ مِمَّا اَنَا فِیْهِ وَاَعِنِّیْ عَلٰی مَا اَنَا عَلَیْهِ مِمَّا قَدْ نَزَلَ بِیْ بِجَاهِ وَجْهِكَ الْکَرِیْمِ وَبِحَقِّ مُحَمَّدٍ عَلَیْكَ آمِیْنَ۔

ترجمہ۔ اے وہ ذات اقدس جو ہر شخص کو ہر ایک سے کفایت کرنے والی ہے۔ اے وہ ذات مقدس کہ جس کا کوئی آسرا و سہارا نہیں ہے تو اس کا آسرا و سہارا ہے اور جس کا کوئی وسیلہ وحیلہ اور ملجا و ماویٰ نہیں اس کا وسیلہ اور ملجا و ماوی ہے۔ سب سے امید منقطع ہو کر صرف تجھ میں منحصر ہو چکی ہے۔ مجھے اس غم و اندوہ سے خلاصی عطا فرما جس کے اندر میں ہوں اور خلاصی و نجات کی جس سعی و کوشش میں مصروف ہوں اس میں میری اعانت و نصرت فرما بطفیل اپنی ذات کریمہ کے جاہ و جلال کے اور محمد کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے حق اور اجر جزیل کے (جو تو نے اپنے فضل و کرم سے اپنے ذمہ لے رکھا ہے) آمین۔

ف۔ یہ حدیث نبوی ہے جس کو دیلمی نے حضرت عمر بن الخطاب اور حضرت علی المرتضےٰ رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے اور علامہ سیوطی نے اس کو جامع کبیر میں ذکر کیا ہے۔ ابتدائی کلمات یوں ہیں۔ اِذَا شَجَاكَ شَیْطَانٌ اَوْ سُلْطَانٌ فَقُلْ یَا مَنْ یَکْفِیْ، یعنی جب تمہیں شیطان یا کوئی بادشاہ رنج والم اور شدت و محنت سے دوچار کرے تو اس طرح کہو۔

۵۔ اللھم انی اسئالک بمحمد نبیک، وابراھیم خلیلک، وموسیٰ نجیک وکلیمک وعیسیٰ روحک وکلمتک، وبکلام موسیٰ، وانجیل عیسی، وزبور داود، وفرقان محمد صلی اللہ علیہ وسلم، وکل وحی اوحیتہ، او قضاء قضیتہ، اوسائل اعطیتہ، اوغنی اقنیتہ، اوفقیر اغنیتہ، اوضال ھدیتہ، واسالک باسمک الذی انزلتہ علی موسی، واسالک باسمک الذی ثبت بہ ارزاق العباد، واسالک باسمک الذی وضعتہ علی الارض فاستقرت، واسالک باسمک الذی وضعتہ علی السموات فاستقلت، واسالک باسمک الذی وضعتہ علی الجبال فارست، واسالک باسمک الذی استقل بہ عرشک، واسالک باسمک الطھر الطاھر الاحد الصمد الوتر المنزل فی کتابک من لدنک من النور المبین، واسالک باسمک الذی وضعتہ علی النھار فاستنار وعلی اللیل فاظلم، وبعظمتک وکبریائک وبنور وجھک ان تصلی علی محمد نبیک وعلی محمد نبیک وعلی آلہ وان ترزقنی القرآن والعلم وتخلطہ بلحمی ودمی وسمعی وبصری وتستعمل بہ جسدی بحولک وقوتک فانہ لاحول ولا قوۃ الابک

یا ارحم الراحمین۔

ترجمہ، اے اللہ میں تجھ سے سوال کرتا ہوں تیرے نبی کریم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ جلیلہ سے۔ ابراہیم خلیل، موسیٰ نجی وکلیم، عیسیٰ روح اللہ اور کلمۃ اللہ کے وسیلہ سے اور کلام موسیٰ علیہ السلام کے صدقے، انجیل عیسی علیہ السلام اور فرقان محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے میں اور ہر اس وحی کے طفیل جو تو نے پیغمبر پر نازل کی۔ ہر اس قضا اور ازلی فیصلہ کے توسل سے جو تو نے ازل میں کی۔ ہر اس سائل کے وسیلہ سے جس کا سوال تو نے پورا فرمایا۔ ہر اس غنی کے صدقہ میں جس کو تو نے دولتِ قناعت بخشی۔ ہر اس فقیر کے صدقہ میں جس کو تو نے دولت غنا سے سرفراز فرمایا۔ ہر اس بے راہرو کے توسل سے جس کو تو نے رحمت خاصہ سے راہ راست پر گامزن فرمایا۔

میں تجھ سے تیرے اس اسم پاک کے توسط سے سوال کرتا ہوں جو تو نے حضرت موسیٰ کلیم علیہ السلام پر نازل فرمایا۔ اور اس مقدس نام کے واسطہ سے سوال کرتا ہوں جس کی بدولت تو نے عباد و مخلوق کا رزق برقرار فرمایا۔ اور اس نام نامی کے وسیلہ سے دعا کرتا ہوں جو تو نے زمین پر ظاہر فرمایا تو وہ استقرار پذیر ہو گئی۔ اور اس اسم مقدس کے توسط سے دعا کرتا ہوں جس کو تو نے آسمانوں پر ظاہر فرمایا تو وہ بلاستون و عماد ٹھہر گئے۔ اور اس نام اقدس کا وسیلہ پیش کر کے دعا کرتا ہوں جس کو تو نے پہاڑوں پر ظاہر فرمایا۔ تو وہ زمین میں قائم ہو گئے۔ اے اللہ میں تجھ سے تیرے اس مبارک نام کے وسیلہ سے دعا کرتا ہوں جس کے ساتھ تیرا عرش قائم ہے۔ اور تیرے اسم طہر و طاہر اور صمد اور وتر (تنہا و یکتا) کے وسیلہ سے دعا کرتا ہوں جس کو تو نے اپنی کتاب میں نازل فرمایا جو تیرے پاس سے نازل ہونے والا نور مبین ہے۔

اے اللہ میں تجھ سے تیرے اس نامِ اقدس کی بدولت دعا کرتا ہوں جس کو تو نے دن پر رکھا تو روشن ہو گیا اور رات پر رکھا تو تاریک ہو کر (لوگوں کے لئے سبب آرام و سکون بن گئی)۔ میں تیری عظمت و کبریائی اور نورِ ذات کے وسیلہ سے دعا کرتا ہوں کہ اپنے نبی مکرم محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کی آل پر درود و سلام بھیج اور مجھے قرآن مجید و اس کا علم و فہم نصیب فرما۔ اور اسے میرے گوشت و پوست اور خون سے جاری و ساری فرما۔ اور میری نگاہوں اور آنکھوں میں۔ اور میرے جسم کو اس پر کاربند فرما۔ اپنی قدرت تامہ اور قوت کاملہ کے ساتھ کیونکہ سوائے تیری قدرت و قوت عطا کرنے کے اور کوئی ذریعہ و سرچشمہ قدرت و طاقت کا نہیں ہے یا ارحم الراحمین۔

(ف) اس حدیث کو ابوطالب مکی نے قوت القلوب کی پانچویں فصل میں ذکر کیا ہے۔ اور یہ بھی ذکر کیا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو سکھلائی تھی۔

۶۔ بجاہ من انتخبت من خلقک وبمن اصطفیتہ لنفسک بحق من اخترت من بریتک ومن احببت لشانک ووصلت طاعتہ بطاعتک ومعصیتہ بمعصیتک وقرنت موالاتہ

بمو الاتك ونطت معاداته بمعاداتك تغمدنى فى يومى هذا بما تتغمد به من جاز اليك متصلاه وعاد باستغفارك تائبا وتتولنى بما تتولى به اهل طاعتك والزلفى لديك والمكانة منك ولا تواخذنى بتفريطى فى جنبك وتعدى طورى فى حدودك ومجاوزة احكامك وافتح لى ابواب قربتك ورحمتك ورافتك ورزقك الواسع انى اليك من الراغبين واتمم لى انعامك انت خير المنعمين يا رب العالمين، وصلى الله على سيدنا محمد واله الطيبين الطاهرين والسلام عليه وعليهم ابد الابدين -

ترجمہ اے اللہ اس ذات اقدس کی جاہ ومنزلت کا صدقہ جس کو ساری مخلوق سے شرف انتخاب بخشا، جسے اپنی ذات والاصفات کے لئے چن لیا جس کو ساری مخلوق سے بزرگی و برتری بخشی، جسے اپنے شان محبت کے لئے مقام محبوبیت کا اعزاز بخشا۔ جس کی طاعت کو تو نے اپنی طاعت قرار دیا اور جن کی معصیت اور نافرمانی کو اپنی نافرمانی اور عصیان قرار دیا۔ جن کی محبت کو اپنی محبت کے ساتھ مقرون فرمایا۔ اور جن کی عداوت کو اپنی عداوت کے ساتھ ہم پلہ قرار دیا۔ مجھے آج کے دن اسی پردۂ رحمت اور ستر عفو و درگزر میں مستور فرما جس کے ساتھ تو ان لوگوں کی پردہ داری فرمائے گا جو لوگوں سے بے تعلق ہو کر تیرے ساتھ ربط وتعلق پیدا کرنے والے ہیں۔ اور تجھ سے توبہ واستغفار کر کے گناہوں اور خطاؤں سے رجوع کرنے والے ہیں۔ اور مجھے بھی اسی طرح اپنی محبت والفت نصیب فرما جس طرح تو نے اپنے اہل طاعت اور مقربین اور اصحاب مکانت و مرتبت کو یہ اعزاز محبوبی و مطلوبی بخشا ہے۔ اور تیری بارگاہ میں اگر مجھ سے کوئی تقصیر اور کوتاہی ہوئی ہے یا تیرے حدود و احکام میں تجاوز ہوا ہے تو اس پر مجھ سے مواخذہ نہ فرما۔ اور مجھ پر اپنی قربت اور رافت و رحمت کے دروازے کھول دے۔ اور اپنے رزق واسع کے دہانے کھول دے۔ کیونکہ میں بھی تیری طرف رغبت کرنے والوں میں سے ایک ادنیٰ فرد ہوں۔ میرے لئے اپنے انعام و احسان کو تام و مکمل فرما کیونکہ اے رب العالمین تو سب سے بہتر منعم و محسن ہے وصلی اللہ علی سیدنا محمد وعلی آلہ الطیبین الطاہرین والسلام علیہ وعلیہم ابد الآبدین۔

(ف) یہ دعاء امام زین العابدین رضی اللہ عنہ سے منقول ہے جس کو سید مرتضےٰ نے اپنی سند کے ساتھ شرح الاحیاء کے کتاب الحج میں ذکر کیا ہے اور ایک طویل دعا کا حصہ ہے جو عرفہ کے دن مانگی جاتی ہے۔

۷۔ اَللّٰهُمَّ اِنَّكَ قُلْتَ وَقَوْلُكَ الْحَقُّ (وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَلَمُوْا اَنْفُسَهُمْ جَاءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا) اَللّٰهُمَّ اِنَّا قَدْ سَمِعْنَا قَوْلَكَ وَاَطَعْنَا اَمْرَكَ وَقَصَدْنَا نَبِيَّكَ مُسْتَشْفِعِيْنَ بِهٖ اِلَيْكَ فِيْ ذُنُوْبِنَا وَمَا اَثْقَلَ ظُهُوْرَنَا مِنْ اَوْزَارِنَا تَائِبِيْنَ مِنْ زَلَلِنَا مُعْتَرِفِيْنَ بِخَطَايَانَا وَتَقْصِيْرِنَا فَتُبْ اَللّٰهُمَّ عَلَيْنَا وَشَفِّعْ نَبِيَّكَ فِيْنَا وَارْفَعْنَا بِمَنْزِلَتِهٖ عِنْدَكَ وَحَقِّهٖ

عَلَيْكَ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِلْمُهَاجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَاغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ۔

ترجمہ اے اللہ تو نے ارشاد فرمایا اور تیرا ارشاد حق ہے کہ اگر وہ لوگ اپنی جانوں پر ظلم وتعدی کریں تب تمہاری بارگاہ میں حاضر ہوں پس اللہ تعالےٰ سے استغفار کریں اور اللہ تعالےٰ کا رسول بھی ان کے لئے استغفار کرے تو یقیناً وہ اللہ تعالےٰ کو توبہ قبول کرنے والا رحم فرمانے والا پائیں گے،، اے اللہ بے شک ہم نے تیرے فرمان کو سنا، تیرے حکم کی اطاعت کی اور تیرے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہِ اقدس میں حاضری کا قصد کیا درانحالیکہ ان کو تیری جناب والا میں اپنے گناہوں کے متعلق شفیع بنانے والے ہیں اور ان اوزار وآثام میں جنہوں نے ہماری پیٹھوں کو بوجھل کر دیا ہے درانحالیکہ ہم اپنی لغزشوں سے توبہ کرنے والے ہیں۔ اپنی خطاؤں اور تقصیروں کا اعتراف اقرار کرنے والے ہیں۔

اے اللہ ہم پر نظر رحمت فرما اور اپنے حبیب مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہمارے حق میں شفیع بنا اور ان کی منزلت و مرتبت کے صدقے میں اور جو تو نے ان کا عظیم حق اپنے ذمہ کرم پر لے رکھا ہے اس کے وسیلۂ جلیلہ سے ہمارے درجات کو بھی بلند فرما۔ اے اللہ مہاجرین وانصار کے لئے مغفرت فرما نیز ہمیں اور ہمارے ان بھائیوں کو مغفرت و بخشش نصیب فرما جو ہم سے پہلے ایمان لے آئے تھے۔

(ف) اس دعا کو امام غزالی نے احیاء العلوم میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مزار پر انوار کی زیارت کے بیان میں ذکر کیا ہے۔

۸۔ اِلٰهِیْ اِنْ كُنْتَ لَا تَرْحَمُ اِلَّا اَهْلَ طَاعَتِكَ فَاِلٰى مَنْ يَفْزَعُ الْمُذْنِبُوْنَ، اِلٰهِیْ تَجَنَّبْتُ عَنْ طَاعَتِكَ عَمْدًا وَتَوَجَّهْتُ اِلٰى مَعْصِيَتِكَ قَصْدًا فَسُبْحَانَكَ مَا اَعْظَمَ حُجَّتَكَ عَلَيَّ وَاَكْرَمَ عَفْوَكَ عَنِّيْ فَبِوُجُوْبِ حُجَّتِكَ عَلَيَّ وَانْقِطَاعِ حُجَّتِيْ عَنْكَ وَفَقْرِيْ اِلَيْكَ وَغِنَاكَ عَنِّيْ اِلَّا غَفَرْتَ لِيْ يَا خَيْرَ مَنْ دَعَاهُ دَاعٍ وَاَفْضَلَ مَنْ رَجَاهُ رَاجٍ بِحُرْمَةِ الْاِسْلَامِ وَبِذِمَّةِ مُحَمَّدٍ عليه الصلواة والسلام اَتَوَسَّلُ اِلَيْكَ فَاغْفِرْ لِيْ جَمِيْعَ ذُنُوْبِيْ۔

ترجمہ۔ اے اللہ اگر تو صرف اپنے طاعت گذاروں پر ہی رحم فرمائے تو گناہگار کس کی پناہ ڈھونڈیں ؟ اے میرے خدا میں نے عمداً تیری طاعت سے اجتناب کیا اور قصداً تیری نافرمانی کی طرف متوجہ ہوا پس پاک ہے تو کتنی عظیم ہے تیری حجت مجھ پر اور کتنی بزرگ و برتر ہے تیری عفو مجھ سے۔ تجھے تیری حجت و برہان کے مجھ پر غالب ہونے اور میرے حیلہ و بہانہ کے منقطع ہونے کا واسطہ، تجھے میری محتاجی اور تیرے مجھ سے استغناء کا واسطہ میرے لئے مغفرت و بخشش کا سامان پیدا فرما اے ان تمام ذاتوں سے افضل و اعلیٰ جن کو کسی بلانے والے اور پکارنے والے نے قضاء حاجات کے لئے پکارا ہے۔ اور ان تمام ذوات سے بزرگ و برتر جن سے کسی امیدوار نے امید وابستہ کی ہے میں تیری بارگاہ میں اسلام کی حرمت و عزت اور محمد مصطفےٰ علیہ التحیۃ والثناء

کے حق و ذمہ کا وسیلہ پیش کرتا ہوں لہٰذا میرے سارے گناہ معاف فرما۔

(ف) اس دعاء کو امام غزالی نے احیاء العلوم کے کتاب الحج میں ان دعاؤں کے ضمن میں ذکر کیا ہے جو اسلاف سے عرفہ کے دن میں منقول ہیں۔

۹۔ اللھم صل وسلم علی بھجة الکمال وتاج الجلال وبھاء الجمال وشمس الوصال وعبق الوجود وحیاة کل موجود عز جلال سلطنتك وجلال عز مملکتك ومليك صنع قدرتك وطراز الصفوة من اھل صفوتك وخلاصة الخاصة من اھل قربك سر اللہ الاعظم و حبیب اللہ الاکرم وخلیل اللہ المکرم سیدنا ومولانا محمد صل اللہ علیہ وسلم۔ اللھم انا نتوسل بہ الیك ونتشفع بہ لدیك صاحب الشفاعة الکبری والوسیلة العظمی والشریعة الغراء والمکانة العلیا والمنزلة الزلفی وقاب قوسین او ادنی ان تحققنا بہ ذاتا وصفات و اسماء وافعالا وآثارا حتی لانری ولا نسمع ولا نحس ولا نجد الا ایاك الھی وسیدی بفضلك ورحمتك اسالك ان تجعل ھویتنا عین ھویتہ فی اوائلہ ونہایتہ وبود خلتہ وصفاء محبتہ وفواتح انوار بصیرتہ وجوامع اسرار سریرتہ ورحیم رحمائہ ونعیم نعمائہ اللھم انا نسالك بجاہ نبیك سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم المغفرة والرضا والقبول قبولا تاما لاتکلنا فیہ الی انفسنا طرفة عین یا نعم المجیب فقد دخل الدخیل یا مولای بجاہ نبیك محمد صلی اللہ تعالی علیہ وسلم، فان غفران ذنوب الخلق باجمعھم اولھم وآخرھم برّھم وفاجرھم کقطرة فی بحر وجودك الواسع الذی لاساحل لہ فقد قلت وقولك الحق المبین "وما ارسلناك الا رحمة للعالمین"، صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وصحبہ اجمعین: اللھم انا نتوسل الیك بنورہ الساری فی الوجود ان تحیی قلوبنا بنور حیاة قلبہ الواسع لکل شیء رحمة وعلما وھدی وبشری للمسلمین وان تشرح صدورنا بنور صدرہ الجامع (مافرطنا فی الکتاب من شیء ـ وضیاء وذکری للمتقین) وتطھر نفوسنا بطھارة نفسہ الزکیة المرضیة وتعلمنا بانوار علوم (وکل شیء احصیناہ فی امام مبین) وتسری سرائرہ فینا بلوامع انوارك حتی تغیبنا عنا فی حق حقیقتہ فیکون ھو الحی القیوم فینا بقیومیتك السرمدیة فنعیش بروحہ عیش الحیاة الابدیة صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وصحبہ وسلم تسلیما کثیرا آمین بفضلك ورحمتك، لبینا یا حنان یا منان یا رحمن: اللھم انا نتوسل الیك ونسالك ونتوجہ الیك بکتابك العزیز ونبیك الکریم سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم وبشرفہ المجید

وبابویہ ابرھیم واسماعیل وبصاحبیہ ابی بکر وعمر وذی النورین عثمان وآلہ فاطمة وعلی وولدیھما الحسن والحسین وعمیہ حمزة والعباس وزوجتیہ خدیجة وعائشة۔ اللھم صل وسلم علیہ وعلی ابویہ ابراھیم واسماعیل وعلی آل کل وصحب کل صلاة یترجمھا لسان الازل فی ریاض الملکوت وعلی المقامات ونیل الکرامات ورفع الدرجات وینعق بھا لسان الابد فی حضیض الناسوت بغفران الذنوب وکشف الکروب ودفع المھمات کما ھو اللائق بالھیتك وشانك العظیم وکما ھو اللائق باھلیتھم ومنصبھم الکریم بخصوص خصائص (یختص برحمتہ من یشاء واللہ ذو الفضل العظیم)

ترجمہ۔ اے اللہ صلوٰۃ وسلام نازل فرما اس ذات قدسی صفات پر جو کمال کے لئے بہجت و رونق ہیں۔ جلال کے لئے تاج اور زینت ہیں۔ حسن و جمال کے لئے بہار ہیں، وصال و قرب کے لئے آفتاب عالم افروز ہیں۔ وجود ہستی کے لئے مشک نکہت فزا ہیں۔ ہر موجود کا سامانِ حیات و زیست ہیں۔ تیرے جلالِ سلطنت کی عزت و آبرو ہیں اور تیری عزتِ سلطنت کا شکوہ و جلال ہیں، جو تیرے شاہکار ہائے قدرت کے رئیس و یعسوب ہیں۔ تیرے مخلصین کے لئے زینت اور نقش و نگار اخلاص ہیں۔ اور تیرے مقربین و خواص کا خلاصہ و جوہر ہیں۔ جو اللہ کے سرِ اعظم حبیب اکرم اور خلیل مکرم ہیں یعنی سیدنا و مولانا محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔

اے اللہ ہم تیری جناب میں ان کا وسیلہ پیش کرتے ہیں اور انہیں شفیع بناتے ہیں جو شفاعت کبریٰ۔ وسیلۂ عظمیٰ شریعت غراء، مرتبت عالیہ اور منزلت قریبہ قاب قوسین او ادنی کے مالک ہیں تاکہ ان کی بدولت تو ہمیں اپنی ذات، صفات، اسماء اور افعال و آثار کے متعلق حقیقت آشنا بنائے حتیٰ کہ دیکھیں تو صرف تجھے، سنیں تو صرف تیرا کلام اور احساس و مشاہدہ کریں تو صرف تیری ذات اقدس کا۔

اے میرے خدا اور سید و مولا میں تجھ سے تیری رحمت اور فضل و احسان کا واسطہ دے کر سوال کرتا ہوں کہ ہمارے اشخاص کو ان کی ہویت و شخصیت میں غرق اور فنا کر دے ان کے اوائل احوال میں اور نہایت مقامات میں۔ اس محبوب کی خلت خالصہ اور محبت صافیہ کا صدقہ، ان کے انوار بصیرت کے فواتح و جوامع اسرار سریرت و باطن کے مقاطع و منتہیٰ کا صدقہ، ان کی رحمت عامہ کاملہ اور جود و نوالِ تام کا واسطہ اے اللہ ہم تجھ سے تیرے نبی مکرم کے جاہ و مرتبہ کے وسیلہ سے التجاء کرتے ہیں مغفرت و رضامندی اور قبولیت تامہ کی جس میں ایک لمحہ کے لئے بھی ہمیں اپنے نفوس کے حوالے نہ کیا جائے اے بہتر مجیب کیونکہ ان میں مرض صعب سرایت کر چکی ہے اے میرے مولیٰ تجھے واسطہ اپنے نبی مکرم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے مرتبہ و مقام کا کیونکہ تمام مخلوق اول و آخر اور نیک و فاجر کے گناہوں کی مغفرت و بخشش تیرے جود و کرم کے ناپیدا کنار سمندر کے مقابل ایک قطرہ کی حیثیت

رکھتی ہے (جب تیرے حبیب ومحبوب کی وسعتِ رحمت کا عالم یہ ہے) کہ تونے فرمایا اور۔ تیرا ارشاد برحق ہے
اور ظاہر وواضح وَمَا اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وصحبہ اجمعین تو اے محبوب کریم
کے خالق ومالک اور معطی کمالات وخصوصیات تیری وسعتِ رحمت کا کیا ٹھکانا)۔

اے اللہ ہم تیری بارگاہِ اقدس میں انکے اس نورِ پاک کا وسیلہ پیش کرتے ہیں جو جملہ وجود وموجودات میں سرایت وحلول کئے ہوئے ہے کہ تو ہمارے دلوں کو زندگی اور
حیات نصیب فرما جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دلِ اقدس کے نورِ حیات کا عکس وپرتو ہے جو ہر چیز کو رحمت وعلم کے ساتھ محیط ہے اور اہلِ اسلام کو
ہدایت اور مژدہ وبشارت کے لحاظ سے اور ہمارے صدور اور سینوں کو ان کے نورِ صدر کے ساتھ کھول دے اور وسیع وکشادہ کردے جو

" مَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتَابِ مِنْ شَيْءٍ "، ہم نے نہیں کمی کی لوحِ محفوظ میں کسی شیٔ کی۔ کا جامع نمونہ ہے اور ضِيَاءً وَّذِكْرًا
لِّلْمُتَّقِيْنَ ضیاء ونورانیت اور تذکرہ ونصیحت ہیں متقین کے لئے کا صحیح مصداق ہے۔ ہمارے نفوس کو گناہوں کی میل و
کچیل سے پاک وصاف فرما بطفیل ان کے نفسِ زکیہ مرضیہ کی طہارت ونزاہت کے اور ہمیں بھی " وَكُلَّ شَيْءٍ اَحْصَيْنٰهُ
فِيْ اِمَامٍ مُّبِيْنٍ اور ہم نے ہر چیز لوحِ محفوظ میں جمع کردی ہے کے مصداق حقیقی کے انوارِ علوم کا صدقہ علومِ حقیقت
سے بہرہ ور فرما۔ اور ان کے سرائر واسرار اپنے انوار لامع کی بدولت ہمارے اندر جاری وساری فرما یہاں تک کہ ہمیں
اپنے آپ سے غائب کرکے ان کی حقیقتِ حقہ میں مستغرق کردے تاکہ ہمارے اندر وہی حی وقیوم ہوں بطفیل تیری
قیومیت سرمدیہ کے۔ پس انہیں کی روحِ اقدس کی بدولت حیاتِ جاوداں اور عیشِ دوام کی دولت سے بہرہ ور ہوں
صلی اللہ علیہ وسلم وعلی آلہ وصحبہ وسلم تسلیما کثیرًا کثیرًا آمین بفضلك ورحمتك علینا یاحنان
یامنان یارحمٰن۔

اے اللہ ہم تیری جنابِ اقدس میں سوال پیش کرتے ہیں اور تیری طرف متوجہ ہوتے ہیں اور توسل حاصل کرتے
ہیں تیری کتاب عزیز، تیرے نبی کریم سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے شرف ورفعت کاملہ کے ساتھ اور ان
کے جدِ امجد حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام کے ساتھ، اور ان کے دو یارِ جان نثار حضرت ابوبکر صدیق
اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما کے ساتھ نیز حضرت عثمان ذی النورین اور ان کی آلِ اطہار حضرت سیدہ فاطمہ،
حضرت علی المرتضیٰ اور حسنین کریمین اور آپ کے دونوں چچا جان حضرت حمزہ اور حضرت عباس رضی اللہ عنہما کے ساتھ
نیز آپ کی دو پاک بیویوں حضرت خدیجۃ الکبریٰ اور حضرت عائشۃ الصدیقہ رضی اللہ عنہما کے ساتھ۔ اے اللہ صلوٰۃ وسلام
نازل فرما آپ پر آپ کے دونوں بزرگواروں ابراہیم اور اسماعیل اور ہر ایک کی آل واصحاب پر ایسی صلوٰۃ جس کی
بدولت لسانِ ازل ریاضِ ملکوت میں مقاماتِ عالیہ کرامات اور رفعتِ درجات کے نیل ووصول کے ساتھ نغمہ سرا ہو
اور لسانِ ابد ناسوت وعالمِ اجسام کے حضیض ونشیب میں غفرانِ ذنوب اور کشفِ مغموم وکروب اور دفعِ مہمات و
حلِ مشکلات کے ساتھ محوِ ترنم ہو جیسے کہ تیری شانِ عظیم اور مقامِ الوہیت کے لائق ہے اور جیسے کہ ان کی خداداد

الٰہیت واستعداد اور منصب کریم وبرتر کے لائق ہے جو انہیں " يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ
الْعَظِيْمِ " کے خصائص خاصہ کی بدولت حاصل ہوئی ہے۔

(ف) یہ دعوات حضور سیدنا غوث اعظم شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہ العزیز نے صلاۃ کبریٰ میں متعدد مقامات پر ذکر کی ہیں۔

۱۰- اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَتَوَجَّهُ اِلَيْكَ بِنَبِيِّكَ عَلَيْهِ سَلَامُكَ نَبِيِّ الرَّحْمَةِ، يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنِّيْ اَتَوَجَّهُ بِكَ اِلٰى
رَبِّيْ لِيَغْفِرَ لِيْ ذُنُوْبِيْ۔ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْاَلُكَ بِحَقِّهٖ اَنْ تَغْفِرَ لِيْ وَتَرْحَمَنِيْ۔

ترجمہ۔ اے اللہ میں تیری طرف متوجہ ہوتا ہوں تیرے نبی علیہ السلام نبی الرحمت کے وسیلہ سے۔ یا رسول اللہ میں آپ
کے توسل سے اپنے رب کی طرف متوجہ ہوتا ہوں تاکہ میرے لئے میرے گناہوں کی مغفرت وبخشش فرمائے۔ اے اللہ
میں تجھ سے ان کے حق کا واسطہ دے کر سوال کرتا ہوں کہ میرے لئے مغفرت فرما اور مجھ پر رحم وکرم فرما۔

(ف) یہ دعا بھی حضور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ عنہ نے "غنیہ" میں ذکر کی ہے جو اس دعا کا حصہ ہے جو بوقت زیارت
روضۂ اطہر مانگی جاتی ہے اور اس میں اکثر الفاظ حدیث پاک کے ہیں جس کا ذکر ابتداء میں آچکا ہے۔

۱۱- اَسْاَلُكَ اَللّٰهُمَّ فِيْمَا سَاَلْتُكَ وَاَتَوَسَّلُ اِلَيْكَ فِيْ قَبُوْلِهٖ بِمُقَدَّمَةِ الْوُجُوْدِ الْاَوَّلِ وَرُوْحِ الْحَيَاةِ
الْاَفْضَلِ وَنُوْرِ الْعِلْمِ الْاَكْمَلِ وَبِسَاطِ الرَّحْمَةِ فِي الْاَزَلِ وَسَمَاءِ الْخَلْقِ الْاَجَلِّ السَّابِقِ بِالرُّوْحِ
وَالْفَضْلِ وَالْخَاتَمِ بِالْقُدْرَةِ وَالْبَعْثِ وَالنُّوْرِ بِالْهِدَايَةِ وَالْبَيَانِ مُحَمَّدٍ الْمُصْطَفٰى وَالرَّسُوْلِ
الْمُجْتَبٰى صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وصحبہ وسلم تسلیما کثیرًا کثیرًا اِلٰى يَوْمِ الدِّيْنِ وَالْحَمْدُ
لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔

ترجمہ۔ اے اللہ میں نے جو سوالات ودعائیں تیری جناب میں پیش کئے ہیں ان کی قبولیت کے متعلق سوال کرتا ہوں
اور تیری بارگاہ میں اس ذاتِ اقدس کا وسیلہ پیش کرتا ہوں جو وجودِ اول کا مقدمہ، افضل ترین حیات کی روح
رواں اور علمِ اکمل کے نور وضیا ہیں اور ازل میں بساطِ رحمت ہیں خلقِ جلیل وعظیم کے لئے فلک وسماء ہیں،
روحِ اقدس اور فضیلت ورفعت کے اعتبار سے سابق ہیں ختم المرسلین اور بعثت کے لحاظ سے خاتم ہیں نورِ ہدایت و
ایمان اور ضیاء اظہار وبیان کے لحاظ سے آخری ہیں۔ یعنی محمد مصطفےٰ رسول مجتبےٰ صلی اللہ علیہ وسلم۔

(ف) یہ دعاء حضرت شیخ اکبر، غواص بحرِ حقیقت، شیخ محی الدین بن العربی رحمۃ اللہ کی صلوٰۃ توسل سے منقول ہے۔

۱۲- اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلَى الذَّاتِ الْمُحَمَّدِيَّةِ اللَّطِيْفَةِ الْاَحَدِيَّةِ شَمْسِ سَمَاءِ الْاَسْرَارِ وَمَظْهَرِ الْاَنْوَارِ
وَمَرْكَزِ مَدَارِ الْجَلَالِ وَقُطْبِ فَلَكِ الْجَمَالِ اَللّٰهُمَّ بِسِرِّهٖ لَدَيْكَ وَبِسَيْرِهٖ اِلَيْكَ اٰمِنْ خَوْفِيْ
وَاَقِلْ عَثْرَتِيْ وَاَذْهِبْ حُزْنِيْ وَحِرْصِيْ وَكُنْ لِيْ وَخُذْنِيْ اِلَيْكَ مِنِّيْ وَارْزُقْنِي الْفَنَاءَ عَنِّيْ وَلَا
تَجْعَلْنِيْ مَفْتُوْنًا بِنَفْسِيْ مَحْجُوْبًا بِحِسِّيْ وَاكْشِفْ لِيْ عَنْ كُلِّ سِرٍّ مَكْتُوْمٍ يَا حَيُّ يَا قَيُّوْمُ۔

ترجمہ ۔ اے اللہ درود وصلوٰۃ بھیج ذاتِ محمدیہ، لطیفۂ احدیہ، آسمان اسرار و رموز کے آفتاب، مظہر انوار اور مرکزِ مدار جلال اور فلک جمال کے قطب پر ۔ اے اللہ ان کے سر حقیقت کا صدقہ جو تیرے قرب حضور میں ہے اور ان کی تیری طرف سیر و عروج کا صدقہ میرے خوف کو امن سے تبدیل فرما ۔ میری لغزش سے درگذر فرما ۔ میرا حزن و غم اور حرص و آز دور فرما تو خود میرا ہو جا اور مجھے مجھ سے چھین کر اپنے قبضہ میں کر لے ۔ اور مجھے اپنے آپ سے فانی اور غائب ہونے کی توفیق دے مجھے اپنے نفس کے فتنہ و ابتلاء میں نہ ڈال اور اپنے احساس و شعور کے ذریعے محجوب نہ فرما ۔ اور ہر پوشیدہ راز مجھ پر منکشف فرما یا حیی یا قیوم ۔

(ف) یہ دعاء سیدی ابراہیم دسوقی سے منقول ہے اور مشہور و معروف ہے ۔

۱۳- بِمَنْ دَنَا فَتَدَلّٰى فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى

ترجمہ اے اللہ اس محبوب کا واسطہ جو قریب ہوئے پس بہت قریب ہوئے حتیٰ کہ کمان کے دو سروں کے برابر یا اس سے بھی زیادہ قریب ہو گئے ۔

(ف) یہ توسل بھی ابراہیم دسوقی کا ہے جس کو انہوں نے حزب المشائخ میں ذکر کیا ہے ۔

۱۴- بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ (فَاللّٰهُ خَيْرٌ حَافِظًا وَّهُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ) آمَنْتُ بِاللّٰهِ وَرَضِيْتُ بِاللّٰهِ وَتَوَكَّلْتُ عَلَى اللّٰهِ وَدَخَلْتُ فِيْ كَنَفِ اللّٰهِ وَاعْتَصَمْتُ بِكِتَابِ اللّٰهِ وَتَحَصَّنْتُ بِآيَاتِ اللّٰهِ وَاسْتَجَرْتُ بِرَسُوْلِ اللّٰهِ مُحَمَّدٍ صلى الله عليه وسلم ابْنِ عَبْدِ اللّٰهِ ۔

اللہ تعالیٰ کے نام اقدس سے برکت حاصل کرتے ہوئے جو رحمٰن و رحیم ہے انہیں اللہ تعالیٰ ہی بہتر حفاظت و امان دینے والا ہے اور وہ سب رحم کرنے والوں سے زیادہ مہربان ہے میں اللہ تعالیٰ پر ایمان لایا ۔ اللہ تعالیٰ کی رضا پر راضی ہو چکا ہوں ۔ میں نے اللہ تعالیٰ پر توکل کیا ہے میں اللہ تعالیٰ کے دامنِ رحمت میں داخل ہو گیا ہوں ۔ اللہ تعالیٰ کی کتاب کے ساتھ چنگل مارا ہے اور اس کی آیات کے حصن حصین میں پناہ حاصل کی ہے اور اللہ تعالیٰ کے رسول برحق محمد بن عبد اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سایۂ رحمت میں پناہ و امان لی ہے ۔

(ف) یہ دعاء سیدی ابو الحسن شاذلی نے حزب الکفایہ میں ذکر کی ہے اور میں نے اس کو اور بعد والی دعاؤں کو مفاخر شاذلیہ سے نقل کیا ہے ۔

۱۵- اَللّٰهُمَّ بِحَقِّ مُحَمَّدٍ صلى الله عليه وسلم وَجِبْرِيْلَ وَمِيْكَائِيْلَ وَاِسْرَافِيْلَ وَعِزْرَائِيْلَ وَالرُّوْحِ عليهم السلام وَبِحَقِّ اَبِيْ بَكْرِ الصِّدِّيْقِ وَعُمَرَ الْفَارُوْقِ وَعُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ وَعَلِيِّ بْنِ اَبِيْ طَالِبٍ رضى الله عنهم اجمعين اَنْ تَقْضِيَ حَاجَتِيْ وَتَسْتَجِيْبَ دَعْوَتِيْ وَتَكْفِيَنِيْ مُهِمَّاتِيْ وَتَرْفَعَ عَنِّيْ مُلِمَّاتِيْ ۔

ترجمہ ! اے اللہ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور جبرئیل و میکائیل، اسرافیل و عزرائیل اور روح اعظم علیہم السلام

کے حقوق کا صدقہ اور خلفاء اربعہ رضی اللہ عنہم کے حقوق (جو تو نے اپنے ذمۂ کرم پر لے رکھے ہیں ان) کا صدقہ میری حاجت پوری فرما ۔ میری دعا کو شرفِ قبولیت بخش ۔ جملہ مہمات میں میری کفایت و کفالت فرما اور تمام نازل ہونے والے حوادثات کو مجھ سے دور فرما ۔

(ف) یہ دعا بھی حضرت ابو الحسن شاذلی رحمۃ اللہ علیہ نے حزب الدائرہ میں ذکر فرمائی ہے ۔

۱۶- یا من له الامر کله اسالك الخير کله و اعوذبك من الشر کله فانك انت الله الذی لا اله الا انت وحدك لا شريك لك الغنی الكريم الغفور الرحيم، اسالك بالنبی محمد صلی الله عليه وسلم الهادی الی صراط مستقيم (صراط الله الذی له ما فی السموات وما فی الارض الا الی الله تصير الامور) ان تهب لی مغفرة من عندك تشرح لی بها صدری وتيسر لی بها امری وتضع عنی بها وزری وترفع لی بها ذكری وتنزه بها فكری وتقدس بها سری وتكشف بها ضری وتعلی بها قدری كی اسبحك كثيرا واذكرك كثيرا انك كنت بنا بصيرا يا الله يا عليم يا خبير انك علی كل شیء قدير ۔

اے وہ ذات بالا و برتر کہ سب امور اس کے ساتھ مخصوص ہیں اور اس کے قبضۂ و اختیار میں ہیں ۔ میں تجھ سے ہر قسم کی خیر طلب کرتا ہوں اور ہر قسم کے شر سے پناہ مانگتا ہوں کیونکہ تو ہی اللہ اور معبود برحق ہے سوائے تیرے کوئی معبود نہیں ہے تو واحد و یکتا ہے تیرا کوئی شریک نہیں ہے تو غنی و کریم ہے اور غفور و رحیم ۔ میں تجھ سے نبی کریم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ سے سوال کرتا ہوں جو صراطِ مستقیم کی طرف رہنمائی فرمانے والے ہیں جو راستہ ہے اس اللہ معبود برحق کا جو زمین و آسمان کی ہر چیز کا مالک ہے یقیناً صرف اللہ تعالیٰ کی طرف ہی سب امور کی بازگشت ہے کہ تو مجھے اپنی طرف سے مغفرت خاصہ موہوب فرمائے جس کی وجہ سے میرے سینہ کو کھول دے اور میرے جملہ امور کو آسان بنا دے ۔ میرے جملہ اوزار و اثقال دور فرمائے ۔ اور اس کی بدولت میرے ذکر کو بلند فرمائے ۔ مجھے فکر کی پاکیزگی، سِر و باطن کا تقدس مضرات اور تکلیف دہ اشیاء کا کشف و دفاع، قدر و مقدار کا اعلاء و بلندی نصیب فرمائے تاکہ میں زیادہ سے زیادہ تیری تسبیح و تقدیس بیان کر سکوں اور بکثرت تجھے یاد کر سکوں ۔ کیونکہ تو روز ازل سے ہمارے متعلق بصیر و علیم ہے یا اللہ یا علیم یا خبیر بے شک تو ہر چیز پہ قادر ہے ۔

ف ۔ اس دعا کو بھی حضرت ابو الحسن شاذلی رحمۃ اللہ نے ذکر فرمایا ہے ۔

۱۷- اللهم انی اسالك باسمائك العظام وملائكتك الكرام وانبيائك عليهم الصلاة والسلام ونتوسل اليك بكل نبی ارسلته وكتاب انزلته وعمل تقبلته وخفی اوضحته وعسر يسرته ورتق فتقته وظلام نورته وخائف امنته ومتكلم اصمته ان تصرف كيد من كاد نی

بسوء ومن ارادنی بضر وقصدنی برحمتك یا ارحم الراحمین۔

اے اللہ میں تجھ سے تیرے اسماء عظام اور ملائکہ و رسل کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے وسیلہ سے دعا کرتا ہوں۔ اور تیری بارگاہ میں ہر اس نبی کا وسیلہ پیش کرتا ہوں جس کو تو نے مبعوث فرمایا۔ اور ہر کتاب کا جس کو نازل فرمایا ہر عمل مقبول اور ہر خفی کا جس کو تو نے واضح فرمایا اور ہر تنگی کا جس کو یُسر اور وسعت سے تبدیل فرمایا۔ ہر رتق اور بندش کا جس کو کھولا اور دور کیا۔ ہر ظلمت کا جس کو نور سے تبدیل فرمایا۔ ہر خوف زدہ کا جس کو امن و آشتی سے بہرہ ور فرمایا اور ہر متکلم کا جس کو (عطاء مسئول سے) خاموش فرمایا کہ مجھ سے ہر اس شخص کا کید و مکر دور فرما جو برائی کے ساتھ مجھے شکار کید و مکر کرنا چاہے۔ جو مجھے تکلیف اور نقصان پہنچانے کا قصد و ارادہ کرے برحمتک یا ارحم الراحمین۔

ف۔ اس دعا کو بھی حضرت شاذلی نے حزب الطمس میں ذکر کیا ہے۔

۱۸۔ اَقْسَمْتُ عَلَیْكَ بِحَاءِ الرَّحْمَةِ وَمِیْمِ الْمُلْكِ وَدَالِ الدَّوَامِ۔

اے اللہ! میں تجھے قسم دیتا ہوں حاء رحمت اور میم ملک اور دال دوام کی (اور چونکہ رحمت مجسم ذاتِ سرورِ کائنات ہے لہٰذا ان کے ساتھ توسل واستغاثہ حاء الرحمۃ میں ثابت ہوگیا) اس کو بھی حضرت شاذلی نے حزب الطمس میں ذکر کیا ہے۔

۱۹۔ اللھم انی اسالك باسمائك الحسنیٰ وصفاتك العلیا یا من بیدہ الابتلاء والمعافاۃ والشفاء والدواء اسالك بمعجزات نبیك محمد صلی اللہ علیہ وسلم وبرکات خلیلك ابراھیم علیہ الصلاۃ والسلام، وحرمۃ کلیمك موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام اشفنی۔

ترجمہ۔ اے اللہ میں تجھے تیرے اسماء حسنیٰ اور صفات علیاء کا واسطہ دیکر سوال کرتا ہوں اے ذات والاصفات جس کے قبضۂ قدرت میں ابتلاء بھی ہے اور عفو و معافات بھی اور شفا بھی ہے اور دوا بھی۔ میں تجھ سے تیرے محبوب کریم نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات کے وسیلہ سے اور ابراہیم خلیل علیہ السلام کے فیوض و برکات کے توسل سے اور موسیٰ کلیم علیہ السلام کی حرمت و عزت کے طفیل سوال کرتا ہوں کہ مجھے شفا عطا فرما۔

(ف) یہ دعا حضرت سیدی ابو محمد عبداللہ ابن ابی جمرہ صاحب مختصر البخاری سے ان کے شاگرد رشید ابن الحاج نے کتاب (المدخل) میں نقل کی ہے۔ اور ساتھ ہی یہ بھی انکشاف کیا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب میں ان کو اس دعا کی تعلیم دی تاکہ اس کو امراض کے ازالہ اور اسقام کی صحت کے لئے بطور رقیہ و دم استعمال کریں اور اسکے علاوہ بھی بہت سی دعائیں جو بارگاہِ نبوت سے ان کو سکھلائی گئیں علامہ ابن الحاج نے سب کو "المدخل" میں نقل کیا ہے۔

۲۰۔ اسئالك بصفاتك العلیا التی لایقدر احد علی وصفھا وباسمائك الحسنی التی لا یقدر احد ان یحصیھا، واسئالك بذاتك الجلیلۃ، وبنور وجھك الکریم، وبرکۃ نبیك محمد صلی

اللہ علیہ وسلم خاتم انبیائك ان تشفینی وتعافینی، وصلی اللہ علی سیدنا محمد وآلہ وصحبہ وسلم تسلیما کثیرا۔

ترجمہ: میں تجھ سے تیرے صفات عالیہ کے واسطہ سے سوال کرتا ہوں جن کے وصف و بیان پر کوئی قدرت نہیں رکھتا اور اسماء حسنیٰ کے واسطہ سے سوال کرتا ہوں جن کے احاطہ پر کسی کو قدرت نہیں۔ میں تجھ سے تیری ذاتِ جلیلہ اور ذاتِ کریمہ کے نور و ضیاء اور تیرے نبی کریم محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم خاتم الانبیاء کی برکت کے وسیلۂ جلیلہ سے سوال کرتا ہوں کہ مجھے شفاء و صحت اور تندرستی و عافیت نصیب فرمائے وصلی اللہ علی سیدنا محمد وآلہ وصحبہ وسلم تسلیماً کثیرًا۔

(ف) یہ دعا بھی ابن ابی جمرہ سے ان کے تلمیذ رشید ابن الحاج نے المدخل میں نقل کی ہے۔ یہ دعا بھی ان کو بارگاہ نبوی سے سکھلائی گئی تاکہ امراض و عوارض میں بطور رقیہ اس کو استعمال کریں اس کے علاوہ ایک اور دعا بھی ہے جس کو ابن الحاج نے نقل کیا ہے

۲۱۔ اَللّٰھُمَّ لَا تَحْرِمْنَا شَفَاعَتَهٗ وَلَا عِنَایَتَهٗ فِی الدُّنْیَا وَالْآخِرَةِ، وَاَدْخِلْنَا بِفَضْلِكَ فِیْ زُمْرَةِ الْمُتَّبِعِیْنَ لَهٗ بِاِحْسَانٍ اِلٰی یَوْمِ الدِّیْنِ بِجَاھِهٖ عِنْدَكَ فَاِنَّ جَاھَهٗ عِنْدَكَ عَظِیْمٌ۔

ترجمہ: اے اللہ ہمیں اپنے محبوب کریم علیہ السلام کی شفاعت اور نظرِ عنایت سے نہ دنیا میں محروم فرما اور نہ ہی آخرت میں اور اپنے فضلِ عظیم کے ساتھ ہمیں ان لوگوں کے زمرہ میں داخل فرما جو ان کی احسن طریقہ پر اتباع کرنے والے ہیں خواہ اب سے لے کر قربِ قیامت تک پیدا ہونے والے ہوں تجھے واسطہ اپنے حبیبِ کریم کی جاہ و مرتبت کا کیونکہ ان کی جاہ و مرتبت اور عزت و حرمت تیرے نزدیک عظیم ہے۔

(ف) یہ دعا ابو عبداللہ محمد بن الحاج نے اپنی کتاب "المدخل" میں آداب زیارۃ قبور الانبیاء والصالحین ذکر کرنے کے بعد نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے آدابِ زیارت میں نقل کی ہے۔

۲۲۔ الھی ان کنا قد عصیناك بجھل، فھا نحن قد دعوناك بعقل حیث علمنا ان لنا ربا یغفر الذنوب ولا یبالی۔ الھی اتحرق بالنار وجھا کان لك مصلیا، ولسانا کان لك ذاکرا وداعیا؟ لا بالذی دلنا علیك ورغبنا فیما امرنا بالخضوع بین یدیك وھو محمد خاتم انبیائك وسید اصفیائك فان حقہ علینا اعظم الحقوق بعد حقك کما ان منزلتہ لدیك اشرف منازل خلقك۔

ترجمہ: اے ہمارے معبود برحق اگر ہم نے جہل اور نادانی کی وجہ سے تیری نافرمانی کی ہے تو ہم عقل و فہم سے کام لیتے ہوئے تجھ سے دعاء و التجاء بھی کر رہے ہیں کیونکہ ہمیں یقین ہے کہ ہمارا ارادہ ہے جو گناہ معاف فرماتا ہے اور اسے (بے حد و حساب گناہوں کے بخشنے کی) کوئی پروا نہیں ہے۔ اے اللہ کیا تو آگ کے ساتھ اس چہرے کو جلائے گا جو تیرے لئے نماز میں سجدہ ریز ہونے والا تھا یا اس زبان کو جو تیرا ذکر کرنے والی تھی اور تجھ سے دعا کرنے والی

ہمارے ساتھ یہ سلوک نہ فرما تجھے اس ذات قدسی صفات کا واسطہ جس نے ہمیں تیرا راستہ دکھلایا اور اپنے احکام میں تیرے حضور خضوع وخشوع کی ترغیب دی یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم جو خاتم الانبیاء اور سید الاصفیاء ہیں کیونکہ ان کا حق تیرے حق کے بعد سب سے عظیم تر ہے جیسے ان کی منزلت تیرے نزدیک ساری مخلوق کی منازل سے اشرف و برتر ہے۔

(ف) یہ دعا سیدی عبد العزیز دریني کی ہے جو انہوں نے "طہارۃ القلوب" کی بیسویں فصل میں ذکر کی ہے۔

۲۳- اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ وَاَتَوَسَّلُ اِلَيْكَ بِسَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ صلى الله عليه وسلم وَبِالْاَنْبِيَاءِ وَالْمُرْسَلِيْنَ فِیْ قَضَاءِ حَاجَتِیْ يَاسَيِّدِیْ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ تَوَسَّلْتُ بِكَ اِلٰی رَبِّیْ۔

ترجمہ: اے اللہ میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اور تیری جنابِ اقدس میں وسیلہ بناتا ہوں اپنے سردار محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام انبیاء و مرسلین کو اپنی قضاء حاجات اور حلِ مشکلات میں۔ اے میرے سردار اے رسولِ خدا میں آپ کے ساتھ اپنے رب کی جناب میں متوسل ہوں۔

(ف) یہ دعا حضرت علامہ تاج الدین سبکی نے اپنے حزب میں نقل کی ہے۔

۲۴- اللهم انت عدتی ومونسی فی وحدتی وحافظی فی غربتی ودلیلی فی حیرتی وملجئی اذا ضاقت علی نفسی فیما یهولنی، فاسالك بحق وجهك الكريم وبكلامك القديم وبمحمد خاتم النبيين الامان بك والامان مما اخافه واحذره فقد استعنت بك واستغثت اليك وفوضت اموری كلها لديك لتحرسني وترعانی وتكلاني من شر من يقصدلی مكرا او حسدا اوخديعة او فتنة من جميع الجن والانس۔ اللهم بحق العرش والكرسی والنور الذی انزلت وبجاه سيدنا محمد صلی الله عليه وسلم وما انزلته عليه اكفنی فی يومی هذا شر من لاقدرة لی عليه واعتق علی من لا طاقة لی به وحنن علی قلب من احوجتنی اليه، وسخری لی قلب من نظرت اليه حسبی الله الذی لا اله الا هو عليه توكلت وهورب العرش العظيم۔

ترجمہ: اے اللہ تو ہی میرا سرو سامان ہے اور وحدت وتنہائی میں مونس وغمگسار غربت ومسافری میں محافظ و نگران۔ حیرت وسرگردانی میں دلیل وراہبر اور ہولناکیوں میں اپنے آپ سے تنگی اور بیزاری کے وقت میں ملجا و ماوی۔ لہٰذا میں تجھ سے سوال کرتا ہوں تیری ذات کریمہ کے صدقے میں کلام قدیم اور محمد خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ جلیلہ کے ساتھ تیری امان وحفاظت کا اور ہر اس چیز سے حفظ وامان کا جس سے میں خوفزدہ اور پرحذر ہوں۔ میں نے تجھ سے استعانت کی ہے اور تیری بارگاہِ اقدس میں استغاثہ پیش کیا ہے اور اپنے تمام امور و معاملات تیرے سپرد کئے ہیں تاکہ تو میری حراست وحفاظت اور نگرانی ونگہبانی فرماتے ہر اس

شخص کے شر سے جو میرے ساتھ مکر وفریب کاری یا حسد وبغض یا خداع اور مکاری یا فتنہ وابتلاء کا ارادہ رکھتا ہو، جنوں سے ہو یا انسانوں سے اے اللہ تجھے واسطہ عرش وکرسی کا اور اس نور کا جس کو تو نے نازل فرمایا۔ اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے جاہ وجلال کا اور جو کلام و وحی ان پر نازل فرمائی ہے اس کا واسطہ مجھے آج کے دن ہر اس شخص کے شر سے کفایت فرما جس کے دفاع کی مجھ میں قدرت نہیں ہے۔ اور ہر اس شخص کے خلاف میری اعانت فرما جس کے مقابلہ کی مجھ میں طاقت نہیں ہے اور ہر اس شخص کا دل مجھ پر نرم اور مہربان فرما جس کی طرف تو نے مجھے محتاج بنایا ہے۔ اور ہر اس شخص کا دل میرے لئے مسخر فرما جس کی طرف میں نظر احتیاج وافتقار سے دیکھوں۔ کافی ہے مجھے اللہ تعالیٰ جس کے علاوہ کوئی الٰہ ومعبود برحق نہیں ہے۔ میں نے اسی پر توکل کیا ہے اور وہی عرش عظیم کا مالک ہے۔

(ف) یہ دعا سیدی ابو الحسن سخاوی سے منقول ہے اور ان کی معروف ومشہور دعاؤں میں سے ایک ہے۔

۲۵- اللهم صل علی مقبول الشفاعة من جعلت طاعته لك طاعة وقدمته فی القدم فكان له القدم علی كل ذی قدم من عينته فی اليقين الاول بالمقام الاكمل وخصصته لكمال النظام وجعلته لبنة التمام، امام جامع الانس وخطيب حضرة القدس مظهر حقيقة الوجوب المنزه ومظهر اركان الجمال الانزه محمد الخلال واحمد الجلال وسلم عليه سلام الخصوصية بحضرة الربوبية؛ واتوسل به اليك الهی فی البعد عن كل لاهی؛ واسئلك فی القرب اليك والاعتماد عليك، الهی بسطت اليك يد الفاقة والافتقار وجئت بكمال الذلة والانكسار ووقفت بالباب وتوسلت بالاحباب فاجب سوالی ولاتخيب آمالی۔

ترجمہ: اے اللہ درود وصلوٰۃ نازل فرما اس ذات اقدس پر جن کی شفاعت مقبول ہے۔ جن کی طاعت کو تو نے اپنی طاعت قرار دیا ہے۔ جن کو تو نے ازل میں مراتب کمال میں جملہ کاملین وسابقین پر سبقت اور فوقیت بخشی۔ جن کو تو نے یقین اوّل میں مقام اکمل کے ساتھ ممتاز فرمایا۔ تکمیلِ نظام کے لئے ان کو مخصوص ٹھہرایا اور ان کو انبیاء ومرسلین کے قصر نبوت ورسالت کی آخری اینٹ قرار دیا جو جامع الانس کے امام اور حضرت قدس کے خطیب ہیں۔ وجوبِ منزہ کے مظہر حقیقت ہیں اور پاکیزہ تر جمال کے لئے مظہر ارکان جو محمود الخصال ہیں اور جلال باری کے سب سے زیادہ حامد وثناء گو۔ ان پر ایسا سلام نازل فرما جو حضرت ربوبیت کے ساتھ ہی خاص ہے۔

میں اس ذات والا صفات کا وسیلہ پیش کر کے التجاء کرتا ہوں ہر اس امر سے دوری کی جو غفلت میں مبتلا کرنے والا ہے اور تیرے قرب اور تجھ پر اعتماد وتوکل کی دولت عطا ہونے کا مطالبہ کرتا ہوں۔ اے میرے خدا میں نے فقر وفاقہ اور احتیاج وافتقار کے ہاتھ تیری جناب صمدیت میں دراز کئے ہیں۔ انتہائی عاجزی وانکساری

کے ساتھ آیا ہوں اور تیرے حریم ناز کے در اقدس پر کھڑا ہوں۔ تیرے جملہ انبیاء و اولیاء کا وسیلہ پیش کرتا ہوں
لہٰذا میرا سوال و مطالبہ پورا فرما۔ اور میری امیدوں اور آرزوؤں کو خائب اور ناکام و رسوا نہ فرما۔

(ف) یہ دعا حضرت سیدی محمد وفا رحمہ اللہ تعالےٰ سے منقول ہے اور ان کی معروف و مشہور دعاؤں میں سے ایک ہے۔

۲۶- اللھم صلی علی احمد امرک ومحمد خلقک واسعد کونک، اسالک اللھم بہ وبہ اسالک ان تصلی علیہ صلاۃ ذاتیۃ خاصۃ بہ عامۃ فی جمیع الواحہ الحرفیہ والاسمیۃ وجمیع مراتبہ العقلیۃ والعلمیۃ صلاۃ متصلۃ لا یمکن انفصالھا بسلب ولا بغیر ذلک بل یستحیل عقلا ونقلا وعلی آلہ واصحابہ الامھات الجوامع والخزائن الموانع وسلم تسلیما کثیرا۔ اللھم بک توسلت ومنک سالت وفیک لا فی شیء سواک رغبت لا اسال منک سواک ولا اطلب منک الا ایاک، اللھم واتوسل الیک فی قبول ذلک بالوسیلۃ العظمیٰ والفضیلۃ الکبریٰ سیدنا محمدؐ المصطفی والصفی المرتضی والنبی المجتبی، وبہ اسالک ان تصلی علیہ صلاۃ ابدیۃ دیمومیۃ قومیۃ الھیۃ ربانیۃ بحیث یشھد لی ذلک بعین کمالہ بشھادۃ معارف ذاتہ وعلی الہ وصحبہ کذلک، فانک ولی ذلک ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

ترجمہ۔ اے اللہ درود و صلاۃ بھیج اپنے امور تکوین کے سب سے زیادہ حمد و ثنا کرنے والے اور ساری مخلوق کے ممدوح و محمود اور سارے موجودات سے سعادت و نیک بختی میں بلند و بالا ہستی پر اے اللہ میں تیری جناب میں ان کا اور صرف ان کا وسیلہ پیش کر کے سوال کرتا ہوں کہ ان پر ایسی صلاۃ بھیج جو ان کی ذاتِ اقدس کے ساتھ خاص ربط و تعلق رکھتی ہو اور ان کے جمیع الواح حرفیہ و اسمیہ کو محیط و شامل ہو اور ان کے تمام مراتب عقلیہ و علمیہ کو حاوی و مستغرق ہو جو دائم و مسلسل ہو اور اس میں کبھی انفصال و انقطاع پیدا نہ ہو نہ بالفعل اور نہ عقلاً ممکن ہو۔ اور ان کے آل و اصحاب پر جو فیوض و برکات کے جامع سرچشمہ ہیں۔ اور علوم و عرفان کے محفوظ خزائن و بہت بہت تسلیمات و تحیات بھیج۔

اے اللہ میں نے تجھ سے توسل کیا۔ تجھ سے ہی سوال کیا اور صرف تجھ میں ہی رغبت کی ہے نہ غیر میں۔ میں تجھ سے تجھی کو طلب کرتا ہوں اور کسی دوسرے کا سوال نہیں کرتا۔ میں تیری جنابِ اقدس میں اس عرض و التجاء کی قبولیت کا سوال کرتا ہوں۔ وسیلہ عظمیٰ اور فضیلت کبریٰ محمد مصطفےٰ، صفی مرتضےٰ اور نبی مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے توسط سے اور انہیں کی وساطت سے سوال کرتا ہوں کہ ان پر درود و صلاۃ بھیج صلوٰۃ ابدیہ دائمہ متصلہ متواصلہ الٰہیہ ربانیہ تاکہ تیری اس صلوٰۃ و رحمت (اور میری دعا و التجاء) کی وجہ سے ان کا عین کمال میری معرفت معارفِ ذاتِ اقدس پر شہادت دے۔ اور ان کے آل و اصحاب پر بھی ایسی ہی صلاۃ بھیج کیونکہ تو ہی اس کا اہل ہے

اور نہیں معصیت سے روگردانی اور نیکی پر قوت مگر بتوفیقِ اللہ علی عظیم کے۔

(ف) یہ دعا بھی حضرت سیدی محمد وفا رحمۃ اللہ تعالیٰ سے منقول ہے۔

۲۷- اسئالک فی قبول ماسالتک ورغبت فیہ من فضلک وطلبتہ منک بالنور الاول والسر الانزہ الاکمل عین الرحمۃ الربانیۃ والبھجۃ الاختراعیہ والاکوانیۃ صاحب الملۃ الاسلامیۃ والحقائق العیانیۃ نور کل شیء وھداہ وسر کل سر وسناہ من فتحت بہ خزائن الرحمۃ والرحموت ومنحت بظھور انوارہ الملک والملکوت قطب دائرۃ الکمال ویاقوتہ تاج محاسن الجمال، عین المظاھر الالٰھیۃ ولطیفۃ تروحنات الحضرۃ القدسیۃ، مدد الامداد وجود الجود واحد الآحاد وسر الوجود واسطۃ عقد السلوک وشرف الاملاک والملوک، بدر المعارف فی سموات الدقائق وشمس العوارف فی عروش الحقائق، بابک الاعظم وصراطک الاقوم وبرقک اللامع ونورک الساطع ومعناک الذی ھو بافق کل قلب سلیم طالع، وسرک المنزہ الساری فی جزئیات العالم وکلیاتہ علویاتہ وسلفیاتہ۔

ترجمہ۔ اے اللہ میں تجھ سے اپنے سوالات اور مرغوبات کی قبولیت کا سوال کرتا ہوں اور ہر اس شیئ کے مہیا کرنے کا جو میں نے تجھ سے طلب کی ہے بوسیلہ نور اول۔ سر اقدس و اکمل جو سراپا رحمت ربانیہ ہیں اور ایجاد و اختراع کی بہجت و رونق۔ ملتِ اسلامیہ اور حقائقِ عیانیہ کے مالک ہیں۔ ہر شیئ کا نور و ہدایت ہیں۔ ہر راز و رمز کا سر مخفی اور چمک و ظہور ہیں جن کی بدولت رحمت و رحموت کے خزائن اہلِ عالم پر کھولے گئے۔ اور ان کے ظہور انوار سے ملک و ملکوت کو غیر محدود نعمتیں عطا کی گئیں۔ وہ دائرہ کمال کے قطب و مرکز ہیں اور محاسنِ جمال کے تاج کا در شاہوار۔ سراپا مظاہر الٰہیہ ہیں اور حضرت قدسیہ کے عنبریں روائح کا لطیف نمونہ۔ مددگارانِ خلق کے مددگار اور فریاد رس۔ جواد اور محسنان جہان کے لئے سرچشمہ جود و عطا یکتا اور یگانۂ روزگار۔ سر وجود و ہستی۔ سلوک و معرفت کا واسطۂ عقد۔ ملائکہ اور ملوک کے شرف و فخر، دقائق کے آسمانوں کے لئے بدرِ معارف۔ حقائق کے عرشوں کے لئے شمس عوارف۔ حریم خداوندی کے بابِ اعظم اور صراط اقوم و قویم۔ تیرے انوار سے چمکتی برق اور نور ساطع و غالب۔ اور ہر قلب سلیم کے افق پر طلوع ہونے والا تیرا عظیم آفتابِ معنی۔ تمام عالم کے جزئیات و کلیات اور علویات و سفلیات میں سرایت فرما سر منزہ و اقدس۔

(ف) یہ دعا بھی حضرت سیدی محمد وفا سے ان کے خلیفہ ابو المواہب شاذلی نے اپنے حزب الفردانیہ میں نقل کی ہے۔

۲۸- اللھم انا نسالک قبول السئوال یا من لم یزل یعطی السئوال بمن خصصتہ فی الازل بمراتب التکمیل بعد الکمال حائز الفضیلۃ وصاحب الوسیلۃ فاتح خزائن الاسرار وخاتم

دورات الانوار رونق کل اشارۃ لطیفۃ تشیر الی کمال المعانی المنیفۃ بالاشارات العرفانیۃ فی الحضرات الربانیۃ، ذی الجناب الرفیع سیدنا ومولانا محمد الشفیع۔

ترجمہ۔ اے اللہ اے ہمیشہ ہمیشہ سائلین کے سوال پورے کرنے والے ہم تجھ سے اس مقدس ہستی کے طفیل سوال قبول کرنے کی التجاء کرتے ہیں جن کو تونے ازل میں کامل ہونے کے بعد مراتب تکمیل وارشاد کے ساتھ مخصوص ٹھہرایا۔ جو ہر قسم کی فضیلت کو جمع کرنے والے ہیں اور صاحبِ وسیلہ۔ خزائنِ اسرار کے کھولنے والے ہیں اور دور ہائے انوار کے خاتم۔ ہر اشارہ لطیفہ کی رونق و بہار ہیں جو عمدہ اور کامل معانی کی طرف اشارہ کرنے والے ہیں ساتھ اشارات عرفانیہ کے حضرات ربانیہ میں۔ رفیع و بلند مرتبت بارگاہ والے ہیں یعنی سیدنا و مولانا محمد شفیع الخلق۔

(ف) یہ دعا بھی سیدی محمد وفا رحمہ اللہ تعالیٰ سے حزب النجات میں منقول ہے۔

۲۹- اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ وَاَتَوَجَّہُ اِلَیْکَ بِحَبِیْبِکَ الْمُصْطَفٰی عِنْدَکَ یَا حَبِیْبَنَا، یَا مُحَمَّدُ اِنَّا نَتَوَسَّلُ بِکَ اِلٰی رَبِّکَ فَاشْفَعْ لَنَا عِنْدَ الْمَوْلَی الْعَظِیْمِ یَا نِعْمَ الرَّسُوْلُ الطَّاھِرُ، اَللّٰھُمَّ شَفِّعْہُ فِیْنَا بِجَاھِہٖ عِنْدَکَ۔

ترجمہ۔ اے اللہ میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اور تیرے درِ اقدس کی طرف متوجہ ہوتا ہوں تیرے حبیب کے وسیلہ سے جو ہمارے نزدیک بھی ساری مخلوق سے چنے ہوئے ہیں۔ اے ہمارے حبیب اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔ ہم آپ کے وسیلہ سے آپ کے رب جل و علیٰ کی طرف متوسل ہیں لہٰذا اپنے مولائے عظیم کی بارگاہ میں ہمارے لئے شفاعت فرمایئے۔ اے بہتر وطاہر رسول۔ اے اللہ ان کے جاہ مرتبت اور رفعت منزلت کا صدقہ انہیں ہمارے حق میں شفیع بنا۔

(ف) یہ دعا سیدی ابو عبداللہ محمد بن سلیمان جزولی نے دلائل الخیرات میں ذکر فرمائی ہے۔ زیادہ تر کلمات حدیث نبوی سے ماخوذ ہیں۔

۳۰- اَللّٰھُمَّ یَا رَبِّ بِجَاہِ نَبِیِّکَ الْمُصْطَفٰی وَرَسُوْلِکَ الْمُرْتَضٰی طَھِّرْ قُلُوْبَنَا مِنْ کُلِّ وَصْفٍ یُّبَاعِدُنَا عَنْ مُشَاھَدَتِکَ وَمُحَبَّتِکَ، وَاَمِتْنَا عَلَی السُّنَّۃِ وَالْجَمَاعَۃِ وَالشَّوْقِ اِلٰی لِقَائِکَ یَا ذَا الْجَلَالِ وَالْاِکْرَامِ، وَصَلَّی اللّٰہُ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِہٖ وَصَحْبِہٖ وَسَلَّمَ تَسْلِیْمًا وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ۔

ترجمہ۔ اے اللہ اپنے نبیٔ مصطفےٰ اور رسولِ مرتضےٰ کے جاہ و مرتبت کا صدقہ ہمارے دلوں کو ہر اس صفت رذیلہ سے پاک فرما جو ہمیں تیرے مشاہدہ و محبت سے دور کرے۔ اور ہمیں سنتِ نبوی اور جماعت صحابہ کے مذہب و مسلک اور اپنے شوق لقاء پر موت نصیب فرما یا ذا الجلال والاکرام وصلی اللہ علیٰ سیدنا محمد وعلیٰ آلہ وصحبہ وسلم تسلیما والحمد للہ رب العالمین۔

(ف) یہ دعا بھی سیدی ابو عبداللہ محمد بن سلیمان جزولی نے دلائل الخیرات میں ذکر فرمائی ہے۔

۳۱- ونسالک اللھم ان لا تواخذنا بما انطوت علیہ ضمائرنا واکنتہ سرائرنا من انواع القبائح والمعایب التی تعلمھا منا ولا نعلمھا او نعلمھا ولا تسمح نفوسنا بالتنقی منھا والتنزہ عنھا اغترارا منا بحلمک واستھانۃ بنظرک وعلمک، ونرغب الیک اللھم ان تمن علینا بتوبۃ تمحو عنا کل حوبۃ حتی تنقلب اعداؤنا عنا خائبین خاسئین داخرین صاغرین لم ینالوا من تحقق ارادتھم فینا مطلبا ولم یبلغوا من عدم اسعافک ایانا بما طلبناہ منک مآربا وان تشمل فی ذلک معنا کل من امن علی ھذا الدعاء ممن سمعہ وممن دعا لنا بمثلہ من اخواننا المسلمین ونتوسل الیک فی بلوغ الامل والوصول الی المبتغی الاجل بمن انصرفنا بہ عن تولی کل جحود وکفور واخرجنا علی یدیہ من الظلمات الی النور سیدنا ومولانا محمد خاتم النبیین وامام المرسلین وحبیب رب العالمین صلی اللہ علیہ وعلی آلہ الطیبین الطاھرین واصحابہ البررۃ الاکرمین وتابعیھم باحسان الی یوم الدین وسلم تسلیما کثیرا، والحمد للہ رب العالمین۔

ترجمہ اے اللہ ہم تیری بارگاہ اقدس میں دامن سوال پھیلاتے ہیں اس آرزو کے ساتھ کہ نہ مؤاخذہ فرمائے ان عیوب و نقائص پر جن کو ہمارے ضمائر و قلوب اپنے اندر چھپائے ہوئے ہیں جنہیں تو جانتا ہے اور ہم نہیں جانتے یا ہم جانتے تو ہیں مگر ان سے تنقیہ اور تنزہ اور علیحدگی واجتناب پر ہمارے نفوس آمادہ نہیں ہوتے تیرے حلم و بردباری پر غرہ ہو کر اور تیرے علم و نظر کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے بلکہ اس سے صرف نظر کرتے ہوئے۔ اے اللہ ہم تیری بارگاہ بے نیاز کی طرف راغب ہیں کہ ہمیں ایسی توبہ کی توفیق مرحمت فرماتے جو ہم سے ہر گناہ کو محو کر دے حتیٰ کہ ہمارے اعداء و بدخواہ خائب و خاسر ہو جائیں اور ذلیل و حقیر۔ اپنے ارادوں کے پایۂ تکمیل تک پہنچنے اور مطلب تک رسائی سے بہرہ ور نہ ہو سکیں۔ اور ہماری دعا کی نامقبولی اور مطلوب کے عدم حصول سے ان کی مطلب براری نہ ہو سکے۔ اور ہمارے ساتھ اس دعاء میں ہر اس شخص کو شامل فرما جس نے اس کو سن کر آمین کہی یا اہلِ اسلام بھائیوں سے جس نے ہمارے لئے بھی اس قسم کی دعا کی ہم اہل دآرزو تک وصول میں اور مقصد و مطلب تک رسائی میں اس ذات اقدس سے توسل و استغاثہ کرتے ہیں جن کی بدولت ہمیں ہر منکر معاند اور کافر مجاہر کی دوستی اور محبت سے چھٹکارا نصیب ہوا اور ان کی بدولت ہمیں ظلماتِ کفر سے نورِ ایمان کی طرف نکلنے کی سعادت نصیب ہوئی یعنی سیدنا محمد خاتم النبیین امام المرسلین وحبیب رب العالمین صلی اللہ علیہ علی وآلہ الطیبین الطاہرین و اصحابہ البررۃ الاکرمین وتابعیھم باحسان الی یوم الدین وسلم تسلیماً کثیراً کثیراً الحمد للہ رب العالمین۔

(ف) اس دعاو استغاثہ کو ابن عباد الرندی نے شرح الحکم العطایۃ کے آخر میں ذکر کیا ہے۔ اگرچہ اصل کتاب میں ضمیر غائب کے ساتھ یعنی نَسْأَلُہٗ ذکر کیا گیا ہے مگر ہم نے اس کو ضمیر خطاب سے بدل دیا اور لفظ اللّٰھم کا اضافہ بھی کر دیا ہے۔

۳۲- اللھم انی اقسم علیک بجلال الھویۃ وجمال الحضرۃ القدسیۃ والانوار المحمدیۃ والاسرار الاحمدیۃ والخلافۃ القبطانیۃ والمظاھر الصدیقیۃ والشموس العرفانیۃ والاقمار الایمانیۃ والنجوم العلمیۃ والاکوان العلمیۃ وبما بطن فی الازل وبما ظھر فی الابد من نبی ورسول وعالم وعامل وولی ووارث وجامع ان تجمع لی خصائص القرب ونفحات الحب ورقائق العلم ودقائق الفھم ولطائف العرفان وحضرات الاحسان ومشاھد الشھود والتصریف فی الوجود بالسر الذی خضع لہ کل شیء، والاسم الذی لا یضر معہ شئ، والذکر الذی طرد کل شیطان مارد وقمع کل باغ حاسد وقھر کل ظالم واعز کل متواضع عالم وجذب کل محب صادق واصطفی کل خلیل مصادق۔

ترجمہ۔ اے اللہ میں تجھے قسم دیتا ہوں جلال ہویت وذات کی اور حضرت قدسیہ کے جمال کی۔ انوار محمدیہ اور اسرار احمدیہ کی۔ خلافت عامہ وشاملہ مظاہر صدیقیہ۔ آفتابہائے عرفان ماہتابہائے ایمان اور ستارگان علم وآگہی کی اعیان واکوان علمیہ کی اور جو کچھ بطن ازل میں ہے اور جو کچھ ابد میں ظاہر ہونے والا ہے اس کی یعنی نبی رسول۔ عالم وعامل اور ولی دوارث (خلافت الٰہیہ اور نیابت نبویہ) اور قسم دے کر یہ سوال والتجاء کرتا ہوں کہ میرے لئے خصائص قرب اور نفحاتِ محبت، اسرارِ علم اور دقائق فہم لطائف عرفان اور قربتہائے احسان، مشاہد شہود وحضور اور مناظر تصرف تکوین کو جمع فرما تجھے واسطہ اس سرِ اقدس کا جس کے آگے ہر چیز سر افگندہ ہو گئی ہے اور اس اسم اطہر کا جس کے ساتھ ہر مضر ونقصان دہ چیز کی مضرت اور نقصان سے تحفظ دامن حاصل ہو جاتا ہے۔ وسیلہ اس ذکر پاک کا جو ہر سرکش شیطان کے مار بھگانے کا ذریعہ ہے۔ ہر باغی وحاسد کے قلع وقمع کا موجب، ہر ظالم کے مقہور ومغلوب ہونے کا باعث ہے، جس نے ہر عالم متواضع کو عزت وعظمت آشنا کیا۔ اور ہر محب صادق کو جذب وشوق کی شراب طہور سے سرمست کیا اور مخلص خلیل کو درجہ اصطفاء واجتباء کی رفعتوں سے سرفراز کیا۔

(ف) یہ دعاء حضرت سیدی ابوالمواہب شاذلی رحمہ اللہ تعالےٰ کی ہے جو حزب الفردانیہ میں مذکور ہے۔

۳۳- اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْکَ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ مَا اَکْرَمَکَ عَلَیَّ۔ اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْکَ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ مَاخَابَ مَنْ تَوَسَّلَ بِکَ اِلَی اللّٰہِ۔ اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْکَ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ اَلْاَمْلَاکُ تَشَفَّعَتْ بِکَ عِنْدَ اللّٰہِ اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْکَ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ مَنْ اَتٰی بِبَابِکَ مُتَوَسِّلًا قَبِلَہُ اللّٰہُ۔ اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْکَ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ مَنْ حَطَّ رَحْلَ ذُنُوْبِہٖ فِیْ عَتَبَاتِکَ غَفَرَلَہُ اللّٰہُ،

اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْکَ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ مَنْ دَخَلَ حَرَمَکَ خَائِفًا اٰمَنَہُ اللّٰہُ۔ اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْکَ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ مَنْ لَاذَ بِجَنَابِکَ وَعَلَّقَ بِاَذْیَالِ جَاھِکَ اَعَزَّہُ اللّٰہُ۔ اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْکَ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ مَنْ اَمَّلَکَ وَاَمَّلَکَ لَمْ یَخِبْ مِنْ فَضْلِکَ لَاوَاللّٰہِ۔ اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْکَ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ اَمَّلْنَا بِشَفَاعَتِکَ وَجِوَارِکَ عِنْدَ اللّٰہِ اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْکَ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ تَوَسَّلْنَا بِکَ فِی الْقَبُوْلِ عَسٰی وَلَعَلَّ نَکُوْنُ مِمَّنْ تَوَلَّاہُ اللّٰہُ اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْکَ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ بِکَ نَرْجُوْ بُلُوْغَ الْاَمَلِ وَلَا نَخَافُ الْعَطَشَ حَاشَا وَاللّٰہِ اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْکَ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ مُحِبُّوْکَ مِنْ اُمَّتِکَ وَاقِفُوْنَ بِبَابِکَ یَا اَکْرَمَ خَلْقِ اللّٰہِ اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا وَسِیْلَتَنَا اِلَی اللّٰہِ قَصَدْنَاکَ وَقَدْ فَارَقْنَا سِوَاکَ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْکَ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ اَلْعَرَبُ یَحْمُوْنَ النَّزِیْلَ وَیُجِیْرُوْنَ الدَّخِیْلَ وَاَنْتَ سَیِّدُ الْعَرَبِ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْکَ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ قَدْ نَزَلْنَا بِحَیِّکَ وَاسْتَجَرْنَا بِجَنَابِکَ وَاَقْسَمْنَا بِحَیَاتِکَ عَلَی اللّٰہِ اَنْتَ الْغِیَاثُ وَاَنْتَ الْمَلَاذُ فَاَغِثْنَا بِجَاھِکَ الْوَجِیْہِ الَّذِیْ لَا یَرُدُّہُ اللّٰہُ۔

ترجمہ۔ صلوٰۃ وسلام نازل ہو آپ پر یارسول اللہ آپ مجھ پر کتنے ہی کریم ہیں۔

صلوٰۃ وسلام نازل ہو آپ پر یارسول اللہ! خائب ونامراد نہ ہوا وہ شخص جس نے آپ سے توسل کیا بارگاہِ خداوندی میں۔

درود وسلام ہو آپ پر یارسول اللہ! ملائکہ نے اللہ تعالےٰ کے حضور آپ کے ساتھ توسل واستغاثہ کیا۔

درود وسلام ہو آپ پر یارسول اللہ جو بھی آپ کے درِ اقدس پر توسل واستغاثہ کے لئے حاضر ہوا اللہ تعالےٰ نے اس کو قبول فرمالیا۔

صلوٰۃ وسلام ہو آپ پر یارسول اللہ جس نے اپنے ذنوب وآثام کا بار لاکر آپ کی چوکھٹ پر رکھ دیا اللہ تعالیٰ نے اس کو بخش دیا۔

صلوٰۃ وسلام ہو آپ پر یارسول اللہ جو شخص بھی خوف زدہ ہو کر آپ کے حریم امن میں داخل ہو گیا اللہ تعالےٰ نے اس کو امن دے دیا۔

صلوٰۃ وسلام ہو آپ پر یارسول اللہ جس شخص نے آپ کی بارگاہِ اقدس کی پناہ لی اور آپ کے دامنِ جاہ وجلال سے وابستہ ہو گیا اللہ تعالےٰ نے اس کو عزت بخشی۔

صلوٰۃ وسلام ہو آپ پر یارسول اللہ جس شخص نے آپ کا قصد کیا اور آپ سے امیدیں وابستہ کیں بخدا وہ آپ کے فضل سے محروم تمنا نہ رہا۔

صلواۃ وسلام نازل ہو آپ پر یارسول اللہ ہم اللہ تعالےٰ کے ہاں آپ کی شفاعت اور جوارِ رحمت کے حصول کی امید رکھتے ہیں۔

صلواۃ وسلام نازل ہو آپ پر یارسول اللہ ہم نے جنابِ الٰہی میں قبولیت کے لئے آپ سے توسل کیا ہمیں امید قوی ہے کہ ہم ان لوگوں کے زمرہ میں داخل ہوں گے جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنی محبت والفت سے نوازا ہے۔

الصلوٰۃ والسلام علیک یارسول اللہ۔ ہم آپ کے توسل سے ہی مرام ومقاصد تک رسائی کے امیدوار ہیں اور روزِ حشر کی پیاس سے بخدا خوفزدہ اور ہراساں نہیں ہیں۔

الصلوٰۃ والسلام علیک یارسول اللہ۔ آپ کی امت میں آپ کے محبین آپ کے درِ اقدس پر حاضر کھڑے ہیں اے سب خلقِ خدا سے کریم تر۔

الصلوٰۃ والسلام علیک یارسول اللہ اے بارگاہ قدس میں ہمارے وسیلہ و آسرا ہم نے سب اعتبار سے قطع تعلق کر کے صرف آپ سے امیدوں کو وابستہ کیا ہے۔

الصلوٰۃ والسلام علیک یارسول اللہ۔ عرب لوگ اپنے مہمانوں کی حمایت وحفاظت کرتے ہیں اور اپنے ہاں داخل ہونے والے کو پناہ دیتے ہیں۔ اے رسولِ خدا آپ سید عرب ہیں۔

الصلوٰۃ والسلام علیک یارسول اللہ ہم آپ کے قبیلہ میں فروکش ہوئے ہیں اور آپ کی بارگاہِ اقدس کی پناہ ڈھونڈی ہے اور اللہ تبارک وتعالیٰ کو آپ کی حیاتِ پاک کی قسم دی ہے آپ فریادرس ہیں اور جائے پناہ۔ لہٰذا اپنی جاہ ومنزلت کا صدقہ جو اللہ تعالےٰ کے ہاں قابلِ استرداد نہیں ہے ہماری فریادرسی فرمایئے۔

(ف) یہ دعا بھی حضرت ابوالحسن شاذلی کی ہے اور ان کی معروف صورت میں مندرج ہے جو بارگاہِ نبوی کی حاضری کے وقت مانگی جاتی ہے۔

۳۴- اَللّٰھُمَّ اِنَّا نَسْأَلُکَ قَبُوْلَ السُّؤَالِ یَا مَنْ لَا یَزَالُ یُعْطِی النَّوَالَ بِمَنْ خَصَّصْتَہٗ فِی الْاَزَلِ بِمَرَاتِبِ التَّکْمِیْلِ بَعْدَ الْکَمَالِ حَائِزِ الْفَضِیْلَۃِ وَصَاحِبِ الْوَسِیْلَۃِ، فَاتِحِ خَزَائِنِ الْاَسْرَارِ وَخَاتِمِ دَوَرَاتِ الْاَنْوَارِ، رَوْنَقِ کُلِّ اِشَارَۃٍ لَطِیْفَۃٍ تُشِیْرُ اِلٰی کَمَالِ الْمَعَانِی الْمُنِیْفَۃِ بِالْاِشَارَاتِ الْعِرْفَانِیَّۃِ فِی الْحَضَرَاتِ الرَّبَّانِیَّۃِ ذِی الْجَنَابِ الرَّفِیْعِ سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدِنِ الشَّفِیْعِ۔

(نوٹ) یہ دعا حضرت ابوالمواہب شاذلی نے حزب التنزیہہ میں ذکر کی ہے اور انہیں الفاظ کے ساتھ ۲۸ میں بحوالہ حزب النجاۃ لحضرت علی الوفا رحمہ اللہ تعالےٰ گذر چکی ہے حرف یامن لم یزل یعطی السوال کی جگہ یہاں پر یامن لایزال یعطی النوال آگیا ہے۔

۳۵- یاحمید یامجید یاصاحب العرش المحیط یاحامل العرش بقدرتہ عن حملۃ العرش بسر اسرافیل و میکائیل وجبریل وعزرائیل وبمحمد صلی اللہ علیہ وسلم وابی بکر وعمر وعثمان وعلی وبسر حروف مبادی السور واختم و«ب احون قاف ادم حم ھاء آمین» الامان الامان یاحنان یامنان یارؤف یاعظیم آمین، وسلام علی المرسلین والحمد للہ رب العالمین۔

ترجمہ: اے حمید ومجید، اے صاحب عرشِ محیط، اے وہ ذاتِ اقدس جو اپنی قدرت کاملہ سے حاملینِ عرش ملائکہ سے بارِ عرش کو خود اٹھائے ہوئے ہے۔ سرِ اسرافیل ومیکائیل اور سرِ جبرئیل وعزرائیل کا واسطہ، محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر فاروق، حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہم کا صدقہ، سورتہائے قرآنیہ کے ابتدائی اور آخری حروف " ب أحون قاف أدم حم ھاء آمین۔ کا واسطہ ہمیں امان عطافرما امن وعافیت عطافرما۔ یاحنان ویامنان یارؤف یاعظیم آمین۔ سلام ہو انبیاء ومرسلین پر اور حمد ہے اللہ رب العالمین کے لئے۔

(ف) یہ دعا حضرتِ ابوالمواہب نے حزب الحفظ میں ذکر کی ہے۔

۳۶- بسم اللہ الباعث لک رحمۃ للعالمین بالصراط المستقیم ومغیثا للمستغیثین وراحۃ للمسترئفین وجامعا لشمل المتفرقین ووصلۃ للمنقطعین وامانا للخائفین ودلیلا للحائرین وعصمۃ للمستعصمین، اتوسل الیک بک واسالک یاحبیب رب العالمین بوجھتک ومواجھتک وتوجیھک ووجاھتک وجاھک وکرامتک وتخصیصک وخصوصیتک ومابینک وبین ربک وبما لا یعلمہ الا ھو وبما اعطاک من علم وشھود ومقام وعھود وکمال وعقود ووصلۃ وحق وحقیقۃ ورافۃ ورحمۃ وعنایۃ وشفقۃ علی عبیدہ امتک اللائذین بجنابک الواقفین بارواحھم واشباحھم علی بابک المتوسلین بتراب اعتابک المتوسمین بک من مولاک فوق مافی امالھم فی دنیاھم ومالھم فیا لغین بک ذلک فھا عبدک فلان بن فلان اقلھم واذلھم الی بین یدیہ ویدیک یسالک الشفاعۃ والرحمۃ الشاملۃ والعفو والرافۃ العامۃ الکاملۃ والتوفیق الی طاعتہ واتباع سبیلہ بک معافی من جمیع مالا یرضیہ مستھلکا جمیع حرکاتہ وسکناتہ الباطنۃ والظاھرۃ من مدارکہ ابدا الی مراضیہ۔

اس ذاتِ اقدس کے نامِ اقدس کی برکت سے جس نے آپ کو سب جہانوں کے لئے سراپا رحمت بنا کر صراطِ مستقیم

کے ساتھ مبعوث فرمایا فریاد رسی کی اپیل کرنے والوں کے لئے فریاد رس اور طالبانِ رأفت و رحمت کے لئے سراپا راحت بنا کر بھیجا، تفرقہ و پراگندگی کے شکار لوگوں کے لئے سامانِ جمعیت و اتحاد، انفصال و انقطاع سے دوچار لوگوں کے لئے سرمایہ وصل و اتصال، خوفزدگان کے لئے سراپا امان، حیرانگی و سرگردانگی میں مبتلا لوگوں کے لئے دلیل و برہان اور متلاشیانِ عصمت کے لئے مایۂ عصمت و عفت بنا کر مبعوث فرمایا۔

میں آپ کی بارگاہِ اقدس میں آپ کا وسیلہ پیش کرتا ہوں اور آپ سے سوال کرتا ہوں اے حبیب رب العالمین بواسطہ آپ کی وجہت و مواجہت، توجیہ و وجاہت جاہ و حشمت اور کرامت و حرمت اور تخصیص و خصوصیت کے اور بوسیلہ اس ربط و تعلق مخصوص کے جو آپ کے اور اللہ تعالےٰ کے درمیان ہے اور بطفیل ان امور کے جو صرف اللہ تعالےٰ کے علم میں ہیں اور بتوسط اس علم و شہود اور مقام و عہود، اور کمال و عقود کے جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو عطا کر رکھے ہیں اور بطفیل اس وصل و اتصال اور حق و حقیقت کے جو جنابِ باری سے آپ کو حاصل ہے اور بوسیلہ اس رافت و رحمت اور عنائت و شفقت کے جو اس نے اپنے بندوں اور آپ کی امت کے ان افراد پر فرمائی ہے جو آپ کی بارگاہِ والا کی پناہ پکڑنے والے ہیں اور اپنے ارواح و اجسام کے ساتھ آپ کے درِ اقدس پر حاضر ہیں اور آپ کی چوکھٹ اور دہلیزِ در کی خاکِ پاک کو وسیلہ بنانے والے ہیں۔ جو آپ کی بدولت آپ کے آقا و مولیٰ سے وہ کچھ معلوم کرنے والے ہیں جو ان کی دنیاوی اور اخروی امیدوں اور آرزوؤں سے زائد ہے اور آپ کے توسل سے ان معلومہ معارف تک رسائی حاصل کرنے والے ہیں۔

پس غور فرمایئے اور نگاہ لطف اٹھا کر دیکھئے آپ کا فلاں بن فلاں خادم اور زرنا خریدہ غلام جو میرے نزدیک سب سے مرتبہ و مقام میں قلیل و ذلیل ہے آپ کے خدائے بزرگ و برتر اور آپ کے سامنے حاضر ہے جو آپ سے شفاعت و رحمت عامہ، عفو و درگذر اور رأفت عامہ کاملہ کا سائل ہے اور توفیق طاعت اور اتباع سبیل و صراطِ مستقیم کا طلب گار ہے دراں حالیکہ اس کو ان جملہ امور سے معافی دی گئی ہو جو اللہ تعالیٰ کو پسند نہ ہوں۔ اور اس کے حواس و مدارک کے جملہ حرکات و سکنات ظاہرہ و باطنہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اللہ تعالےٰ کی رضامندیوں میں فنا پذیر ہوں اور کوئی فعل و اقدام رضاء الہیٰ کے خلاف نہ ہو۔

(ف) یہ دعا شیخ ابراہیم المواہب شاذلی نے اپنی ان دعاؤں میں ذکر کی ہے جو بارگاہِ نبوی کی حاضری کے وقت اور روضۂ اقدس کی زیارت کے وقت مانگی جاتی ہیں۔

۳۷- نسالك اللهم من فضلك العظيم ان تمنحنا بفضلك العظيم انوار علوم الرقائق المحمدية بدقيق اشارات (وعلمك مالم تكن تعلم وكان فضل الله عليك عظيما) وتخصصنا بكرمك من حضرة الرحمة الشاملة والنعمة الكاملة النبوية باثابة الفتح القريب

والفتح المبين والفتح المطلق فتوح المواهب الاحمدية بلمحات لحظات خطاب (اليوم اكملت لكم دينكم واتممت عليكم نعمتي ورضيت لكم الاسلام دينا) وتبيحنا من ارفع المخادع اعلى شرف المجد الاسني واجل مراتب القطبية الكبرى واكمل الاخلاق العلية العظمى في مقام قاب قوسين او ادنى بواسطة احمدك المخصوص بثبات (ما زاغ البصر وما طغى) يا ذا الكرم العظيم والعطاء الجسيم والفضل العميم بحرمة هذا النبي الكريم۔ اللهم انا نسالك ونتوسل اليك بحبك لحبيبك وحب حبيبك لك وبدنوه منك وبتدليك له وبالسبب الذي بينك وبينه ان تصلي وتسلم عليه وعلى آله وصحبه صلوٰة وسلاما خصصته بهما لخصوصيته بما استاثرت له عندك في عالم الغيب والشهادة لمخاطبتك اياه بقولك (ما خلقت خلقا احب ولا اكرم علي منك) وآته الوسيلة والفضيلة والشرف الاعلى والدرجة الرفيعة وابعثه المقام المحمود الذي وعدته يا ارحم الراحمين يا رب العالمين۔

ترجمہ۔ اے اللہ ہم تیرے فضل عظیم کے وسیلہ سے دست سوال دراز کناں ہیں کہ ہمیں اسرار محمدیہ کے انوار علمیہ سے بہرہ ور فرما ساتھ دقیق اشارات وَعَلَّمَكَ مَالَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيمًا۔ کے یعنی اللہ تعالےٰ نے تعلیم دی آپ کو ہر چیز کی جو پہلے آپ کے علم میں نہیں تھی اور آپ پر اللہ تعالیٰ کا عظیم فضل و احسان ہے۔

اور سوال کرتے ہیں اس امر کا کہ ہمیں مخصوص ٹھہرائے صدقہ اپنے کرم خاص کا بارگاہ نبویہ کی رحمت شاملہ اور نعمت کاملہ کے ساتھ بسبب عطا کرنے فتح قریب، فتح مبین اور فتح مطلق کے یعنی مواہب احمدیہ کے فتوح و انکشاف کے ساتھ "اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا"، کے خطاب جلیل کے انوارِ تامل کے یعنی آج کے دن میں نے تمہارے لئے تمہارے دین کو کامل کر دیا تم پر اپنی نعمت تام کر دی اور تمہارے لئے اسلام کو بطور دین پسند کیا اور اس عظیم مقصد کے لئے دست بدعا ہیں کہ ہمیں بلند ترین مراتبِ مجد و شرفِ اعلیٰ کے ارفع مقام پر فائز فرمائیے اور مقام قاب قوسین او ادنی میں قطبیت کبریٰ کے مراتب جلیلہ اور اخلاق عالیہ عظمی کے اکمل ترین مراحل پر فائز فرمائیے بطفیل اپنے احمد مجتبےٰ کے جو "ما زاغ البصر وما طغی"، کے مقام ثبات کے ساتھ مخصوص ہیں اے کرم عظیم، عطاء جسیم اور فضل عمیم کے مالک بطفیل حرمت و کرامت اس نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے۔

اے اللہ ہم تیری بارگاہ اقدس میں وسیلہ پیش کرتے ہیں اس محبت کا جو تجھے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے اور اس محبت کا جو تیرے حبیب کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کو تجھ سے ہے۔ اور اس قربت و قرب کا جو تیرے حبیبِ پاک کو تجھ سے اور تجھے اس حبیب کریم سے ہے اور اس ربط و تعلق کا جو تیرے اور ان کے درمیان ہے

اور سوال و دعا کرتے ہیں اس امر کی کہ تو صلوٰۃ وسلام نازل فرمائے ان پر اور ان کے آل واصحاب پر وہ صلوٰۃ وسلام جو تو نے ان کے لئے سرمایہ اختصاص و خصوصیت بنایا ہے بسبب مخصوص ہونے ان کے عالم غیب و شہادت میں ان خصائص کے ساتھ جو تو نے ان کے لئے اپنے ہاں پسندیدہ ٹھہرائے اور ان کے شایانِ شان سمجھے بسبب خطاب فرمانے تیرے ان کو ساتھ قول "مَا خَلَقْتُ خَلْقًا اَحَبَّ وَلَا اَكْرَمَ عَلَيَّ مِنْكَ"، کے (نہیں پیدا کیا میں نے کسی مخلوق کو جو مجھے تم سے زیادہ محبوب ہو یا تم سے زیادہ عزت وحرمت والی ہو) اور ان کو مقام وسیلہ و فضیلت عطا فرما۔ شرف اعلیٰ اور درجۂ رفیعہ سے بہرہ ور فرما۔ اور انہیں اس مقامِ محمود تک پہنچا اور اس کے ساتھ فائز فرما جس کا تو نے ان سے وعدہ کر رکھا ہے اے ارحم الراحمین اے رب العالمین۔

(ف) یہ دعا حضرت شیخ ابو العباس المشرعی الیمنی کی صلوات و دعوات میں سے ہے۔

۳۸- اللهم افض علينا من فائض سيدنا محمد صلى الله عليه وسلم واحشرنا يا ربنا في زمرة سيدنا محمد صلى الله عليه وسلم، واجرنا يا ربنا من عذاب القبر واهوال يوم القيامة ببركة سيدنا محمد صلى الله عليه وسلم وادخلنا ووالدينا الجنة بشفاعة سيدنا محمد صلى الله عليه وسلم وارزقنا النظر الى وجهك الكريم بجاه سيدنا محمد صلى الله عليه وسلم اللهم صل وسلم عليه وعلى آله واصحابه وازواجه وانصاره واشياعه وعلينا معهم يا رب العالمين۔

ترجمہ۔ اے اللہ ہم پر سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیضانِ جود کی بارانِ رحمت برسا۔ اور ہمیں ان کے زمرہ میں اٹھا، ہمیں عذاب قبر اور قیامت کے دن کی ہولناکیوں سے پناہ دے بطفیل برکاتِ نبویہ کے اور ہمیں اور ہمارے والدین کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کے صدقے میں جنت کے اندر داخل فرما۔ ہمیں اپنے چہرۂ جمال بے مثال کا دیدار عطا فرما بطفیل جاہ وحشتِ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے۔ اے اللہ ان پر اور ان کے آل واصحاب پر اور ازواج مطہرات اور انصار واشیاع پر درود وسلام بھیج اور ان کے ساتھ ہم پر بھی اے رب العالمین۔

(ف) یہ دعا اور صلوٰۃ حضرت خیر الدین بن ابی السعود بن ظہیرہ المکی کی صلوات کے آخر میں مذکور ہے۔

۳۹- اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنَا فِي الْمَعَادِ تَحْتَ لِوَائِهٖ وَاَدْخِلْنَا تَحْتَ كَنَفِ جَاهِهٖ وَعَلَائِهٖ وَاجْعَلْنَا مِنْ اَصْفِيَائِهٖ وَاَوْلِيَائِهٖ يَارَبَّ الْعَالَمِيْنَ۔

ترجمہ۔ اے اللہ ہمیں آخرت میں ان کے لواء حمد کے نیچے پناہ لینے کی سعادت بخش۔ اور ان کے دامنِ جاہ وحشمت اور علا ورفعت کے نیچے داخل فرما۔ اور ان کے مخلصین اور احباب واولیاء میں شامل فرما آمین یا رب العالمین۔

(ف) اس دعا کو شیخ عبد الجلیل بن عظوم القیروانی نے اپنی کتاب "تنبیہ الانام" کے آخر میں ذکر کیا ہے۔

۴۰- تبارکت ربنا وتعاليت عما يقول الظالمون والجاحدون علوا كبيرا، يا حنان يا منان

يا عظيم السلطان يا قديم الاحسان يا دائم النعم يا كثير الخير يا باسط الرزق يا واسع العطاء يا دافع البلاء يا غافر الخطاء يا حاضرا ليس بغائب يا موجود عند الشدائد يا خفي اللطف يا لطيف الصنع يا جميل الستر يا عظيم الذكر يا حليما لا يعجل، جزى الله سيدنا ونبينا محمدا صلى الله عليه وسلم عنا خيرا كما هو اهله۔ اسالك اللهم بحرمة هذا النبي لديك ان تجعل لي ولاهلي حرزا منيعا وحصنا حصينا وحمى عزيزا تحفظ به نفسي واهلي وديني وولدي ودنياي وآخرتي وجميع من تلحقه عنايتي۔

بابرکت ہے تو اے رب ہمارے اور بالاتر ہے اس سے جو ظالم تیرے حق میں کہتے ہیں اور جاحدین ومنکرین زبان پر لاتے ہیں اے حنان ومنان۔ اے عظیم السلطان۔ اے قدیم الاحسان۔ اے ہمیشہ انعام واکرام فرمانے والے۔ اے کثیر الخیر۔ اے رزق کو عام کرنے والے اے وسیع وبے پایاں عطاؤں والے۔ اے بلیات وشدائد کو دور کرنے والے۔ اے خطاؤں اور لغزشوں کو بخشنے والے اے وہ ذات والاصفات جو حاضر ہے اور غائب نہیں۔ اور بندوں پر نازل ہونے والے شدائد ومحن کے وقت موجود ہوتا ہے اے مخفی الطاف واحسانات والے۔ اے لطیف صنعت وفعل والے۔ اے باحسن طریق پردہ پوشی فرمانے والے۔ اے عظیم ذکر کے مالک۔ اے سراسر حلم وحوصلہ والے جو عقوبتِ مذنبین میں عجلت سے کام نہیں لیتا۔

اللہ تعالیٰ جزاء دے ہمارے سید وسرور اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بہترین جزا جس کے وہ اہل وسزاوار اور مستحق وحقدار ہیں۔ اے اللہ میں تجھ سے اس نبی معظم صلی اللہ علیہ وسلم کی حرمت وعزت کا واسطہ دے کر سوال کرتا ہوں کہ تو میرے لئے اور میرے اہل وعیال کے لئے بلند پناہ گاہ حصنِ حصین اور ناقابلِ تسخیر قلعہ مخصوص فرمائے جس کی بدولت مجھے اور میرے اہلِ وعیال کو۔ میرے دین ودنیا اور آخرت کو محفوظ فرمائے اور ان تمام افراد کو جو میرے ظلِّ عنایت میں ہیں۔

(ف) یہ دعا سیدی شیخ ناصر الدین بن سویدان نے اپنے حزب میں ذکر فرمائی ہے۔

۴۱- اللهم بسر الصمدانية والفردانية والوحدانية والاحدية والعزة والقدرة والحياة والجبروتية يا من هو مطلع بعظيم قدرته وعالم بسر وحدانيته، يا حي يا قيوم يا ذا الجلال والاكرام، يا الله يا شديد الحول يا كثير الطول يا ذا الفضل العظيم، يا ارحم الراحمين، وبمكنون سرك الذي اودعته في عظيم اسمائك وكمال صفاتك وبجاه سيدنا ونبينا ومولانا افضل مخلوقاتك محمد خير خلقك وصفوتك من عبادك، النبي الاعظم والمعصوم الاكبر صاحب الحوض والمنبر والحظ الاوفر والجبين الازهر الذي انزلت عليه (انا اعطيناك الكوثر)

ونسالك ان تحفظنا واتباعنا من كل نقص يبعدنا عنك وتعصمنا بعنايتك ورعايتك من ان نشتغل عنك بغيرك اونميل الى سواك۔

ترجمہ۔ اے اللہ تبارک وتعالےٰ اپنے سِرّ صمدانیت وفردانیت ،سِرّ احدیت ووحدانیت کا صدقہ ،عزت وقدرت اور حیات وجبروتیت کا واسطہ، اے وہ ذاتِ مقدس جو اپنی عظیم قدرت کے ساتھ مطلع ہے اور اپنے سِرّ وحدانیت کی عالم ہے۔ اے حیی وقیوم ،اے ذوالجلال والاکرام ، اے اللہ تبارک وتعالیٰ ، اے شدید قوت وطاقت والے ، اے بے پایاں غنا اور وسعت والے ، اے فضلِ عظیم کے مالک ، اے ارحم الراحمین۔

اپنے اس سِرِ مکنون کا وسیلہ جس کو تو نے اپنے اسماءِ حسنیٰ عظمیٰ میں ودلیعت فرمایا ہے اور صفات کمالیہ میں اور وسیلہ ہمارے سید وسرور ، نبی مرسل، مخدوم ومولیٰ ،افضل الخلق محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی جاہ وحشمت اور عزت وحرمت کا جو سب مخلوق سے خیر اور بہتر ہیں اور تیرے بندگان خاص میں سے منتخب ہیں، نبی اعظم اور معصومِ اکبر ہیں۔ صاحبِ حوض ومنبر ہیں اور مالکِ حظِ اوفر ونصیبِ وافر ،جو روشن پیشانی اور نورانی جبین والے ہیں جن پر تو نے "اِنَّا اَعْطَیْنٰکَ الْکَوْثَرَ" ،نازل فرمائی ہے۔ اور ہم تجھ سے یہ مطالبہ کرتے ہیں اور التجا کرتے ہیں کہ ہمیں اور ہمارے اتباع کو محفوظ رکھ ہر اس نقص اور عیب سے جو ہمیں تجھ سے دور کرنے کا موجب ہو۔ اور اپنی عنایتِ خاصہ اور رعایت ونگہبانیٔ مخصوصہ کے ساتھ محفوظ رکھے اس سے کہ تیرے ماسوا کے ساتھ مشغول ہو کر تجھ سے اعراض اور روگردانی کریں اور دوسروں کی طرف میلان والتفات کی وجہ سے تجھ سے بے تعلق ہو جائیں۔

(ف) یہ دعاء وتوسل حضرت ابوالمکارم زین الدین عمر بن بیبرس خالدی شاذلی سے ان کے حزب میں منقول ہے۔

۴۲- اللهم انی اسالك يا الله بمحمد صلی الله عليه وسلم عبدك ونبيك الذی ارسلته لقمع المخالفين وزجر الكاذبين ونجاة العارفين يا الله يا قوی يا عزيز يا قهار يا جبار يا منتقم يا مجيب يا متين يا صمد يا مقتدر يا ذا الجلال والاكرام يا مقسط يا صبور يا الله يا الله يا من اذل المعاندين واهلك المخالفين يا من علت قدرته على كل قدرة وعزته على كل عزته ونقمته على كل نقمة يا قهار يا قهار ق حٰمٓ حٰمٓ حٰمٓ حٰمٓ حٰمٓ حٰمٓ حٰمٓ اقهر اعداءنا فانهم اعداؤك، واهلك مخالفينا فانهم مخالفوك وامح ما اثبته فی نفوسهم وعقولهم من الضلال وازل عنا ظلمهم وابعدهم عنا فی الدنيا والاخرة۔

ترجمہ۔ اے اللہ تعالےٰ میں تجھ سے التجاء کرتا ہوں ساتھ وسیلۂ جلیلۂ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے جو تیرے عبدِ خاص ہیں اور نبی مکرم جن کو تو نے مخالفین اسلام کے قلع وقمع کے لئے ، کاذبین ودجالین کی زجر وتوبیخ اور عارفین کی نجات وفلاح کے لئے مبعوث فرمایا ۔ اے اللہ ، اے قوی وتوانا ، اے عزیز وغالب ، اے قہار ، اے جبار ، اے منتقم ،

اے مجیب ، اے متین ، اے صمد ، اے مقتدر ، اے ذوالجلال والاکرام ، اے مقسط وعادل ، اے صبور وصاحبِ حلم ، اے اللہ ، اے اللہ۔ اے وہ ذاتِ جلیل جس نے معاندین کو ذلیل وسرنگوں فرمایا اور مخالفینِ اسلام کو ہلاک وبرباد کیا۔

اے وہ ذاتِ والاصفات جس کی قدرت ہر قدرت سے بالاتر ہے اور جس کی عزت ہر عزت سے بالاتر۔ اور جس کی شانِ انتقام ہر منتقم کے انتقام سے برتر ہے یا قہار یا قہار ق حٰمٓ حٰمٓ حٰمٓ حٰمٓ حٰمٓ حٰمٓ حٰمٓ ہمارے اعداء کو اپنے قہر وغضب کا نشانہ بنا کیونکہ وہ تیرے بھی اعداء ہیں ۔ ہمارے مخالفین کو نیست ونابود فرما کیوں کہ وہ تیرے بھی مخالف ہیں۔ اے اللہ تو نے ان کے نفوس وعقول میں جو ضلالت وگمراہی پیدا کی ہے اس کو ان سے دور فرما۔ اور ہم پر سے ان کے ظلم وعدوان کو زائل فرما۔ اور ان کو دنیا وآخرت میں ہم سے دور رکھ۔

(ف) یہ دعاء وتوسل سیدی ابوالحسن البکری المصری کے حزب سے منقول ہے۔

۴۳- واجرنی يا الله يا جامع يا مانع آمين آمين بحق محمد صلی الله عليه وسلم يا الله يا رحمن يا رحيم يا الله يا حق يا مبين بحقك ثم بحق محمد صلی الله عليه وسلم انلنی ميم ملك الظاهر والباطن۔

ترجمہ۔ یا اللہ ، یا اللہ ، یا جامع ، یا مانع مجھے محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس حقِ عظیم کا صدقہ پناہ دے (جو تو نے اپنے فضلِ عظیم کے ساتھ اپنے ذمے لے رکھا ہے) یا اللہ ، یا رحمٰن ، یا رحیم ، یا اللہ ، یا حق ، یا مبین اپنے حق کا وسیلہ پھر محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے حق کا صدقہ مجھے ملکِ ظاہر وباطن کا میم عطا فرما۔

(ف) اس دعا کو حضرت ابوالحسن البکری نے ہی اپنے حزب "حقائق الکمالات" میں ذکر کیا ہے۔

۴۴- اللهم انی اسألك بنير هذا يتك الاعظم وسر ارادتك المكنون من نورك المطلسم مختارك منك لك قبل كل شیء ونورك المجرد بين مسالك اللقی، كنزك الذی لم يحط به سوالك واشرف خلقك الذی بحكم ارادتك كونت من نوره اجرام الافلاك وهيا كل الاملاك فطافت به الصافون حول عرشك تعظيما وتكريما وامرتنا بالصلاة والسلام عليه بقولك (ان الله وملائكته يصلون على النبی يا ايها الذين آمنوا صلوا عليه وسلموا تسليما) ونشرت فوق هامته فی تخت ملكك لواء حمدك وقدمته على صناديد جيوش سلطانك بقوة عزمك واخذت له على اصفيائك بالحق ميثاقك الاول وقربته بك ومنك ولك وجعلت عليه المعول ومتعته بجمالك فی مظهر التجلی وخصصته بقاب قوسين قرب الدنو والتدلی وزجيت به فی انوار الوهيتك العظمی، وعرفت به آدم حقائق الحروف والاسما،

فما عرفك من عرفك الا به وما وصل من وصل اليك الا من اتصل بسببه، خليفتك بمحض الكرم على سائر مخلوقاتك سيد اهل ارضك وسمواتك خصيص عزتك بخصاص نعمائك وفيوضات آلائك اعظم منعوت اقسمت بعمره فى كتابك وفضلته بما فضلت به من اسرار خطابك وفتحت به اقفال ابواب سابق النبوة والجلالة وختمت به دور دوائر مظهر الرسالة ورفعت ذكره مع ذكرك وسيدته بنسبة العبودية اليك فخضع لامرك وشيدت به قوائم عرشك المحوط بحيطتك الكبرى ومنطقته بمنطقة العز فمنطق بعزه اهل الدنيا والاخرى والبسته من سرادقات جلالك اشرف حلة وتوجته بتاج الكرامة والمحبة والخلة نبى الانبياء والمرسلين والمبعوث بامرك الى الخلق اجمعين، بحر فيضك المتلاطم بامواج الاسرار وسيف عزمك القاهر الحاسم لحزب الكفر والبغى والانكار، احمدك المحمود بلسان التكريم، محمدك الحاشر العاقب المسمى بالرءوف الرحيم - اسالك به وبالاقسام الاول واتوسل اليك بك وانت المجيب لمن سال ان تصلى وتسلم عليه صلاة تليق بذاتك وذاته لانك ادرى بمنزلته واعلم بصفاته عددا لا تدركه الظنون زيادة على ما كان ومايكون، يامن امره بين الكاف والنون ويقول للشىء كن فيكون۔

ترجمہ۔ اے اللہ میں تجھ سے تیری ہدایت ورشد کے نیّرِ اعظم، تیرے ارادہ ومشیت کے سرّ مکنون یعنی تیرے نور مطلسم ومحفوظ جو ہر چیز سے پہلے تیرے چنے ہوئے ہیں جن کو تو نے اپنے لئے چن رکھا ہے اور تیرے پیدا کردہ نور مجرد اور سراج منیر ہیں درمیان مشتبہ راستوں کے (تاکہ خیر وشر کی پہچان ہو سکے)۔ وہ تیرے ایسے کنز مخفی ہیں جن کا احاطہ تیرے سوا کوئی نہیں کر سکا۔ وہ تیری مخلوق سے اشرف واکرم ہیں جن کے نورِ اقدس سے تو نے اپنے ارادۂ تکوینی کے تحت اجرامِ فلکیہ اور اجسامِ ملکیہ کو پیدا فرمایا۔ پس طواف کیا ان کے گرد ان ملائکہ نے ازرہِ تعظیم وتکریم جو تیرے عرشِ اعظم کے گرد صف بستہ تھے جن پر صلوات وسلام بھیجنے کا حکم دیتے ہوئے فرمایا " اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا "، تو نے اپنے پایۂ تخت اور ملک میں ان کے سرِ ناز پر اپنے لواءِ حمد کو پھیلایا اور سایہ فگن بنایا۔ جن کو اپنی قوتِ عزم سے اپنے جیوش وعساکرِ سلطنت کے روساء پر تقدم وفوقیت سے بہرہ ور فرمایا۔ ان کے لئے تو نے اپنے اصفیاء وانبیاء سے حق کے ساتھ پیمان طاعت ووفا لیا۔ اور انہیں اپنے قریب کیا بسبب اپنی ذات کے اور اپنی ذات کے لئے۔ اور انہیں پر تو نے اعتماد فرمایا۔ انہیں کو تو نے مظہرِ تجلی میں اپنے جمال خاص کا آئینہ دار بنایا۔ اور قاب قوسین کے ساتھ ان کو قرب دنو دتدلی کے ساتھ مخصوص ٹھہرایا۔ اور اپنے الوہیت عظمیٰ کے انوار (کا حصول) ان کی بدولت سہل فرمادیا۔ انہیں کے طفیل

حضرت آدم علیہ السلام کو حقائق حروف واسماء کی معرفت بخشی۔

جس نے بھی تجھے پہچانا اور تیری معرفت حاصل کی انہیں کے طفیل تیری پہچان اور معرفت حاصل کی اور جس نے بھی تیری ذاتِ اقدس تک رسائی حاصل کی انہیں کے ساتھ ربط وتعلق کی بدولت مرتبہ وصول تک رسائی حاصل کی جن کو اپنے کرمِ محض سے تو نے ساری مخلوق پر اپنا نائب اور خلیفہ بنایا اور سب اہلِ ارض وسماء کا سید وسردار جو تیرے مخصوص انعامات اور فیوض آلاء کی بدولت مخصوص بارگاہِ عزت وصمدیت ہیں۔ وہ عظیم ترین منعوت وموصوف جن کی زندگانی کی قسم تو نے کتاب عزیز میں ذکر کی ہے۔ ان کو اسرارِ خطاب کے ساتھ بے اندازہ فضیلت وبرتری عطا فرمائی۔ انہیں کے ساتھ تو نے سابقہ نبوت وجلالت کے ابواب کے قفل کھولے ہیں۔ اور انہیں کے ساتھ مظہرِ رسالت کے دوائر کا دور اختتام پذیر فرمایا۔ ان کا ذکر تو نے اپنے ذکر پاک کے ساتھ بلند فرمایا۔ اور ان کو اپنا عبدِ خاص قرار دے کر سیادت وفضیلت کا تاجور بنایا تو وہ تیرے حکم دام کے آگے طاعت کے لئے کمربستہ ہو گئے۔ انہیں کے ذریعے تو نے اپنے عرشِ عظمت وجلال کے پائے مضبوط ومستحکم فرمائے جو تیری حفاظت اور عظیم نگرانی کے ساتھ محفوظ ومصئون ہے۔ اور ان کو عزت وتکریم کے کمربند کے ساتھ آراستہ کیا پس انہیں کی عزت وکرامت کے عکس وپرتو سے اہل دنیا اور اہلِ عقبیٰ عزت پا گئے۔ تو نے ان کو اپنے سراپردۂ جمال سے نفیس ترین پوشاک زیب تن کرائی اور کرامت وعزت اور محبوبیت وخلت کا تاج ان کے سرِ ناز پر سجایا۔ وہ نبی الانبیاء والمرسلین ہیں۔ اور بلا استثناء سب مخلوق کی طرف تیرے امر کے ساتھ مبعوث ہیں۔ تیرے فیض وجود کی امواجِ اسرار کے ساتھ ٹھاٹھیں مارتا ہوا بحر بیکراں ہیں اور تیرے عزمِ قاہر کی تیغِ براں جو حزب کفر وبغی اور جحود وانکار کو بیخ وبن سے کاٹ ڈالنے والی ہے۔ وہ تیرے احمد ہیں جو لسان تکریم کے محمود ہیں اور تیرے محمد ہیں جو سب سے آخر آنے والے ہیں جن کے بعد حشر قائم ہونے والا ہے اور جن کو رؤف ورحیم کے ناموں سے موسوم کیا گیا ہے۔

میں تیری جنابِ پاک میں ان کے وسیلہ سے اور پہلے واسطوں وسیلوں سے سوال پیش کرتا ہوں اور تیری ذات اقدس کو تیری جناب والا میں وسیلہ بناتے ہوئے عرض پرداز ہوں اور تو ہی مجیب الدعوات ہے ہر سائل کی دعوات کا کہ ان پر صلوٰۃ وسلام نازل فرما ایسی صلوٰۃ جو تیری اور ان کی ذاتِ اقدس کے شایانِ شان ہو۔ کیونکہ تو ہی ان کی منزلت ومرتبت سے کما حقہ آگاہ ہے اور ان کی صفاتِ کمال اور سماتِ جمال کی گنتی وشمار سے کما حقہ واقف ہے جو ما کان وما یکون کی گنتی سے باہر ہیں اور اوہام وظنون خلق کی رسائی سے ماوراء۔ اے وہ ذات والاصفات کہ جس کا امرِ تکوین وتخلیق کاف ونون کے درمیان ہے اور جب بھی کسی شی کو فرماتا ہے کُنْ (موجود ہو جا) تو وہ موجود ہو جاتی ہے۔

(ف) یہ دعاءِ توسل اور درود وسلام سیدی محمد البکری الکبیر ابن ابی الحسن کی صلوات ودعوات میں سے ہے۔

۴۵ بحمد نبيك ورسولك وحبيبك وابراهيم نبيك ورسولك وخليلك وموسى

رسولك وصفيك ونجيك وعيسىٰ رسولك وكلمتك وروحك بتوراة موسى وانجيل عيسى وزبور داود وصحف ابراهيم وقرآن محمد عليه وعليهم الصلاة والتسليم، وكل وحي اوحيته او قضاء قضيته اوُسائل اعطيته او فقير اغنيته او غني اقنيته او ضعيف قويته او ضال هديته انا سائلك فاعطني انا فقير فاغنني انا ضعيف فقوني وبك اليك منك ولديك اهدني وعلى ماشئت من علمك الغيبي والشهادي وحكمك الاحدي الصمدي دلني ودلني -

(ترجمہ) اے اللہ صدقہ اپنے نبی مکرم رسول معظم اور حبیب اکرم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا اور صدقہ اپنے نبی و رسول اور خلیل حضرت ابراہیم علیہ السلام کا۔ صدقہ اپنے رسول و صفی اور نجی و کلیم حضرت موسیٰ علیہ السلام کا صدقہ اپنے رسول و کلمہ اور روح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا۔ واسطہ توراۃ موسیٰ علیہ السلام کا۔ واسطہ انجیل عیسیٰ علیہ السلام کا، واسطہ زبور داؤد علیہ السلام کا، واسطہ صحف ابراہیم علیہ السلام کا اور وسطہ قرآن محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اور ہر اس وحی کا جو تو نے کسی پیغمبر کی طرف نازل فرمائی۔ اور ہر اس قضاء کا جس کا فیصلہ ازل میں فرمایا ہر اس سائل اور دامن تمنا کو در والا پر پھیلانے والے کا جس کے دامنِ آرزو کو تو نے ثمر مراد سے بھر دیا۔ واسطہ ہر اس فقیر بینوا بے سروسامان کا جس کو تو نے سرمایۂ غنا سے مالا مال فرمایا۔ واسطہ ہر اس غنی کا جس کو دولت قناعت سے بہرہ ور فرمایا اور اس کے ذخائر کو وافر کر دیا۔ وسیلہ ہر اس ضعیف و ناتواں کا جس کو تو نے قوت و توانائی بخشی۔ وسیلہ ہر اس گم کردۂ راہ کا جس کو تو نے ہدایت سے سرفراز فرمایا۔ میں تجھ سے التجاء کرنے والا ہوں اور تیرے درِ اقدس پر دامنِ تمنا کو پھیلانے والا ہوں۔ لہٰذا مجھے عطا فرما۔ میں فقیر بینوا ہوں مجھے غنی فرما۔ میں ضعیف و عاجز ہوں مجھے قوت و طاقت بخش۔ میری ہستی اور وجود بسبب تیرے ہے۔ میری دلی رغبات اور جذب تیری طرف ہے اور میرے جملہ اوصاف تجھ سے ہیں اور میری ترقی اور سلوک و وصول کی توفیق تیرے ہی دستِ قدرت میں ہے۔ مجھے ہدایت عطا فرما اور اس راہ پر گامزن فرما جو تیرے حریمِ ناز تک رسائی کا موجب ہو اور جو کچھ بھی علم غیبی اور شہادی اور حکم ابدی و صمدی تیری مشیت میں میرے لائق ہے وہ مجھے عطا فرما اور اس کا مجھے مالک بنا۔

(ف) اس دعاء و توسل کو سیدی محمد البکری نے اپنے حزب "حزب الانوار" میں ذکر کیا ہے۔

۳۶- اللهم بحقك انت لا اله الا انت وباسمك الاسمى الذي مادعيت به الا اجبت وبمجدك الاحمى الذي اصطفيت به من اردت وبمحمد الذي له على كل عبادك قد اخترت وكل نبي له استنبات ورسول له ارسلت وكل كتاب له من لوحك المحفوظ كتبت وكل وحي من علمك القديم على رسلك انزلت وبحق اللهم وعظمتها لديك وبجلال هويتك واحديتك وربوبيتك عليك، يامن وسع كل شيء رحمة وعلما وامد الوجود بفضله وجوده حنانة

ورحما، انت الحليم الستار العفو الكريم الغفار اجرني من خزي الدنيا والاخرة وعذاب النار -

(ترجمہ) اے اللہ تبارک و تعالیٰ اپنے حق و حدانیت کا صدقہ کیوں کہ نہیں کوئی معبود برحق مگر تو۔ اور اپنے اس اسمِ گرامی کا صدقہ جس کے ساتھ جب بھی تجھ سے دعا کی گئی تو نے اس کو شرفِ قبولیت بخشا۔ اپنی اس مجد اور بزرگی و برتری کا صدقہ جو انتہائی محفوظ ہے اور اس کے ساتھ تو نے جس کو چاہا مخصوص ٹھہرایا۔ اور واسطہ اپنے محبوب محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا جن کو تو نے اپنے تمام بندوں پر ترجیح اور فوقیت دی۔ صدقہ ہر اس نبی کا جس کو شرفِ نبوت سے بہرہ ور کیا۔ اور ہر اس رسول کا جس کو مخلوق کی طرف مبعوث فرمایا۔ صدقہ ہر اس کتاب کا جس کو تو نے لوح محفوظ سے نقل کرایا۔ صدقہ علم قدیم کی ہر اس وحی کا جس کو تو نے کسی رسول پر بھی نازل فرمایا اور کلمۂ اللّٰہم کے حق و عظمت کا واسطہ۔ اپنے جلالِ ہویت و ذات اور احدیت و فردانیت کا صدقہ اور اپنی ربوبیت کے حق و عظمت کا واسطہ اے وہ ذات کریم کہ ہر چیز کو رحمت و علم کے ساتھ محیط ہے جس نے موجودات کو اپنے جود و فضل سے باہم انس و میلان اور رأفت و رحمت عطا فرمائی۔ تو حلیم و ستار ہے عفو و درگذر سے کام لینے والا ہے اور کریم و ستار ہے مجھے دنیا و آخرت کی ذلت و رسوائی اور عذاب نار سے محفوظ فرما۔

(ف) اس دعاء و توسل کو سیدی زین العابدین بن محمد البکری الکبیر نے اپنے حزب میں ذکر فرمایا ہے۔

۳۷ اللهم اني اسالك الشكر على نعمائك ومزيد افضالك والخيرة فيما قضيت، والبركة فيما اعطيت. وتوسلي اليك بجاه محمد صلى الله عليه وسلم ان تعاملني بلطفك في اقضيتك، ونعوذ بالله العظيم من طول الغفلة واستدراج المهلة. ونستعينه ونساله الهداية ونستمد من توفيقه حسن العناية. فانه ولي ذلك والقادر عليه، وحسبنا الله ونعم الوكيل، ولا حول ولا قوة الا بالله العلي العظيم -

(ترجمہ) اے اللہ میں تجھ سے تیرے انعامات اور فضلِ عظیم پر شکر کی توفیق طلب کرتا ہوں اور میرے حق میں صادر و نافذ قضاء میں سے خیر کا مطالبہ کرتا ہوں۔ اور جو کچھ عطا فرمایا ہے اس میں برکت کی التجاء کرتا ہوں اور تیری بارگاہِ صمدیت میں محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی جاہ و حشمت کا وسیلہ پیش کرتا ہوں کہ اپنی قضاؤں میں میرے ساتھ لطف و عنایت کو بروئے کار لائے۔ اور ہم اللہ العظیم کی بارگاہ سے غفلت کی طوالت و درازی اور پے در پے مہلت اور ترکِ تنبیہ سے پناہ مانگتے ہیں۔ اسی سے استعانت کرتے ہیں اور ہدایت کا مطالبہ کرتے ہیں۔ اور اس کی توفیق سے حسن عنایت کی امداد طلب کرتے ہیں کیونکہ وہی اس کا مالک ہے اور اس کی عطا پر قادر۔ کافی ہے ہمیں اللہ تبارک و تعالےٰ اور وہ اچھا کارساز ہے۔ نہیں ہے طاقت طاعت کی اور نہ گناہوں سے پھرنے اور دور ہونے کی مگر

ساتھ اللہ بلند شان اور صاحب عظمت کے۔

(ف) اس دعاء وتوسل کو امام شہاب الدین رملی شافعی نے اپنی کتاب "القول القام فی احکام المأموم والامام" میں نقل کیا ہے۔

۴۸- اللھم انی اسالك بمیمی الملك وحاء الرحمة ودال الدوام السید الکامل الفاتح الخاتم ان تصلی علیه وعلی آله وازواجه واصحابه وعترته اجمعین وان تنجینی من کل ما اخاف واحذر، الله اکبر کبیرا والحمد لله کثیرا وسبحان الله بکرة واصیلا۔ اللھم انی اسالك باسمك الجامع ونورك اللامع ونبیك الشافع وولیك الخاشع یاشافی یانافع یامعانی یادافع ادفع عنا السم الناقع والداء القامع والوباء القاطع انك مجیب سامع۔

(ترجمہ) اے اللہ کریم میں تجھ سے میم ملک حاء رحمت دالِ دوام اور سید کامل فاتح ومبدء رسالت اور خاتم و آخر الزمان پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا واسطہ دے کر سوال کرتا ہوں کہ ان پر اور ان کے آل وازواج اور اصحاب وعترت سب پر درود وصلوات بھیج اور مجھے ہر اس چیز سے نجات عطا فرما جس سے میں خوفزدہ اور پر حذر ہوں۔ اللہ اکبر کبیرًا والحمد للہ کثیرًا وسبحان اللہ بکرۃ واصیلا دصبح وشام اللہ تعالٰی کے لئے تنزیہ وتسبیح ہے۔ اے اللہ میں تجھ سے تیرے اسم جامع اور نور لامع، نبی شافع اور ولی خاشع کے وسیلہ سے سوال کرتا ہوں اے شافی۔ اے نافع اے عافیت دینے والے اور اے بلیات کے دور کرنے والے اور کرہم سے قاتل زہر کو۔ ہر کار خیر سے روکنے والی بیماری کو اور نیست ونابود کرنے والی وبا، کو بے شک تو دعاؤں کا سننے والا اور قبول فرمانے والا ہے۔

(ف) اس دعاء وتوسل کو شیخ محمد بن عنان المصری نے اپنے حزب "دعاء النصر" میں ذکر کیا ہے اور اس کو دعاء البسملة الشریفہ کا نام دیا ہے۔

۴۹- نسالك اللھم باسمائك الحسنٰی وصفاتك العلیا ومحمد نبیك المجتبٰی وحبیبك المصطفٰی ان تطھر قلوبنا من کبائر کفر النفس والعجب والریاء وحب الدنیا والثناء والریاسة وتعاطی الکبر واکحل بصر بصیرتنا باثمد عنایتك حتی لانری سواك ولانطلب منك الا ایاك انك علی کل شیء قدیر۔

(ترجمہ) اے اللہ ہم تجھ سے تیرے اسماء حسنٰی، صفات علیا، تیرے نبی مجتبٰی اور حبیب مصطفٰے محمد رسول اللہ صلی اللہ وسلم کے طفیل دعا کرتے ہیں کہ نفس کے گناہائے کبیرہ سے ہمارے دلوں کو پاک فرما یعنی کفر اور عجب وریاء اور حب دنیا سے۔ خوشامد اور مدح پسندی اور حب ریاست وسرداری سے۔ اور تکبر وغرور سے اور اس امر کی دعا کرتے ہیں کہ ہماری بصرِ بصیرت کو اپنی عنایت خاصہ کے سرمہ سے سرمگین فرما تاکہ ہم تیرے ماسوا کو دیکھ بھی نہ سکیں۔ اور

تجھ سے صرف تجھی کو طلب کریں بے شک تو ہر چیز پہ قادر ہے۔

(ف) اس دعاء وتوسل کو سیدی محمد ذاکر مصری نے "حزب التنزیہہ" کے آخر میں ذکر کیا ہے۔

۵۰- نسالك اللھم عدد کل ذرة فی الوجود ان تغفر لنا ولکل المسلمین یاکریم یاودود دعوناك اللھم بصدق الرجاء والیاس من جمیع المخلوقات فاغثنا یاربنا اغاثة الملھوفین، واجبنا اللھم اجابة الموقنین بحق من جعلته نقطه دائرة الوجود ودرة بحر الکرم والجود۔ اللھم فصل وسلم علیه وعلی آله وصحبه اجمعین، سبحان ربك رب العزة عما یصفون وسلام علی المرسلین والحمد لله رب العالمین۔

(ترجمہ) اے اللہ ہم تیرے حضور یہ التجاء پیش کرتے ہیں کہ ہمارے لئے مغفرت وبخشش فرما اور تمام اہلِ اسلام کے لئے بے مقدار ان تمام ذرات کے جو خلعت وجود سے بہرہ ور کئے گئے ہیں۔ اے کریم۔ اے ودود۔ اے اللہ ہم نے تجھ سے خالص اور صادق رجاء وامید وابستہ کر کے اور اغیار سے کلیۃً امیدیں اور آرزوئیں منقطع کر کے دعا کی ہے لہٰذا اے ہمارے رب ہماری فریاد رسی فرما مثل حسرت وحرمان میں مبتلاء لوگوں کی فریاد رسی کے۔ اور ہماری دعا کو اس طرح شرفِ اجابت وقبولیت بخش جس طرح یقین کامل والوں کی دعاؤں کو شرفِ اجابت وقبولیت بخشا ہے ساتھ وسیلہ وواسطہ اس ذات اقدس کے جن کو تو نے دائرہ وجود کا نقطہ اور مرکز بنایا ہے اور کرم وجود کے بحر بیکراں کا درشاہوار بنایا ہے۔ اے اللہ پس ان پر اور ان کے آل واصحاب پر درود وسلام بھیج۔ پاک ہے تو اے مالک عزت وعظمت کے اس سے جو ظالم وجاہل تیری طرف نسبت کرتے ہیں۔ اور سلام ہو تمام رسل کرام پر۔ اور سب تعریفیں اللہ تعالٰی کے لئے ہیں جو سب جہانوں کا پروردگار ہے۔

(ف) اس دعاء وتوسل کو سیدی عبد الوہاب شعرانی نے "حزب المناجات" کے آخر میں ذکر فرمایا ہے۔

۵۱- اللھم صل صلاة کاملة وسلم سلاما تاما علی نبی تنحل به العقد وتنفرج به الکرب وتقضی به الحوائج وتنال به الرغائب وحسن الخواتیم ویستسقی الغمام بوجھه الکریم وعلی اله وصحبه فی کل لمحة ونفس بعدد کل معلوم لك۔

(ترجمہ) اے اللہ صلوٰۃ کاملہ اور سلام تام نازل فرما اس نبی مکرم پر جن کے صدقے میں مشکلات حل ہوتی ہیں اور درد وکرب کی گھٹائیں چھٹ جاتی ہیں اور حاجات ومقاصد بر آتے ہیں۔ مرغوبات وپسندیدہ اشیاء ہاتھ آتی ہیں۔ حسن انجام اور خاتمہ بالخیر نصیب ہوتا ہے جن کے چہرۂ اقدس کی بہار ورونق کے طفیل بارانِ رحمت طلب کی جاتی ہے۔ اور ان کے آل واصحاب پر بھی درود وسلام بھیج ہر لمحہ وہر آن مطابق اعداد اپنے معلومات کے۔

(ف) یہ دعاء وتوسل حضرت شیخ التازی سے منقول ہے اور یہ ان کی معروف ومشہور "الصلوٰۃ التفریجیۃ" ہے۔

۵۲- یا غیاث المستغیثین ویا مجیب المضطرین ویا ارحم الراحمین ویا غافر ذنوب المذنبین بحرمة حبیبك المصطفیٰ ونبیك المجتبیٰ، علیه من الصلوات ازكاها، ومن التحیات اوفاها وجمیع الانبیاء والمرسلین والملائكة المقربین علیهم الصلوٰة والسلام اجمعین واصحاب حبیبك السابقین الذین رضیت عنهم وهم عنك راضون والتابعین لهم باحسان علیهم الرحمة والغفران. ارحمنا فانا مذنبون وبالآثام والخطایا معترفون واغفرلنا ذنوبنا وكفرعنا سیئاتنا وتوفنا مع الابرار انك انت الرحیم الغفار ولعیوب عبادك المذنبین ستار آمین آمین یا ارحم الراحمین ویا اکرم الاکرمین۔

(ترجمہ) اے فریاد رسی کی درخواست کرنے والوں کے فریاد رس۔ اے مضطر اور مجبور لوگوں کی دعاؤں کو قبول کرنے والے اے ارحم الرحمین اے گناہگاروں کے گناہ بخشنے والے۔ حبیب مصطفےٰ، نبی مجتبیٰ کی حرمت وحشمت کا صدقہ" ان پر پاکیزہ ترین درود وصلوات ہوں اور اوفیٰ واکمل ترین تحیات۔ اور صدقہ تمام انبیاء ومرسلین اور ملائکہ مقربین علیہم الصلوٰۃ والسلام اجمعین۔ اور صدقہ اپنے حبیب پاک کے اصحاب سابقین کا جن سے تو راضی ہوا اور وہ تجھ سے راضی ہوئے۔ اور صدقہ ان کی باحسن طریق اتباع کرنے والوں کا علیہم الرحمۃ والغفران۔

ہم پر رحم فرما کیونکہ ہم گناہگار ہیں اور ذنوب وآثام، لغزشات وخطاؤں کا اعتراف کرنے والے ہیں ہمارے گناہ معاف فرما۔ اور ہماری سیئات کی ظلمات وتاریکیوں کو مٹا دے۔ اور ہمیں ابرار کے ساتھ فوت ہونے اور ان کے زمرہ میں داخل ہونے کی سعادت نصیب فرما۔ تو ہی رحیم وغفار ہے اور گناہگار بندوں کے گناہوں کے لئے پردہ پوش اور ستار ہے۔ آمین آمین یا ارحم الراحمین ویا اکرم الاکرمین۔

(ف) اس دعاء وتوسل کو الشیخ محمد البرکوی نے اپنی کتاب "الطریقۃ المحمدیہ" میں ذکر کیا ہے۔

۵۳- اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ وَاَتَوَجَّهُ اِلَیْكَ بِنَبِیِّكَ مُحَمَّدٍ نَبِیِّ الرَّحْمَةِ، یَا مُحَمَّدُ اِنِّیْ تَوَجَّهْتُ بِكَ اِلٰی رَبِّیْ فِیْ حَاجَتِیْ هٰذِهٖ لِتُقْضٰی لِیْ اَللّٰهُمَّ فَشَفِّعْهُ فِیَّ۔

(ف) اس دعا کو سیدی شیخ عبد الغنی نابلسیؒ نے اپنے ورد میں ذکر کیا ہے اور یہ حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے ماخوذ ہے۔ اور متعدد بار اس کا ذکر آچکا ہے اور ترجمہ گذر چکا ہے۔

۵۴- اللهم صل وسلم علی سیدنا محمد الفاتح الخاتم الرسول الكامل الرحمة الشامل وعلی آله واصحابه واحبابه عدد معلومات الله بدوام الله صلاة تكون لك یا ربنا رضاء ولحقه اداء واسالك به من الرفیق احسنه ومن الطریق اسهله ومن العلم انفعه ومن العمل اصلحه ومن المكان افسحه ومن العیش ارغده ومن الرزق اطیبه واوسعه۔

(ترجمہ) اے اللہ درود وسلام نازل فرما ہمارے سردار محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر جو مبدء رسالت ہیں اور منتہاء نبوت، رسول کامل ہیں اور رحمتِ شامل اور ان کی آل واصحاب اور احباب پر مطابق عدد معلومات باری تعالیٰ کے تا دوام ذات باری تعالےٰ کے ایسی صلواۃ جو تیری رضا کا موجب ہو اور ان کے حقوق کی ادائیگی کا باعث۔ انہیں کے صدقہ میں میں تجھ سے رفقاء میں سے احسن رفیق اور راستوں میں سے سہل ترین راستہ کا، اور علوم میں سے نافع ترین علم کا۔ اور اعمال میں سے صالح ترین عمل کا۔ اور مکانات میں سے انتہائی کشادہ اور وسیع مکان کا اور عیش وگذران سے خوشگوار ترین گذر بسر کا اور سب ارزاق میں سے پاکیزہ اور وسیع تر رزق کا سوال کرتا ہوں۔

ف۔ یہ دعاء وتوسل شیخ محمد البدیری الدمیاطی سے منقول ہے۔

۵۵- اللهم انا نسالك بحبیبك المصطفی ورسولك المقتفی اخلاصا فی الاعمال وصدقا فی الاقوال والاحوال ورضا عمیما وفیضا جسیما۔

(ترجمہ) اے اللہ ہم تیرے حبیب مصطفےٰ اور رسول مقتضیٰ ومقتداء کے طفیل اعمال میں اخلاص۔ اقوال واحوال میں صدق اور رضاء عمیم اور فیضِ جسیم وبیکراں کا سوال کرتے ہیں۔

(ف) یہ دعاء وتوسل سید مصطفےٰ البکری کی "صلواۃ البریہ" کے مقدمہ میں مذکور ہے۔

۵۶- اللهم انی اسالك بالسر المصون والدر المكنون وما احتوت علیه اوائل السور من سر سر للعقل بهر، واسالك بالاسم الاعظم والكنز المطلسم والنبی المعظم والصفی الافخم والمقدم من القدم علی من تاخر عن ظهور نوره ومن تقدم علی بروز هیكله الاكرم ان تصحبنا النصر والظفر والتیسیر الاوفر۔

(ترجمہ) اے اللہ میں تجھ سے راز مصون ومحفوظ اور در مکنون ومستور اور اس راز کے صدقے وواسطے سے مطالبہ کرتا ہوں جس پر اوائل سور اور حروف مقطعات مشتمل وحاوی ہیں جس راز اور سرّ مستور نے عقل کو حیران وسرگردان کر دیا ہے اور میں تجھ سے اسمِ اعظم اور کنز مطلسم یعنی مخفی ومحفوظ، نبی معظم، صفی افخم واعظم کے واسطہ سے جو روزِ اول سے ان تمام اشیاء پر مقدم ہیں جو ان کے نورِ اقدس کے ظہور کے بعد منصۂ شہود پر آئیں یا ان کے وجود عنصری جسمانی اور ہیکل اکرم کے بروز وظہور سے پہلے پردۂ عدم سے باہر آئیں التجاء کرتا ہوں کہ نصرت وظفر اور وافر سہولت وتیسیر کو ہمارا مصاحب وقرین بنا اور اس کو ہم سے دور نہ فرما۔

ف۔ یہ دعاء بھی سیدی مصطفےٰ البکری نے "حزب الجواہر الثمینہ لراکب السفینہ" میں ذکر کی ہے۔

۵۷- یا ارحم الرحمین یارب العالمین صل علی قرة عین عبادك الصالحین وتقبلنا بجاهه آمین۔

(ترجمہ) اے ارحم الراحمین اے رب العالمین اپنے بندگان صالحین کے قرۃ عیون اور ان کی آنکھوں کی ٹھنڈک پر درود

سلام بھیج اور ان کی جاہ وحشمت کا صدقہ ہمیں اپنی بارگاہِ اقدس میں شرفِ قبولیت عطا فرما۔ آمین
ف۔ یہ دعا شیخ عقیلہ المکی نے اپنی صلوات کے آخر میں ذکر کی ہے۔

۵۸۔ اللھم صل علی مولانا محمد نورك اللامع ومظهر سرك الهامع، الذی طرزت بجماله الاکوان وزینت ببهجة جلاله الاوان، الذی فتحت ظهور العالم من نور حقیقة وختمت کماله باسرار نبوته فظهرت صور الحسن من فیضه فی احسن تقویم، ولولاه هو ما ظهرت لصورة عین من العدم الرمیم، الذی ما استغاثك به جائع الا شبع ولا ظمآن الا روی ولا خائف الا من، ولا لهفان الا اغیث وانی لهفان مستغیثك استمطر رحمتك الواسعة من خزاین جودك فاغثنی یا رحمن یا من اذا نظر بعین حلمه وعفوه لم یظهر فی جنب کبریاء حلمه وعظمه عفوه ذنب، اغفرلی وتب علی وتجاوز عنی یا کریم۔

ترجمہ۔ اے اللہ ہمارے سرور و مولیٰ محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیج جو تیرے نور لامع اور سراجِ منیر ہیں جو مظہر ہیں تیرے سرِ ہامع کے (جو ہر ذرہ کون میں سرایت کئے ہوئے ہیں) جن کے جمال باکمال کے ساتھ تو نے سارے جہانوں کو زینت بخشی۔ جن کی رونقِ جلال سے سب زمانوں کو مزین کیا جن کے نورِ حقیقت سے ظہورِ عالم کا آغاز کیا۔ جن کے کمال کو اسرارِ نبوت پر اختتام پذیر کیا پس ان کے فیض و کرم سے حسنِ حقیقت کا مختلف مظاہرِ جمال میں حسین ترین انداز میں ظہور ہوا۔ اگر ان کا وجودِ باجود نہ ہوتا تو عدمِ رمیم سے کوئی صورت منصہ شہود پر نہ آتی۔
اس ذاتِ والاصفات کے وسیلہ سے جس بھوکے نے تجھ سے فریادرسی کی درخواست کی تو نے اس کو سیر کر دیا۔ اور جس پیاسے نے ابرِ رحمت کا چھینٹا طلب کیا تو نے اس کو سیراب کر دیا۔ اور جس خوف و دہشت کے مارے نے امن و سلامتی کی التجاء کی تو نے اس کو امن و سلامتی سے ہمکنار کر دیا۔ جس حرمان نصیب نے محرومی دور ہونے کی درخواست کی اس کو شرفِ قبولیت بخشا گیا۔ میں بھی حرمان نصیب اور حسرت زدہ ہوں اور تجھ سے فریاد کرتا ہوں، تیرے خزائن جود و کرم سے رحمتِ واسعہ کے ابرِ کرم کی موسلا دھار بارش کا طلب گار ہوں۔ پس اے رحمن میری فریاد رسی فرما۔ اے وہ ذات کریم کہ جب کسی کو حلم و عفو کی نگاہ سے دیکھ لے تو تیری عظمتِ عفو اور کبریائی حلم کے سامنے کوئی گناہ ٹھہر نہیں سکتا۔ میری مغفرت فرما۔ مجھ پر نگاہِ کرم فرما اور مجھ سے درگذر فرما اے کریم۔
ف۔ یہ دعا سیدی احمد بن ادریس سے منقول ہے۔

۵۹۔ اللھم بجاهه الاعلی وسره الاغلی افتح لنا باب حضراته واجعلنا من اهل شهود ذاته، وقربنا لدیه فی کل مشهد، وحققنا به فی کل مهبط ومصعد اللھم اسمعنا بحقه لذیذ الخطاب، وبصرنا بجاهه عظیم الجناب، وادخلنا بجاهه الی صدر المحراب

اللھم بجاهه الکریم عمنا منه بفیض عظیم۔
(ترجمہ) اے اللہ اپنے حبیب مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بلند و بالا جاہ وحشمت اور ان کے گرانبہا سرِ حقیقت کا صدقہ ہمارے لئے ان کی حضوری بارگاہ کے دروازے کھول دے۔ اور ہمیں ان کی ذاتِ اقدس کے مشاہدہ کرنے والوں سے بنا دے۔ اور ہر مشہد و مقام میں ہمیں ان کے قریب کر دے۔ اور ہر نشیب و فراز میں ان کی بدولت ہمیں ثابت قدم رکھ۔ ان کے حقِ عظمت و کرامت کا صدقہ اپنے خطاب لذیذ کا شنوا بنا۔ ان کی جاہ وحشمت کا صدقہ ہمیں ان کی عظیم بارگاہ کا دیکھنے والا بنا۔ اور ان کی حرمت و عزت کا صدقہ ہمیں اپنے حریم قدس کے صدر محراب میں داخل فرما۔ اور ان کی عزت و کرامت کا صدقہ ہمیں ان کے فیض عظیم کے احاطہ میں داخل فرما۔
(ف) یہ دعا سیدی میر غنی محمد عثمان مکی نے اپنی صلوات "فتح الرسول ومفتاح باب الدخول" میں ذکر کی ہے۔

۶۰۔ اللھم بجاه هذا النبی الکریم والرسول العظیم والحبیب الفخیم نسالك الهدایة الی سبیلك وطریقك المستقیم وشهود نوره الخطاف ببرقه لافئدة اهل الالطاف، ونقسم اللھم به علیك ونقف بجاهه بین یدیك نطلب بذلك الاستقامة علی قدمة والفوز بسره والموت بحرمه۔
(ترجمہ) اے اللہ اس نبی کریم، رسولِ عظیم، حبیبِ فخیم کی جاہ وحشمت کا صدقہ ہمیں سبیلِ قویم اور صراطِ مستقیم کی ہدایت نصیب فرما۔ اور ان کے اس نورِ عظیم کے مشاہدہ کی توفیق عطا فرما جو اپنی چمک و لمعان سے اہلِ الطاف کے دلوں کو اچک لینے والا ہے۔ اے اللہ ہم تجھے اس محبوب کی قسم دیتے ہیں اور ان کی جاہ وحشمت کا صدقہ تیرے حضور حاضر ہو کر ان کے قدم کرامت پر استقامت کا مطالبہ کرتے ہیں اور ان کے سرِ حقیقت تک رسائی اور ان کے حرم پاک میں موت و وفات کا سوال کرتے ہیں۔
ف۔ منقول از سید میر غنی محمد عثمان۔

۶۱۔ اَللّٰهُمَّ بِجَاهِهٖ لَدَیْكَ اَقِمْنَا بَیْنَ یَدَیْهِ وَیَدَیْكَ۔
(ترجمہ) یا اللہ ان کی حرمت و کرامت کا صدقہ ہمیں ان کی اور اپنی بارگاہ میں شرف قیام بخش۔
ف۔ منقول از حضرت میر غنی محمد عثمان رحمہ اللہ تعالےٰ۔

۶۲۔ یا اللہ بك تحصنت وبعبدك ورسولك سیدنا محمد صلی اللہ علیه وسلم استجرت اللھم انی اسالك یا رحمن یا رحیم باسمائك العظام وملائکته الکرام ورسلك علیهم افضل الصلاة والسلام ان تلمحنی بلمحة اهل بدر ولمحاتهم وتنفحنی بنفحاتهم بحقهم علیك یا رب۔
(ترجمہ)۔ اے اللہ میں نے تیرے ساتھ پناہ پکڑی اور حفظ و امان حاصل کی۔ اور تیرے عبد و رسول سیدنا محمد

صلی اللہ علیہ وآلہ وصحبہ وسلم کے ساتھ پناہ ڈھونڈی۔ اے اللہ۔ اے رحمٰن۔ اے رحیم میں تیرے اسماء عظام اور ملائکہ ورسل کرام علیہم السلام کے وسیلہ سے دعا کرتا ہوں کہ ہمیں بھی اہلِ بدر والی نگاہ عنائت سے دیکھ اور انہیں کے انوار اور نکہت خوش اطوار سے ہمیں حظ وافر اور نصیب وافر عطا فرما۔ اے میرے رب تجھے واسطہ ان کے حق عزت واکرام کا۔

(ف) یہ دعا حضرت سیدی الشیخ خالد نقشبندی کی صلوات مسماۃ "جَالِیَۃُ الْاَکْدَارِ" سے ماخوذ ہے۔

۶۳- ان اللہ وملآئکتہ یصلون علی النبی یا ایھا الذین آمنوا صلوا علیہ وسلموا تسلیما۔ اللھم صل وسلم علی من جعلتہ سببا لانشقاق اسرارک الجبروتیۃ وانفلاق انوارک الرحمانیۃ فصار نائبا عن الحضرۃ الربانیۃ وخلیفۃ اسرارک الذاتیۃ فھو یاقوتۃ احدیۃ ذاتک الصمدیۃ وعین مظھر صفاتک الازلیۃ فبک منک صار حجابا عنک وسرا من اسرار غیبک حجبت بہ عن کثیر من خلقک فھو الکنز المطلسم والبحر الزاخر المطمطم فنسالک اللھم بجاھہ لدیک وبکرامتہ علیک ان تعمر قوالبنا بافعالہ واسماعنا باقوالہ وقلوبنا بانوارہ وارواحنا باسرارہ واشباحنا باحوالہ وسرائرنا بمعاملتہ وبواطننا بمشاھدتہ وابصارنا بانوار محیا جمالہ وخواتم اعمالنا فی مرضاتہ۔

(ترجمہ)۔ بے شک اللہ تعالیٰ اور اس کے تمام ملائکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجتے ہیں۔ اے ایمان والو تم بھی ان پر درود وسلام بھیجو۔ اے اللہ درود وسلام بھیج اس ذات مکرم پر جس کو تو نے اپنے اسرارِ جبروتیہ وفعلیہ کے انشقاق وانکشاف کا سبب بنایا اور انوار رحمانیہ کے سرچشمہ کے پھوٹنے کا باعث بنایا۔ پس وہ حضرت ربانیہ کے نائب اور تیرے اسرارِ ذاتیہ کے خلیفہ بن گئے وہ تیری ذاتِ محمدیہ کی احدیت کا یاقوت ہیں اور صفاتِ ازل کا علین منظہر۔ وہ تیرے لئے بسبب تیرے حجابِ عظمت واہبت بنے اور تیرے اسرارِ غیب میں سے سرِّ عظیم جس حجاب کی وجہ سے تو بہت سی مخلوق سے محجوب ہے پس وہی کنز مطلسم اور مخفی خزانہ ہیں۔ اور جود وکرم کے بحر ذاخر و متلاطم۔
اے اللہ ہم تجھ سے ان کی جاہ وحشمت اور کرامت وعزت کے صدقہ میں دعا کرتے ہیں کہ ہمارے قوالب جسمانیہ کو ان کے لئے اعمال وافعال کی توفیق دے کر آباد وشاد فرما۔ ہمارے کانوں کو ان کے اقوال۔ ہمارے دلوں کو ان کے انوار۔ اور ارواح کو ان کے اسرار۔ اور اجساد واشباح کو ان کے احوال اور سرائر وبواطن کو ان کے معاملات اور مشاہدات سے اور ہماری نگاہوں کو ان کے انوارِ جمال سے اور ہمارے خواتمِ اعمال کو ان کی رضامندی سے آباد اور مزیّن کر دے۔

ف۔ یہ دعا سیدی شیخ محمد فاسی شاذلی کی صلواۃ یاقوتیہ سے منقول ہے۔

۶۴- اسال اللہ الکریم متوسلا الیہ بوجاھۃ وجہ نبیہ العظیم ان یمن علینا بذرۃ من اقبالہ وبسطۃ من افضالہ وان یجعل عملنا خالصا لوجھہ الکریم وسببا للفوز لدیہ بجنات النعیم ونحظی بنضارۃ الوجہ بالنظر الی وجہ الکریم مع الذین انعم اللہ علیھم من النبیین والصدیقین والشھداء والصالحین، وصلی اللہ وسلم علی سیدنا محمد وعلی آلہ واصحابہ وازواجہ وذریتہ واھل بیتہ کلما ذکرہ الذاکرون وغفل عن ذکرہ الغافلون۔

ترجمہ۔ میں اللہ کریم سے دعا کرتا ہوں اس کے نبی عظیم کی وجاہتِ چہرہ اقدس کا وسیلہ پیش کرتے ہوئے کہ ہمیں ان کے التفات واقبال سے بہرہ ور فرمائے اور ان کے جود وافضال سے حظِ وافر عطا فرمائے۔ اور یہ کہ ہمارے عمل کو خالص اپنی ذات اقدس کے لئے بنائے۔ اور اپنے ہاں جنات النعیم کے حصول کا سبب بنائے۔ اور ہمیں (ان حضرات کی معیت میں) اپنے دیدارِ ذات سے بہرہ ور کر کے ہمارے چہروں کو تازگی بخشے جن پر اس کا انعام ہے یعنی انبیاء، وصدیقین اور شہداء، وصالحین اور صلواۃ وسلام بھیجے اللہ تعالےٰ سیدنا محمد اور ان کے آل واصحاب، ازواج و ذریت اور اہل بیتِ کرام پر جب تک ذکر کرنے والے اس کا ذکر کرتے رہیں اور پردہ غفلت میں پڑے ہوئے اس کے ذکر سے غافل رہیں۔

ف۔ ان کلمات توسل کو الشیخ حسن العدوی المصری المالکی متوفی ۱۳۰۳ھ نے "النفحات الشاذلیہ فی شرح البردۃ البوصیریہ" ذکر فرمایا ہے۔

۶۵- اللھم اختم لنا بخاتمۃ السعادۃ واجعلنا من الذین لھم الحسنی وزیادۃ بجاہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم ذی الشفاعۃ وآلہ وصحبہ ذوی السیادۃ صلی اللہ علی سیدنا محمد وعلی الہ وصحبہ وسلم، والحمد للہ رب العالمین۔

(ترجمہ) اے اللہ تبارک وتعالیٰ ہمارا خاتمہ سعادت اور نیک بختی پر فرما۔ اور ہمیں ان لوگوں سے بنا جن کے لئے بروزِ قیامت احسن جزاء ہے اور احسان مزید ہے وسیلہ جاہ وحشمت محمد صلی اللہ علیہ وسلم صاحبِ شفاعت کا اور ان کے آل واصحاب ذوی اسیادت کا صلی اللہ علی سیدنا محمد وعلیٰ آلہ وصحبہ وسلم والحمد للہ رب العالمین۔

ف۔ اس استغاثہ کو امام علامہ زاہد وعابد الشیخ محمد شنوانی المتوفی ۱۲۳۳ھ شیخ الجامع الازہر نے مختصر البخاری لابن ابی جمرہ کے حاشیہ کے آخر میں ذکر کیا ہے۔

نوٹ۔ میں علامہ موصوف کے اسی استغاثہ پر اپنے اس حزب کو ختم کرتا ہوں کیونکہ اس میں براعت مقطع اور حسن ختام وانجام موجود ہے۔ اللہ تعالےٰ ہمیں ان کی اور دیگر اکابرین کی برکات سے نفع اندوز ہونے کی توفیق دے۔ اور انہیں کے زمرہ اور جماعت میں ہمارا حشر فرمائے۔ اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لواءحمد کے نیچے مع آپ کے جملہ احباب کرام کے۔ آمین یارب العالمین۔

خاتمہ

ابن تیمیہ اور اس کے ہم مشرب لوگوں نے بعض اولیاء کرام سے منقول بعض الفاظ موہمہ پر جو اعتراضات کئے ہیں۔ خاتمہ میں ان کا جواب دیا جاتا ہے (جس طرح کہ متوسلین و مستغیثین پر ان کے اعتراضات کا جواب پہلے ابواب میں دیا گیا ہے)۔

نوٹ۔ سیدی عارف کبیر شہیر الشیخ عبدالوہاب شعرانی رضی اللہ عنہ نے اس موضوع پر مستقل کتاب مسمیٰ "الاجوبۃ المرضیۃ عن ائمۃ الفقہاء والصوفیہ" تالیف فرمائی ہے مگر میں اس پر اس وقت مطلع ہوا جب ان کی دوسری کتابوں سے اور دیگر اکابر کی کتابوں سے اس عنوان کے تحت بہت کچھ لکھ چکا تھا جو وافی بالمقصود تھا لہٰذا اسی پر اکتفاء کرتے ہوئے اس کتاب سے کوئی چیز نقل نہیں کی۔

حضرت شیخ شعرانی قدس سرہ العزیز نے اپنی کتاب "البحر المورود" میں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے یہ عہد لے رکھا ہے کہ ہم ائمہ اسلام علماء کرام اور صوفیہ عظام کی طرف سے اپنی بساط کے مطابق دفاع کریں اور ان پر زبان طعن وتشنیع دراز کرنے والوں کے اقوال کی طرف دھیان نہ دیں کیونکہ ہمیں اس امر کا قطعی علم ہے کہ جس شخص نے بھی ان پر زبان طعن دراز کی ہے وہ ان کے مدارج و مدارک علمیہ سے بیخبر ہے۔

نیز ان پر ردوقدح کرنے والے پر لازماً یہ رجعت پڑے گی کہ اس کا نور علم بجھ جائے گا اور اس کی تمام تر تالیفات کا نفع و فائدہ معدوم ہو جائے گا کیونکہ اس نے ایسی مقدس ہستیوں کی جناب پاک میں بے ادبی اور اساءت سے کام لیا ہے جن کو اللہ تعالیٰ نے قیامت کے دن سب عباد کے لئے مقتدا و پیشوا بنایا ہے۔

امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ پر اعتراض کرنے والے کا آخر کیا مرتبہ و مقام ہے کہ وہ اس امام جلیل پر زبان طعن و تنقید کھولے۔
ابن الجوزی کے مرتبہ و مقام کو حضرت معروف کرخی، حضرت جنید، حضرت شبلی، حضرت ابویزید بسطامی اور حضرت سہل بن عبداللہ تستری وغیرہ سادات صوفیہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ کیا نسبت ہے تاکہ ان کا رد کر سکے جو اور اپنی کتاب "تلبیس ابلیس" میں کہے۔
مجھے اپنی زندگانی کی قسم ان صوفیہ نے شریعت کی بساط لپیٹ دی ہے اے کاش وہ صوفی نہ بنتے اور اسی کتاب میں ایک مقام پر کہتا ہے۔ یہ لوگ حد جنون و دیوانگی سے بھی کئی درجے آگے نکل گئے ہیں۔ حتیٰ کہ اس نے اسی کتاب میں سیدی ابویزید بسطامی حضرت سہل بن عبداللہ تستری، حضرت شبلی، امام غزالی اور ایک جماعت صوفیہ کو صریحاً کافر کہہ دیا ہے۔ حیرت و تعجب کی انتہا ہے کہ ایسے حضرات کو کافر قرار دیا جائے جو اہل اسلام کے عظیم امام ہیں اور حقیقت و شریعت کے جامع۔ علاوہ ازیں خود ابن الجوزی نے اپنی پند و نصائح اور دل گداز حکایات و واقعات پر مشتمل جملہ تصنیفات کو انہیں کے مناقب اور حکایات سے مزین کیا ہے۔ یا تو تلبیس ابلیس وغیرہ میں جو کچھ ہے وہ ابتدا اور آغاز تالیف کے دور کی بات ہے اور یا اس کتاب میں ابن الجوزی پر افتراء کرتے ہوئے اس کی کتاب میں معاندین و مخالفین نے اپنی طرف سے غلیظ عبارات ملا دی ہیں۔

امام شعرانی فرماتے ہیں اے برادر دینی و اسلامی ہمیں علماء عالمین میں سے کسی کے متعلق یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ اس نے ان ائمہ اسلام میں سے کسی کے رد کی کوشش کی ہو بلکہ اپنی بساط کے مطابق ان کی طرف سے موزوں و مناسب جواب دیتے ہی نظر آتے ہیں جیسے کہ الشیخ العالم المحقق جلال الدین المحلی نے امام نووی کی کتاب منہاج کی شرح میں یہی طریقہ اختیار کیا ہے۔ وہ امام موصوف کے کلام کو احسن ترین محمل پر حمل کرتے ہیں اور تعصب و عناد سے کام نہیں لیتے حتیٰ کہ اب اکثر طلبہ امام نووی کی طرف سے جواب نہیں جانتے فرضی اللہ عن اہل الانصاف۔

کلمۃ الثناء للجنید والامام الغزالی

ائمہ طریق اور علماء اسلام نے حضرت جنید اور امام غزالی وغیرہما کے متعلق شہادت دی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اولیاء و احباء میں سے ہیں لہٰذا جس نے ان کو ہدف تنقید بنا کر ان کو نگاہ عوام میں کم مرتبہ ظاہر کرنے کی ناپاک سعی کی تو گویا اس نے آفتاب عالمتاب کے نور و ضیاء کو اہل زمین سے چھپانے کی سعی کی یا دنیا کے پہاڑوں کو چیونٹی کے پھونک کے ساتھ اپنی جگہ سے ہلانے کی کوشش کی ہے۔

۱۔ شیخ ابوالحسن شاذلی جیسی ہستی نے امام ابو حامد غزالیؒ کے متعلق فرمایا کہ وہ صدیقین کے رؤساء میں سے ہیں۔ ایسے شیخ کامل کی شہادت کے بعد کسی کی شہادت کی کیا ضرورت ہو سکتی ہے۔

۲۔ حضرت شیخ محی الدین ابن العربی علوم ظاہرہ و باطنہ میں کامل تبحر کے باوجود امام موصوف کی کتاب "احیاء العلوم" کا مطالعہ کیا کرتے تھے اور اس سے استفادہ کرتے۔ نیز اس پر کئے گئے اعتراضات کے بہترین جوابات ذکر فرماتے۔ اس سے بڑھ کر امام غزالی کی اور منقبت کیا ہو سکتی ہے۔ وہ علوم شرعیہ میں اس حد غایت کو پہنچ چکے تھے کہ حجۃ الاسلام قرار پائے اور جملہ اقران و اہل زمان پر فوقیت لے گئے۔ اس وقت انہیں کی کتابیں امام شافعی علیہ الرحمہ کے مذہب کے لئے دارو مدار ہیں اور انہیں پر فتویٰ کی بنیاد ہے۔

۳۔ عرفاء میں سے ایک عارف کامل نے دیکھا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم انبیاء علیہم السلام کے سامنے امام غزالی رحمہ اللہ کے ساتھ فخر و مباہات کا اظہار فرما رہے ہیں۔ اور حضرت عیسیٰ روح اللہ علیہ السلام کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا کیا تمہاری امت میں اس جیسا حبر اور عالم کامل موجود ہے تو انہوں نے عرض کیا نہیں یا رسول اللہ۔

۴۔ علماء مغرب میں سے ایک عالم نے امام موصوف پر رد و انکار کیا اور ان کی کتاب احیاء العلوم کو جلا دیا۔ اس نے خواب میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ اس سے منہ موڑے ہوئے ہیں۔ پھر اس کے کپڑے اتار کر اپنے سامنے کوڑے مارنے کا حکم دیا۔ جب وہ عالم بیدار ہوا تو اپنے پہلوؤں پر کوڑوں کے نشان موجود پائے۔ اور تازیست وہ نشان اسی طرح رہے چنانچہ اس عالم نے اپنی اس غلطی سے توبہ کی۔ اور احیاء العلوم کو آب زر کے ساتھ لکھنے

کا حکم دیا۔

حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے جب تمہیں کسی شخص کے متعلق یہ اطلاع ملے کہ اس نے کسی مسئلہ میں خطا کی ہے تو اس سے ملاقات کرو۔ اگر وہ اس نسبت کو غلط بتائے تو اس کی تصدیق کرو اور اب اس مسئلہ کی نسبت اس کی طرف کرنے کا تمہارے لئے کوئی جواز موجود نہیں ہے۔ اور اگر ملاقات کا اتفاق نہ ہو تو اس کے کلام کو ستر محامل پر محمول کرو کسی بھی صورت میں اس کی توجیہ ہو سکتی ہو تو کرو) اگر تمہیں اپنا نفس اس توجیہ و تاویل پر قانع نہ ہونے دے تو اپنے نفس کو ملامت کرو اور اسے یہ کہو کہ تمہارے بھائی کا کلام ستر وجوہ پر محمول ہو سکتا ہے مگر تم اس کو ایک وجہ پر بھی محمول کرنے کو تیار نہیں ہو۔ انتہی کلام الشعرانی۔

امام شعرانی نے اسی حوض مورود میں ہی فرمایا ہے کہ ہم سے یہ عہد لیا گیا ہے کہ ہم ان اولیاء کرام جن پہ رد و انکار اور جرح و قدح کی گئی ہے ان میں سے کسی کا ذکر نہ کریں مگر ان کے عقیدت مندوں کے سامنے اور جب ان کا ادب و طریقہ یا ان کی بیان کردہ حکمت کا ذکر کرنے لگیں تو کہیں بعض اولیاء کرام نے یوں فرمایا ہے اور ان کی تعیین نہ کریں۔ کیوں کہ جو شخص ان کی کرامات کا ذکر ایسے لوگوں کے سامنے کرتا ہے جو ان پر رد و قدح کرتے ہیں تو وہ اس منکر کے غیظ و غضب کا سبب بن گیا اور اس ولی خدا کی شان میں گالیاں دلوانے کا اس شخص کا حکم اس سنی شخص جیسا ہے جو شیخین رضی اللہ عنہما کے اوصاف و مناقب اہلِ تشیع اور رافضیوں کے سامنے ذکر کرے حالانکہ اس کو قطعًا اعتبار و اعتقاد نہیں کہ وہ ان کی شان میں سب و شتم سے کام نہیں لیں گے۔

جو طریقہ ہم نے بیان کیا ہے حضرت امام قشیری نے اپنے رسالہ میں اسی کو اختیار کیا ہے۔ انہوں نے "الرسالۃ علی الکتاب والسنۃ" کے ابتداء میں منصور حلاج کا عقیدہ ذکر کیا ہے اور بعض لوگوں کے دلوں میں اس کے متعلق جو بدظنی اور بدگمانی تھی اس کو زائل کرنے کی کوشش فرمائی۔ اور جب اہل اللہ کے مناقب کو ذکر کیا تو حلاج کا ذکر سب سے آخر میں کیا ہے تاکہ جن رجال حال کا ذکر کیا ہے حلاج کے ابتداء میں صراحۃً ذکر سے کہیں ان کے متعلق بھی شکوک و شبہات پیدا نہ ہو جائیں۔

الحاصل واضح طور پر معلوم ہو گیا کہ حضرت شیخ اکبر، سیدی عمرو بن سبعین اور ہمچوں قسم اکابر اولیاء کرام کا ذکر صرف اربابِ ورع و تقویٰ اور محتاط علماء کرام کے سامنے ہی مناسب ہے جو لوگوں کی عزتوں سے کھیلنا پسند نہیں کرتے۔ مجھے شیخ امین الدین امام جامع الغمری (مصر) نے بتلایا کہ ایک قصیدہ گو نے سیدی عمر بن الفارض کا قصیدہ خمریہ شرابخوروں کی ایک جماعت کے سامنے پڑھا تو اللہ تعالے نے اس کا بول و براز اس کے ناک اور منہ سے جاری کر دیا اور اسی حالت میں وہ مر گیا۔

مجھے میرے بھائی شیخ افضل الدین نے بتایا کہ ابناء زمان میں سے ایک شخص نے شیخ محی الدین بن العربی پر اعتراض کیا۔ اور رات کو آگ لے کر آیا تاکہ ان کے تابوت شریف۔ اور مزار شریف کے پردہ کو جلا دے تو اللہ تعالے نے اس کو

زمین میں دھنسا دیا۔ لوگوں نے اس کو باہر نکالنے کے لئے زمین کھودی مگر وہ بہت گہرائی میں جا چکا تھا لہذا ناامید ہو کر واپس آئے اور حضرت شیخ کی کرامت دیکھ کر ان کا اعتقاد مزید پختہ ہو گیا۔ اور یہ ان دونوں حضرات کے اولیاء اللہ میں سے ہونے کی عظیم دلیل ہے۔

مجھے معلوم ہوا ہے کہ حضرت امام نووی سے حضرت شیخ محی الدین بن العربی کے متعلق دریافت کیا گیا تو انہوں صرف اس قدر جواب دیا "تلک امۃ قد خلت الآیہ" وہ امت گذر چکی ہے اس کو وہ اعمال صالحہ نفع دیں گے جو اس نے کمائے اور تمہیں وہ اعمال صالحہ جو تم نے کئے اور تم سے (یہ پوچھا جائے گا کہ تم نے کیا کمایا) یہ نہیں پوچھا جائے گا کہ انہوں نے کیا کمایا۔ لہذا اے برادرانِ اسلام تم بھی اس جواب کو اچھی طرح سوچ سمجھ لو اور اسی طریقہ حسنہ پر عمل کرو۔ اللہ تعالی تمہیں ہدایت بخشے۔

امام شعرانی اپنی کتاب "لواقح الانوار القدسیہ" جو عہود کبریٰ کے نام سے متعارف ہے اس میں فرماتے ہیں کہ رسول مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ہم اس عہد کے پابند ہیں کہ ہم علوم شرعیہ میں سے کسی علم میں بحث و مناظرہ نہ کریں مگر دینِ قویم کی نصرت و امداد کے لئے۔ پھر فرمایا مجھے ایک شخص نے ایک کتاب کی اطلاع دی جس میں امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ پر اعتراض کیا گیا تھا۔ میں نے اسی رات خواب میں امام موصوف کو دیکھا آپ ستر ہاتھ کے قریب بلند قامت ہیں اور آپ سے اس طرح نور کی شعاعیں پھوٹ رہی ہیں جیسے سورج سے پھوٹتی ہیں۔ اور آپ پر تنقید و اعتراض کرنے والا شخص آپ کے سامنے ایک سیاہ چیونٹی کی شکل میں نظر آ رہا تھا۔

فرماتے ہیں جب ہمارے امام شافعی جیسی ہستی فرماتی ہے "الناس کلہم فی الفقہ عیال علی ابی حنیفۃ" سب لوگ فقہ میں امام ابو حنیفہ کے عیال ہیں اور ان کے دست نگر۔ تو ہم جیسے ان کے مقتدیوں کو یہ کیسے زیب دیتا ہے کہ ان پر رد و قدح کے درپے ہوں یہ خیال تو حد جنوں سے بھی کئی گنا اور کئی درجے زیادہ ہے۔ اللہ تعالی کا ارشاد گرامی ہے۔

شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا وَّالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهٖٓ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسٰٓى اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ۔

تمہارے لئے مشروع فرمایا۔ اس دین کو جس کے ساتھ نوح علیہ السلام کو وصیت فرمائی اور جس کے ساتھ تمہاری طرف وحی کی۔ اور جس کے ساتھ حضرت ابراہیم و موسیٰ اور عیسیٰ علیہم السلام کو وصیت کی کہ دین کو قائم کرو اور اس میں تفرقہ اندازی سے گریز کرو۔

لہذا اللہ تعالے نے ہمیں دین کو قائم رکھنے کا حکم دیا ہے نہ کہ ائمہ دین پر تنقید و اعتراض کر کے اور غرور و تکبر سے کام لے کر دین کو مٹانے و سلانے کا اور یہ خرابی مقلدین میں عام ہو چکی ہے۔ ان میں سے ہر شخص دوسرے اہلِ مذہب کے حجج و دلائل کو ضعیف و کمزور کرے گا اور ناقابل اعتداد و اعتبار ٹھہرائے گا حتیٰ کہ ان کے لئے کتاب و سنت کے ساتھ تمسک و استدلال کی کوئی صورت باقی نہیں رکھے گا۔ حالانکہ یہ بہت بری خصلت ہے۔ ہر مذہب کے مقلدین کو صرف یہی زیبا تھا کہ اپنے

ائمہ مذاہب کی طرف سے جواب دیتے کہ جس دلیل پر رد کرنے والا مطلع ہوا ہے امام مذہب اس پر مطلع نہیں ہو سکا اور یا ان کے سامنے قواعد عربیت کی رو سے ایسے وجوہ استنباط و اجتہاد موجود تھے جو ہم جیسے کم علم لوگوں سے مخفی ہیں۔

امام شافعی کا ادب و نیاز امام اعظم کے ساتھ

ہمیں یہ روایت پہنچی ہے کہ جب امام شافعی بغداد پہنچے تو امام ابو حنیفہ کی قبر شریف کی زیارت کی اور جب صبح کی نماز کا وقت ہو گیا تو باوجودیکہ وہ خود صلوٰۃ فجر میں قنوت کے قائل تھے مگر اس کو ترک کر دیا۔ جب سوال کیا گیا کہ آپ نے قنوت کو ترک کیوں کیا ہے تو فرمایا "اِسْتَحْيَيْتُ مِنَ الْإِمَامِ اَنْ اَقْنُتَ بِحَضْرَتِهٖ وَهُوَ لَا يَقُوْلُ بِهٖ"، مجھے ان امام اعظم سے حیا آتی ہے کہ میں ان کے سامنے نمازِ فجر میں قنوت کروں حالانکہ وہ اس کے قائل نہیں ہیں فرضی اللہ عن اہل الادب۔ یہ تو ہے حکم آداب و سنن کے باب میں۔ رہا معاملہ واجب و حرام کا تو جب مجتہد کے پاس ایسی دلیل موجود ہو جس سے اس کو حرمت یا وجوب کا حتمی علم حاصل ہو جائے تو اس کو اپنے نظریہ کے مخالف مجتہدین کے ساتھ ادب و نیاز کی وجہ سے اس واجب کی ترک یا حرام کے ارتکاب کی اجازت نہیں ہے۔

اتفاق فی الدین کی اہمیت اور اختلاف و جدال کی صورت جواز

امام طبرانی نے روایت نقل کی ہے کہ شریعتِ مطہرہ تین سو ساٹھ طرق پر وارد ہے۔ لہٰذا کسی شخص کو یہ درست نہیں ہے کہ وہ اپنے مخالف پر رد و قدح کرے۔ جب تک سب طرق کو دیکھ نہ لے اور اپنے خصم کے کلام کو ان میں سے کسی طریقہ کے مطابق نہ پائے۔ اور شارع علیہ السلام نے اس کا ذکر صرف اس لئے فرمایا تاکہ بغیر علم و معرفت کے بحث و جدل کرنے والوں کا راستہ روکیں اور دین کو قوت و طاقت بہم پہنچائیں کیونکہ اہل اسلام کا باہمی جدال و نزاع اس کو ضعیف اور کمزور کرتا ہے۔ اور میں نے سیدی علی الخواص کو فرماتے ہوئے سنا۔ "لَا يَقُوْمُ الدِّيْنُ اِلَّا بِالْاِتِّفَاقِ عَلَيْهِ لَا بِالْاِخْتِلَافِ فِيْهِ" دین صرف اسی صورت میں قائم و برپا ہوتا ہے جب اس پر اتفاق ہو نہ کہ جب اس میں اختلاف کیا جائے۔

امام بیہقی، امام ترمذی وغیرہما نے روایت نقل فرمائی اور ترمذی نے اس کو حسن قرار دیا کہ رسول گرامی صلی اللہ علیہ وسلم

ف: اس روایت سے امام شافعی علیہ الرحمۃ کا اموات و اہل قبور کے متعلق علم و آگہی اور احساس و شعور کا اعتقاد بھی واضح ہو گیا کیونکہ جن کو مزار کے قریب ہونے والے واقعات کا علم ہو ہی نہ سکے ان سے شرم و حیاء کا کیا مطلب ہو سکتا ہے۔ نیز وہ تبع تابعین سے ہیں اور وہ دور بھی زبان رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم پر مشہود لہ بالخیر ہے تو اس دور کے امام عظیم کے اس عقیدہ سے اموات اور اہلِ قبور کے متعلق اس عقیدہ کا خیر محض ہونا واضح ہو گیا والحمد للہ علی ذالک۔ محمد اشرف سیالوی غفرلہ

نے فرمایا۔ "مَا ضَلَّ قَوْمٌ بَعْدَ هُدًى كَانُوْا عَلَيْهِ اِلَّا اُوْتُوا الْجَدَلَ ثُمَّ قَرَأَ صلی اللہ علیہ وسلم مَا ضَرَبُوْهُ لَكَ اِلَّا جَدَلًا بَلْ هُمْ قَوْمٌ خَصِمُوْنَ"، نہیں گمراہ ہوئی کوئی قوم بعد اس ہدایت کے جس پر وہ تھے مگر ان کے درمیان باہمی جدال و نزاع وقوع پذیر ہو گیا پھر آپ نے یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی۔ نہیں بیان کیا انہوں نے اس امر کو مگر بطور جدال و نزاع کے بلکہ وہ جھگڑالو قوم ہے۔

امام بخاری۔ امام مسلم وغیرہما نے مرفوعاً نقل فرمایا۔ "اِنَّ اَبْغَضَ الرِّجَالِ اِلَى اللّٰهِ تعالی اَلْاَلَدُّ الْخَصِمُ"، سب لوگوں سے زیادہ مبغوض اور ناپسندیدہ اللہ تعالے کے نزدیک وہ شخص ہے جو سخت جھگڑا اور حجت باز ہے۔

ہاں اگر کوئی صاحبِ بدعت کھڑا ہو جائے اور اپنی بدعت کو ترویج دینے لگے جس پر کتاب و سنت دال اور شاہد نہ ہو (نہ خصوصاً و عموماً اور نہ اطلاقاً و تقییداً۔ نہ عبارۃً و اشارۃً اور نہ دلالۃً واقتضاءً) تو ہمارے لئے اس کی حجت کو باطل کرنا اور اس کی بنیاد کو اکھیڑنا اللہ تعالے اور رسول کریم علیہ السلام اور اہلِ اسلام کے ساتھ خلوص اور ہمدردی کا ثبوت دینے کے لئے لازم اور ضروری ہے واللہ غفور رحیم (انتہیٰ کلام الامام الشعرانی فی العہود الکبریٰ باختصار)

امام شعرانی نے اپنی کتاب المنن الکبریٰ میں فرمایا۔ اللہ تعالے کے جملہ انعامات میں سے یہ بھی مجھ پر اللہ تعالے کا انعام و احسان ہے کہ اس نے مجھے ائمہ مجتہدین اور مشائخ صوفیہ کے کلام کی بکثرت توجیہ کرنے کی توفیق مرحمت فرمائی ہے اور ان کے کلام اور ان کے اتباع کے کلام کو احسن محامل پر حمل کرنے کی سعادت بخشی ہے اور بعض اوقات میں ایسے لوگوں کے کلام کی بھی صحیح اور مناسب توجیہ کر دیتا ہوں جن کے متعلق مجھے معلوم ہی کیوں نہ ہو کہ ان کا ذہن بہرحال یہاں تک نہیں پہنچا اور اس سے میرا صرف اور صرف یہی مقصد ہوتا ہے کہ ان کی بے آبروئی اور توہین و تحقیر کا دروازہ بند ہو جائے۔

من جملہ ایسی کلاموں کے یہ بھی ہے مثلاً ہم اکابر میں سے کسی کو یہ کہتے ہوئے سنیں "اے اللہ مجھ سے اپنے بندوں کی زبانوں کو روک لے تاکہ میری تنقیص و توہین نہ کریں"، تو ہم اس کا یہ معنی نہیں کریں گے کہ اس نے اغراض نفسانیہ کے تحت لوگوں کے نزدیک عظیم بننے کی تمنا و آرزو کی ہے۔ ہم تو اس کو اس معنی پر حمل کریں گے کہ اس نے صرف توہین و تنقیص سے بچنے کی دعا کی ہے تاکہ اس کے متبعین اس کے وعظ و نصیحت کو قبول کرنے میں توقف نہ کریں یا کوئی شخص اس کی عیب جوئی اور غیبت کی وجہ سے گناہگار نہ ہو۔ یا کسر نفسی کا اظہار مطلوب ہے کہ میں کم ہمت اور بے حوصلہ ہوں لوگوں کی ایسی باتیں برداشت نہیں کر سکتا وغیرہ وغیرہ۔

حضرت موسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کے متعلق منقول ہے کہ انہوں نے بارگاہ خداوندی میں عرض کیا "اے بار الٰہ لوگوں کی زبانیں مجھ سے دور رکھ اللہ تعالے نے فرمایا۔ یہ تو ایسی چیز ہے جس کو میں نے اپنے لئے بھی پسند نہیں کیا، لوگ میرے متعلق کیا کچھ نہیں کہتے"، اور یہ بات واضح ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کسی نفسانی غرض کے تحت اس مقام کا مطالبہ نہیں کر رہے تھے کیونکہ وہ معصوم ہیں اور یہی توجیہ اولیاء کرام کے حق میں بھی کی جائے گی۔ کیونکہ وہ بھی محفوظ ہوتے ہیں لہٰذا

جن اکابر اولیاء اللہ نے یہ دعا کی ہے تو انہوں نے صرف اور صرف اس لئے کی ہے تاکہ ان کے متعلقین و متوسلین ان کی نصیحت قبول کرنے میں متامل و متردد نہ ہوں حالانکہ وہ ان کی ہدایت کے ساتھ مکلف ہیں اور لوگوں کی تنقیص و توہین سے متبعین کی نگاہوں میں ان کا کوئی مقام نہ رہا تو وہ اتباع و اقتداء میں کاہلی اور سستی کا مظاہرہ کریں گے۔ اس لئے عارفین کاملین کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالٰے کی طرف دعوت دینے والے شخص کے لئے بنیادی شرط یہ ہے کہ وہ مخالفتِ شرع سے ظاہر میں محفوظ ہو تاکہ مدعوین کو اس پر طعن و تشنیع کا کوئی موقعہ نہ مل سکے۔

ہماری اس توجیہ کی نظیر حضرت ہارون علیہ السلام کے قول " فَلَا تُشْمِتْ بِيَ الْأَعْدَاءَ "، کی توجیہ ہے کیونکہ انہوں نے حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام سے یہ کہا کہ " کہ میرے سر اور ڈاڑھی کے بال پکڑ کر اور مجھے گھسیٹ کر میرے اعداء کو خوش نہ کرو"، تو اس سے ان کا مقصد کسی غرض نفسانی کی تکمیل نہیں تھا العیاذ باللہ بلکہ صرف یہ مقصد تھا کہ ان کی یہ حالت دیکھ کر جو لوگ خوش ہوں گے تو وہ سخت گناہگار ہو جائیں گے کیونکہ جو شخص کسی نبی کی بے آبروئی پر خوش ہوتا ہے وہ کافر ہو جاتا ہے۔

اور یہ باب (توجیہ و تاویل) جو ہم نے تمہارے سامنے کھولا ہے اس کو فقراء میں سے بہت کم لوگ جانتے ہیں۔ بلکہ ان کی اکثریت فوری طور پر اعتراض و انکار کے درپے ہو جاتی ہے خواہ قلتِ علم کی وجہ سے ہو یا اور کسی وجہ سے بس کوئی چیز دیکھی تو فوراً اعتراض و انکار پر اتر آئے۔ یا سنی تو فوری ردعمل ظاہر کرنا شروع کر دیا۔ یا سن کر تحقیق کرنے کی ضرورت نہ سمجھی بس اس کو شائع اور عام کرنا شروع کر دیا۔

ایک دفعہ جامع ازہر سے ایک شخص میرے پاس آیا اور کہنے لگا میں فلاں عالم کا دوبارہ کبھی معتقد نہیں ہو سکوں گا میں نے سبب دریافت کیا تو اس نے کہا میں نے اس کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ میں اس وقت تمام علماء مصر سے بڑا عالم ہوں۔ بلکہ تمام روئے زمین کے علماء سے زیادہ عالم ہوں۔ میں نے کہا اس کلام (کی وجہ سے بدعقیدہ ہونے کا کیا مطلب ہو سکتا ہے۔ کیونکہ) اس کا مطلب یہ ہو سکتا ہے کہ میں اپنی لغزشات اور شریعت مطہرہ کی مخالفت کے متعلق زیادہ عالم ہوں۔ یا اپنے گھر کے سازوسامان کے متعلق زیادہ علم رکھتا ہوں۔ یا اپنی بیوی کے جسم وغیرہ کے متعلق وغیر ذالک من التاویلات والتوجیہات۔

اس نے کہا میں نے اس کو یہ کہتے بھی سنا ہے کہ فلاں عالم میرے ناخن کے تراشے اور میرے ایک بال جتنی قدر و قیمت بھی نہیں رکھتا (لہٰذا آپ کی اس توجیہ و تاویل کی یہاں کوئی گنجائش نہیں ہے) میں نے اس کو کہا تو یہ بھی ٹھیک ہے۔ کیونکہ ناخن کا تراشہ یا بال بے قدر و قیمت ہے جب کہ انسان اور عالم اجل اور اعظم ہے اور خود تمہاری زبان حال یہ کہہ رہی ہوگی کہ اس کا مقصد یہی ہوگا۔ اس شخص نے کہا (نہیں اس کا مقصد اپنی بڑائی ظاہر کرنا تھا کیونکہ) میں نے اس کو اس وقت یہ کہتے ہوئے سنا جب کہ ہم بولاق کے راستہ پر چل رہے تھے۔ پاک ہے وہ ذات جس نے زمین کے ان قطعات کو ہمارے چلنے کی وجہ سے عزو شرف بخشا۔ میں نے کہا اس کا یہ قول بھی درست ہے کیونکہ نوع انسانی مٹی سے افضل و اعلیٰ ہے لہٰذا وہ بھی خلاصہ وجود ہے اور مقصدِ تخلیق کائنات لہٰذا وہ دوسری اشیاء سے افضل ہے علی الخصوص جب اللہ تعالٰے نے اس

پر یہ فضل و احسان بھی فرمایا ہو کہ وہ ذکر کرتے ہوئے گذر رہا ہو۔ اس نے پھر کہا (اس توجیہ کا کوئی جواز نہیں ہے بلکہ اس کا مقصد اپنی بڑائی ظاہر کرنا ہے کیوں کہ) میں نے اس کو یہ کہتے ہوئے بھی سنا کہ میں اس وقت تمام علماء مصر سے افضل ہوں۔ تو میں نے کہا ہو سکتا ہے اس کا مقصد یہ ہو کہ میں اپنے نفس پلید کے نزدیک ان سے افضل ہوں۔ اور نفس اس قسم کے دعوؤں میں خطا کار ہے بلکہ حقیقت حال یہ ہے کہ وہ سب علماء مجھ سے افضل ہیں۔

الغرض اے برادر دینی اپنے مسلمان بھائیوں کے اقوال میں مقدور بھر مناسب و موزوں توجیہ کی کوشش کرو اگرچہ بعید ہی کیوں نہ ہو کیونکہ یہی صورت تمہارے لئے سلامتی اور خلاصی کی موجب ہے۔ میں نے سیدی علی الخواص کو فرماتے ہوئے سنا شرعًا کسی امر پر انکار اس وقت تک درست نہیں جب تک وہ امر قابلِ توجیہ ہو جب کوئی توجیہ نہ ہو سکے تو اس وقت انکار درست ہے۔ اور آپ یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ فقیر کا کمال یہ ہے کہ اکابر کے کلام کو احسن محامل اور معانی پر محمول کرے کیونکہ وہ ابلیس کی تلبیس و فریب دہی اور نفسانی رعونت و تکبر سے پاک ہوتے ہیں۔ اور اگر ان کے کسی قول یا فعل کی توجیہ سے عاجز آجائے تو بھی ان پر انکار نہ کرے بلکہ ان کو اپنے قول یا فعل میں صائب سمجھے کیونکہ ہمارے جیسے لوگوں کے عقول و افہام سے ان کے عقول و افہام اور ان کے منشاء استدلال و مبدء استنباط ماوراء ہیں علی الخصوص ائمہ مجتہدین اور ان کے اکابر مقلدین کے عقول و افہام۔ لہٰذا ہم جیسے لوگوں کو ان کے رد و انکار کے درپے ہونا کیسے زیب دیتا ہے۔

امام اعظم کے گستاخ کا انجام بد

ایک شخص نے حضرت امام ابو حنیفہ کا رد ایک کتابچہ کی صورت میں لکھ کر میرے حوالے کیا میں نے اس کو دھتکار دیا اور اس کے قول کی طرف دھیان والتفات بھی نہ کیا۔ وہ مجھ سے جدا ہوا اور اپنے مکان کی سیڑھی سے گر پڑا اور وہ مکان کافی بلند تھا۔ لہٰذا اس کی کمر ٹوٹ گئی اور اس کے پٹھے والا مہرہ اپنی جگہ سے نکل گیا تو وہ اب تک اسی طرح ٹوٹی ہوئی ہے اور وہ اپنے بدن پر ہی بول و براز کرتا رہتا ہے کئی دفعہ اس نے میرے پاس آدمی بھیجا تاکہ میں اس کی عیادت کروں مگر میں نے امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ ادب و نیاز کے پیش نظر ان کے بے ادب کے ساتھ محبت و الفت کا اظہار قطعًا گوارا نہ کیا۔

امام شعرانی فرماتے ہیں میں نے ایام جوانی میں خواب کے اندر امام اعظم ابو حنیفہ اور امام مالک رضی اللہ عنہما کو دیکھا امام اعظم دائیں جانب بیٹھے ہیں اور امام مالک بائیں جانب اور میں دونوں کے روبرو۔ اسی اثناء میں امام مالک نے امام اعظم سے عرض کیا ہماری طرف سے کسی نے اس قدر معترضین کے جوابات نہیں دئے جس قدر اس جوان نے دئے ہیں تو مجھے بہت بڑی فرحت و مسرت حاصل ہوئی۔ع۵

ع۵۔ اس امام جلیل کے کلام سے واضح ہو گیا کہ اہلِ قبور کو زندہ لوگوں کے اعمال و افعال پر اطلاع ہوتی ہے اور وہ ان پر خوش یا غمگین ہوتے ہیں۔

اولیاء کرام پر اعتراضات کی بنیاد اور توجیہات

امام شعرانی نے متعدد ابواب میں فقہاء کرام کی طرف سے مختلف جوابات اور توجیہات نقل کرنے کے بعد فرمایا۔

رہے سادات صوفیہ پر وارد اعتراضات کے جواب تو میری اکثر کتابیں ان جوابات پر مشتمل ہیں۔ کیونکہ سادات صوفیہ کا طریقہ عزیز و نادر ہے اور اکثر لوگ ان کی بارگاہ میں حاضر ہونے سے قاصر رہے ہیں لہذا ان پر لوگوں کی طرف سے انکار و اعتراض کا وقوع کبھی کم ہوا۔ اور کبھی زیادہ، جن کو زیادہ قریبی تعلق رہا ان کی طرف سے اعتراض و انکار کم ہوا اور جن کا تعلق اور واسطہ کم رہا ان کی طرف سے تنقید و تنقیص کا سلسلہ وسیع تر رہا۔ اسی لئے ان حضرات نے کتابیں تالیف فرما کر اپنی اصطلاحات اور مقاصد کو ان لوگوں کے سامنے واضح کیا جو ان کی بارگاہ میں حاضر نہ ہوئے تا کہ وہ ان پر طنز و تنقید کر کے گناہ اور جہل میں نہ جا پڑیں اور جس چیز کا انکار کیا ہے اس کے ذوق سے محروم نہ رہیں کیونکہ اہل اللہ کی قوم پر جس نے بلا دلیل انکار و اعتراض کیا تو وہ اس نصیحت سے محرومی کے عقاب میں مبتلا کیا گیا۔ لہذا اللہ تعالےٰ قطعاً کبھی بھی اس کو یہ دولت نصیب نہ فرمائے گا۔

اس قوم کے طریقہ و روش کی خاصیت یہ ہے کہ مرید صادق جب بھی ان کے حلقۂ ارادت میں داخل ہوتا ہے تو اس راہ پر پہلا قدم رکھتے ہی ان کے جملہ اصطلاحات پر مطلع ہو جاتا ہے بلکہ یوں معلوم ہوتا ہے کہ ان اصطلاحات کا موجد و واضع وہ خود ہی ہے۔ لیکن غیر مخلص مرید یا دوسرے اہل علوم کے طالبانِ صادق میں یہ خاصیت نہیں ہے بلکہ ان کے لئے ایسے شیخ کا ہونا ضروری ہے جو ان کو اس علم کے موجدین و واضعین کی اصطلاحات سے آگاہ کرے جیسے کہ کتب متکلمین و مناطقہ اور اہلِ ہندسہ میں یہ امر مسلم و مقرر ہے۔

پھر یہ امر ذہن نشین رہے کہ اکابر اولیاء کرام کا وہ کلام جس پر رد و قدح کیا گیا ہوگا کبھی تو درحقیقت وہ ان کا کلام ہی نہیں ہوگا بلکہ معاندین و ملحدین نے ازرہ افترا پردازی ان کی کتابوں میں داخل کر دیا ہوگا جیسے کہ حضرت شیخ اکبر کی کتابوں میں یہی صورت حال درپیش ہو چکی ہے۔ ان کی کتاب فتوحات مکیہ اور فصوص الحکم میں ان کی طرف بعض ایسے امور منسوب کر دئیے گئے ہیں جو ظاہر شرع کے خلاف ہیں جیسے کہ شیخ بدر الدین بن جماعہ وغیرہ نے تصریح فرمائی ہے۔ بلکہ خود میری بعض کتابوں میں بھی یہ حربہ آزمایا گیا ہے۔

اور کبھی ان پر رد و قدح کا سبب یہ ہوگا کہ منکر و معترض اس قوم کے مصطلحات سے جاہل و بے خبر ہوگا اور وہ ان کے احوال و مقام کے مطابق ذوق نہیں رکھتا ہوگا جیسے کہ سیدی عمر بن الفارض کے قصیدہ تائیہ وغیرہ میں معترض کو اسی صورت حال کا سامنا ہوتا ہے۔ الغرض عقلمند وہی ہے جو اعتراض و انکار کے قریب نہ بھٹکے اور جو کچھ اس کی سمجھ میں نہ آئے اس کو ان امور میں سے خیال کرے جو اس کے عقل و فہم کی رسائی سے ماوراء ہیں نہ کہ ان کو خلافِ عقل قرار دے دے۔

علی الخصوص جب کہ ہمیں کسی بھی ولی اللہ کے متعلق یہ اطلاع نہیں پہنچی کہ اس نے لوگوں کو وضو یا نماز اور روزہ ترک

کرنے کا حکم دیا ہو یا ان کے علاوہ کسی دوسرے ایسے کام کا حکم دیا ہو جو خلافِ شرع ہو۔ بلکہ ان کے تمام رسائل و کتب کتاب و سنت کی پابندی کرنے اور اخلاق و اعمال کا علاج و تنقیہ کرنے سے بھرپور ہیں جن میں نفس کی مکاریوں اور دسیسہ کاریوں سے خبردار رہنے کی تلقین ہے اور اخلاص کے منافی علوم سے علیحدگی، لوگوں کی ایذا برداشت کرنے کا سبق اور خود کسی کو دکھ دینے سے گریز کا حکم دیا گیا ہے نیز زہد و تقویٰ اور خوف و خشیت خداوندی کی تعلیم دی گئی ہے جب کہ ان پر اعتراض کرنے والا بسا اوقات ایسے صفات عالیہ سے خالی ہوتا ہے۔

اور کبھی انکار و اعتراض کا منشاء یہ بن جاتا ہے کہ عارف اپنی نظم یا نثر میں اللہ رب العزت کے مرتبہ و مقام کی ترجمانی کر رہا ہوتا ہے۔ کبھی مقامِ نبوت و رسالت اور شانِ اصطفاء و اجتباء کو اپنی زبان سے بیان کر رہا ہوتا ہے۔ اور کبھی قطب وقت کی زبان بن کر محوِ اظہارِ حقیقت ہوتا ہے جب کہ معترض و منکر اسے اس کی اپنی زبان اور اپنا مقام سمجھ کر درپے انکار و اعتراض ہو جاتا ہے۔ اور کبھی ایک عالم و فاضل عوام اور محجوبین کی حالت پر رحم کھاتے ہوئے بعض صوفیہ پر اعتراض کر دیتا ہے تا کہ عوام اپنی جہالت اور نافہمی کی وجہ سے اس امر میں اس عارف کا اتباع نہ کریں اور ہلاکت میں نہ جا پڑیں اور ان کا مقصد بالکلیہ اس صوفی صافی کا رد نہیں ہوتا جیسے کہ شیخ برہان الدین بقاعی نے سیدی عمر بن الفارض کے کلام پر تنقید فرمائی۔ یا بعض حضرات نے شیخ محی الدین بن العربی کے کلام پر گرفت کی اور اس نیت و ارادہ سے ان کی تنقید مستحسن اقدام ہے کیونکہ یہ اکابر اس دارِ فانی سے کوچ کر چکے ہیں ان پر اس وقت رد و انکار ان کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا بلکہ ان کے اجر اور ثواب میں اضافہ و ترقی کا موجب ہوگا لیکن عوام اور محجوبین کا معاملہ اس کے برعکس ہے۔ لہٰذا ہر عالم پر لازم ہے کہ انہیں صحیح راہ دکھلائے اور ہلاکت و ضلالت سے بچائے کیونکہ جو کچھ انہوں نے کلامِ قوم سے اپنی ناقص عقل کے مطابق سمجھا ہمارا ان کو اس پر قرار رکھنا اور ان کی غلط فہمی دور نہ کرنا ان عوام کے لئے زہرِ قاتل بن جائے گا بلکہ بعض اوقات ان رحلت پانے والے اکابر کے حق میں بھی مضر ثابت ہوگا۔ میں نے حضرت علی الخواص کو فرماتے ہوئے سنا، قوم صوفیہ کے ساتھ کمتر درجہ کا ادب یہ ہے کہ منکرین ان کو اہلِ کتاب جیسے سلوک کا حقدار سمجھیں یعنی نہ ان کی تصدیق کریں اور نہ ہی ان کی تکذیب کریں۔

سیدی علی بن وفا رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے "قوم صوفیہ کے اقوال کو تسلیم کرنا سلامتی کا ضامن ہے۔ اور ان کے حق میں حسنِ اعتقاد عظیم غنیمت ہے۔ اور ان پر انکار و اعتراض دین و ایمان کو تباہ کرنے والا زہرِ قاتل ہے بعض اوقات ان پر زبان طعن دراز کرنے والے نصرانی بن گئے اور اسی حالت پر آنجہانی ہو گئے نسأل اللہ العافیۃ۔

امام شعرانی فرماتے ہیں اگر تم ان پر اعتراض و انکار سے بچنا چاہو تو اس کی صورت یہ ہے کہ اپنے آئینہ دل کو صاف و شفاف رکھو۔ اگر اس کی صفائی ہو گئی تو تمہیں صوفیہ کرام جیسا مجسمہ خیر و برکت نظر نہیں آئے گا۔ اور سارے اعتراض و انکار خود بخود کم بلکہ ختم ہو جائیں گے۔ ورنہ لازماً سلسلہ تنقید و اعتراض وسیع تر ہوتا چلا جائے گا کیونکہ تمہیں اپنے آئینہ قلب میں صرف اپنی ظلمانی اور مکدر صورت ہی نظر آ رہی ہوگی۔

صوفیاء کرام کے بعض اقوال جو بنظر ظاہر میں قابل اعتراض ہیں اور ان کی صحیح توجیہ و تاویل

جب یہ تمہید صحیفۂ خاطر پہ نقش ہو چکی تو اب سنیئے! حضرت شیخ ابو یزید سے منقول ہے "طَاعَتُكَ لِي يَا رَبِّ اَعْظَمُ مِنْ طَاعَتِي لَكَ" - اس کا مطلب و مفہوم یہ ہے کہ اے رب کریم تیرا میری دعاؤں کو قبول فرمانا اور میرے قول اغفرلی - ارحمنی - اعف عنی اور لا تواخذنی کو تیرا سننا اور قبول فرمانا عظیم تر ہے بنسبت اس کے کہ میں تیرے اوامر پہ کاربند ہو جاؤں اور نواھی سے گریز پا کیونکہ تو خود عظیم ہے اور میں حقیر و لاشیی - تو سید و سردار ہے اور میں بے دام غلام اور عبد - اس لئے اہل ادب نے اللہ تعالے کے ساتھ کئے جانے والے ایسے کلام کو دعا و التجاء کا نام دیا ہے اور اس کو امر و نہی کے صیغوں سے تعبیر نہیں کیا - اگرچہ بظاہر لفظ اسی کا تقاضا کرتے ہیں - الغرض معلوم ہو گیا کہ حضرت ابو یزید کی مراد یہ نہیں ہے کہ اللہ تعالے ان کی طاعت میں ہے اور تحت الامر تعالے اللہ عن ذالک علوا کبیرا اور جو محمل و مقصد ہم نے اس عبارت کا بیان کیا ہے اسی پر وہ عبارت بھی محمول کی جائے گی جو بعض نے ان سے نقل کی ہے: "طَاعَةُ اللّٰهِ لِي اَكْثَرُ مِنْ طَاعَتِي لَهٗ" اور یہی توجیہ اس کی بعض اکابر نے بھی کی ہے -

۲- اور یہ بھی حضرت ابو یزید سے ہی منقول ہے کہ انہوں نے ایک قاری کو قول باری تعالے "اِنَّ بَطْشَ رَبِّكَ لَشَدِيْدٌ" کی تلاوت کرتے ہوئے سنا تو چیخ ماری حتی کہ خون ان کی ناک سے فوارہ کی مانند پھوٹ پڑا اور فرمایا - بَطْشِي اَشَدُّ مِنْ بَطْشِهٖ - اور اس کا معنی بھی یہی ہے کہ اگر اللہ تعالی کی طرف سے مجھ پہ گرفت ہوئی تو لا محالہ اس کی شان رحمت بھی اپنے اظہار اثرات و ثمرات کے بغیر نہ رہ سکے گی کیونکہ اس کی رحمت اس کے غضب پر غالب ہے لہٰذا وہ بندے پر اس کی شفیق ماں سے بھی زیادہ شفیق اور مہربان ہے - لیکن اگر ابو یزید کسی پہ مواخذہ کرے گا تو وہ محض انتقام پر مشتمل ہو گا اور اس کے ساتھ رحمت شامل نہیں ہو گی - بندے کی کم حوصلگی کی وجہ سے اس کا غضب جذبات رحمت پر غالب آجاتا ہے لہٰذا اس کی اپنے بھائی پر گرفت شدید ہو گی بنسبت اللہ تعالے کی بندوں پر گرفت کے علی الخصوص اپنے دشمن اور بد خواہ پر گرفت کے جب اس پر قادر ہو کیونکہ اس صورت میں اس کا اس شخص پہ دنیا یا آخرت میں رحم کھانا بہت ہی بعید ہے - اسی طرح کی توجیہ شیخ محی الدین اور دیگر حضرات نے ذکر فرمائی ہے -

۳- حضرت ابو یزید قدس سرہ العزیز سے یہ بھی منقول ہے کہ انہوں نے اپنے ایک مرید کو فرمایا "لَاَنْ تَرَانِي مَرَّةً خَيْرٌ لَكَ مِنْ اَنْ تَرَى رَبَّكَ اَلْفَ مَرَّةٍ" ، اس کا معنی و مفہوم بھی یہی ہے کہ مرید کو کما حقہ معرفت باری تعالے حاصل نہیں ہے اگر اللہ تعالی کا دیدار اس کو حاصل ہو بھی تو وہ یہ نہیں معلوم کر سکے گا کہ یہ ذات حق جل و علی ہے لہٰذا کوئی ادب اور علم حاصل نہیں کر سکے گا - بر خلاف ابو یزید کے کیونکہ وہ مرید ان کے دیدار سے نفع اندوز ہو گا - ان کی تعلیم و تربیت اور بارگاہ خداوندی کے آداب و طرق

سے استفادہ کر کے ترقی کرتا چلا جائے گا حتی کہ صحیح معنوں میں اپنی استعداد کے مطابق معرفت باری تعالی حاصل کر لے گا -
اللہ اعلم بمرادہ -

۴- حضرت بایزید سے یہ بھی منقول ہے کہ انہوں نے فرمایا "سَافَرْتُ مِنَ اللّٰهِ اِلَى اللّٰهِ" ، میں نے اللہ تعالے سے اللہ تعالی کی طرف سفر کیا - تو اس عبارت کا معنی و مفہوم بھی یہی ہے کہ میں نے اللہ تعالی کے فضل و کرم سے راہ خدا میں سفر اور سیر الی اللہ کا آغاز کیا حتی کہ مجھے معرفت باری اور وصول الی اللہ نصیب ہو گیا - یا مقصد یہ ہے کہ میں نے محبت باری تعالے میں سفر و سیر کا آغاز کیا اور منزل مقصود کو پا لیا جس طرح کہ ارشاد خداوندی ہے - وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا - جن لوگوں نے ہماری ذات اور ہماری محبت میں جہاد کیا ہم ضرور بالضرور ان کو شاہراہ حقیقت پر گامزن کریں گے - اور فرمان باری تعالی ہے - وَجَاهِدُوْا فِي اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ ، راہ خدا میں جہاد کرو - جیسے کہ جہاد کرنے کا حق ہے - بہر حال ان کا مقصد مسافت طے کرنے کا بیان نہیں اللہ تعالی عارفین کے نزدیک کسی مکان و حیز میں متمکن و متحیز ہونے سے پاک ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ان کا مقصد یہ ہو کہ میرے سفر کا آغاز اور انجام اللہ تعالے کی توفیق سے ہے نہ کہ اپنی قوت و طاقت سے -

عارفین کے لئے موت نہیں

۵- حضرت جنید رضی اللہ عنہ سے منقول ہے "اَلْعَارِفُوْنَ لَا يَمُوْتُوْنَ وَاِنَّمَا يَنْتَقِلُوْنَ مِنْ دَارٍ اِلٰى دَارٍ" ، عارفین مرتے نہیں بلکہ ایک مکان سے دوسرے مکان کی طرف نقل مکانی کرتے ہیں - اس پر بعض لوگوں نے یہ اعتراض کیا ہے - کہ یہ قول نص قرآنی کے خلاف ہے اللہ تعالے فرماتا ہے - "كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ" ، ہر نفس موت کو چکھنے والا ہے یعنی جب دنیا میں اس کی مدت اجل پوری ہو جائے گی) لہٰذا کلام جنید اور کلام باری تعالے میں تطبیق کیسے ہو سکتی ہے -

جواب - بعض اکابر نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ حضرت جنید قدس سرہ کا مقصد یہ ہے کہ جب عارفین نے مجاہدات و ریاضات میں اپنے نفوس کو اختیاری موت کے ساتھ مار دیا اور اس نے اپنے جملہ تصرفات اموات کی مانند ترک کر دیئے اور اللہ وحدہ لاشریک لہ کا تصرف و اقتدار اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا تو گویا وہ نفوس حالت حیات میں ہی مر چکے ہیں کیوں کہ ان کا حکم اموات کے حکم کی مانند ہے کیونکہ وہ کسی فعل و تصرف کو اپنی قوت و طاقت کی طرف منسوب نہیں کر سکتے اور حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں وارد ہے "مَنْ اَرَادَ اَنْ يَنْظُرَ اِلٰى مَيِّتٍ يَمْشِيْ عَلٰى وَجْهِ الْاَرْضِ فَلْيَنْظُرْ اِلٰى اَبِيْ بَكْرٍ" ، جو شخص کسی میت کو زمین پر چلتے ہوئے دیکھنا چاہتا ہے تو وہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو دیکھ لے کیونکہ اللہ تعالی کے حضور تسلیم و رضا نے ان کے نفس کو مٹا دیا ہے حتی کہ وہ میت کے نفس کی طرح ہو چکا ہے ؏

؏ اقول - موت دو قسم ہے اختیاری اور اضطراری ، اضطراری کا بیان اذا جاء اجلهم لا يستاخرون ساعة ولا يستقدمون میں ہے اور اختیاری موت ہے نفس

۶۔ حضرت شبلی سے منقول ہے "اِنَّ ذُلِّیْ عَطَّلَ ذُلَّ الْیَھُوْدِ" میری عاجزی وانکساری نے یہودیوں کی عاجزی وانکساری اور ذلت کو ماند کر دیا ہے (حالانکہ اہل ایمان اللہ تعالیٰ کے ہاں عزت وکرامت کے مالک ہیں ارشاد باری تعالیٰ ہے وَلِلّٰہِ الْعِزَّۃُ وَلِرَسُوْلِہٖ وَلِلْمُؤْمِنِیْنَ وَلٰکِنَّ الْمُنَافِقِیْنَ لَا یَعْلَمُوْنَ۔ عزت صرف اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول معظم صلی اللہ علیہ وسلم اور اہلِ ایمان کے لئے ہے لیکن منافقین علم ودانش سے کورے ہیں) تو اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت شبلی کا مقصد اس کلام سے یہ ہے کہ میری انکساری اور تحقیر نفس اور اپنے آپ کو ذلیل سمجھنا یہود کی ذلت کی نسبت عظیم ہے کیوں کہ جس شخص کو اللہ رب العزت احکم الحاکمین کی جتنی معرفت ہوگی وہ اسی کے مطابق اس کے حضور اپنے آپ کو کمتر اور کہتر سمجھے گا۔ اور یہ حقیقت شک وشبہ سے بالاتر ہے کہ حضرت شبلی کو عظمت خداوندی کی جتنی معرفت حاصل تھی یہود کی معرفت کو اس سے کوئی نسبت ہی نہیں ہو سکتی لہٰذا ان کی ذلت نفس بھی بارگاہ بے نیاز میں بنسبت یہود کے بہت زیادہ ہے واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم بمرادہ۔ ف

(بقیہ حاشیہ) کو اس کے مالوفات سے الگ کرنا اور اس کی خواہش کے برعکس اسے طاعات پر کمربستہ کرنا اور یہ مرتبہ جہاد سے بھی افضل ہے جس طرح حدیث صحیح میں ذکر باری کے اندر مستغرق شخص کو میدان جنگ میں کام آنے والے سے افضل فرمایا گیا ہے۔ فان الذاکر للہ افضل منہ درجۃ کیونکہ نفس سب دشمنوں سے بڑا دشمن ہے لہٰذا اس کے ساتھ جہاد سب جہادوں سے افضل اور اس جہاد میں کام آنے والا زندہ ہے تو اس میں کام آنے والا بطریق اولیٰ۔ اور قول باری فلنحیینہ حیواۃ طیبۃ میں اسی امر کی تصریح ہے اور ارجعی الی ربک راضیۃ مرضیۃ اسی انتقال مکانی کی صریح دلیل ہے۔

ف ۞ فی الواقع کسی کا ذلیل وحقیر ہونا اور چیز ہے اور اپنے آپ کو ذلیل وحقیر سمجھنا دوسری چیز ہے سرور دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے مَنْ تَوَاضَعَ لِلّٰہِ رَفَعَہُ اللّٰہُ۔ جو شخص اللہ تعالیٰ کے لئے تواضع کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے مرتبہ ومقام کو بلند کرتا ہے اسی لئے عشاق بارگاہ نبوت اپنے آپ کو نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا سگ در کہتے ہیں بلکہ بعض اس کو بھی بے ادبی سمجھتے ہوئے ان کے سگان کوئی طرف نسبت کو غایت مقصود سمجھتے ہیں حضرت جامی قدس سرہ فرماتے ہیں ؂

نبست خود بسگت کردم وبس منفعلم　　　زاں کہ نسبت بسگ کوئے تو شد بے ادبی

اور حضرت میاں محمد صاحب فرماتے ہیں ؂

بندیاں دا ایں کتا سجناں　　　کتیاں دا پہر بندہ

حالانکہ کتا بہر حال شرف انسانی کی برابری نہیں کر سکتا۔ لہٰذا حضرت شبلی علیہ الرحمہ کا قول اس دوسری قسم سے تعلق رکھتا ہے اور یہ صورت محمودہ ہے ارشاد خداوندی "لَقَدْ نَصَرَکُمُ اللّٰہُ بِبَدْرٍ وَّاَنْتُمْ اَذِلَّۃٌ" کا بھی یہی معنی ہے یعنی تم اپنے آپ کو کمتر سمجھ رہے تھے۔ ملاحظہ ہو مفردات امام راغب　　　۔ لیکن یہ بات ذہن نشین رہے کہ خود کوئی اپنے آپ کو جتنا بھی کمتر اور کہتر سمجھے وہ درست ہے مگر دوسرے لوگوں کو ایسے الفاظ استعمال کرنے کی قطعاً اجازت نہیں ہے بلکہ ان کا عنداللہ مرتبہ ومقام مدنظر رکھنا لازمی ہے۔ بعض لوگوں نے جوش توحید میں آکر پیغمبران کرام اور اولیاء عظام کو چوہڑے چمار سے ذلیل اور ذرہ ناچیز سے کمتر کہہ دیا ہے جیسے کہ تقویۃ الایمان میں ہے تو یہ سخت

۷۔ حضرت جنید قدس سرہ العزیز سے ہی منقول ہے۔ "مَا فِی الْجُبَّۃِ اِلَّا اللّٰہُ"، اور بعض نے "مَا فِی الْجُثَّۃِ اِلَّا اللّٰہُ" نقل کیا ہے تو اس کا بھی ظاہری معنی ومفہوم (کہ میرے جبہ یا جثہ میں صرف اللہ تعالیٰ موجود ہے) مراد نہیں ہے بلکہ اس کا مقصد یہ ہے کہ میرے بدن اور جثہ پر حکومت واقتدار اور تدبیر وتصرف میرے ہاتھ میں نہیں ہے بلکہ صرف اللہ تعالیٰ کے دستِ قدرت میں ہے جس طرح بعض حضرات نے کہا ہے لَیْسَ فِی الْکَوْنَیْنِ اِلَّا اللّٰہُ تو اس کا مطلب بھی یہ نہیں کہ دونوں جہاں کا وجود ہی نہیں ہے۔ اور نہ یہ مقصد ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق میں حلول کئے ہوئے ہے العیاذ باللہ اگر کونین کا وجود ہی تسلیم نہ کرتے تو الکونین سے تعبیر کس کو کرتے بلکہ ان کا مقصد یہی ہے کہ حقیقی متصرف وفاعل اور قادر ومقتدر صرف اور صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ اور کتاب وسنت میں کس قدر جملے موجود ہیں جو بلا تقدیر حذف درست نہیں ہو سکتے مثلاً ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ "وَاُشْرِبُوْا فِیْ قُلُوْبِھِمُ الْعِجْلَ بِکُفْرِھِمْ" اور مقصد یہ ہے کہ ان کے دلوں میں بچھڑے کی محبت سرایت کر چکی تھی بسبب کفر کے، اگر لفظ محبت کو مقدر نہ مانا جائے تو معنی درست نہیں بن سکتا۔ اور حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں وارد ہے

اَصْدَقُ کَلِمَۃٍ قَالَھَا شَاعِرٌ قَوْلُ لَبِیْدٍ　　　اَلَا کُلُّ شَیْءٍ مَا خَلَا اللّٰہَ بَاطِلٌ

جس شاعر نے جو کلمہ بھی زبان پر جاری کیا ہے ان سب سے سچا لبید کا یہ قول ہے۔ غور سے سنو اللہ تعالیٰ کے علاوہ ہر چیز باطل ہے (حالانکہ جن شعراء اسلام نے اللہ تعالیٰ کے لئے صفات کمال ثابت کی ہیں اور اس کی جلالت ذات کو بیان کیا ہے ان کے کلمات بھی صادق ترین ہیں۔ نیز اللہ تعالیٰ کے ماسوا میں مذاہب سماویہ۔ کتب سماویہ۔ رسل کرام علیہم السلام بھی ہیں تو نعوذ باللہ ان کا بھی باطل ہونا لازم آئے گا لہٰذا اس عموم میں استثناء کا اعتبار ضروری ہے اگرچہ صراحۃً مذکور نہیں ہے) فافہم۔

۸۔ امام غزالی رحمہ اللہ تعالیٰ سے منقول ہے "لَیْسَ فِی الْاِمْکَانِ اَبْدَعُ مِمَّا کَانَ"، ممکنات کی موجودہ صورت سے عمدہ طریق پر تخلیق ممکن نہیں (حالانکہ اس میں اللہ تعالیٰ کی قدرت قاہرہ غالبہ کی بظاہر نفی لازم آرہی ہے) تو اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جملہ ممکنات کو اپنے علم قدیم وازلی کے مطابق عدم سے وجود کی طرف منتقل فرمایا اور اس کے علم قدیم میں

(بقیہ حاشیہ) بے ادبی اور گستاخی ہے اور آیاتِ کلام مجید اور احادیثِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم جو ان مقبولان بارگاہ کی خدا داد بے پایاں عظمت ومرتبت اور کرامت وعزت پر دال ہیں ان سے دیدہ دانستہ آنکھیں بند کرنے کے مترادف بلکہ منافقین کے نقشِ قدم پر چلنے کے مرادف جنہوں نے اہلِ اسلام کو ذلیل اور اپنے آپ کو عزیز کہا تھا "لَیُخْرِجَنَّ الْاَعَزُّ مِنْھَا الْاَذَلَّ"، اور جن اکابر سے یہ منقول ہے کہ جب تک ساری مخلوق کو اونٹ کی مینگنی کے برابر نہ سمجھے کوئی مقام حاصل نہیں کر سکتا تو ان کا مقصد وہ لوگ ہیں جن کی مدح وثناء اور خدمت وخوشامد اور طاعت ورغبت کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے عبادت میں کوشاں ہو اور ریاء کاری کا مرتکب ہو رہا ہو نہ کہ اللہ تعالیٰ کے مقبولان درگاہ حتیٰ کہ سید انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی طرح سمجھنے لگے نعوذ باللہ من ذالک اس کی پوری تحقیق مرقات شرح مشکوٰۃ میں　　ملاحظہ فرمادیں اور ہماری کتاب کوثر الخیرات میں بھی ایسی عبارات پر مفصل ردوقدح ملاحظہ فرمادیں۔ محمد اشرف غفرلہ

اضافہ اور تغیر ممکن نہیں لہٰذا جو اس علم فعلی اور مبدء تخلیق کے مطابق ہے اس میں تغیر ممکن نہیں ہے جس طرح کلام مجید میں ارشاد خداوندی ہے۔ اَعۡطٰی کُلَّ شَیۡءٍ خَلۡقَہٗ،، اللہ تعالیٰ نے ہر شی کو اس کے شایان شان صورت پر تخلیق فرمایا۔ لہٰذا اگر اس امر کو درست تسلیم کر لیا جائے کہ اس نظام کو جاری حالت سے بدیع ترین حالت پر پیدا کیا جانا ممکن ہے مگر نعوذ باللہ اللہ تعالیٰ کے علم ازلی نے اس کا احاطہ نہ کیا تو اللہ تعالیٰ کے حق میں جہل لازم آجائے گا تعالی اللہ عن ذالک علوا کبیرا۔

یہی تحقیق شیخ محی الدین بن العربی قدس سرہ نے ذکر کی ہے۔ فرماتے ہیں امام حجۃ الاسلام کا کلام غایۃ تحقیق پر مبنی ہے۔ کیونکہ موجودات رتبہ قدم میں حدوث سے باہر نہیں۔ اللہ تعالیٰ مرتبہ قدم میں ہے۔ اور حوادث و مخلوق مرتبہ حادث میں تو اگر اللہ تعالیٰ مخلوق کو پیدا فرماتا جاتا خواہ وہ عقلاً غیر متناہی اور لامحدود و لا معدود ہی کیوں نہ ہوتی مگر مرتبۂ حدوث سے مرتبۂ قدم کی طرف اس کو کبھی بھی رسائی نصیب نہیں ہو سکتی تھی۔

۹۔ حضرت شیخ محی الدین بن العربی رضی اللہ عنہ سے منقول ہے۔ حَدَّثَنِیْ قَلْبِیْ عَنْ رَبِّیْ۔ حَدَّثَنِیْ رَبِّیْ عَنْ قَلْبِیْ۔ حَدَّثَنِیْ رَبِّیْ عَنْ نَفْسِہٖ تعالٰی بِارْتِفَاعِ الْوَسَائِطِ،، اور بظاہر اس سے شیخ موصوف کا دعویٰ وحی لازم آتا ہے اور وہ امتیوں کے حق میں متصور نہیں ہو سکتا۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت شیخ اکبر قدس سرہ کا یہ مقصد نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے میرے ساتھ اس طرح کلام فرمایا جس طرح کہ انبیاء و مرسلین علیہم السلام کے ساتھ کلام فرماتا ہے بلکہ ان کا مقصد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے میرے یا اپنے بعض احوال کا ملک الہام کے ذریعے الہام فرمایا۔ لہٰذا ان کے اس ارشاد کا وہی معنی و مفہوم ہے جو حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم "اِنْ یَّکُنْ فِیْ اُمَّتِیْ مُحَدَّثُوْنَ فَعُمَرُ،، کا ہے یعنی اگر میری امت میں بھی ایسے لوگ ہوتے جن کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے کلام کیا گیا تو حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ ضرور اس مرتبہ و مقام پر فائز ہوں گے۔ (اور جب یہ امت خیر الامم ہے تو لامحالہ اس میں پہلی امتوں سے زیادہ محدث و ملہم ہوں گے لہٰذا حضرت عمر بھی یقیناً ملہم من اللہ ہیں) اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ وحی دو قسم ہے وحی الہام اور وحی تشریع۔ پہلی قسم اولیاء کرام کو بھی حاصل ہوتی ہے اور وحی کی دوسری قسم جس کا تعلق انبیاء علیہم السلام کے تشریع احکام سے ہوتا ہے خواہ ان کی اپنی ذوات کے ساتھ مخصوص ہوں اور یا سب امت سے ان کا تعلق ہو۔
بہر حال نبی وحی لانے والے فرشتہ کا مشاہدہ کرتا ہے اور اس کا کلام سنتا ہے لہٰذا وہ رویت و سماع کا جامع ہوتا ہے لیکن ولی کی وحی اس طرح نہیں ہوتی کیونکہ وہ ملائکہ کا کلام سن بھی لے مگر ان کے اشخاص کو نہیں دیکھتا۔ اور اگر ان کے اشخاص کو دیکھے تو ان کا کلام نہیں سنتا۔

اس تفرقہ کی بنیادی وجہ اور سبب یہ ہے کہ نبی چونکہ صاحب شرع ہوتا ہے وہ ایک شرع کو منسوخ کرنے اور دوسری کو جاری کرنے کا ارادہ رکھتا ہے لہٰذا اس کو مزید تاکید اور انکشاف زائد کی ضرورت ہوتی ہے جب کہ ولی پیغمبر کے تابع ہوتا ہے اور اسی کی شریعت کا داعی و مبلغ جو اس کے نزدیک معجزات کی دلالت سے متاکد و متقرر ہو چکی ہوتی ہے لہٰذا اسے مزید کسی انکشاف اور تثبت کی ضرورت نہیں ہوتی تو لے برادر عزیز وحی الہام اور وحی کلام کے درمیان اچھی طرح فرق کو معلوم کر لے تاکہ تو علماء اعلام

سے ہو جائے۔ ہکذا قررہ الشیخ ابو المواہب الشاذلی رضی اللہ عنہ۔

۱۰۔ قوم صوفیاء سے منقول ہے "اَللَّوْحُ الْمَحْفُوْظُ ھُوَ قَلْبُ الْعَارِفِ،، لوح محفوظ عارف کا دل ہے (حالانکہ کتاب و سنت کے نصوص لوح محفوظ کے الگ وجود پر صراحتاً دلالت کر رہے ہیں اس قول میں ان کی تکذیب لازم آتی ہے) تو اس کا جواب یہ ہے کہ ان کا قطعاً یہ مقصد نہیں ہے کہ لوح محفوظ کا وجود ہی نہیں ہے بلکہ ان کا مقصد اصلی یہ ہے کہ جب عارف کا دل آئینہ کی مانند صاف ہو جاتا ہے اور نفسانی میل و کچیل اس سے دور ہو جاتی ہے تو جو کچھ لوح محفوظ میں ہوتا ہے وہ اس میں منقش اور مرتسم ہو جاتا ہے جس طرح کہ آئینہ کے سامنے کوئی تختی رکھو تو اسکے جملہ نقوش آئینہ میں نقش نظر آئیں گے علیٰ ہذا القیاس لوح محفوظ کے نقوش بھی ان آئینہ قلوب میں مرتسم ہو جاتے ہیں۔

۱۱۔ صوفیاء کرام کے کلام میں وارد ہے "دَخَلْنَا حَضْرَۃَ اللّٰہِ خَرَجْنَا مِنْ حَضْرَۃِ اللّٰہِ،، جس سے بظاہر لازم آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لئے العیاذ باللہ کوئی خاص مکان ہے جس میں کبھی وہ داخل ہوتے ہیں اور کبھی اس سے باہر آتے ہیں۔ حالانکہ وہ مکان اور مکانی ہونے سے منزہ ہے۔

اس توہم کا جواب یہ ہے کہ ان کا مقصد اثبات حیز اور مکان نہیں ہے بلکہ جب بھی وہ حضرت (بارگاہ) کا لفظ اطلاق کرتے ہیں تو ان کا مقصد ہوتا ہے اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے سامنے حاضر دیکھنا جب تک وہ اپنے آپ کو اس حالت پر دیکھتا ہے تو وہ گویا حضرۃ اللہ (بارگاہ خداوندی) میں ہے جب اپنی اس حالت کو دیکھنے سے محجوب ہو گیا تو گویا حضرۃ اللہ سے باہر آگیا۔

ارباب باطن اہل اللہ اس شہود و حضور میں مختلف مراتب پر ہیں بعض کو یہ حالت بہت کم حاصل ہوتی ہے اور بعض کو بہت زیادہ جیسے کہ عنقریب اس کی وضاحت کی جائے گی۔ بعض کو پوری نماز یا اس کے بعض حصوں میں اپنے آپ کو اس حالت میں مشاہدہ کرنے کا اتفاق ہوتا ہے اور بعض کو ایک دو یا تین ساعات کے لئے اور بعض شب و روز حضور و شہود میں مستغرق رہتے ہیں۔ مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ ان کو اپنے فضل و کرم سے صحو کی دولت سے بہرہ ور کرے اور حالتِ استغراق سے باہر نکالے تاکہ وہ اپنی بعض حاجات کو پورا کر لیں۔ کیوں کہ بندے کے لئے تمام انفاس میں اللہ تعالیٰ کی ذات میں استغراق طاقت بشری سے خارج ہے جیسے کہ محققوں نے تصریح فرمائی ہے۔

بعض کلمات کی اکابر اولیاء کی طرف نسبت غلط محض اور افتراء و بہتان ہے۔

بعض لوگوں نے امام غزالی کی طرف نسبت کر کے اس قول کو عام مشہور کر دیا ہے حالانکہ از روئے تحقیق اس کی نسبت اس امام جلیل کی طرف درست نہیں ہے یعنی۔

۱۔ اللہ تعالیٰ کے بعض بندے ایسے ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ سے عرض کر دیں کہ قیامت قائم نہ فرما تو اللہ تعالیٰ قیامت قائم نہیں فرمائے گا۔ اور بعض بندگان خدا ایسے ہیں کہ اگر عرض کر دیں ابھی قیامت قائم کر دے تو وہ اسی وقت قیامت قائم کر دے گا۔

حالانکہ ایسے کلمات کی نسبت محض جھوٹ اور بہتان ہے۔ اور ہر صاحبِ عقل پر لازم ہے کہ امام موصوف کی اس سے برأت ظاہر کرے۔ کیونکہ وہ قیامت کے متعلق وارد نصوص قطعیہ کے خلاف ہے اور شارع علیہ السلام کے اخبار میں کذب و دروغ گوئی کو مستلزم ہے۔ العیاذ باللہ تعالیٰ۔ اگر بالفرض اس قسم کے اقوال امام موصوف کی بعض کتب میں موجود ہوں تو یہ دسیسہ کاری سے ان کی طرف منسوب کردئے گئے ہیں اور ملحدین کی کارستانیاں ہیں۔ میں نے ایک مکمل کتاب دیکھی جو ایسے عقائد سے بھرپور تھی جو عقائد اہل السنۃ کے سراسر خلاف تھے۔ بعض ملحدین نے اس کو تالیف کیا اور امام موصوف کی طرف اس کی نسبت کردی جب شیخ بدرالدین بن جماعہ اس پر مطلع ہوئے تو اس پر لکھا بخدا یہ کذب و افتراء ہے اس شخص کا جس نے یہ کتاب امام حجۃ الاسلام کی طرف منسوب کی ہے۔

۲۔ اسی طرح حضرت ابویزید کی طرف منسوب یہ قول بھی خلاف حقیقت ہے اور ازروئے تحقیق اس کی نسبت آپ کی طرف درست نہیں ہے۔ اِنَّ آدمَ علیہ السلام باعَ حضرۃَ ربّہٖ بِلُقْمَۃٍ۔ حضرت آدم علیہ السلام نے بارگاہ خداوندی کے قرب وحضور کو ایک لقمہ کے بدلے بیچ ڈالا۔ العیاذ باللہ۔ کیوں کہ شیخ موصوف شریعت وحقیقت کے جامع تھے۔ ان سے ایسے کلمات جفا اور خلافِ ادب کا صادر ہونا اور حضرت آدم علیہ السلام کے مقصد تخلیق یعنی خلافتِ ارضی سے آنکھیں بند کر لینا کیوں کر ممکن ہے۔

۳۔ اسی طرح اس قول کی ان کی طرف نسبت بھی باطل اور غیر صحیح ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ مجھے تمام اولین وآخرین کا شفیع بنادے تو میرے نزدیک یہ کوئی عظیم وکبیر اعزاز نہیں ہے کیونکہ زیادہ سے زیادہ اس نے مجھے مٹی کی ایک مٹھی کے لئے ہی شفیع بنایا) کیونکہ یہ کلام بھی ایسے شخص سے ہی صادر ہو سکتا ہے جس کو ادب و نیاز کی بو سونگھنا بھی نصیب نہ ہوئی ہو کیونکہ اولین وآخرین کی شفاعت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خصائص عظیمہ سے ہے اور اللہ تعالیٰ کے عظیم انعامات میں سے۔ اور اس کلام اساءت انجام سے اس خصوصیت کا انکار اور اس میں مندرج فضیلت کا انکار لازم آرہا ہے

الغرض اے برادر عزیز میں نے علماء اسلام فقہاء اور صوفیاء کرام کی طرف منسوب بعض اقوال کے جوابات بطور نمونہ بتلادئیے لہٰذا ان کی طرف منسوب دوسرے اقوال کی توجیہ وتاویل کو بھی اسی پر قیاس کرلینا۔ اللہ رب العزت تمہیں ہدایت نصیب فرمائے اور تمہاری ہدایت کا کفیل بنے۔ والحمد للہ رب العالمین۔ انتہی کلام الامام الشعرانی فی المنن الکبریٰ باختصار۔

امام شعرانی نے الیواقیت والجواہر کے مبحث ۱۸ میں ذکر کیا ہے کہ شیخ اکبر قدس سرہ نے فتوحات مکیہ کے باب ۳۶۳ میں فرمایا۔ کہ یہ چیز ناانصافی کے قبیل سے ہے کہ رسل کرام کی زبانی جو آیات صفات اور اخبار وروایات منقول وثابت ہیں ان پر تو ایمان لائیں لیکن اولیاء کرام اور عارفین وارثین نبوت کی زبانی جو صفات منقول ہیں ان پر ایمان نہ لائیں حالانکہ ایک ہی سمندر وحدت کا آبِ حیات ان دونوں چشموں سے ابل رہا ہے۔ بلکہ جس طرح رسل کرام کے لائے ہوئے عقائد واحکام پر ایمان لانا ضروری ہے اسی طرح اولیاء محفوظین کے بیان فرمودہ عقائد واحکام پر ایمان لانا بھی لازم وواجب ہے۔ انبیاء ورسل اصل ہیں۔

اور عرفاء واولیاء فرع اور دونوں شریعت میں متوافق ہیں لہٰذا جس طرح اصل کے لئے تسلیم واعتراف لازم ہے اس طرح فرع کے لئے بھی ضروری ہے۔

اے کاش اگر لوگ اس کو دل وجان سے تسلیم نہ کریں جو اولیاء کرام سے ثابت ہے تو کم ازکم ان کو اصل کتاب جیسے سلوک کا مستحق تو سمجھیں کہ نہ ان کی تصدیق کریں اور نہ ہی تکذیب کریں۔ انتہت عبارۃ الیواقیت والجواہر۔

شیخ اکبر قدس سرہ اور ان کے ہم مشرب توحیدی صوفیاء وغیرہ کی کتب کے مطالعہ سے اجتناب

امام شعرانی نے بحر مورود میں فرمایا بارگاہ رسالتماب علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف سے ہم سے یہ عہد بھی لیا گیا ہے کہ ہم اپنے برادران اسلام کو شیخ محقق ابن العربی کی توحید مطلق سے متعلق کتب اور دوسرے غالی صوفیاء کی کتابوں کے مطالعہ سے باز رکھیں۔ کیونکہ قاصرین کو ان سے فائدہ تو ہوگا نہیں اور جب وہ ان مباحث کو زبان پر لائیں گے جو اکثر لوگوں کے عقول و افہام سے ماوراء ہیں تو ان پر سخت تنقید اور اعتراضات شروع ہو جائیں گے "وَمَا کُلُّ مَا یُعْلَمُ یُقَالُ" ہر چیز جو علم میں ہو اس کو زبان پر لانا درست نہیں ہوتا (بلکہ بعض جگہ زبان کو لگام دینا پڑتی ہے) اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ایسے قاصر الفہم لوگ ان کے مطالعہ سے ایسے امور سمجھ بیٹھیں جو سنت صریحہ کے خلاف ہوں اور اسی اعتقاد پر مرکر دنیا وآخرت کے خسارہ وخسران میں مبتلا ہو جائیں۔ ہم نے کبھی کوئی ایسا مرید نہیں دیکھا جو کسی کتاب کے مطالعہ سے مردانِ خداوند تبارک وتعالیٰ کے درجات کو پہنچ گیا ہو۔ حضرت شیخ اکبر قدس سرہ بسا اوقات یہ شعر پڑھا کرتے تھے ؎

تَرَکْنَا الْبِحَارَ الزَّاخِرَاتِ وَرَاءَنَا فَمِنْ اَیْنَ یَدْرِی النَّاسُ اَیْنَ تَوَجَّهْنَا

ہم نے کئی ٹھاٹھیں مارتے سمندر اپنے پیچھے چھوڑے ہیں (جن کا عبور کرنا عام لوگوں کے بس سے باہر ہے) تو وہ کیونکر جان سکتے ہیں کہ ہم کس سمت جارہے ہیں اور ہماری منزل مقصود کیا ہے؟ انتہی ما نقلتہ من کتب الامام الشعرانی اور علامہ ابن حجر کے کلام سے بھی امام شعرانی کے اس خیال کی تائید وتصدیق ہوتی ہے یعنی غیر صوفیاء جو ان کے مصطلحات سے واقف نہیں اور ان کی کتابوں کو کماحقہ سمجھنے سے قاصر ہیں انہیں ان کتابوں کے مطالعہ سے باز رہنا چاہیے۔

اولیاء کرام اور صوفیاء عظام کے حق میں علامہ ابن حجر اور امام یافعی کا کلمۂ ثناء

علامہ ابن حجر نے اپنے فتاویٰ حدیثیہ میں امام یافعی کی کتاب "نشر المحاسن (جس میں انہوں نے صوفیہ کرام کی مدح وثناء کی ہے اور ان پر اعتراض کرنے والوں کے جوابات ذکر کئے ہیں) سے نقل کرتے ہوئے فرمایا۔

کرامات اولیاء کا برحق ہونا اور منکرین کے اقسام کا بیان

کرامات اولیاء نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات کے لئے تتمہ ہیں کیونکہ وہ ولی کے صدق و اخلاص پر دلالت کرتی ہیں اور اس کا صدق و اخلاص اس کے دین میں کامل ہونے کو مستلزم ہے جو کہ اس دین کی حقانیت و صداقت کی دلیل ہے اور دین کا برحق ہونا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دعویٰ صدق و حقانیت کو مستلزم ہے لہٰذا اس اعتبار سے کرامتِ ولی گویا معجزات نبویہ سے ہے۔

اگر ایک قوم معجزات کا انکار کرتی ہے خواہ وہ کثرت ظہور کے لحاظ سے ضروریات اور بدیہیات کے قبیل سے ہی کیوں نہ ہوں تو اس پر تعجب کی ضرورت نہیں کیونکہ ایک قوم نے قرآن مجید کا بھی تو انکار کیا تھا جو معجزات میں سے عظیم ترین معجزہ ہے اور آیاتِ صداقت میں سے واضح ترین آیت۔ اور منکرین کا عناد اس غایت تک پہنچ چکا تھا کہ اللہ تعالےٰ نے فرمایا "وَلَوْ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ كِتَابًا فِي قِرْطَاسٍ فَلَمَسُوهُ بِأَيْدِيهِمْ لَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا إِنْ هَٰذَا إِلَّا سِحْرٌ مُبِينٌ"، اور اگر ہم تمہارے اُوپر کتاب کو کاغذوں پر لکھی ہوئی ہونے کی صورت میں نازل کر دیں اور وہ اس کو اپنے ہاتھوں سے بے کر محسوس بھی کر لیں تو بھی یہی کہیں گے کہ یہ تو کھلا جادو ہے۔

معتزلہ نے اگر کرامات اولیاء کا انکار کیا ہے تو یہ کوئی محل تعجب نہیں ہے کیونکہ وہ تو اس سے بھی قبیح ترین امور میں غوطہ زن ہو چکے ہیں، انہوں نے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول متواترۃ المعنیٰ نصوص کا بھی انکار کر دیا ہے مثلاً عذاب قبر و ملائکہ کے سوال و جواب حوض کوثر۔ میزان وغیرہ سب کا انہوں نے انکار کر دیا ہے اور ان کے اس کذبِ عظیم اور افترا جسیم کی بنیاد اپنے عقول فاسدہ کی تقلید ہے اور انہیں کو انہوں نے اللہ تعالےٰ، اس کے آیات و اسماء اور صفات و افعال پر حاکم بنا دیا ہے۔ ان امور میں سے جس کو انہوں نے اپنے عقول فاسدہ کے آراء مذمومہ کے موافق پایا اس کو قبول کر لیا اور جس کو مخالف سمجھا رد کر دیا۔ اور کتاب و سنت اور اجماعِ امت کی تکذیب و انکار کی ذرہ بھر پروانہ کی کیونکہ اللہ رب العزت کا کلمہ غضب ان کے حق میں ثابت ہو چکا تھا اور قبیح عادات اور موجب مذمت خصلتیں ان کی طرف سبقت لے جا چکی تھیں۔

بعض سنی نما معتزلہ کا بیان

مگر تعجب ہے تو ان لوگوں پر جو اپنے آپ کو اہل السنۃ کہتے ہیں اور اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کی اس نعمت کا حامل سمجھتے ہیں اور بایں ہمہ انکارِ کرامات میں پیش پیش ہیں کیوں کہ ان کے حق میں بھی اللہ تعالےٰ کی طرف سے حرمان نصیبی کا فیصلہ ہو چکا ہے جس نے ان کو تباہ حال معتزلہ کے ساتھ لاحق کر دیا ہے۔ اور ان کے لئے ہلاکت و خسارہ کی ایک قسم لازم کر دی ہے۔ یہ لوگ کئی قسم پر ہیں بعض تو سرے سے مشائخ صوفیہ اور ان کے متبعین پر رد و انکار کرتے ہیں۔ اور بعض وہ ہیں جو اجمالاً اظہارِ عقیدت

کرتے ہیں اور ان سے صدور کرامات کا عقیدہ بھی ظاہر کرتے ہیں مگر جب اولیاء کرام میں سے کسی کو معین کر کے ان کے سامنے ذکر کرو اور اس کی کوئی کرامت بیان کرو تو فوراً انکار کر دیں گے کیونکہ ابلیس لعین نے ان کے وہم و خیال میں یہ چیز بٹھا دی ہے کہ اولیاء اللہ ختم ہو گئے ہیں۔ اس وقت ان میں سے کوئی باقی نہیں ہے اور جو اس لباس میں موجود ہیں وہ شیطان کے نرغہ میں ہیں اور اس کی فریب کاریوں کا شکار۔ یہ گروہ بھی عناد اور حرمان نصیبی کے انتہائی مقام پر پہنچا ہوا ہے۔ علامہ ابن الجوزی نے بھی اس مقام پر بڑی بیباکی اور سینہ زوری کا مظاہرہ کیا اور "تلبیس ابلیس" نامی کتاب لکھ کر مشائخ صوفیہ پر رد و انکار کیا اور یہ دعویٰ باطل کر دیا کہ شیطان لعین نے ان کو التباس و اشتباہ میں ڈال رکھا ہے مگر یہ کہ اس کا ارادہ صرف اپنے زمانہ کے بتدعین پر رد و انکار ہو تو البتہ یہ نیت صالحہ اور صحیحہ ہے لیکن بالعموم مشائخ پر انکار کرنا مقصود ہو تو یہ خود اس کے حق میں تلبیس ابلیس ہے، امام یافعی فرماتے ہیں۔ ابن الجوزی کو معلوم نہ ہو سکا کہ ابلیس نے خود اس کے کلام اور صوفیاء کرام سے متعلق عقیدہ میں تلبیس سے کام لیا ہے اور اسے شعور بھی نہیں۔ ابن الجوزی پر بہت ہی تعجب ہے کہ اس نے جملہ سادات اولیاء حتیٰ کہ اوتاد و ابدال اور صدیقین و عارفینِ خدا پر رد و قدح اور انکار و اعتراض سے گریز نہ کیا جنہوں نے تمام کائنات کو اپنے انوار و کرامات اور معارف حقائق سے پُر کر رکھا ہے۔ آغاز کار میں انہوں نے ماسویٰ اللہ سے منہ موڑ لیا اور نہایت کار انہیں اللہ تعالےٰ کے فضل و کرم سے وہ کچھ حاصل ہوا جس کو صرف اللہ تعالےٰ ہی جانتا ہے۔ ان میں سے کمتر مرتبہ کے ولی و عارف کا دعویٰ یہ ہے کہ میں نے بیس سال تک اپنے دل کے دروازہ پر پہرہ دیا ہے جس چیز نے بھی اسے غیر اللہ کی طرف کھینچا میں نے فوراً اس کو دل سے دور کر دیا۔

علاوہ ازیں خود ابن الجوزی نے اپنی کتابوں میں انہیں کی حکایات سے سلسلہ کلام کو دراز تر کر کے ذکر کیا اور ان کے محاسن صفات بیان کرنے میں سارا زورِ بیان صرف کیا ہے۔ تو کیوں نہ اپنی کتابوں کو ان کے ذکر سے خالی کیا اور ان لوگوں کے زمرہ میں کیوں داخل ہوا جو ایک سال تو ایک چیز کو حلال قرار دیتے ہیں اور دوسرے سال حرام۔

کیا اسے یہ معلوم نہیں ہے کہ امت محمدیہ کے علماء اعلام مجتہدین اور متبعین ازمنہ قدیم سے صوفیاء کرام کے معتقد چلے آ رہے ہیں۔ ان سے فیوض و برکات بھی حاصل کرتے ہیں اور روحانی امداد و اعانت بھی۔ حضرت علامہ تقی الدین بن دقیق العید سے منقول ہے کہ وہ ایک فقیر کے معتقد اور نیاز مند تھے انہوں نے اس کے متعلق فرمایا کہ یہ فقیر میرے نزدیک سو فقیہ بلکہ ہزار فقیہ سے افضل و برتر ہے۔ یہ تھی عبارت امام یافعی کی جس کو ابن حجر نے مکمل طور پر اپنے فتاوی میں ذکر فرمایا اور ان کے علاوہ امام نووی اور امام ابن عبد السلام وغیرہما کی عبارات بھی نقل کی ہیں۔

واقعہ عجیبہ و حکایت غریبہ

امام ابن حجر نے فتاوی حدیثیہ کے ایک مقام پر چند حکایات نقل فرمائی ہیں جو ان کو اپنے بعض اساتذہ کے صوفیاء کرام پر انکار کی وجہ سے پیش آئیں فرماتے ہیں اس ضمن میں مجھے اپنے ایک استاد کے ساتھ عجیب واقعہ پیش آیا میری تربیت و

پرورش ایسے صاف باطن اہل اللہ کی گود میں ہوئی تھی جو خلافِ شرع کے ارتکاب اور لوگوں کی تنقید و تشنیع سے منزہ و مبرا تھے۔ ان کے کلام نے میرے دل میں گھر کر لیا کیونکہ میری لوحِ قلب ان پر رد و انکار کے نقوش سے خالی تھی لہٰذا وہ نقوش اچھی طرح گہرے ہو گئے جب میں نے علوم ظاہری پڑھنے شروع کئے اور میری عمر کوئی چودہ سال کی تھی تو میں نے مختصر ابی الشجاع حضرت شیخ ابو عبد اللہ محمد جوینی کے پاس پڑھنی شروع کی جو اس وقت مصر کے جامع ازہر میں مدرس تھے اور ان کی علمی جلالت، زہد و تقویٰ اور فیوض و برکات سب کے نزدیک مسلم تھے لیکن ان کے مزاج میں تیزی تھی۔

ایک دفعہ ان کے ہاں قطب، نجباء، نقباء، اور ابدال وغیرہ کا ذکر چلا تو شیخ موصوف نے بڑی سختی سے اس کا انکار کیا اور کہا اس امر کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔ اور نہ ہی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس ضمن میں کوئی چیز منقول ہے۔ میں سب حاضرین سے کم عمر تھا مگر ان کا انکار شدید میرے لئے قابل برداشت نہ تھا لہٰذا میں نے کہا معاذ اللہ یہ سب کچھ برحق اور صحیح ہے جس میں شک و شبہ کی ذرہ بھر گنجائش نہیں ہے کیونکہ اولیاء کرام نے متفقہ طور پر ان مدارج و مراتب کو بیان کیا ہے۔ اور پناہ بخدا کہ وہ دروغ گوئی سے کام لیں اور من جملہ ان اکابرین کے امام یافعی ہیں جو علوم ظاہرہ و باطنہ کے جامع ہیں جب شیخ موصوف نے میری زبانی یہ کلام سنا تو مزید جوش میں آ کر انکار و اعتراض شروع کر لیا لہٰذا اس وقت مجھے سوائے خاموشی کے اور کوئی چارہ کار نظر نہ آیا اس لئے خاموش ہو گیا لیکن میں نے دل میں اس خیال کو پختہ کر لیا کہ حضرت شیخ الاسلام والمسلمین، امام الفقہاء والعارفین ابو یحییٰ زکریا الانصاری اس معاملہ میں میری اعانت و حمایت فرمائیں گے۔ اور چونکہ امام محمد جوینی کی بصارت نہیں تھی لہٰذا ان کا ہاتھ میں پکڑتا تھا اور ان کو شیخ مذکور کے پاس لے جاتا تھا لہٰذا جب حسبِ معمول میں ان کے ہمراہ حضرت زکریا انصاری کے پاس جانے لگا تو میں نے اپنے استاذ سے عرض کیا میں شیخ موصوف کے سامنے قطب، ابدال وغیرہ کا مسئلہ پیش کروں گا اور دیکھتے ہیں وہ اس ضمن میں کیا فرماتے ہیں۔ جب ہم ان کی خدمت میں پہنچے تو انہوں نے شیخ جوینی کی طرف خصوصی توجہ مبذول فرمائی اور ان کا بہت زیادہ اکرام کیا۔ اور ان سے دعا کا مطالبہ کیا پھر مجھے دعائیں دیں اور من جملہ ان دعاؤں کے یہ دعا بھی تھی۔ اَللّٰهُمَّ فَقِّهْهُ فِی الدِّیْنِ اور بسا اوقات آپ مجھے یہی دعا دیا کرتے تھے۔ جب حضرت شیخ کا سلسلہ گفتگو ختم ہوا اور امام جوینی نے واپسی کا ارادہ کیا تو میں نے حضرت شیخ الاسلام سے عرض کیا یا سیدی! قطب، اوتاد اور نجباء و ابدال وغیرہ جن کا ذکر صوفیاء کرام فرماتے ہیں آیا وہ حقیقۃً موجود بھی ہیں (یا یہ سب فرضی نام ہیں) تو انہوں نے فرمایا بخدا اے میرے بچے وہ حقیقۃً موجود ہیں۔ میں نے شیخ جوینی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے عرض کیا کہ آپ اس تقسیم کے منکر ہیں اور جو ان اقسام کو ذکر کرے اس پر سخت برہم ہوتے ہیں تو شیخ الاسلام نے دریافت کیا اے شیخ محمد! یہ تمہاری طرف منسوب قول درست ہے اور بار بار وہ اس جملہ کو دہراتے رہے حتیٰ کہ امام محمد جوینی نے کہا: اے شیخ الاسلام اے آقا! میں ایمان لاتا ہوں اور اس امر کی تصدیق کرتا ہوں اور سابقہ نظریہ سے توبہ کرتا ہوں تو حضرت شیخ الاسلام نے فرمایا۔ یہی میرا گمان ہے تمہارے متعلق اے شیخ محمد، پھر ہم وہاں سے اٹھے اور علامہ جوینی نے میری اس جسارت پر مجھے ذرہ بھر عتاب کا نشانہ نہ بنایا۔ اور ناراضگی خفگی کا ذرہ بھر

اظہار نہ فرمایا۔

اسی مضمون کی ایک اور حکایت ہے جو مجھے اٹھارہ سال کی عمر میں اپنے بعض اساتذہ کے ساتھ پیش آئی یعنی شیخ الاسلام الشمس الدلجی کے ساتھ ان کو علوم شرعیہ و عقلیہ میں تصنیف پر اور نرالے اسلوب بیان اور انداز تحریر کی ایسی قوت و قدرت حاصل تھی کہ ان کے اہل زمان میں سے کسی کو یہ قدرت حاصل نہ تھی۔ ایک دن ہم ان کے پاس علامہ سعد تفتازانی کی شرح تلخیص پڑھ رہے تھے۔ اور شیخ موصوف کی اپنی تالیف کردہ اصولِ دین کی ایک کتاب زیر درس تھی کہ دوران سبق حضرت سیدی عمر بن الفارض کا ذکر آ گیا تو شیخ موصوف نے فوراً ان پر تنقید و اعتراض شروع کر لیا حتیٰ کہ یہاں تک کہہ گئے اللہ تعالیٰ اس کو ہلاک کرے کتنا بڑا کافر ہے۔ کیونکہ اس کے کلام میں نظریہ حلول و اتحاد کی تصریح موجود ہے اگرچہ اس کے اشعار فصاحت و بلاغت کے اعلیٰ معیار پر ہیں۔ حاضرین میں سے صرف میں نے ہی عارف باللہ عمر بن الفارض کی نصرت میں بولنے کی جرأت کی۔ اور کہا۔ پناہ بخدا کہ وہ کافر ہوں یا حلول و اتحاد کے قائل۔ شیخ موصوف نے مجھ پر اور ان پر مزید سخت انداز میں رد و انکار شروع کر لیا میں نے بھی جواب میں تشدید و تغلیظ سے کام لیا۔ شیخ موصوف ضیق النفس کی مرض میں مبتلا تھے اور انہوں نے ہمیں بتلایا تھا کہ میں عرصہ دراز سے اس مرض کی وجہ سے پہلو زمین پر نہیں رکھ سکتا نہ دن کو اور نہ ہی رات کو۔ میں نے ان سے کہا اے میرے سردار و آقا اگر آپ سیدی عمر بن الفارض، سیدی محی الدین بن العربی اور ان کے متبعین پر اعتراض و انکار سے باز آ جائیں تو میں آپ کو اس موذی اور سخت و صعب مرض سے براءت کی ضمانت دیتا ہوں۔ انہوں نے کہا یہ مرض تو دور ہو ہی نہیں سکتا۔ میں نے کہا کچھ عرصہ کے لئے میری بات مان تو لیجیے اور تجربہ کر لیجیے اگر مرض دور ہو جائے تو بہتر ورنہ آپ جانیں اور آپ کا رد و انکار۔ چنانچہ انہوں نے کہا ہاں تمہاری بات کا تجربہ کر لینے میں کیا حرج ہے چنانچہ انہوں نے ہمارے سامنے علانیہ توبہ کی اور اس نظریہ سے رجوع کر لیا تو فوراً ان کی حالت درست ہو گئی۔ اور عرصہ دراز تک مرض میں تخفیف رہی۔ میں انہیں کہا کرتا تھا میری ضمانت پوری ہو گئی تو وہ ہنس دیتے اور تعجب کا اظہار کرتے۔ اس دوران ہم نے ان سے اس جماعت صوفیہ کے حق میں ہمیشہ کلمۂ خیر ہی سنا۔ بعد ازاں وہ توبہ توڑ بیٹھے اور انکار و اعتراض کے درپے ہو گئے تو یہ مرض بھی پہلے سے زیادہ شدت کے ساتھ عود کر آیا اور اس کے بعد بیس سال کا عرصہ اس مرض کی شدت اور رنج و الم سے دوچار رہے اور بالآخر اسی حالت میں دنیا سے کوچ کر گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ (مگر ایک مجرب نسخہ کو دوبارہ استعمال کرنے کی توفیق نہ ہوئی فسبحان من بیدہ ملکوت کل شیئ)۔

امام علامہ ابن حجر سے حضرت ابو یزید قدس سرہ العزیز کے اس قول کے متعلق سوال کیا گیا "خُضْتُ بَحْرًا وَقَفَ الْاَنْبِیَاءُ بِسَاحِلِهٖ" میں اس سمندر میں غوطہ زن ہوں کہ انبیاء علیہم السلام اس کے ساحل پر کھڑے ہیں۔ تو علامہ موصوف نے فرمایا۔ اولاً تو اس قول کی ان کی طرف نسبت درست نہیں ہے۔ اور بالفرض صحیح ہو تو اس کا معنی و مفہوم یہ ہے کہ جو انعامات جملہ اولیاء کرام کو بارگاہ خداوندی سے مرحمت ہوئے ہیں ان کی نسبت ان کمالات و درجات اور رفعت و مراتب کے ساتھ جو انبیاء علیہم السلام کو عنائت کئے گئے ہیں ایسے ہے جیسے شہد سے بھری ہوئی مشک اور اس سے ٹپکنے والے چند قطرات

وہ ٹپکنے والے قطرات گویا کمالاتِ اولیاء ہیں اور وہ بھری ہوئی مشک کمالات انبیاء علیہم السلام ہیں۔ اگر حضرت بایزید سے یہ قول حالت سکر میں صادر نہیں ہوا تو اس کو ظاہری معنی سے پھیرنا اور جلالت انبیاء علیہم السلام کے مطابق اس کی توجیہ و تاویل کرنا لازم ہے۔

وہ تاویل ومعنی یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کنارے پر اس لئے کھڑے ہیں کہ جس کو اس بحرِ حقیقت کے عبور کرنے کا اہل سمجھیں اس کو عبور کرائیں اور جس میں اہلیت نہ دیکھیں اس کو قدم اندر رکھنے سے روکیں (۲) یا کنارے پر کھڑے ہو کر دیکھ رہے ہیں تاکہ کسی کو غرق ہوتا دیکھیں تو اس کی دستگیری کریں یا (۳) ان کا ٹھہرنا دوسروں کی منفعت رسانی کے لئے ہے مثلاً افضل ترین شخص قیامت کے دن میدان میں ٹھہر جاتا ہے تاکہ دوسروں کی شفاعت کرے اور اس سے کمترین درجہ کے مالک صرف اپنی ذات کی خلاصی پر قناعت کرتے ہوئے جنت میں پہلے داخل ہو جائیں تو یہ معاملہ بھی اسی طرح کا ہے (۴) اور بعض حضرات نے کہا ہے کہ اس وقوف سے مراد ہے بحرِ حقیقت کو عبور کرنے کے بعد دوسرے کنارے پر ٹھہرنا تاکہ پیچھے پیچھے چلنے والوں کا انتظار کریں نہ کہ پاؤں اندر رکھنے کے انتظار میں کھڑے ہونا بہر حال حضرت بایزید قدس سرہ کے متعلق وہی گمان کیا جاسکتا ہے جو ان کی جلالتِ قدر، اور علوِ مقام کے لائق ہے۔ اور ان میں تعظیم انبیاء علیہم السلام اور تکریم شرائع اور ان کے ساتھ ادب ونیاز مندی کے جذبات معروف ومعلوم ہیں لہذا اسی آئینہ میں ان کے کلام کی حقیقی صورت بھی مشاہدہ کرنی چاہیئے۔

الہام اولیاء کی حقیقت اور اس کے وقوع پر استدلال

علامہ ابن حجر قدس سرہ العزیز سے اس خطاب و کلام کے متعلق سوال کیا گیا جس کو اولیاء کرام ذکر فرماتے ہیں۔ حدثنی قلبی عن ربی یا خاطبنی ربی بکذا وغیرہ۔ آیا اللہ تعالےٰ کی طرف اس کی نسبت کی جاسکتی ہے یا نہیں۔ اس قول کی حقیقت کیا ہے اور آیا اس کو کلام اور حدیث سے تعبیر کیا جاسکتا ہے اور جو کچھ انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کو سنائی دیتا ہے اس میں فرق کیا ہے اور جو شخص اولیاء کرام کے لئے اللہ تعالےٰ کے ساتھ ہمکلامی کا انکار کرے اس کا حکم کیا ہے؟

علامہ موصوف نے اس کا جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ شیخ عبدالقادر جیلانی قطب ربانی قدس سرہ السامی نے نبوت اور ولایت کے درمیان اس طرح فرق بیان فرمایا ہے۔ نبوت وہ کلام ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرشتے اور روح الامین کے ذریعے ذات نبی تک پہنچے۔ اور ولایت وہ حدیث وگفتگو ہے جو ولی کے دل میں بطورِ الہام القاء کی جاتی ہے جس کے ساتھ سکینت ہوتی ہے جو بلا توقف وتردد طمانیت قلب اور قبول کا موجب بن جاتی ہے۔ پہلے قسم کا انکار کفر ہے اور دوسرے قسم کا انکار نقص وحرمان ہے۔

ایک فقیہ حضرت ابویزید قدس سرہ کے پاس حاضر ہوا اور دریافت کیا آپ کا علم کس سے ماخوذ ہے، کون اس کا سرچشمہ ہے اور کہاں سے حاصل ہونے والا ہے؟ تو انہوں نے فرمایا۔ میرا علم عطاء خداوندی ہے۔ اللہ تعالےٰ سے ماخوذ ومستفاد ہے

اور اس کا مدار سرورِ کونین علیہ السلام کا یہ ارشاد ہے کہ جس نے عمل کیا اس پر جس کا علم اس کو حاصل ہوا تو اللہ تعالےٰ اس کو علم عطا فرمائے گا اس چیز کا جس کو اس نے پہلے نہیں جانا تھا۔ من عمل بما یعلم ورثہ اللہ علم مالم یعلم۔ اور فرمایا۔ علم کی دو قسمیں ہیں۔ علمِ ظاہر اور علمِ باطن، علم ظاہر مخلوق پر اللہ تعالےٰ کی حجت وبرہان ہے اور علم باطن ہی درحقیقت مفید ونافع ہے۔ اے فقیہ! آپ کا علم ایک زبان سے دوسری زبان کی طرف منقول ہونے والا ہے محض تعلیم اور سکھلائی کے لئے نہ کہ عمل کے لئے اور میرا علم علوم باری تعالےٰ سے ہے جس کا اس نے مجھے الہام فرمایا ہے۔

فقیہ نے ان کے جواب میں کہا میرا علم ثقہ راویوں کے ذریعے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مستفاد ہے اور ان کا علم جبرئیل امین سے اور جبرئیل امین کا علم اللہ تعالےٰ سے مستفاد ہے۔ آپ نے فرمایا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایسا علم بھی حاصل ہے جس پر اس نے جبرئیل امین کو مطلع کیا اور نہ ہی حضرت میکائیل کو (اور ہمارا علم بھی اسی قبیل سے ہے جو بطور الہام حاصل ہونے والا ہے)۔

فقیہ نے حضرت بسطامی سے مطالبہ کیا کہ انہوں نے اپنے جس علم کا ذکر کیا ہے اس کی مزید وضاحت کریں۔ تو آپ نے فرمایا اے فقیہ کیا آپ کو معلوم نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ کلام فرمایا۔ اور محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کلام فرمایا اور دیدارِ ذات کا شرف بھی بخشا اور انبیاء علیہم السلام پر وحی نازل فرمائی فقیہ نے اثبات میں جواب دیا تو آپ نے فرمایا۔ کیا آپ کو معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ کا کلام صدیقین واولیاء کے ساتھ بطور الہام ہوتا ہے، اور وہ فوائد وفیوض ان کے دل میں القاء کر دیتا ہے اور ان کی تائید وتقویت فرماتا ہے پھر ان کو حکمت کے ساتھ گویا کرتا ہے اور ان کے ذریعے امت کو نفع پہنچاتا ہے۔

۱۔ میرے اس دعویٰ کی تائید وتصدیق یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ نے حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام کی والدہ ماجدہ کو الہام فرمایا۔ کہ اپنے اس لختِ جگر کو تابوت میں ڈال دے اور پھر دریا میں پھینک دے۔

۲۔ اسی طرح حضرت خضر علیہ السلام کو کشتی اور غلام کے متعلق الہام فرمایا۔ اور یتیموں کی دیوار تعمیر کرنے کا الہام فرمایا اور انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سامنے واشگاف الفاظ میں کہہ دیا وَمَا فَعَلْتُهُ عَنْ أَمْرِي میں نے یہ سب کچھ اپنے طور پر نہیں کیا بلکہ یہ اللہ تعالےٰ کا القاء کیا ہوا علم ہے اور اس کا امر وحکم اور اللہ تعالےٰ نے ان کے حق میں فرمایا۔ وَعَلَّمْنَاهُ مِنْ لَدُنَّا عِلْمًا۔ اور ہم نے اس کو اپنے پاس سے خصوص علم عطا فرمایا اور یہ علم الہامی تھا کیونکہ تمام صوفیاء کرام کا اس پر اتفاق ہے کہ وہ ولی تھے نہ کہ نبی۔ علیٰ ہذا القیاس۔

۳۔ ہمارے اس دعویٰ کی تائید وتصدیق حضرت یوسف علیہ السلام کے الہام سے بھی ہوتی ہے (جس کے ذریعے انہوں نے قیدی ساتھیوں کے خواب کی تعبیر بیان فرمائی اور فرمادیا۔ قُضِيَ الْأَمْرُ الَّذِي فِيهِ تَسْتَفْتِيَانِ۔ جس امر کے متعلق تم نے سوال کیا ہے اس کی قضا نافذ ہو چکی ہے) اور فرمایا ذَٰلِكُمَا مِمَّا عَلَّمَنِي رَبِّي یہ میرے رب کے اُن علوم سے ہے جو اس نے مجھے سکھلائے ہیں۔ اور یہ واقعہ اعلانِ نبوت سے پہلے کا تھا۔

۴۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ام المومنین حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کو فرمایا "ان بنت خارجة حامل ببنت" بنت خارجہ یعنی میری بیوی اور آپ کی ماں لڑکی کے ساتھ حاملہ ہے حالانکہ اس وقت تک ان کا حمل نمایاں بھی نہیں تھا اور آپ کے فرمان اور بیان کے مطابق لڑکی ہی پیدا ہوئی اور اس قسم کے شواہد بہت ہیں۔

اہلِ الہام وہ قوم ہے جس کو اللہ تعالےٰ نے اپنے خاص فضل و کرم سے فوائد خاصہ اور فیوضات مختصہ کے ساتھ امتیازی مقام بخشا ہے اور ان میں سے بعض کو بعض پر الہام اور فراست صادقہ میں فوقیت دی ہے تو فقیہ نے کہا آپ نے مجھے بہت بڑے قاعدہ اور اصل کا افادہ و افاضہ کیا اور میرے سارے خلجان و اضطراب کو دور کر دیا۔

الہام بھی حجت ہے

صوفیاء کرام کی اس روایت (الالہام حجۃ) "الہام حجت و دلیل ہے یعنی ان امور میں جہاں حکم شرعی کی مخالفت لازم نہ آئے" کی تائید و تصدیق حدیث قدسی میں مروی و منقول سید عرب و عجم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد گرامی سے بھی ہوتی ہے فاذا احببته کنت سمعه الذی یسمع به و بصره الذی یبصر به الحدیث اور ایک روایت میں ہے فَبِیْ یَسْمَعُ وَبِیْ یَبْصُرُ وَبِیْ یَنْطِقُ اور ایک روایت میں ہے وَکُنْتُ لَہٗ سَمْعًا وَبَصَرًا وَیَدًا وَمُؤَیِّدًا۔ جب میں اپنے بندے کو مقام محبوبیت پر فائز کرتا ہوں تو اس کے کان ہوتا ہوں جن سے سنتا ہے اور آنکھیں جن سے دیکھتا ہے پس وہ صرف میرے ساتھ سنتا ہے صرف میرے ساتھ دیکھتا ہے اور میرے ساتھ ہی بولتا ہے یعنی اس کے لئے کان، آنکھ اور ہاتھ بن جاتا ہوں اور میں ہی اس کو تائید و تقویت اور امداد و نصرت مہیا کرتا ہوں۔

حاصل مبحث یہ ہے علماء باللہ اور اولیاء اللہ علوم و اعمال مقامات و احوال، اقوال و افعال، حرکات و سکنات، ارادات و خواطر اور معادن اسرار اور مطالع انوار میں اللہ تعالےٰ سے مستفید و مستفیض ہیں اور یہ سب کچھ انہیں وقوف مع اللہ کی بدولت حاصل ہوتا ہے۔

جب یہ امر لوح قلب پر نقش ہو چکا تو اس سوال میں مذکور جملہ شقوق کا جواب آ گیا یعنی خطاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم اور خطاب الولی کا فرق بھی معلوم ہو گیا قسم اول کبھی بلا واسطہ ہوتا ہے، کبھی فرشتہ کی وساطت سے یا سچے خواب کے ساتھ اور یا دل میں القاء کے ساتھ۔ اور ان سب کو وحی کہا جاتا ہے اور اس کو کلام کہنا اور اللہ تعالےٰ کی طرف منسوب کرنا عین حقیقت ہے اور جو شخص دین میں حتمی و قطعی طریقہ پر ثابت چیز کا انکار کرے وہ کافر ہو جاتا ہے۔ اور خطاب ولی اس امر کا نام ہے جس کو دل میں القاء کیا جاتا ہے اور دل اس سے سکون و راحت حاصل کرتا ہے اور اس کو حدیث و الہام کا نام دیا جاتا ہے جیسے کہ حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں وارد ہے اِنَّ فِیْ اُمَّتِیْ مُحَدَّثُوْنَ وَمِنْھُمْ عُمَرُ۔ بے شک میری امت میں ایسے لوگ ہیں جن کو اللہ تعالےٰ کی طرف سے الہام کیا جاتا ہے اور انہیں میں سے حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ بھی ہیں۔

الہام کی حجیت اور عدم حجیت کی بحث

جو امور شریعت مطہرہ کے صریح احکام سے ثابت نہیں ان میں بطور الہام کوئی حکم لگانا جب کہ وہ خلاف شرع نہ ہو درست ہے یا نہیں اس میں علماء اعلام اور ائمہ اسلام کا باہم اختلاف ہے فقہاء کرام کے نزدیک زیادہ راجح اور وزنی یہی امر ہے کہ الہام حجت نہیں ہے کیونکہ غیر معصوم کے خواطر قلبیہ پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا جب کہ صوفیاء کرام کے نزدیک راجح یہ ہے کہ الہام اولیاء حجت ہے کیونکہ وہ محفوظ ہیں اعمال ظاہرہ میں بھی اور باطنہ میں بھی۔ یہ امر مسلم کہ اولیاء کرام معصوم نہیں اور ان سے گناہ کا صادر ہونا ممکن ہے اور گناہ کا امکان صدور ولایت کے منافی بھی نہیں ہے اسی لئے جب حضرت جنید سے کہا گیا کیا ولی زنا کر سکتا ہے؟ تو انہوں نے فرمایا "وَکَانَ اَمْرُ اللّٰہِ قَدَرًا مَّقْدُوْرًا" اللہ رب العزت کی تقدیر اور اس کا امر غالب ہے لیکن ان کو اللہ تعالےٰ کی طرف سے اغلب حالات میں حفظ و امان حاصل ہوتی ہے لہٰذا ان سے کبیرہ اور صغیرہ بالفعل صادر نہیں ہوتا۔ اور جب الہام کی حجیت تسلیم کر لی جائے تو اس کو اللہ تعالیٰ کی طرف بایں معنی منسوب کرنا درست ہے کہ اللہ سبحانہ نے ہی بطور کرامت اور انعام اس ولی کے دل میں اس چیز کو القاء کیا ہے تاکہ اس کے لئے مزید طاعت کا موجب بنے یا دوسروں کی اصلاح اور بہتری کا باعث۔

امام ابن حجر قدس سرہ سے سوال کیا گیا کہ اولیاء کرام سے جن شطحیات کا صدور ہوا جس طرح ابو یزید سے منقول ہے سُبْحَانِیْ مَا فِی الْجُبَّۃِ غَیْرُ اللّٰہِ اور منصور حلاج سے منقول ہے اَنَا الْحَقُّ اور اس کے علاوہ بھی ایسے کلمات ان سے منقول ہیں جن کا ظاہر قابلِ اعتراض ہے اگرچہ باطن اور حقیقی معنی برحق ہے گو اہلِ عناد اور مبغوضانِ خداوندی کے نزدیک ہر دو صورت میں غلط ہیں۔ تو ان کا کیا جواب ہے؟ تو علامہ موصوف نے اس کے جواب میں فرمایا جو شطحیات اولیاء کاملین کی طرف منسوب ہیں ائمہ علماء اور عارفین حکماء جن کو اللہ تعالےٰ نے ان کاملین پر انکار و اعتراض کی وجہ سے حرمان نصیبی سے محفوظ رکھا ہے اور ان کو اولیاء اللہ کے ساتھ حسنِ اعتقاد کی دولت بخشی ہے انہوں نے ان کو مناسب معانی اور موزوں ترین مقاصد پر محمول کیا ہے اور ایسے جواب دئیے ہیں جو معترضین کے منہ کو لگام دینے والے ہیں اور ایسی تحقیقات جو ان سطحی ذہنیت کے مالک معترضین کو مبہوت کر دیتی ہیں۔ ان تک رسائی صرف خدا داد توفیق کے حاملین کو ہی ہو سکتی ہے اور ان سے اعراض اور روگردانی صرف مخذول و محروم ہی کر سکتے ہیں۔ لہٰذا اے عزیز اس سے پرحذر رہ کہ تو ان لوگوں سے نہ بن جائے جو زہر قاتل کے گھونٹ بھرتے ہیں اور فوری طور پر ہلاکت کے گڑھے میں جا گرتے ہیں۔ بلکہ جلد از جلد اللہ تعالےٰ کے غضب و قہر اور اس ساتھ جنگ و جدال سے سلامتی اور خلاصی کے لئے کوشش کر۔ اللہ تعالےٰ نے صادق و مصدوق نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان اقدس پر فرمایا "مَنْ عَادٰی لِیْ وَلِیًّا فَقَدْ آذَنْتُہٗ بِالْحَرْبِ" جو شخص میرے کسی ولی کے ساتھ عداوت اور بغض رکھتا ہے تو میں اس کے ساتھ جنگ کا اعلان کرتا ہوں۔ اور ائمہ اعلام کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالےٰ نے حرب و قتال اگر قائم کیا ہے تو صرف اور صرف اپنے اولیاء کرام

پر تنقید و اعتراض کرنے والوں پر یا سود خواروں پر۔ ان کے علاوہ اور کسی عاصی و مجرم کے حق میں یہ اعلان نہیں فرمایا اور یہ بات واضح ہے کہ جس کے ساتھ اللہ رب العالمین جنگ کرے وہ کبھی فلاح نہیں پا سکتا۔

جواب اول:۔ آدمیم برسر مطلب ان جوابات میں سے ایک جواب یہ ہے کہ یہ کلمات بارگاہِ خداوندی اور اس کے شایانِ شان مقامات سے حکایت ہیں جب ان کاملین نے حضرت خداوندی کے انوار کا مشاہدہ کیا اور مقاماتِ محبت و عبودیت اور قرب میں اپنی تیز رفتاری اور ہر لمحہ و ہر لحظہ ترقی کرتے ہوئے مقام فنا و غیبت تک رسائی حاصل کی تو اب اس قسم کے کلمات ان سے صادر ہونے لگے جن میں ان کی معذوری واضح ہے اور ان پر کسی قسم کا مواخذہ نہیں ہے۔ یہی جواب حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی نے دیا ہے جن کی علوم ظاہرہ و باطنہ میں جامعیت مسلم بین الانام ہے۔ عوارف المعارف میں فرماتے ہیں۔ ابویزید قدس سرہ سے جو سبحانی ما اعظم شانی منقول ہے تو حاشا للہ کہ انہوں نے اپنی ذات کی حکایت ان الفاظ سے کی ہو بلکہ وہ مقام فنا میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس مقام کا اعلان کر رہے ہیں۔ اور منصور حلاج سے "انا الحق" کا صدور بھی بطور اللہ تعالیٰ کے ارشاد کی حکایت کے ہے نہ کہ اپنے آپ میں منصبِ الوہیت ثابت کرنا مقصود ہے العیاذ باللہ تعالیٰ۔

جواب دوم۔ یہ کلمات ان اکابرین سے حالتِ غیبت اور سکر میں صادر ہوئے ہیں جس کا مبدء و منشا فنا فی المحبت ہے اور ایسے احوال کا مشاہدہ ہے جو دل کو ہلا دینے والے ہیں اور اس کے صحو و تمییز کو معدوم کرنے والے۔ یہ امر تو ہر ایک کے مشاہدات سے ہے کہ بعض دفعہ کوئی غم و اندوہ طاری ہو یا بعض دنیوی خیال ملا پر طاری ہوں تو اس کو ذاہل و غافل کر دیتے ہیں اور دل اس فکر و خیال میں منہمک و مستغرق ہو کر اپنا علم و تمییز ہاتھوں سے دے بیٹھتا ہے۔ جب ان رذیلہ امور میں انہماک و استغراق کی وجہ سے جو ایک مچھر کے پر جتنی اہمیت نہیں رکھتے دل کی کیفیت یہ ہو جاتی ہے تو جب اس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے احوال اور واردات کا نزول ہو رہا ہو اور اس میں محبت کے انوار آشکار ہو رہے ہوں جو دوسرے پر مطلوب و مرغوب سے غافل کر دینے والے ہیں تو اس وقت ان کے دل کی کیفیت کیا ہو گی۔ جب وہ اپنے منازل قرب میں عوالم ملکوت کا مطالعہ کر رہے ہوں اور اپنی ترقی کے دوران عجائباتِ قدرت کا نظارہ کر رہے ہوں؟ یقیناً اس وقت ان کے دل میں شعور و تمییز کا نام و نشان باقی نہیں رہے گا۔ بلکہ اس مقام و مرتبہ پر فائز آدمی مدہوش و بیخود شخص کی مانند ہو گا تو اس حالتِ بے خودی کے طاری ہونے سے پہلے جو کچھ اس کے دل میں راسخ ہو چکا تھا اسی کے ساتھ گویا ہو جائے گا۔ اور اپنی طبیعت کی مغلوبیت کی وجہ سے جس امر کا پہلے ملاحظہ و مشاہدہ کرتا تھا اسی کے ساتھ اس کی زبان ناطق ہو جائے گی۔ لیکن ایسی عبارات کے ساتھ کہ ان کے ظاہر سے جو وہم پیدا ہوتا ہے وہ اصلی مقصد ان کا نہیں ہوتا یعنی اتحاد یا حلول یا انحلال ——— اس جواب میں اچھی طرح غور و فکر کرو اور اس پر اعتماد و اعتبار کرو تاکہ اولیاء خدا پر اعتراض سے بچ جاؤ۔ کیونکہ ہر وہ سکر اور مستی جو جائز سبب و ذریعہ سے پیدا ہو جائے تو اس کی وجہ سے مدہوش و مست پر کوئی مواخذہ نہیں ہو سکتا یہ جواب قطب ربانی سیدی حضرت شیخ عبدالقادر الجیلانی قدس سرہ العزیز نے پسند فرمایا ہے۔ اور حضرت غوث صمدانی کے کلام حقائق بیان سے ہی معلوم ہوتا ہے کہ منصور حلاج نے جو کچھ کہا وہ

فناء فی اللہ ہونے کی وجہ سے کہا۔ اور ان کا انا الحق کہنا محبت کی مستی اور بے خودی والی زبان سے ہے جب کہ اس نے سوائے اپنے محبوب حقیقی کے دارین میں اور کوئی محبوب نہ پایا تو اس کی زبان ان کلمات کے ساتھ مترنم ہوئی اور منصور حلاج کے لئے یہ کیا کم فضیلت ہے کہ ایسے قطب دوران نے اس کے لئے اس مقام پر فائز المرام ہونے کی شہادت دی ہے۔

امام غزالی قدس سرہ نے بھی ان کے احوال کو بسط کے ساتھ بیان کیا ہے اور ان سے صادر کلمات و وقائع کا ایسا جواب دیا ہے جو ان کے دامنِ ولایت کو حلول و اتحاد وغیرہ عقائد باطلہ کے گرد و غبار سے صاف کرتا ہے۔ اور اس مقام پر امام ابن حجر نے بھی لگامِ بیان کو بیان کے کندھے پر ڈال دیا اور طوالت کلام کی وجہ سے ملال و املال کے اندیشہ کو خاطر میں نہ لائے۔ اگر مکمل جواب اس کلام کا اور دیگر شطحیات کا معلوم کرنا ہو تو فتاوٰی حدیثیہ کی طرف رجوع فرمائیں۔

فتاوٰی حدیثیہ میں مرقوم ہے کہ حضرت علامہ ابن حجر سے حضرت ابن العربی اور حضرت ابن الفارض اور ان جیسے بزرگوں کے متعلق سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا:۔

ہم ابن العربی، ابن الفارض اور ان کے صحیح متبعین اور ان کے طریقہ پر چلنے والے لوگوں کے حق میں جو عقیدہ رکھتے ہیں وہ یہ ہے کہ یہ حضرات علوم معاملات و مکاشفات میں کامل دسترس رکھتے تھے۔ زہد و تقوٰی کی عملی تعبیر و تفسیر تھے اور خلوت و تخلیہ اور تجرد و انقطاع الی اللہ کے اعلیٰ مراتب پر فائز تھے۔ عبادات و ریاضات میں منہمک ہو کر سب مخلوق اور نقش غیر کو روحِ قلب سے مٹانے والے تھے۔ ہر وقت ان کے دل کا ربط و تعلق صرف اللہ تعالیٰ سے ملا تا تھا اور اللہ تعالیٰ کے علم محیط اور بصیرت تامہ سے غفلت کی پرچھائیاں کبھی ان کے دل پر تاریکی نہ پیدا کر سکیں۔ یہ سب امور بالخصوص ان دو عظیم المرتبت ہستیوں سے بطور تواتر ثابت ہیں لہٰذا اس پس منظر میں ہمارا ان کے متعلق یہی عقیدہ ہے کہ وہ گروہِ اصفیاء و اخیار سے ہیں اور ابرار بلکہ مقربین میں سے ہیں اور غیر کی قیدِ غلامی سے کلیۃً آزاد۔ اس حقیقت کے اقرار و اعتراف میں کسی اہلِ عقل و فہم کے لئے بخل کی کوئی گنجائش نہیں ہے اور اس کا انکار صرف بصیرت و فراست سے کورا شخص ہی کر سکتا ہے۔ اکابر اولیاء کرام کی ان کے اولیاء اللہ ہونے اور ان کے خیار اور مقربینِ خدا ہونے کی تصریح واضح حجت اور دلیل ہے۔

۱۔ شیخ عارف امام فقیہ محدث متقن عبداللہ یافعی نزیل مکۃ المشرفۃ و عالم حرمِ خدا کی تصریح۔ اجنی کے متعلق علامہ اسنوی نے فرمایا کہ وہ صرف شہری آبادی کے لئے نہیں بلکہ وادیوں اور جنگلوں میں رہنے والوں کے نزدیک بھی عالم و فاضل ہیں اور خواص و عوام ان کی شخصیت کے معترف ہیں۔ اور فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ کے لیے حمد و ثناء ہے جس نے ہماری کتابوں کا آغاز امام شافعی سے کیا اور ان کا اختتام امام یافعی کے ساتھ۔

۲۔ اسی طرح حضرت امام شیخ تاج بن عطاء اللہ جن کی امامت اور جلالت علمی پر امام مالک کے اہل مذہب اور دیگر حضرات علماء متفق ہیں۔ جب وہ کسی حکم کو دلیل سے واضح کرتے ہیں اور مدلل انداز میں کسی حکم کی تقریر کرتے ہیں تو یوں معلوم ہوتا ہے کہ وہ ان کی عبارت نہیں بلکہ کلام مقدس کے کلمات ہیں اور الہامی عبارت ہے۔

۴- اسی طرح شیخ امام، علامہ محقق، شافعی اصولی تاج الدین سبکی۔ ۳۔ خاتمۃ المحققین المتاخرین، واسطہ، عقد محققین زکریا انصاری۔

۵- الشیخ العلام البرہان بن ابی شریف ان ائمہ عارفین علما عاملین فقہاء کاملین کا یہ فرمان ہے کہ دونوں حضرات اور ان کے متبعین اولیاء اخیار اور اتقیاء ابرار سے ہیں لہٰذا کسی عقلمند اور دیندار کے لیے ان ائمہ دین کی تصریحات کے بعد شک وشبہ کی گنجائش باقی نہیں رہتی۔ بلکہ انہوں نے باطل پرستوں کے شکوک وشبہات اور تمردین کے حجج ودلائل کو باطل اور زائل کر کے رکھدیا اور ان کی ولایت ومحبوبیت پر سے ہر منکر کا غبار وہم وگمان دور کر کے اس کو پوری طرح نکھار دیا ہے۔

یہ امر کس قدر تعجب خیز ہے کہ ہم احکامِ شرع میں اور خدائے بزرگ وبرتر اور بندوں کے باہمی معاملات میں ان کے اقوال پر عمل پیرا ہوں اور ان پر اعتماد واعتبار کریں۔ حرام وحلال اور حدود وقصاص۔ قتل نفس، قطع ید وغیرہ عظیم امور میں تو ان کو سند اور حجت تسلیم کریں مگر ان ائمہ مسلمین کے حق میں ان کے قول پر اعتماد نہ کریں جنہوں نے کتاب وسنت کا مکمل علم حاصل کیا۔ اور ان کے ساتھ فروع اجتہادیہ اور علوم ادبیہ وعربیہ پر کامل دسترس حاصل کی تکمیل علم کے بعد آئینہ ہائے قلوب کو مجلّٰی ومصفٰی کرنے میں مصروف ہو گئے حتیٰ کہ ان کے قلوب مقدسہ نورانی اور صاف وشفاف ہو گئے اور سامنے آنے والی ہر چیز ان میں نقش ہونے لگی اور ان کو ان علوم اور احکام باطنیہ بلکہ جملہ موجودات کے احکام وعبادات کا بطور مکاشفہ علم ہو گیا۔ لہٰذا انہوں نے ان کی تالیف وتدوین کا خصوصی اہتمام کیا تاکہ ان کے طریقہ پر چلنے والا شخص ان کو پڑھے اور نفع اندوز ہو اور ان کے ذریعہ حق وباطل اور صواب وخطا میں امتیاز ہو سکے اور یہ پتہ چل سکے کہ حق پرست ایسے رموز واسرار سے خود پردہ اٹھاتا ہے اور ان علوم مدونہ کی تحصیل کا پابند نہیں جب کہ باطل پرستوں کی زبان پر صرف رٹے رٹائے الفاظ ہوں گے اگر ان سے ان مدونہ علوم کی تحقیق کا مطالبہ کیا جائے تو اس سے بھی عاجز وقاصر ہوں گے چہ جائے کہ اس قسم کے دقیق مباحث اپنے طور پر ذکر کر سکیں۔

علامہ بقاعی جو کہ شیخ محقق پر شدید انکار واعتراض کرنے والوں میں سے ہیں حضرت شیخ محقق محی الدین بن العربی کی اسرار المعاملات میں تالیف کردہ ایک کتاب کے متعلق فرماتے ہیں "ھذا اجل من تصنیف الغزالی" یہ کتاب امام غزالی کی تصنیف سے اجل واعلیٰ ہے۔ ذرا تصور تو کیجئے یہ شخص کس مرتبہ ومقام کا مالک ہے اور کس قدر عدیم النظیر ہے۔ جس کے متعلق اکابر ائمہ دین کا عقیدہ ونظر یہ یہ ہے لیکن دوسری طرف رذیل وذلیل اور سفیہ وکم عقل لوگوں کے ایسے گمان جن پر کوئی معمولی دیندار بھی راضی نہیں ہو سکتا۔ یہ سراسر تعصب اور ضد وعناد کا کرشمہ ہے۔ اور اللہ تعالےٰ کے قہر وغضب کا نشانہ بننے کے مترادف۔ اعاذنا اللہ من ذالک۔

علامہ ابن حجر فرماتے ہیں ہمیں شیخ عارف علامہ ابوالحسن البکری نے شیخ علامہ جمال الدین صابی کے حوالے سے بتایا اور علامہ موصوف ہمارے شیخ جلیل زکریا کے اجل تلامذہ سے ہیں۔ فرماتے ہیں میں حضرت شرف ابن الفارض پر اعتراض کیا کرتا تھا میں نے خواب میں دیکھا کہ قیامت قائم ہو چکی ہے اور میرے کندھے پر زادِ راہ اور سفر خرچ ہے جس نے ان کو بوجھل کر رکھا ہے اور انتہائی رنج وتعب میں مبتلا کر رکھا ہے۔ اسی اثنا میں میں نے کسی اعلان کرنے والے کا اعلان سنا کہ ابن الفارض کی جماعت کدھر ہے؟

میں بھی ان کے ساتھ شامل ہو کر جنت میں داخل ہونے کے لئے پہنچ گیا مگر یہ کہہ کر روک دیا گیا کہ تو ان سے نہیں ہے لہٰذا پیچھے ہٹ جا فرماتے ہیں جب میں بیدار ہوا تو سخت خوفزدہ تھا اور حزن وملال اور غم واندوہ سے نڈھال۔ حضرت ابن الفارض پر اعتراض اور ردوانکار سے توبہ کی۔ اللہ تعالےٰ کے ساتھ مخلصانہ عقیدہ رکھنے کے ساتھ ساتھ حضرت ابن الفارض کے متعلق بھی یہ عقیدہ رکھا کہ وہ اولیاء اللہ سے ہیں۔ دوسرے سال اسی رات سویا تو پھر وہی خواب دیکھا اور ہاتف کو اعلان کرتے ہوئے سنا:۔ ابن الفارض کی جماعت کدھر ہے؟ وہ آئیں اور جنت میں داخل ہو جائیں۔ میں بھی ان کے ساتھ شامل ہو گیا اور جنت کے دروازہ پر پہنچ گیا تو اس وقت مجھے کہا گیا ہاں اب اندر داخل ہو جا کیوں کہ تو انہیں سے ہے۔

ایک عظیم فقیہ اور جلیل القدر عالم کا یہ معاملہ دیکھو اور عبرت حاصل کرو۔ اور ظاہر یہی ہے کہ ان کو اپنے شیخ حضرت امام زکریا کے ساتھ تعلق کی بدولت یہ خواب اور منظر دکھلایا گیا تاکہ اس فاسد عقیدہ اور باطل نظریہ سے توبہ کریں اور اللہ تعالےٰ کے ولی کے حق میں بدعقیدگی اور بداعتقادی کی وجہ سے خسرانِ عظیم سے دوچار نہ ہوں ورنہ کتنے منکر ہیں کہ ان کو دل کی بینائی اور بصیرت وفراست سے محروم ہی رکھا گیا اور بالآخر عظیم خسران اور ہلاکت سے دوچار ہوئے۔

سوال۔ اگر یہ کہا جائے کہ ان حضرات پر صرف عوام قسم کے لوگوں نے اعتراضات نہیں کئے بلکہ جلیل القدر ائمہ دین مثلاً علامہ بلقینی سے لے کر علامہ بقاعی اور ان کے تلامذہ تک نے اعتراض وتنقید سے گریز نہیں کیا جن میں ایسے لوگ بھی ہیں جن سے آپ (علامہ ابن حجر) نے بھی اکتسابِ فیض کیا ہے؟ لہٰذا اعتراض وتنقید کی بجائے اعتراف وتسلیم والاراستہ کیوں اختیار کیا ہے

جواب۔ میں نے اس طریقہ تسلیم واعتراف کو چند وجوہ کے پیش نظر اختیار کیا ہے۔

وجہ اول۔ ہمارے شیخ واستاذ نے شرح روض میں محقق الاسلام اور شہسوارِ میدان علم علامہ سعد الدین تفتازانی سے نقل کیا ہے جنہوں نے ابن المقری کے اس قول کا رد کیا کہ "من شک فی کفر طائفۃ ابن العربی فھو کافر" جو شخص ابن العربی کی جماعت کے کافر ہونے میں شک کرے تو وہ کافر ہے۔ علامہ موصوف نے فرمایا حق یہ ہے کہ وہ ائمہ اخیار سے ہیں اور امام یافعی، ابن عطاء اللہ اور دیگر اکابر نے ان کے ولی اللہ ہونے کی تصریح کی ہے اور یہ بھی مسلم حقیقت ہے کہ جس قوم نے ایک لفظ کو کسی معنی میں استعمال کرنے کی اصطلاح بنالی ہو تو وہ اس میں ان کی اصطلاح کے مطابق حقیقت ہو گا اور وہ معنی ان کے نزدیک متعین ہو گا نہ کہ جو دوسرے لوگ سمجھیں۔ اور یہ بھی ناقابل انکار حقیقت ہے کہ عارف جب بحر توحید میں غرق ہوتا ہے تو اس سے بسا اوقات ایسے کلمات سرزد ہو لے جاتے ہیں جن سے حلول واتحاد کا وہم پیدا ہوتا ہے حالانکہ درحقیقت ان کے نزدیک نہ حلول کا عقیدہ درست ہے اور نہ ہی اتحاد کا۔

وجہ ثانی۔ ہمارے ائمہ اعلام میں سے امام رافعی نے عزیزی میں اور امام نووی نے روضہ اور مجموع میں علیٰ ہذا القیاس دیگر اکابر نے تصریح کی ہے کہ جب مفتی سے کسی ایسے لفظ کے متعلق فتویٰ طلب کیا جائے جو کفر اور عدم کفر کے درمیان دائر ہو اور ہر دو احتمال رکھتا ہو۔ تو مفتی فوراً اس شخص کے قتل کو مباح اور اس کے خون کو رائیگاں قرار نہ دے۔ اور نہ ہی اس کے

قتل وغیرہ کا حکم دے۔ بلکہ اس شخص سے اس کا مقصد و مطلب دریافت کرے۔ اگر ایسا معنی بیان کرے جو موجب کفر نہیں ہے تو اس کے ساتھ اس قصد وارادہ کے مطابق سلوک کیا جائے۔ ان عبارات کو مدنظر رکھتے ہوتے ان لوگوں کے فتویٔ کفر کا تجزیہ کرو تو معلوم ہوگا کہ جو لوگ اس عظیم شخصیت پر طعن وتشنیع کرتے ہیں اور ان پر جزمی اور حتمی طور پر فتویٔ کفر لگاتے ہیں وہ گویا اندھی اونٹنی کی پشت پر سوار ہیں جو رات میں راہ راست پر چلنے سے معذور ہے اور دائیں بائیں بھٹکتی پھرتی ہے۔ اللہ تعالے نے ایسے لوگوں کی بصیرتوں کو اندھا کر دیا ہے اور ان کے کانوں کو بہرہ کر دیا ہے وہ غور وفکر کے ذریعے حق تک پہنچنے سے قاصر ہیں اور حق سننے سے بھی عاجز اسی لئے اس ورطۂ ضلالت میں گر پڑے ہیں اور یہی چیز ان کے قہر خداوندی کا نشانہ بننے کا سبب بنی اور ان کے علوم سے خلقِ خدا کے نفع اندوز نہ ہو سکنے کا موجب بن گئی۔

وجہ سوم:- ان حضرات کا علم وافر اور زہد کامل نیز دنیا اور ماسوی اللہ سے قطع تعلق اس امر کا متقاضی ہے کہ وہ اس قسم کے قبیح وشنیع مقالات وکلمات سے منزہ ومبرا ہوں لہٰذا اندریں صورت ان پر ترک انکار ہی راجح اور موزوں ومناسب ہے کیونکہ ان کی عبارات وکلمات درحقیقت ان معانی پر محمول ہیں جو ان کے نزدیک مصطلح ہیں لہٰذا جب تک ان کے اصطلاحی معانی کی معرفت تامہ حاصل نہ ہو اور اس طرح کے کلمات کا صحیح مدلول ومفہوم معلوم نہ ہو ان پر اعتراض وانکار کا کوئی جواز نہیں ہے؛ اور جب تک ظاہری مفہوم میں اور مصطلح معنی ومدلول میں تطبیق وموافقت کا اچھی طرح جائزہ نہ لے لیا جائے اس وقت تک تنقید وجرح کی کوئی وجہ وجیہ نہیں ہے۔

اور بحمدہ تعالیٰ ان پر اعتراض وانکار کرنے والے عام لوگ ان کے مصطلح معانی ومطالب سے بالکل جاہل وبے خبر ہیں۔ کیونکہ ان میں سے کوئی بھی ایسا نہیں ہے جس کو علم مکاشفات میں رسوخ ومہارت حاصل ہو بلکہ انہوں نے تو ان علوم کی بو تک نہیں سونگھی اور کسی کو ان مردانِ خدا کے ساتھ کبھی قریبی تعلق ہی نہیں رہا اور نہ ہی کسی نے اپنی زمام اختیار ان کے ہاتھ میں دی تاکہ ان کی اصطلاحات سے باخبر بھی ہو سکے چہ جائیکہ ان کا احاطہ کر سکے۔

ازاں بعد علامہ ابن حجر نے ابن المقری پر اس طائفہ کے حق میں "روض"، کے اندر اس قسم کی قبیح عبارت ذکر کرنے پر سخت تنقید فرمائی اور کہا۔ یہ امر بطور تواتر ثابت ہے کہ جس شخص نے بھی اس مقدس جماعت کے حق میں زبان طعن وتشنیع دراز کی اللہ تعالے نے اس کے علوم سے مخلوق کو مستفید نہیں ہونے دیا بلکہ ایسے لوگوں کو انتہائی قبیح اور رسوا کن بیماریوں میں مبتلا کرتا ہے۔ اور یہ صرف زبانی کلامی بات نہیں ہم نے بہت سے منکرین میں اس امر کا مشاہدہ وتجربہ کیا ہے۔

علامہ بقاعی کو دیکھئے یہ اکابر اہلِ علم سے ہونے کے ساتھ ساتھ عبادت وریاضت میں بھی درجہ غائت کو پہنچے ہوتے تھے۔ انہیں ذکاوت اور حافظہ کی دولت فراواں عطا ہوئی تھی علی الخصوص علوم تفسیر وحدیث میں ان کی مہارت اور حذاقت بیان سے باہر تھی اور وہ بے شمار کتابوں کے مصنف بھی تھے مگر اللہ تعالیٰ نے ان کے علوم اور تالیفات سے منفعت کے ثمرات سلب کر لئے۔ انہوں نے قرآن مجید کے باہم ربط اور آیات میں مناسبت سے متعلق دس جلدوں پر مشتمل ایک کتاب تالیف فرمائی ہے جس

کو خواص نے بھی صرف سن رکھا ہے دیکھنا نصیب نہیں ہوا اور عوام نے تو نام تک نہیں سنا۔ اگر یہی کتاب حضرت شیخ زکریا اور دوسرے اکابر اہلِ علم نے تالیف کی ہوتی جن کو اس مقدس گروہ سے نیاز مندانہ تعلق ہے تو سونے کے پانی سے لکھی جاتی (اور ہر ایک کی آنکھوں کا نور اور دل کا سرور ہوتی) کیوں کہ اس موضوع پر اس کتاب جیسی کوئی کتاب ابناء زمان کو دیکھنی نصیب نہیں ہوتی۔ لیکن۔

كُلًّا نُّمِدُّ هٰؤُلَاۤءِ وَهٰؤُلَاۤءِ مِنْ عَطَاۤءِ رَبِّكَ وَمَا كَانَ عَطَاۤءُ رَبِّكَ مَحْظُوْرًا۔

ہم سب کو مدد دیتے ہیں۔ ان کو بھی اور ان کو بھی (اور یہ تمہارے رب کی عطاء سے ملے اور تمہارے رب کی عطا پر کوئی روکاٹ اور بندش نہیں ہے۔

بقاعی مرحوم نے ان اہل اللہ پر انکار واعتراض میں حد سے تجاوز کیا اور اس ضمن میں بہت سی کتابیں تالیف کر ڈالیں جو سراسر تعصب اور ہٹ دھرمی پر مشتمل ہیں اور ناراستی وکجروی پر محتوی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اس کے علوم وکتب کو اللہ تعالے نے خیر وبرکت اور نفع وافاضہ سے محروم کر دیا بلکہ اس سے بھی قبیح جزاء سے دوچار کر دیا۔ اور وہ یہ ہے کہ اس کی بیان کردہ مناسبت آیات میں اس پر مواخذہ کیا گیا۔ اس کی تکفیر کی گئی اور اس کا خون رائیگان قرار دیا گیا اگر بعض اکابر سے استعانت نہ کرتا اور وہ ازرہ نوازش اس کو اس ورطہ سے نہ نکالتے تو اس کا خون بہا دیا جاتا اور برے انجام سے دوچار ہوتا مگر یہ بھی کیا کم ہے کہ اس قدر علم وفضل کے باوجود صالحیہ میں اس سے علانیہ توبہ کرائی گئی اور نئے سرے سے اسلام لانا پڑا اور تجدید اسلام وایمان کرنی پڑی۔

اس کے تلامذہ بھی اکابر علماء تھے مگر اس کی اقتداء واتباع کی وجہ سے اور اس کے نظریات کو اپنانے کی وجہ سے ان میں سے کوئی بھی سرآمد روزگار نہ بن سکا۔ بعض کو تو تالیف وتصنیف کی توفیق ہی نہ ہوئی اور بعض نے فقہ میں کتابیں تصنیف کیں جو فصاحت اور سلاست وملاحت میں علامہ سعد الدین تفتازانی وغیرہ اکابرین کے مماثل تھیں لیکن کسی نے ان کی طرف ذرہ بھی نگاہ التفات نہ اٹھائی بلکہ لوگ ان کتابوں سے سخت متنفر اور بیزار ہیں۔

مجھے ایسے لوگوں میں سے ایک صاحبِ علم کے ساتھ نسبت تلمذ بھی حاصل تھی یعنی شمس دلجی۔ ان کو ضیق النفس کا عارضہ لاحق ہوا۔ اور مجھے اس حقیقت کا علم نہ تھا کہ یہ صاحب اہل اللہ پر تنقید وجرح سے کام لیتے ہیں بہرحال ایک دفعہ ان کی مجلس میں سیدی عمر ابن الفارض کا ذکر ہوا اور ان سے پوچھا گیا کہ ان کے متعلق آپ کی رائے کیا ہے تو انہوں نے کہا۔ وہ بیہودہ گو شاعر ہے اور ناپختہ کلام کا مالک۔ پھر دریافت کیا گیا کہ مزید کیا کہنا چاہتے ہو تو اس نے کہا وہ کافر ہے۔ میں یہ کلام سن کر پیچ وتاب کھانے لگا اور سراپا اضطراب بن گیا۔ جب میں پھر اس کے پاس پڑھنے کے لئے حاضر ہوا تو اس کے چہرے سے توبہ کے آثار معلوم ہوئے لیکن اس کے ساتھ ہی اس کو ضیق النفس کے عارضہ میں ایسا مبتلا پایا کہ بس ابھی اس کا تارِ نفس ٹوٹا۔ اور وہ دار فانی سے رحلت فرما ہوا۔

میں نے ازرہ اخلاص مشورہ دیا کہ اگر آپ ابن الفارض کے حق میں اپنا عقیدہ درست کر لیں تو میں ضمانت دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ آپ کو شفا عطا فرما دے گا۔ انہوں نے کہا یہ مرض مجھے سالہا سال سے لاحق ہے اس کے دور ہونے کے آثار قطعاً ناپید ہیں۔

میں نے کہا خواہ جتنے سال کا ہی سہی آپ آزما کے دیکھیں۔ جب انہوں نے صحتِ اعتقاد کی ہامی بھرلی تو مرض میں روز بروز تخفیف ہوتی گئی۔ ایک دن میں ان کا ہم سفر بنا تا کہ ان کے حسن اعتقاد کا جائزہ لوں۔ تو انہوں نے کہا۔

اما ذات الرجل فلا احکم علیہا بکفر واما کلامہ ففیہ ماہو کفر۔ اس شخص کی ذات کو تو کافر نہیں کہتا البتہ اس کے بعض کلمات کفریہ ہیں۔ میں نے کہا ظلم دون ظلم۔ یہ ظلم اس پہلے ظلم کی نسبت کم ہے مگر توبہ خالص بہر حال نہ پائی گئی۔ میں غیرت ایمانی کے تقاضہ کو پورا کئے بغیر نہ رہ سکا چنانچہ ان کے پاس پڑھنے کا سلسلہ کلیتہً ترک کر دیا۔ اور وہ مرض بھی ان کو لازم رہا لیکن پہلے کی نسبت ذرا کمی تھی۔ (یعنی جتنی کمی بد اعتقادی میں آئی اتنی ہی مرض میں کمی آگئی)

علامہ بقاعی کے تلامذہ میں سے علامہ نورالدین محلی بھی یہی کہا کرتے تھے۔ "اما ذات الرجل فلا احکم علیہا بکفر واما کلامہ ففیہ ماھو کفر۔ ابن الفارض کی ذات پر کفر کا حکم نہیں لگاتا لیکن اس کے کلام میں کفریات موجود ہیں۔

سوال۔ بعض منکرین ومعترضین کے کلام سے اللہ تعالےٰ نے لوگوں کو نفع بھی بخشا ہے (آپ کے اس دعوای کی صحت محلِ نظر ہے)

جواب منکرین دو قسم ہیں ایک قسم وہ ہے جنہوں نے انکار واعتراض محض تعصب وحسد کی بنا پر کیا اور ان کے پیش نظر اہل اسلام کی ہمدردی اور اخلاص نہیں تھا۔ بلکہ ان کو صرف یہی چیز محبوب ومرغوب تھی کہ ابناء زمان کی مخالفت ظاہر کریں اور ان کے متعلق عجیب وغریب امور ظاہر کر کے اپنا امتیازی مقام ظاہر کریں اور لوگوں کو یہ باور کرائیں کہ ہم غلط کو غلط کہنے میں کس قدر بیباک ہیں اور بے خوف اور نڈر وغیرہ وغیرہ یعنی یہ اغراض فاسد اور نیاتِ کاسدہ ان کے پیش نظر تھیں اور جن میں ذرہ بھر اخلاص نہیں تھا۔ چنانچہ علامہ بقاعی۔ علاء الدین بخاری اور ان کے متبعین کا یہی مطمح نظر تھا۔

علامہ بقاعی کا تعصب تو اس حد تک تجاوز کر چکا تھا کہ اس نے حجۃ الاسلام امام غزالی کو بھی معاف نہ کیا اور ان کے قول (لیس فی الامکان ابدع مما کان (یعنی جس نہج پر نظام کائنات روز اوّل سے چل رہا ہے اس سے بدیع اور انوکھے انداز میں اس کا چلانا ممکن نہیں ہے) پر خوب نقد و جرح سے کام لیا اور ایسے رکیک وغلیظ کلمات استعمال کئے کہ مخلصین کے دل غیظ وغضب سے بھر گئے۔ حتی کہ ایک دفعہ ایک اہلِ علم کو سلام کرنے گیا تو ان کو خالی مکان میں پایا۔ اس نے موقعہ غنیمت دیکھا جوتا اٹھایا اور بقاعی کے سر پر برسانا شروع کر دیا اور زدوکوب کا سلسلہ جاری رکھتے ہوئے زجر وتوبیخ بھی شروع کر دی کہ تو ہی وہ شخص ہے جو امام غزالی کے حق میں ایسے کلمات زبان پر لاتا ہے قریب تھا کہ علامہ بقاعی صاحب راہی ملک بقا ہو جاتے اگر شور وغل سن کر لوگ بھاگ نہ آجاتے اور ان کی گلو خلاصی نہ کراتے اور اندریں حالت مر جاتے پر بقاعی کا خون بہا مانگنے والا بھی کوئی نہ ہوتا اور نہ بدلہ لینے والا۔ اور بعد ازاں دیگر علماء اور اہلِ قلم نے اس کے اعتراضات فاسدہ کا رد کیا اور متعدد کتابیں لکھ کر امام غزالی کے دامنِ عفت پر سے اس طنز وتشنیع کے غبار کو دور کر دیا۔

امام غزالی کے کلام کا حاصل معنی

حضرت حجۃ الاسلام غزالی کے اس ارشاد کا دراصل مطلب یہ تھا کہ جب اللہ سبحانہ وتعالےٰ کی صفت تکوین وتخلیق کا تعلق اس عالم کی ایجاد سے ہوا اور اسے کتم سے منصہ ظہور وشہود پر جلوہ گر کیا جس کے ایک حصہ (دنیا) کو ایک خاص مدت تک باقی رکھنے کا ارادہ فرمایا اور ایک حصہ (آخرت) کو ہمیشہ کے لئے باقی رکھنے کا تو اب یہ محال ہے کہ اللہ تعالےٰ کے ارادہ کا تعلق دونوں حصوں کے عدم سے ہو۔ کیونکہ قدرت باری تعالےٰ کا تعلق امر ممکن سے ہوتا ہے اور دنیا وآخرت دونوں کے عدم سے اس کا تعلق لذاتہ ممتنع نہ سہی لیکن لغیرہ ممتنع ضرور ہے جس طرح بیان کیا جا چکا ہے۔ اور اس عالم کا بالکلیہ معلوم کرنا محال ٹھہرا تو لامحالہ ثابت ہو گیا کہ اس کی ایجاد اہل غایت حکمت اور اتقان واحکام پر مبنی ہے اور سب اوضاع عالم سے بدیع ترین وضع وہیئت پر معرض وجود میں آیا ہے۔ جب کہ اس کے علاوہ کسی دوسری صورت پر اس کا موجود ہونا ممکن ہی نہیں کما قلنا۔

دوسرے قسم کے وہ لوگ ہیں جن کا مقصد اہلِ اسلام کے ساتھ خلوص وہمدردی کا اظہار ہے اور ان جاہلِ متصوفہ کو حضرت ابن العربی کی کتابوں کے مطالعہ سے باز رکھنا جو علوم رسمیہ اور احوال کشفیہ سے مطلق جاہل وبے خبر ہونے کے باوجود حضرت شیخ اکبر اور ان کے متبعین کی کتابوں کا مطالعہ کرتے ہیں اور ان سے لاعلمی اور جہالت کی وجہ سے حقیقت کے برعکس سمجھے ہوئے مفاہیم ومطالب کو بلا جھجک بیان کرتے ہیں اور اسلام کی بجائے کفر کے قریب تر ہو جاتے ہیں۔

جاہل صوفیہ کے بعض کفریات

ہم نے ایسے عقل ودانش اور دین وایمان کے دشمن بعض مدعیانِ تصوف کو دیکھا ہے جو رمضان المبارک میں دن کو علانیہ کھاتے پیتے ہیں۔ اور بے ریش لونڈوں کے ساتھ حمامات میں میل جول رکھتے ہیں اور اس سے بھی قبیح تر افعال کا ارتکاب کرنے کے باوجود کہتے ہیں ہم صرف اللہ تعالےٰ پر نظر رکھتے ہیں اور اس کے دیدار میں مستغرق ہوتے ہیں۔ اور حلال وحرام اور اوامر ونواہی کا تعلق ہم سے نہیں ہے بلکہ ان کے مخاطب محجوب دیدار ومحروم شہود فقہاء ہیں جو ہم پر اعتراض وانکار کرتے ہیں۔

نیز ایک ایسی جماعت کو بھی دیکھا ہے جو لوگوں کے اموال کو مباح سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں تمام اشیاء۔ اللہ تعالےٰ کے ملک میں ہیں۔ اور ہم اللہ تعالےٰ کے بندے ہیں (لہٰذا مولیٰ کے عبید کو مولیٰ کی اشیاء میں تصرف کا حق ہے تو ہمیں بھی ہر قسم کی اشیاء میں تصرف کا حق ہے اور اذن واجازت کی ضرورت نہیں ہے)

بعض ایسے لوگوں کو بھی دیکھنے کا اتفاق ہوا کہ حضرت شیخ کی کتابوں کے مطالعے میں نماز اور جماعت جیسے شرعی فرائض و واجبات کو نظر انداز کر دیتے ہیں دیگر احکام کا تو ذکر ہی کیا۔ ایسے لوگوں کی سفاہت وبسالت شک وشبہ سے بالاتر ہے اور انہیں شیخ اکبر قدس سرہ کی کتابوں کے مطالعے سے باز رکھنا ضروری ہے۔ اس لئے نہیں کہ ان کتابوں میں العیاذ باللہ کوئی نقص ہے بلکہ

ان کے مجموعہ نقص ہونے کی وجہ ہے۔

ان میں سے کچھ ایسے بھی ہیں جو کہتے ہیں عالم قدیم اور غیر مسبوق بالعدم ہے۔ اور کفار کو جہنم میں عذاب نہیں ہوگا۔ جب میں نے ان سے دریافت کیا کہ اس قول کی سند ودلیل کیا ہے تو اس نے کہا حضرت شیخ اکبر نے اس کی تصریح فرمائی ہے۔ دیکھئے اس جاہل نے شیخ کی عبارت سے کس قدر دھوکا کھایا اور اس کو سطحی اور ظاہری معنی پر محمل کیا بلکہ اس کو اپنا عقیدہ بنالیا۔ اور یہ نہ جانا کہ ان کا قطعاً یہ مقصد نہیں ہے جیسے کہ خود شیخ نے ہی اپنی بعض کتابوں میں اس حقیقت سے پردہ اٹھایا ہے۔

ایسے ہی لوگوں کے متعلق خود شیخ اکبر قدس سرہ نے فرمایا۔ ہم ایسی قوم ہیں جن کی کتابوں کا مطالعہ صرف ان کے لئے حلال ہے جو ہماری اصطلاحات سے واقف ہیں اور جو ان سے بے خبر ہیں ان کے لئے ان کتب کا مطالعہ حرام ہے۔ غور کیجئے اس امام جلیل نے کس قدر واضح عبارت اور صریح نص کے ساتھ ان جہلاء۔ اور مغرور مدعیانِ تصوف اور دین کے ساتھ استہزاء اور ٹھٹھا کرنے والے بیدینوں پر ان کتب کے معالعہ کی حرمت کا فتویٰ دے دیا ہے۔

الغرض اگر ان مقدس اولیاء کرام پر اعتراض وانکار کرنے والوں کا مقصد ایسے جاہل اور بیدین لوگوں پر زجر وتوبیخ ہے تو پھر انکار واعتراض میں حرج نہیں ہے اور وہ حضرت شیخ اور ان کے اتباع کے قہر وجلال اور غیظ وغضب سے مامون ہیں کیونکہ وہ دراصل شیخ اکبر قدس سرہ العزیز کی ہی غرض وغایت کو پورا کر رہے ہیں یعنی نااہل لوگوں کو ان کی کتابوں کے مطالعہ سے دور رکھ رہے ہیں۔

لطیفہ:۔ بعض منکرین سے جب یہ سوال کیا گیا کہ آیا تو اس بات پر راضی ہے کہ بروز قیامت شیخ محی الدین بن العربی تیرے خصم اور مقابل فریق ہوں حالانکہ وہ اولیاء اللہ سے ہیں (اور اولیاء اللہ سے خصومت موجب ہلاکت ہے) تو اس نے کہا ہاں۔ کیوں اگر حضرت شیخ حق پر ہیں تو ان کو منکشف ہو جائے گا کہ میرا اعتراض وانکار صرف اور صرف رضاء الٰہی اور اس کے دین کے تحفظ کے لئے تھا۔ لہٰذا وہ اس پر خوش ہوں گے نہ کہ ناراض اور منقبض۔ اور اگر (نعوذ باللہ) باطل پر ہیں تو بہر حال غلبہ مجھے ہی حاصل ہوگا لہٰذا میں ہر حال میں ان کے قہر وغضب سے محفوظ ومصئون ہوں۔

مقام غور ہے اس شخص نے کس قدر انصاف سے کام لیا حالانکہ وہ درجۂ کمال سے بہر حال گرا ہوا ہے کیونکہ اولیاء اللہ کے آگے سر تسلیم خم کرنے میں ہی عافیت ہے۔ لیکن معترضین کا ہر قسم بہر حال پہلے قسم سے بہتر ہے۔ اور معترضین ومنکرین میں سے جس کا علم بھی پھیلا اور عام ہوا تو ہم یہی سمجھیں گے کہ وہ پہلے گروہ سے نہیں تھا بلکہ دوسری قسم سے تھا۔

منکرین پر ہمیں سخت تعجب ہوتا ہے کہ وہ امام غزالی کے اقوال کی حقانیت کو کس طرح تسلیم کر لیتے ہیں اور از رہ تعصب منصور حلاج کے کلام کو برحق سمجھ لیتے ہیں حالانکہ ان میں سے اکثر کلمات ایسے ہیں جن کا صواب اور حق ہونا تو درکنار وہ کسی مناسب توجیہ اور صواب وحق کے قریب تاویل کے بھی متحمل نہیں ہیں۔ مگر شیخ محی الدین ابن العربی کے کلام کی توجیہ وتاویل نہیں کرتے۔ اور یہ سب شاخسانہ ہے تعصب شدید کا اور حسد مزید کا۔ ہم اللہ تعالےٰ سے سلامتی کے خواست گار ہیں۔ اور آرزومند ہیں کہ وہ ہمیں بروز قیامت

ان اکابر امت اور اخیار ملت کے بابرکت اقدام کے سایہ میں اٹھائے اور ان کے فیوض وبرکات سے بہرہ ور فرمائے صدقہ محمد کریم علیہ آلہ واصحابہ الصلوٰۃ والتسلیم والتشریف والتکریم۔

کرامات ابن العربی

امام ابن حجر سے دریافت کیا گیا کہ حضرت الشیخ ابن العربی کی کتابوں کے مطالعہ کا کیا حکم ہے؟ تو انہوں نے جواب دیتے ہوئے فرمایا جو کچھ ہم نے اپنے اکابر مشائخ وعلماء اور اربابِ حکمت ودانش سے نقل کیا ہے کہ اُن کے نام نامی سے بارانِ رحمت طلب کی جاتی ہے اور تحریرِ احکام، بیانِ احوال اور توضیحِ معارف ومقامات میں جن پر اعتماد کیا جاتا ہے وہ یہ ہے کہ حضرت شیخ اولیاء عارفین سے ہیں اور علماء عاملین سے اور ان سب کا اس پر اتفاق ہے کہ آپ اپنے زمانہ کے علماء میں سے بہت زیادہ علم وفضل کے مالک تھے اور وہ ہر فن میں متبوع وامام ہیں نہ کہ تابع اور مقلد محض۔ اور میدانِ تحقیق وتدقیق اور کشف وبیان نیز فرق وجمع پر بحث کلام میں ناپیدا کنار سمندر ہیں۔ جن کی جولانیوں کا ساتھ نہیں دیا جا سکتا۔ اور ایسے امام ہیں کہ ان کے ساتھ نہ بحث ونزاع کی گنجائش ہے اور نہ مغالطہ میں ڈالنے کا امکان وہ اپنے اہلِ زمان میں سب سے زیادہ محرمات ومکروہات سے اجتناب کرنے والے ہیں۔ اور سنت مصطفوی پر سختی سے کاربند۔ اور مجاہدات وریاضات میں سب سے عظیم تر حتیٰ کہ وہ تین ماہ تک ایک ہی وضو سے رہے اور اسی پر وضو کے سوابق ولواحق کو قیاس کرے (یعنی خوراک، مشروب اور ان کا لازمی تقاضا بصورت بول وبراز وغیرہ گویا وہ ایک وضو پر اتنا عرصہ تب قائم رہے جب خورو نوش سے بھی اس عرصہ مکمل اجتناب رہا)

نیز ان کو اس سے بھی عجیب تر معاملات پیش آئے اور انہیں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ انہوں نے جب اپنی کتاب فتوحات مکیہ کے اوراق کو الگ الگ کر کے بغیر جزبندی اور جلد کے اور بغیر کسی سامان حفظ وصیانت کے کعبہ مکرمہ کی چھت پر رکھ دیا چنانچہ وہ ایک سال تک چھت پر پڑی رہی نہ تو بارش نے اس کو نقصان پہنچایا اور نہ ہی آندھی وغیرہ نے اس کا کوئی ورق اڑایا حالانکہ مکہ مکرمہ میں بارش اور آندھی بکثرت آتی رہی اللہ تعالےٰ کا ان کی اس کتاب کو ان دونوں تباہ کن چیزوں سے محفوظ رکھنا اس کتاب کی بارگاہِ خداوندی میں قبولیت اور آپ کے ثواب اور احسن جزاء کے مستحق ہونے پر۔ اور اس تصنیف کے عنداللہ محمود وممدوح ہونے پر بہت ہی عظیم ترین دلیل ہے اور انتہائی قوی برہان۔

لہٰذا ان پر انکار واعتراض قطعاً مناسب نہیں ہے بلکہ وہ زہر قاتل ہے اور معترض کو فی الفور تباہ وبرباد کرنے کا موجب جیسے کہ ہم نے اس کی ہلاکت آفرینی کا ان لوگوں کے حق میں مشاہدہ وتجربہ کیا ہے جن پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے غضب وقہر کا فیصلہ ہو چکا تھا۔ انہوں نے اس امام جلیل اور عارف کامل کی ذات پر زبان طعن دراز کی تو اللہ تعالےٰ نے ان کے اصول وفروع اور اصل ونسل کو برباد کر کے رکھ دیا "فَاَصْبَحُوْا لَا تُرٰىٓ اِلَّا مَسٰكِنُهُمْ"، وہ اس حال میں ہو گئے کہ ان کے صرف مساکن ہی نظر آسکتے ہیں ان میں کوئی مکین ڈھونڈے سے بھی نہیں ملتا) لہٰذا ہم ایسے لوگوں کے احوال بد سے خدائے بزرگ وبرتر کی پناہ

ڈھونڈتے ہیں اور ان کے اقوال سے سلامتی کے لئے اللہ تعالےٰ کی جناب پاک میں تضرع وزاری کے ساتھ دست بدعا ہیں۔

مطالعۂ کتب کا حکم

رہا معاملہ حضرت شیخ کی کتابوں کے مطالعہ کا تو انسان کو لازم ہے کہ ہر ممکن صورت میں اس سے اجتناب کرے کیوں کہ وہ ایسے حقائق پر مشتمل ہیں جن کا سمجھنا ہر ایک کے بس میں نہیں بلکہ صرف عرفاء کاملین اور کتاب وسنت کے ماہرین اور حقائق عوارف اور عوارف الحقائق پر مطلع حضرات ہی ان کو صحیح معنوں میں سمجھ سکتے ہیں۔ جو اس مرتبہ پر فائز نہیں اس کی لغزش کا سخت خطرہ ہے اور حیرت وندامت کے بیابانوں میں بھٹکنے کا جیسے خود ہم نے اس حقیقت کا ان لوگوں میں مشاہدہ وتجربہ کیا ہے جو علم ودانش سے کورے تھے اور ان کتب کے مطالعہ پر مداومت رکھی انہوں نے طوق اسلام کو اپنی گردن سے اتار پھینکا۔ اور تکلیفات شرعیہ سے بغاوت کر کے شرک اکبر میں مبتلا ہو گئے اور دنیا وآخرت میں خائب وخاسر ہو گئے ذالک ہو الخسران المبین۔

نیز ان کتابوں میں بعض مقامات ایسے ہیں جہاں عبارات کا ظاہر معانی مطلوبہ اور دلالات مقصودہ پر منطبق نہیں ہے اور حضرت شیخ نے اپنی مقرر کردہ اصطلاحات پر اعتماد کرتے ہوئے اس امر کی پروا نہ کی لیکن سطحی ذہنیت کا شخص ان کا مطالعہ کرنے کے بعد ظاہری مفہوم کو جو ان کا مقصود ومطلوب نہیں تھا ان کا عقیدہ ونظریہ سمجھ لیتا ہے اور کھلی گمراہی میں جا پڑتا ہے۔

علاوہ ازیں ان کتابوں میں بعض کشفی امور ہیں جو اپنے آپ سے غیبت اور خود فراموشی بلکہ خس وخاشاک وجود کو عشق الٰہی کی آگ میں جلا دینے کے وقت منکشف ہوئے لہٰذا ایسے امور محتاجِ تاویل ہیں اور ان کی صحیح تاویل اسی وقت ممکن ہے جب علوم ظاہرہ وباطنہ میں مکمل مہارت اور کامل دسترس حاصل ہو۔ جو شخص اس جامعیت کا حامل نہیں ہوگا اور ان کتب کا مطالعہ کرے گا تو وہ مصنف کی مراد کے برعکس غلط معانی سمجھ بیٹھے گا اور خود بھی گمراہ ہوگا اور دوسروں کو بھی گمراہ کر بیٹھے گا تو معلوم ہوگیا کہ سرے سے ان کے مطالعہ سے گریز میں ہی عافیت وسلامتی ہے کیونکہ عارف تو صرف اس لئے ان کا مطالعہ کرے گا تاکہ اپنے معلومات ومکشوفات کا ان کتابوں میں مندرج مباحث سے مقابلہ کرے لہٰذا اس کے حق میں ضرر ونقصان کا قطعًا کوئی اندیشہ نہیں ہے جب کہ دوسرے لوگوں کو نقصان نہ بھی ہو تو نفع کی امید کم ہی ہے۔

البتہ حضرت شیخ کی بعض کتابیں ایسی ہیں جو صرف اخلاقِ عالیہ اور احوالِ صالحہ کی تربیت میں کام آتی ہیں اور سالکِ راہِ خدا کو زادِ راہ کا کام دیتی ہیں ان کے مطالعے میں حرج نہیں ہے بلکہ وہ امام غزالی، امام ابو طالب مکی اور دیگر اکابر کی کتابوں کی مانند ہیں جو دنیا وآخرت میں نافع اور کارآمد ہیں اللہ تعالےٰ ان کے مصنفین کو کامل اور بہتر جزا عطا فرمائے۔

حضرت علامہ ابن حجر سے فتاوی حدیثیہ میں ابن العربی، ابن الفارض کی کتابوں کا مطالعہ کرنے کے متعلق دریافت کیا گیا تو انہوں نے فرمایا ان دونوں حضرات کی تالیفات کا مطالعہ فی نفسہ درست ہے۔ بلکہ مستحب اور کارِ ثواب ہے۔ ان کتابوں میں ایسے فوائد مندرج ہیں جو دوسری کتابوں میں ملنے مشکل بلکہ ناممکن ہیں اور ایسے بہتر نتائج کا تذکرہ ہے جن کے فیوض وبرکات کی بارش

رکنے پر آتی ہی نہیں اور ایسے عجائبات مذکور ہیں جو اسرار الٰہیہ سے تعلق رکھتے ہیں اور ان کا سلسلہ خیر وبرکت کہیں ختم ہوتا ہی نہیں ان میں مقاماتِ کاملین کو ایسے حسین پیرائے میں بیان کیا گیا ہے کہ دوسرے لوگ اس انداز بیان اور اسلوبِ تقریر سے قاصر ہیں اور احوال عارفین کو ایسے نپے تلے الفاظ میں ڈھال کر پیش کیا گیا ہے کہ دوسرے لوگ ایسے حسنِ بیان سے عاجز ہیں۔ ان کتابوں میں اسرار ورموز کو سادہ الفاظ کے لباس میں بڑی عمدگی کے ساتھ عارفین کے سامنے رکھ دیا گیا کہ صرف وہی ان سے محظوظ اور لطف اندوز ہو سکتے ہیں جن کے حریم حرم کے گرد صرف وہی علماءِ ربانیین گھوم سکتے ہیں جو شریعت غراء کے احکام ظاہر اور اسرار وبواطن کے پوری طرح جامع ہیں۔ یہی وہ لوگ ہیں جو ان مصنفین کی فضیلت کا کماحقہ اعتراف کرتے ہیں اور ان کتابوں میں بیان کردہ اخلاق واحوال، معارف ومقامات اور اشارات وکمالات پر پوری طرح اعتماد کرنے والے ہیں۔

کیوں نہ ہو یہ دونوں امام جن کے متعلق سوال کیا گیا ہے سلوک ومعارف کے امام ہیں۔ اور ان اخیار ومقبولانِ بارگاہ سے ہیں۔ جن کو اللہ تعالےٰ نے غایاتِ لطائف اور لطائفِ عوارف کا عطیہ بخشا۔ اور ان کے دلوں پر سے اغیار کی محبت کا حجاب اتار پھینکا ہے۔ بلکہ ان کو اپنے ذکر وفکر اور معرفت وشہود سے آباد ومعمور کیا۔ اور ان پر اپنی رضا مندی اور عنایت کے دھانے کھول دئیے ہیں لہٰذا وہ اپنی طاقت واستعداد کے مطابق واجب ولازم طاعت وخدمت کا حق ادا کرنے لگے۔ اور ان پر اپنے قرب ووصل کے محیط بحرِ کرم سے حقائقِ وحدانیہ وفردانیہ کا اجراء فرمایا۔

اے اللہ تیری جناب میں وسیلہ پیش کرتے ہوئے التجاء کرتے ہیں کہ ان دو ائمہ کرام کی شیریں گفتگو اور کلام پر رحمت ورضوان کی گھنگھور گھٹائیں برسا۔ اور انہیں اپنے قریب جنت الفردوس کے اعلی مقامات پر فائز فرما۔ تو ہی حنان ومنان ہے ہذا۔ اور یہ بات بھی ذہن نشین رہے کہ ان تالیفات کا بعض ایسے لوگوں نے بھی مطالعہ کیا جو عامی، سطحی قسم کے تھے اور علم وفضل سے کورے لہٰذا ان کے معانی دقیق، اشارات رقیق اور مبانی غامض اور مبنی بر اصطلاح ہونے کے باوجود انہوں نے ان کا مطالعہ جاری رکھا۔ حالانکہ اہلِ اصطلاح محذور وممنوع امور کے ارتکاب سے محفوظ وسالم تھے اور ملامت خلق وغیرہ سے دور تھے جب کہ یہ ان صفات سے محروم تھے۔ نیز ان کتابوں کا سمجھنا علوم ظاہرہ میں درجہ یقین تک رسائی اور حقائق احوال اور اخلاق کاملہ کے ساتھ مزین ہونے پر موقوف تھا جب کہ وہ لوگ ان کمالات سے بے بہرہ تھے اسی لئے ان کے عقول وافہام مقصود تک رسائی سے عاجز رہے۔ اور راہ راست سے ان کے قدم ڈگمگا گئے۔ اور مرادِ مصنفین کے برعکس سمجھ کر اسی کو حق وصواب اعتقاد کر لیا لہٰذا قیامت کے دن کا خسارہ اٹھایا اور عقیدہ میں الحاد وبیدینی کی روش پر چل نکلے۔ اور ان کے افہام قاصرہ نے ان کو حلول واتحاد کے گڑھے میں جا گرایا۔ حتی کہ جن قاصر الفہم اور فاتر العقل لوگوں نے ان کا دائمی مطالعہ جاری رکھا ان میں سے بعض کو ہم نے حلول واتحاد کے دعوے کرتے دیکھا اور سنا جو قبیح ترین مفاسد اور صریح ترین موجبات کفر سے ہیں حالانکہ وہ لوگ ان کے اسالیب بیان سے بے خبر تھے اور ان کے عظیم معانی سے ناواقف مطلق۔

یہی امر باعث وموجب ہے اکثر ائمہ کے نقد وجرح اور رد وانکار کا۔ اور یہ معترض حضرات کسی حد تک معذور بھی ہیں۔

کیوں کہ ان کا مقصد صرف یہ ہے کہ ان جہلاء کو ان ہلاکت خیز زہروں سے بچایا جائے نہ کہ ان کے مولفین و مصنفین کے ذوات اور ان کے احوال کو محلِ طعن و تشنیع بنانا۔

بعض منکرین صرف ظاہری الفاظ اور ان کے خلاف مقصود کے ایہام کو ہی بنیاد اعتراض بنا لیتے ہیں حالانکہ وہ خود اس گروہ کے اصطلاحات سے غافل و بے خبر ہوتے ہیں اور ان کی تحقیقات و تدقیقات سے ناواقف جو قواعدِ شرعیہ کے عین مطابق ہیں۔ حق یہ ہے کہ جو کچھ ان سر آمد عارفین و کاملین نے کہا ہے اس پر انکار سے گریز کیا جائے اور جو کچھ ان ائمہ اظہار سے صادر ہوا ہے اس کے آگے سر تسلیم خم کیا جائے۔ اور جو جہلاء ان کے مقرر کردہ قواعد و اصطلاحات سے جاہل و بے خبر ہیں ان پر تغلیظ و تشدید سے کام لیا جائے اور ان کو مطالعہ سے باز رکھا جائے۔ خود امام ابن العربی نے اپنے سلسلہ کے علماء کرام اور ائمہ اعلام کی کتابوں کے مطالعہ کو حرام قرار دیا ہے ماسوا ان لوگوں کے جو ان کے اخلاق عالیہ سے مزین ہیں۔ ان کی مقرر کردہ اصطلاحات کے مطابق ان کلمات کے معانی سمجھ سکتے ہیں اور یہ صرف انہیں لوگوں کے لئے ممکن ہے جنہوں نے اس راہ میں جد و جہد اور محنت شاقہ اٹھائی۔ برائیوں سے مجانبت اور دوری اختیار کی اور راہِ سلوک کے شدائد کا مقابلہ کرنے کے لئے مکمل تیاری کی۔ علومِ ظاہرہ سے حظ وافر حاصل کیا۔ اور ہر ردی خصلت سے اپنے آپ کو منزہ و مبرا کیا جس کا تعلق دنیا سے تھا یا آخرت سے۔ یہی وہ لوگ ہیں جو ان کے کلام و بیان کو سمجھتے ہیں اور جب معانی دقیقہ اور اشارات رقیقہ سمجھنے کے لئے درِ ولایت پر آئیں تو ان پر حریم ولایت کے دروازے کھول دئے جاتے ہیں واللہ سبحانہ و تعالےٰ اعلم بالصواب یہ تھا امام ابن حجر کا صوفیہ کرام پر اعتراض و انکار کرنے والوں کے متعلق جواب۔
ابن حجر کے اس جواب میں اور امام شعرانی کے جواب میں (جس کی تقریر گذر چکی ہے) اور دیگر ائمہ اعلام کے جوابات میں جو ان حضرات نے نقل کئے ہیں ان میں ہر عقل سلیم اور قلب مستقیم رکھنے والے کے لئے کفایت ہے اور مکمل سامان رشد و ہدایت والحمد للہ رب العالمین۔

خاتمہ

شواہد الحق اختتام پذیر ہوئی ساتھ اللہ تعالےٰ کی عون و اعانت اور حسن توفیق کے یوسف ابن اسماعیل نبہانی مولفِ کتاب کے ہاتھ پر بتاریخ ۲۱ صفر الخیر ۱۳۲۳ھ بمقام بیروت۔ اور بزیر ایام خلافت ہیں السلطان الغازی الاعظم والخاقان الاکرم سیدنا و مولانا السلطان "عبد الحمید الثانی العثمانی"، کے اللہ تعالےٰ ان کو اپنی نصرتِ خاصہ سے مشرف فرمائے اور ان کے طفیل سلطنت اسلام اور دین و ملت کو اعزاز و سر بلندی بخشے۔ اور انہیں شرِ اعداء سے کفایت فرمائے والحمد للہ رب العالمین (وصلی اللہ علیٰ حبیبہ محمد و آلہ وصحبہ اجمعین)

اب ہم دو رسائل ذکر کرتے ہیں جن میں سے پہلا سیدی و سندی السید المصطفےٰ البکری کا ہے جس میں مانعینِ زیارت قبور کا رد ہے اور دوسرا حضرت سیدی الشیخ زردق رحمۃ اللہ تعالےٰ کا ہے جس میں ابن تیمیہ کا رد ہے۔

پہلا رسالہ مصنفہ حضرت سیدی مصطفےٰ البکری قدس سرہ العزیز

ولی کبیر شیخ الطریقۃ الخلوتیہ اور ائمۃ الحنفیہ میں سے عظیم امام سیدی السید المصطفےٰ البکری اور ان کے شیخ امام العارفین سیدی الشیخ عبد الغنی النابلسی کا کلام جو سیدی مصطفےٰ نے ان سے نقل کیا بمعہ حضرت علی القاری کے کلام کے۔

(نوٹ) میں نے سیدی مصطفےٰ البکری الخلوتی کی ایک کتاب دیکھی جس کا نام انہوں نے "لمع البرق المقامات العوال فی زیارۃ سیدی حسن الراعی و والدہ عبد العال" رکھا میں نے مناسب سمجھا کہ ان کے انوار سے اس مقام کے مناسب چند فوائد کا اقتباس کر دوں۔ کیونکہ اس کا مولف اکابر عارفین سے ہے اور مشہور ائمہ اعلام سے جن کی جلالتِ علمی تمام اہلِ اسلام کے نزدیک مسلم ہے۔ بعد از حمد و صلوٰۃ فرمایا۔

اللہ تعالیٰ کی قضاء و قدر سے کسی کو مفر نہیں ہے اور اسی قضاء و قدر سے یہ امر بھی تھا کہ میں نے عرصہ دراز سے رفیع القدر والشان صاحب المناقب الشہیرہ کی زیارت کا قصد کیا۔ جن کے اوصاف کمال دوپہر کے سورج سے بھی زیادہ معروف و مشہور ہیں یعنی سیدی حسن الراعی المحمود الساعی اور مرشد کامل جو اپنے مولا کے حقوق کی کما حقہ رعائت اور حفاظت کرنے والے ہیں (ان پر اللہ تعالےٰ کا فضل و احسان ہو جب تک کہ اللہ تعالےٰ سے دعا کرنے والا کوئی بھی شخص باقی رہے) لیکن ابھی اللہ تعالےٰ کی طرف سے اس عظیم مقصد کی تیسیر و توفیق کا زمانہ نہیں آیا تھا لہٰذا یہ امر معرض التوا میں ہی پڑا رہا اور اللہ العلی الکبیر کی تقدیر میں جس التواء و تاخیر کا فیصلہ ہو چکا تھا اس کا وقت ابھی نہیں پہنچا تھا تا آنکہ وہ سعادت و نیک بختی کی گھڑی آ پہنچی جس میں زیارت اور قرب شیخ کے برق انوار سے استفادہ مقدر تھا۔ اور اس بارگاہِ مقدس کی حاضری کے اذن کے واضح علامات نظر آئے۔

اور وجہ اس کی یہ ہوئی کے اللہ تعالےٰ نے ہمارے مخلص احباب میں سے ایک کی ہمت و قوت میں تحریک پیدا فرمائی لہٰذا میں محبت کی اس وادی میں قلبِ سلیم کی حیرانگی و سرگردانگی کے باوجود ہمراہ لے کر چلا اور اس امام ہمام، عالم و عامل کی زیارت کے لئے چل پڑا۔ اور یہ بات واضح ہے کہ ایسے امام و پیشوا کی زیارت کے لئے سفر کرنا مندوب و مستحب ہے بلکہ حق تو یہ ہے کہ آنکھوں کی پتلیوں کو سواری بنایا جائے نہ کہ قدموں پر چلا جائے۔ اور کتنا ہی خوب کہا ہے اس شخص نے جس نے یہ کہا اور محبت کی جولان گاہ میں محبوب کے زیر سایہ آرام فرما ہوا۔

وَاللّٰهِ مَا جِئْتُكُمْ زَائِرًا، إِلَّا وَجَدْتُ الْأَرْضَ تُطْوَىٰ لِيْ وَلَا انْثَنَىٰ عَزْمِيْ عَنْ بَابِكُمْ إِلَّا تَعَثَّرْتُ بِأَذْيَالِيْ

بخدا میں جب بھی آپ کی زیارت کے لئے حاضر ہوا تو زمین میرے لئے لپیٹ دی گئی۔ اور میرا عزمِ راسخ آپ کے دروازے سے کبھی نہ لوٹا مگر یہ کہ میں اپنے دامن سے اٹک کر گر پڑا اور ٹھوکر کھائی یعنی آتے ہوئے طوالانی مسافت بھی محسوس نہ ہو سکی اور جاتے ہوئے ہر قدم پر ٹھوکریں کھاتا ہوا لوٹا حتیٰ کہ مسافت کی طوالانی بے انتہا محسوس ہونے لگی اور ایسے حبیبِ قریب کی زیارت کرنے والے کتنی دفعہ اپنی آرزوؤں اور حاجات کی تکمیل میں کامیاب و کامران ہوئے۔ کیونکہ جو شخص ادب و احترام کے ساتھ اکابرین ملت کی

زیارت کرتا ہے اور وقار واحتشام کے ساتھ ان کی بارگاہ میں حاضر ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس اعزاز واکرام کے ساتھ بہرہ ور کیا جاتا ہے جو اس کے لئے مخفی ومستور ہوتا ہے اور وہ قربِ خاص کے ثمرات چننے اور دامن میں بھرنے کا اہل قرار پاتا ہے اور اخلاص کے جام سے شرابِ محبت پلاکر ہمیشہ کے لئے مخمور کر دیا جاتا ہے۔

کتنا ہی نعمتوں سے مالا مال ہے وہ کاسہ جو موجب خمار نہیں بلکہ باعث حصول واکتساب انوار ہے اور کتنا ہی خیر وخوبی سے پر ہے وہ جام جس نے نفسانی میل کچیل اور رنج وآلام کو منقطع کر دیا ہے اور انہیں بیخ وبن سے اکھاڑ دیا ہے۔ کیوں کہ اللہ تعالیٰ کے اولیاء اپنی قبروں میں زندہ ہوتے ہیں اور انہیں بلند مراتب ومقامات حاصل ہوتے ہیں۔ لہٰذا ان کی زیارت کرنے والے پر لازم ہے کہ ان کے ساتھ انتہائی ادب ونیاز سے پیش آئے اگر اس کی دلی آرزو یہ ہے کہ بارگاہِ حبیب میں ہمدوش مطلوب ہو سکے۔ کیونکہ یہ ضروری نہیں ہے۔ کہ جو شخص کسی بندۂ محبوب کی زیارت سے بہرہ ور ہو وہ آدابِ زیارت سے بھی آگاہ ہو۔ اور جس شخص نے ادب و احترام کے دریائے محبت کا آبحیات نوش نہیں کیا اور تہذیب وتادب سے مزین نہیں ہوا تو اس کا دعویٰ محبت سراسر جھوٹ ہے۔

جواز توسل پر دلائل

ارشاد باری تعالیٰ ہے وَاسْتَعِیْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوۃِ " استعانت وامداد حاصل کرو بوسیلہ صبر اور نماز کے۔

میں نے اپنے شیخ مکرم ومعظم عبد الغنی نابلسی زاد اللہ قربہ سے دمشق میں اس آیت کریمہ کے متعلق فرماتے ہوئے سنا کہ اس آیت کریمہ میں ان لوگوں کا رد ہے جو غیر اللہ سے استعانت کے منکر ہیں۔ بلکہ جو شخص اس قسم کا دعویٰ کرتا ہے اس نے نص کتاب کی مخالفت کر کے کفر کا ارتکاب کیا اور جب نماز اور صبر جو کہ افعال عباد سے ہیں ان کے ساتھ استعانت کا اللہ تعالیٰ نے خود سبق دیا ہے اور اس کو مندوب ومستحب ٹھہرایا ہے تو اللہ تعالیٰ کے محبوبانِ گرامی کے ساتھ قضاء حوائج اور تحصیل مطالب میں استعانت بطریق اولیٰ جائز ہوگی۔ اور یہ حقیقت شک وشبہ سے بالاتر ہے کہ جو شخص یا سیدی عبد القادر کہہ کر ان کو پکارتا ہے تو وہ ان سے استعانت حاصل نہیں کرتا۔ اور نہ ہی کوئی عقلِ سلیم کا مالک یہ دعویٰ کرتا ہے اور نہ اس کے گوشہ خیال میں یہ بات ہوتی ہے۔ بلکہ حقیقت صرف اتنی ہے کہ یہ مقدس ہستیاں چونکہ سائل کے عقیدہ وزعم کے مطابق اللہ تعالیٰ کے انتہائی مقرب بندے ہیں لہٰذا وہ ان کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی جناب میں وسیلہ پکڑتا ہے اور شفاعت وتوسل حاصل کرتا ہے (انتہی کلام الشیخ)

بعد ازاں سیدی المصطفی البکری نے حضرت حسن راعی کے مزار پر انوار کی طرف سفر کا تفصیل سے ذکر کیا۔ قبر انور تک رسائی اور کیفیت زیارت کا تذکرہ کرنے کے بعد فرمایا کہ ہم نے وہاں حسب مقدار قرآن مجید پڑھا اور اللہ تعالیٰ سے اپنے لئے اور جملہ احباب واخوان کے لئے دعا کی۔

کیفیت زیارتِ قبور بزبان علامہ علی القاری

حضرت علامہ علی قاری نے حصن حصین کی شرح میں ایک عظیم فائدہ بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ اس صورت کا اپنانا اور یہ کیفیت

اختیار کرنا ہر اس شخص کے لئے مستحب ہے جو قبور انبیاء علیہم السلام یا قبور اولیاء وعلماء کی زیارت سے بہرہ ور ہو۔ فرماتے ہیں۔ جب تو کسی نبی یا ولی اور کسی عالم وصالح کی زیارت کرے۔ اور تو کرب عظیم اور محنت شاقہ میں مبتلا ہو۔ اور یہ خواہش رکھے کہ صاحب قبر کی روح اقدس تیرے پاس حاضر ہو اور تو اس کے سامنے اپنی حالتِ زار عرض کرے خواہ زبان قال سے یا زبان حال سے تاکہ وہ تیرے حق میں اللہ تعالیٰ کے ہاں شفاعت کریں اور تجھے مشکلات میں کفایت کریں اور امراض جسمانیہ وروحانیہ سے شفاء دیں۔ تو سورۂ اخلاص گیارہ مرتبہ پڑھ اور اگر قرآن مجید کا دل مقدس یعنی سورۂ یٰسین پڑھے تو زیادہ بہتر ہے اور قضاء حاجت میں سریع الاثر۔ اور سورۂ فلق اور سورۂ الناس تین تین مرتبہ۔ سورۂ فاتحہ سورہ بقرہ کی پہلی اور آخری آیات اور پھر اسماء حسنیٰ پڑھے۔ پھر آنکھیں بند کر کے اور اپنے دل کو پوری طرح حاضر کر کے لا الٰہ الا اللہ تین مرتبہ پڑھے پھر تین مرتبہ صرف اللہ اللہ پڑھے مگر لام ادا کرتے وقت آواز کو لمبا کرے۔ پھر تھوڑا سا توقف کر کے کہے۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ یا سیدی فلاں، یا شیخ، یا استاذی، یا رسول اللہ کہے اور ازاں بعد مزار شریف پر جو جو پریشانیاں درپیش ہوں وہ عرض کرے تاکہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم اور صاحب مزار کی شفاعت سے فوری طور پر ان شدائد ومصائب کو دور فرمائے۔ اور یہ فائدہ عظیم ترین فوائد سے ہے (انتہی کلام الامام العلی القاری)۔

طریق استخارہ

میں (نبہانی) نے امام عارف باللہ مصطفیٰ البکری کی ایک اور کتاب دیکھی جس کا نام "برء الاسقام فی زیارۃ برزۃ والمقام" ہے اس میں انہوں نے استخارہ کا ایک معروف طریقہ ذکر فرمایا اور اس کی کیفیت یہ ہے کہ تسبیح ہاتھ میں لے کر مجسم اخلاق حمیدہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود وصلوٰۃ بھیج کر کہے۔

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَتَشَفَّعُ عِنْدَکَ بِحُرْمَۃِ جَمَالِکَ الْبَاقِیْ وَوَجْھِکَ الْعَظِیْمِ الْاَعْظَمِ وَبِحُرْمَۃِ نَبِیِّنَا مُحَمَّدٍ صلی اللہ علیہ وسلم اِنْ کَانَ ھٰذَا الْفِعْلُ خَیْرًا لِّیْ فَلْیَخْرُجْ غَیْرَ اَبِیْ جَھْلٍ وَاِنْ کَانَ فِیْہِ شَرٌّ فَلْیَخْرُجْ ھُوَ۔

اے اللہ میں تیری بارگاہ میں تیرے جمال دائم اور ذات عظیم واعظم کی حرمت وعزت اور نبی کریم محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی حرمت وعزت کا واسطہ دے کر سوال کرتا ہوں اگر یہ فعل میرے لئے خیر اور بہتر ہے تو ابوجہل کے علاوہ کوئی اور نکلے اور اگر اس کام میں کوئی پہلو خیر کا نہیں ہے تو پھر ابوجہل نکلے۔

اور تسبیح کے سرے پر جو دانہ ہوتا ہے اس کو پکڑے اور اللہ تعالیٰ کا نام لے کر یعنی بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھ کر تسبیح کے چند دانوں پر ہاتھ پھیرے۔ اور کہے اللہ، محمد، علی، ابوجہل یا جن دانوں پر ہاتھ پھیرا ہے ان کو الٹا پھیرے اور چار چار دانے گراتا جائے اگر ایک دانہ بچ گیا تو وہ اللہ تعالیٰ کے نام کے مطابق ہوگا۔ دو بچ جانے کی صورت میں حبیب مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسم گرامی کے مطابق ہوگئے۔ اور تین بچ جانے کی صورت میں علی المرتضیٰ صاحب القدر العلی کے نام نامی کے مطابق ہوگئے اور چار بچ جانے کی صورت میں ابوجہل صاحب نار بر سر انکار کے نام کے مطابق ہوگئے۔

اس عظیم مقصد کیلئے بارہا ہم اس استخارہ پر عمل پیرا ہوئے اور پہلے تین مقدس ناموں سے ہی کوئی نام نکلا بعد ازاں ان مقدس مقامات کے لئے دل بیتاب ہوا اور دامن دل کھینچنے لگا۔

فرماتے ہیں اسی سفر کے دوران ہمارا گذر شیخ صالح اور محب فالح حضرت شیخ علی صاحب البقرۃ کے مزارِ مقدس پر ہوا ان کے مزار پر انوار کے پاس ہی گائے مدفون ہے (جسکی طرف نسبت کرتے ہوئے ان کو صاحب البقرہ کہا جاتا ہے) ہم نے ان کے مزارِ مقدس پر حاضری دے کر دعا کی کہ ہمارا یہ سفر نفع بخش ثابت ہو۔ اور ہمارے برادر مکرم ابراہیم بن احمد البلاصی نے ہماری دعوت کی اور اپنے گھر لے گئے ہیں نے ان سے حضرت شیخ علی کو صاحب البقرہ کہے جانے کی وجہ دریافت کی تو انہوں نے فرمایا کہ حضرت شیخ قدس سرہ کی ایک گائے تھی جس کو وہ کھیتی باڑی میں بھی استعمال کرتے تھے۔ ایک دن انہوں نے اس کو ہل چلانے کے بعد دودھ نکالنے کے لئے رسا ڈالا تو اس نے کہا اے شیخ علی یا تو مجھے فقط ہل چلانے میں استعمال کرو اور یا فقط دودھ حاصل کرنے کے لئے رکھو۔ بیک وقت ہل چلانے کا کام بھی لو اور تازہ دودھ بھی مجھ سے حاصل کرو یہ نہیں ہو سکتا۔ حضرت شیخ اس کو شہر میں لائے اور شیخ کے کہنے پر دہاں دوبارہ اس نے یہ گفتگو کی۔ شیخ نے اسے فرمایا تو آزاد ہے جا جہاں جی چاہے ٹھہر میں نہ تجھ سے دودھ لیتا ہوں اور نہ ہی تجھ کو کھیتی باڑی کے کام میں استعمال کرتا ہوں اور شیخ خود فوت ہو کر گر پڑے۔ شیخ کے جسد مقدس کا زمین پر آنا تھا کہ وہ گائے بھی فوراً گر پڑی اور اس کی روح قفس بدن سے آزاد ہو گئی۔ ہم نے ان دونوں کو ایک مکان میں دفن کر دیا اور اب دونوں کی قبروں کی زیارت کی جاتی ہے ہم نے ان دونوں قبروں کی ایک اور موقعہ پر بھی احباب کی جماعت کے ساتھ زیارت کی ہے۔ اور حاضری میں بہت حظ اور ذوق و شوق حاصل ہوا۔ اور کافی دیر وہاں بیٹھ کر ہم اللہ تعالےٰ کا ذکر کرتے رہے۔

اسی دن ہم نے حضرت شیخ ممدود کی بھی زیارت کی جن کا حال ہر ایک کو معلوم و مشہود ہے۔ ان کے نام کی وجہ تسمیہ پوچھی تو ہمیں بتایا گیا کہ وہ اس جنگل میں ایک بہت بڑے اژدھا کی صورت میں نظر آتے ہیں اور اس خطہ ارضی میں دور دور تک پھیلے ہوئے نظر آتے ہیں اسی بناء پر ان کو شیخ ممدود کہا جاتا ہے۔ اللہ رب العزت ہمیں اپنے عباد صالحین کی امداد و اعانت سے بہرہ ور فرمائے۔ اور ہمیں۔ ہمارے جملہ احباب اور بھائیوں کو ان کامران اور فائز المرام لوگوں سے بنائے۔

صالحین کے ساتھ حالت حیات و ممات میں توسل کا جواز عقلاً و نقلاً

السید المصطفےٰ البکری نے فرمایا یہ امر ہر ایک کو معلوم ہے کہ ان صالحین اور مقبولانِ بارگاہِ خداوندی کی زیارت کرنا عقلاً و نقلاً مشروع اور مندوب ہے جن کو اللہ تعالےٰ نے حالتِ حیات و ممات ہر دو میں اہلِ اسلام کی مہمات و مشکلات حل کرنے کا ذریعہ بنا دیا ہے۔ کیونکہ وسائل کا استعمال میں لانا شرعاً درست اور صحیح ہے۔

سوال۔ اگر کوئی شخص یہ کہے، کہ ہم کسی ولی سے امداد کیوں کر لیں اور اللہ تعالےٰ سے ہی مدد کیوں نہ حاصل کریں۔

جواب۔ ہم کہتے ہیں بے شک جو شخص کسی ولی سے امداد و اعانت حاصل کرتا ہے وہ جاہل اور غبی ہے۔ اور کسی مسلمان کے حق میں بدگمانی کوئی جاہل اور طفلانہ ذہنیت کا مالک ہی کر سکتا ہے جس نے گمرہی اور بے راہ روی کی گود میں ہی تربیت پائی ہو کیونکہ ہر مسلمان کا یہ ایمان ہے کہ طاقت و قوت صرف اللہ رب العالمین کے دستِ قدرت میں ہے اور وہی حقیقی مؤثر اور موجد و خالق ہے اور وجودِ حوادث کو عدم محض پر ترجیح دینے والا ہے وہ اللہ تعالےٰ کو چھوڑ کر کسی زندہ یا فوت شدہ ولی سے کیوں کر امداد طلب کر سکتا ہے حالانکہ اللہ تعالےٰ کی مدد عام ہے۔ یقیناً اہلِ اسلام کے حق میں یہ اعتقاد بہت بُرا ہے اور ایسے شخص نے راہِ صواب اور صراطِ مستقیم کو چھوڑ کر غلط اور ناصواب راہ و روش اختیار کی ہے۔ اللہ تعالےٰ ہمیں اور تمام لوگوں کو اس سے معافی دے تاکہ اس اعتقاد ذمیم سے محفوظ رہیں۔

بلکہ حقیقت استعانت اور توسل صرف اس قدر ہے کہ جب کوئی مسلمان کسی نیک اور صالح عبد کے متعلق سنتا ہے یا اس کا دیدار کرتا ہے اور اس کی کرامات پر مطلع ہوتا ہے اور ایسے احوال سے باخبر ہوتا ہے جن سے اللہ نے اس کو نوازا ہے اور اس کی علمی فوقیت و برتری پر مطلع ہوتا ہے جو اسے اللہ تعالےٰ نے محض اپنے فضل و کرم سے عطا کر رکھی ہوتی ہے تو اسے یقین کامل حاصل ہو جاتا ہے کہ وہ میری نسبت اللہ تعالےٰ کے زیادہ قریب ہے (لہٰذا اس کو بارگاہ خداوندی میں وسیلہ بناتا ہے) اس کی مثال یوں سمجھئے کہ ہم میں سے کسی کو یہ معلوم ہو جائے کہ فلاں شخص کے ساتھ بادشاہ کو قلبی تعلق ہے اور وہ بادشاہِ اعظم کا مقرب اور خاص آدمی ہے تو جب بھی بادشاہ سے کوئی مشکل حل کرانا چاہے گا تو اس شخص کے مقربین تلاش کر کے اس تک رسائی حاصل کرے گا پھر اس کو بادشاہ کی جناب میں وسیلہ بنائے گا۔ اس طرح قرب سلطان حاصل کر کے اپنی مشکل حل کرائے گا۔

اور اگر ہر شخص جو قضاء حاجات میں اور حل مشکلات میں غیر اللہ کا سہارا لے اور اس کو وسیلہ بنائے وہ خطا کار یا مشرک ٹھہرے تو اس میں بہت بڑی خرابی لازم آئے گی بلکہ یہ آیات مقدسہ بے معنی ہو کر رہ جائیں گی "تَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى" نیکی اور تقویٰ میں باہم تعاون کرو نیز ارشاد باری ہے "وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ" اللہ تعالےٰ سے مدد طلب کرو نماز اور صبر کے وسیلہ سے" لہٰذا اہلِ اللہ اور اولیاء کاملین کی زیارت اور ان کے ساتھ توسل اور ان کے عند اللہ قرب و منزلت کے ساتھ تمسک بھی اسی طرح کی استعانت ہے۔

یا شیخ عبد القادر جیلانی کہنے کا جواز

اسی طرح اگر کوئی شخص پکارے "یا سیدی عبد القادر" تو اس کا مدعا اور مطلوب بھی یہی ہے کہ اے محبوب سبحانی! آپ اللہ تعالےٰ کے ہاں میرے شفیع بنیں اور جو کچھ میں نے اللہ تعالےٰ سے طلب کیا ہے اس کی عطا کے لئے سفارش کریں کیونکہ میرا عقیدہ ہے کہ آپ میری نسبت اس کے زیادہ مقرب ہیں اور جو احکم الحاکمین کے زیادہ قریب ہیں وہ محرم رازِ قرب پر نگاہ عنایت کے زیادہ سزاوار ہیں۔ یا اس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ آپ بارگاہِ رحمت للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم میں میری شفاعت کریں اور آپ اللہ تعالےٰ کی جناب پاک میں میری شفاعت فرما دیں گے تاکہ ان کے طفیل میری دعا قبول ہو اور میرا سوال پورا ہو اور حاجت روائی ہو۔ اور ظاہر ہے

اس میں حرج و مضائقہ والا کوئی پہلو نہیں ہے۔

کبھی استعانت واجب ہوتی ہے

بلکہ کبھی استعانت اور توسل واجب بھی ہو جاتا ہے مثلاً آپ کسی گڑھے یا کنوئیں میں گر پڑے اور خود بخود نکلنے سے قاصر ہیں۔ اور یہ بھی یقین ہے کہ اسی طرح پڑے رہنے سے ہلاک ہو جاؤں گا اب کوئی شخص ادھر سے گذرنے لگتا ہے اور آپ اسے پکار کر کہتے ہیں میری دستگیری کرو اور مجھے اس کنوئیں اور گڑھے سے باہر نکال لو تو یہ شرک نہیں ہو گا بلکہ اپنی جان بچانے کے لئے ایسا کرنا واجب و لازم ہو گا ورنہ بصورت دیگر اپنے آپ کو ہلاکت کے گڑھے میں گرانا لازم آئے گا اور وہ خود ممنوع و محذور ہے۔ اللہ تعالےٰ کا ارشاد ہے وَلَا تُلْقُوْا بِاَیْدِیْکُمْ اِلَی التَّهْلُكَةِ ، اپنے آپ کو ہلاکت میں مت ڈالو۔ الحاصل جس نے بھی غیر اللہ سے مدد حاصل کی وہ یہی عقیدہ رکھتا ہے کہ یہ غیر محض واسطہ و وسیلہ اور سبب محض ہی ہے نہ کہ حقیقی معاون و مددگار اور فریاد رس۔ پناہ بخدا کہ کوئی مسلمان ایسا اعتقاد رکھے نعوذ باللہ من سوء الظن الموجب للخسران والخذلان۔

واقعہ عجیبہ: حکایت ہے کہ سیدی محمد الحنفی قدس سرہ العزیز نے اپنا مصلی دریا پر بچھا دیا۔ اور اپنے مرید کو کہا تو یاحنفی یاحنفی کہتا ہوا میرے پیچھے پیچھے چلا آ۔ مرید حسب الارشاد یاحنفی کہتا ہوا آپ کے پیچھے پیچھے چلنے لگا (اور دریا پایاب ہو گیا) درمیان میں پہنچ کر اس کو خیال پیدا ہوا کہ میں کیوں نہ یا اللہ کہوں۔ جونہی یا اللہ یا اللہ کہنا شروع کیا غرق ہو گیا شیخ نے فوراً اس کا ہاتھ پکڑا اور فرمایا تو حنفی کو تو پہچانتا نہیں اللہ تعالےٰ کو کیسے پہچان سکتا ہے، جب اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل ہو جائے تو پھر کہنا یا اللہ۔

مقصد آپ کا یہ تھا کہ وسائل کی بھی اشد ضرورت ہے۔ اسی لئے کہا گیا ہے۔

لو وصل واصل من غیر واسطة لوصل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ولکن کان واسطتہ اولاً جبرئیل علیہ السلام اگر کوئی شخص بلا واسطہ اللہ تعالےٰ تک واصل ہو سکتا تو لامحالہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم واصل ہو جاتے حالانکہ ابتداء میں آپ کے لئے بھی حضرت جبرئیل علیہ السلام ذریعہ وصل تھے (اگرچہ بعد میں قرب قاب قوسین پر فائز ہو کر ادحیٰ الی عبدہ ما ادحیٰ کے اسرار سے باخبر ہوئے اور جبرئیل امین سدرہ پر دربانی کے فرائض انجام دیتے رہے) بہر کیف وسائل و وسائط حصولِ قرب کی وجہ سے مکان قریب سے بلائے جاتے ہیں اور فائز المرام کئے جاتے ہیں۔ اور مریدین مکان بعید پر ہوتے ہیں لہٰذا وہ درجۂ اجابت و قبولیت ان کو حاصل نہیں ہوتا۔ اور اسی لئے کہا گیا ہے لولا الواسطة لذہب الموسوط۔ اگر واسطہ نہ ہو تو مقصود ہی ہاتھ سے نکل جائے گا۔ اور بعض حضرات نے کہا۔ لولا الوسائط لکنا من الوسائط۔ اگر وسائل نہ ہوتے تو ہم کبھی درجۂ کمال تک رسائی حاصل نہ کر سکتے۔

ہمارے شیخ ہمام برکۃ الشام الشیخ عبدالغنی نابلسی قدس سرہ نے ایک رسالہ لکھا ہے جس کا نام "رسالۃ النور فی زیارۃ القبور" رکھا اس میں انہوں نے کھل کر اس مقصد پر کلام فرمایا اور منکرین کا دندان شکن جواب دیا۔ اس کا مطالعہ کیجئے (ہم تو اتنا سمجھتے ہیں) کہ جس نے اللہ تعالےٰ سے محبت کی راہ، یا تی وہ اس کے احباب اور خدام الواب سے بھی محبت رکھتا ہے، ان کی زیارت کرتا ہے

اور ان کے برکات سے فیض یاب ہونے کی آرزو رکھتا ہے اور اللہ تعالےٰ سے بھی امید رکھتا ہے کہ ان کی امداد و اعانت سے اس کو بہرہ ور فرمائے۔ بعض حضرات نے فرمایا ہے

اِنَّ الْمُحِبَّ لِمَنْ یَهْوَاهُ زَوَّارٌ ... زُرْ مَنْ تُحِبُّ وَاِنْ شَطَّتْ بِكَ الدَّارُ

جس سے محبت ہے اس کی زیارت کر اگرچہ تیرا مسکن دیار محبوب سے دور ہی کیوں نہ ہو کیونکہ محب ہر حال میں اپنے محبوب کی زیارت کرنے والا ہوتا ہے اور ہر وقت اسی مقصد میں کوشاں۔

ایک اور شاعر نے کہا ہے

وَاِنْ قَطَعُوا الْاُخْرٰی حَبَیْتُ وَجِئْتُ ... وَاِنْ قَطَعُوْا رِجْلِیْ مَشَیْتُ عَلَی الْعَصٰی

اور اگر وہ میرا ایک پاؤں کاٹیں تو میں لکڑی کے سہارے پر چلوں گا اور اگر دوسرا بھی کاٹ دیں تو گھٹنوں کے بل چل کر در محبوب پر حاضر ہو جاؤں گا۔

حضرت سیدی عبدالقادر بن حبیب الصفدی قدس سرہ نے اپنے قصیدہ تائیہ میں فرمایا

وَلَمْ یَخِبْ مَنْ عَلَاهُمْ بِالزِّیَارَاتِ ... زُرْحَیَّهُمْ تَنْتَفِعْ وَالْمَوْتٰی تَنْفَعُهُمْ

ان کے زندہ کی زیارت کر اور خود نفع اندوز ہو اور فوت شدہ کی زیارت کر کے ان کو نفع پہنچا اور جو بھی ان کی زیارت کے لئے جاتا ہے وہ کبھی خائب و خاسر اور محروم مرام اور ناکام تمنا نہیں رہتا۔

زیارت قبور کا مسنون ہونا اور بقاء تصرف

الغرض نفس زیارت قبور سنت ہے۔ سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

كُنْتُ نَهَیْتُكُمْ عَنْ زِیَارَةِ الْقُبُوْرِ اَلَا فَزُوْرُوْهَا فَاِنَّهَا تُرِقُّ الْقَلْبَ وَتُدْمِعُ الْعَیْنَ وَتُذَكِّرُ الْاٰخِرَةَ وَلَا تَقُوْلُوْا هُجْرًا۔

میں نے تمہیں قبور کی زیارت سے منع کیا تھا آگاہ رہو اب وہ حکم منسوخ کر دیا گیا ہے اور اب) حکم دیا جاتا ہے کہ ان کی زیارت کرو کیونکہ ان کی زیارت دلوں کو نرم کرتی ہے۔ آنکھوں کو آنسو سے رواں چشمہ بناتی ہے اور آخرت کی یاد دلاتی ہے لیکن (یہ ضروری ہے کہ وہاں جا کر بیہودہ اور عبث گفتگو سے گریز کرو)۔

امام الانبیاء والمرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے۔

مَا مِنْ اَحَدٍ یَمُرُّ بِقَبْرِ اَخِیْهِ الْمُؤْمِنِ كَانَ یَعْرِفُهٗ فِی الدُّنْیَا فَیُسَلِّمُ عَلَیْهِ اِلَّا عَرَفَهٗ وَرَدَّ عَلَیْهِ السَّلَامَ

جو شخص اپنے مومن بھائی کی قبر کے پاس سے گزرتا ہے جس کو وہ دنیا میں جانتا تھا تو اسے سلام دینے کی صورت میں وہ اس کو پہچان بھی لیتا ہے اور اس کے سلام کا جواب بھی دیتا ہے۔

جب عوام اہلِ قبور مسلمانوں کا یہ حکم ہے تو صالحین و اولیاء کرام کی قبور کا بطریق اولیٰ یہی حکم ہوگا کیونکہ وہ اپنی قبروں میں زندہ ہیں۔ اور بہت سے اولیاء کرام ایسے ہیں کہ وفات سے ان کا تصرف منقطع نہیں ہوتا بلکہ بہت سے زائرین ان کی قراءتِ کلام مجید اور ذکر واذکار بوقتِ زیارت اپنے کانوں سے سنتے ہیں۔

ہمارے برادر روحانی و اسلامی حضرت الشیخ مصطفیٰ بن عمرو الحلوتی کان اللہ لہٗ نے بتلایا کہ ایک دفعہ میں نے مرج الدحداح کی زیارت کی اور حضرت شیخ محمد غمیان کے مزار پر انوار کے قریب ایک قبر پر کھڑا ہوا۔ اور دعا مانگنے لگا میں نے ان میں سے ایک کو اپنی دعا پر آمین کہتے ہوئے سنا مگر یہ معلوم نہ ہو سکا کہ وہ شیخ غمیان تھے یا دوسرے صاحب۔

حضرت شیخ عبدالکریم القطان کے سکنہ اللہ جنۃ الفردوس الاعلیٰ نے اپنے والدگرامی الشیخ علی المبیض رحمہ اللہ تعالےٰ سے نقل کیا کہ انہوں نے فرمایا میں ایک دفعہ حضرت شیخ بکار رحمہ اللہ تعالےٰ کی زیارت کے لئے گیا۔ ان کے مزار پر سورۂ یٰسین کی تلاوت کی۔ انہوں نے چار مرتبہ مجھے ابتداء سے پڑھنے پر مجبور کر دیا۔

ہمارے ایک دوست جنہوں نے حضرت شیخ عبدالغنی نابلسی کی صحبت و ہم نشینی کا شرف حاصل کیا ہوا تھا انہوں نے ہمیں بتایا کہ جب بھی ہم حضرت شیخ کے ساتھ کسی ولی کامل کے مزار شریف کی زیارت کے لئے جاتے تو وہ ہمیں اپنے اور اس ولی کے درمیان ہونے والے مکالمہ کی تفصیلات بتلاتے اور جس بے تکلفی کے ساتھ باہمی گفتگو ہوتی اس سے باخبر کرتے حتیٰ کہ ایک دفعہ ہم نے ان کی معیت میں شیخ حسن الراعی کی زیارت کی اور وہاں جاکر اپنے شہر میں وارد ہونے والے ایک شخص کی شکایت کی اور ان سے اس کے نکالنے کی درخواست کی اور ساتھ ہی کہہ دیا کہ جب تک وہ شخص شہر سے نہیں نکلتا میں واپس نہیں جاؤں گا۔ تھوڑی دیر ہی گذری تھی کہ ہمیں بتلا دیا کہ وہ شخص جا چکا ہے (اور جو کچھ فرمایا بالکل اسی طرح نکلا) اور اس قسم کے بے شمار واقعات ہیں جو حضرت شیخ عبدالغنی قدس سرہ کو پیش آئے۔

مبحث کرامات از علامہ نابلسی قدس سرہٗ

علامہ موصوف نے اس رسالہ میں کتاب و سنت سے کرامات کے ثبوت اور وقوع پر استدلال کرتے ہوئے مختلف دلائل پیش کئے اور اقوال علماءِ اعلام بھی نقل فرمائے من جملہ ان کے حضرت امام رملی کا یہ قول ہے :۔

کرامات اولیاء مشاہدات کے قبیل سے ہیں جن کا انکار ممکن نہیں ہے ہم اس امر پر پختہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ ان اولیاء کرام کی کرامات ان کی ظاہری حیات میں بھی وقوع پذیر ہوتے ہیں اور بعد از وفات و وصال بھی اور ان کی موت سے ان کا منقطع ہونا لازم نہیں آتا۔ اور جو اس حقیقت کا انکار کرتا ہے ہم اس کے متعلق اللہ تعالےٰ کے قہر و غضب کا نشانہ بننے کا خطرہ محسوس کرتے ہیں۔

علامہ مصطفیٰ البکری فرماتے ہیں مَنْ ثَبَتَتْ وِلَايَتُهٗ حَرُمَتْ مُحَارَبَتُهٗ ۔ جس بندۂ مومن کی ولایت ثابت ہو جائے

اس کے ساتھ محاربت اور محاذ آرائی حرام و ممنوع ہے۔ اور علامہ ابن حجر شرح اربعین میں حدیث قدسی "مَنْ عَادٰى لِيْ وَلِيًّا فَقَدْ آذَنْتُهٗ بِالْحَرْبِ" پر بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے میں اس شخص کو یہ اطلاع دیتا ہوں جو میرے ولی کے ساتھ عداوت رکھتا ہے، میں اس کے ساتھ برسرپیکار اور مصروف جنگ ہوں اور یہ حقیقت کسی سے ڈھکی چھپی نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ جس کے ساتھ جنگ کرنے والا ہو یعنی اس پر اپنے قہر و جلال اور عدل و انتقام کے مظاہر کے ساتھ تجلی فرما کر جنگجوئی جیسا معاملہ کرنے والا ہو۔ تو وہ شخص کبھی بھی فلاح نہیں پا سکتا۔ اور یہ بہت بڑی وعید و تہدید ہے کیونکہ ایسا شخص لامحالہ ہلاکت کے اتھاہ گڑھے میں جا گرے گا۔

اور اس میں مجاز بلیغ ہے کہ محاربت ولی کو صرف محاربت خداوند تعالےٰ نہیں فرمایا گیا بلکہ اللہ تعالےٰ کی طرف سے اعلانِ جنگ فرمایا گیا ہے۔ اور اس میں یہ وضاحت کر دی گئی ہے کہ اللہ تعالےٰ کے اولیاء سے عداوت اور اس کے احباب کو ناپسندیدگی کی نظر سے دیکھنا گویا اللہ تعالےٰ کے ساتھ عناد اور عداوت رکھنا ہے۔ اور اسی لئے جب ابلیس لعین نے حضرت آدم علیہ السلام کے سامنے سربسجود ہونے کے حکم کو ٹھکرایا اور ان کو بنظرِ استحقار دیکھا تو اللہ تعالےٰ نے اس کو ایسی ہلاکت میں مبتلا کر دیا کہ وہ اس ورطۂ ہلاکت سے کبھی خلاصی حاصل نہیں کر سکے گا۔

اور اس حدیث قدسی میں ہر اس شخص کے لئے سامانِ خوف و خشیت ہے جو اللہ تعالیٰ کے کسی ولی کے ساتھ عداوت رکھتا ہے کہ اس نازیبا حرکت کی وجہ سے اللہ تعالےٰ اس کے ساتھ جنگ فرمائے گا اور اگر اللہ تعالےٰ اچانک اس کو اپنی گرفت میں لے تو اس کے لئے کوئی عذر نہیں ہو سکتا کیونکہ اس اعلان کے بعد انذار و انتباہ میں کوئی خفا نہیں تھا لہٰذا اس مؤاخذہ میں ظلم و جفا کا کوئی پہلو نہیں ہے۔

اس حدیث قدسی میں ایک روایت کے مطابق یہ الفاظ ہیں۔ فَقَدِ اسْتَحَلَّ مُحَارَبَتِيْ "، اور ایک روایت میں ہے " فَقَدْ بَارَزَنِيْ بِالْمُحَارَبَةِ "، یعنی وہ میری طرف سے جنگ کا مستحق ٹھہرا یا اس نے مجھے میدان جنگ میں مقابلہ کے لئے بلایا اور للکارا۔ اور تیسری روایت میں یوں ہے " فَقَدْ آذَى اللّٰهَ وَمَنْ آذَى اللّٰهَ يُوْشِكُ اَنْ يَّاْخُذَهٗ "، یعنی جس نے اللہ تعالےٰ کے ولی کے ساتھ عداوت رکھی اس نے اللہ تعالےٰ کو تکلیف پہنچائی اور جس نے اللہ تعالےٰ کو تکلیف پہنچائی تو قریب ہے کہ اللہ تعالےٰ اس کو اپنی گرفت میں لے لے۔

فائدہ : یہ امر ذہن نشین رہے کہ اس وعید و تہدید اور تخویف و انذار کا محل اور مصداق وہ شخص ہے جو کسی مقبول بارگاہ خداوندی کے ساتھ اس ولایت و مقبولیت کے پیش نظر عداوت اور دشمنی رکھے۔ اور اس کا قرب الٰہی اس کو نہ بھاتا ہو۔ یہ مطلب نہیں کہ ایسے مقبولان بارگاہ خداوندی کے ساتھ کسی دینی یا دنیوی معاملہ میں مطلقاً نزاع اور اختلاف رائے درست نہیں بلکہ ان کے ساتھ نزاع و مخاصمت اور عدالت میں ان کے خلاف چارہ جوئی کرنا صرف اس لئے کہ حق واضح ہو جائے۔ اور حق دار اپنے حق کو پالے اور مخفی حقیقت منصۂ شہود و ظہور پر آجائے بالکل جائز اور صحیح ہے کیوں کہ اس قسم کی خصومت و منازعت حضرت صدیق اکبر اور فاروق اعظم رضی اللہ عنہما اور حضرت عباس اور حضرت علی المرتضےٰ رضی اللہ عنہما کے درمیان بھی وقوع پذیر ہوئی حالانکہ وہ سبھی اولیاء اللہ

اور محبوبانِ خداوند تبارک وتعالٰے ہیں۔ (انتہی کلام ابن حجر)۔

بعداز وفات صدورِ کرامات کا جواز وامکان

علامہ سیدی المصطفٰے البکری نے علامہ ابن حجر کا یہ کلام نقل کرنے کے بعد فرمایا۔ جب کرامت اللہ تعالٰے کی تخلیق وایجاد سے ہے اور جس طرح اللہ تعالٰے کسی محبوب ومقبول کی ظاہری حیات میں اس کے ہاتھ پر اس کو ظاہر فرماتا ہے تو وفات کے بعد ظاہر فرمانے میں کون سا استحالہ ہو سکتا ہے۔ زندگی میں کرامات کا وقوع ناقابل تردید دلائل بلکہ مشاہدات سے ثابت ہے اور بعداز وفات انقطاع پر کوئی دلیل قائم نہیں ہو سکی لہٰذا بعداز وفات بھی کرامات کا صادر ہونا بالکل درست ہے۔ پس ان مقبولانِ بارگاہ کی زیارت کرنا اور ان کے آثار سے تبرکات حاصل کرنا مندوب ومستحسن امر ہے اور قضاء حاجات میں ان کے ساتھ بارگاہِ خداوندی میں توسل واستغاثہ جملہ مقاصد ومطالب کے حصول کا بہترین ذریعہ ہے۔

والدین کی قبروں کی زیارت موجبِ مغفرت ہے

رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم سے مروی ہے "مَنْ زَارَ قَبْرَ وَالِدَيْهِ اَوْ اَحَدِهِمَا فِيْ يَوْمِ الْجُمُعَةِ فَقَرَأَ يٰسٓ غُفِرَ لَهٗ" اور ایک روایت میں ہے۔ "مَنْ زَارَ قَبْرَ وَالِدَيْهِ اَوْ اَحَدِهِمَا فِيْ كُلِّ جُمُعَةٍ مَرَّةً غَفَرَ اللّٰهُ لَهٗ (کذا فی الجامع الصغیر) جس شخص نے والدین یا ان میں سے ایک کی قبر کی جمعہ کے دن زیارت کی اور سورت یٰسین پڑھی تو اس کے لئے مغفرت و بخشش ثابت ہو گئی اور دوسری روایت میں ہے کہ جس نے ماں باپ دونوں یا صرف ایک کی قبر کی ہر جمعہ کو ایک مرتبہ زیارت کی اللہ تعالٰے اس کی مغفرت فرما دے گا۔

انبیاء علیہم السلام قبور میں کھاتے پیتے ہیں اور نکاح کرتے ہیں

جب والدین کی قبروں کی زیارت سببِ مغفرت وبخشش ہو سکتی ہے تو پھر قبورِ انبیاء ورسل کی زیارت کا کیا کہنا جو اپنی قبور میں زندہ ہیں کھاتے پیتے ہیں نکاح کرتے ہیں اور نماز ادا کرتے ہیں لیکن محض لذت ذکر حاصل کرنے کے لئے نہ کہ ادائگی فرائض کے طور پر۔ اور جس شخص نے یہ کہا ہے کہ اہلِ برزخ (میں سے انبیاء ورسل علیہم السلام اور بعض اولیاء کرام) مکلف ہیں تو اس کا مقصد یہ کہ وہ مکلف لوگوں کی مانند افعال سرانجام دیتے رہتے ہیں۔ کیونکہ ان کے حق میں برزخ بمنزلہ دنیا کے ہے اور دنیوی زندگی کی طرح برزخ میں ان کو ترقی درجات اور رفعت مراتب ومقامات حاصل ہوتی رہتی ہے اور ثواب کامل اور ترقی درجات ان کے حق میں دائم اور سرمدی رہتی ہے اور احادیث نبویہ میں اس کی تصریح موجود ہے۔

انبیاء علیہم السلام کے چالیس دن سے زیادہ قبور میں نہ رہنے کا مطلب

رہا یہ خدشہ کہ انبیاء علیہم السلام تو چالیس دن سے زیادہ اپنی قبروں میں نہیں رہتے (جیسا کہ احادیث سے ثابت ہے تو پھر ان کی زیارت اور ان سے توسل کا کیا مطلب) تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ کسی خاص مکان کے پابند نہیں رہتے

نہ یہ کہ قبور سے بالکل بے تعلق ہو جاتے ہیں بلکہ وہ اپنی روحانیت اور نورانیت کے لحاظ سے زیارت اور توسل واستغاثہ کے لئے حاضر ہونے والوں پر مطلع ہوتے ہیں لہٰذا ایسی روایات واحادیث زیارت کے مندوب ومستحسن ہونے کے منافی نہیں ہیں بلکہ وہ قبور کی چار دیواری میں مقید ومحبوس نہ ہونے کے باوجود زائرین کی شفاعت کرتے ہیں۔ پس منکر زیارت حق سے بھی دور ہے اور تحقیق سے بھی۔ اور جو شخص زیارت قبور کے ممنوع ہونے پر "لَا تُشَدُّ الرِّحَالُ اِلَّا اِلٰى ثَلٰثَةِ مَسَاجِدَ"، والی حدیث سے استدلال کرتا ہے تو وہ سراسر تکلف وتعسف کا شکار ہے اور ہٹ دھرم اور ضدی ہے۔ اور جس شخص نے زیارت قبور کو مکروہ وناپسندیدہ قرار دیا ہے تو اس پر اساطین علماء اور نحاریر فضلاء نے ردِ بلیغ فرمایا۔ اور ان کے لئے بہت سی احادیث شاہد صادق ہیں اور شاہد عدل۔ ۱۔ قول نبوی۔ مَنْ زَارَ قَبْرِيْ وَجَبَتْ لَهٗ شَفَاعَتِيْ۔ (۲) ارشاد مصطفوی۔ مَنْ حَجَّ وَلَمْ يَزُرْنِيْ فَقَدْ جَفَانِيْ۔ (۳) فرمان رسالت پناہی "مَنْ حَجَّ فَزَارَ قَبْرِيْ بَعْدَ وَفَاتِيْ كَانَ كَمَنْ زَارَنِيْ فِيْ حَيَاتِيْ"، (۴) حدیث رسول "مَنْ زَارَنِيْ بِالْمَدِيْنَةِ مُحْتَسِبًا كُنْتُ لَهٗ شَهِيْدًا وَّشَفِيْعًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔ وغیر ذالک۔

خلاصہ مفہوم۔ جس نے میری قبر کی زیارت کی اس کی شفاعت مجھ پر لازم ہو گئی۔ اور جس نے حج بیت اللہ ادا کیا مگر میری زیارت نہ کی تو اس نے میرے ساتھ جفا اور ظلم کیا۔ جس نے میرے وصال کے بعد میری قبر پر حاضری دی تو گویا اس نے میری ظاہری زندگی میں میری زیارت کا شرف حاصل کیا اور جس نے ثواب حاصل کرنے کے لئے اور خلوص نیت کے ساتھ میری زیارت کی میں قیامت کے دن اس کے لئے گواہ بھی ہوں گا اور شفیع بھی ان کے علاوہ اور بھی بہت سی احادیث اس ضمن میں وارد ہیں۔

علاوہ ازیں صدرِ اوّل جو خیر القرون ہے اور سب زمانوں سے بہتر زمانہ اس میں اکابرین ملت نے دور ودراز سے قبورِ انبیاء کی زیارت کے لئے سفر کیا اور سواریوں کو استعمال میں لائے اور کسی نے ان پر انکار نہ کیا (تو گویا اس معاملہ میں امت کا اجماع و اتفاق بھی ثابت ہو گیا اور جب اس اجماع سے احادیثِ مذکورہ بالا کی تائید وتقویت ہو گئی تو ان میں سے کسی پر مصنف وغیرہ کا اعتراض قابل سماعت نہیں رہے گا۔ لہٰذا بلا کھٹک وجھجک ان کی زیارت کرو اور ان سے توسل کرو اور ہر مشکل امر میں ان کے طفیل ساحل مراد تک پہنچو۔

حضرت عمر الفاروق رضی اللہ عنہ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو بارانِ رحمت کے حصول میں وسیلہ بنایا اور اللہ تعالٰے نے بارانِ رحمت سے نوازا (اور سب صحابہ کرام کی موجودگی میں ایسا کیا تو معلوم ہوا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نسبی وروحانی تعلق توسل کے لئے کافی ہے) تو پھر انبیاء ورسل علیہم السلام کی ذوات قدسی صفات کے ساتھ توسل واستغاثہ بطریق اولیٰ جائز اور درست ہو گا۔ کیونکہ ان کے درجات ومراتب وفات کی وجہ سے کم نہیں ہو جاتے بلکہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ترقی پذیر ہوتے ہیں لہٰذا ان سے برکات طلب کرنا اور مہمات میں ان سے استغاثات اور توسل کرنا اور اللہ رب العالمین کے حضور ان کو وسیلہ بنانا مرغوب امر ہے بلکہ کبھی حلِ مشکلات ان کی شفاعت پر موقوف ہوتا ہے لہٰذا اس کے بغیر مطلوب تک رسائی ناممکن ہو جاتی ہے۔

نیز من جملہ تعظیم انبیاء ورسل کرام اور اولیاء کرام کے یہ بھی ہے کہ ان کی آستان بوسی کی جائے اور ان کے مزارات پر

ڈالے ہوئے پردوں اور کپڑوں کو ہاتھ لگا کر برکت حاصل کی جائے۔

سیدی مصطفیٰ البکری کا حضرت کلیم اللہ علیہ السلام کے مزار مقدس پر حاضر ہونا اور عجیب واقعہ پیش آنا

مجھے پہلی مرتبہ حضرت موسیٰ کلیم علیہ السلام کے مزار شریف پہ حاضری کا اتفاق ہوا۔ جب میں مزارِ اقدس کے قریب پہنچا تو کسی مانع کی وجہ سے زیارت میں تاخیر ہوگئی۔ تو میرے سر میں سخت درد پیدا ہوگیا اور وہ لحظہ بہ لحظہ بڑھتا ہی رہا حتیٰ کہ میں مزارِ پرانوار اور اسرار رحمانیہ اور انوار رحیمیہ کے سرچشمہ پر پہنچ گیا۔ دو رکعت نماز ادا کی۔ اور مزارِ مبارک کی چادر کو اپنے ہاتھوں میں لے کر بوسہ دیا اور اسے اپنے سر پہ رکھا۔ پھر اپنی تکلیف اور شدتِ درد کی شکایت کی تو وہ فوراً زائل ہوگئی اور یوں معلوم ہوا کہ گویا وہ تکلیف تھی ہی نہیں۔ دوسری دفعہ حاضری نصیب ہوئی تو فوری طور پر مزارِ پرانوار پہ حاضر نہ ہوسکا اور وہی عارضہ دردِ سر کا بھی لاحق ہوگیا اور جونہی سابقہ طریقہ پر حاضری دے کر حالتِ زار عرض کی تو فوراً وہ تکلیف کافور ہوگئی۔ تیسری مرتبہ حاضری نصیب ہوئی تو سیدھا مزار منور پہ گیا اور ذرہ بھر دردِ سر کا عارضہ پیش نہ آیا۔ اور زیارت بڑی ہی بابرکت اور فیض اثر تھی جس کی بدولت دل ہر قسم کی قلبی اور نفسانی کدورتوں سے منزہ و مبرا ہوچکا تھا۔ میں نے آپ کے مزار شریف کے پاس اپنے اس قصیدہ کے ابتدائی اشعار پڑھے جن میں آپ کی بارگاہ والا جاہ سے توسل کیا گیا تھا اور جب اس شعر پہ پہنچا ؎

سَیِّدِیْ مُنْجِدٌ صَفِیٌّ وَفِیٌّ یُبْدِیْ شَیْحًا فِیْ اَرْضِہٖ وَخَزَامِیْ

میرے سید و سردار جو قوی و توانا ہیں اور محبت میں مخلص اور وفاء عہد کرنے والے جو اپنی زمین میں شیح اور خزامی کے پھول اگاتے اور ظاہر کرتے ہیں تو ضرورت شعری کے تحت یُبْدِیْ کا لفظ اختلاس کے ساتھ پڑھا اور مد کو ترک کردیا بس پھر کیا تھا فوراً ان پھولوں کی مہک اور خوشبو محسوس ہونے لگی میں نے بطور معذرت عرض کیا۔ ہر پاکیزہ چیز آپ کے دست جود و کرم میں ہے مجھے شعر کے قافیہ نے ان دو قسموں کے ذکر پہ مجبور کیا ہے اور میرا مقصد آپ کی خداداد شان بیان کرنا تھا (نہ کہ فی الفور ان کے مہیا کرنے کی اپیل کرنا) بہرکیف صرف میں نے ہی وہ خوشبو نہ سونگھی بلکہ میرے احباب میں سے بعض جو قریب ہی کھڑے تھے ان سے دریافت کیا کہ تم نے بھی کوئی خوشبو محسوس کی تو انہوں نے بھی تبلایا کہ ہاں شیح نامی پھول کی خوشبو محسوس کی ہے میں نے کہا ہاں اور ساتھ ہی خزامی کی مہک بھی محسوس ہو رہی ہے۔

اس حاضری کے دوران رات کو ذکر و اذکار اور درود و وظائف سے فارغ ہونے کے بعد میں نے دنیوی کلام کو چھیڑا تو قندیل بجھا ہوا محسوس ہوا۔ دوسری رات پھر درود و وظائف سے فارغ ہونے پہ دینوی امور میں کلام کرنے لگا اور گذشتہ رات کے واقعہ کی تحقیق کرنے لگا تو اسی طرح چراغ گل ہوتا معلوم ہونے لگا تو میں سمجھ گیا کہ آپ اپنی طبیعت کی حدت اور تیزی کی وجہ سے دینوی امور میں کلام کو پسند نہیں کرتے خواہ وہ مباح امور میں بھی کیوں نہ ہو چہ جائیکہ دیگر امور میں تو میں نے اس وقت

سے ایسے امور سے بالکلیہ اجتناب و احتراز کو اختیار کرلیا والحمد للہ رب العالمین۔

قبور انبیاء و اولیاء اور صالحین کی تعظیم و تکریم

جب مساجد کی تعظیم و تکریم لازم ہے تو اللہ تعالیٰ کے انبیاء و رسل اور خواص بارگاہ کی تعظیم و تبجیل بطریق اولیٰ لازم ہوگی اور جب بارگاہ رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم میں آواز بلند کرنا اعمال صالحہ کے تباہ و برباد ہونے کا موجب ہے تو اس شخص کا کیا حال ہوگا جو ان کے مزارات شریفہ کو گرانے کا حکم دیتا ہے جو ان حضرات کی تعظیم و تکریم کے پیش نظر بنائے گئے ہیں۔ بلکہ اس تعظیم و تکریم پر امت کے اکابر علماء کا اجماع و اتفاق ہے ماسوا شر ذمہ قلیلہ کے جس نے ازرہِ تعصب اور ہٹ دھرمی راہِ جدال اختیار کر رکھا ہے جن کو نزادلیہ کہا جاتا ہے۔ اور وہ اپنے آپ کو شیخ زادہ کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ شیخ مذکور بہت ہی متقی اور پرہیزگار تھے مگر ان کے متبعین نے اس میں بہت زیادہ مبالغہ سے کام لیا اور ہر ممکن کوشش بروئے کار لائے۔ شیخ موصوف کے حالات بالعموم تمام علاقوں میں معلوم و معروف ہیں اور علی الخصوص روم میں لہٰذا ان کے ذکر کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ وہ جانی پہچانی شخصیت ہیں۔ اس طائفہ تالغہ نے اس کی اتباع کا دعویٰ کر رکھا ہے اور جو کچھ شیخ موصوف نے نہیں کہا تھا وہ بھی اس کی طرف منسوب کر رکھا ہے اور جو کچھ ان سے منقول نہیں ہے وہ بھی ان کے ذمے لگا رکھا ہے۔ جاہل ترین لوگوں کی اس قلیل ترین جماعت نے بھی ان مدعیانِ نسبت و ارادت کا دامن ہاتھ میں لیا جن کے قول پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا ہے۔ اور نہ ہی ان کی موافقت کرنے والے بعض ارباب عقل و خرد کے افکار و خیالات کو قابل قبول سمجھا جاسکتا ہے جو نظر صحیح اور فکر صائب سے محروم ہیں اور صرف ان جہال کی روش پر کاربند اور ایسے افکار پر جامد ہوچکے ہیں جو اذکار کے صیقل سے روشن اور اجلے نہیں ہوسکے۔

ہم اللہ تعالیٰ سے اپنے درپے انکار و جمود نفوس کے شر و مفاسد اور برے اعمال سے پناہ مانگتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے ہاں قطعاً پسندیدہ نہیں ہیں۔ اور ہم اللہ تعالیٰ سے ہر مصیبت اور آفت سے امن و عافیت کا مطالبہ کرتے ہیں بطفیل انبیاء کرام اور محبوبانِ بارگاہ لایزال آمین۔ (انتہیٰ کلام السید مصطفےٰ البکری الحنفی)

نوٹ۔ میں نے سیدی مصطفیٰ البکری کا یہ کلام ان کی دونوں کتابوں سے نقل کیا جو جلد واحد میں ہیں اور ان پر مختلف اور متعدد جگہ ان کے اپنے دستخط موجود ہیں۔ اور وہ بمعہ ان کی دیگر تالیفات کے قدس شریف کے مکتبہ آلِ ابی سعود میں مسجد اقصیٰ کے قرب میں موجود ہیں۔ ان میں سے بعض کتابیں برادرِ عزیز علامہ شیخ رشید ابوالسعود میرے پاس لے آئے۔ میں نے ان کا مطالعہ کرکے ان سے ضروری نوٹ لکھ کر انہیں واپس کردیں۔ حضرت شیخ نے اپنی زندگی میں ہی اپنی تمام کتابیں اور تالیفات مکتبہ آلِ ابی السعود میں رکھ دی تھیں جن میں سے اکثر اب تک موجود ہیں۔

علی الاطلاق توسل کا منکر دائرہ اسلام سے خارج ہے

سیدی الشیخ المصطفےٰ البکری کی کتاب "لمع برق المقامات العوال" سے نقل کردہ سابقہ عبارت جس میں انہوں نے تصریح کی ہے کہ میں نے حضرت سیدی شیخ عبدالغنی نابلسی قدس سرہ العزیز کو قول باری "واستعینوا بالصبر والصلوٰۃ" کی تفسیر میں فرماتے ہوئے سنا کہ اس آیت مقدسہ میں ان لوگوں کا رد ہے جو کہتے ہیں کہ غیر اللہ سے استعانت درست نہیں ہے۔ بلکہ جس نے یہ دعویٰ کیا وہ نص کتاب اور صریح آیت کی مخالفت کی وجہ سے کافر ہو گیا۔ اور پھر الامام البکری کا اسے نقل کرنا اور اس سے استدلال کرنا اس امر کی واضح دلیل ہے کہ وہ بھی اس فتویٰ میں امام موصوف کے ساتھ متفق ہیں اور اس پر رضامند۔ اور یہ دونوں حضرات ائمہ احناف میں سے عظیم امام ہیں اور اکابر اولیاء کرام سے ہیں اور بایں ہمہ وہ دونوں ان لوگوں کی تکفیر کے قائل ہیں جن کو شیطان نے اوہام باطلہ کی مہار کے ساتھ کھینچ رکھا ہے اور راہِ ضلالت پر لے کر چل نکلا ہے حتیٰ کہ انہوں نے نبی انبیاء فخر رسل صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت اور آپ سے استعانت کے لئے سفر نیز آپ کے ساتھ استعانت کو دیگر انبیاء کرام علیہم السلام اور اولیاء کرام علیہم الرضوان کی طرف سفر زیارت اور استعانت کی طرح حرام قرار دے دیا۔

اور چونکہ یہ دونوں جلیل القدر ائمہ یعنی امام نابلسی اور المصطفےٰ البکری دمشق شام سے تعلق رکھتے ہیں۔ اور منکرین توسل و استعانت اور سفر زیارت کی حرمت کا فتویٰ دینے والوں یعنی ابن تیمیہ۔ ابن عبدالہادی اور ابن القیم کا تعلق بھی دمشق سے ہے اور ان کی کتابیں لوگوں کے درمیان شائع ذائع ہیں اور ان کی تصنیف کردہ کتابوں میں سے بہت کم کوئی کتاب ہو گی جس میں انہوں نے اس اختلافی اور اختراعی مسئلہ کو ذکر نہ کیا ہو اور اس کے ساتھ ضعیف العقل طلبہ اور عوام کو ہوائے نفسانی اور ظلمات اوہام کا شکار نہ بنایا ہو تو لامحالہ ان دونوں ائمہ کا روئے سخن اور ردوقدح اور فتویٰ تکفیر انہیں کی طرف متوجہ ہو گا (اگرچہ) انہوں نے بوقت ردوقدح ان کا نام ذکر نہیں کیا۔

رہا وہ فرقہ زادلیہ جس کا ذکر انہوں نے آخری عبارت میں کیا ہے تو یہ بھی ابن تیمیہ کے اذناب و اتباع کی ایک شاخ ہے۔ لیکن نہ ان کی کوئی تالیف کردہ کتاب دستیاب ہے اور نہ ہی ان کے اقوال کتابوں میں مذکور و مندرج ہیں۔ اسی لئے میں نے اس فرقہ کا ذکر صرف ان کی اس عبارت میں ہی دیکھا ہے اور کہیں ان کا نام و نشان نہیں ملتا۔

منکرین توسل کی تکفیر جمہور کا مذہب نہیں ہے

میں نے اپنی کتاب "شواہد الحق" کے مقدمہ میں اس امر کی تصریح کر دی ہے کہ جمہور علماء نے ابن تیمیہ اور اس کی جماعت کو کافر نہیں کہا۔ بلکہ ان کو بدعاتِ شنیع کا مخترع و مبتدع قرار دیا ہے اور ان کی اس بدعت پر سخت تنقید و تردید کی اور اس کو انتہائی سنگین فعل اور عظیم جرأت و جسارت قرار دیا لیکن بایں ہمہ ان پر کفر کا فتویٰ نہیں لگایا اور میں بھی اس معاملہ میں جمہور کے ساتھ متفق

ہوں۔ اور ابن تیمیہ اور اس کے تلامذہ کو ان علماء امت سے سمجھتا ہوں جن سے امت مصطفویہ کو اس نقصان اور مضرت عظیمہ کے ساتھ نفع تام بھی حاصل ہوا ہے۔ اور میں اللہ تعالےٰ سے دست بدعا ہوں کہ وہ ان کی یہ سنگین لغزشیں معاف کرے جنہوں نے اسلام اور اہلِ اسلام کو عظیم ضرر و نقصان پہنچایا اور خاص طور پر مصر، عراق اور شام کے علاقوں میں عظیم فتنہ کا موجب بنیں کیونکہ ان کی کتابیں ان بلاد اور علاقہ جات میں عام ہو چکی ہیں۔

دوسرا رسالہ

اس رسالہ میں سیدی الامام العارف باللہ الشیخ احمد زروق مالکی رحمہ اللہ تعالےٰ نے ابن تیمیہ کا رد کیا ہے۔ ائمہ اعلام اور اکابر اولیاء کرام میں سے عظیم فرد سیدی شیخ احمد زروق نے حزب البحر کی شرح کے مقدمہ میں بطور سوال و جواب فرمایا۔

سوال۔ اگر تو یہ کہے کہ ان اوراد و وظائف اور احزاب کا تقی الدین ابن تیمیہ نے بہت سخت رد کیا ہے تو اس کا جواب کیا ہے۔

جواب۔ ابن تیمیہ عرفان سے دور ہے بلکہ نقصان عقل کے ساتھ ملعون ہے۔ ہم کہتے ہیں ابن تیمیہ مسلمان ضرور ہے اور علوم میں حفظ و اتقان کے درجہ پر بھی فائز ہے مگر عقائد ایمانیہ میں مطعون و متہم ہے اور اس کو درجہ عرفان پر فائز المرام ماننا تو دور کی بات ہے اس کا کامل العقل ہونا بھی محل بحث و نظر ہے۔ جب اس کے متعلق الشیخ الامام تقی الدین سبکی سے سوال کیا گیا تو انہوں نے فرمایا "هُوَ الرَّجُلُ عِلْمُهُ اَكْبَرُ مِنْ عَقْلِهِ" وہ ایسا شخص ہے جس کا علم اس کی عقل سے زیادہ ہے۔ اور علامہ سبکی کے اس قول کے مطابق میرا نظریہ یہ ہے کہ اس کی نقل تو قابل قبول ہو سکتی ہے مگر اس کے اپنے نتائج فکر و نظر اور تصرفات علمیہ قابلِ قبول نہیں ہیں۔ واللہ اعلم انتہت عبارت سیدی زروق ابن تیمیہ کی نقل علی الاطلاق معتبر نہیں ہے۔ اقول۔ آپ کا یہ فرمان کہ اس کی نقل معتبر ہے یہ بھی علی الاطلاق مراد نہیں ہو سکتا بلکہ اس میں بھی یہ تقیید ضروری ہے کہ اس کی وہ نقول معتبر ہیں جو اس بدعت سے متعلق نہیں جس میں اس نے جمہور ائمہ مسلمین کی مخالفت کی ہے۔ اور بالخصوص سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام انبیاء و مرسلین علیہم الصلوٰۃ والتسلیم اور صلحاء امت کی طرف سفر زیارت اور استغاثہ و استعانت سے متعلق نقول اس وقت تک قابل قبول و لائق اعتماد نہیں ہیں، جب تک دوسرے قابل وثوق و اعتماد ائمہ اعلام اور علماء کرام کی تائید و تصدیق حاصل نہ ہو۔ اور ہمارے اس دعویٰ کی دلیل امام سبکی امام ابن حجر الہیتمی وغیرہما کے علاوہ حافظ عراقی شافعی، امام زرقانی مالکی اور شہاب خفاجی حنفی کی تصریحات ہیں جو اسی کتاب میں گذر چکی ہیں۔ ہذا واللہ ورسولہ اعلم ۔

اس کتاب "شواہد الحق" کی تالیف و تصنیف مؤلف فقیر یوسف بن اسماعیل النبہانی کے ہاتھوں بعون اللہ وحسن توفیقہ ۱۳۲۳ھ ۲۱ صفر الخیر کو بیروت میں اختتام پذیر ہوئی اور یہ زمانہ ہے السلطان الغازی الاعظم والخاقان الاکرم سیدنا و مولانا السلطان

"عبدالحمید الثانی العثمانی کی خلافت کا، اللہ تعالیٰ ان کو اپنی نصرت خاصہ سے بہرہ ور فرمائے۔ اور ان کے ذریعے دولت و دین کو اعزاز و غلبہ عطا فرمائے اور انہیں شر اعداء سے حمایت نصیب فرمائے۔ والحمد للہ رب العالمین۔

وصلی اللہ علی حبیبہ ومحبوبہ اکرم الاولین والآخرین سید الانبیاء والمرسلین وعلیٰ آلہ واصحابہ وازواجہ وعترتہ اجمعین۔

قد حصل الفراغ من ترجمۃ ہذا الکتاب المستطاب ۱۴۱۱ھ ۵ شوال المکرم علیٰ ید الفقیر الیٰ اللہ الغنی محمد اشرف سیالوی۔

فی البلدۃ المکرمۃ سیال شریف لا زالت مبدءً للخیرات والبرکات وعلینا معینا لطالبی رحیق السلوک لسبیل الرشاد والوصول الیٰ رب الارباب۔

فہرست مضامین

سیرتِ سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم

ترجمہ

الوفا

باحوال المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم

مصنف

امام عبد الرحمن ابن جوزی علیہ الرحمۃ

مترجم

علامہ محمد اشرف سیالوی

ناشر

فرید بک سٹال ○ اردو بازار لاہور